

کراچی

اپریل ۱۹۶۶ء

جلد ۱-۱۸

شمارہ ۱-۱

ماہر القادری

ترتیب

۳۳	ماہر القادری	در حزب اختلاف
۴۰	محمد نواز دایم - اے	عری
۲۶	عبدالمطہر قدسی	حکیت
۳۲	جمال الدین ٹوکی — وارث سریندی	لائسنس نمبر
۴۸	محمد زکریا مائل	کائنات
۵۰	حافظہ لدھیانوی سر جاوید احسن	
۵۱	مستر اے کے بروہی بیٹھکیت	
۵۲	میں

پبلشر: مسرور حسین

قیمت فی پرچہ ۲۲ پیسے

مقام اشاعت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ اول

متحدہ ہندوستان میں جب انگریزوں کی غلامی ہم پر مسلط تھی، اُس دورِ صبر و استقامت میں ہم نے برطانوی پالیسی اور انگریزی زانہ کے علی الرغم ترکوں کی عملی حمایت و معاونت کی ہے، مولانا محمد علی جوہر کا شہرہ آفاق انگریزی مضمنا مرہ کا مرثیہ "مولانا ابوالکلام آزاد کا انقلاب آفرین جہیدہ - اہلکلی" اودان کے بعد مولانا غفر علی خاں کا ہنگامہ آراء اخبار "زمیندار" ترکوں کی حمایت کے لئے وقف تھے۔ اس قسم کی کئی مثالیں۔

بلغقان چلو، بلغقان چلو

اور

کہ رہا ہے اب شیر زار انگورہ چلو

بہت مقبول تھیں، اور ہندوستانی مسلمان اپنے ترک بھائیوں کی حمایت میں جوش سے لبریز تھے، ہر طرف اسلامی اخوت کی بقی رو رواں تھا! اشار و اخوت کا یہ عالم کہ ہندوستانی مسلمانوں کو اپنی آزادی سے زیادہ ترکوں کی آزادی عزیز تھی، اور وہ اس دینی جذبہ کے تحت کہ صدیوں تک آل عثمان کی تلواروں نے اسلام اور مملکت کی حفاظت کی تھی اور ہر محاذ پر معاندین اسلام کو نچا دکھایا تھا۔

رئیس الامار مولانا محمد علی جوہر ترکی خلافت کی خاطر وفد لے کر انگلستان تشریف لے گئے، برطانوی شہنشاہیت کے عروج و شباب کا یہ وہ زمانہ تھا کہ بڑی بڑی حکومتیں برطانیہ کے چشم و اہمو کے اشاروں پر چلتی تھیں، مگر ہندوستانی مسلمانوں کے اس وفد نے ترکی کی حمایت میں انگلستان جا کر اُن خیالات کا اظہار کیا، جن کی بناء پر دست زد برطانیہ کی پالیسی پر پڑتی تھی، دینی اخوت نے عواقب سے بے پروا ہو کر اس ایمانی حجت کا مظاہرہ کیا، ترکی کو ہندوستان کے مسلمانوں نے طبی و فنی بھیجے "سمرقند" اس جوش و خروش کے ساتھ قائم ہوا کہ ہندوستان کے گھر و دھڑ میں ایک ہل چل پیدا ہو گئی، فلسطین کا مسئلہ سامنے آیا تو سید امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین ہندوستان تشریف لائے اور یہاں کے مسلمانوں نے اُن کی بڑی پذیرائی کی! — شریف حسین اور سلطان ابن سعود کے درمیان آویزش ہوئی، تو حجاز مقدس کے عقدہ کو سلجھانے کے لئے متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں نے ہمسائیہ جہد و جدی؛ خلافت کے زمانے میں ہمارا یہ عالم تھا کہ دنیا کے کسی گوشے میں بھی کسی مسلمان کے ہاتھ میں

ناشتا چھٹتا تھا تو اس کی خوش ہم محسوس کرتے تھے! اور ہر مسلمان ملک کا مسئلہ گھبراہٹ پیدا کرتا تھا۔ وہ انگریز کی غلامی کا دور تھا، پاکستان بننے کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے آزاد ہو گئے، تعبیر و تفسیر اور تعمیر و ترقی کی زمام ہمارے اپنے ہاتھوں میں آ گئی، دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے مالک و مختار، حکومتوں سے جنگ و صلح کے تمام اختیارات ہمیں مل گئے! اور وہ تلوار بھی ہمارے قبضے میں آ گئی، کہ جب قرطاس و قلم بیکار ہو جائے ہیں تو لوگ شمشیر سے سیاسی عقدے داہرتے ہیں!

حقائق اس قہید کے بعد ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں نزاع و تصادم اور صوب و ضرب کے مقابلہ میں "امن" بہ ہر حال اچھی چیز ہے! انسان کو طبعاً امن پسند اور صلح دوست ہونا چاہیے! پاکستان اور ہندوستان ہمسایہ ملک۔ اور مسایہ..... بلوچستان میں، یہاں کے رہنے والے صدیوں ایک وطن کے باشندے ہونے کی حیثیت سے ساتھ ساتھ رہے ہیں، اس لئے دونوں ملکوں کی اسی میں بھلائی ہے کہ ان کے تعلقات خوش گو قرار دیں۔ اور دونوں ملک ایک دوسرے کے حق ہمسائیگی کا اس لحاظ کریں، پٹنہ سیدل میں کبھی کبھار جھگڑا بھی ہو جاتا ہے اور پھر صلح و صفائی ہو کر لڑکیاں دوسری بھاتی ہیں!

اس حقیقت کا ہم کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ ہندوستان میں سبھی لوگ جن شکلیں اور ہندوستانی نہیں ہیں۔ وہاں بے پیکارش لائن، راج گوبال اچاریہ اور دتو سہاسے جیسے دھڑا تڑپتا بھی پائے جاتے ہیں جو انسانی بھائی چارے کے بہت بڑے حامی اور مبلغ ہیں اور ہندوستان کے مسلمانوں کو شکھی دیکھنا چاہتے ہیں، ہاتھ کاڈھی کی اس قربانی کو نہیں بھگایا جاسکتا کہ بھارت کے پرلین حال مسلمانوں کی حمایت کے یوم میں انہیں گولی کا نشانہ بننا پڑا، ہندوستان میں اس ذہنیت کے ہندو بھی پائے جاتے ہیں جو اسکا اعتراف کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے تمدن و تہذیب بھارت کو نکھارا اور ترقی بخا دی ہے، ہزاروں لاکھوں ہندو اور سکھ اہل قلم اور ادیب ذوق آندھنیان کے دل و جان سے نشیدائی ہیں، ہمیں ذاتی طور پر اس کا تجربہ ہے کہ مدراس اور ممبئی میں وزیر اعلیٰ مرحلہ بڑی آسانی سے ملے ہو گیا، اور ہمارا مسلمان اور پاکستانی ہونا اس راہ میں رکاوٹ نہیں بنا، عوامی اور جمہوری حکومت کی یہ کراہت ہے کہ بھارت میں مسلمانوں کے اخبار و دل کی حکومت پر بڑی آزادی اور حجرات کے ساتھ تنقید کرتے ہیں، افریقہ، بچ کی ادائیگی کیلئے جتنی ہولناکیاں ہندوستانی مسلمانوں کو حاصل ہیں، آئی ہولنٹیں پاکستان میں میسر نہیں ہیں!

مگر

اس تعبیر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ تقسیم ہند کے بعد بھارت کے معاشرے اور حکومت پر ہندوستانی اور جن شکلیں ذہنیت مسلط ہوئی اور بھاتی چلی گئی، الیا محسوس ہونے لگا کہ ہزاروں خونچاہ اور لاکھوں سالہ کہ جاب تک چھپے بیٹھے تھے، ایک انہی منظر عام پر آ گئے ہیں، مواد پسین آئے انہی کے اشتعال قاتلانے اس مسلم دشمن ذہنیت کو بڑی طرح غذا پہنچائی، یہاں تک کہ راجند پٹنا دھیسے کا گھڑی بٹیا سبھی مسلم تعلیم کے معاملے میں بے پردا بن گئے، پنڈت جواہر لال نہرو کو جن شکلیں مزاج اور ہندوستانی ذہنیت سے کوئی مناسبت اور دلچسپی نہ تھی، ان کی مجبوری کا یہ عالم تھا کہ آندھنیان کے وہ انتہائی مزاح اور ہمدرد و غیر خولہ ہوتے رہتے ہی محض وہ اس کے لئے کھنڈ کر سکے۔

یہ واقعہ ہے کہ بھارت میں مسلمانوں پر ہمیشہ و روزگار کی راہیں جان کر ٹنگ کی گئی ہیں، خاص طور سے سرکاری محکموں میں ان کو تعلقات مناسب آدمی کے لحاظ سے تیزی کے ساتھ گھٹتی چلی جا رہی ہے۔ حکومت اور مفروضہ کے حدود سے آندھنیان کو صرف اس لئے دلائل نکالا گیا ہے کہ یہ مسلمانوں کی زبان ہے! تعلیمات کے نصاب میں اس قسم کے انکار و دخیالات کو سمجھا گیا ہے، جن سے سلام اصطلاح اسلامیہ کے بارے میں نفرت و مخالفت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، اسلامی تعلیمات و عقائد کو بگاڑ کر پیش کیا گیا ہے۔

ان کتابوں کو پڑھ کر ہندوستانی مسلمانوں کی نئی پیدا اپنے مذہب کے بارے میں بیگان ہو جائے گی اور کہیں کہیں اس "دینی خدمت" کے آثار نمایاں بھی ہونے لگے ہیں!

تفہیم ہند کے بعد سے اب تک ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں کو قتل و غارت گری بے اہمیتی، عصمت دہی اور خون اور آسروں کے جن دردناک سانحوں سے گزرنا پڑا ہے، ان کا کوئی شمار و حساب نہیں، مسلمانوں کو آکھاٹنے، تباہ و برباد کرنے اور انہیں خوف زدہ کر دینا اور کم بہت بنانے کے لئے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کام ہوتا ہے اور ہر سال کہیں نہ کہیں جیل بیلنگیٹا اور جیل بیلنگیٹا کا کوئی نہ کوئی قتل مسلمانوں کے لئے تیار ہو جاتا ہے، پولیس جو عوام کے جان و مال اور عزت و اہمیت کی محافظ ہے - وہ قاتلوں اور ڈکیتوں کی ہر طرح سے پشت پناہی کرتی ہے اور عدالتیں جن سے انصاف کی توقع کی جاتی ہے وہ ان قاتلوں، قاتلوں اور غارت گروں کو عوام پر بھگاد دیتا جاتا ہے۔

ہر مذہب حکومت میں ایک "قہری" کی شخصیت بڑی اہمیت رکھتی ہے، مگر یہ ظلم ہندوستان ہی میں دیکھنے میں آیا کہ لاکھوں مسلمانوں کو مذہبی پاکستان کی سرحد میں ڈھکیل دیا گیا اس ظلم و شرارت کا مقصد یہ کہ ایک طرف ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد میں کمی واقع ہو جائے، دوسری طرف پاکستان کی معاشیات کو لاکھوں آدمیوں کا بار اٹھانا پڑے! یہ صورت حال بین الاقوامی قانون کی کھلی مہدی خلاف ورزی ہے! مگر وہ جو بولتی کہاوت ہے کہ زبردست مارے اور روئے نہ دے۔ یہی صورت اس قسم کے ظالمانہ سانحوں میں پیش آرہی ہے!

روداداری اور امن و رستی کے نام پر ان زخموں سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، اور جو کوئی روداداری کی اس انتہا تک پہنچا ہوا ہے! اس کے اندر دینی غیرت باقی نہیں رہی، صلح و صفائی اور امن و دوستی کے اعلان اور عہدوں کو عہد کا میاں ہی اسی وقت میں سنا سکتی ہے جب کہ طرفین کی جانب سے میلان اور جھکاؤ نظر نہ آئے، تالی ایک واقعہ سے نہیں بچا کرتی! اعلان ناخفہ کے بعد ہی ہندوستان میں ایک کالفرنس منعقد ہوئی جس میں کھیلے خزانے ڈنکے کی چوٹ اس کا اعلان کیا گیا ہے کہ ہندوستان کی تفہیم و تفریحی تھی، اسے ہمیشہ کے لئے خوش دلی کے ساتھ قبول نہیں کیا گیا، پاک ہند کی تفہیم کی اس گیر کوٹ جانا چاہئے پاکستان اور ہندوستان کے ایک ہو جانے ہی سے ایشیا میں امن قائم ہو سکے گا! اس کے بعد اس شہر میں سبک دھڑنے اس خطرناک فتنہ کی طرح ڈالی ہے کہ۔

"جب تک مسلمان عورتوں کو پسند سے باہر نہیں لایا جائے گا، مسلمان مرد، ہندو عورتوں کے لئے خطرہ بنے رہیں گے۔" (دہنت روزہ کھنڈر)

کیا یہ دوستی کی باتیں ہیں! قطع و امن چاہئے۔ دے لے کیا ایسے فتنے کھڑے کیا کرتے ہیں؟ ہم اور تفہیم سے بچا چکے ہیں کہ انگریزوں کی خلافت کے دور میں ہم نے دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کی مطلوبیت اور پلٹن کی حالی پر احتجاج اور ان کی ہراساں کاری مد کی ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی آزاد و مسلم حکومت کے مالک و مختار ہوتے ہوئے ہم ایسے بے دست و پا ہو گئے ہیں کہ اس ظلم و ستم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے، کیا قیامت کے دن ہم سے اس غفلت کی باز پرس نہ ہوگی، کیا اس دن روس، امریکہ، برطانیہ اور سبادت "اعلان ناخفہ" کے نام پر ہماری کالت کر سکیں گے۔

پاکستان اور ہندوستان کی حالیہ جنگ کی تفہیم اور اس کے محرکات و دواعیات اور محاذ کے ذکر سے ہم سے قصداً گریز کرتے ہیں، اس سلسلہ میں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اس جنگ کا اصل محرک "مسند کشمیر" تھا! ہندوستان اور سیکورٹی کونسل نے کشمیر میں "استصواب لئے حاکم" کے اصول اور شرط کو ان لیا ہے، اس لئے ہندوستان جس شرط کو تسلیم کر چکا ہے اس کا ایضاً

کنا چاہئے!

دعہ کہتے ہو مگر وعدہ دفا ہوتا نہیں

میری قسمت تم سے اپنا بھی کہا ہوتا نہیں

اعلان تاشقند میں مسئلہ کشمیر کے تصفیہ کی نہ کوئی ضمانت دی گئی ہے اور ضمانت کیسی، ایک حرف بھی اس بارے میں نہیں کہا گیا، پھر فریق ثانی یعنی ہندوستان اس کا بار بار اعلان کر چکا ہے، کہ کشمیر تجارت کا اثاثہ الگ ہے، اس مسئلہ پر ہر بات چیت کرنے کے لئے ہی سرے سے تیار نہیں ہیں، اس صورت میں جو مسئلہ بنائے نزاع تھا، وہ بدستور اسی طرح موجود ہے۔ اس کے تصفیہ کے لئے تاہم اسی وقت ہمارے ہر ممکن سعی کی جنگ بندی اور فوجوں کی مالی مشروط ہوتی!

ہندوستان کے ارباب اقتدار کھلے بندوں اعلان کر رہے ہیں کہ اعلان تاشقند سے مسئلہ کشمیر کا کوئی نامہ لپی نہیں ہے۔ اس پاکستان کے ارباب کا اسکی خوش فہمی کا یہ عالم ہے کہ وہ اس اعلان سے تصفیہ کشمیر کی توقع رکھتے ہیں! ایسی تاریخ کا ایک عجوبہ! جب فریق ثانی مسئلہ کشمیر کی دوسری ذمہ داری بھی اپنے سر لینے کے لئے تیار نہیں ہے، یہاں تک کہ اس مسئلہ پر گفتگو تک کنا بھی چاہتا تو پھر اس خوش فہمی کو آخر کیا نام دیا جائے! یہ صورت حال کھن دہ اضطراب انگیز اور تکلیف دہ ہے! کسی ملک کی سیاست کو ایسے عجیبے غریب مرحلے سے شاید کبھی سابقہ پڑا ہو!

مصر اور اخوان

جمال ناصر اور اخوان المسلمون کے حالات کے تمام رخ منظر عام پر آ چکے ہیں، جن اہل تسلیم پر اس مسئلہ میں زہریل طاری ہو گیا تھا، جس کے سبب ان کے تسلیم نے جمال ناصر کی درجہ اخوان پر طعنہ و تفریق کی، ان کو اپنے اس ذہول و غرض کی اللہ تعالیٰ سے محضرت طلب کرنی چاہئے! عرب دنیا کی اتنی منظم دینی تحریک کو جس ظلم و ستم کے ساتھ تباہ و برباد کیا گیا ہے، وہ دین و اخلاقی بلکہ انسانیت کی دوسرا گیند ٹریچڈی ہے! اخوان کی تباہی کو یہ غور نہیں کرنا کہ مصر میں کھیل جا رہا ہے اور اسی پر مختلف قسم کے الزامات لگا کر جس خانہ سے لے کر چٹانوں کے تختہ تک ہر عقوبت اور مہیبت میں وہ مبتلا کئے جا رہے ہیں۔

انٹرایمٹ کے لئے اسلامی اخوت کے نام پر جو تحریک مجاز مقدس سے اٹھی ہے وہ بھی جمال عبدالناصر کو پسند نہیں ہے! انہوں نے فرمایا ہے۔

”یہ عرب ملکوں میں ترقی پسند تحریکوں کے خلاف سامراجیوں کی ایک اور سازش ہے اور

اسلامی معاہدہ کا یہ تصور بنایا نہیں ہے، ہم پہلے ہی ایسی سازشیں دیکھ چکے ہیں“

اسلامی اخوت اور ملت اسلامیہ کے اتحاد کے بارے میں یہودی بھی اسی قسم کے جذبات رکھتے ہیں، اور ان پر بھی یہ تحریک گراں اندہ شافی گزرتی ہے!

ناجیبر یاسین احمد بن بیلو کی شہادت عالم اسلام کا ناقابل تلافی نقصان ہے، یہ شخص اپنی جامعیت، اسلامی فکر و جوش اور دینی غیبت میں ایک امت کی برابر تھا۔ مگر برطانیہ اور اسرائیل کی طرح متحدہ عرب جمہوریہ بھی ان سے ناخوش تھی، مولانا عبداللہ عطار ندوی اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

”الحاج احمد، ناجیبر یا ہی نہیں بلکہ پورے افریقی براعظم میں اسلام کے مبلغ تھے، ۹ ذیل

کا بلند قامت چوڑا چوکھڑا سینہ رکھنے والا مرد مومن تھا یہاں پر دہلی کے سیلاب کے سانحے ایک بند کا کام کر رہا تھا، ان سے انگریز ناواقف تھے، کہ یہ اسلام کا داعی اور اسلامی قندیل کے مبلغ ہیں، یہ وہاں کے لئے نکلتے تھے، کہ اسرائیلی نفوذ کو اپنے ملک میں بڑھنے نہیں دے رہے تھے، عبد اللہ امر کے ہنر اس لئے بچتے تھے کہ یہ کھلم کھلا اسلامی اتحاد کے داعی تھے۔

اللہ سنبھلے

دعوتِ محمدیہ صوبہ بھارت - کل یہاں انجیل کے عظیم مندیل کی تعمیر شروع ہوئی، مقرر کے ذریعے صدارتی طرف سے دو تھر مند کی بنیادیں رکھے، ان دہائیوں پر مہر کے چاند میں دہائیوں کی سونیاں بنی ہوئی تھیں، ان دہائیوں میں تہذیب کے نیچے فذیرا سین نے دو نئے قرآن کے رکھے احمد لکھے مقرر کے قومی دستور کے.....

موتبول اللہ بقول کے نیچے قرآن کریم کے نئے.....!

ست آسمان رات کو بود گر خوں بیاں بر زمین

خدا کی قسم ہم بے حس اور بے غیرت ہو گئے ہیں، وہ نہ تھا یہی روح فرسا خبر انگاروں پر نشا دینے کے لئے کافی ہے!! مقرر میں حکومت کی طاقت کے زور سے جمالی ناصر صاحب کے ماتب کی شہنشاہی راج رہی ہیں، اخبارات انہیں مقرر کا نجات دہندہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں، ریڈیو انہی کی قصیدہ خوانی کرتا ہے، ملک کی آزادی سمٹ سٹا کر ایک شخص کی مٹھی میں آگئی ہے، اللہ تم یہ ہے کہ اس آمریت کو جمہوریت کا نام دے دیا گیا ہے! آہ! آج مصر میں آزادی گنتی کیاب اور اسلام کی قد منظور ہے۔

منفکر اعظم

صدق جدید کائنات میں مولانا حبیب ریحان ندوی جو پالی کا ایک مکتبہ شائع ہوا ہے، جس کے آفیز میں صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ مصر میں حفظ قرآن پر ہزاروں ہینڈ صرف کئے جاتے ہیں اور مصر کے رب عظیم تباری شیخ مصطفیٰ اسمعیل کو حکومت مصر نے قند دے کر فن تجوید و قرأت کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس تفصیل کے بعد وہ لکھتے ہیں:

... ہم لوگ عید کے دن فضیلتہ الشیخ عبدالحمید الدبیانی شیخ الجامعہ دہلی اسلام آباد عید کی مبارک باد دینے گئے، چند رسمی جملوں کے بعد شیخ نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی خیریت پوچھی میں نے کہا مجھے یہ نہیں اٹھا، اللہ شکیب ہی ہوں گے، وہ تو پاکستان میں رہتے ہیں، کہنے لگے وہ تو دہ اصل ہندوستان ہی ہیں، یہ تعلیم تو بعد کو ہوئی ہے اور اسلامی رشتہ سب قوی ہے، الفرض ہم لوگ ۲۰ سٹنٹ پیج، جس میں سے ۲۰ سٹنٹ بک مولانا کی تفکیر ان کی تالیفات اور نقطہ نظر کی تعریف کرتے رہے، کہنے لگے، ان سے بڑا مفکر اسلامی دنیا میں کوئی دوسرا نہیں، دین و دنیا کا جو جامع تصور انہوں نے پیش کیا ہے، وہ کتاب و سنت کے عین مطابق ہے!

نیز کمیز نرم، کپڑے ازم اور دوسرے اقتصادی نظاموں کے مقابلے میں انہوں نے اسلامی نظام اقتصاد کی شرحیں دی ہیں اور قانون اسلامی کے تحقیق کے لئے عالم عربی و اسلامی میں شغل راہ کار درج رکھی ہیں۔

مراکش تک اور ترکی سے لے کر سوڈان تک مولانا کا کیا مقام ہے !

اور ہندوستانی دہاکستانی صحافت کو بھی میرا مشورہ ہے، جس کا کام - مولانا کی تعبیری غلطیاں پیش کرنا ہے کہ وہ کسی تعبیری کام میں اپنا وقت صرف کرے، اسلام اس کا نام نہیں کہ دوسرے کی غلطیاں نکالی جائیں بلکہ دنیا کے سامنے مرض کی تشخیص کیجئے اور علاج پیش کیجئے، مگر نہ موقدعی صاحب نے جو مرض تشخیص اور جو علاج پیش کیا ہے، ہندو پاک کے چند علماء کو چھوڑ کر پورے عالم اسلامی نے اس مرض کو مہلک جانا ہے اور اس علاج کو بھیج مانا ہے۔

ابن ہنگول کو کیا کہتے جو مولانا سید ابوالاعلیٰ موقدعی کی تشخیص و تذلیل بلکہ بروری کی حد پر ہیں اور مولانا موصوف کو سنٹی لاپنے دل کی بھر اس نکالتے ہیں۔ اور مطمئن ہو جاتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں دنیا بھی اُسے صحیح تسلیم کر رہی ہے، حالانکہ ایسی اور بھی باتیں ہیں یہ حضرات خود اپنے شمار کو گزار رہے ہیں۔

پاک و ہند کی جنگ کے دوران ایک صاحب نے حکومت کو مشورہ دیا تھا کہ مولانا موقدعی کو عرب ممالک میں بھیجنے کی غلطی نہ کی جائے۔ یہ ممالک ہیں ان کا اثر یوں ہی سا ہے۔ اس مکتوب کو پڑھ کر ان صاحب کا فہم کلاش ! غلامت محسوس کر سکے۔

”فاران“ میں مولانا موقدعی کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، اس تعلق خاطر اور اعتراف کا سبب صرف وہی خواہی ہے ! میں مدینہ اللہ تعالیٰ کے دین کی ملاقات کے لئے مولانا موقدعی نے ہر محاذ پر زبردانی کی ہے، اُن کا قلم ۴۵ سال سے دین کی خدمت کے لئے وقف ہے، اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں بھی اٹھائی ہیں، یہاں تک کہ پچاسی کی کال کو ٹھری بھی ان کی استقامت میں چلک پیدا نہیں کر سکی ! ہم اللہ تعالیٰ کا انکا داگتے ہیں کہ عرب کے صف اول کے مشاہیر علماء اور اسباب فسک مولانا موقدعی کے بارے میں وہی جذبات اور خیالات رکھتے ہیں جو ہمارے دل و دماغ میں موجزن ہیں، یہ تو اردو نہیں بلکہ ”حسنِ نثار“ ہے، اللہ تعالیٰ موقدعی صاحب اور دین کے تمام مخلص خدمت گزاروں کو خدمتِ دین کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے اور ساتھ ہی معاندین کے شر سے محفوظ رکھے۔ (دآمین)

ماہر اثناء درسی
۱۵ مارچ ۱۹۶۶ء

محمد نواز دایم (لے)

اسلامی جمہوریت اور حزب اختلاف

پاکستان کے نظریاتی استحکام کا انحصار دو باتوں پر ہے :

● پہلی یہ کہ قرآن و سنت کو منبعِ ہدایت اور اولین مآخذِ قانون تسلیم کیا جائے اور ملک کے دستور میں حاکمیت اور مطلق قرآن و سنت ہی کو حاصل ہو اور

● دوسری یہ کہ ملک میں حکومت کا ڈھانچہ جمہوریت ہی کی بنیاد پر استوار کیا جائے۔ یہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے وہ پاکستان میں اب طے شدہ ہے۔ اسے مستحکم کے دستور میں بھی تسلیم کیا گیا تھا۔ اور مارشل لاء کے بعد جو دستور نافذ کیا گیا ہے اس میں بھی یہ بات نمایاں طور پر شامل ہے اس بات میں اب کسی قسم کے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ ایک طے شدہ بات ہے اس کے خلاف کوئی شخص کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ صرف اسی ایک بات نے ہمارے ملک کو دارالاسلام کا درجہ دے کر اسے مسیحی طرح محترم اور مقدس بنا دیا ہے، اس ملک کی ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ منصب تک کے سارے کام عبادت کی تعریف میں آتے ہیں۔ لہذا اس طے شدہ بات کے سلسلے میں مزید گفتگو کرنا تحصیل حاصل ہے !

دوسری بات، یعنی ملک کے حکومتی ڈھانچہ کو جمہوریت کے مسئلہ اور متفق علیہ اصولوں پر استوار کرنا۔ اس سلسلے میں بعض حضرات کے ذہنوں میں خلغشار پایا جاتا ہے۔ بالخصوص ہمارے ہاں کے بعض مذہبی لوگ اس مسئلے میں حد درجہ الجھ ہوئے ہیں۔ یہ نہایت ہی درد انگیز صدمت حال ہے کہ جس طبقہ کو سب سے زیادہ آگے بڑھ کر جمہوریت کے فروغ اور اس کی بحالی کے سلسلے میں کوشش کرنی چاہئے تھی وہی دین ہی کے نام پر اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کا ذریعہ سراپا بن کر رہا ہے، حالانکہ جمہوریت اسلام سے مختلف چیزیں نہیں بلکہ اسلام کے اجتماعی نظام کا ایک لازمی وصف ہے، کیا کوئی یہ کہنے کی جرات کر سکتا ہے کہ آنا دین، مساوات اور اخوت اسلام کے لازمی اوصاف ہیں اور کیا کسی کے پاس اس بات کی دلیل ہے کہ حریت نہ کہ اور آئندہ اجتماعی اجتماع اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہیں یا اسلام قانون اور عدلیہ کی برتری کے مخالف ہے اور کیا ان کے بنیادی اور اسلامی حقوق کی بحالی کا مطالبہ غیر اسلامی ہے۔

اگر ساری باتیں اسلامی ہیں اور اسلام ہی کے لازمی اوصاف ہیں تو پھر اس جمہوریت کو حوالہ ساری باتوں کا جامع عنوان ہے آخر چونکہ غیر اسلامی قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا خلافتِ راشدہ کا نظام جمہوری نہیں تھا۔ کیا خلیفہ مسلمان رائے عامہ کا نمائندہ نہیں ہوا کرتا تھا، کیا اکابر صحابہ کے معاملات باہمی شدہ سے طے نہیں ہوا کرتے تھے اور کیا خلیفۃ المسلمین اپنی شریعت کے مشورہ علی کا پابند نہیں ہوا کرتا تھا اور کیا خلافتِ راشدہ کے نظام میں قانون اور عدلیہ کی برتری حاصل نہیں تھی۔ اگر خلافتِ راشدہ کے نظام میں جمہوریت کی یہ ساری خصوصیات شامل ہیں تو پھر جمہوریت کو خلافتِ راشدہ کا مظہر اور پیکر نہیں سمجھا جاتا؟

اتنی واضح اور صاف بات کے باوجود یہ بزرگانِ دین کبھی کہتے ہیں کہ جمہوریت کے ساتھ "اسلامی" کے لفظ کا اضافہ کرنا ایسے جیسے کیونکہ ہم کے ساتھ "اسلامی" کا لفظ استعمال کیا جائے۔ کبھی انشاء پر تا ہے کہ اسلام میں حبِ اختلاف کا سرے سے نا تصور نہیں کیا جانا چاہئے کہ ساری امت ایک جید واحد ہے، اس لئے اس کے اندر تجدید واجب ہے دین کے نام پر کوئی منظم عت بنانا تو قدر پیدا کرنے کے مترادف ہے اور کبھی دورِ حاضر کی جمہوریتوں کے آمرانہ ایڈیشنوں پر واہ واہ اور سبحان اللہ کے ڈونگرے برساتے جاتے ہیں۔

خدا معلوم یہ ساری باتیں علم و مطالعہ کی کمی کی بنا پر کبھی جاری ہیں یا کچھ مقصود من محرکات کی بنا پر اور خواہ کچھ بھی ہو، لیکن یہ طے ہے کہ کسی جاتی میں کہ اوسط درجے کا پڑھا لکھا آدمی بھی حیران ہو کر حیرت کرے کہ آخر ہمارے ان بزرگانِ دین کو کیا پتا ہے؟ جمہوریت کی یہ مخالفت آخر کیوں کی جارہی ہے۔ کیا واقعہً غیر جمہوری نظام حکومت ملک و ملت کے لئے آہِ رحمت ہے؟ جمہوریت کی راہ روکنے سے دین کو سر بلندی اور سر فرازی نصیب ہوگی اور کیا اس سے آخرت میں بھی درجہ بلند ہوئے گی؟ پھر بد قسمتی سے ان مخالفین میں وہ حضرات بھی ہیں جو جماعتِ اسلامی سے الگ ہوئے ہیں اور جماعت سے الگ ہونے کی بعض سری وجوہ میں سے ایک اہم اور بنیادی وجہ یہ بھی بنائی گئی تھی کہ جماعت کے "جبری" نظام میں مولانا مودودی کی حیثیت ایک امریکی ہے۔ ان میں سے بعض حضرات جماعتِ اسلامی اور مولانا مودودی کی مخالفت میں اس حد تک پہنچ گئے ہیں جہاں مخالفت برائے نفرت ہوتی ہے، جیسے کوئی کسی کے درپے آنا ہو جائے، ہجرت ہے کہ پندرہ سولہ سال ایک تحریک سے وابستہ رہنے، ایک مقصد اور طریق کو اپنانے اور اس پر قائم رہنے، احساس کی صداقت کا خدا اور خلقِ خدا کے سامنے حلف اٹھانے کے بعد وہ جماعت سے الگ تھے اور اس شانِ ادعا کے ساتھ علیحدہ ہوئے کہ جماعت کا مقصد بھی غلط، جماعت کا طریق کار بھی غلط، یہاں تک کہ خود جماعت نام بھی غلط! جو لوگ برسوں کی رفاقت کے بعد بھی حق کو نہ پہچان سکے، اور ہمارا سالِ ربیعہِ خورشید / غلط طریق کار کی ایت کرتے رہے! ان کے بارے میں یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنے نئے موقف پر نہ جاتے کب تک جھے رہتے ہیں اور اسے چھوڑ بیٹھتے ہیں! انکڑ عمل کے اس تئوں کا اگر کسی کو مشاہدہ کرنا ہو تو ان بزرگوں میں سے صرف کسی ایک بزرگ کی خریدوں مطالعہ کر کے دیکھ لیجئے، ان میں نمایاں تضادات ملیں گے، کہیں اقامتِ دین کو ایک اہم فریضہ قرار دیا جاتا ہے اور میں اسے "خط" سے تعبیر کیا گیا ہے، کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ جماعتی زندگی واجب ہے اور کبھی تنزیہاً دہرنا ہے کہ جماعت دینِ امت میں فتنہ کے مترادف ہے، کبھی شرِ دلت کے لغیب اور داعی کی حیثیت اختیار کر لی جاتی ہے تو کبھی جمہوریت کی مخالفت سحریت کے جواز میں سامانِ توہم صرف کر دیا جاتا ہے۔

ان میں سے بعض ہوشیار حضرات براہِ راست نصب العین پر محمد کرنے کے بجائے ان ذرائع اور وسائل کی مخالفت دیکھ کر دیتے ہیں جو جماعت نے اپنے نصب العین تک پہنچنے کے لئے اختیار کر رکھے ہیں، انہی ذرائع میں سے ایک ذریعہ اختیارات کا اور آج کل کے حالات میں دوسرا ذریعہ جمہوریت کی کامل اور مکمل بجائی کا ہے۔ حالانکہ مقصد جتنا اہم ہوتا ہے اس کے حصول کے لئے بھی اتنے ہی اہم ہوتے ہیں۔ نماز کا ادا کرنا اگر مقصد ہے تو وضو کرنا، چمک کا پاک رکھنا، بدن اور کپڑوں کا پاک ہونا، یہ سب ذرائع نماز کی تکمیل کا سبب اور ذریعہ بنتے ہیں انتہائی ضروری ہیں۔ پیاس بجھانا اگر مقصد ہے تو اس کے لئے "پانی" کی تلاش اور جستجو کرنا بھی ن ہے کیونکہ اس کے بغیر پیاس بجھانے کا مقصد لوہا ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر ملک کا دفاع مقصد ہے اور جہاد یا قتال بھی فرض ہے، اس کے لئے ضروری وسائل اکٹھے کرنا، جنگی سامان جمع کرنا، تباہ کن ہتھیاروں کا ہسٹا کرنا بھی تو اتنا ہی فرض ہے اگر آپ یہ

سمجھتے ہیں کہ ملک کی اجتماعی زندگی پر خدا کا دین غالب اور مقصد ملک و ملت کے دنیاوی مفاد کے نقطہ نگاہ سے بھی اور خود اپنی اخوت کی کامیابی کے خیال سے بھی — آپ کے نزدیک کسی دہجہ کی بھی اہمیت کا حامل ہے تو اس مقصد کے حصول کا واحد ذریعہ جمہوریت کی کامل اور مکمل بحالی ہے اگر جمہوریت بحالی نہیں ہوتی تو غلبہ دین کا خواب بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر کا ملہ سے کوئی معجزہ صادر فرما دے تو بات دوسری ہے ورنہ جہاں تک تاریخی تجربات اور انسانی سرچ کا تعلق ہے ان کا فیصلہ یہی ہے کہ جمہوریت کی کامل اور مکمل بحالی ہی وہ لازمی اور ضروری ذریعہ ہے جس کی مدد سے خدا کا دین اس ملک میں حکمران بن سکتا ہے، جو شخص جمہوریت کی راہ میں حائل ہوتا ہے وہ خواہ علم و تقویٰ کے کتنے ہی اونچے برج پر کیوں نہ بیٹھا ہو وہ دراصل خدا کے دین ہی کے غلبہ کی راہ کا سنگ گراں ہے۔

سردست اس بحث کو جانے دیجئے کہ جمہوریت کا پارلیمانی نظام سہارا مفید مطلب ہے یا اس کا صدارتی نظام۔ اس بحث کو اس سے نیا وہ کوئی اہمیت حاصل نہیں کہ ایک شخص لاہور جانے کے لئے یہ فیصلہ کرے کہ کراچی سے لاہور جانے والی گاڑیوں میں کس گاڑی میں سفر کرنا چاہئے یا لکھنؤ میں سے جو لاہور تاحیر سے پہنچتی ہے یا خیبر میں اور تیز گام کے ذریعے جو لاہور جلد پہنچاتی ہیں۔ اس میں اختلاف رائے ممکن ہے — لیکن اس بات میں ہرگز اختلاف رائے نہیں ہونا چاہئے کہ سرے سے لاہور جانے والی گاڑی ہی پر سفر نہ کیا جائے بلکہ گھر بیٹھ کر، آنکھیں بند کر کے صرف ”لاہور“ لاہور کی شمعیں جھمکتے ہیں اور یہ توقع رکھیں کہ کہیں سے کوئی غیبی ہاتھ نمودار ہو کر معجزانہ طور پر پہنچا دے گا۔

جمہوریت! جماعت اسلامی کے نزدیک ”جمہوریت“ کی بحالی ہی وہ گاڑی ہے جسے ذریعہ بنا کر اسلامی نظام کے غلبہ کی منزل مقصود تک پہنچا جا سکتا ہے۔ پارلیمانی نظام اس منزل تک پہنچنے کے لئے ایک تیز رفتار ذریعہ ہے اور جمہوریت کا صدارتی نظام بھی منزل تک پہنچانے کا ایک صحیح ذریعہ ہے بشرطیکہ جمہوریت ہی کا صدارتی نظام ہو اور یہ قول علامہ اقبال ”آمریت کا دلوں استبداد“ جمہوریت قیاس ”پائے کو بے تہ ہو۔“

جس جمہوریت کی بحالی کے مطالبہ کی تائید کی سعادت جماعت اسلامی کو حاصل ہے، اس کا یہ دعویٰ سادھا مفہور امیر جماعت کے

الفاظ میں حسب ذیل ہے —

”ملک کسی خاص شخص یا طبقہ اور گروہ کا نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کا ہے جو اس میں رہتے ہیں، لہذا اس کا انتظام ان سب کی یا کم از کم ان کی اکثریت کی مرضی کے مطابق چلنا چاہئے اور اس کو اصولاً یہ حق اور عسلاً یہ موقع حاصل ہونا چاہئے کہ اپنے حکمران اپنی آنا د مرضی سے جنس اور اپنی آنا د مرضی سے ان کو تبدیل کر سکیں۔ اس تصور کو عملی جامہ پہنانے کی بہت سی مشکلیں دنیا میں اختیار کی گئی ہیں اور بہت سی نئی مشکلیں بھی ہو سکتی ہیں، بحث اس کی خاص شکل میں نہیں بلکہ اس امر میں ہے کہ جو شکل بھی یہاں اختیار کی جاتی ہے، اس میں جمہوریت کی یہ حقیقت فی الواقع موجود ہوتی ہے یا نہیں اگر یہاں کوئی ایسا نظام قائم کر دیا جائے جس میں باشندگان ملک کی نہیں بلکہ کسی خاص طبقہ کی مرضی کو غلبہ حاصل ہو تو خواہ اس پر کتنے جلی حروف ہیں ”جمہوریت“ کا سرعنوان لکھ دیا جائے اس پر عام لوگوں کو مطمئن ہونا اور مطمئن رہنا بہر حال ممکن نہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ اسے کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے سب یا اکثر تبدیلی کا دلی تعاون حاصل ہو سکے! ایسے نظام سے

اگر وہ کسی پرستی ہے تو اس طبقہ کو ہو سکتی ہے جس کی مرضی اس میں غالب ہو سیکے۔ مثلاً طبقہ کی طبیعتی طرف سے یہ کہ کسی ملک کی فلاح و بہبود کی ضمانت نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی عین فطرت میں یہ چیز شامل ہے کہ وہ رفتہ رفتہ عام لوگوں کی دلچسپی کی ضد ہوتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ یہ تضاد ایک کشمکش میں تبدیل ہو کر رہتا ہے اس نقصان دہ صورت حال میں مبتلا ہونے سے ملک کو بچانا ضروری ہے اور اس کی صورت صرف یہ ہے کہ تمام وہ لوگ جو ملک کے آئندہ نظام کی تشکیل پر اثر انداز ہو سکتے ہیں پہلے جمہوریت کے اصول کو صدق دل سے قبول کر لیں اور پھر نیک نیتی کے ساتھ ایسا نظام بنائیں جس میں اصول ٹھیک ٹھیک کارفرما ہو۔ (ترجمان القرآن - اشادات اگست صفحہ ۵۵)

اس کی مزید تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے :-

”جمہوریت کے متعلق میں بارہ اپنی تحریر میں اقل تر مبدیوں میں یہ بات بھی طرح واضح کر چکا ہوں کہ اسلام میں جمہوریت کا جوہر موجود ہے مگر جمہوریت کے اسلامی تصور اور جمہوریت کے مغربی تصورات میں بڑا فرق ہے۔ اسلام عام کی لا محدود حاکمیت کا قائل نہیں ہے، بلکہ خدا کی حاکمیت کے تحت عمومی خلافت کا قائل ہے۔ اس عمومی خلافت کے اختیارات چونکہ کسی شخص یا خاندان یا گروہ میں مرکوز نہیں ہوتے بلکہ یہ حیثیت جمعی پوری ملت کو حاصل ہوتے ہیں اور یہی اس کا حجاز ہے کہ جس کو چاہے ان اختیارات کے استعمال کے لئے منتخب کرے۔ اس لئے شخصی اور گروہی حکومت سے تمنا نہ کرنے کے لئے اسلام کے طرز حکومت کو جمہوری حکومت کہا جاسکتا ہے یہی اسلام کا مخصوص تصور جمہوریت ہے۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ دنیا بھر میں جمہوریت کا ایک ہی معروف اور متفق علیہ تصور ملتا ہے۔ مغرب میں بھی جمہوریت کے مختلف تصورات ہیں۔ مثلاً سرمایہ دارانہ جمہوریت، اشتراکی جمہوریت وغیرہ موجود ہیں۔ ان کے بالمقابل اسلام کے طرز حکومت کو اسلامی جمہوریت کا نام دیا جاسکتا ہے ای اسلامی جمہوریت کو میں نے فقیر ڈیرا کر لیبی کے نام سے تعبیر کیا ہے اس اصطلاح سے بھی مراد جمہوریت ہی کا قسم ہے، جو اسلامی اصولوں پر مبنی ہے۔ (ترجمان القرآن فرقہ ۱۵ ص ۱۷۱)

اسلامی جمہوریت کے اس تصور کی مزید وضاحت اپریل ۱۹۶۶ء کے ’ترجمان‘ میں ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے :-

”جب یہ حقیقت مسلم ہے کہ اسلام کا نظام بادشاہت و آمریت، یا محدود مذہبی طبقہ کے تسلط کا مشتمل نہیں ہے بلکہ وہ اصول شریعت پر کام کرتا ہے یعنی اسباب امر کے انتخاب، توفیق و انقض اور تصدیق اور میں مسلم سوسائٹی کو باہمی مشورے پر انحصار کرنا چاہئے اور انھوں کی انبیاء و ائمہ دین میں اسلام کے مفاد کے ساتھ عامۃ المسلمین کے مفاد و مصالح کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی نظام کے ان عناصر کو مسجد و مسجد کی ذہان اندیزی کے لئے کھانے کے لئے کس طرح بیان کیا جائے۔ ایک شکل نئی اصطلاح وضع کرنے کی ہو سکتی ہے مگر یہ اس صورت میں درست ہوتی جب کہ نئی اصطلاح پہلے سے وضع ہو کہ دنیا میں خصوصاً پاکستان میں اپنے مفہوم خاص کے ساتھ جانی جا چکی ہوئی۔ اب نہیں ہوتا۔ پھر دوسری شکل یہ رہ جاتی ہے کہ موجودہ الفاظ کو فریاد و احتیاط

کے ساتھ استعمال کیا جائے اور یہی دوسری شکل پاکستان میں اختیار کی گئی ہے "جمہوریہ اسلامیہ" کے الفاظ جمہوریت کو دو قسم میں بانٹ رہے ہیں — ایک اسلامی دوسرے غیر اسلامی — اور پھر یہ الفاظ پاکستان کے لئے جمہوریت کی اس خالص شکل کو پیش کرتے ہیں جو اسلامی ہے۔
ترجمان القرآن (اپریل ۵۴ء ص ۵۸)

اسلامی جمہوریت کی نمایاں خصوصیات حسب ذیل ہیں: —

- اقتدار اعلیٰ اور حاکمیت مطلق اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور مسلمان جمہور اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی کو نافذ کرنے کے پابند ہیں اور نہ کہ انبیاء کی اصول حکم اللہ تعالیٰ اس بالنازک بالحق ہے۔
- سیاست کے تینوں شعبے — انتظامیہ، عدلیہ، مقننہ — کا دائرہ اختیار و نفع طریقہ پر الگ ہونا۔
- شہری آزادیوں اور بنیادی حقوق کی ضمانت اور عدلیہ کا ان کے تحفظ پر قائم ہونا۔
- انتخابات کی آزادی اور اس کی حفاظت کے لئے ایسی قانونی اور انتظامی تدابیر جن سے یہ اطمینان ہو سکے کہ انتخابات نتائج فی الحقیقت رائے عام کے مطابق نکل سکیں گے۔
- قانون کی حکمرانی یعنی یہ امر کہ داعی اور دھابا کے لئے ایک ہی قانون ہوا اور سب اس کے پابند ہوں اور عدالتوں کو یہ ہو کہ یہ سب سب سے لاگ طریقے سے وہ اس کو نافذ کر سکیں۔

● ملازمین حکومت کا خفاء وہ سول سروس سے تعلق رکھتے ہوں یا فوج سے سیاست میں داخل نہ ہونا اور اس ہیئت کی اطاعت قبول کرنا جسے باشندوں کی اکثریت آئینی طریقے پر ملک کا اقتدار سونپ دے۔

یہ سارے اصول ایک جمہوری نظام کے ایسے لازم ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی ساقط کر دیا جائے یا ساقط نہ ہی میں ہی کر دیا جائے تو جمہوریت بے معنی ہو جاتی ہے اور پھر وہی خرابیاں ظاہر ہو کر رہتی ہیں جو کسی نہ کسی نوع کے بے نقاب یا نقاب پوشیت سے نمودار ہوا کرتی ہیں۔
ترجمان القرآن (اکت ۵۵ء صفحہ ۵۷)

جمہوریت کا یہی وہ تصور ہے جس کے فروغ اور جس کی بحالی کے لئے کوششیں کی جا رہی ہیں۔ فوراً یہ اس تصور میں کوئی اضافہ ہے بین الاقوامیت کے نقطہ نگاہ سے ناقابل قبول ہے۔

جو بندگان دین فرماتے ہیں کہ جمہوریت کے اس تصور کو اسلامی نہیں کہا جاسکتا۔ اگر ان کی اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر تسلیم پڑے گا کہ ریاست پاکستان کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" — بھی غلط ہے۔ آخر وہ کیا وجہ تھی کہ ہمارے ملک کے علماء نے ایک قابل احترام گروہ نے جمہوریہ پاکستان کے ساتھ "اسلامی" کے لفظ کا اضافہ کیا تھا۔

اس کے علاوہ اعتراض کرنے والے حضرات ہیں جو اکثر جمہوریت کی مختلف اصطلاحات اور ان کے استعمال کے باہمی فرق سے بھی خبریں۔ اس بات کو مولانا مودودی نے ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے: —

"واضح رہے کہ اصل نام انگریزی میں "اسلامک ری پبلک آف پاکستان" تحریر کیا گیا۔ یہی پہلا لفظ جمہوریت کے مقابل میں مختلف مفہوم رکھتا ہے۔ جمہوریت کا اطلاق وہاں ہو سکتا ہے جہاں لازماً حاکمیت کا سرچشمہ عوام ہوں اور مجرد عوام کی مرضی اور ان کی خواہشات نظام زندگی کی تشکیل کریں لیکن یہی پہلا لفظ کے مفہوم کا دائرہ وسیع ہے اس کا اطلاق ایسی ریاست اور ایسے معاشرہ پر بھی ہو سکتا ہے

جس کی بنیاد خدا کی حاکمیت کے تصور پر ہو اور عوام بطور خد صاحب حاکمیت نہ ہوں نہ ان کی مرضی اور ان کی خواہشات آخری فیصلہ کن طاقت ہوں۔ لیکن ری پبلک میں اپنی بات ضرور ہوتی ہے، عوام کی رائے اور عوام کے مفاد کو نظام حکومت کے کام کرنے میں دخل حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ لفظ روس اور چین کی ریاستوں کے لئے بھی اختیار کیا گیا ہے۔ روس سوشلسٹ سویت ری پبلک آف ریشیا۔ جانتا م گیا نظام زندگی کا اصولی نوعیت سوشلسٹ کے لفظ میں بیان کی گئی ہے اور اس کے طریق عمل کو لفظ ری پبلک سے واضح کیا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں نظام زندگی کی اصولی نوعیت "اسلام" سے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی "سوامیت" کے پہلو کو نمایاں کرنے کے لئے لفظ "ری پبلک" اختیار کیا گیا ہے۔

(ترجمان القرآن اپریل ۱۹۶۶ء صفحہ ۵)

جو حضرات اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ "اسلامی جمہوریت" کی اصطلاح کا استعمال بالکل ایسا ہے جیسے "اسلامی کمیونزم" کی اصطلاح انہیں اس مسئلہ پر ایک دوسرے نااہل سے لگا ہوا لڑائی کرنا چاہئے کہ ۱۔ یہ بات متفق علیہ ہے کہ بینک کا موجودہ نظام غیر اسلامی ہے اس کا سارا دار و مدار سرور پر ہے لیکن اگر فرض کیجئے کسی وقت اس میں سرور کو ختم کر دیا جائے اور اس کے سارے نظام کو مضاربیت کے اصول پر مضبوط کیا جائے تو کیا پھر بھی بینک کے اس نظام کو "اسلامی" کہہ غلط ہوگا۔ اسی طرح بینک کی موجودہ شکل میں جو اور سود شامل ہے اس لئے اس کے پورے سسٹم کو غیر اسلامی قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن فرض کیجئے اس نظام میں سے بھی ختم کر دیا جاتا ہے اور اسے اسلام ہی کے بتاتے ہوئے "معاشرتی تحفظ" یا "کفالت عامہ" کے اصول پر استوار کیا جاتا ہے تو کیا اس اصطلاح و ترمیم کے بعد بھی اسے غیر اسلامی ہیہ قرار دیں گے اور اگر کوئی شخص ایسے بینک کو "اسلامی بینک" اور ایسے بینک کو "اسلامی ہیہ" کہے تو آپ اسے یہ کہہ کر رد کر دیجئے کہ "اسلامی بینک اور اسلامی ہیہ کی اصطلاحیں ایسی ہیں جیسے "اسلامی جگہ" یا "اسلامی شراب خانا"۔ غور فرمائیے۔ "اسلامی بینک" کی اصطلاح کے ساتھ "اسلامی جگہ" کی اصطلاح کو کیا نسبت ہے۔ اسی طرح اسلامی جمہوریت کی اصطلاح کا اسلامی کمیونزم کی اصطلاح کے ساتھ آٹھ آٹھ کیا جاتا ہے۔

جمہوریت کی وجہ سے شمار اقسام جو دنیا میں مختلف نسلوں میں رائج رہی ہیں یا آج کل رائج ہیں ان کی تخریب کے بنیادی اسباب امر تین ہی ہیں۔ پاکستان میں جس جمہوریت کی بجائی کا مطالعہ کیا جا رہا ہے وہ ان تینوں اسباب سے پاک ہے، تینوں اسباب کے دودھ ہو جانے وجہ سے جمہوریت کا "مغربی" تصور بھی سب سے بن جاتا ہے اور وہ اسباب مولانا مودودی کے الفاظ میں یہ ہیں ۱۔

"اول یہ کہ جمہور کو ختم و مطلق (SOVEREIGN) فرض کر لیا گیا ہے اور اس بنا پر جمہوریت کو مطلق العنان بنانے کی کوشش کی گئی ہے حالانکہ جب بچے خود لڑکان کائنات میں ختم و مطلق نہیں ہے تو ان لڑکوں پر مشتمل کوئی جمہور کیسے حاکمیت کا اہل ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر مطلق العنان جمہوریت قائم کرنے کی کوشش آخر کار جس چیز پر ختم ہوتی رہی ہے وہ جمہور پر چندتا دیول کی عملی حاکمیت ہے اسلام پہلے ہی ہم پر اس کا صحیح علاج کر دیتا ہے وہ جمہوریت کہ ایک ایسے دنیا فاقہ قانون کا باند بناتا ہے جو کائنات کے اصل حاکم (SOVEREIGN) نے مقرر کیا ہے اس قانون کی پابندی جمہور اور اس کے سربراہ کا عمل کو لازم کرنی پڑتی ہے اور اس بنا پر وہ مطلق العنانی سے پہلے ہی نہیں

ہونے پائی جو بالآخر جمہوریت کی ناکامی کا سبب بنتی ہے۔

دوم یہ کہ کوئی جمہوریت اس وقت تک نہیں چل سکتی جب تک عوام میں اس کا بوجھ بھاری نہ ہو۔ لائق شعور اور مناسب اخلاقی نہ ہوں۔ اسلام اسی لئے عام مسلمانوں کو فرداً فرداً تعلیم اور تربیت پر زور دیتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایک فرد مسلمان میں ایمان اور احساس ذمہ داری اور اسلام کے بنیادی احکام اور ان کی پابندی کا ارادہ پیدا ہو۔ یہ چیز جتنی کم ہوگی جمہوریت کی کامیابی کے امکانات کم ہوں گے اور جتنی زیادہ ہوگی امکانات اتنے ہی زیادہ ہوں گے۔ سوم یہ کہ جمہوریت کے کامیابی کے ساتھ چلنے کا انحصار ایک ہیلا اور مضبوط رائے عام پر ہے اور اس طرح کی رائے عام اسی وقت تک پیدا ہوتی ہے جب معاشرہ اچھا اور پرستش ہو، ان افراد کو صالح بنیادوں پر ایک اجتماعی نظام میں منسلک کیا گیا ہو اور اس اجتماعی نظام میں آتی طاقت موجود ہو کہ برائی اور برے نہ چل سکیں اور نیکی اور نیک لوگ ہی اس میں ابھریں اسلام نے اس کے لئے بھی ہم کو تمام ضروری ہدایات دے دکھیں۔

اگر نتیجہ بالائین اسیباب فراہم ہو جائیں تو جمہوریت پر عمل درآمد کی مشین بنی خواہ کی طرح کی بنائی جائے وہ کامیابی کے ساتھ چل سکتی ہے اور اس مشین میں کسی جگہ کوئی قباحت محسوس ہو تو اس کی اصلاح کر کے بہتر مشین بنائی جاسکتی ہے اس کے بعد اصلاح اور ارتقاء کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ جمہوریت کو تجربے کا موقع ملے تجربات سے تدریج ایک ناقص مشین بہتر اور مکمل تر بنتی چلی جائے۔

(ترجمان القرآن جون ۱۹۶۳ء)

یہ ہے جمہوریت کا وہ تصور جس کی بنیاد کے لئے ہمارے ملک میں کوششیں جاری ہیں اور جس کی تائید کا شرف جماعت اسلامی کو بھی حاصل ہے لیکن بعض بزرگان دین اس تصور کو نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جمہوریت کی کوئی تیسرا اسلامی بھی ہو سکتی ہے۔ وہ جمہوریت کے لفظ کے ساتھ "مشرقی" کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے جماعت اسلامی پر برسنا شروع کر دیتے اور لوگوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ جماعت اسلامی گمراہ ہو گئی ہے اور اقامت دین کا نصب العین جمہوریت "مشرقی" جمہوریت کی داعی اور علمبردار بن کر نہ گئی ہے۔

یہ حضرات جمہوریت کا لفظ کی بجائی پر مختلف انداز میں جو اعتراضات وارد کرتے ہیں ان میں سے ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اسلام میں حزب اختلاف یا حزب اختلاف کا کوئی تصور ہی نہیں نہ معلوم ان کے اس نظریے کا اصل مدعا کیا ہے یا وہ کسی جمہوری حکومت میں حزب اختلاف کے وجود کوئی الواقع ناجائز سمجھتے ہیں یا اس کی آڑ میں وہ جماعت اسلامی کی دینی حیثیت کو مجروح کرنا چاہتے ہیں کون ہیں جانا کہ۔ پاکستان میں جماعت اسلامی ہی وہ واحد منظم جماعت ہے جس کے دم قدم سے ملک کی حزب اختلاف کچھ بھرپور ہوئی ہے۔ یہ مقدس ہستیوں غالباً یہ چاہتی ہیں کہ اپنے علم و تفریح کے زور پر حزب اختلاف ہی کے وجود کو خیر اسلامی قرار دے دیا جائے اگر حزب اختلاف کو ایک منفرد علامت اسلام ثابت کر دیا گیا تو جماعت اسلامی کا مزہ پھر گاسانی غیر دینی اور خالصتاً سیاسی ثابت کیا جاسکتا ہے۔

قطع نظر اس بات کے کہ اسلام میں حزب اختلاف کا کوئی تصور ہے یا نہیں پیچھے اس بات پر غور کر لیا جائے کہ ان علماء دین اور عاملین فروع میں کی اس بات کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو اس کے نتیجے میں اور کون کون سی باتیں لائے تسلیم کرنی پڑیں گی

حزب اختلاف — اگر آپ مطلق یہ بات تسلیم کر لیں کہ اسلام کے اندر حزب اختلاف کی اجازت نہیں تو آپ کو یہ بھی لانا تسلیم کرنی پڑے گی کہ نظام خلاہ کسی بھی نوعیت کا ہو — غلط ہو یا صحیح — اس سے اختلاف نہیں لیا جاسکتا۔ غلط نظام کی اصلاح اور اس کے بدلنے کی کوششیں بھی نہیں کی جاسکتیں اس نظام کو خلاہ جبر کا ہو یا استبداد کا اس کے خلاف اجتماعی طور پر آئینی حدود کے اندر ہتے ہوئے صلئے احتجاج بلند کرنا بھی غیر اسلامی فعل ہو گا۔ گویا یہ تصور آپ کو محکموں اور ماحوروں کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتا ہے اور ایک مخصوص اندر مختصر مذہبی دائرے کو محدود کر دینے کی اجتماعی دائرے سے قطعی لائق رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔

— اگر آپ یہ بات تسلیم کر لیں کہ حزب اختلاف کا وجود غیر اسلامی ہے تو دوسری بات آپ کو بھی لازماً تسلیم کرنی پڑے گی کہ حکومت کرنے کا حق صرف اور صرف ایک پارٹی، ایک خاندان، یا ایک فرد کو ہے۔ جو اتفاق سے ایک دفعہ کسی نہ کسی طرح اقتدار پر قابض ہو گیا اسے اطمینان سے حکومت کرنے کا لامحدود خدائی حق مل گیا وہ خود خدایں بیٹھے تو رکھنے کا حق کسی کو نہیں، وہ اگر ”دین الہی“ تعینت کر کے نافذ کرے تو کسی حزب اختلاف کو اس کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہیے وہ الٹا فرد پر جبر اور استبداد سے حکومت کرے تو اسے کوئی جبرک نہیں کہہ سکتا، کیونکہ جب حزب اختلاف کا وجود غیر اسلامی طبعاً لواب اسے راہ درست ہلانے، اس کی غلطیوں کا احتساب کرنے اور اگر وہ درست نہ ہو تو آئینی دائرے سے انتقال اقتدار کئے لئے اب کوئی دوسری منظم طاقت تو ملک کے اندر موجود نہیں اگر کئی طاقت تھی تو اسے ہمارے ہر مذہب و دین سے غیر اسلامی قرار دے دیا ہے۔ ان مذہب و دین کے اس خدا ختم ”علم کلام“ کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام میں جمہوریت کے علاوہ آمریت، اختلافیت اور منطائیت جیسی حکومتوں کو تو جواز کا درجہ حاصل ہو سکتا ہے لیکن جمہوریت کے لئے اسلام کے دوازے بند میں کیونکہ ہمارے بعض علمائے حزب اختلاف کے وجود کو حرام قرار دے دیا ہے۔ حزب اختلاف اگر نہیں ہوگی تو جمہوریت کیا خاک پر پاؤں چڑھے گی! —

— اگر آپ یہ بات تسلیم کر لیں کہ حزب اختلاف کا تصور غیر دینی ہے تو اس کے نتیجہ میں آپ کو تیسری بات پر بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ تاریخ اسلامی میں شان و شہادہ اور عزت و احترام سے اسلام میں سے جن جن بنیادوں نے اختلاف کیا، فروا فرمایا اجتماعی طور پر اصلاح اور انقلاب حکومت کی جس جس نوعیت کی جو کوششیں کیں وہ سب غلط تھیں کہیں کہ وہ حاضر کے ان فقہاء کا فتویٰ ہے کہ اسلام میں حزب اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان مذہب و دین کی وہ ساری قرآنیات اور وہ سارے کلام سے حجاج کے تاریک حدود کی گھٹنا چھپھٹوں میں روشنی کے ایک منار کی حیثیت رکھتے ہیں وہ سب کی سب بے حیثیت ہو کر رہ جائیں گے۔ اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت سے ہم بے تعلق ہو کر رہ جائیں گے اور ہمارے لئے قابل تقلید نمونے نہیں، سجاد بن یوسف اور ابن زیاد یا ان کے خوشامدی اور حاشیہ بردار علماء ہی بن کر رہ جائیں گے۔

— اگر آپ یہ بات تسلیم کر لیں کہ حزب اختلاف کا وجود اسلام کے مافی ہے اور یہ تینوں باتیں بھی جو دینی بات کے اس لئے نکلنے کا لازمی نتیجہ ہیں آپ تسلیم کر لیں تو ان کے ساتھ ساتھ آپ یہ پوری بات بھی لانا پڑے گی کہ امر اور نہی کے فرق کا جو مادہ دین نے قائم کیا ہے اس پر قائم رہنے اور اسے ہر قرار دینے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حالات میں جو مختلف نقشے کھینچے ان میں سے کسی ایک پر عمل کرنا بھی ناجائز ہو جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسے نظام کو درست کرنے کے لئے متعدد انسان اور ملک کی طاقتوں کو مستعمل کرنے کی جہادیت فرمائی وہ اس جہاد فلسفہ کی روش سے طرز العمل سمجھنی پڑے گی۔

یہ وہ ذریعہ تاریخ جو ہر شخص کو لانا ملنے پڑیں گے جو ہمارے کم نواؤں کے اس خدا ختم نظریہ پر ایمان لانے کا سامان کے

ساتھ ساتھ ایک عملی نتیجہ یہ بھی برآمد ہو گا کہ تجدید داجائے دین کی ان ساری مساعی پر پانی بھر جائے گا جو پہلے پندہ بیس برس سے اس ملک میں سرانجام دی جا رہی ہیں اور آئندہ کے لئے اصلاح اور انقلاب کی جو کوششیں کی جا رہی ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں گی کیونکہ عربی اختلاف کے تصور کو جو شخص غلط اسلام قرار دیتا ہے وہ جمہوریت کے وجود کی نفی کرتا ہے اور جو جمہوریت کے وجود کا مخالف ہے وہ خواہ زبان سے اس کا اظہار کرے یا نہ کرے خواہ اس کی یہ نیت ہو یا نہ ہو، بالادادہ یا بلا ارادہ — وہ اسلامی نظام کے قیام اور اس کے غلبہ سے اس ملک کو اور ملک کے باشندوں کو محروم کرنا چاہتا ہے۔

اب خدا اس سوال کا جائزہ بھی لے لیا جائے کہ آیا اسلام میں حزب اختلاف کا کوئی تصور ہے بھی یا نہیں اور اگر ہے تو مختلف حالات میں اس پر عمل کرنے کے لئے شریعت نے کیا رہنمائی دی ہے۔

اس موضوع پر حضرت پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "منہج الامت" اور محترم مولانا ابن امیہ نے "اسلامی سیاست میں شہرت کے حقوق و فرائض" — و اطاعت کی شرائط و حدود — میں اظہار خیال فرمایا ہے۔ ہم ان دونوں بزرگوں کے نقطہ نظر کو سب انھیں کے ساتھ ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ جو حضرات اس مسئلہ سے دلچسپی رکھتے ہیں انہیں ہم مشورہ دیں گے اور وہ مندرجہ بالا کتب کا خود بھی مطالعہ کر لیں۔

مسلمانوں کے جوہرہ سمندر و دریا کی حکمرانیوں کی جتنی اقسام مستطرد ہیں، ان میں سے سب سے پہلی، سب سے زیادہ بابرکت اور سب سے زیادہ قابل اطاعت حکومت خلافت راشدہ کی حکمت تھی۔ کیا خلافت راشدہ میں، جس کی اطاعت بدل و جان کنی چاہیے، حزب اختلاف کا وجود تھا اور اگر تھا تو خلفاء راشدین نے اس حزب اختلاف کو کس حد تک گوارا کیا اور اس کے لئے کیا حدود و عمل مقرر کیں۔ اس کا جواب مولانا ابن امیہ نے بالوضاحت دیا ہے ان کی ایک تحریر کے مندرجہ ذیل اقتبارات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ اسلامی حکومت ان اختلافات کو بھی ایک وسیع حتمک اگلی کرتی ہے جو سیاسی نقطہ نظر کے اختلافات، تاویل کی غلطی اور فلسفیانہ طرز تفہیم سے پیدا ہوا کرتے ہیں خلافت راشدہ کے دور میں ان تمام سیاسی اختلافات کو گوارا کیا گیا جو عظیم و کشیدار بدامنی پیدا کرنے کی کوششوں (Violence) سے پاک تھے۔ سیاسی واداری کا سب سے بڑا ثبوت

یہ ہے کہ خلافت راشدہ کا آغاز ہی انصار و مہاجرین کی دو بڑی پارٹیوں کے امتزاج و ترکیب سے ہوتا ہے۔ انصار کا یہ مطالبہ یہ تھا کہ خلافت کا منصب باری باری انصار و مہاجرین دونوں میں منتقل ہوتا رہے ایک مرتبہ ایک مہاجر خلیفہ ہو دوسری مرتبہ ایک انصاری۔ مہاجرین نے انصار کے اس مطالبہ سے اختلاف کیا جس سے شدید قسم کی نزاع اٹھ کھڑی ہوئے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ لیکن انصار اور مہاجرین کے بڑے لیڈروں کی دلدل دیشی نے بالآخر معاملے کو سلجھا لیا۔ اور حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی عمر فاروق کے لیڈر سعد بن عبادہ حضرت ابوبکر کی بیعت پر راضی نہیں ہوئے اور ان پر قبائلی عصبیت کا ایسا شدید دھبہ پڑا کہ انہوں نے حضرت ابوبکر کے لیے سے نہ نہ مخالفت میں نہ تو ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور نہ ان کی وفات کے بعد حضرت عمر کے ہاتھ پر بیعت کی بلکہ حکم کھل کر ان سے نظم اطاعت سے بالکل الگ ہے۔

۲۔ اسلامی قانون کی رو سے سعد بن عبادہ کا یہ طرز عمل جاہلیت کا طرز عمل تھا اسلام کے خلاف

خدا کی قسم میں خوب جانتا تھا کہ لوگ یہی کچھ کہیں گے جو تم نے کہا سنو! خدا کی قسم اگر میری جگہ تم ہوتے تو میں تم پر سخت گہری کرتا نہ خوب لگا لانا نہ (بدفطن بننے کے لئے) اکیلا چھوڑ دیتا۔ میں یہ اعتراض لے کر کہہ کر اوتا کہ تم نے صلہ سگی کیوں کی؟ کسی حاجت مندی حاجت دانی کیوں کی؟ اہ! کیوں ایسے لوگوں کو دلاہیت کا منصب دیا جس قسم کے لوگوں کو عمرہ بھی یہ منصب دیا کرتے تھے علی! میں تمہیں خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کیا تم نہیں جانتے کہ مغیرہ بن شعبہ اس منصب پر فائز تھے؟

حضرت علی نے جواب دیا "ہاں" (خوب جانتا ہوں) عثمان! جانتے ہوں کہ اسے عمرنے والی بنایا تھا۔

علی! ہاں

عثمان! پھر اگر میں نے رشتہ داری اور قرابت کی وجہ سے ابن عامر کو دانی بنایا تو تم اس پر مجھے کیوں ملامت کرتے ہو؟

علی! میں آپ کو بتاتا ہوں کہ حقیقت حال کی یہ ہے۔ عمر نہیں کو دانی بناتے تھے ان کا ہوتا ان کے سر پر ہوتا تھا۔ اس کے خلاف ایک حرف بھی ان تک پہنچتا تھا سے خود حاضر ہونے کا حکم دیتے اور پھر معاملے کو انویسٹنگ ہینڈ پر لے کر دم لیتے۔ یہی چیز ہے جو آپ نہیں کہتے۔ آپ خود کو دیکھ رہے ہیں اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نرمی بہتے لگے؟

عثمان! "اور تمہارے قریب داروں کے ساتھ بھی تو؟"

علی! بلاشبہ ان کا مجھ سے قریبی رشتہ ہے لیکن دوسرے ان سے افضل ہیں؟

عثمان! "تم جانتے ہو کہ عمر نے اپنی خلافت کے پورے عرصہ معاویہ کو دانی بنائے رکھا پھر میں نے بھی انہیں دانی پر تسلط رکھا؟"

علی!۔ میں آپ سے خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں آپ جانتے ہیں کہ معاویہ عمر سے اس سے زیادہ دُستے تھے جتنا عمر کا غلام برنا اور ان سے دُدا تھا؟

عثمان! "ہاں"

علی! اب صریح حال یہ ہے کہ معاویہ آپ سے رائے لئے بغیر فیصلہ کرتے رہتے ہیں اور آپ کو خبر بھی نہیں ہوتی وہ لوگوں سے یہ کہتے پھر تمہیں کہ یہ عثمان کا حکم ہے یہ بات آپ تک پہنچتی ہے مگر آپ معاویہ کی تردید نہیں کرتے۔ (اسلام کا نظام عدل معتمد یہ قطب (ترجمہ) ص ۳۵)

اس مکالمہ سے افکار نہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بعض اوقات علی بن خلیفہ راشد کی بعض باتوں سے کس طرح اختلاف کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے انہیں اس کا موقع نہ دیا۔ خلافت راشدہ سے حامی مسلمانوں کا اختلاف کا حق حاصل تھا چنانچہ خلیفہ اولی نے منصب خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے

ہی سب سے پہلے جس بات کا اعلان کیا وہ یہ تھی :-

• اگر میں اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دے دوں تو میری مدد کرنا اور کچھ روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دینا۔
(اسلام کا نظام عدل ص ۳۳۹ م)

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے خلیفہ کی حیثیت میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :-
”اگر میرے اند کوئی بھی دیکھو تو سیدھا کر دینا۔“

عائتہ العلیین میں سے ایک فرد اللہ کرنا رونق اعظم کو ان الفاظ میں جواب دیتا ہے۔

• اگر ہم نے تیرے اند کوئی بھی دیکھی تو اپنی تلوار کی دھار سے تجھے سیدھا کر دیں گے۔“

حضرت عمرؓ نے اس پر صرف اتنا فرمایا : ”اللہ کا شکر ہے جس نے عمری رعایا میں ایسے افراد بھی پیدا کئے جو اسے اپنی تلوار کی دھار سے سیدھا کر سکتے ہیں۔“

(اسلام کا نظام عدل ص ۳۱۱)

یہ نقد و احتساب کرنے والوں کی گویا حوصلہ افزائی تھی۔

حضرت علیؓ نے نہایت ہی خواجہ کے فتنہ سے سزا دیا یہ لوگ نہ صرف حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت البرصؓ اشعریؓ اور عروبنؓ العاصؓ کو فتنہ اسلام سے خارج کر کے انہیں واجب القتل سمجھتے تھے بلکہ ان کے نزدیک خلافت کا پورا نظام سراسر کفر و معصیت تھا اور وہ اپنے نقطہ نظر کے لحاظ سے خار ج ٹھیک ٹھیک نباح (ANARCHISM) کے علمبردار تھے ان کے اس پی کی اندیشہ ہی عقیدے کے باوجود حضرت علیؓ نے ان کو پیغام بھجوایا کہ تم کو آزادی حاصل ہے جہاں چاہو رہو البتہ ہمارے اور ہمارے درمیان یہ قوادعہ ہے کہ ناچار کسی کا خون نہیں بہاؤ گے بلامعنی نہیں پیدا کر دے گے اور کسی پر ظلم نہیں ڈھاؤ گے آگمان باتوں میں سے کوئی بات تم سے سرزد ہوئی تو پھر میں تمہارے خلاف جنگ کا حکم دے دوں گا۔
(مولانا امین احسن اصلاحی عمائدیہ الام)

ان اقتباسات سے ذہن کی باتیں واضح طور پر نمایاں ہوئی ہیں :-

• خلافت راشدہ سے جس کی اطاعت بطیب خاطر ہونی چاہیے، بھی اختلاف کیا جاسکتا ہے چنانچہ خلافت راشدہ کے دور میں صرف افراد ہی نہیں بلکہ حکومت سے اختلافات رکھنے والے گروہ بھی موجود تھے، حکومت سے اختلاف کرنے والوں میں صرف معمولی درجہ کے انسان ہی نہیں تھے بلکہ حضرت سعد بن عبادہؓ، اور حضرت ابیہندؓ وغیرہ بھی جلیل القدر ہستیاں بھی تھیں۔

• اسلامی حکومت نہ صرف تعمیری اختلاف کو گوارا کرتی ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتی ہے اور دنیاوی حکومتوں کے برخلاف اسلامی حکومت ایسے افراد اور گروہوں کے خلاف کسی قسم کی کارروائی نہیں کرتی جن کے نظریات حکومت سے متصادم ہوتے ہوں یا ایسے لوگوں کو اسلامی حکومت ان وقت تک گوارا کرتی ہے جب تک کہ وہ علما، آراء فساد نہ ہوں جیسا کہ حضرت علیؓ کے طرز عمل سے واضح ہے جو انہوں نے خار ج کے ساتھ رواد رکھا۔

خلافت راشدہ کے نظام کے درہم برہم ہوجانے کے بعد امت مسلمہ ملکیت کی گرفت میں آگئی، جو وہ سماج کے طویل دور کے دوران امت نے ملکیت اور اس کی مختلف اقسام کے تحت زندگی بسر کی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ملکیت کی مختلف اقسام کے تحت ان سے اطاعت کا معیار کس طرح استوار کیا جائے۔ کیا اس نظام میں بھی رعایا کو اختلاف اور احتساب کا حق ہے یا نہیں اگر ہے تو وہ اس حق کو کس طرح استعمال کرے؟ اس کا جواب سید اسماعیل شاہ شہید رحمت اللہ علیہ نے تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اس کی مختصر

تفصیل مولانا امین احسن اصلاحی کے حوالے سے نقس کی جاتی ہے :-

حکومتیں حضرت اسماعیل شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک اسلامی حکومت کے طریق نبوت و سنت سے انحراف کے۔
 رجبہ ہو سکتے ہیں جنہیں سیدہ صرف نے حکومت عادلہ، حکومت مضالہ، اور حکومت کفریہ کے صفات کے تحت تعینم

کیا ہے :-

.. حکومت عادلہ کی شکل یہ ہے کہ حکومت کا آئین اور نظام تو اسلامی ہو یعنی عدالت و قضاء کے معاملات کتاب و سنت کے اصولوں پر انجام پائے ہوں حدود و تعزیرات اسلامی ہوں، ولین دین اور معاملات میں اسلامی قوانین کا مبرا ہوں تہذیب و معاشرت میں غالب رنگ اسلام کا ہو۔۔۔۔۔
 لیکن امیر اس کے دوسرے حوالی اور کارکنوں میں وہ دیانتداری اور تقویٰ نہ ہو جو رسول اللہ کی خلافت کے شایان شان ہے اس کی وجہ سے وہ بہت سی باتیں بھی کر گزرتے ہیں جن پر اگرچہ صریح خلاف شرع ہونے کا حکم نہ لگایا جاسکتا ہو لیکن اپنی روح کے اعتبار سے وہ نہایت اسلامی سے بے جوڑ ہوں۔ زندگی کے مختلف گوشوں میں اسراف اور نمائش کی بیماری نمایاں ہو جائے اور فرض میں سہل انگاری پیدا ہو جائے۔ رفتار اور گفتار میں غرور و ادا و تکبر چھلکے لگ جائے ؟

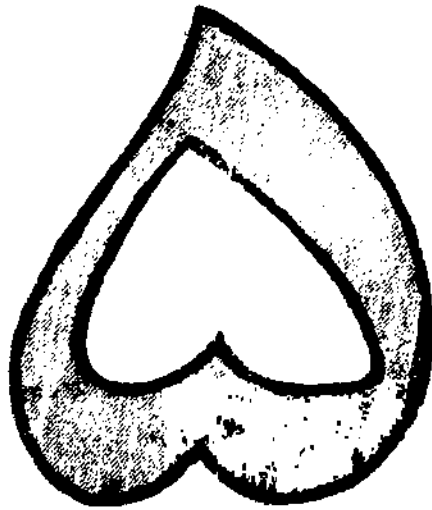
ایسی حکومت کے سلسلے میں مولانا امین احسن کی رائے یہ ہے کہ :-

ایسی حکومت کی .. اطاعت کے لئے دل کا اخلاص بھی ضروری نہیں بلکہ ان کی اطاعت کے خلاف ..۔۔۔۔۔ دل کے اندر کلاہت کا موجد ہونا عین نقصان ہے ایمان ہو گا اور ہر صاحب ایمان کا یہ دینی فرض ہو گا کہ ان کی خلاف شرع باتوں کے خلاف ان کو تنہائی میں بھی نصیحت کرے اور بلیک میں بھی ان پر کھلی تنقید کے رائے عامہ کو دیا وکے ذریعہ سے ان کی اصلاح کی کوشش کرے۔۔۔۔۔
 لیکن ان کی بعض انحرافات کی بنا پر نہ علم و لغت بلند کیا جائے گا اور نہ ان کی اطاعت سے انحراف کیا جائے گا بلکہ ان کی ان باتوں کے باوجود ان کی اطاعت کی جاتی رہے گی :-

۱۔ اسلامی ریاست .. اطاعت کی شرائط و حدود و ضوابط

حکومت کی دوسری قسم ضالہ یا فاسق ہے جس کی تشریح مولانا امین احسن اصلاحی کے الفاظ میں حسبِ ذیل ہے :-

.. نظام فی الجملہ اور فی الاصل تو بظاہر اسلام ہی پر قائم ہو اور اس سے متعلق بیشتر کام بھی اسلام ہی کے احکام و اعدا و اعلان اور نام سے کئے جاتے ہیں لیکن غیر الہی قوانین اور غیر اسلامی طریقے بھی نظام کے بقا اور حکومت کے قیام اور استحکام کے لئے ضروری خیال کئے جاتے ہیں ہر حرکت و عمل کا مقصد تو اسلام کی سر بلندی ہی ظاہر کیا جاتا ہو لیکن فی الواقع پیش نظر کلام حق کی رفعت اور خدا کی رضا نہ ہو بلکہ دنیا و ترانے ذاتی یا قومی حوصلوں کی تکمیل ہو، تہذیب و معاشرت کے سطح میں نام نہاد اسلام کا آقا ہو لیکن عملاً ہر گوشہ میں جاہلی تہذیبوں کی نقالی کی جائے ہو و نہادوں سے تعزیر و توصیف تو بیشتر انہی اخلاقی اقدار کی ہے جو اسلام میں پسندیدہ اور قابل احترام خیال کئے جاتے ہیں لیکن عملاً پیروی اور حوصلہ افزائی ان اقدار کی سوری ہو



آزمودہ دواؤں کا مرکب انساجلین



سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Spacia

۵/۵۰

عبد اللہ قاسمی

ہماری قومی شاعری

قومی کا مفہوم اردو میں ایک عرصہ تک زیر بحث رہا ہے چونکہ قوم سے عام طور پر لیڈپ کی قومی تحریکوں کی طرف ذہن جاتا رہا اور مختلف ازم اس سے بیک وقت سامنے آجاتے ہیں۔ دورِ حاضر کے پرمودہ ذہن نیشن اور نیشنلزم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں چنانچہ اسی قسم کی قومیت اور ایسی ہی قوم کا تصور دینیاتی زمانہ میں ہمارے انکار کا مور بھی وہ چکا ہے سرسید نے اس قومی تصور کو پیش کیا اور بعد کے لیڈسوں نے اس میں شکوکے کھائے قومیت کے اس مجموعی تصور اور جامع تصور سے مسلمانوں کو نکالنے کے لئے اقبال نے ملت کا لفظ استعمال کیا اور ملی ترانہ لکھ کر مسلمانوں کی قومی تحریک میں آفاقی توانائی پیدا کر دی۔

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا
اس ترانہ نے اردو شاعری میں قومیت اور وطنیت کے جنوں کو پاش پاش کر دیا اور ملت کا تصور پوری اسلامی تحریک اور تاریخ کے ساتھ اردو شاعری میں وارد ہو گیا۔

کاٹھوس کی پوری سیاست ملت کے تصور کی دشمن ہو گئی ادیبوں کو طرح طرح سے اس تصور سے بٹانے کی کوشش کی گئی اخبارات نے وطن پرستی اور قومیت پر مقالے لکھے اور آخری بحث پورے شباب پر اس وقت پہنچی جب اقبال نے اپنا یہ قطعہ لکھا۔

سرود برسرِ منبرِ کلمت از وطن است چہ بے خبر ز مقام محمد عومیت

اس قطعہ نے اس بحث کا دو لوگ پیدا کر دیا اور مسلمانوں میں ملت کے تصور نے قومیت کے تصور کو تقویت پہنچائی وہ مٹی ترقی پسندوں کی تحریک ترقی پسندا دیوں کی تحریک حقیقت میں کیمرٹس تحریک تھی کیمرٹس اپنی محدود آفاقیت کے باوجود ہر کیف آفاقیت کا حامل ہے اس طرح اس تحریک نے انسانیت کے ہم پر ملوثاریت کا پرچار کیا اور اس تبلیغ انسانیت میں چونکہ وہ وطن اور قومیت کے بتوں کا آدرش نہیں دیتے تھے یہی چیز بالواسطہ ہمارے لئے مفید ثابت ہوئی۔

قومیت کے اس تصور سے مسلمانوں کو اس قدر بعد ہو گیا کہ عرب نیشنلزم کو کسی طرح بھی گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے چنانچہ بعض عرب ادیب پاکستان کے اس رد عمل سے متاثر بھی ہوئے اور اکثر ادیب اس تحریک کو آگے بڑھا سہے ہیں؛ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی مسلمان خواہ وہ اپنے اسلامی تصورات اور اس کی آفاقیت سے کتنا ہی بے بہرہ ہو اور اس پر لیڈپ کی تحریکوں اور دہان کی سیاست کا رنگ کتنا ہی غائب آگیا ہو جہاں اس میں خود آگاہی پیدا ہوئی وہ کسی طرح بھی لیڈپ کے نیشنلزم کو گوارا نہیں کر سکتا بلکہ اس کے گھٹیا اور ملت پرست ہونے کی وجہ سے اس سے نفرت کرنے لگتا ہے انسان کی بلند خیالی، آفاقیت اور انسانیت کے سامنے نیشنلزم کا پورا غ نہیں چل سکتا

اور جب وہ اس کی عمل صورت دیکھتا ہے تو لرز جاتا ہے، انسانی روح اس کے تعصب اور تنگی میں گھٹنے ملتے ہے اور اس کی آزادی کے لئے بے چین ہو جاتا ہے۔

توسیت کا یہ تصور جس کا پرستار یودپ ہے آج کی پیداوار نہیں ہے بلکہ انسان کے عروج و زوال کی داستان اس تصور سے وابستہ ہے دنیا میں وہی قسم کے رہنما پیدا ہوئے ہیں۔ جنہوں نے انسانوں کی ترقی کے لئے کوشش کی، ایک تو وہ جنہوں نے ملک اور قوم کی خاطر ایشیا کے اندر اس کی فتح و کامرانی کے لئے خون بہاتے اس میں آپ دنیا کے جیسے انقضاء بادشاہوں اور حواریں جابہ ظالم توہوں کو شمار کر سکتے ہیں جن کی تنگ نظری اور تعصب اور خود پرستی نے انسانیت کی تاریخ میں غلط داستانیں چھوڑی ہیں ان میں آپ لبنان و روم کی جنگ سے لے کر مسکنہ کی فساد کشی تک اور چنگیز و ہلاکو خان کی رزائیوں سے لے کر نپولین کی رزائیوں تک کو شمار کر سکتے ہیں اور بیسویں صدی میں تو تمام ہی رزائیاں اسی قسم کی رزی گئی ہیں، جن میں آفاقیت اور انسانیت کو کھل گیا ہے نظریات سے کوئی بحث نہیں رہتی بلکہ یہ رزائیاں ملک گیری وطن پرستی اور حبس و طبع کی بنیاد پر رزی گئیں، ان رزائیوں کے فاسخ بھی اپنے ظلم و جور اور ملک گیری کی ہوس میں طوط ہو کر اسی قدمہ بنام ہوئے جس قدمہ جنگ کی ابتدا کرنے والے بنا ہوئے ہیں اور سلسلہ آج بھی دنیا میں جاری ہے۔

شعوی میں چنگیز و ہلاکو بھی تعصب کے لئے تھے ہیں اور آج بھی عام شمولیت سے لے کر گویا، کانگو اور بیت نام کے ہلاکو قسم کے لوگوں کی تعریف میں نظمیں لکھ چکے ہیں۔ دوسرے وہ رہنما ہیں جن میں اوتار، فلسفی اور پیروں کے گروہ کو شمار کیا جاسکتا ہے جنہوں نے انسانیت کا درس دیا، آفاقیت کی تعلیم دی اور عام ترقی کی شاہراہ تعمیر کی، اس میں تنگ نہیں کہ افغانی جہاد میں بھی یہ تصور شروع شروع میں صاف نہیں تھا یا یہ کہتے کہ جب اس تصور نے علی لباس پہنا اور اس کی تفسیریں اور تعبیریں پیش کی گئیں، شریعت یا قوانین کی شکل اس تصور نے اختیار کی تو بہت محدود ہو گیا، لیکن عملی قوانین، شرائط اور فلسفیوں کی جرح و فساد کے خارج طے کیا ہوا یہ تصور آفاقیات کی اور انسان کی ترقی کی وہ شاہراہ تعمیر کرنے میں کامیاب ہو گیا، جس میں انسانی ترقی کی رکاوٹوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے یہ تصور تمام انسانوں کے لئے ایک خانان اور کتبہ سے بیان نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لئے ایک جسم نامی کا فقرہ استعمال ہوتا ہے۔

اور دوسری چیز میں دنیا کے اس ترقی یافتہ تخیل کو کس حد تک اپنا یا ہے اور تعصب توسیت، وطنیت اور دوسرے کے اس جذبہ کو کس حد تک ابھارا گیا ہے جس میں آفاقیت فنا ہو جاتی ہے اور اس ترقی یافتہ ایک جسم نامی کا تخیل ختم ہو جاتا ہے اس کا اندازہ موجودہ دور کی شعوی کے تجزیہ سے ہو سکتا ہے۔

جنگ برقی نظمیں سب پہلے سن ۱۹۴۲ء میں لکھی گئیں۔ جب کیلٹسٹون نے انگریزوں سے ساز باز نہ کیا اور وہ وافریش میں داخل ہو گئے تو ان ترقی پسند شعور نے متعدد آفاقیت کے تصور کو قبول کر لینے کی وجہ سے انسانیت کی حمایت اور ظلم و جور کے خلاف منظم آواز بلند کیا، اور ان کی منظومات اور مقالے اور میں مقبول بھی ہوئے لیکن ان ترانوں میں ایک بھی ایسا دلپذیر اور اثر انگیز نہیں تھا جو تمام حاصل کر کے بھاسے دوام اختیار کرے، اور انسانیت کا وہ عام و خاص ہو جاتا غالباً اس کی وجہ یہی تھی کہ جس جذبے نے ترانے لکھوائے وہ شعور کا عقیدہ نہیں تھا اور بقول اکرستین شامی ہم یہ عقیدہ کا لہذا یہ ترانے اوپر سے دل سے لکھے گئے اور بعض پسروں کی خاطر لکھے گئے اس لئے بڑے پیچھے لو کیے اور شتر تو بن گئے لیکن دل کے پانہ ہو سکے۔ انہوں نے تصور کا ایک رخ پیش کیا، جنگ کی ہولناکی اور تباہی دکھائی، ظلم و قہر کی تصویر کھینچی، اور انسانیت کی مٹتی ہوئی لکیر کو ابھارا لیکن ان کے پاس کوئی ایسا عالمگیر و لولہ انگیز جنوں پرورد پیغام نہیں تھا جو دونوں کو گرد مانتا، مدح و تحقیر کو ترک پادیتا اور انگریزوں کی ممانعت میں اکٹھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جب شمس میں تعلیم کے وقت کشت و خون ہوا ہندوستان میں بربریت اور بے حیثیت کا زور ہوا وطن و توسیت کے نام

بہشتیاں اور قصبے اچانک دئے گئے تو یہ ترقی پسند دو قروں میں توازن پیدا کرنے میں مشغول ہو گئے ، انصاف کی ترازو لئے کر ہائیاں بوزوں میں نصف نصف بانٹتے بیٹھ گئے ان کی تقسیم عمل نے انہیں بھڑکی ایسے شاہکار کی تخلیق سے باز رکھا جو امت جوت بن جانا اور جس کو بڑھ کر سنگدل قوم ہو جانا کا فر کا فری رہے ، اور سمان سمان ، کوئی بھی نظم ایسی نہیں ہوئی جو کا فر کو سمان کی برکتی یا سمان کو زمین بنا دیتی ۔

غیر ترقی پسند شعرا میں دو ایک شاعر ایسے ضرور ہوئے جو اپنا رنگ بھول گئے اور ان کی حیرانی نے دنیا کو دلگیر کر دیا جس طرح سعدی نے کہا تھا ۔

چنان قوط سائے شد اندر دشت کہ یاراں فراموش گردند عشق
جگر مراد آبادی نے اس برہمیت پر کہا تھا ،

شعر نہیں ہے جو بھی غزل خواں ہے آجکل

اب آپ ہندوستان پاکستان کی مترو روضہ جنگ پر نظمیں اور ترانے اٹھا کر دیکھئے اور انہیں اس نظر سے پرکھئے کہ اس میں وہ قوم و ملت کے تصور اور آفاقی تخیل سے کس حد تک محروم ہیں ۔

موجودہ قومی ترانوں اور نظموں میں کچھ تو ایسے شاہکار ہیں جن میں پاکستان کی تعمیر کا تصور جھلک رہا ہے جن میں وہی وطن اور وطن کی تعمیر ہے جو انہی نیت کی تعمیر کا نام آتا ہے جن میں نہ سر پر غرور ہے نہ جبر و قہر کی ترغیب ہے نہ لعن و طعن اور عقارت کو بڑھایا گیا ہے بلکہ انہی نیت کی سر بلندی ، اسلامی جذبہ تعمیر اور توحید یا جسم نامی کی تعریف کی گئی ہے ، اس قسم کی نظموں میں آپ رہیں امر وی ، صوفی تقسم اور شہر آبادی کے مقبول ترانوں کو مشہور کر سکتے ہیں ۔ دوسرے وہ ترانے ہیں جن میں جوش بھی ہے اور شاعری کی ٹانگ بھی استعمال کی گئی ہے ، خیالات کا تسلسل بھی ہے اور مضمون آفرینی بھی ، لیکن نہ تو ان ترانوں اور نظموں کو قبولیت حاصل ہوئی نہ کبھی ان کا وجود باقی رہے گا ۔ ان ترانوں میں بھی جوالوں ، جیالوں کو صف بہ صف اور قدم ب قدم آگے بڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے ان میں وطن کے گن گنائے گئے ہیں ، میدانوں ، پہاڑوں ، کھیتوں ، سبزہ زاروں اور مرغزاروں کی تعریف کی گئی ہے اور وطن کے محافظ اور نگہبان کے قصیدے کیجئے گئے ہیں ، لیکن ان تمام اوصاف کے باوجود یہ ترانے اور نظمیں بھرتی کی ہیں اور پختہ کاروں کی لکھی ہوئی ہونے کے باوجود نگاروں کی فہرست میں درج ہیں ۔ اس لئے کہ یہ جاننا نہیں ہیں ، ان میں عقیدے کی گڑھی نہیں ہے ان میں وہ روح نہیں ہے جو زندہ جاوید بنا دیتی ہے بلکہ اس روح کا شائبہ تک نہیں ہے اس لئے کہ انہی وہی سب کچھ لکھا گیا ہے جو ایک بلند کا حب وطن اپنے وطن کے لئے دوسروں کے دفاع میں لکھ سکتا ہے ان ترانوں اور نظموں میں پاکستان کے عقیدے اور تصور کی روح کا نہ فرما نہیں ہے یہ عام اور سطحی خیال تک محدود ہیں جو بے سچے مکیندی کے طرز پر مضمون نگار کے ذہن میں آ جاتا ہے انہی کوئی ایسی فکر انگریز جادو ٹانگی نہیں ہے جس کی قدرت سے ذہن انسانی ترقی اور انبساط محسوس کرے ، فتح اور کامرانی سے انبساط اور کشادہ دلی حاصل ہوتی ہے اور جو نظم ہمارے خیال پر قبضہ کرے اس میں یقین اور اعتماد پیدا کر دے کہ فتح و کامرانی کی ہی لغت اور انبساط میں حاصل ہو گی کا یہی باطل نظم ہے اس لئے کہ اس میں جسم نامی کا شعور کا فرما ہے یا یوں کہئے کہ جسم نامی میں وہ سرایت کر رہی ہے ۔

جنگ کے دوران ایک ارب کو میں نے عرب کی مذہبی شاعری کا کچھ حصہ ترجمہ کرتے ہوئے دیکھا معلوم نہیں انہوں نے اسے ریڈیو پر نظم میں استعمال کیا یا نہیں ، بہر حال یہ کوشش بھی موصیحاں سے کم نہیں تھی جس نے حضرت سلیمان کے لشکر کی دولت کے لئے مڑی کی ایک ٹانگ پیش کی تھی ۔

نیت صاحب اگر دوسری شاعری کی طرف توجہ کرتے تو کچھ اچھا کلام ہو جاتا لیکن ان کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ ان کی شاعری کا مزاج ان کے عقیدے سے ہم آہنگ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس جنگ پر نیت صاحب کچھ نہ لکھ سکے، ان کا عقیدہ فلسفہ سخت کوشی، کوکبی اور مذہبیت کا متقاضی ہے انسان کی شاعری کا مزاج، نرم ہو گا جتنا اور سعادت فی حق کا طلب گار ہے ان دونوں کے امتزاج سے کبھی مزاج پریم ہو جاتا ہے اور کبھی تضاد پیدا ہو کر ابھام بند جاتا ہے نہ وہ اپنا عقیدہ چھوڑتے ہیں اور نہ ان کی شاعری اپنا مزاج چھوڑتی ہے۔

قاسم ان کے کوئی ٹک نہیں اسلام غیر محدود آفاقیت کا حامل ہے مگر وہ جائزہ انداز قری حدود میں وطن اور مذہبیت کے ذکر اور رابطہ تعلق پر توجہ نہیں لگاتا، وطن سے لگاؤ اور محبت پرستش کی حد تک پہنچ جائے تو یہ بہت توجہ دینے کے قابل ہے اسے تنگ و محبت وطنیت کی طرف نہیں اسلام کی طرف دینی چاہئے۔

پاکستان میں بہت سی مذہبی تنظیمیں ایسی بھی آئی گئی ہیں جن میں اسلام اور توحید کے ساتھ خط پاکستان کے دفاع پر بھی عوام کو ابھارا گیا ہے اس ملک کے سب سے بڑے اداروں، کھیتوں اور دولت و جہن کی تعریفیں بھی کی گئی ہیں۔ قویہ تعلیمات اور تذکرے ایسے نہیں ہیں کہ ایک مسلمان کے دل میں کھٹک پیدا کریں۔

جہاں تک "شہرت" کا تعلق ہے ہزاروں اور لاکھوں ادیب اور شاعر شہر نہیں ہوا کرتے، شہرت چندی کے حصے میں آتی ہے، مثلاً وزیر کی ہر زبان میں شہرت و مقبولیت کے اعتبار سے صنفِ ادب کے چھ سات شاعر ہوتے ہیں اس کے بعد نصف دوم کے چند ہیں شاعر، پھر نصف سوم کے اس تعداد سے زیادہ شاعر باقی شعراء کے نام میں تذکرہ میں آکر رہ جاتے ہیں، شہرت ان کو میر نہیں آتی، اب بھی ہوتا ہے کہ بعض اچھے شعراء کو خاطر خواہ شہرت نصیب نہیں ہوتی، مثلاً ابان العہر اکبر الہ آبادی کے ات دو حیدر الہ آبادی کو وہ شہرت کہاں ملی ہے جس کے وہ مستحق تھے، ان کا تنہا یہ شعر۔

پڑے میں صورتِ نعتیہ قدم نہ چھوڑ نہیں
ہم ادب خاک میں مل جائیں گے اٹھائے سے

سینکڑوں غزلوں پر بھاری ہے۔

ایسی طرح ہزاروں اور لاکھوں کتابوں میں چند کتابیں ہی شہرت پاتی ہیں شہرت اکثریت و مستند و جہز میں "شہرت" کا لغوی معنی تعداد اور شواہد سے ہے، غزلیں اور نظمیں بھی چند ہی مشہور ہوا کرتی ہیں ان شہرت میں مقدمہ کو بھی دخل ہے کہ فوہیرا ساری دنیا میں مشہور ہے مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اس میر سے زیادہ بڑے اور قیمتی میرے خاک کی پہلو میں پوشیدہ نہیں ہیں! شعر و ادب ہی پر منحصر نہیں ہے ہر صنف میں، مریض ہوں، کھلاڑی اور مسلمان ہوں، شہرت چندی کو میر آتی ہے۔ پھر ساری شہرت کسی ایک شخص کا حصہ اور حق ہو کر نہیں رہ جاتی کہ جس شاعر کی غزلیں اور نظمیں مقبول ہوں، اسی کے ذریعہ نفع بھی شہرت پائیں، اللہ تعالیٰ کی دین اور تقیم ہے کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ ملا۔

غزلوں، نظمیں، نغموں اور گیتوں کی شہرت اور مقبولیت کا سبب ان چیزوں کی معنویت کے علاوہ اس پر بھی ہے کہ جس کو بھی منظرہ پر آنے کا موقع مل جائے اُسے شہرت حاصل ہو جاتی ہے جسے نہیں ملتا وہ مشہور نہیں ہو جاتا ہے وہ غیر مشہور نزل اور نظم اس شہر غزل اور نظم سے بہتر ہی کہیں نہ ہو۔

پاکستان میں چند میر نفع مشہور ہوئے ہیں وہ شاعرانہ نقطہ نگاہ سے قابلِ تعریف ہیں مگر ان کی شہرت کا اصل سبب یہ ہے کہ مریض کا نئے ان کی دلکش "دھنیں" بنا دیں اور وہ "دھنیں" میڈیو سے نشر ہوئیں، اس پھر وہ نفع حاصل پڑے اگر بعض دوسرے شاعروں کی ذمہ

نظموں کو بھی یہ متحمل ہوتا جاتا تو ان کی نظمیں بھی شہرہ ہوتیں، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دنیا میں ایک سیاق و سباق اور شہر و شہر و انصاف سے ذاتی تعلقات کے سبب بھی "نعموں کو شہرت کے ذرائع اور نتائج میسر آجاتے ہیں !

جہاں پاکستان نے کوئی شک نہیں ہمارے شعرا کے جذبات و محسوسات میں ہل چل پیدا کردی، جس کے سبب سینکڑوں نظمیں منظر عام پر آگئیں ان میں انتخاب کیا جائے تو خاصی اچھی اور جاننا نظمیں کا ایک سین جو عورت ہو سکتا ہے گریہ بھی واقعہ ہے کہ شہر مذہب سے نہیں یا کم شہرہ نظمیں، ان میں سے کوئی نظم بھی علامہ اقبال کی اس نظم کے مقابل میں پیش نہیں کی جاسکتی جس کا تہا یہ شعر سینکڑوں نظموں سے زیادہ گراں قدر ہے۔

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں

ظرائیں کے شہیدوں کا ہے لہر اس میں

فاضل مضمون نگار نے قیاس صاحب کا بھی ذکر چھیڑا ہے، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ قیاس صاحب عقیدہ کے اعتبار سے خالص اشتراکی ہیں اسی سبب انہیں "لینن برائے" دیا گیا تاکہ ایسا اندھا خاص طور سے پاکستان میں ان کی شہرت مسلم ہو جائے انسان کی شہرت اور شخصیت کے ہمارے "اشتراکیت" کو پاکستان میں ہرگز دبا دیر آتی، اور نہ انہوں نے دنیا میں "اس" قائم کرنے کا آخر کوئی سا کارنامہ انجام دیا ہے !

پاکستان اور ہندوستان کی جنگ میں روس کی تائب ہندوستان کو حاصل تھی، اس لئے قیاس صاحب روس کی پالیسی سے ہٹ کر پاکستان کی جنگی پالیسی کی تائب اور حوصلہ افزائی میں ایک شعر بھی نہ کہہ سکے !

غزوں نظموں گیتوں اور نظموں کی شہرت و مقبولیت کا سبب ذکر چل پڑا ہے تو اس سلسلہ میں ہم اپنی یادداشت اور مشاہدہ و تجربہ کے کچھ نقش ثبت قریب قریب اس موضوع پر اب تک شاید کسی نے نہیں لکھا ! شہرت و مقبولیت کے سلسلہ میں سب سے پہلے اردو کی روکنا بول کا ذکر کرتے ہیں، یہ دو کتابیں دام بہشتی زیور اور دوم میلاد اکبر ہیں۔ بہشتی زیور تقریباً ۶۵ سال قبل اور میلاد اکبر غالباً اس کے دس سال بعد لکھا گیا، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا بہشتی زیور کوئی شک نہیں اپنے موضوع پرے مثال کتاب ہے، یہ کتاب اس وقت میں کیا عجب ہے کہ پکاس نا کھتے بھی زیادہ چھپ چکی ہو ! "بہشتی زیور" کی ہیئت نامک بہشتی ہے اور ہر سال نہ جانے کتنے ایڈیشن چھپ جاتے ہیں یہ کتاب اسی شہرت اور مقبولیت کی مستحق تھی !

دوسری طرف منشی محمد اکبر میر تقی کا "میلاد اکبر" ہے یہ کتاب بھی لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکی ہے اور ہمیشہ چھپتی رہتی ہے ! "میلاد اکبر" نثر و نظم پر مشتمل ہے اس میں جو رد و لیا تہیں وہ ضعیف و مضعف ہیں، نثر بہت ہی سہولت و سہولت کے لیے ہی جان نظموں کا ہے، ان میں کوئی ندرت و دلچسپی نہیں ! ان "معالج کی مات" کوئی شک نہیں بڑی اچھی نظم ہے مگر اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ نظم جناب بیان وینہائی پر مبنی کی گئی ہو ہے یا اس میں ان کی اصلاح و تصرف اور نظر ثانی کا بہت کچھ تھا ہے !

منشی محمد اکبر وارثی میر تقی میلاد و خان تھے اور اپنے خوش الحان شاگردوں کی ٹولی کے ساتھ میلاد پڑھا کھاتے تھے، یورپی میں اب پکاس پچیس سال قبل ان سے زیادہ مقبول اور شہرہ کوئی میلاد و خان نہ تھا۔ جگہ جگہ شاہدوں، عروسی اور میلاد کی محفلوں میں ان کو بلوایا جاتا ! یہ چیز ان کے "میلاد" کی مقبولیت کا باعث تھی ! اور عوام مسلمان جو میلاد و قدیم سے عقیدت و شغف رکھتے ہیں اور کم استعمال میں ان میں "میلاد اکبر" سے حوصلہ ہر یا یہ جو پھیری میں گناہیں بیچنے والے جگتا مٹھی، تھوڑی دانی حلیہ، نقش ملیحانی اور قصہ عورت ڈلے جیسی کتابیں بیچ کر مدنی پیدا کرتے ہیں ان کی کٹھنوں اور پنچوں میں "میلاد اکبر" ضرور ملے گا۔

آج کل شعر و ادب کی شہرت کے لئے انہما اور سلسلے ہیں، فلم اور ٹیلیوے، مگر جب یہ چیزیں نہ تھیں ادا خباہات و رسائل کی تعداد بہت ہی محدود تھی، اس وقت طوائفوں اور رقاصوں کے ذریعہ غزلوں کی شہرت ہوتی تھی! شاعر غزل جو نواب ادا و امام اثر سے منسوب ہے۔

آنکھ والا ترے جو بن کا تماشا دیکھے
دیدہ کو رکھو کیا آنے نظر کیا دیکھے

اب سے ساٹھ سال پہلے گانے والوں کے ذریعہ مشہور ہوئی! مرزا داغ دہلوی کے علاوہ آغا شاعر دہلوی اور مضطر خیر آبادی کی غزلیں نصف صدی قبل مغلوں میں گائی جاتی تھیں پھر نواب نصاحت جنگ بہادر جیل کی یہ غزل۔

دیکھا جو حسن یا رب طبیعت چل گئی
آنکھوں کا تھا قصور چھری دلی چل گئی

طوائفوں کو روزِ زبان اور تماشاخیوں کی سوزِ جان تھی۔ چاس سال قبل جو غزلیں بہت زیادہ مشہور تھیں ان میں چند یہ تغیر مجھے صبح کے احسان سے بچا لینا تمہیں نے درو دیا ہے تمہیں دو دینا یہی دن ہیں دعا لے لو کسی کے قلب مضطر سے

جوانی آنہیں سکتی مری جاں پھرئے سرے

۴ چھار ہی کالی گھٹا جیرا مورا ہمدانے ہے

۵ یہ بت پتھر کے ہیں ترخے ہوئے فلاو کے ٹکڑے

۶ میں مرغیبِ عشق ہوں میری دریا پروے میں ہو

اس زمانے میں گراموفون رواج پا چکے تھے، اللہ آباد کی جالنگی بائی کلکتہ کے پاس صاحب انگینہ کے قوال محمد حسین کے بھرے ہوئے ریکارڈوں کی بہت شہرت تھی، یہ صرف دھن اور گانے والے کا کمال تھا کہ۔

۷ میں تو پانی میں کی مینڈکی

جیسے گیت کو محمد حسین نگینہ والے کے گانے کے سبب شہرت میسر آئی!

گراموفون کے ریکارڈوں کے علاوہ اس زمانے میں جو مشہور تغیر گیتیاں تھیں مثلاً نوا یلفرڈ، حبیب کپنی وغیرہ ان میں جو گیت گائے جاتے تھے وہ بہت جلد مشہور ہو کر سارے ملک میں پھیل جاتے، مثلاً ان دو گیتوں کو تغیر معمولی شہر سے حاصل ہوئی۔

(۱) چھوٹی بڑی مویاں رے! جالی کا مورا کاڑھنا

(۲) اب کے عالم پھر نہیں دے آسمانی چوڑیاں

یہ وہ گھٹیا چیزیں ہیں جو صرف "دھن" کے سبب مقبول اور مشہور ہوتی ہیں۔

یہی وہ زمانہ ہے جب خلافت اور کانگریس کی تحریکیں زرد پختیں اس دور میں یہ نظم جو مرزا طاہر مراد آباد کی کہی ہوئی ہے بے حد مشہور و مقبول ہوئی۔

بولیں اماں محسود علی کی
جان بیٹا خلافت پہ دیدو
کہہ رہے ہیں کراچی کے قیدی
ہم تو جاتے ہیں رو رو برس کو

اور
سہ گاندھی چوٹے سے لندن اڑائے دیں گے
فیصلیں مہرلی اور سیدھی سادی ہیں مگر ایک تو ماحول اور فضا کی سازگاری میسر آئی، پھر ان کی "دھنیں کسی نے
خوب نکالیں یہی حال اس نظم کا تھا۔

سہ تیغ سے اور نہ خنجر سے لیں گے
کام اللہ اکبر سے لیں گے
کا کوری ڈیکتی کیس میں جن لوگوں کو پھانسی دی گئی ان میں لاہری پر شاہ و بسن خاص مشہور شخصیت تھی ان کی یہ غزل
بہت مشہور ہوئی۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
وقت آنے دیں دکھائیں گے تجھے اسے آسمان
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے
ہم ابھی سے کیا بتائیں کیا ہمارے دل میں ہے
اور یہ غزل نہ جانے کس شاعر کی ہے ان دنوں بہت زیادہ گائی جاتی تھی۔
جانے کیا ساقی کی نظروں نے اشارہ کر دیا
لفظ بدایونی کو کون جانتا ہے ان کی شہرت بدایوں اور نواح بدایوں سے آگے نہ بڑھ سکی مگر ان کی یہ غزل بدایوں کے
مشہور قوال نتھانے پیران کلید شریف کے عرس میں جو گائی ہے تو بس چل نکلی اور خوب مشہور ہوئی۔
تو وہ میر خوجی ہے اسے جلوۂ جانا نہ
ہر محل ہے ترا بلبل ہر شمع ہے پروانہ

۱۹۳۲ء کے لگ بھگ، قافی بدایونی کی اس غزل —
سہ مال سرزخم ہائے نہانی دیکھتے جہاد
نے بڑی شہرت پائی! جگر مراد آبادی کی ایک دہائیوں بہت سی غزلیں مشہور اور مقبول ہوئیں! اسی زمانے (۱۹۳۲ء-۱۹۳۴ء) میں
مسجد ذیل نعتیہ نظم کی شہرت کی کوئی حد نہایت نہیں رہی۔

میرے مولا بلا لودینے مجھے
ختم جگر تو دے گا نہ جینے مجھے
انہی دنوں ایک صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ایک انگریز لڑکے کو "میرے مولا بلا لودینے مجھے" گاتے
ہوئے سنا، وہ "میرے" کا لفظ "مڈینے" کرتا تھا۔
اب سے تقریباً تیس سال پہلے اختر بائی فیض آباد کا نے ہزار لکھنوی کی یہ غزل۔

دیوانہ بنانا ہے تو دیوانہ بنا دے

گالی، اور اس منزل نے شہرت کی تمام حدوں کو توڑ دیا۔ نظم "ذہنت" میں خشب چارچوی کی قوالی۔

آپس نہ بھریں، شکوے نہ کہئے کچھ بھی نہ بناں سے کام لیا

کی غیر معمولی شہرت نے خشب کے مستقبل کو کس قدر شاندار بنا دیا، کہ راوی چین ہی چین اور چاندی ہی چاندی لکھتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جو چیز مشہور ہوتی ہے وہ لازمی طور پر نیکلیا اور کمتر حیثیت کی ہوتی ہے! نظیر اکبر آبادی

کا۔ "نجمہ نامہ"۔

سب ٹھٹاٹ پڑا رہ جائے گا جب لا دچلے گا بخارہ

گمانے داؤں کی گلوکاری کے سبب نہیں بلکہ اپنی شاعرانہ قوت کے سبب شہرہ ہوا اسی طرح حاکمی پانی پتی کے مدرس اور اقبال کے شکوہ

کی مقبولیت اور شہرت کسی موسیقار کے فن کی رہن منت نہیں ہے! غالب اور اقبال یہ تو اس درجہ کے شاعر ہیں کہ خود ان کے کلام

کی بدولت موسیقاروں اور فن کاروں کے کمال فن کو چار چاند لگتے ہیں!

لیکن

یہ بھی واقعہ ہے "دھن" "طرز"۔ گلوکاری اور موسیقی کے سبب بہت سی معمولی اور پست چیزیں بہت زیادہ مشہور ہو جاتی ہیں!

جناب حمید اللہ قدسی کے مضمون نے اس طرف ذہن کو منتقل کر دیا، ورنہ اس موضوع پر لکھنے کا کبھی خیال ہی نہیں آیا، یہ ایک

سرسری جائزہ ہے، کوئی دوسرے صاحب اس پر تحقیق کر کے کچھ لکھیں تو یہ موضوع سے بڑا دلچسپ!

شہرت کا ذکر لکھنا تو خواہر عزیز الحسن محمد قیصر مرحوم کی غزل کا یہ قطع یاد آگیا۔

تند مجذوب کی خاصان خدا سے پوچھو

شہرت عام تو اک طرح کی رسوائی ہے

طاقت و توانائی کا مکمل کورس

بمب کبیر خاص الخاص

مستقل فائدہ، قابل اعتماد و توانائی،
نقص و کمزوری سے پاک

اعضائے تندرہ اور جنسی قوتوں کو بحال کرنے والا کستوری، جنر،
زرد، مغز سرکشک، باقوت، غیر ذہ، کشتہ چاندنی، مسدحاتہ
قلبی، حقیقی، مرجان اور موثر ترین توانائی اجزاء سے مرکب۔

ایک ماہ ۱۶ روپے

کامیاب عمل
نقصی ہوا، دیشیا کا منظر
ایسی ہی سکاٹ پیدا
وہیں ہی پائی

ایک ماہ
۱۶ روپے

اشرف لیبارٹریز پوسٹ بکس نمبر ۱۱ لائل پور

دل، دماغ، معدہ، جگر کیلئے
اکسیر

طلحائے شباب خاص
بیوقوف

سیوریہ بلکلیٹ تندرہ
ایک ماہ ۱۶ روپے

ایک ماہ ۱۶ روپے
۱۶ روپے

تحریر: جلال الدین لونی
ترتیب تہذیب و عادت سرہندی

قربانی کی شرعی حیثیت

پاکستان میں ایک مدت سے تجدید پسند حضرات ایک ہمہ گیر ہم چلا رہے ہیں، جس کا مقصد شرعاً و اسلامیہ میں رخنہ اندازی اور تنقید برائے مل کے متعلق عوام میں شکوک و شبہات کو پیدا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔

گزشتہ چند سالوں سے قربانی کے خلاف جہاد کا سہ کھڑا کیا گیا ہے وہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ تحریک ایک نئی معلوم ہوتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کی جڑیں بڑی پرانی ہیں۔ اگر اس سلسلہ کو مریض کہا جاتا تو اس کی کڑیاں فرقہ معزلہ کے عقائد سے جا ملیں گی۔ معزز لڑکی اس مرض کا سبب لینا فی فلسفہ سے مرعوبیت تھی اور موجودہ دور میں اس کی وجہ مغربی تہذیب کی غیبری

چمک دکات اور نام نہاد عقلیت پسندی کی گویا تعلقیاں اس کا سہ کھڑا ہے۔ سدا و عظم پاکستان و ہند میں اس تحریک کو فروغ گزشتہ تیس چالیس سال میں ہمارا قریباً آٹھ صدی پہلے نیاز فتح پوری نے اسی قسم کے مسائل پر عبور علماء سے اختلاف ہی نہیں کیا بلکہ قلمی جدال شروع کیا اور جوش و خروش مخالفت میں نماز روزہ اور دوسرے شعائر اسلامی کو بیکار و بے بنیاد بناتے ہوئے مجروح احادیث کو مخرجات کا طور پر قرار دیا تھا۔ نیاز فتح پوری کے اس معاندانہ رویہ کی وجہ جہاں ان کا فلسفہ سے اشتغال تھا وہاں ایک نفسیاتی سبب بعض تنگ نظر و سخت گیر اساتذہ عارص و فیہ کا تشدد بھی تھا۔ جس کی وجہ سے موصوف کو طبقہ علماء سے اتنی شدید نفرت ہو گئی کہ وہ کھرے اللہ کھوٹے میں امتیاز کرنے کی قوت سے بھی محروم ہو گئے اور انہوں نے علماء کی ہر بات کی مخالفت پر کمر باندھ دیا۔ چنانچہ شہر اسلامی کی مخالفت کر کے انہوں نے اپنے سخت گیر اساتذہ سے انتقام لینے کی کوشش کی۔ موصوف نے اپنے حالات زندگی مطلوبہ آج بھی نمبر مسئلہ "نقوش" لاہور میں اسے غصہ سے تسلیم کیا ہے ان کا یہ رویہ ہم سب کے لئے عبرتناک ہے۔

بہر حال نیاز صاحب کی اس غصہ سے مخالفت کا مقصد ہی ہر بات میں علماء کی مخالفت ہے، علاوہ ہر اس امتداد و سائنس اور تقاضا عمر نے بھی ان کے اس جوش کو بڑی حد تک خفشد کر دیا۔ اگرچہ اب بھی نیاز صاحب کے خیالات میں کوئی نمایاں تغیر نہیں ہوا لیکن بابائی کی مخالفت میں وہ جوش اور تشدد بھی باقی نہیں۔

اس کے بعد اس کے وجود ہی صاحب نے اس تان کو اونچا کیا، لیکن اس سے بھی لوگ زیادہ متاثر نہ ہوئے، کیونکہ لوگ ایک ہی قسم کے دلائل کو بار بار سنا کر کانٹا چکے تھے۔

پاکستان بانی غلام احمد مدنی نے پھر اس تحریک کی بنیادیں استوار کرنے کا کوشش کی اور منظم طور پر اس تحریک کو چلایا۔ موصوف نے

جملہ احادیث نبوی کو دفتر ہے معنی قرار دیا اور تمام مسائل کو بلا استناد احادیث قرآن حکیم سے استخراج و مستنبط کرنے پر زور دیا۔ یہ اگرچہ درست ہے کہ قرآن مجید ایک مکمل اور جامع و مانع دستور العمل ہے۔ لیکن مبطل ہی حضور اکرم (ﷺ) کے اقوال و افعال کی روشنی میں ہی ہم قرآن حکیم کو مکمل سمجھ سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن عزیزاً و دیرگیز کتب و مصنف متعدد بلا واسطہ پیغمبر نازل کر دے جاتے تاکہ لوگ خود ہی تمام احکام کو سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہو جاتے۔ لیکن ایسا ممکن نہ تھا کیونکہ اگر احکام خداوندی بلا واسطہ پیغمبر نازل ہوتے تو ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق مطلب اخذ کرتا اور ہر شخص کی رائے ایک دوسرے سے مختلف ہوتی اور اس طرح ایک انتشار و خلط پیدا ہو جاتا، جو مقصد ہدایت کے منافی ہوتا۔ چنانچہ تمام کتب و مصنف متعدد کو انبیاء و مرسلین علیہم السلام پر نازل کیا گیا تاکہ یہ نفوس فاسدہ جو براہ راست نظامدار نہ تھے، اپنے اقوال و افعال سے کلام خداوندی کے صحیح معنوں پر مقصد سے مختلف مکلف کو آشنا کر کے ہدایت و اصلاح کے مقصد کو صحیح معنوں میں پیدا کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی صحیفہ یا کتاب بلا واسطہ پیغمبر نازل نہیں ہوئی۔ چنانچہ دستور خداوندی کے مطابق خدا نے فرما لیا کہ اسے قرآن مجید اور مکمل دستور العمل معنی قرآن مجید بھی بلا واسطہ نازل ہوا بلکہ اللہ کے ابلاغ اور تعمیل کے لئے حضور اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا گیا اور حضور کے کردار کو اسوہ حسنہ قرار دے کر آپ کی عادت کو لازمی اصولین کا جزو لازم قرار دیا گیا۔ اس فقرہ کی بحث سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسوہ رسولی سے اعراض کر کے کوئی شخص قرآن حکیم کے صحیح مطالب سے آشنا نہیں ہو سکتا۔ اور بلا سمجھے لو جیسے عمل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ظاہر ہے کہ رسول آقا و انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے واقعیت حاصل کرنے کے لئے ہمیں لا محالہ احادیث نبوی اور فقہاء و ائمہ کی تشریحات کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ چونکہ اکابر امت اس حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے اس لئے انہوں نے صحیح احادیث اور مستنبط احکام میں بڑی جگہ رکھی کہ احادیث کی صحت کو جانچنے کے لئے اس قدر حزم و احتیاط سے کام لیا کہ اس سے زیادہ بشری امکان میں نہیں۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے دعا میں قاعدے وضع کیے گئے جو اصول روایت اور اصول روایت کے نام سے معروف ہیں۔

اصول روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

- ۱۔ کوئی روایت تاریخ مشہور کے خلاف نہ ہو۔
- ۲۔ وقت حال کے قریبہ کے خلاف نہ ہو۔
- ۳۔ اقتضائے عقل و شرع کے خلاف نہ ہو۔
- ۴۔ رسول اللہ کے اخلاق حسنہ کے منافی نہ ہو۔
- ۵۔ قرآن کریم سے متصادم نہ ہو۔

اصول روایت کو انتہائی بلند معیار تک پہنچانے کے لئے ایک الگ اور مستقل فن ایجاد کیا گیا جو اصلاح میں فن جوہر و تدبیر اور معرفت عام میں فن رجال کے نام سے مشہور ہے۔ فن رجال فن، نسب، یہی سے متضمن ہے جس کے تحت تمام روایان حدیث کے حالات و کوائف پوری تحقیق و تدقیق کے ساتھ جمع کیے گئے اور اس ضمن میں کسی روایت سے کام نہیں لیا گیا۔ چنانچہ روایت کے لحاظ سے احادیث کی متعدد اقسام قرار دی گئیں جن کی جمل تشریح درج ذیل ہے۔

- ۱۔ صحیح :- وہ حدیث جس کے راویوں کا پورا سلسلہ نہایت معتبر ہو اور حدیث میں کوئی بات بخلاف نہ ہو۔
- ۲۔ حسن :- وہ حدیث جس کے سلسلہ روایت میں کوئی راوی کم درجہ کا ہو یا اسناد نا مکمل ہوں۔

- ۳۔ ضعیف :- وہ حدیث جس کا راوی مشتبہ ہو اور روایت میں کوئی بات مشتبہ ہو۔
 - ۴۔ مدح :- وہ حدیث جس کے راوی الفاظ رسول کی بجائے کہیں کہیں اپنے الفاظ بھی استعمال کئے ہوں۔
 - ۵۔ متروک :- وہ حدیث جس کا ایک ہی راوی ہو اور اس کی روایت ضعیف سمجھی جاتی ہو۔
 - ۶۔ مسند :- وہ حدیث جس کی روایت کا سلسلہ نہایت معتبر ہو اور غیر منقطع ہو اور کسی صحابی تک پہنچے۔
 - ۷۔ سلسلہ الخلف :- وہ حدیث جس کی ہر راوی نے قسم کھا کر اور ہاتھ پر ہاتھ مار کر روایت کی ہو۔
 - ۸۔ عالی :- وہ حدیث جس کی اسناد یکم اور مختصر ہوں یعنی پہلے اور آخری راوی کے درمیان بہت کم فاصلہ ہو۔
 - ۹۔ متصل :- وہ حدیث جس کے راویوں کا سلسلہ غیر منقطع ہو۔
 - ۱۰۔ منقطع :- وہ حدیث جس کے راویوں کا سلسلہ درمیان میں ٹوٹ جائے یعنی تابعین کے طبقہ کا کوئی راوی نہ ہو۔
 - ۱۱۔ موضوع :- وہ حدیث جو روایات اور تفہیم کے لحاظ سے غلط قرار دی جا چکی ہو۔
 - ۱۲۔ مرسل :- وہ حدیث میں کا راوی کوئی تابعی ہو لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے کس صحابی سے روایت کی ہے۔
 - ۱۳۔ معنعن :- وہ حدیث جس کی اسناد صرف سہابی ہوں اور عن صحابہ و عن فضلاء و عن نسلاں سے روایت کی گئی ہو۔
 - ۱۴۔ بیہم :- وہ حدیث جس کا کوئی راوی غیر متعین ہو۔
 - ۱۵۔ مترشح :- وہ حدیث جس کو علیحدہ علیحدہ بہت سے لوگوں نے بیان کیا ہو اور وہ سب معتبر و ثقہ ہوں۔
 - ۱۶۔ مشہور :- وہ حدیث جس کو کم از کم تین معتبر طبقوں کے راویوں نے بیان کیا ہو۔
 - ۱۷۔ معزین :- وہ حدیث جس کو علیحدہ علیحدہ راویوں نے بیان کیا ہو۔
 - ۱۸۔ احادیث :- وہ حدیث جس کو ایک ہی راوی نے بیان کیا ہو۔
 - ۱۹۔ غریب مطلق :- وہ حدیث جس کو صرف ایک تابعی نے بیان کیا ہو۔
 - ۲۰۔ مرفوع :- وہ حدیث جس میں صحابہ کے اقوال و افعال کے ساتھ رسول اللہ کا ذکر بھی ہو۔
 - ۲۱۔ موقوف :- وہ حدیث جس میں صرف صحابہ کے اقوال و افعال کا ذکر ہو۔
 - ۲۲۔ مقطوع :- وہ حدیث جس میں صرف تابعین کے اقوال و افعال کا ذکر ہو۔
- منکرین حدیث کو احادیث پرست بڑا اعتراض یہ ہے کہ ان میں ہر طرح کا رطب و یابس بھرا ہوا ہے اس لئے ممکن نہیں کہ ان میں سے کسی کو صحیح یا غلط قرار دیا جائے یہ درست ہے کہ بعض مخاطب اللہ قسم کے حضرات نے با تحقیق احادیث کا ایک انبار لگا دیا اور بعض دلی الطبع لوگوں نے وضع احادیث کا کاروبار شروع کر دیا لیکن اخرا اصول روایت و روایت کس مرض کا علاج ہیں۔ اگر روایت احادیث یہ کہ بیان سزاوارتہ ہوئی ہو ان قوان خاص و معیاروں کو وضع کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی یہ معیار اس لئے تو وضع ہوئے کہ کھوئے کھوئے کو الگ کیا جاسکے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ احادیث کے صحیح ترین کہلانے والے مجموعوں مثلاً صحاح ستہ و امداد میں سے بھی بالخصوص صحیحین تک موضوعات و ضعیفات روایات موجود ہیں، جہاں تمام مجموعوں کو ساقطاً اعتبار رہا رہی ہیں۔

یہ اعتراض اگرچہ ہادی النظر میں معقول معلوم ہوتا ہے، لیکن غور کیا جائے تو یہ بھی محض اعتراض برائے اعتراض ہی کے سلسلہ میں ہے۔ صحاح ستہ و امداد صحیحین میں موضوعات و ضعیفات روایات کے ثمری سے ان کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ہر حدیث

ساندھ اس کی اسناد بھی بیان کر دی گئی ہیں۔ جس سے ہر حدیث کی نوعیت واضح ہو جاتی ہے پھر اصول ہدایت کی کسوٹی ہمارے پاس موجود ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ جب جامعین احادیث کے پیش نظر یہ تمام اصول تھے تو انہوں نے اپنے احادیث کے مجموعوں میں کمزور حدیث کی احادیث کیوں شامل کیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر قسم کی احادیث کو قلمبند کر دینے سے ان کا یہ مقصد تھا کہ آئندہ وضع حدیث کا کاروبار بند ہو جائے چنانچہ وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب رہے اور اس کے بعد وضع حدیث کا سلسلہ منقطع ہو گیا کیونکہ سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ ہر قسم کی احادیث مختلف مجموعوں میں شامل ہو چکی ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد کوئی حدیث ٹھہری نہیں گئی اور اس کے علاوہ اسی طرح ہر قسم کی روایات کے نمونے ہمارے سامنے آ گئے۔ ایسی صورت میں تمام احادیث کو مجموعہ مزخرات قرار دینا سخت علمی بددیانتی ہے اور حدیث کی حیثیت سے انکار کرنا عند اللہ سے زیادہ نہیں۔ کیونکہ کھرا اندہ کھوتا الگ ہو چکا ہے اور جہاں شبہ ہو جائے گا سمجھا جاتا ہے اس موجود ہے۔

اب یہ حضرات چوں کہ احادیث سے تو خلق ختم کر بیٹھے ہیں۔ اس لئے مسائل کے استنباط و استخراج اس کے سرا ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں کہ قرآن حکیم سے مسائل استخراج کرنے کے لئے اپنی عقل و فہم پر انحصار کریں یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر شخص کی فہم و فکر اور فراست و ذہانت یکساں نہیں ہوتی اس لئے تفسیر بالرائے ایک طرح کا غلبان بن کر رہ گئی ہے اور ہر شخص اپنے ذہنی چال و انگ اٹھانے میں مصروف ہے۔ جس کا نتیجہ انتشار و خلفاء کے سوا کچھ نہیں۔ حالانکہ اسی انتشار و انفریق سے محفوظ رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی تبلیغ کے لئے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو مبعوث فرمایا تھا اور ان کے کردار کو مثال و نمونہ قرار دے کر اس کی تقلید کو دین کا جزو اول قرار دیا گیا۔ چنانچہ قرآن حکیم کو شارح اسلام مفسر اکرم سے الگ کر دینے کے بعد قرآن کا کوئی مقصد ہی باقی نہیں رہتا۔

ہاں تو میں پر دینا صحیح ذکر کر رہا تھا کہ انہوں نے تفسیر بالرائے کی فہم کو منظم طور پر چھلایا، شروع شروع میں تو ان کی اس تحریک میں بڑی کشش تھوکیس ہو رہی تھی خود میں بھی اس سے کسی قدر متاثر ہوا اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ کل جہاں یث لذب اور دوسری وجہ یہ کہ انہوں نے اس وقت تک کھنکھن کر حدیث کا انکار نہیں کیا تھا۔ جب بعض علما نے موصوف کے ان خیالات کو ہدف تنقید بنایا تو میں نے ضروری خیال کیا کہ اس باب میں پر دینا صحیح کی رائے بھی معلوم کرنی جائے چنانچہ میں نے ایک خط لکھ کر ان سے دریافت کیا کہ آیا وہ واقعی منکر حدیث ہیں؟ یا ان کی مخالفت ہمارے مخالفت ہو رہی ہے اس کا جواب مجھے یہ ملا کہ پر دینا صحیح صرف موضوعات دینی کے خلاف ہیں اور اپنی احادیث سے انکار کرتے ہیں جو معاہدہ قرآن ہوں یا جن سے شارع اسلام کی ذات پر طعون ہوتی ہو اس جواب سے میں مطمئن ہو گیا اور میں نے علماء کے احتماہر کو ان کی تنگ نظری پر جموں کے نظر انداز کر دیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ علماء کو کھلانے والوں میں سے اکثر حضرات باہم دست و گریبان رہتے ہیں۔ لیکن بعد میں پر دینا صحیح اور زیادہ کھل کھیلے اور رسالت کا مفہوم الیہ قرار دیا جس سے رسول کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کو جو مقبولیت حاصل ہوئی تھی وہ بڑی حد تک ختم ہو گئی اور مجھے بھی ان کے متعلق اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی۔ ان کے ساتھ اب صرف وہی لوگ رہ گئے ہیں جو دین کو اپنی مرضی کے تابع اور بازیچہ اطفال سمجھتے ہیں، پر دینا صحیح کی اس تحریک کے ابتدائی وعدے میں ڈاکٹر فہام جیلانی برقی نے بھی دو قرآن اور اسلام لکھ کر ان کی ہمنوائی کی۔ لیکن بعد میں وہ کھنکھن گئے اور اس موضوع پر پھر خامد فرسائی نہیں کی۔ بلکہ میرے ایک لفظ کے جواب میں موصوف نے جو کچھ لکھا اس سے بچا ظاہر رہتا ہے کہ انہوں نے اس مسلک سے رجوع کر لیا ہے۔

ان حالات کے پیش نظر تھوڑے دیر بعد حضرت نے یہ سوچا کہ اس وقت تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جب تک احادیث کا سہارا نہ لیں۔ چنانچہ احادیث کا سہارا لے کر امتزاق و لغاف کی ایک اہم چم چلائی گئی اور عامۃ المسلمین کو متفق علیہ شہادت اسلامی سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی گئی اس سلسلہ کی ایک کڑی۔ وہ ہم ہے جو قربانی کے خلاف شروع کی گئی۔ چنانچہ چند سال قبل بادشاہی مسجد لاہور کے خطیب غلام مرشد صاحب نے عید الاضحیٰ کی قربانی کے بدلے نقد قسم صدقہ دے دینے کے بجائے قربانی کا فتویٰ صادر کر دیا عوام اور علماء کے شدید احتجاج پر غلام مرشد صاحب کو تو اپنے فتویٰ کی تکرار اور احادیث کی جرات نہ ہوئی لیکن اس گروہ کے بعض دوسرے سرخیلوں نے قلمی طور پر اس ہم کو جاری رکھا۔ جن میں رحمت اللہ طارق پیش ہیں۔ اس وقت زیر بحث رحمت اللہ طارق کا ایک مضمون ہے۔ جو "قربانی کی شرعی حیثیت" کے عنوان سے مئی ۱۹۶۵ء کے ماہنامہ "نور" لاہور میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کے جواب کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ مضمون نگار نے قربانی کے خلاف ہم میں احادیث بری۔ آثار و صحابہ اور اجماع امت سے بھی استناد کی ہے۔ ایسی صورت میں عام ذہن کا اس سے متاثر ہونا لازمی بات ہے اور کچھ لوگ وجوب قربانی کے باب میں تنگ و شبہ میں مصروف ہو گئے ہیں۔ اپنے اس مضمون میں طارق صاحب نے زیادہ تر مندرجہ ذیل اہم پروردگار دیا ہے۔

- ۱۔ قربانی واجب نہیں۔ اس کے وجوب کے قائل صرف امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ جب کہ دوسرے امام فقہاء وجوب کے قائل نہیں۔
- ۲۔ قربانی شارب اسلام کا ذاتی فعل ہے جس پر عمل کرنے کی امت پابند نہیں۔
- ۳۔ اگر قربانی سنت ہے تو یہی مستحبات کے دھرم کی سنت ہے جن کے ترک واجباً نہیں ہر شخص آزاد ہے۔
- ۴۔ صحابہ باجماع اس کے ترک کے مرید تھے۔
- ۵۔ صحابہ قربانی کے بدلے کے بھی قائل تھے۔

۶۔ سیدہ کوثرؓ سے قربانی کا استلال بہت بعد یعنی آخر میں صدی ہجری کی بات ہے اس سے پہلے کسی نے سمجھا کہ قرآن کا انا نہیں کیا عطا فرماتا انقلاب خط بھی ہے جو کچھ غبار و محیش کے نزدیک شریک المعانی الفاظ کے غامضی کا تین نرکان یکجہ میرا ہے اور یہ انقلاب غرضت ترک المعانی ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور مسائل و جواب میں مضامین بھی لکھے۔ لیکن ان مضامین کی حیثیت جھوٹی تھی اس لئے ان میں اس مضمون میں پیش کردہ دلائل کا پوری طرح احاطہ نہیں ہو سکا اور عام ذہن میں جو کھٹک پیدا ہو گئی تھی وہ پوری طرح دودھ ہو سکی۔ جب سے میں نے طارق صاحب کا مضمون دیکھا تھا اسی روز سے اس کا جواب لکھنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن بوجہ یہ ارادہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ میں ایک ایسے مفاد فادہ مقام پر تقیم مہل جہاں کوئی اچھا کتب خانہ نہیں۔ اور نہ کوئی ایسا عالم ہی موجود ہے جس سے مدد لی جاسکے اور مجھ میں اتنی استطاعت نہیں کہ میں اپنا ذاتی کتب خانہ قائم کر سکوں۔ جو میری تمام ضروریات کو مستحضر ہو۔ ظاہر ہے کہ موصوف نے اپنے مضمون میں جن کتابوں سے حوالے پیش کئے ہیں، جب تک ان کا مطالعہ کر کے اصل و نقل کا مقابلہ نہ کر لیا جائے مضمون کا جواب لکھنا ممکن نہ تھا۔ اس نے علاوہ میری معاشی الجھنیں مجھے اتنی مہلت ہی کہاں دی تھی کہ کہ دل بھیجے کہ ساتھ اس قسم کے علمی کاموں میں مشغول ہو سکوں۔ چنانچہ میں نے اپنے ایک کم فرما جاب جلال دین صاحب نعیم ٹونگ راجستھان بھارت سے اس سلسلہ میں اطلاع چاہی۔ موصوف نے اندازہ میرا فی نامہ سامی طبع کے باوجود بڑی کاوش اور محنت سے جو ای مضمون لکھ کر مجھے بھیج دیا اور اس میں ترمیم و تفسیح کا ممکن اختیار بھی مجھے تفویض کر دیا۔ اسی اختیار سے کام لیتے ہوئے میں نے اصل مضمون کی ترتیب جہاں مناسب خیال کیا بدل دی۔ اور کبھی کبھی حذف و اضافہ سے بھی کام لیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ طارق صاحب کے مضمون سے قرآنی کے متعلق جو شبہات پیدا ہو سکتے ہیں یہ مضمون ان کا انکار کر دے گا اور اللہ بھی واضح ہو جائے گا کہ موصوف نے غلط حوالہ

اور غلط تعبیرات سے کام لے کر بات کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا ہے۔

اب ذیل میں مضمون پر تفصیلی نظر ڈالی جاتی ہے۔ تاکہ مضمون نگار کے دلائل کا جائزہ لے کر صحیح نتائج تک پہنچا جاسکے۔

(دانش سرہندی)

طابق صاحب نے مضمون کی تمہید میں پیر وایں دین کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے ایک وہ جو پوری طرح اپنی زندگی کو دین کے تابع کر لیتے ہیں۔ دوسرے وہ جو کسی عقیدے کو تسلیم کر کر لیتے ہیں لیکن عملاً اس کی تائید نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ اس گروہ کے متعلق رقم طراز ہیں۔

”اس دوسرے گروہ کی لغیات عجیب و غریب ہوتی ہیں۔ ایک طرف تو ان کی دینی وفاداری عقیدے کے ساتھ ہوتی ہے لیکن دوسری طرف ان کی خواہش، ادا سے اور سوچ کی تہذیب عقیدے کے مطابق نہیں ہوتی۔ اس لئے عقیدہ اور ذاتی خواہش ہر قدم ٹکراتے رہتے رہتے ہیں۔ چنانچہ یہاں انسان مغایرت کی کوئی صورت تلاش کر لیتا ہے۔ یعنی عقیدہ بھی برقرار رہے اور ذاتی خواہش کی تکمیل کا کوئی جواز بھی دیکھ لے۔ چنانچہ پسند گروہ اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ عقیدت کی حقیقت کو اپنی زندگی میں رائج کر سکے۔ اور دوسرا گروہ اس لئے کہ وہ اپنے اہل کار کوئی جواز پیدا کر سکے۔ مختلف اوقات میں عقائد کے اخذ و ترک کی طرف رجوع کرتے ہیں مثلاً مسلمانوں کا ایک بہت بڑا گروہ اکثر اس قسم کا سوال کرتا دکھائی دیتا ہے کہ خداوند کی شرعی حیثیت کیا ہے؟“

یہاں ایک نکتہ کی بات ملحوظ رہے کہ جس طرح ہر چیز کا ایک خارجی پیکر اور باطنی مفہوم ہوتا ہے اسی طرح ادیان کا بھی ایک خارجی پیکر اور ایک مدح معنوی ہوتی ہے۔ خارجی لباس معتقدات اور رسومات ہیں اور مدح معنوی وہ حقیقت ہے جس کو اپنی ذات میں رچا، ہی ادیان کا اصل مطالبہ ہوتا ہے، ہوتا یہ ہے کہ مرد زمانہ کے ساتھ ساتھ خارجی لباس تو رہ جاتا ہے لیکن مدح معنوی پر دیر میں۔

چڑھ جاتی ہیں اور تب لوگ اس طرح سوال کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ خداوند کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم مدح اسلام یا حقیقت اسلام سے آشنائی پیدا کر لیں اور اپنی سوچ اور اپنے ارادے کو اس حقیقت کے تابع کر لیں تو ایسے سوالات کا جواب خود ہمیں اپنی ذات ہی سے مل جاتا کرے۔ ایک مسلمان کا کسی مسئلے کے بارے میں یہ پوچھنا کہ اسلام اس بارے میں کیا کہتا ہے اجتماعاً ضعیف معلوم ہوتا ہے۔ اسلام کوئی دیوالا افلاوی اور اساطیری مذہب نہیں اور نہ ہی یہ چند عقائد کا مجموعہ ہے یہ تو ایک طرز احساس، طریق فکر اور انداز زیست ہے، اور مسلمان وہی ہو سکتا ہے جو اس طرز احساس، طریق فکر اور انداز زیست کا حامل ہو اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کوئی انسان کسی مخصوص انداز زیست کا حامل ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ماضی حیات کو ایک نادرہ نظر سے دیکھنے اور مخصوص طریق کار کے ساتھ ان مسائل کو حل کرنے کا عادی ہے۔ اگر مسلمان اسلام کو ایک طرز احساس، ایک طریق فکر اور ایک انداز زیست کے طور پر اپنا سکتے تو اسلامی کتب خانوں میں فتاویٰ کے مجموعوں کی اتنی زیادہ تعداد نہ ہوتی اور نہ مسئلوں کو یہ سوال تنگ کرتا کہ اسلام اس بارے میں کیا کہتا ہے۔ اسلامی فکر کی تاریخ میں بہت سے مسائل کی شرعی حیثیت متعین کرنے کا مسئلہ مسلسل اٹھتا رہا ہے اور اپنے اپنے دور میں اسلام کے مزاج شناسوں نے اپنے مسائل حل کرنے کی مساعی کی۔ لیکن ان مساعی کا انبساطا بڑھا کہ اسلام کے ماضی اول یعنی قرآن اور احیاء رسول نظروں سے اوجھل ہونے لگے اور مسائل کے استنباط میں قرآن اور قولی رسول سے زیادہ اکابر کے اقوال کو اہمیت دی جانے لگی۔

چنانچہ قرآن، قولی رسول اور اقوال اکابر کی اہمیت میں حفظ مراتب قائم نہ رہ سکا۔ اسی طرح سے قولی رسول کی ایمانیت اور منشا کا غائب کرنے کی کوشش بھی مفعول ہو گئی۔“

اس تمہید کی روشنی میں دیکھا جائے تو کیا مضمون نگار کا مشہدہ فکر اس دوسرے گروہ سے وابستہ نظر نہیں آتا۔ جو عقیدہ اور عمل کے تضاد کا شکار ہوئے کے باعث ذاتی خواہشوں کی تکمیل کے لئے جواز کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے کیا اب نہیں ہے کہ صاحب

مضمون اپنی ذاتی خواہش کی اتباع میں اپنے عملی تضاد کا جواز تلاش کرنے کے لئے لایینی تاویلات کا سہارا لے کر قرآنی کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ لیکن جو لوگ اپنی تمام تر غلط بات کو دینی تقاضوں کے سامنے ختم کر دیتے ہیں وہ قرآنی اور افاق مال کے معاملہ میں گریزاؤ فرار کی راہیں تلاش نہیں کیا کرتے ہیں۔ الیہ ہی لگ کر رہے ہیں۔ جو دین کی آڑ میں ذاتی غلط بات کی تکمیل کے بہانے تلاش کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مضمون نگار کی یہ کوشش اسی دوسرے گروہ کی طرز فکر سے وابستہ ہے۔

آج کے جن کو مصروف کا دین کے خارجی اور داخلی پہلو کی نشاندہی کرتے ہوئے محققان اور رسوم کو ایک سمجھنا ہی غلط ہے اور پھر محققان کا تعلق دین کے خارجی پہلو سے قائم کرنا ایک برا تجربہ ہے کم نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عقائد و معارف ہیں اور اعمال و رسوم کی حیثیت خارجی لباس کی سی ہوتی ہے۔ کیونکہ عقائد کا تعلق قلب و دماغ سے ہوتا ہے اور اعمال کا اعضاء و جوارح سے جس طرح جسم و روح کا منظر ہوتا ہے اسی طرح اعمال عقائد کے منظر ہوتے ہیں۔

اس سے بھی عجیب تر بات جو مضمون نگار کے بیانی کی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کے لئے کسی مسئلہ کی شرعی حیثیت دیانت کرنا اسلام سے دور ہونا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے یہ سوال کہ فعل یا معاملہ کی شرعی حیثیت کیا ہے صرف اسی شخص کو بے چین کرنا ہے جس نے اسلام کو ایک طرز احساس، طریق فکر اور انداز زندگی کی حیثیت سے اپنا لیا ہو۔ جس شخص کے دل پہلے ہی اسلام سلامت کر گیا ہو۔ اسی کی فکر دامن گیر ہوگی کہ وہ معاملہ میں شرعی حکم معلوم کرے تاکہ اس کا کوئی قدم شرعی احکام کے خلاف نہ اٹھ جائے اس کے برخلاف جس شخص کا تعلق اسلام سے ہلے نام ہوگا۔ اس کو ہر معاملہ میں شرعی حکم معلوم کرنے سے کوئی دلی ہمتی نہ ہوگی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسلمان نہیں تو کیا کوئی کافر یہ معلوم کر سکتا ہے کہ فعل یا معاملہ میں اسلام کا کیا حکم ہے اگر مصروف کا منشا یہ ہے کہ جو شخص اسلام کو طرز فکر طریق احساس اور انداز زندگی کی حیثیت سے اپنا لیتا ہے اس پر بغیر کب کتاب کے ہر مسئلہ کا شرعی مسئلہ خود بخود مشکف ہو جاتا ہے۔ تو ایسی صورت میں سوائے رسول کریمؐ کے کوئی شخص بھی امت محمدیہ میں مسلم کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا کیونکہ احکام شرعی کے مشکف معلوم ہونے کا سلسلہ اسی ذات یا بات اور کثرت کے کوئی شخص بھی امت محمدیہ میں مسلم کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ کیا وہ بھی مدح اسلام سے نا آشنا تھے، اگر نہیں پختہ ہو چکا ہے۔ معاذ اللہ اسی حضورؐ سے اسلامی بات کی شرعی حیثیت معلوم کر کے خواہاں ہوئی۔ مدح اسلام سے نا آشنا قرار دینا دین کے ساتھ جو بھڑا تو ایسے اسلام پسند افراد کو جو سائنس کی شرعی حیثیت معلوم کر کے خواہاں ہوئی۔ مدح اسلام سے نا آشنا قرار دینا دین کے ساتھ جو بھڑا مذاق اور دنیا دلی نہیں تو اور کیا ہے یہ کہنا حقیقت کو سرخ کرنا ہے کہ فادوی کے انبار نے اسلام کے اخلاقی کو نظر دل سے اوجھن کر دیا ہے عوام ہوں یا خواص کوئی بھی کسی امام مجتہد کی تقلید اس خیال سے نہیں کرتا کہ وہ امام کو رسول اکرمؐ پر ترجیح دیتا ہے بلکہ یہ سمجھ کر تقلید و اتباع کرتا ہے کہ اس امام نے قرآن و احادیث سے رسول کو سامنے رکھ کر اس کا استنباط کیا ہے۔ اگر بات، اکابر کی باتیں ہیں کہ انہوں نے ایمانے رسول کو معلوم کرنے کی بیش از بیش سعی کی۔ اور اپنی طرف سے اس مقصد کے حصول میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا اور پھر رسول اکرمؐ سے جو جتنا نیا وہ قرب رسانی و روحانی رکھتا ہے وہ اتنا ہی نیا وہ ایمانے رسول کو سمجھ سکتا ہے۔ اسی لئے اکابر امت کی آراء و برائعات کی جاتا ہے اور ایسا بھی چاہئے۔

فادوی کا انبار شریعت اسلامی کے لئے شرم کی بات نہیں بلکہ غرر کی بات ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صلوات امت نے ایمانے رسول کو معلوم کرنے کی سعی بیش از بیش کی اور دقیقہ رکھا ہے اس ضمن میں جہاں کہیں اختلافات آ رہے یا ہو گئے ہیں تو وہ بھی نیک نیتی پر مبنی ہے اور اس کی امان بھی قرآن و احادیث سے رسول ہی ہے۔ ایسی صورت میں فادوی کے انبار کو ہدف مباحن بنانا انتہا و دہر کی ناشکر گنہاری ہے۔

یہ درست ہے کہ بعض احکام ایسے بھی ہیں جن میں شارع اور امت کے بقیہ افراد کے درمیان کچھ فرق ہے لیکن اس فرق کو معلوم

کہا ہر کس مذاکس کا کام نہیں۔ اس فرق کو انشاء اللہ رسول کے بعد ہی نفوس قدسیہ مانع کر سکتے ہیں جو اسلام کے مزاج شمس اور مسلم اسلامی کے بحرِ خار کے شکار ہیں اس تمہید کے بعد اب آئیے نفسی معنوں کی طرف مضمون کے آغاز میں طارق صاحب نے ابن رشد کی کتاب "ہدایت المجتہد" کے حوالہ سے یہ عبارت درج کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وجہ صیغہ آخر سے ہوتا امام ابوحنیفہ کے نزدیک وجہ پر دلالت کرے گا۔ لیکن عبادات کا کہنا ہے کہ امام ربوی فرداً فرداً ہوں خواہ بالجہد ان سے سنت محکمہ کا استنتاج ہو سکتا ہے، وجہ وغیرہ کا نہیں۔ اس کے بعد دوسری وضاحت اس طرح ہے کہ

قریبانی کے بارے میں وارد احادیث کا مفہوم متعین کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہی دراصل اس کی شرعی حیثیت متعین کرنے میں تضاد اور اختلاف کا موجب بنا۔

ہدایت المجتہد کی کتاب..... ماباب اول اس وقت سامنے ہے مگر کہیں بھی ایسی عبارت نظر نہ آئی جس کا یہ ترجمہ یا مفہوم ہو سکے۔ ابن رشد تو خود کتاب کے خطبہ میں فرما رہے ہیں۔

"والا حرج من فسد منه الجنم ولا تغلق العقاب تبد کہ مسمیٰ دا جہا ان فہم منہ الثواب علی الغرض فالانستقاء العقاب مع الترتیب مسمیٰ مذکور"

اس سے ظاہر ہے کہ علامہ ابن رشد کی یہ رائے نہیں کہ اس سے صرف سنت کا استنتاج ہی ہو سکتا ہے۔ ابن رشد کی طرف من گھڑت عبارت کو منسوب کرنا اور پھر موصوف کی رائے کے خلاف اہام کے معنی بیان کر کے اس کا ذمہ داری نہیں ٹھہرانا حد درجہ کی جسارت ہے۔ امام ابوحنیفہ سے تضاد و تعصب کی بنا پر ایسی عبارت گھڑی جا رہی ہے۔ جس سے یہ سمجھا جائے کہ ابن رشد ایک طرف امام اعظم کو کہتے ہیں اور دوسری طرف علامہ راہت کو یا امام ابوحنیفہ کا شاہکار علم راہت میں ہوتا ہی نہیں۔

اس کے ساتھ ہی ابن رشد کی اس عبارت "وعلق حدیث جواس فی الغرض الذی یصححہ فیہ فالاحتمال حاجۃ بہ ضعیف" کا ترجمہ یہ کیا ہو جو حدیث بھی مقصد اصل (وجوب قربانی) کی طرف واضح مفہوم دیکر رہنمائی کرنے سے قاصر ہے، اسے (وجوب کی) دلیل بنانا ضعیف اور کمزور اسلوب ہے۔

توسین میں وجوب قربانی اور وجوب کے الفاظ لکھ کر طارق صاحب نے مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ یہ ظاہر ہو سکے کہ ابن رشد وجوب قربانی کے مویدین سے مخاطب ہیں۔ اور کمزوری استدلال کا التزام ان پر عائد کرتے ہیں اگر توسین میں وجوب قربانی اور وجوب کی جگہ عدم وجوب قربانی اور عدم وجوب کے الفاظ رکھ دئے جاتیں تو کیسا رہے یہ بھی تو کیا جاسکتا ہے کہ علامہ کا روئے سخن منکرین و بکرات کی طرف ہے آخر طارق صاحب کے پاس اس کا کیا قرینہ ہے، حالانکہ علامہ موصوف نے ایک عام قاعدہ بیان کیا ہے اور وجوب یا عدم وجوب کے متعلق اپنا کوئی فیصلہ نہیں دیا بلکہ دونوں طرف کے دلائل بیان کر کے یہی صرفت ان کو منکرین وجوب کا حاق قرار دیکر سند بنا کر علمی و تحقیقی دیانت کے منافی ہے مضمون نگار نے الحلی کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے۔

"عن ابی سیریح بن اسد الغفاری قال لقد رايت اباہی وعمرہ فیضیات کما ہدیت ان یقننای بہما یعنی حضرت خلیفہ فرماتے تھے کہ میرا باپ اور امیر شہید ہے (اور میں نے ہر بار اس کو لوٹ کیا ہے) کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما اس نہایت سے قربانی کن مکرور جانتے تھے کہ لوگ ان کی اقتدا کو ضروری سمجھ کر قربانی کے عادی نہ بن جائیں۔

یہ روایت کئی طریقوں سے مروی ہے اور اس پر ضعیف ہونے کا التزام بھی ہے تاہم اگر صحیح بھی ہو جیسا کہ صاحب بدایہ نے تحریر کیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تخمیناً حالت اعسار (میں قربانی نہیں فرماتے تھے) تاکہ لوگ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ مسکین پر بھی قربانی واجب ہے۔
 منہ سوچنے کی بات ہے کہ اس زمانہ میں وہ قربانی نہیں کرتے تھے۔ اگر ذی استطاعت ہوتے تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ قربانی کو چھوڑ دیتے
 کیونکہ قربانی کی فضیلت قرآن مجید میں کمال تک کو تسلیم کیا ہے جو خود مسکین لگا رہے بھی اس کے وجہ سے انکار کرتے ہوئے اس کی سنت ہر خدا کا اقل
 کیا ہے اگر تخمیناً رضی اللہ عنہما قربانی نہیں فرماتے تھے تو ایسا ان کے ذی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے تھا اور مسکین پر قربانی واجب ہونے
 کا کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ اس کے بعد مسکین لگا رہے تھے انھوں نے اٹھلی سے حضرت ابو سعید و حفص بن عمر البندی کا یہ قول مع ترجمہ درج کیا ہے۔

”لقد حمیت عن ادع الاضحية ذاتی لمن الیس کہ مخافة من یحب الناس انہما حتمہا واجب“ یعنی بلاشبہ مسکینوں کی ہمت
 اور ایسے کے خیال سے قربانی ترک کر دینے کا ارادہ ترک کر چکا ہوں کیونکہ یہ اندیشہ ہے کہ یہ لوگ اسے فری (مذبحی) اور واجب سمجھیں گے۔
 حالانکہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ باوجودیکہ کو تم میں سے دوسرے ہوں مگر اس اندیشہ سے لوگ قربانی کو واجب سمجھنے لگیں۔ میں نے اس کے چھوڑ
 دینے کا ارادہ کر لیا ہے۔

اس اثر سے کسی طرح بھی عدم وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ دوسرے ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اتنے دوسرے تھے کہ ان پر قربانی واجب
 ہوتی اور غیر مسکین پر وجوب کا کوئی بھی تعلق نہیں۔ دوسرے ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے واقعی قربانی ترک کر دی نیز اس افیکہ آوی
 نکولے۔۔۔۔۔ غافل۔۔۔۔۔ الخ یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ مسکین ہونے کے باوجود قربانی کرنے کے خواہشمند ہوں گے۔

اس کے بعد مسکین لگا رہے انھوں نے ابن رشد اور ابن حزم کے حوالہ سے حضرت بلال اور حضرت عبداللہ بن عباس کے دعاثر نقل
 کئے ہیں۔ جو یہ ہیں۔

۱۔ ما کفنا ابائی لوضیعتہا بلال ولا ان اخذ ثمن الاضحية، فالصدق بدھ علی مسکین مقتدر فمواحب الی
 من ان اضحیٰ۔

۲۔ اشتد حیا لھا ومن لعینک فقل ھذا اضحیۃ ابن عباس۔

حضرت بلال کی مرضی کی قربانی اور حضرت عبداللہ بن عباس کی دوسرے کے گوشت کی قربانی سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس وقت
 مسکین بھی تھے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حالت اعسار میں ہونے کے باوجود عید قربان پر قربانی کا۔۔۔ شوق ہمارا کرنے کے لئے کچھ نہ
 کچھ الجھتے ہوئے نہ تھے۔

”من رانی حلال ذی الحجۃ فاسرا دان فیضی فلا یأخذ من من مشرب ولا من اقطاع حتی یضی“

اس حدیث سے فقہانے استدلال کیا ہے کہ چونکہ شرائط قربانی واجب ہیں اس لئے قربانی بھی واجب ہے۔

طائر صاغ کا جواب یہ ہے کہ چونکہ قربانی ہر سلم کے ارادہ سے واجب ہے اس لئے یہ واجب یا فرض نہیں ہو سکتی۔ شرائط کی پابندی
 طرح ہے جس طرح نفل نماز کے لئے بھی جمعہ اور ان نماز کی پابندی ضروری ہے۔

یہ درست ہے کہ بعض شرائط کی پابندی کے باعث کسی عمل کی فرضیت یا وجوب بالاستتال نہیں کیا جاسکتا لیکن اس حدیث سے
 عدم وجوب بھی ثابت نہیں ہوتا۔ ائمہ حدیث میں قربانی کو لوگوں کی مرضی پر منحصر کیا گیا ہے اس حدیث میں ارادہ کے لفظ سے یہ کی طرح ثابت
 نہیں ہوتا کہ یہ واجب نہیں بلکہ لوگوں کی مرضی پر منحصر ہے واجب اور فرض حالات کے لئے بھی پہلے ارادہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ کسی عبادت
 فرضیت یا وجوب کا تقاضا نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ قربانی پر شخص پر بلا لحاظ عسر و آسر واجب نہیں جس طرح نماز فرض ہے بلا
 عسر و آسر واجب ہے اور عسر و آسر کا مکلف نہیں۔ اس لئے اس حدیث میں ارادہ کے لفظ سے اس کے عدم وجوب بالاستتال نہیں کیا جاسکتا

اس حدیث - من وجد سعتر فلم یسم یغی فلا یقتب مصلانا "

ہمارے صاحب کو یہ اعتراض ہے کہ اس کا رادہ محمد بن عباس بن عباس " نہایت صبر و جرات اور ناقابل اعتبار ہے " حالانکہ معترض کے لیے یہ ورمش ابن عزم نے ان کو " لیس صبر و جرات فابالغہ " لکھا ہے اور ابن جریر نے " تقریب التہذیب " میں " صدوق یقط " کہا ہے اس نرم جرح کے مقابل میں طارق صاحب کی یہ سخت جرح کوئی وقعت نہیں رکھتی ۔

اس کے بعد طارق صاحب نے یہ حدیث - کتب علی النہی ولسہ یکتب علیک " پیش کر کے اس پر تنقید کی ہے کہ اس کی اسناد میں جعفر الجعفی کتاب ہے بلکہ اصل درجہ کا کتاب ہے معلوم نہیں معترض کو یہ حدیث پیش کرنے اور اس پر جرح و تنقید کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی کیونکہ یہ حدیث عدم وجوب قربانی کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے ۔ ہمیں خود تسلیم ہے کہ یہ حدیث کمزور ہے لہذا اس سے عدم وجوب کا استدلال نہیں کیا جا سکتا ۔ اگر یہ حدیث قائلین وجوب کی طرف سے پیش کی جاتی تو اس پر طارق صاحب کی تنقید کا کوئی مقدمہ ہو سکتا تھا ۔ موجودہ صورت میں بصورت موجودہ اس پر اعتراض نہ صرف لغو ہے بلکہ اس سے معترض پر صرف کے مسلک پر بھی زبردستی ہے ۔

آخر میں معترض نے سورہ کوثر کی آیت - فصل لربک والنجی سے استدلال وجوب قربانی پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے ۔
" فقہاء کا آخری سہارا سورہ کوثر میں - فصل لربک والنجی کا فقرہ ہے ۔ لیکن محدثین کہتے ہیں کہ کوئی لفظ جب مشترک المعانی اور متعدد معانی کا تحمل ہو تو اس سے کسی خاص مفہوم کا تعین کرنا قرآن پر بہتان ہے ۔ چنانچہ کسی ایک صحابی سے بھی " خمر " کے معنی قسریٰ منقول نہیں ہوئے ۔ مثلاً پہلے جہاد توفی مسیح اور اسماعیل بن ابی خالد توفی مسیح نے یہ شورش جوڑا اور اس طرح قربانی کا تحت قرآن سے پیش کیا جائے گا ۔ اعادنا من شرور انفسنا "

لفظ " خمر " قربانی کرنے اور دیگر معانی میں مشترک ہے اور صاحب مضمون کا کہنا ہے کہ جب کوئی لفظ مشترک المعانی ہو اور متعدد معانی کا تحمل ہو تو اس سے کسی خاص مفہوم کا تعین کرنا قرآن پر بہتان ہے ۔

یہ خیال سراسر جاہلانہ ہے ۔ قرآن میں عربی ہی ایک مشترک المعانی لفظ استعمال نہیں ہوا ، بلکہ متعدد ایسے لفظ موجود ہیں ۔ مثلاً لفظ " قس " کے معنی طہر اور حیض دونوں کے ہیں یہ لفظ نہ صرف مشترک المعانی بلکہ متضاد المعانی ہے ۔ امام البرہانی نے اس سے جعفی مراد لیا ہے اور امام شافعی نے طہر ۔ اگر لفظ مشترک سے کوئی مخصوص معنی مراد لیا ہے قرآن پر بہتان ہے تو پھر کلام اللہ میں جتنے الفاظ اس قبیل سے ہیں ان سے کوئی حکم مستخرج نہیں ہو سکتا ۔

واقعہ یہ ہے کہ جعفی اصول فقہ کی رو سے لفظ مشترک کے کسی متعین معنی کے اعتقاد کا تعلق ہے اس میں توقف کرنا اولیٰ ہے ۔ لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے اولہ واماوات پر غور کرنے کے بعد جو پہلو واضح نظر آئے گا اس پر عمل کیا جائے گا ۔ اس لئے " والخمر " سے " اور قربانی کیجئے " کے معنی مراد لے کر قواعد مخالف نے قرآن پر بہتان باندھا ہے اور اپنے اصول کے خلاف کوئی کام کیا ہے ۔ جب خمر اجاد یا قیاس یا سیاق و سباق وغیرہ سے مشترک کے ایک معنی متعین کرنے جائیں تو پھر وہ مشترک نہیں رہتا بلکہ مآول ہو جاتا ہے اور اس پر عمل واجب ہوتا ہے ، گو فعلی کا احتمال باقی رہتا ہے ۔

اگر " خمر " کے معنی آیت مذکور میں قربانی کی بجائے نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا یا دعا میں سینہ تک اٹھاٹھکانا لئے جائیں تو کیا طاری صاحب اس کو قرآن پر بہتان سے تعبیر کریں گے ۔ کیا " قس " سے امام البرہانی نے حیض اور امام شافعی نے طہر مراد لے کر قرآن پر بہتان باندھا ہے اور دعا بھی عجیب غریب ہے کہ جہاد توفی مسیح اور اسماعیل بن ابی خالد توفی مسیح نے پہلی مرتبہ سورہ کوثر میں " خمر " کے

مراد لئے جائیں تو یہ افعال تو خود داب صلوٰۃ میں شامل ہیں اس لئے بند کا عطف کل پر صحیح نہیں ہو گا کیونکہ صلوٰۃ کلی ہے اور ”نحر“ ان معانی میں اس کا بند ہوا۔ تیسرے یہ کہ ”نحر“ اپنے دوسرے معانی کی نسبت ”نحر البدن“ کے معنی میں زیادہ مشہور ہے۔ اس لئے سورۃ کثر میں ہی معنی مراد لئے جانے مناسب ہیں۔

ابن مرقوبہ نے سید بن جبر سے روایت کی ہے کہ یہ آیت یوم حریہ میں نازل ہوئی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی اور اونٹوں کی قربانی کی۔ ابن ابی حاتم نے ہار، مکرہ اور عطا سے روایت کی ہے کہ اس آیت میں قربانی ہی مراد ہے۔ ابن منذر نے ابن عباس سے، ابن جریر نے قتادہ سے اور ابن ابی حاتم نے سید بن جبر سے ایسی ہی روایات بیان کی ہیں۔ یہ تفصیلات سیرطی کی روشنی میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

اگرچہ ابن حزم اس آیت کی یہ تفسیر نہیں کرتے، لیکن حق محض ”الحملی“ تک ہی محدود و منحصر نہیں۔

کلام اللہ کے بعد اب اگر احادیث متفقہ کا جائزہ بھی لے لیا جائے تو مناسب ہو گا۔

صحیحین میں حضرت جندب بن سفیان الجمہلی سے روایت ہے: ”انہ صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم اضحیٰ قال فالصفت فان احوبا للحمم وفي ياتح الاضحى لفرمانك فصرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما اذ بحجت قبل ان یصلی فقال من كان ذبح قبل ان یصلی فلیذبح مکرانها اخری ومن لم یذبح فلیذبح حتی یصلی“

ایک دوسری روایت صحیحین میں حضرت انس سے ہے کہ: ”قال قال النبی صلعم یوم النحر من كان ذبح قبل الصلوة فلیذبح“

سرخا امام مالک میں عباد بن تمیم سے روایت ہے: ”ان عویس بن اشقر ذبح ضحیۃ قبل ان یذبح ویدم اما ضحیٰ دائلہ ذکر لرسول اللہ صلعم فاخر لا ان یذبح“

نسائی میں بھی حضرت جندب بن سفیان سے حدیث ہے وہ صحیحین کے مطابق ہے۔

مشرعہ بالا احادیث سے دو امور واضح ہیں: ۱۔

۱۔ جس نے قبل صلوٰۃ قربانی کی، اس پر عادیہ قربانی ضروری ہے۔

۲۔ بعد از صلوٰۃ ہر شخص پر قربانی واجب ہے۔

چونکہ دونوں جگہ امر کے پیچھے مستثنیٰ ہیں اس لئے تا وقتیکہ اس کے خلاف کوئی قرینہ نہ پایا جائے ان صیغوں سے وجوب ہی مراد لیا جائے گا۔

امام ابن حزم نے ”الحملی“ میں یہ تو تسلیم کیا ہے کہ جس شخص نے قبل از صلوٰۃ قربانی کی ہو اس پر عادیہ واجب ہے، مگر اس کی وجہ یہ نہیں بتائی کہ نفس قربانی واجب ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ یہ عادیہ اسی طرح ہے جس طرح نفس زندہ کو شروع کرنے کے بعد فاسد کردینے سے یا نفسی چم کو فاسد کردینے سے قصداً واجب ہوتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ مثال صورت حال کے مطابق نہیں کیونکہ نفس نماز ہو یا زندہ و چم، ان کی قصداً اس لئے واجب ہوتی ہے کہ یہ عبادتیں اپنے تمام شرائط کے ساتھ جن میں وقت بھی شامل ہے، شروع کی گئی تھیں اور کل ذرا رکن کی تکمیل سے پہلے فاسد نہ کی گئی تھیں۔ مگر قربانی تو اپنے وقت سے پہلے شروع کی گئی اور وقت سے پہلے ختم کر دی گئی اور کوئی رکن فاسد نہیں کیا گیا۔ اس لئے اس پر ان مذکورہ عبادات کی مثال کیونکر صادق آسکتی ہے اگر کوئی شخص رات ہی

کو منہ شرمہ کر کے مات ہی کو ختم کر دے یا ربیع الاخریٰ کے پہلے میں ہی شرمہ کر کے ختم کر دے تو کیا اس پر تنہا لازم ہوگی اس کے علاوہ نفی قربانی کے لئے دقت کی بھی کرتی تھیں۔ ایسی صورت میں قبل از نماز ہونے والی قربانی کے اعادہ کا حکم یہ ظاہر کرتا ہے کہ بعد قربان کی قربانی واجب ہے چونکہ تسبیٰ فی الغلبہ واجب ہے ادا اپنے وقت پر ادا نہیں کی گئی۔ اس لئے اس کے اعادہ کا حکم صادر فرمایا۔

حدیث کے دوسرے ٹکڑے ۱۔ "من لم یکن اذیحت صلیبنا فلیبنا حج" سے جب ابن حزم کی مفسرہ ملا تو اس میں حسینہ امر کے وجہ پر دال ہوئے سے الکار کر دیا چنانچہ کہتے ہیں کہ یہ امر مذہب (استحباب) کے لئے ہے۔ اس کی دلیل یہ دیکھ ہے کہ اگر کوئی شخص بعد نماز اونٹ کا بخر کر دے تو اس پر اس حجاج ہے کہ اب اس کو کسی ذبح کی ضرورت نہ ہوگی۔ گویا امام موصوف اس موقع پر بھی "ذبح" کو اس کے لغوی معنی "مگر بیدار" تک ہی محدود رکھتے ہیں اور سینہ شگافتن "تک نہیں بڑھاتے۔ حالانکہ "تلبیح" سے منشاء مبارک ہی تھا کہ قربانی لی جائے۔ "صرار" میں ذبح کے معنی قربانی بھی دئے گئے ہیں۔ چونکہ اس حدیث کے موقع پر بکری ذبح کرنے کا ذکر تھا۔ اس لئے آپ نے موقع کی مناسبت کے لحاظ سے یہ لفظ استعمال فرمایا۔ "خود الخلی" میں یہ روایت ہے ۲۔ "من طریق وکیع اما یریح عن الحسن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بالادھنی" اس سے بھی وجہ قربانی ثابت ہے۔ ابن حزم نے اس حدیث پر صرف اسل کا اعتراض کیا ہے۔ لیکن ارسال اگر قرون ثلاثہ کے حضرات سمجھ تو ہمارے نزدیک بالاتفاق مقبول ہوگا۔ اگر ان قرون کے بعد کے اصحاب کا ارسال ہو تو وہ کونسی کے نزدیک تو مقبول ہے، مگر ابن ابی ان کے نزدیک نہیں ہے۔

اسی طرح صاحب مکی نے جامد، نکول اور شعی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ حاجی اور مسافر کے ہر کسی کو ترک قربانی کی اجازت نہیں دیتے تھے، چنانچہ اس سے بھی وجہ ہی ثابت ہوتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ سمدہ کو شرا ادا حدیث مذکورہ سے بلاشبہ وجہ قربانی ثابت ہوتا ہے۔

آخر میں نامناسب نہ ہوگا اگر اسلانا ابوالاعلیٰ مروندی کی تفسیر "تفہیم القرآن" سے ایک اقتباس پیش کر دیا جائے۔
 مروانی مروندی سمدہ الحج کی آیت ۱۔ "من یال اللہ لعمہا ولا وصاؤھا ولکن ینالہ الشقویٰ منکم"۔ مکن اللہ مستحقھا لکم لیتکبر واللہ علی ما ھذا کم"

کی تفسیر میں رقمطراز ہیں ہے۔ یعنی اس کی بڑائی اور بڑی نرا اور عمل سے اس کا احلان و اظہار کر دے۔ یہ حکم قربانی کی غرض اور ملت کی طرف اشارہ ہے۔ قربانی صرف اسی لئے واجب نہیں کی گئی کہ یہ تسخیر حیوانات پر افسانہ کا شکیہ ہے، بلکہ اس لئے بھی واجب کی گئی ہے کہ جس کے یہ جانور ہیں ادا جس نے انہیں ہمارے لئے مسخر کیا ہے، اس کے حقوق مانگا نہ کیا ہو دل سے بھی اور مکتلا بھی اعتراف کریں۔ تاکہ ہمیں کبھی یہ بھول لاجتی نہ ہو جائے کہ یہ سب کچھ ہمارا اپنا مال ہے اسی غمزن کو وہ فقرہ ادا کرتا ہے جو قربانی کے وقت کہا جاتا ہے کہ "اللہم منک ولک" خدا یا تیری مال ہے اور تیرے لئے حاضر ہے۔

اس مقام پر یہ جان لینا چاہئے کہ اس پر اگر اس میں قربانی کا جو حکم دیا گیا ہے۔ وہ صرف حاجیوں کے لئے ہی نہیں۔ اور صرف مکہ میں حج ہی کے موقع پر ادا کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام ذی استطاعت مسلمانوں کے لئے عام ہے تاکہ وہ تسخیر حیوانات کی نعمت پر شکریہ ادا کر سکیں اور فرض بھی ادا کریں ادا تھی ساتھ اپنے مقامات پر حاجیوں کے شریک حال بھی ہو جائیں۔ حج کی سعادت میری آقا یہی، ہم انکم حج کے دنوں میں ساری دنیا کے مسلمان وہ کام کو کر رہے ہوں۔ جو حاجی جو ابریت اللہ میں کریں۔ اس مضمون کی تصریح

متعدد صحیح احادیث میں ماموم قوی ہے اور کثرت معتبر روایات سے بھی ثابت ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود عینہ طیبہ کے پورے زمانہ قیام میں ہر سال بقرہ کے موقعہ پر قرآنی کرتے رہے اور مسلمانوں میں آپ ہی کی سنت سے یہ طریقہ جاری ہوا۔ مستند احمدی علماء نے اس پر اجماع کیا کی طاعت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

من وجد صفة فلم يضح فلا يقرب مصلانا - جو شخص استطاعت رکھتا ہو اور پھر قرآنی نہ کرے وہ ہمارے عید گاہ کے قریب نہ آئے۔

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ محدثین میں صرف اس امر پر اختلاف ہے کہ یہ مخصوص روایات ہے یا موقوف۔ تردید ہی کی روایت ہے۔

اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ عشر سنین یعنی! - نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں دس سال رہے اور ہر سال کرتے رہے۔

بخاری میں حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرہ عید کے روز فرمایا:-
من كان ذبح نبل الصلوة فليعد ومن ذبح بعد من ذبح الهدى
الصلوة فقد تمت نسكه واصاب سنة المسلمين - جس نے عید کی نماز سے پہلے ذبح کر لیا اسے دوبارہ قرآنی اور جس نے نماز کے بعد قرآنی کی اس کی قرآنی پوری ہو گئی اس نے مسلمانوں کا طریقہ پالیا۔

امید معلوم ہے کہ یوم النحر کو مکہ میں کوئی نماز الی نہیں ہوتی جس سے پہلے قرآنی کی سنت مسلمین کے خلاف ہو۔ اور پورا کرنا مطابق لہذا لا محالہ یہ ارشاد مدینہ میں ہی ہوا نہ کہ حج کے موقعہ پر مکہ میں۔

مسلم میں جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بقرہ عید کی نماز پڑھائی اور بعض لوگوں نے یہ کہ آپ قرآنی کر چکے ہیں، اپنی اپنی قربانیاں کر لیں اس پر آپ نے حکم دیا کہ مجھ سے پہلے جن لوگوں نے قرآنی کر لی ہے وہ پھر ادا نہ کریں! ہیں یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ بقرہ عید کے روز جو قرآنی عام مسلمان دینا بھریں کرتے ہیں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت ہے البتہ اگر اختلاف ہے تو اس امر میں کہ آیا یہ واجب ہے یا صرف سنت۔ ابراہیم نخعی، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق امام ابو یوسف بھی اس کو واجب جانتے ہیں اگر امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ صرف سنت مسلمین ہے اور شیخان لکھی بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی نہ کرے تو مضائقہ نہیں۔ تاہم علماء راستہ میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں اگر تمام مسلمان متفق ہو کر اسے چھوڑ دیں تب بھی کوئی مضائقہ نہیں یہ نئی آچھ صرف ہمارے زمانہ کے بعض لوگوں کو سر جھی ہے لئے ان کا نفس ہی قرآن بھی ہے اور سنت بھی۔

اگر مضمون نگار سنیک نیت کے ساتھ حق کے بجائے تورات واضح اور روشن دلائل سے ان کا اطمینان ہو جانا چاہتے ہیں محض اعتراض ہر اسے اعتراض اور تفصیل عامۃ المسلمین ہے تو ان بات ہے تاہم اس مضمون سے قارئین کو اتنا تصور معلوم ہو کہ طاری صاحب نے غلط جواب دیے اور غلط تعبیرات سے کام لے کر اہل مفہوم کو گستاخ توڑ دیا کہ سنیک کیا ہے اور یہی اس مفہوم مقصود الی ہے۔

محمد زکریا مائل

اندلس پر ایک طائرانہ نظر

یادش بخیر جب کبھی اسلامی اندلس کی یاد آ جاتی ہے تو بے اختیار دل تڑپنے لگتا ہے اور کسی شاعر کا یہ مصرعہ زبان پر جاری ہو جاتا ہے

ہما ما بھی۔ ما ہے اس چین میں آشتیاں بیوں

یقین مانے ایک لمحے کے لئے سنا سنا آ جاتا ہے دنیا کے انقلابات، اس کی بے ثباتی اور عروج و زوال کے مناظر چشم تصور کے آگے فلموں کی طرح گردش کرنے لگتے ہیں اور بے ساختہ رونے کو ہی چاہتا ہے۔ آخر مرزا یگانہ چگینہ کی کا بہ شعر حافظ میں ابھر کر فی الجملہ تسلی کا سا لہا مہیا کر دیتا ہے۔

سہ یکساں کبھی کسی کی نہ گزری زمانے میں

یادش بخیر بیٹھے تھے کل آشتیاں نے میں

یوں تو اس آشتیاں کو اجڑے ہوئے صدیاں گزر گئیں مگر بعض وقت بالکل اب معلوم ہوتا ہے جیسے پچھلے کل ہی یہ سانحہ دینا سے اسلام پر گزرا ہے۔ خیر اب کم از کم اتنا تو ہونا ہی چاہئے کہ کبھی کبھی اس قصہ یا سنہ کو یاد رکھ کے واقعات سینہ کو آزارہ رکھنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ مختصر مضمون اسی قسم کی ایک کوشش ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی اندلس پر عربی زبان میں اس کثرت سے کتابیں لکھی جا چکی ہیں کہ ان کا احصاء کرنی آسان کام نہیں۔ اگر ان کتابوں کا لغتارفہ ہی لکھنے کی کوشش کی جائے۔ تو ایک اچھی خامی ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی اس کے بعد متعدد لہجہ کی زبانوں میں اندلسیات کے موضوع پر بہت کثرت سے کتابیں لکھی گئیں مثلاً جنسی، فرانسیسی، انگریزی اور اطالوی زبانوں کے ادبی حوالے ان علمی و تاریخی جواہرات سے مالا مال ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان سب محققانے گزرا ہوا "نک رسائی ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے انہیں پھر کڑا گزرا ہوا "نک زبان میں اندلس سے متعلق کثیر المقداد تراجم اور تالیفات کے مطالعہ پر اکتفا کیا جائے تو اس کے لئے بھی خاص وقت درکار ہوگا۔ مجبوراً ان کی شرح و تفصیل سے بھی صرف نظر کرتا ہوں اور سروسٹ ایک جدید ترین عربی ماخذ "الموسمۃ الذہبیہ" کو سامنے رکھ کر ایک مضمون قارئین کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ اس سلسلے میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ خدا کو جب کوئی کام بنانا منظور ہوتا ہے تو بقول۔

علامہ اقبال مرحوم سے

پاسبان مل گئے کچھ کو صمم خانے سے

اکثر و بیشتر غیر مسلم حضرات شیعہ یا بغیر شیعہ ہی طور پر اسلام کی کوئی نہ کوئی اہم خدمت انجام دیتے نظر آتے ہیں۔ الموسمۃ الذہبیہ دیکھ لیں انسانیکو میڈیا امریکہ کے علمی اداہوں کے زیر اہتمام بارہ مضمون میں عربی زبان میں مرتب ہوئی ہے۔ اس مجموعہ کے لئے جس فرائض دلی سے بہترین طباعت اور جلد بندی وغیرہ کا قابل رنگ انتظام کیا گیا ہے اس کی بے ساختہ داد دینا پڑتی ہے۔ اب یہ کہنا اور باری ہے کہ اس مجموعہ میں اندلس پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اندلسیات کے موضوع پر دنیا میں سے ایک نظر کا مصداق ہے یقیناً اندلس پر اس سے کہیں زیادہ تفصیل اور بے نقصی کے ساتھ لکھا جاسکتا تھا، ہم امریکی اعانت کے زیر سرپرستی اپنی علمی خدمت کا سرا انجام دیا بھی دلی شکر گزاری کا مستحق ہے۔ من

لعل لیک اندلس لم یشک اللہ۔ اب آئندہ سطروں میں حوالہ بالا مضمون ملاحظہ ہو۔

کوئی بارہ سو برس پہلے کا واقعہ ہے جب اسلامی فتوحات کا دائرہ مشرق اور مغرب میں وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا تھا اس زمانے میں مسلمانوں نے بہت بڑی قوت پیدا کر لی تھی۔ بحر متوسط کی مشرقی جانب میں اصلاً افریقہ کے شمال میں جو آٹھویں واقعہ تھیں ان پر عربوں کا قبضہ وقتاً فوقتاً قائم تھا یہاں تک کہ وہ جبل الطاق (جبل اللزیم) کو عبور کر کے اسپانیہ (اسپین) میں داخل ہوئے اور وہیں روم کا خاتمہ کی مغربی حکومت کو شکست دے کر اپنی حکومت قائم کی پھر صوبہ البرانس میں جا پہنچے وہاں کی نظر میں ان پہاڑوں کے اس پار کے علاقوں پر پڑیں تو ان کی افواج نے فرانس پر تاخت کی جہاں زمانے میں بلاد فانی (فانی کنٹری) کے نام سے مشہور تھا۔ لیکن ان اطراف میں اسلامی فتوحات کا سیل بے پناہ شہرت تک پہنچ کر ٹھہر گیا۔ اس لئے کہ بلاد فانی کے وزیر خراجہ شہنشاہ مارشل (چارلس مارشل) نے اس مقام پر اسلامی افواج کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔

اندلس کے عرب اندلس کے اصلی باشندوں اور عرب فاتحین کا ایک ملا جلا مرکب تھے۔ اسپین پر عربوں کی حکومت برسوں تک قائم رہی جو مدنی و مائعات میں بہت ممتاز تھی۔ اس دوران میں انہوں نے اس ملک کی ترقی اور سفاہ و بہبود میں نمایاں حصہ لیا اور کئی شاہنشاہی کو بڑی کامیابی سے منتقل کیا۔ یہ کوئی ایسی حیرت کی بات نہیں ہے اس لئے کہ عرب اس زمانے میں ریاضیات، فلکیات، نواح و طب میں استاد تھے۔ انہوں نے یونانی زبان کے مدونے کو عربی زبان میں منتقل کر کے اس کی خاطر خواہ حفاظت کی تھی عربوں نے عربی زبان کے بہت الفاظ یورپی زبان میں داخل کئے، مثلاً الجبر، کیمیا، الکحول، الفلک، فلفلن، دکان، قلعہ (کوکر) شراب (شوشیا) اسی طرح انہوں نے مشرق کی بہت سی معجزات یورپ میں منتقل کیں جن میں کاغذ غالباً سب سے نیا وہ اہمیت رکھتا ہے اسپین کے بھارت اپنا تجارتی سامان افریقہ اور ایشیا میں بھی پہنچاتے رہتے تھے،

عربوں نے اسپین میں بہت سے شہروں کی بنیاد رکھی جن میں قرطبہ سب سے نیا وہ قابل ذکر ہے وہ اس زمانے کے عظیم ترین شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس شہر میں تین ہزار مسجدیں، تین سو عوامی حمام، پورے شہر میں ادب و بہت سے خوب صورت محل تھے، اس شہر میں ایک ہزار سے زیادہ دکانیں تھے جو خوش نما عربی فرش و فرش اور پودے وغیرہ بنا کئے تھے۔

غرض کہ یہی عظیم الشان عربی شہروں میں سے تھا جس میں اندلس کی مشہور ترین عمارت قصر الحمراء واقع تھی۔

جب یہاں مسلمانوں پر زوال آیا تو ان کے آخری قلعے غرناطہ کی ختم ہونے پر ۱۴۹۲ء میں ان کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا یہ سانحہ کولیس کے اس سفر سے پہلے کا ہے جس میں اس نے پہلی مرتبہ امریکہ کو دریافت کیا تھا۔

(الموسمۃ الذہبیہ، عربی ان سیکلو پیڈیا)

حافظ لدھیانوی

بہ حضور سرور کائنات

ذروں کو کیا ہمسرہ نور شید جہاں تاب
 ہر گلب سرورہ کو کیا گوہر نایاب
 پہنچے ہیں ترے نور سے کیا کیا خس و خاشاک
 اے صاحبِ لولاک
 ہے نقشِ کعب پائز تاروں کی جبین پر
 احسان ترے نور کا ہے ماہِ مبین پر
 تابندہ ترے قدموں سے ہے عرصہٴ افسلاک
 اے صاحبِ لولاک
 ہے خسر تجھے فقر پہ اے شاہِ دو عالم
 اے ختمِ رسل، بادِیِ دین، خلقِ مجسم
 سرورہ ہے مری آنکھ کا پاؤں کی تری خاک
 اے صاحبِ لولاک
 تو رحمتِ عالم ہے، دو عالم کا انبیا ہے
 تو صاحبِ معراج ہے محبوبِ خدا ہے
 کیا سمجھے گا تیرا، انسان کا ادراک
 اے صاحبِ لولاک

جاوید احسن -

کس کے پر تو سے رہ وہر میں جلوہ افشاں
 کس کے صدقے میں ستاروں نے ضیا پائی ہے
 اک تری ذات زمانے میں ہے "کن" کا مقصود
 اک ترے نور سے یہ انجمن آرائی ہے
 بشریت کی حقیقت شبِ معراج کھلی
 "سایہ تک ساتھ نہیں کیا تری یکتائی ہے

ماہر القادری -

کیا مدینہ سے بھی پیغام کوئی لائی ہے
 یا نسیمِ سکسری یوں ہی چلی آئی ہے

مسٹر اے، کے بروہی ایڈوکیٹ

روح انتخاب

میری گزارش یہ ہے کہ ہماری تعلیم کاہوں میں اسلامیات کا موضوع اسلام کا کئی نصاب العین ہونا چاہیے۔ لا محقق کی تلاش بھارا کہ ہے۔ ایک ہی دفعہ جان دے دینا آسان ہے۔ لیکن جاہلیت کے خلاف مسلسل جنگ کرنا اور چھوٹے موٹے قیصروں کے علی الرغم کلہ جی کا اعلان کرنا میرے نزدیک یہ جہت الہی کا ایک بڑا نسا اور بلند تر منظر ہے۔

اسلامیات کے بارے میں مزید ایک غلط فہمی یہ ہے کہ اسے بعض اوقات محض تفاسیر قرآن، انتخاب حدیث اور قدیم کتب فقہ کے مطالعے تک محدود کر لیا جاتا ہے یہ بھی صحیح اسلامی نقطہ نظر نہیں ہے۔ طبیعات، علم کیمیا، علم الحیات، ریاضی، فلکیات، زراعت، طب، قانون، اقتصادیات وغیرہ کا مطالعہ بھی اگر اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر کیا جائے کہ فرد کی زندگی پاکیزہ ہو اور پوری انسانیت کے لئے فائدہ اتحاد و استقامت طابقت ہو تو یہ مطالعہ بھی اسلامیات ہی کا ایک حصہ ہے۔

اسلامی طرز حیات میں دین و دنیا کے باہمی کوئی منافات و امتیاز نہیں ہے۔ اسلام میں قیصر کا حقہ قیصر کو ادا کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہاں قیصر کا کچھ سرے سے ہی نہیں، سب کچھ اللہ کا ہے، اسلام قیصریت کا مخالف ہے، کیونکہ قیصر اس راہ میں کاؤ ہے جس پر سچ کر اپنی اپنے خدا تک پہنچتا ہے۔ ہر شکل میں برائی کا مقابلہ جہاد ہے جو یحیٰی الہی کے نبیوں کی تاریخ و حقیقت شر کے خلاف جہاد کی تدبیر ہے۔ جان دینے والوں نے اپنی جانیں اسی لئے دی ہیں کہ سبیل اللہ کے موانع و دھڑوں اور اللہ کے بندے ہر لحاظ سے مستقیم رہ سکیں۔ ہر ایک اپنی منزل مقصود تک رسائی حاصل کریں۔ قیصر شاہراہ عام ہر ایک شگ گراں ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ ایک جاہل و کفر کی خدمت انجام دے سکتا ہے لیکن اگر وہ خدا کے قانون کے بجائے اپنا قانون چلائے اور اس طرح خدا کی قانون کے خلاف جنگ کرے تو خدا کی قانون کے مطابق اس کا راستے سے ہٹایا جانا مفقود ہو چکا ہے۔ تمام قیصر و منکر تاریخ پر عین غلطی کی حقیقت رکھتے ہیں اور کسی نوع و خواں اعلیٰ کے ان کے بخیران کا مٹ جانا یقینی ہے۔ اسلام اپنے نظام میں قیصر کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ حاکمیت اور پادشاہی اللہ کے لئے ہے، ولہذا مافی السموات و مافی الارض زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اللہ کی ملکیت ہے تمام طاقت و اقتدار اسی کے لئے ہے اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

اس لئے اسلام کے طالب علم کو متوجہ ہائے حیات میں دینی و غیر دینی کی تفریق کا مہیک نظریہ تسلیم نہیں کرنا چاہیے۔ پوری زندگی ایک وقت ہے اور شہیت الہی سے وجود میں آتی ہے اس میں ناپاک اجزاء کو کوئی دخل نہیں ایک مسلم اس کا کوئی عیب اور گم جوئی کے ساتھ اپنے اسلامی نصب العین سے ہمکنار ہونا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و عبودیت کے جذبے میں سرشار ہو کر تحصیل علم کا کام کرنا چاہئے۔

اس طریقے سے نہ صرف اس کی انفرادی تکمیل ہوگی بلکہ وہ پوری انسانیت کو ان بے راہروں سے بچائے گا جو خدا کے حقوق اور قیصر کے حقوق کی مصنوعی تفریق کا نتیجہ ہیں۔

وقت کی پکاری یہی ہے حالات کا تقاضا یہی ہے خوش بخت اور خوش نصیب میں وہ مردان کار جو اس پکار کو سنیں اور اپنی پیچیدہ کے درپے سے اس اعلیٰ مافرع نصب العین کو حاصل کریں جس کے لئے انسانیت آفاذ تخلیق سے اب تک لڑتی چلی آ رہی ہے۔

ہماری نظر میں

أنحاء السکن
الی من یطالع
اعلاء السنن

از: مولانا حفصہ احمد عثمانی متعالوی، خدمات مہم ۱۳ صفحات (شہادۂ دیدہ ریڈیو)۔
قیمت چھ روپے، (علاوہ محصور لڈاک)

لکھنے کا پتہ: دارالعلوم اسلامیہ، شہنشاہیہ یار (مغربی پاکستان)

جناب مولانا حفصہ احمد عثمانی متعالوی نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
قدس سرہ کے ایما سے بلکہ ان کی زیر ہدایت و نگرانی "اعلاء السنن" کی متعدد جلدیں مرتب فرمائی

تھیں، جن میں پوری شرح و بسط اور عقلی و فطنی دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ فقہ حنفی کا کوئی مسئلہ کتاب و سنت کا مخالف نہیں
ہے! یہ کتاب "أنحاء السکن" جس پر تبصرہ کیا جا رہا ہے، اسی معرکہ آما تالیف "اعلاء السنن" کا مقدمہ ہے، جس پر حضرت مولانا
اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے (جمادی الآخرہ ۱۳۲۶ھ میں) جو کلمات تحسین فرمائے ہیں، ان سے اس مقدمہ کا آغاز ہوتا ہے
اس کے بعد سادہ الفاظ قرآنی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر لکھی ہے۔

اس کتاب کے شروع میں احادیث نبوی کے اقسام سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ یہ کہ متواتر کیا ہے، شہد و عنین کے کہتے ہیں،
ارسال و تدلیس سے کیا مراد ہے، رفع و نفع، وصال و قطع کا حدیث کی بحیثیت میں کیا مقام ہے؟ احادیث مرسل حدیث کو خرافیت میں
حجت سمجھتے ہیں، اس کو ثابت کرنے کے لئے "مراسیل" پر بڑی تفصیل کے ساتھ سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے، حرج کیا ہے؟ تعدیل کی کیا
تعریف ہے؟ "ہذا حدیث منکر" کہہ کر متقدمین اور متاخرین کیا مراد لیتے ہیں؟ "ابہ لیس شیء" کی اصطلاح کے کیا معنی ہیں؟
غرض احادیث کے تمام گوشوں اور پہلوؤں پر جس عالمانہ اور مبصرانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے اس نے اس کتاب کو نون حدیث
کے موضوع پر انتہائی مفید کارآمد اور معلومات آفرین بنا دیا ہے، اس کتاب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حدیث صحیح کا انحصار صرف
بخاری اور مسلم پر نہیں ہے، بعض دوسرے مجروروں میں بھی احادیث صحیحہ ملتے ہیں۔

احادیث سے بعض علماء نے "ارجاء" کو منسرب کیا ہے، اس پر بنیاد الزام کی پرزور تردید کی گئی ہے کہ مذہب حنفیہ
کی کتابیں، مذہب مرجعہ کو باطل قرار دیتی ہیں، — تو جس چیز کو حنفی مذہب نے باطل ٹھہرایا ہے، وہ الزام اس پر کیسے عائد
ہو سکتا ہے۔

شاہیر علماء اسلام دین نے حضرت ابو حنیفہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جو اخراج تحسین و عقیدت پیش کیا ہے،
اس کے مستند حوالے اس کتاب میں ملتے ہیں، یہ واقعہ ہے کہ صحابہ کرام کے بعد کسی اور شخصیت کی اتنی تحسین و تکریم نہیں کی گئی جس نے

امام اعظم سے تعصب و عناد دکھا، اُس نے اپنی زمانت اور باطنی کیفیت کا کوئی اچھا ثبوت نہیں دیا، باب مناقب میں یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ امام اعظم بلاشبہ تابعی ہیں اور یہ بھی کہ آپ من حدیث کے بہت بڑے ناقد اور صاحبِ جرح و تعدیل ہیں۔
 - ترمذی مسائل شنی " جس باب کا عنوان ہے " وہ بہت اہم ہے اس میں ناقدین حدیث کے اقوال پیش کر کے فاضل مصنف نے "قلت" کہ کر جو گفتگو کی ہے، وہ دلیل ہے اُن کی تشریفی ناقضہ فراموش اور عالمانہ بصیرت کی مرگاہیں کہیں اُن کی "تحدیل" "جرح" کے مقابلے میں زیادہ ذری نقطہ نہیں آتی۔

کتاب کتاخوین علامہ طبرانی نے کہا بول اور شاہِ سرِ علماء کسماوں کی تشریح کی ہے۔ شلاب وہ قول الحافظ کہتے ہیں تو اُس سے اُن کی مراد ابن حجر عسقلانی مہرقی ہے۔ "قا انا الحق" فی الفتح کے معنی ہیں کہ شیخ ابن ہمام "فتح القدیر" میں بول فرماتے ہیں۔ "بالند" سے "اللہ المختار" بالبحر سے ابن نجیم کی "بحر الرائق" اور بالکنز سے فقہ کی کتاب کنز الدقائق نہیں بلکہ علامہ سیوطی کی "کنز العمال" مراد ہے۔

حضرت مصنف مظلہ کا یہ مقدمہ ہر اعتبار سے گراں قدر اور بلند پایہ ہے، اُس میں اس کا ترجمہ ضرور دینا چاہئے!

قرآنی و نبوی دعائیں مرتبہ ۱۔ مولانا خاں محمد ربانی، ضخامت ۹۶ صفحات (سرصف دیدہ زیب) قیمت ۵ روپے
 لکھنے کا پتہ: ۱۔ فریڈنگ پبلکیشنز گل تیراں والی، قمان۔

اس کتابچہ میں عربی متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ قرآنی اور نبوی دعائیں جمع کی گئی ہیں! دعا چاہے قبول ہو یا نہ ہو اُس کے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے، یہی اُس کا سب سے بڑا فائدہ ہے!

صفحہ ۵، پیر "وہما وۃ نعمت" کا ترجمہ اور تیرے ناگہانی مناب سے کیا گیا ہے، یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کہ غلط کی جگہ۔ نعمت صحیح گیا۔ اسی طرح صفحہ ۸، پیر "ان امت لدیفا" کی بجائے "ان امت لدیفا" پڑھنا پڑا۔ (یعنی غ جگہ ت)

اس جرح میں سفر کرتے وقت کی دعا اُن سے مل گئی اور یہ شہد دعا "انت اسلام و منک السلام"۔۔۔ تہانک ما ذوالجلال والاکرام" بھی نقطہ نہیں آتی، جو ہر زمانہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصول میں شامل رہی ہے۔

مولانا خاں محمد ربانی نے ان دعاؤں کو جمع کر کے اپنے لئے نادر و آخرت اور عام مسلمانوں کے لئے ضرورت کا اہتمام کیا ہے۔

۱۲۔ مولانا اشرف علی تھانوی مد، ضخامت ۱۰۰ صفحات،
اشرف الجواب لکھنے کا پتہ: ۱۔ کتب خانہ انوار اسلام، کاغذی باغ، کراچی

"احکام شریعت کی عظیم دیانت کرنا، اس بات کا ثبوت ہے، کہ قلب میں غفلت حق نہیں"۔ تعظیظ اس لئے کی کہ تمام روم قرآن شریف میں ہیں۔ اس قسم کے رسالات کے جوابات جو حکمت و دانش سے لبریز ہیں اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا خاصہ ہیں، اس کتاب میں مدنی کئے گئے ہیں، جن کے مطالعہ سے بہت سے شکر کارانہ ہوتا ہے اور دینی بصیرت پیدا ہوتی ہے۔

۱۳۔ نسیرین وجید خاں داہم۔ اے ۱۰ ضخامت ۳۸۶ صفحات (مجلد، رنگین گورپوش) قیمت چھ روپے
نکاحیسی لکھنے کا پتہ: ۱۔ سرسید پبلیکیشنز، اردو بازار، بند روڈ، کراچی

یہ کتاب بی۔ اے اور بی۔ اے آنرز کے طلباء کے لئے لکھی گئی ہے اور اپنے موضوع پر بڑے کام کی کتاب ہے، طلباء کو تو اس فائدہ

اٹھنا ہی چاہئے۔ مگر اچھے خاصے تعلیم یافتہ حضرات کی معلومات میں اس کے مطالعہ سے اجتناب ہو گا!
- افلاطون کہتا ہے کہ تصور حقیقت ہے اور اس دنیا کی ہر شے اس حقیقت کا عکس ہے، جس کا تصور
ہمارے ذہن اور دماغ میں موجود ہے، لہذا تصور کے ذریعہ ہم حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔

یہ ہے فلسفہ تصوریت۔ افلاطون کے افکار سیاسی کا خلاصہ پیش کرنے کے بعد آئی پڑتھیں یہی گئی ہے۔۔۔ افلاطون حقوق کو بالکل فراموش کر دیتا ہے اور فرائض پر زور دیتا ہے۔۔۔ اور۔۔۔ افلاطون کا اشتراکی نظام اس فی فطرت کے بالکل برعکس ہے وہ انفرادیت کو بالکل کچل دیتا ہے اور سیاست کے مفاد کو بہت افضل قرار دیتا ہے۔۔۔ افلاطون کا اشتراکی نظام قابل قبول نہیں۔
- ارسطو کے نظریہ کا۔۔۔ سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس کی حکمرانی کا اطلاق موجودہ زمانے میں نہیں ہوتا۔۔۔ ارسطو ریاست کی ایک بھاری قیود کو نہ صرف حقوق شہریت سے محروم کرتا ہے بلکہ ان کو قانون سازی کے لئے بھی نااہل قرار دیتا ہے اور ایک محدود طبقہ کو شہریت اور قانون سازی کے حقوق سونپتا ہے لہذا سیاسی مفکرین نے ارسطو کے نظریہ شہریت کو بہت تنگ اور محدود قرار دیا۔
میکادولی نے سیاست کو اخلاق و مذہب سے علیحدہ قرار دے کر سیاست اور اخلاق میں دو فی پیدا کر دی۔۔۔ تالس کے یہاں سجادہ دو پارٹیوں کے درمیان نہیں، بلکہ یکطرفہ ہے۔۔۔ تالس اس فی فطرت کے اچھے پیروں پرستی نہیں ڈالت، وہ انسان کو وحشی، خود غرض اور حلیص تصور کرتا ہے، لیکن یہ بھول جاتا ہے کہ ان باتوں کے علاوہ انسان میں ہمدردی اور محبت کا جذبہ بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔

ٹاک کہتا ہے۔۔۔ عوام اپنے تمام سیاسی اختیارات بطور امانت بادشاہ کو سپرد کر کے سونے کے لئے چلے جاتے ہیں، لیکن جانے سے قبل وہ بادشاہ سے کہتے ہیں کہ اگر اس نے امانت میں خیانت کی، تو وہ اپنی نیند سے بیدار ہو جائیں گے اور اپنی بغاوت کا حق استعمال کر کے اس کے خلاف بغاوت کریں گے۔۔۔ ٹاک جمہوریت کو بہت زیادہ پسند کرتا ہے، جس میں اختیارات عوام کے منتخب شدہ نمائندوں کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں وہ بادشاہت کو بالکل مسترد نہیں کرتا۔

اپنی تصنیف "مدراج قوانین" میں مونٹیسکیو کو نے تفریق اختیارات کے نظریہ کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔
"اگر معتقد اور انتظامیہ کے اختیارات ایک ہی شخص یا اشخاص کی ایک جماعت کو دئے جائیں، تو وہ جماعت مرد و باؤ کے خوف سے آزاد ہو کر ظالمانہ قوانین بناے گی، اور ان کو ظالمانہ طریقہ سے نافذ کرے گی۔۔۔۔۔"

- مونٹیسکیو کے نظریہ کا اثر نہ صرف فرانس پر ہوا بلکہ انگلستان میں مونٹیسکیو کے نظریہ کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا، امریکیوں نے تو مونٹیسکیو کے نظریہ کو اس قدر اپنا یا کہ امریکی دستور کی بنیاد ہی اس کے نظریہ تفریق اختیارات پر رکھی گئی ہے۔

- مونٹیسکیو کا خیال ہے کہ اس ریاست میں آزادی کا تصور ہی پیدا نہیں ہو سکتا جس میں ایک شخص یا اشخاص کی ایک جماعت قانون سے بالاتر ہو۔

- روسو کے نظریہ ارادۂ عام (GENERAL WILL) پر سخت تنقید کی گئی ہے، سیاسی مفکرین کا خیال ہے کہ روسو کا نظریہ ارادۂ عام نامکمل اور غیر واضح ہے، عملی طور پر اس کے نظریہ کا اطلاق ہونا مشکل نظر آتا ہے، وہ ارادۂ عام اور ارادۂ کلی میں فرق کو واضح طور پر ظاہر

ان خلدن اور اقبال کے سیاسی اذکار پیش کئے گئے ہیں، خود فضل مصطفیٰ سلمیٰ ہر قیاس کی حد تک ہیں اور وسیع مطالعہ بھی! اس نے کتاب کو براہِ اعتبار سے گراں قدر اور بلند پایہ بنا دیا ہے!

۱۱۔ نصیحت آبادی، ضخامت ۸۸ صفحات، (سرمدی رنگین و دیدہ زیب قیمت تین روپے، دفتے پیسے)۔
گرورہ ملنے کا پتہ: ۱۔ مکتبہ جامعہ ملیہ نئی دہلی۔

جناب نصیحت آبادی، حضرت سیات اکبر آبادی کے ارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کا کلام برسوں سے بلند پایہ رسالوں میں شائع ہو رہا ہے، ادبی حلقوں میں وہ بہت دلوں سے متعارف ہیں، اردو زبان و ادب کے مشہور ہیں، اشعار میں اپنا خاص رنگ رکھتے ہیں، جس میں شاعری کم مگو رفتار و خمیگی کی فراوانی ہے!

نصیحت صاحب نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے، یہ دلیل ہے ان کی قدرتِ سخن، رشتہ قی کی! گرورہ کے منتخب اشعار۔

(مباحی) خلعت کے بغیر لہجہ پائے گا کہاں

خواندوں کے صحنِ ظلمے بنائے گا کہاں

دھرتی کی کشش سے بچ نکلنے والے

جذبِ الفت سے بچ کے جائے گا کہاں

نظم "جد بانار" کا پہلا بند ۱۔

شام بھیجے ہر سیر پوش سورا ہے یہاں

ہر اچالے کے پس پردہ اندھیرا ہے یہاں

ہر دکال دار حقیقت میں ٹیڑھا ہے یہاں

ہر خطرناک دزدے کا لہیرا ہے یہاں

مگر

اس بند کی ٹپ کے معنی ان چاروں معنیوں کے جوڑ کے نہیں ہیں۔

آگ دوزخ کی دہکتی ہے، بھڑکتی ہے، مام

روح انسان کی رذالت سے بھڑکتی ہے، مام

روح کا بھڑکنا، ایسے موقعوں پر نہیں بولا جاتا، اس کا معنی استعمال اور ہے،

کچھ اُن کے دُوسے، کچھ میری جبین سے

چلی دنیا میں رسمِ سجدہ ریزی

اندھیروں میں مرنے سے کیا فائدہ ہے

اُجبالوں کو ڈھونڈو، حشر کو پکارو

ہائے! کیا چیز محبت کی نظر ہوتی ہے

ہوش ہوتا ہے نہ کچھ اپنی خبر ہوتی ہے

ادھ کتنا جوتھا کہ نہ سکے

کہہ دیا اُن سے جو نہ کہنا تھا

آنکھیں جیسے مہ کے پیالے

پائیں جیسے گل کی شاخیں

دھول کی شاخیں کہنا تھا

کروں تجھ سے شکایت کیا گلا کیا

مجھے دھوکا دیا میری نظر نے

بہارِ فہید ہے خزاں کی، بہار لے کر میں کیا کروں گا

قرارِ تو نامِ موت کا ہے قرار لے کر میں کیا کروں گا

تمہارے دھڑے، تمہارے پیمان، تمہارے قول و قرار لیکن
یہ دو دلی کا ہے نقد سودا آدھارے کریں کیا کروں گا

مصرارخ ۱۔

آواز جنوں فتنہ نسیرا دہی
اخلاص و وفا کی داد، بیاد دہی
رکھا ہوں نگاہ اپنے مستقبل پر
ماضی مرے امروز کی بنیاد دہی

اس رباعی کے آخری دونوں مصرعے خوب ہیں! مگر شروع کے مصرعے مبہم ہیں، "آواز جنوں" سے کیا مراد ہے! "فتنہ فرار" کیا ہوتا ہے
اخلاص و وفا کی داد، بیاد کیوں!!

پشتِ عفریتِ شب پر میں کڑے برسانے آیا ہوں

نورانی صبح کے جلوس کو جنیام مٹانے آیا ہوں (ص ۱۲۱)
صبح کا نام! اس نظم کا عنوان ہے! شب کے عفریت کی پیشبردِ صبح کے تارے کا کڑے برسانا — کس قد بناوٹی خیال ہے اس
میں کتنا تکلف پایا جاتا ہے اور تکلف بھی بے لطف!

عجب فائزہ ہے محبت کی دنیا
شعر میں کوئی نقص نہیں — مگر دنیا رندوں کا یہ شعر ہے ساختہ یاد کیا، کس قیامت کا شعر ہے! —
چلتے تھے سب سے چلتے تھے وہیں آگئے ہم
جہاں سے چلتے تھے وہیں آگئے ہیں
صبا صاحب کی غزل کا مطلع ہے۔

سہانا ساز مانہ چاہتا ہوں
اس قسم کے اشتیاق انتخاب میں چھانٹ دینے چاہئے تھے۔
جنوں کے گیت گانا چاہتا ہوں

مربع جنبات میں جو بہ نہ سکے
آن سے وہ دل کا حال کہ نہ سکے (ص ۱۲۲)

یعنی !!

صبا فتح آبادی کی طبیعت کو نظم سے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے، مختلف موضوعات پر ان کی نظمیں اس مجموعے میں
فریک ہیں، لغتِ رسول کے یہ شعر کہتے ایمان افروز ہیں! —

ہر دے ابھی آنکھوں پہ جہالت کے بڑے ہیں
کسم گئی دنیا میں صبا نورِ لقیں سے
پائے کوئی کیسے درِ فیضانِ محمد
انسان کی تاریخ بہ عنوانِ محمد

انڈیا - خطرِ مبنی، ضخامت ۷۶ صفحات (جلد، رنگین گرد پوش، قیمت دو روپے پچاس پیسے
لکھنؤ کا پتہ ۱۔ سنگم کتاب گھر، آندو بازار، دہلی -

گل و سنگ

جنابِ خطرِ مبنی پڑنے صحافی اور کہنے مشقِ شاعر ہیں، ان کی زندگی انہی دلیوں کی سیر و سیاحت میں گزری ہے! زبان صاف و

شستہ اور بیان میں تفضل کا پختہ رہ ملتا ہے — منتخب اشعار —

ایک نمونہ ہے جہنم کا جہاں آ رہا ہے
پھر بھی مدان مدان ہے بہ فضل خدا ہوز
اور کہتے بھی تو کیا، اتم گساری کے سرا
غیروں پہ التفات و کرم ہم سے اجتناب
سہارا خدا کا اور سارے کی تمنا کیا
کچھ گریختیں آج گئیں لیل و نہار میں
کم ظرف ہیکتے ہیں تھوڑی سی بول جائے
جب سے مجھے دیکھا ہے دنیا کو نہیں دیکھا
راز داری کے سبب ضبط کئے جاتے ہیں

دوسرا رخ —

آئی ہیں مرے لب پہ فقط یاد کی باتیں (ص ۲۱)
یاد کی باتیں — کیا پیار کی باتیں نہیں ہوتیں ؟
دل میں بھڑکی آگ ان کی چشم نکسے سانے (ص ۲۵)
اسے بیگانے ہوتے برقی نظر کے سانے
مغرب بطن شامی میں گھٹ کر رہ گیا۔
جہاں گم ہو کے رہ جاتی ہے سب تدبیر لال کی (ص ۲۶)
وہاں سے باز ہوتی ہیں خدا والوں کی تقدیریں
تقدیروں کا باز ہونا — کیا بات ہوئی ؟
فنائے عالم امکاں لگی ہے خضرانے (ص ۲۹)
پھر آج رقص میں آئے ہوئے ہیں دیوانے
”وہ ہیں آئے ہوئے ہیں“ کہنا تھا، ”وہ رقص آگیا یا آیا ہوا ہے“ یہ لہان اور دندمرہ نہیں ہے، پھر یہ مبالغہ ہی ہے کہ دیوانوں کو
رقص میں دیکھ کر عالم امکاں کی فضا تھرانے لگی۔
آپ روح عشق میں نامح کو بکنے دیجئے ایسے دیوانے کو خاطر میں نہیں لاتا ہوں میں (ص ۵۴)
محبوب کو ”روح عشق“ کہہ کر خطاب کرنا، کچھ عجیب سا لگتا ہے اس ترکیب سے شاعر کی فعلی اور معنوی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔
سے خوار و لا بڑھو آگے اک اذن کہ عام آیا (ص ۵۳)
”سے خواروں“ کہنا بت کی غلطی صدم ہوتی ہے ”سے خوارو!“ لکھنا چاہئے تھا، ”اک اذن کہ عام آیا“ اس نکتے نے شاعر کا لطف خالص
کر دیا۔

نظام عالم کو کیا ہوا ہے کہ میری ہستی جواں نہیں ہے

مگر کسی کا کرم ہے شامل جو مجھ پہ طاری نغماں نہیں ہے (ص ۵۶)

مصرعہ اولی خاصہ بیہم ہے۔

کوئی ہے جفا کا عادی کوئی شانِ غم بڑھائے کوئی مستقل سائے کوئی پھر فریب کھائے (ص ۱۳)

خضر برنی جیسے کہنہ مشق شاعر کے محراب کلام میں ایسے اشعار اجیرت ہے۔

دوس (۱۱۱) رقیب کو نہ کہی مدد و عتاب کریں وہ مجھ کو درد و محبت سے کامیاب کریں
اس مطلع کا بھی وہی رنگ ہے۔ ایسے اشعار تو مشق کے زمانے میں کہے جاتے ہیں۔

دوس (۱۱۲) محسوس فطرت کی یہ سب ساز باز ہے
محسوس فطرت نے شعر کا ستیاناس کر دیا۔

دوس (۱۱۳) محسن ہی کامیاب ہونا تھا عشق آخر خواب ہونا تھا
شاعر کے فن کا برا تعارف ہے، یہ مطلع!

دوس (۱۱۴) کیا جادو کیا ہے کسی نے انک غم پر گئے آج پینے
اس میں جادو کی آخر کیا بات ہے! انک غم پینا، تو محبت کا معمول ہے!
محبت میں جنونی شوق اب شامل نہ ہو جائے

دوس (۱۱۵) ہمارا دعویٰ صدق و صفا باطل نہ ہو جائے
”جنونی شوق“ میں ہوا و محسوس کب پاتی جاتی ہے، جس کے شامل ہو جانے سے ”صدق و صفا“ کا دعویٰ ہی سرے سے باطل ہو جائیگا۔
جو نظر نظر میں سما گئی اسی اک نظر کی تلاش ہے

دوس (۱۱۶) مرا کھو گیا ہے دل و جگر مجھے تو نیا بھر کی تلاش ہے
دل تو کھریا جاتا ہے مگر خضر برنی صاحب کا ”جگر“ بھی دل کے ساتھ کھو گیا! عجیب فقرہ ”دنیا بھر“ پڑھتے ہوئے زبان کتنی اذیت
محسوس کرتی ہے!

دوس (۱۱۷) میری غریب زندگی کس کے سہارے جائے گی
ابہام نہیں! اہمال! سچے مصروف اولیٰ میں زبان کی خامی و جہان کو کس قدر کھٹکتی ہے!

کتاب خالصہ اہتمام سے ترتیب دی گئی ہے، جگر جگر تصویریں اور قلمی خاکے ہیں! جو شاعری رنگین مزاجی کی دلیں ہیں، حالانکہ خود
شاعری تصویر ”مولویا نہ“ ہے! کتاب کا نام اُس کے مضامین کا بھی ترجمان ہے کہ اس میں پھول کی نرمی کے ساتھ سنگ و خشک کی سختی
ملتی ہے! مگر وجدان شاعری میں نرمی و روانی کو ڈھونڈتا ہے اور۔

سے موجِ خوام بار بھی کیا گل کتر گئی

سے یہ وقت ہے شگفتن گلہائے ناز کا

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود ایاز

نہ کوئی بندہ رما، اور نہ کوئی بندہ لوا

جیسی شاعری سے محفوظ ہوتا ہے۔

از: علامہ اقبال، انگریزی ترجمہ: بشیر احمد ڈار

صفحات: ۱۰، قیمت: تین روپے،

ملنے کا پتہ: انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک کچھ، کلب روڈ، لاہور

EULSHAN - I

RAZ - I - JADID

AND

BANDAGI NAMAH

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے انیس بلب کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قسمت کا • جس بھڑکی کو سرنگھتا ہوں بھڑکی ہے
اشارہ ہے یہی بار صبا کا اکبر چمن اک رنگ ہے اُس کی ادا کا
نسیم صبح گاہی وجد میں ہے • عجب مطلب ہے بلب کی صدا کا
گل آتھیں ہستی میں عدم سے ہر تن گوش آتش بلب کا یہ نالہ نہیں افسانہ ہے اُس کا
انگریزی شاعر کہتا ہے ۔

*I wander in the ways of men
Alike unknowing & unknown.*

اکبر الہ آبادی نے اس خیال کی ان لفظوں میں ادا کیا ہے ۔

نہ تعلق ہے کسی سے نہ شناسائی ہے انجن میں ہوں مگر عالم تنہائی ہے

*Misery is but the shadow of happiness. Happiness
is but the cloak of misery. LAO TSE.*

درد کے غم میں اس غم کا حین قرار دیدی ہے ۔

شادی کی اور غم کی ہے دنیا میں ایک شکل گل کو شکستہ دل کہو تم یا شکستہ دل
درد سے شکستہ دل اور شکستہ دل کہ کہ مثال اور ثبوت سے شعر کو کس قدر وزنی اور اثر انگیز بنا دیا ۔

*What in fact, is the world? A glass which shines
which is a weaver has made, and which a breath
can destroy.
Giles de Caux.*

میر تقی میر فرماتے ہیں ۔

سے سانس بچا آہستہ کہ نازک ہے بہت کام آفاق کی اس کا لنگر رشیشہ مری کا
اس کتاب میں تیر کا ایک شعر نگاہ سے گزرا ۔

ساتی قدے کہ ذوق مل ہے مطرب غزلے کہ فعل گل ہے
اس شعر میں تیر کے عام رنگ سے بہت کس قدر فارسیت بلکہ "ایرانیت" پائی جاتی ہے ۔

صفحہ ۱۶۱ پر جوش ملیح آبادی کا ایک شعر ہے ۔

آپ سے ہم سے رنج ہی کیا ہے مسکرا دیجئے مضافی ہے
کاش افاضل مولف کو قلمی پیش ہادیوںی تلمیذ تیر سینی کا یہ شعر یاد رہتا ۔

میری آن کی کوئی لڑائی ہے اب چلا جاؤں اب صفائی ہے
عربی میں "مضطرب" جمع کو کہتے ہیں، مگر اند میں مضطرب اندھے قرآن کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے، یہ اندوشتا عرب کا لقب ہے،
سراج الدین طغترک نے اسی معنی میں یہ لفظ مضطرب منظم کیا ہے، فرماتے ہیں —

آیا نہیں ہے وہ جو صبر چاروں زسے مضطرب دل خدائی تم چاروں زسے (صفحہ ۱۰)
جناب ہندی صاحب کو میرا اس کے کام سے بہت زیادہ شغف اور محبت ہے، کتاب کا آغاز تیرے شعر کے بعد امیں کے شعر سے کیا ہے
ادامیں کا شعر یا خاتمہ الکتاب ہے، اسی عقیدت و شغف کی رو میں غالب کے اس شہر پر شعر —

یاد پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے لطف نے برسے مری زبان کے لئے
لو وہ آئیں سے منسوب کہ گئے ہیں (صفحہ ۸۹)

صفحہ ۲۰ پر شعاعیں "کا اعلیٰ" شعاعیں "دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی" خدا کے یہ ٹاپ جوڑنے والے دیکھو بیڑ کی غلطی ہے۔
بدگمانی، بے اعتباری اور طرح طرح کے دہم و خیال کا آنا، محبت کی فطرت ہے، اس موضوع پر مولانا الطاف حسین حالی کا یہ
شعر —

یاد اس اختلاط کا انجام ہو بخیر تھا اس کو ہم سے ربط مگر اس تبدیلیاں
جو درج کیا گیا ہے اس کا "بدگمانی" سے برائے نام بلکہ "دماصل" زوال نعمت سے تعلق ہے، یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے کہ جب آدمی کو توقع کے
خلاف کامیابی اور سرت رشا دانی کے اسباب انداز نظر آتے ہیں تو اس کے دل میں کھٹک، دہم اور دھڑکا پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں اس کا
انجام نہ دیا گیا نعمت نہ ہو!

اس کتاب میں بعض غیر معروف ادیب نام شعرا — درختان، بازغ، رشتاق، ناز — کے اشعار بھی لکھائے
یا سخ دوہم ایک "عظیم آبادی" اور دوسرے "دلہری" اس کی صراحت ضروری تھی۔

انداد ادیب یہ پہلی کتاب ہے جس میں انداد اور انگریزی شعرا کے اشعار اس اہتمام و انتخاب کے ساتھ یکجا کئے گئے ہیں، یہ
دلیل ہے فاضل مولف کی دیدہ ریزی اور دقت مطالعہ کی کہ وہ انگریزی انداد شعرا و ادیب میں اس قدر بصیرت رکھتے ہیں!
جناب ایس اسے مہدی اس انتخاب پر تبریک و تحسین کے مستحق ہیں!

قدت کا ملہ نے موسم سرما کو



انڈیا میں کی حفاظتہ نائل شدہ قتل کی بجائی، دافنی تلیجی لکھنؤی فانت کی مکتبہ کے لئے مخصوص ہے۔
اگر آپ کو کسی کرم کے محسوس کرتے ہیں تو اس میں قنات مسوحت، اندکیری مکتب سے فہمہ اٹھائیں، اگر آپ باقاعدہ
مطب اشرف کی جانب رجوع فرمائیے۔

مطب اشرف

جس کی محنتی ہلاوت ہاکن کے، مطب مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف شریف کے ہیں۔ بیرونیات کے رفیع منصف ملکہ کف شریف کی ہر ایک خدمت ہے، یقیناً

مطب اشرف "اشرف منزل" نزد جامع مسجد جناح کا لونی لائن پورہ

باوانی و آلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا ————— کورا اور دھلا لٹھا

ہر قسم کا دھاگہ تیار ہوتا ہے

باوانی و آلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے

پاکستان کی صنعت کی قدر

اور

حوصلہ افزائی

آپ کا قومی سرِ لہجہ ہے

آدم جی کے پارچہ پتا

میرزا ہدایت علی



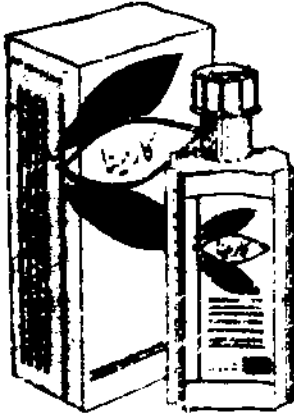
آدم جی کاٹن ملز - لائڈھی - کراچی

کارمینا

درد شکم، ہضمی، بھوک کی کمی،
آپاہار، قبض، قے، دست
ہضم کی خرابی

یہ اور معدہ اور جگر کے دوسرے امراض آج کل عام ہیں۔ اور ان شکایاتوں کی وجہ سے نہ صرف ہمیں خراب
رہتی ہیں بلکہ کار بار اور زندگی کے دوسرے مسائل پر بھی اثر پڑتا ہے۔ آپنا ہاضمہ اور معدہ اپنی صحت کا
ضامن ہوتا ہے۔ سمجھتے ہیں کہ آپ وہی ہیں جو کچھ آپ کھاتے ہیں۔ لیکن جب آپ کا کھانا ہوا جسم کو نہ گئے،
اور جڑ بدن ہو کر خون نہ کر آپ کو طاقت نہ پہنچائے تو کھانا پینا ہی بے کار نہیں ہوتا بلکہ آہستہ آہستہ سڑ جاتا
شکل ہو جاتا ہے اور جینا ڈوبتا ہے۔

ہمدرد کی ایسا ریڑھن اور جڑ و مٹلیوں میں چیدہ جڑی بوٹیوں اور ان کے قدرتی ٹھکانات پر طویل تجربات اور
سائنسی تحقیقات کے بعد ایک متوازن اور مفید دوا کارمینا تیار کی گئی جو ہضمی جڑوں اور معدہ کو تازہ کرنے میں
خصوصیت رکھتی ہے۔ کارمینا معدہ پر نہایت خوشگوار اثر کرتی ہے اور اس کے استعمال کو درست کرتی ہے ہضم
کے فعل کے لیے جو روشیں ضروری ہیں کارمینا ان کو مناسب مقدار میں پیدا کرتی ہے۔ جگر کی اصلاح کرتی اور جگر
کی جملہ غرابیوں کو درست کرتا ہے۔



چھینک، جلن، تیزابیت، پیٹ کا بھاری ہونا، نفخ، ہضمی،
پیٹ کا درد، گھٹتی دھاریں، درد شکم، مثلی اصفیٰ، بھوک کی
کمی، قبض یا معدہ اور جگر کی دوسری بیماریوں میں کارمینا
کا استعمال نہایت مفید ہوتا ہے۔

کارمینا نظام ہضم کو درست اور قدرتی کرنے کی یقینی
دوا ہے۔ ہر موسم اور ہر آب و ہوا میں ہر مزاج کے لوگوں کے لیے
فائدہ بخش اور خوش ہے۔ بلا خطر استعمال کی جاسکتی ہے
کارمینا ہر گھر کی ایک ضرورت ہے۔

ہمدرد دواخانہ (دفتر) پاکستان
کراچی ڈھاکہ لاہور پشاور

ہمدرد

مئی ۱۹۶۶ء

کچی

قاران

ماہنامہ

ایڈیٹر

جلد ۱- ۱۸
شمارہ ۵- ۲
ماہر القادری

مزمون

۲	ماہر القادری	نقشبِ اول
۶	مولانا محبوب الرحمن	محمد مصطفیٰ اصل اللہ علیہ وسلم
۱۲	اسرار احمد بہادری (ایم۔ اے)	آداب مراسلہ نگاری
۲۵	پروفیسر وحید اللہ لفظی (ایم۔ اے)	ابن ابی البریج
۴۱	محمد خاں (جنگ صدر)	اقبال کا فارسی کلام
۵۱	مولانا محمد حسام اللہ شریانی	اسلامی حکومت میں مالیات کا شعبہ
۵۴	مختلف شعراء	سفینہ بغزل
۵۹	مولوی ضیاء الدین اصلاحی	روح انتخاب
۶۱	ہماری نظر میں

پبلشر - مسرور حسین

قیمت فی پرچہ ۶۲ پیسے

چند سالہ سائٹ پوے

مقام اشاعت

دفتر ماہنامہ قاران کیمپل اسٹریٹ کراچی

سرمدین پبلشر نے انٹرمیڈیٹ پریس ناچیس چھپرہ اور دفتر ماہنامہ قاران کیس اسٹریٹ کراچی سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ اول

پاکستان اسلام کے نام پر اور اسلام کے لئے بنا ہے مگر افسوس ہے کہ اس ملک کا جو مقصد وجودِ ابدِ خالقیتِ یحییٰ ہے اس سے یہاں شروع ہی سے غفلت برتی جاتی رہی ہے، یہاں کی معاشرت، سیاست، طریقِ تعلیم و تربیت اور قانونی دستور ان میں کسی شعبہ کو بھی خالص اسلامی بننے کی سعادت حاصل نہیں ہو سکی، اس امید و انتظار میں کتنے دین پسندوں کے بالِ سپید ہو گئے کہ اس خطہ میں کمیت و کیفیت کے اعتبار سے چھوٹے ہیما نہ پر ہی سہی، خلافتِ راشدہ کی ایک صبح تو نمودار ہو سکتی۔

حزبنِ اتفاق سے پاک و ہند کی جنگ کے زمانہ میں پاکستان کے معاشرے میں دینی جھلک اور اخلاقی رنگ پیدا ہو گیا، خشیتِ الہی اور محاسبہ آخرت نے فکر و خیال اور قول و عمل کو پاکیزگی عطا کی، ریڈیو کی نشر و گواہ سے لے کر عوام کی محفلوں تک "لا الہ الا اللہ" کی صداؤں کو بجھنے لگیں، بڑے بڑے عادی مجسم اور پیشہ ور بدعاش برائیوں سے ڈگ گئے، جیسے جرائم کی چلتی ہوئی گاڑی میں کبھی نے ایک ایسی بریک لگا دیا، پولیس کے رجسٹروں میں آئے دن جو دار و ادا تیں درج ہوتی رہتی ہیں ان میں حیرت انگیز طور پر کی قافی ہو گئی، جو جو تین برس جاہلیت اور ناک جھانک کی عادی ہیں ان کو کلامِ پاک کی تلاوت کرتے اور نوافل پڑھتے دیکھا گیا، ہر طرف اللہ، رسول کی تذکرے، دین اور نیکی کی باتیں، جوشِ جہاد نے دلوں سے موت کا ڈر نکال دیا تھا، ادھر مسلمانوں کی سوسائٹی میں دینی تبدیلی کے آثار نمایاں ہوئے اور ادھر اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہوئی، دنیائے اس حقیقت کا سب سے بڑا سرمایہ شہداء کہ لیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چھوٹی جماعتیں بڑے گروہوں پر غالب آ جاتی ہیں اور جنگ کے میدانوں میں طاقت کے ذریعہ جہادین کی مدد کی جاتی ہے پھر تو یہ ہے کہ اس جہاد نے مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ کی تعدیل کر دی، اچھب، ساکھٹ، لاہور اور چونڈہ کے محاذ سے لے کر بنگلہ کے میدان تک اپنی ایمان کی شجاعت، سرفروشی اور استقامت کا یہ سلسلہ المذہب استوار ہو گیا۔ کچھ کچھ دوسرے اور خدا کے نکتے جو مجاہدین اور غازیوں پر نصرتِ الہی کا نزول دیکھ کر بے ساختہ اللہ کا نام پکار اٹھتے، اکبر الہ بادی نے اس نفسیاتی کیفیت کو جو حقیقت میں فطرت کی پکار ہے، شہداء زبان میں بولی بیان کیا ہے۔

ہر متغیر کو اس کی طرف التفات ہے

آخر خدا کے نام میں کوئی تورات ہے

دینی طبقہ نے معاشرے میں دین و اخلاق اور جہاد الی اللہ کا یہ رنگ دیکھ کر دلی مسرت کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور پاکستان کے اربابہر لب و لہجہ کو بارہا اس طرف متوجہ کیا کہ حکومت اپنے تمام مذاہم کا نام میں لائے، تو جنگ کے بعد اس کی حالت میں بھی معاشرے کی یہ اخلاقی سطح ہتسار اور قائم رہ سکتی ہے، اس نفاذ کو باقی رہنا چاہئے، بلکہ اس کو بلند سے بلند تر کرنے کی ضرورت ہے

مگر

اعلان صلح کے بعد اخلاقی زندگی اور اخلاقی کا یہ چڑھتا ہوا پارہ صفحہ بروز گئے لگا، اخبارات میں پہلا نہیں جو اتم امداد دار قادی کی خبریں آنے لگیں، جو جنگ کے زمانے میں رک گئی تھیں۔ مگر جگہ ذمہ دار شخصیتوں کے تعاون دایما سے پھول شہ کے نام پر رقص و سرود کی وہ مغللیں مجھے لگیں، جن پر قرآنی اصطلاح میں "فحش و منکر" کا اطلاق ہوتا ہے! اودھن کے ناچار تڑپنے میں دوڑائیں ہو ہی نہیں سکتیں! اس پر دلیری کا یہ عالم کہ انجیل میں کھلے خزانے بے غم و مہمات کے ساتھ ان معصیت آلود مناظر کی تقریریں چھپ رہی ہیں۔ یہ عورتوں کی قادی ہے، وہ لڑکیوں کا ناچ ہے، امدید مسلمان کنواریوں کی اداکاری کا منظر ہے؛ شمشیر و سناں کے ہند روزہ دھد کے بعد - طافس و رباب کا پھروہی، اخلاق سبز تماشا، بلکہ پہلے سے نیا ہندو رشور کے ساتھ اس انداز اور تنظیم کے ساتھ جیسے زمانہ بہباد کی دینی فضا کو رنگ و بو، ہوا و دھوس اور فحش و منکر کے قالب میں ڈھال دینا ہے، نصرت الہی اور انجام خداوندی پر شکریہ کی بجائے اس کے اس تند جلد اور ڈنکے کی چوٹ، کفران!

نہ ناطقہ سر بگربیاں کہ اسے کیا کہئے!

جو کوئی ان حیا سوز حرکتوں کا صفیاد کرام کے "سمسار" سے چوڑا نا چاہتا ہے، وہ نہ "سمسار" کی حقیقت سے واقف ہے اور نہ صفیاد کے مزاج اور کردار کو پہچانتا ہے، صفیاد کرام کی اکثریت، مزا میر اور آلات سرود و غنا کی مخالف رہی ہے، چاہے اس کے بجانے دے صرف مرد ہی کیوں نہ ہوں، یہی عورتوں کی گلوکاری، رقص و سرود اور ایکٹنگ امدہ بھی مردوں کو خوش کرنے اور تھانے کے لئے، تو یہ ہر صوفی کے نزدیک قطعاً ناجائز اذہب و عام ہے۔

بھارت، اودھ، امریکہ اور روس وغیرہ ممالک میں بے شک اس معصیت اور منکر کو "آرٹ" سمجھا جاتا ہے، مگر اسلام ایسے "آرٹ" پر جو کھلی ہوئی ہے جاتی ہے، لغت سمجھتا ہے، ان ہے حیا کی باقوں اور اخلاق سوز حرکتوں نے دنیا کی جو حالت کو کمی ہے اس کا اندازہ کر کے لئے امریکہ کے معاشرے کا سرسری جائزہ لیجئے۔ کہ وہاں -

ہر باغ منٹ میں	ایک ڈکیتی ہوتی ہے -
ہر منٹ پر	ایک شدید خونیں جھڑپ ہوتا ہے -
ہر منٹ پر	ایک موٹر کی چوری ہوتی ہے -

اور

ہر ۲۰ سکند پر ایک نقب زنی کی واقعات ہوتی ہے -

اس کے نتیجہ میں امریکہ کے سہ کار می خانے کو جو مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے، وہ اربوں ڈالروں تک پہنچتا ہے۔ عرب میں شرک و بت پرستی کے ساتھ جو برائیاں پائی جاتی تھیں ان میں عورتوں کا رقص و سرود، تبرج اور عریانی بھی شامل تھی جس نے پورے معاشرے کو سربا پا معصیت و گناہ بنا رکھا تھا، اسلام نے اس ایک ایک برائی کو مٹایا، امدہ عورت جو پہنہ اندیمہ پہنہ ہو کر ناچتی گاتی ایسا کرتی تھی، اس کے سینہ و سراپہ پر سے گوجھلاپ و نما و حلا کئے ایسا اس قسم کی چال و حال اور پہنہ لے پہنہ بندھی لگا دی جس سے عورت کی "ذہنیت" ظاہر ہوتی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازہ ہے کہ جو عورت خوشبرنگا کر گھر سے باہر نکلتی ہے وہ "ذانیہ" ہے!

ذہنیت امدہ عورت خصلت میں ایسی اخلاق سوز حرکتوں کا ارتکاب ہوتا ہے کہ ان پر شرعی حد لگائی جاتی اور اس مزاج و ذہنیت اور

فکر کر کہ قسم کا کوئی مقام عزت نہ دیا جاتا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر اہم و عزت کا معیار معرفت تعزلی ہے، صنفِ نازک کو اسلام کے اس احسان کو ماننا چاہئے کہ اسلام نے اسے غیروالت سے نکالی کر عزت کے تحت پر بٹھا دیا اور عفت و عصرت کا لباس فاخرہ اور مقدس خلعت اسے عطا فرما دیا۔

آج کا معاشرہ جاہلیتِ اولیٰ کی طرح عفت کی عزت و ناموس کا دشمن ہے مگر عزت کی نادانی اور بے خبری کا یہ حال ہے کہ اپنی ذلت کو یہ سمجھ رہی ہے کہ اس طرح اس کی تصافرائی ہو رہی ہے، غالباً وہ اس حقیقت سے ناواقف ہے کہ دنیا کا کوئی اعزاز، داد و تحسین اور دولت و عزت عزت کی عصمت و عفت کی قیمت نہیں ہو سکتی۔

ناظمِ مردوں کو جہاں بھی قرب و اختلاط کے موقعے میسر آتے ہیں وہاں اوبد و اکرا بنائیاں پیدا ہوں گی۔ پاکستان اسی پاکیزہ تصور اور مقدس نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا کہ اس خط میں ہم اپنی ایمان لیب، امریکہ، روس اور تجارت کے معاشرے، مسیحائی اور سماج کی نقالی نہیں کریں گے، بلکہ ان تہذیبوں اور سوسائٹیوں کے علی الرغم اس معاشرے کو فروغ دیں گے، جس کا دار و مدار اسلامی اخلاق پر ہوگا؛ مگر پاکستان میں ان توقعات کا کس ہے وردی کے ساتھ خون ہوتا ہے، مخلوط تعلیم سے لے کر سہیتوں، فیشن نغمہ ہونٹوں اور کلب گھروں تک، وہ فتنہ بابر پر پھان چڑھ رہا ہے جس کو قرآن کریم میں "تبرج جاہلیہ" کہا گیا ہے۔ مغربی ملکوں کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ اسی "تبرج جاہلیہ" کے باعث وہاں کا معاشرہ جاہلیاتی اور مصیبت و بے شرمی کے اس پائال تک پہنچ گیا ہے، جہاں "گناہ" کو آرٹ سمجھ کر فخر کیا جاتا ہے، اور مزاج و طبیعت میں "کلیت و خیریت" کی توجہ ہوتا ہے۔

مشرقی ملک بھی رفتہ رفتہ مغربی رنگ میں رنگتے چلے جا رہے ہیں، زندگی کے ہر شعبہ میں اس مصیبت پروردہ تمدن و تہذیب کی نقالی کی پوری پوری کوشش اب سے ۳۰-۳۵ سال پہلے متحدہ ہندوستان میں روم، ڈھائیوں، کھٹکوں، سانڈوں، طوائفوں، پازروں، ٹرول، نشینوں اور ناچنے گانے والی عورتوں کو معاشرے میں کوئی عزت کا مقام حاصل نہیں تھا، بیاہ شادی اور دوسری تقریروں میں اس گروہ کے عزت و مرد و شریفوں کے ساتھ بیچہ کر کھانا نہیں کھا سکتے تھے۔

مگر

آج ان کے لئے "آرٹسٹ" اور "فن کار" کے معزز القاب تراشے گئے ہیں، ان کو حکومتوں کی جانب سے خطابات اور یونیورسٹیوں کی طرف سے اعزازی ڈگریاں دی جاتی ہیں!

سہ پہن کا کوئی حد سے گزرنا دیکھو

معارف و علوم اور تقص و غنا اور افکاری کو جس معاشرے میں برابر کی سطح دی جاتے، اس معاشرے کی ذلت اورستی کی بھلا کوئی حد ہے! **دعوتِ غور و فکر** ان قوم پاکستان کے معاشرے کا ذکر کر رہے تھے۔ جس طرح "اسلام اپنے مزاج و فکر کے اعتبار سے دنیا کے تمام مذاہب سے جدا گانہ اور منفرد حیثیت رکھتا ہے اور ملت اسلامیہ کے مزاج و ہیئت کی ترکیب بھی تمام قوموں سے ممتاز ہے، اسی طرح "پاکستان" کو بھی اسلامی مزاج و فکر کی اسی انفرادیت کا مظہر ہونا چاہئے تھا؛ غیر ملکیوں میں ہمارے سفارت خانوں کو دیکھ کر دنیا ان سے سبق اور روشنی حاصل کرتی کہ یہ تو "غیر مذہبی" کے تبلیغی ادارے ہیں مگر سرکاری تقریبات میں ہمارے آئے ہوئے ہمالوں کو دین و اخلاق کی پاکیزگی نظر آتی اور پاکستان کے معاشرے کو دیکھ کر وہ نمایاں طور پر محسوس کرتے کہ یہاں تو ہر طرف اسلام کی دی ہوئی بھلائیاں بھرے گھر ہیں، غیر ملکی سیاح ہمارے کلب گھروں اور ہونٹوں میں شرب اور تقص و تماری کی بجائے پاکیزگی و تعزلی کے مناظر کا مشاہدہ کرتے تو وہ خود بھی متاثر ہوتے اور اپنے ملکوں میں واپس جا کر ہمارے

معاشرے کی اچھائی کے عقیدہ خوں اور دھار بن جاتے! پاکستان کے ہوائی جہازوں میں "خاتون میزائل" (Missiles) کی جگہ مردوں کو میزبانی کے فرائض انجام دیتے ہوئے دیکھ کر غیر ملکی مسافر یہ اثر قبول کرتے کہ پاکستان کا معاشرہ مردوں کے اختلاط میں اسلامی حدود کی پابندی کرتا ہے! ادیبان کا ہر حکم، ہر شعبہ ادب اور فارہ اسلام کے دئے ہوئے ضابطہ اخلاق کا سختی سے پابند ہے، یہاں دوسرے ملکوں کے تمدن و تہذیب کی نقالی نہیں کی جاتی یہاں فکر و نظر گرد و غیر نہیں ہونے پاتے! پاکستان کے بارے میں دوسروں کے کاوش ایسی تصورات ہوتے اندہ ہونے چاہتے تھے، اس صورت میں ساری دنیا اخلاق و نیکی کی روشنی پاکستان سے حاصل کرتی، دنیا میں ہمارے پاکیزہ معاشرے کی مثالیں دی جاتیں، جہاں ملک اخلاق و انسانیت کا تعلق ہے، دنیا کی رام قیادت ہم پاکستانی مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہوئی اور پاکستان دنیا کے نقشہ پر مینارۃ النور بن کر ابھرا ہوتا ہے۔

مگر

افس ہے کہ پاکستان کے کسی شعبہ حیات میں بھی اسلام غالب قوت نہ بن سکا، یہاں کے معاشرے میں کوئی ایسا امتیاز نظر نہیں آتا جسے دیکھ کر دوسرے لوگ اپنے یہاں کی سوسائٹی اور پاکستان کے معاشرے میں نمایاں طور پر فرق محسوس کریں، لہذا جس راہ پر جا رہا ہے، انہی خطوط پر پاکستان کو بھی لے جایا جا رہا ہے۔ عوام کی تسلی کے لئے "اسلام" کا نام بار بار لیا جاتا ہے مگر اسلام کو حلقہ نافذ نہیں ہونے دیا جاتا! اس غم کو کن فطروں میں بیان کیجئے کہ جو خط اسلام کے نام پر بنا ہے وہاں اسلام کس قدر اجنبی نظر آتا ہے! پاکستان کے کھڑے آدمیوں کو دیکھ کر یہ زیادہ اس کی فکر ہے کہ یہاں کی آبادی میں اضافہ نہ کیوں ہوتا ہے اس کے کم کرنے اور گھٹانے کی تدبیریں کی جا رہی ہیں، حالانکہ فکر اس کی ہوتی چاہئے تھی کہ پاکستان کے معاشرے کو اسلامی اخلاق کے قالب میں ڈھالا جائے! —
- اقامتِ صلوات - اور - ایسا ہے زکوٰۃ کے فریضہ کو نظر انداز کر کے ضبط ولادت، بریدیہ اور وقت کا غریج، دنیا نقطہ نگاہ سے کس قدر قابل غور بلکہ مستحق نقد و نظر ہے۔ عیش و تفریح کا کردار، روپیہ کا سامان، پاکستان میں دیکھا جاتا ہے جس کے لئے پاکستان کو زرباد دینا پڑتا ہے اس پر کوئی افسانہ، قدح اور روک ٹوک نہیں۔ زیر مہاولہ کی ساری کفایت شکاری اور احتیاط فریضہ حج کے معامد میں کی جاتی ہے! انگلیں کے دھبے میں حاحیوں کی قلعہ پر کوئی پابندی نہ تھی، بھارت کے موجودہ حدود پر تک میں وہاں کے معامد کو فریضہ حج کے سلسلہ میں بڑی سہولتیں اور آسانیاں میسر ہیں۔ — مگر پاکستان میں زائرین حج کی قعدہ کا کونسا کم ہوتا چلا جاتا ہے اعداد و حال حاحیوں کی قعدہ پر جو قدغن لگائی گئی ہے اس سے دین پسند طبقہ کو بڑا دکھ ہو رہا ہے۔

پچھلے دو ہفتوں میں جس گراہی کے ساتھ منظم طور پر مختلف شہروں میں - راسخی شرم - منعقد ہوئے ہیں، اس کی مثال پاکستان کی پوری اشارہ سالہ تاریخ میں جموں کی طور پر بھی نہیں ملتی، یہ رنگ رنگ پر گرام جن میں پاکستانی طلبہ اور طالبات حصہ لے رہی ہیں۔ —
لوہاروں کے سیرت و کردار میں جس قدر بھی اخلاقی بگاڑ پیدا کر دیں کم ہے، بولڈ کی غیر مردوں کو خوش کرنے اور ان سے داد و ستاد حاصل کرنے کے لئے کسبجہ پر کراہی جاتی اور رست کرتی ہے، اس کھیلے ہوئے فتن و بے حیائی کے سبب اس کا کردار دھندلا کر ہو چکا، اب وہ اس کے بعد برائی کی جس پست سطح تک بھی پہنچ جاتے، اس کا دار و مدار ماحول اور مواقع پر ہے کہ فخر و غلامی نگاہ میں یہ حرکت - آٹ - ہے مگر اسلام کی نگاہ میں - گناہ - ہے اور ایسا گناہ ہے جس کے بارے میں وعدا نہیں ہو سکتی۔

ہمارے آنے والے معزز بہاولی کے غیر مقدم میں خندان خواجہ کے - تبرج جاہلیہ - کا مظاہرہ، کہیں طالب کا ناچ، کسی مق پر غمزدگی کی پریڈ - یہ تمام بامیں اللہ اور رسول کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہیں!
آخر یہ کیا ہو رہا ہے! اور کیوں ہو رہا ہے؟ کیا اس طرح معاشرے کو بااخلاق بنا کر دین پسند طبقہ کو کمزور اور بے اثر کرنا مقصود

ہے! جہاد میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نصرت کے نزول کے فوراً بعد اس کے غضب کو رحمت دینے کے یہ محرکات واسباب اور مظاہر سے کس قدر آفریناں ہیں! غلط فہم کے حق میں اس کے نتائج کتنے سنگین ثابت ہوں گے!

انسان فرشتہ نہیں ہے اس سے غلطیاں بھی سرزد ہوتی رہتی ہیں، سبک پہلے راقم الحروف اپنی اخلاقی کمزوریوں کا اعتراف کرتا ہے، - پاکئی داناں - کا میں بھی دعویٰ نہیں ہے، ہم بھی اصلاح و انقلاب کے قناہ ہیں — مگر - غرض و منکر - کا ایک پروگرام کے تحت مظاہرہ اور اس کا مسلسل اعادہ! اسے حرام میں مقبول بنانے کی سعی و تدبیر.....!! یہ ہے وہ ٹریجڈی جس سے پاکستان دوچار ہے، یہ وہ اصول ہے جس میں وہ کہ خدا کا خوف دل سے نکل جاتا ہے، گناہوں سے توبہ کرنے اور لپیٹیمان ہونے کا خیال تک نہیں آتا! افسوس منہ آنحضرت پر ایمان باقی نہیں رہتا!

حالات جب یہ ہوں تو کس کا نامے اور ترقی کی تعریفیں کریں، کس کی دانش و تدبیر کو سراہیں، کس کے ضرور سپاس دے پیش کریں، کس کی شان میں قصیدے پڑھیں — مگر پھر کیا کریں؟ کیا دایوں ہو کر خاک و شش بیچے رہیں، حالات کتنا گئے سپر انداختہ ہو جاتیں..... نہیں یہ نہیں ہو سکتا، مرد و عورت کے عزم و فراست کی یہ قہرین ہے، مہار اویسی فرض ہے کہ حالات کو بدلنے کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے رہیں جہاں بڑائی دکھائی دے اس کو مٹانے کی کوشش کریں، زبان سے برکاتیں، کم از کم دل میں برا بھمیں اگرچہ ایمان کا یہ آنوی درجہ ہے! قیامت کے دن ہم سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تم نے ماحول کو بدل کر لیا نہیں دیا، ہانڈ پر اس کی ہوئی کہ تم نے بڑے ماحول کو بدلنے کے لئے کیا کیا؟ آنحضرت میں سرنوروی اسی کو میسر آئے گی، جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے تبلیغ خیر اور تفسیر منکر کی جدوجہد کی ہوگی! آؤ! ہم اس جدوجہد میں شریک ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلب گار بن جائیں۔

ماہر ارشد دی
۲۶/۵/۲۰۲۲
۲۶/۵/۲۰۲۲

ترجمہ ۱۔ مولانا محبوب الرحمن
خطیب جامع سلطانی (منظر آباد آزاد کشمیر)



رحال میں ہیں ایک مضمون "النزاع حول اسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے مہمانہ البعث الاسلامیہ
بابت ماہ مارچ ۱۳۷۵ء میں شائع ہوا ہے۔ مستشرقین نے جو اعتراض اسم محمد پر کئے ہیں۔ ان کی تردید ڈاکٹر
عبدالمعید نے اپنے انگریزی پرچہ ISLAMIC CULTURE - ثقافت اسلامیہ - بابت اکتوبر ۱۳۷۵ء
میں کی ہے۔ اب ان اعتراضات و جوابات کو استاذ ذیہ احتشام احمد ندوی مدنی لغت عربی جامعہ دہلی شوریہ
ایک مضمون کی شکل میں شائع کر دیا ہے۔ مضمون اس لحاظ سے بڑا اہم ہے کہ آپ معلوم کریں گے کہ ہم مسلم فنی کے انوی
پنمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی پر مستشرقین نے کس قسم کے اعتراض کئے ہیں اور مسکت
دلائل سے ان اعتراضات کی تردید ہماری حاضر سے کس خوبی سے ہوئی ہے۔ میں نے اسی خیال کے پیش نظر اس عربی مضمون
کا اردو ترجمہ کر دیا ہے۔

عربی عنوان کا اگر اردو ترجمہ کریں تو ذرا لنگا ہو جاتا ہے جو طبیعت کو کھٹکتا ہے۔ چونکہ مستشرقین کی جانب سے
اسم محمد پر اعتراض ہوا ہے اور ادب ہائے نزدیک آپ کا حقیقی نام بھی یہی ہے۔ اس لئے اس اسم کو میں نے عنوان مضمون
قراردیا ہے۔ ()

مستشرقین ہمیشہ سے اسلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کرتے آئے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کو ناقابل
یقین قرار دیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی شریعت کے بارے میں لوگوں کو شک میں ڈال دیں۔ انتہائی افسوس کی بات یہ ہے
کہ اکثر معترضین اسلام پر ایسے اعتراض کرتے ہیں جن کی اصل قطعاً نہیں ہوتی۔

انتہائی تعجب کی بات یہ ہے کہ آپ کے لوگ جو علم، دلیل، تحقیق، تاریخ کی چھان بین اور واقعات میں اپنی صحیح مائے کا دعویٰ کرتے
ہیں۔ کس طرح وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے متعلق ایسی غوغاں اپنی کٹاؤں میں بھرو دیتے ہیں۔ اس طریق سے ان کی اسلام دشمنی
ظاہر ہو جاتی ہے کیونکہ مستشرقین کا خیال یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد بھی نہیں سنا آپ کا یہ نام اسلام کے بعد لکھا گیا اور آپ
کا حقیقی نام ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔

ڈاکٹر عبدالمعید خاں نے اپنے پرچہ ثقافت اسلامیہ - ISLAMIC CULTURE - میں مستشرقین کے اس باطل نظریہ کا
معقول دلائل سے تعاقب کیا ہے۔ پھر ساتھ ہی ڈاکٹر موصوف نے نہایت واضح اور روشن دلائل سے ثابت کیا ہے کہ محمد آپ کا پیدائشی نام ہے

جس کی حقیقت تک مستشرقین کی رسائی نہیں ہو سکی مستشرقین فلڈ - HIRSH FELD نے دلیان حسان بن ثابتؓ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اس شاعر نے اسم محمدی سلامی پیغمبر کے لئے استعمال کیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ محمدؐ آپ کا نام نہیں تھا۔ بلکہ اسلام کی جانب سے آپ کو یہ لقب دیا گیا تھا۔ جو پیغمبر کے وفات سے دو سال قبل ط (معاذ اللہ) حقیقت میں آپ کو دو لقب محمدؐ اور محمودؐ ملے تھے۔ آپ نے آخری لقب کا اختیار کر لیا اور پہلے کو ترک کر دیا۔

ایسی ہی باتیں پرندیسر ہوئی - HIRTI - نے اپنی کتاب تاریخ عرب - HISTORY OF THE ARABS میں اختیار کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے قبیلہ میں سن ۶۰۱ یا اس کے قریب پیدا ہوئے۔ آپ کی ماں نے جو نام رکھا وہ بھی تک معلوم نہیں ہو سکا اس کا اندازہ ہے کہ آپ کا نام ہمیشہ غیر معروف رہا۔

سخت انوس کی بات یہ ہے کہ مستشرقین ہلات خود صحیح نام نہیں جانتے جو آپ کی ماں نے آپ کا رکھا اس لئے ان لوگوں نے یہ نظریہ اپنی جانب سے گھڑ دیا ہے اور دلیل کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ اسم - محمدؐ قرآن کی مکی سورتوں میں نہیں آیا اس لئے ۱۱ حسان بن ثابتؓ کے قصائد میں یہ اسم استعمال ہوا ہے یہ دلیان گویا ان کی نظر میں پایہ لغات کو پرہیز ہوا ہے۔

مستشرقین ان احادیث اور واقعات کی طرف توجہ نہیں کرتے جو ہجرت سے پہلے زندگی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ان واقعات پر خود کئے بغیر ہی انہوں نے یہ اندازہ کر لیا کہ حضور کا نام مبارک محمدؐ اسلام سے پہلے اسلام ہی نہیں رہا البتہ وفات سے دو سال قبل دینی لقب کے طور پر آپ کے لئے یہ لفظ استعمال ہونے لگا۔

لیکن ڈاکٹر دعوٰی الحمید نے اس غلط نظریہ کا بڑی اچھی طرح تجزیہ کر کے بڑے معقول دلائل سے اس کی تردید کی ہے اور اس بحث کی دلائل قاطعہ سے ثابت کی ہے۔ جن سے پورا صحیح طور پر بات ثابت کی ہے کہ پیغمبر اسلام کا ذاتی نام محمدؐ اور احمدؐ کے سوا کوئی اور نہ تھا ڈاکٹر صابو جی بیان ہے کہ اسم محمدؐ سورہ آل عمران، احزاب، فتح اور محمد میں آیا ہے۔ اور یہ سورتیں مدنی ہیں جو نزوح و فتح کے نزول سے متعلق مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ دونوں سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں۔ اس سلسلے میں تو کسی کو بھی شک نہیں کہ یہ سورتیں صلح حدیبیہ کے موقع پر سن چھ ہجری میں مکہ اور مدینہ کے درمیان نازل ہوئیں۔ اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ لکھانا چاہے تھے،

”یہ وہ جہد ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم فرما لیا ہے“۔ سہیل نے کہا اگر ہمیں یقین ہوتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ہم آپ کو رب اللہ کی طرف جاننے سے نہ روکتے۔ اس کے بجائے آپ محمد بن عبد اللہ کہئے۔ مستشرقین نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے متعلق جو غلط نظریہ قائم کیا ہے۔ اس کی تردید میں یہ چیز قطعی حجت کی حیثیت رکھتی ہے۔

سہیل نے کلمہ رسول پر ... اعتراض کیا اگر لاکھ طرح محمدؐ ہی دین کا لقب ہوتا تو سہیل اس پر بھی اعتراض کیا اور پھر جو نام حضور کا ہیں سے شہدہ تھا اس نام کے لئے اصرار کرتا۔ اس بات سے کامل طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ ابن عرب آپ کے نام محمدؐ کے سوا اور

IN OR ABOUT A.D. 610, A CHILD WAS BORN TO THE QURAYSH AT MAKKAH AND WAS GIVEN BY HIS MOTHER A NAME WHICH MAY REMAIN FOR EVER UN CERTAIN.

(KHAFTK VIN - PAGE - 111)

نام نہیں جانتے تھے۔ اسی لئے تو انہوں نے اس نام کو صحیح حدیث کے موقع پر قبول کر لیا تھا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ کلمہ طیبہ جس سے ایک انسان اسلام میں داخل ہو جاتا ہے وہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اور یہ دکان خمسہ میں سے پہلا درکن ہے۔ اس کلمہ کا ذکر سورہ ابراہیم میں شجرہ طیبہ کی تشبیہ سے کیا گیا ہے اس پر بہ مفسرین نے اتفاق کیا ہے کہ شجرہ طیبہ سے مراد یہی کلمہ طیبہ ہے جس کے اقرار سے ایک کافر مسلمان ہو جاتا ہے اسی طرح یہ کلمہ ایک نیک مسلمان کی سماعت میں "انتم اذا قیل لکم لا الہ الا اللہ یستکبرون" بھی آیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں نبی علیہ السلام کے اس اعلان کو بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

"امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ"

بلانک ان دونوں سے مراد کلمہ کا پہلا جز ہے اور دوسرا جز سورہ ابراہیم میں آیا ہے۔ جس پر یہ کلمہ پورا ہو جاتا ہے اس سے پوری طرح یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ محمدؐ دینی لقب نہ تھا۔ بلکہ مکین اسلام کی ابتدا سے ہی موجود تھا اور پھر ہمیشہ رہا۔

ایک اور مدینہ دین ہے یہ کہ مسلمان کلمہ تہادت کو اپنی پانچ نمازوں میں پڑھتے ہیں۔ یہ آداب کی طرح روشن دلیل ہے کہ نئے ایم کے لئے ضروری ہے کہ وہ محمدؐ کی امت میں حرام ہو مشہور ہو جائے اگر غیر محمدؐ علیہ وسلم کو ان کی صفات سے دو برس پہلے ہی دینی لقب دیا گیا ہوتا تو یہ حقیقی نام کیسے ہو جاتا اس میں شبہ نہ تھا کہ قوم فدائی اسی سے جلا بھی دیتی اگر عالمہ ایسا ہی ہوتا تو آپ کا اسم حقیقی قصائد، محاورات، قصص اور کتب مغازی میں بیان ہوتا۔ یہ حقیقت بھی دیکھنے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انان کا حکم ہجرت کے پہلے سال دیا اس میں حضورؐ کا یہی نام استعمال ہوا۔

مستشرق ہرش فیلڈ HIRSH FELD نے کیا عجیب فیصلہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے دو سال قبل یہ لقب اختیار کیا تھا۔ اس نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں حسان بن ثابتؓ کا یہ شعر پیش کیا ہے

وشتن لہ من اممہ لیجملہ فذوالعرش محمود وھذا محمدؐ

ترجمہ۔ اللہ نے حضورؐ کی عظمت کا ہر نمونہ کے لئے اپنے نام سے حضورؐ کا نام مشتق فرمایا۔ پس وہ صاحب عرش محمود ہے اور آپ محمدؐ ہیں۔ ڈاکٹر عبد المجید خان نے مستشرق کے خیال کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کی رائے میں حسان بن ثابتؓ مغزوہ بعد کے بعد اسلام میں داخل ہوئے اس کی رائے یہ بھی ہے کہ حسان بن ثابتؓ نے اس قصیدہ کے ایک شعر میں "نا یأتی نستعدی وایا اللہ نعبد" بولا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ مصرع سورہ فاتحہ سے لیا گیا ہے اور سورہ فاتحہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ حسانؓ کا کہنا ہے کہ یہ قصیدہ ہجرت اور فتح مکہ ہجری کے درمیان ہی عرصہ سے خلق رکھتا ہے۔

اس موقع پر سورہ فاتحہ کے تمام نزل کے بارے میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ مکہ میں نازل ہوئی اور بعض کی رائے ہے کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ لیکن مرزا ابوالکلام آزادؒ نے اپنی تفسیر میں واضح دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی۔ کیونکہ اس سورہ کا ایک نام "مثنائی" ہے اور ایک موقع پر ایشادور بانی ہے۔ "ولقد اتینک سبعاً من المظانی والقرآن العظیم" اور یہ آیت بلا اختلاف مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

حسان بن ثابتؓ مدینہ کے قبیلہ نجار میں سے تھے اور یہ قبیلہ بنو خزرج کا ایک شاخ ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو اس وقت حسان بن ثابتؓ کی عمر شہ برس کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ سال کے تھے۔ ان دونوں کی عمر کے درمیان آٹھ سال کا فرق تھا۔ اس صورت میں میں معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت حسان بن ثابتؓ کچھ بزرگ، دانا اور معروف شاعر تھے اور ان کی بڑی عزت اور تکریم پائی جاتی تھی جیسا کہ بیعت عقبہ اور بیعت رضوان مدینہ میں دونوں کے درمیان مشہور تھی۔ بنو نجار

انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے، سب اہل مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مدینہ کے منتظر تھے۔ ان تمام وجوہ کی بنا پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ صحابہؓ ان انصاریوں سے تھے جو پہلے اسلام لائے اور انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی مدد کی۔ درحقیقت وہ غزوہ بدر سے پہلے اسلام لائے تھے، جیسا کہ ان قصائد و اشعار سے معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے غزوہ بدر سے پہلے کہے۔ ایک قصیدہ میں جس کا مطلع ہے۔ واللہ ربی لا نفع منی ما جوداً ۱ مجھے اپنے رب کی قسم ہے کہ اس بزرگ و بزر سے کبھی علیحدہ نہیں ہوں گا۔ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ یہ اشعار اس وقت کہے گئے تھے جبکہ قریش نے انصار مدینہ کو دھمکایا تھا کہ وہ اسلام اور نبی علیہ السلام کی مدد سے باز نہیں۔ اس موقع پر صحابہؓ نے ایک شعر میں ابوہریرہؓ پر یحییٰ کیا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ابوہریرہؓ اس وقت زندہ تھا۔ کیونکہ ان کی عادت ہے کہ کسی کے مرنے کے بعد اس پر یحییٰ نہیں کیا اور ابوہریرہؓ غزوہ بدر کے موقع پر یحییٰ ہوا ان تمام دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے ابوہریرہؓ کی زندگی میں اس کی موت سے قبل یہ شعر کہا تھا۔

هَذَا لَنْ اُحْيِيَنَّ جَعْلًا يَتَوَدَّهْمُ دُعَىٰ شَجِيحٍ طَلِبُ مَحْصَدٍ

ترجمہ ۱۔ خدائے رحمن نے محمدؐ سے لڑنے والے اس گروہ پر لعنت کی ہے۔ جس کی رہنمائی بنی شجیح کی ہے۔ جان بن ثابتؓ کے بہت سے اشعار ہم معلوم کرتے ہیں کہ غزوہ بدر (۲ ہجری)، غزوہ احد (۳ ہجری)، غزوہ خندق (۵ ہجری) میں کہے گئے ہیں۔ ان کے بارے میں کسی کو بھی شک نہیں ہو سکتا۔ غزوہ بدر کے موقع پر ان کا شعر ہے ۲

اَمَّا مُحَمَّدٌ فَدَاؤُورٍ عَلِي الدُّعَاءِ فِي لُغَةِ الْحَرْبِ

واقف ابن محمد واصحابہ دَاؤُورٌ كُلُّ مَكْنَبٍ مَرْتَابٍ

ترجمہ ۱۔ محمدؐ ایک فائدہ مند ہے۔ جن کی امداد ان کے مددگاروں کے مقابلہ میں جنگ بھڑکانے میں کی ہے۔

الشیخ ابی نے محمدؐ ان کے ساتھیوں کی آنکھوں کو کھولا۔ اندر ہر رنگ کرنے والے کذاب کو ذلیل و خوار کیا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم محمدؐ صاف طور پر لایا گیا ہے۔ اسی طرح اسی قیس شخص ہی نے ایک قصیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں اپنے اسعار لانے کے ابتدائی مدد میں کہا تھا جس میں وہ کہتا ہے۔

قَالَيْتَ لَا أَدْرِي لِمَا مِنْ كَلَامٍ وَلَا مِنْ حَقٍّ تَلَا فِي مُحَمَّدٍ

مَتَى مَا تَلَا فِي عِنْدَ بَابِ ابْنِ هَاشِمٍ تَرَا حَقٍّ وَمَلَقَىٰ مِنْ فَوَاضِلِهِ مَدَىٰ

اَجْدَلْتُ لَمْ تَسْمَعْ رِصَالَةَ مُحَمَّدٍ نَبِيَّ الْاَلَاءِ حِينَ اَوْحَىٰ وَاشْهَدُ ا

ان اشعار میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی محمدؐ کا ذکر کیا ہے اس موقع پر ابوسفیانؓ نے اسے مدینہ جانے سے منع کر دیا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کہہ دینا نام محمدؐ معروف تھا اور آپؐ کی شہرت اسی نام سے عرب میں پھیل گئی تھی۔ اسی نے یہ قصیدہ صلح حدیبیہ کے زمانے میں کہا تھا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے پانچ سال قبل بھی اسم محمدؐ کے نام سے مشہور تھے۔

اسی طرح ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ابیہریرہؓ نے ایک شعر میں کہہ میں اسلام کی مشکلات کا ذکر کیا ہے۔ جس میں سرے خند کا ذکر ہے جو ساتویں ہجری میں واقع ہوا۔ اس میں وہ کہتا ہے ۳

صَدَّ وَدَّكُمْ حَمَّا يَقُولُ مُحَمَّدٌ وَكُفَّ بِهِ وَاللَّهِ سَاءَ وَشَاهِدُ

ترجمہ ۱۔ محمدؐ جو کہہ فرماتے ہیں تم لوگوں کو اس سے روکتے ہو اور اس سے انکار کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ دیکھتا ہے اور گواہ ہے یہ ایک

بڑی گواہی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم محمدؐ مکہ کے لوگوں میں ہجرت کے تین سال قبل مشہور تھا۔ ابوہریرہؓ غزوہ بدر میں کفار کی جانب سے شریک ہوا تھا۔ پھر ہشتر سو آدمی بنی قریظہ سے نبی علیہ السلام سے معافی مانگی اور آپؐ نے وہ گنہ فرما دیا۔ آپؐ نے اُس سے فرمایا کہ میں تجھے اس بات پر مجبور نہ کروں گا کہ تو آئندہ دشمنان اسلام سے لعنہ نہ کہے گا ابوہریرہؓ نے ایسا ہی وعدہ کیا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا جس میں وہ کہتا ہے ۔

الا بلعنا عفی النبی محمدؐ بآئذک حق والمہدیٰ حمید
فانت امرؤ کرم عوالی الشہید والمفتی علیک من اللہ المکرم شہید
ولکن اذا ذکرت بدلاً دأملہا نادب مابی حسقہ وقصور

ترجمہ۔ اے لوگو! یہاں محمدؐ کو پہنچا دو کہ آپؐ بلا شک حق پر ہیں اور جو لائق حمد و ثناء ہے۔ آپؐ اپنی شخصیت میں حمد و شہادت کی طرف بلاتی ہے۔ آپؐ اللہ رب العزت پر گواہ ہیں ۔

لیکن ایک بات ہے کہ جب مجھے بعد ازاں یہ یاد آتی ہے تو حسرت و ندامت کا جہم ٹوٹ پڑتا ہے ۔ یہ مکی سافق شاعر نبی علیہ السلام کا نام "محمدؐ" ۲ ہجری میں بولتا ہے کہ میں نے وہ اس کے سوا اور کوئی دوسرا نام آپؐ کا نہیں جانتا۔ یہاں شاعر کے کلام میں ایک اندکشتہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ اپنے نام "حسین" سے نکالا ہے۔ اس سے اشارہ ہے کہ نبیؐ کی ذات سے سمات سال قبل کہے گئے ہیں اس موقع پر مستشرق کی اس بات پر کمرسان بن ثابتؓ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لقب دیا تھا۔ عقل حیران رہ جاتی ہے کہ جو نام لوگوں کے یہاں غیر معروف رہا ہو، اس کی تشریح و توضیح ایسا اسم سے کی جاتی ہے جو معروف ہو۔
جب اس بن مرواس نے اس اشارہ پر اس طرح کہا ہے۔

حقاً اذا قال المرء رسول محمدؐ ابن سلیم قد وفیتہ فادفعوا

— اللہ —

حضرت حسان بن ثابتؓ نے کہا ہے

لنصنا وادینا النبی محمدؐ علی الفیاض من معدن و ما نعم

ترجمہ۔ ہم نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور انیس پناہ دی۔ راضی، مدد اور نعم کی ناراہی کے باوجود! چونکہ لفظ نبی اس موقع پر مشہور نہ تھا۔ اس لئے شاعر نے معروف نام محمدؐ کے ذکر سے توہین کر دی۔

یہ گونا گوں تاریخی دلائل ہیں۔ جن سے محض کریہ ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ ابتدا ہی سے رکھا گیا تھا۔ اس واضح معاملہ میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں۔ اگر مستشرقین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی دوسرا نام جانتے ہیں۔ تو انہیں چاہئے کہ دلائل کے ہمراہ پیش کریں تاکہ سچ، جھوٹ اور حق و باطل کے درمیان تمیز ہو سکے۔

(صفحہ ۹۹ م کا بقیہ)

پس طریقت چہیت اے دلائل و معانی شرح را دیدن یہ اعماق معانی

انتہال دین نہیں ہیں جلالک و حجت نہ کہے مالک تھے گرمیدانِ عمل میں کچھ کمزور تھے اس کا اعتراف خود انہوں نے بھی کیا ہے اور کہہ کر عمل کسے ہار ہوا مانگی ہے۔ شہنزی۔ پس ہر مایہ گرد۔ میں فرماتے ہیں ۔

نکیرن درہم دین چاکلہ چہیت قہم کردار سے نہ خاک من نہ دست
قیضہ ام را نیز تر گردوں کہ من منجھے دارم نروں از کوہ کن
مردم از خوشن کا نسیم برف نام زن کہ بد گوہر منم

اسرار احمدی (ایم۔ اے)

آدابِ مراسلہ نگاری

انسان تمدن بننے سے پہلے بھی مدنی الطبع تھا وہ اپنی فطرت کے اس قدمے بس اندک زندہ رہتا ہے کہ اگر ان باپ اس کی مسلسل کئی سال تک دیکھ بھال اور پرورش نہ کریں تو وہ زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ اسی وجہ سے ابتدائے آفرینش سے انسان کو خانگی زندگی ہی دلائی گئی ہے اور دوسرے جانداروں کی یہ کیفیت نہیں ہے ان کے بچے پیدا ہوتے ہی خود کفیل ہو جاتے ہیں یا بہت تھوڑے عرصے میں اپنی حفاظت کئے گئے، ان کے ہر جانے میں۔ اسی وجہ سے اکثر جانوروں کو گروہ اور قبیلے بنا کر زندگی گزارنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اس کے علاوہ انسانی زندگی کا اہمیت بھی خانی کائنات کے نزدیک کچھ زیادہ معلوم ہوتی ہے اس لئے اس کی زندگی کی حفاظت اور بقائے نسل کی ضمانت دوسرے جانوروں کی نسبت زیادہ کافی ہے۔ جان کی حفاظت کے لئے اس کو سب سے بڑی اور طاقت ور چیز عقل عطا کی گئی ہے جو دوسرے جانوروں کو نہیں ملی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کی اہمیت کو بہت عزت ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ابتدائے آفرینش میں انسان ایک دوسرے کو اشاروں سے مخاطب کرتا ہوگا۔ پھر کچھ بہ سنگم قسم کی آوازوں کو کام میں لایا گیا ہوگا اور آواز میں اشارے مل کر کام کرنے ہوں گے۔ غصہ، محبت، نفرت وغیرہ کے جذبات کو آواز کے انداز پر عطا اور اشاروں کی سختی و نرمی سے ظاہر کیا گیا ہوگا۔ لیکن جیسے جیسے انسان کی تہذیب و تمدن کا نشوونما ہوا اس کی زندگی میں پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔ اس کی ضرورت میں اضافہ ہوا۔ بعد و در بستانیاں آباد ہوئیں جہاں کہ اشارے اور آوازیں ابلاغ کے لئے کافی نہیں ہو سکتے تھے، چنانچہ ضرورت نے انسان کو ایک نئی ترکیب سمجھائی اور اس نے تعادیر بنا کر اپنے پیغام عزیزوں اور دوستوں کے پاس پہنچانا شروع کئے، اشاروں اور آوازوں کو انسان نے ایک قباحت یہ بھی محسوس کی کہ ہر بات ایسی نہیں ہوتی کہ اس کو سوائے مخاطب اصل کے کوئی دوسرا سمجھ لیکن اشاروں اور آوازوں کو ذریعہ پیغام رسانی بنانے سے ماز داری ممکن نہ تھی اس وجہ سے تعادیر کا فن ایجاد ہوا۔ تعادیر نے ایک طرحی دست گردنے کے بعد حرف پہنچانے کی صورت اختیار کر لی اور آہستہ آہستہ خبر کا ایک مستحق فن ایجاد ہوا۔

مندرجہ بالا گنا رسول سے ایک بات یہ ذرا میں آئی ہے کہ خطوط نویسی کا ایک بڑا مقصد ماز داری بھی تھا۔ انسان اپنی بعض باتوں کو صیغہ ماز میں رکھنا چاہتا ہے اور بلا کوئی بات اگر نہیں کر سکتا تو تحسیر کے ذریعے سے اپنے پیغام کو اپنے مخاطب تک بڑی آسانی اور حفاظت سے پہنچا سکتا ہے۔ یہ ماز داری کا داعیہ ہی دراصل خطوط نویسی کی جاں ہے، خط دراصل وہی ہے جس میں ایسی باتیں بیان کر دی گئی ہوں جو دوسروں کے لئے نہ ہوں بلکہ صرف مخاطب کے لئے ہی مخصوص ہوں، بلکہ ان کو دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ رکھنا ہی مقصد ہو اسی لئے مشرقی آداب میں خطوط کی ماز داری کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور جہاں مشرقی گھرانوں میں دوسرے اخلاقی سبق دئے جاتے ہیں۔ مثال ایک سبق یہ بھی ہوتا ہے کہ دوسروں کے خطوط بغیر اجازت کے پڑھنا منع ہے۔ چنانچہ اسلامی آداب معاشرت میں کسی کی بات کو چھپ کر سننا یا کسی کے ملاز کو فاش کرنا انتہائی قبیح فعل گناہاں گناہ ہے۔ لیکن آج کل کی معاشرت کے آداب میں ان اخلاقی اساسی قدروں کو تسلیم نہیں

یا ہمارا ادا ہے۔ آہستہ آہستہ لوگ ان قدموں کو نظر انداز کرتے جا رہے ہیں۔ ادا کا خیال ہے کہ ان کا لینا کچھ نہیں اس کا ہر پر فصل نام کا مال ہے اور عوام کو حق حاصل ہے کہ اس کا کوئی ملازمت نہ رہنے دیں۔ ادا اس کے ہر راز کو طشت از با م کریں۔ جہاں آج کل قدموں میں جسمانی عربانی پسند کی جاتی ہے وہاں ان کو رنگا رنگ دینا بھی ایک مستحسن فعل شمار کیا جاتا ہے۔ ہر حال پسند واپسند کے حصار بدلتے رہتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل سلیم عطا فرمائی ہے تو ہمیں چاہئے کہ ہم یہ سوچتے رہیں کہ کون سے معیار ہماری زندگی کے لئے مفید ہیں اور کون سے مبیہار مضر ہیں۔ بعض دلی کی خواہش اور نفس کے حکم کے پابند ہو کر نہ جائیں۔ میں یہاں اضافیت سے انکار کرتا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ اضافیت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی ان کو اچھائی اور ہلائی کے مابینے مفرد کے پستیم میں۔ اضافیت کے معنی مزاج اور ادا اخلاقی انداز کی کہ نہیں ہیں۔ قانون ادا اس کی پابندی تہذیب و تمدن کی علامت ہے، مزاج اور انداز کی وحشت کی۔ ہمیں خبر دشر کے پیمانے مقرر کرتے وقت اور کچھ نہیں تو کم از کم ادا دینے کا ہی خیال رکھنا چاہئے۔ یعنی جو چیز مجموعی حیثیت سے الہی زندگی کو بلندی، خیر اور سکون عطا کرنے والی ہو اس کو اپنا لیا جائے اور جو چیز الہی کو گھٹاتی، ذلت اور انتشار کی طرف لے جائے اس کو ترک کر دیا جائے۔ میرے خیال سے عربانی خواہ کسی قسم کی جو، ذہنی یا جسمانی الہی شرف کو مٹانے والی، اس کو ذلیل کرنے والی اور اس کی زندگی میں آنت ر پھیلانے والی چیز ہے۔ انسان نے لاکھوں سال کی زندگی میں تجربات حاصل کر کے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ عربانی بُری اور نقصان دہ چیز ہے۔ اس لیے ان کو چاندل کی سطح پر لے آئی ہے۔ یہ انسان اور جہان میں امتیاز پیدا کرنے والی ہے۔ راز داری اور پردہ پوشی الہی تمدن کی پیدوار ہے۔ اگر ہم خاص اذیت کی نظر سے اس مسئلے پر غور کریں تو یہ بات آسانی سے ہماری سمجھ میں آ جاتی ہے کہ عربانی میں بہت سی تباہیاں ہیں۔ جسمانی عربانی میں انسان کو مادی سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں۔ شرع و حیا کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔ اخلاقی اور عقلی انتشار پھیل جاتا ہے، ملائی فساد و قتل و غارت کا رواج پھین ہے۔ فانی سلیم پر بھی عربانی نزاع۔۔۔ گورتی ہے اگر یہ کہیں کہ انسان ہر چیز کا عادی ہو جاتا ہے تو کیا یہ اچھی بات ہے کہ انسان اپنے آپ کو ایسی چیزوں کا عادی بنائے جو ظہری طور پر اس کو بالکل حالہ بنا دیں۔ لباس انسان کی حفاظت ہی نہیں کرتا بلکہ اس کی زینت کا باعث بھی ہے۔ اس کے بہت سے عیوب کی بھی پردہ پوشی کرتا ہے۔ ننگے آدمی کا ہر عیب نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے اور ہمیں زندگی میں خوبصورتی کے اظہار اور پردہ پوشی کی اس لئے ضرورت ہے کہ ہم زندگی کو بے عیب اور خوب صورت ہی دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ نفاق اور عیوب سے فطری طور پر ہمیں کوفت اور کراہت محسوس ہوتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہر چیز ہمارے سامنے ایک اچھے عیار اور حسن صورت اور صحت اور صحت کا پیکر بن کر آئے تاکہ ہم اس کو محمود اور معیار سمجھ کر اس کی پیروی کریں۔ اپنے ذوق جمال کی تسکین کریں اور اگر ہر کے لباس عیار کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں۔ اگر ایک انسان جسمانی طور پر بد معیت، مکرر اور مکرر ہے لیکن وہ ہمارے سامنے آتا چاہتا ہے تو اس کو حق ہونا چاہئے کہ وہ ایسا کرے اس میں ہمارا بھی فائدہ ہے اس کا بھی۔ اپنے اس ادعا کے ساتھ وہ ایک تندرست اور خوب صورت اور خوش مزاج انسان کی سی حرکتیں کرے گا۔ اس میں خدا تعالیٰ پیدا ہو گئی اور اخلاقی طور پر اس کی زندگی پر بھی خوش گوار اثر پڑے گا اور دوسروں کی زندگی پر بھی۔

منہجہ بالاتمام بالحق کا اخلاق ذہنی عربانی پر بھی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے ذہن کی چند علامات کو پس پردہ رکھنا چاہتا ہے۔ خصوصاً وہ علامات جو تہذیبی اخلاقی اصول میں قابل اعتراض سمجھے جاتے ہیں تو ہمیں اس کا یہ حق چھین نہیں لینا چاہئے خصوصاً جب کہ وہ ہمارے دین اور ہمارے اپنے اور ہمارے ہوتے التزاموں کی تہذیب نہ رکھتا ہو یا ان کی تفسیر اس صرح نہ کر سکتا ہو جو اس کو لگاتے ہوئے التزاموں سے تبرک کر سکے۔ مرنے کے بعد کسی کے ذاتی خطوط لکے کر دینا خصوصاً جن کو وہ زندگی میں شائع کرنا

پسند نہ کرتا ہو بڑا ظلم ہے۔

ہیں ہر شخص کے ان خیالات کو عوام کے سامنے لانے کا اعلان کی باز پرس کرنے کا حق ہونا چاہیے۔ جو وقت سے فعل میں منتقل ہو کر کسی طرح بہار سے معاشرتی طرز پر اخلاقیات پر ہونے ہوں۔ یہی دنیا میں ہر جگہ قانون نافذ ہے جو خیالی اس میں ظاہر ہو اس پر کہیں دلوں گیر نہیں ہوتی۔ بڑے خیالی کا پیدا ہونا ہر شخص کے ذہن میں ممکن ہے۔ لیکن اچھے لوگ اس کو با دیتے ہیں اور نشوونما کی اجانت نہیں دیتے۔ ان کے پس میں اتنی ہی بات ہے اسی سے نیکی دہی کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بھی انہیں خیالات اور خواہشات پر دار و گیر کرتا ہے جو وقت سے فعل میں آجائیں اور معاشرے میں خرابی کا باعث بنیں۔ خطوط کا بھی معاملہ بڑی حد تک خیالات کا ہی ہے۔ ان کی مہارت بہت محدود ہے۔ بشرطیکہ ہم اس کے تعین کو خود تمام دنیا میں پھیلانے کی کوشش نہ کریں۔ تعجب ہے کہ ہم کسی کے خطوط پر غور نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اس نے یہ غیر اخلاقی بات لکھی لیکن غرض اس کی بدنام کرنے کے شوق میں اس حدود برائی کو غور محدود ہم خود بنا ڈالتے ہیں گویا پھر چھپاتے ہیں اور اتنی نگل جاتے ہیں۔ یہاں مثال کے طور پر میں مولانا شبلی کے خطوط کا ذکر کر دینا چاہتا ہوں کہ ساتھ یہ انتہائی ظلم کیا گیا ہے کہ اس وقت جبکہ وہ اس دنیا میں نہیں اور اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور نہیں بتا سکتے کہ انہوں نے کیا بات کس خیال خیال سے کہی کہ نہ کہ ایک ہی بات مختلف خیال کے تحت کہی جاسکتی ہے ہم نے ان کے بعض وہ خطوط شائع کر دیے جن کو شاید انہی زندگی میں شائع کرنا پسند نہ کرتے چند سالے پاسقی شہرت حاصل کرنے کے لئے یا اپنی شخصیت کی کوئی کمی جلدی کرنے کے لئے یا احساس کمتری کو دور کرنے کیلئے ہم نے عوام کے ناموں پر حملہ کرنا گوارا کر لیا۔ آخر ہم اپنے جسم کے بعض حصوں کو دھروں کی نظر کے سامنے نہیں لاتے تو ذہن کے بعض گوشوں کو چھپانے سے ہیں کیوں محروم کر دیا جائے۔ بلاشبہ اگر ہماری راز داری کسی بڑے فتنے کا باعث ہو رہی ہے تو معاہدہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو بر ملا ظاہر کیا جائے۔ لیکن شبلی کے چند خطوط کی بڑے معاشرتی یا اخلاقی فتنے کا سبب نہیں بن سکتے آگودہ اخلاقی فتنہ بن سکتے تھے تو اپنی اشاعت کی وجہ سے ہی بن سکتے تھے۔ تو جو کام شبلی نے نہیں کیا وہ ہم نے کر ڈالا۔ پہلے وہ خطوط ایک فالت تک محدود تھے اب ہم نے ان کو عالم گیر بنا دیا۔ دانائی اور تدبیر کا یہ کارنامہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ یقینی ان کے خطوط شائع کرنے جاتے لیکن وہ چند خطوط جو اخلاقی طور پر قابل اعتراض ہو سکتے ہیں ان کو شبلی کا ناموں سمجھ کر غلط انداز کر دیا جاتا تو کوئی بہت بڑا خاصہ قوم کے حصے میں نہ آ جاتا یا کوئی بہت بڑا ادبی ضیاع نہ ہو جاتا۔ شبلی کے تقدس کو مجروح کر کے ہم نے کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا یقیناً ایک مقدس شبلی ایک عاشق مزاج شبلی سے قوم کے لئے کہیں زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔ خواہ انہوں نے تقدس کا لباس ہی اٹھ لیا تھا لیکن ہمیں ان کے لباس سے کوئی تار نہ گر دینے کا حق نہیں تھا جب کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی تقدس کے دنگ میں ہی گوارنے کی کوشش کی تھی اس جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہم پر ان کی تقدس کی زندگی ہی نظر انداز ہو رہی تھی ان کی پس پردہ زندگی یا عاشق مزاجی قوم پر کسی قسم کا اثر نہیں ڈال رہی تھی اس لئے ہمیں ان کی اس دورنگی کی شکایت کرنے کا بھی کوئی حق نہیں تھا۔ اب ایک ادبی مکمل یہ وہ جانا کہ ہم انہوں کے خطوط کے شبلی کے کام کو صحیح طریقے سے نہیں سمجھ سکتے تھے، یہ خیال بھی ایک دم اند غلطی سے نیا وہ سبب نہیں تھا کہ انہوں نے کلام کو سمجھنے کے لئے اس سے استفادہ کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ لازمی طور پر یہ بھی معلوم کریں کہ اس نے الفاظ کے کیا معنی لئے ہیں یا کسی خاص جذبے کے تحت کوئی شعر مدوں کیا ہے۔ بلکہ ہم ان الفاظ سے جو معنی متبادہ رہتے ہیں انہوں نے لکھے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی شعر سے بہت سے معنی پیدا ہوں تو ہم اس کو پہلو وار شعر کہتے ہیں اور ہر معنی سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور کسی معنی کو یہ کہہ کر رو نہیں کر دیتے کہ شعر کا ان الفاظ سے یہ مطلب نہیں تھا۔ چنانچہ غالب کا کلام اس سطح میں اپنی خاص شہرت رکھتا ہے۔ اس کوئی شخص اس بات کے پیچھے نہیں پڑتا کہ غالب کا اس شعر سے کیا مطلب تھا اور کس جذبے کے تحت یہ شعر کہا گیا بلکہ جتنے مطالب بھی ایک شعر سے

نکلتے ہیں ان سے لطف اٹھایا جاتا ہے خواہ وہ معافی غالب کے کسی دوسرے دنگان میں نہ آئے ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہٹ عوا کا خاص جذبہ یا خاص مطلب ایک ناولی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی صرف اتنی اہمیت ہے کہ اگر معلوم ہو جائے کہ یہ متین ہو جاتا ہے کہ شاعر اپنے شعر کو خود کو طرح سمجھتا تھا اس بات کی اتنی اہمیت نہیں ہوتی چاہے کہ شاعر کو خاک میں ملا دیا جائے اور اس کی زندگی بھر کی کمی غایت کردی جائے ہر چیز کی ایک حد ہوتی چاہے ہر شے ہر شے اس کی کوشش کنی جائے کہ ہم یہ گھوڑ لگائیں کہ شاعر خود ایک شعر کہتے وقت کس جذبے سے کس قدر متاثر تھا۔ لیکن جس طرح ہم اپنے جسم کے کچھ حصوں کو بردے میں رکھتے ہیں اور کسی کے سامنے ان کو کھولنا پسند نہیں کرتے اور یہ ہمارا تہذیبی حق تسلیم کیا جاتا ہے اسی طرح ذہن کے بعض گوشوں کے متعلق بھی یہ حق تسلیم کیا جانا چاہیے کہ اگر ہم ان کو دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ رکھنا چاہیں تو ان کو محفوظ ہی رہنے دیا جائے خصوصاً ان لوگوں کے بارے میں جو ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے ہیں اور اپنا دفاع خود نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اگر شاعر کے خطوط عطیہ یکم کے نام اس قدر حاشیہ آرائی کے ساتھ نقل کئے جاتے ہیں کہ شاعر نے اپنے لکھنے کے بعد اس قدر حاشیہ آرائی نہ کی جاتی کہ ان کی باتا عدہ۔ "سمات معاشرہ" نقیضت کردی گئی تو ان کے اشعار خصوصاً فارسی غزلیات کے سمجھنے یا ان سے لطف اندوز ہونے میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوتی۔ الفاظ اور انداز ان کے معنی مرصعہ ہوتے۔ ان کی تاثیریں بھی کوئی کمی واقع نہ ہوتی۔ وہ اشعار بہر حال رنگین۔ جذبات آفرین اور پستائیں رکھتے جاتے اور بعض اپنے ظرف اور سہلے کے مطابق ان کو بھی پہنا دیتا۔ مراد سے لگائی کی ٹیکنیک میں دوسری اہم چیز سادگی اظہار ہے۔ بعض لوگوں نے صحیح طریقہ سے اس امر کا دعویٰ کیا ہے کہ خطبہ اظہار کی سادگی کا نقیض تہذیب کے ارتقاء سے بھی ہے۔ صرف خطوط کی عبارت میں ہی نہیں بلکہ دوسرے مطالب کے اظہار میں بھی تہذیب و تمدن کے ارتقاء کے ساتھ سادگی کا پیدا ہو جانا عام ہے۔ اگر ہم دنیا کی مختلف زبانوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہ بات آسانی سے معلوم ہو جائے گی کہ ہر زبان کے ادب میں شروع میں اس قدر سادگی نہیں ہوتی جس قدر کہ تہذیب و تمدن کی ترقی کے بعد پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہر ادب کا بھی شروع میں یہی طریقہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے اور نامور شعرا کے الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کچھ تو زبان پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے اندکچھ احساس کمتری کا شکار ہونے کی وجہ سے لیکن جب زبان پر بڑی قدرت حاصل ہو جاتی ہے اور خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے تو سادگی اظہار کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور پیچیدہ سے پیچیدہ سادگی کو بھی نہایت سادہ الفاظ اور سلیس عبارت میں ادا کرتا چلا جاتا ہے۔ خطوط میں خصوصاً سادگی ادا کی اس لئے بھی ضرورت ہوتی ہے کہ لکھنے والا ایک بے تکلف فضاء میں ایک دوست یا عزیز کو مخاطب کرتا ہے وہ بے تکلفی کا ماحول قدرتی طور پر اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ وہ اظہار و مطلب میں بے تکلف نہ ہو۔ علامہ اظہار الہی رضا کے لئے سازگار نہیں ہو سکتا۔ پھر خط کا ہر مخاطب تعلیم یافتہ اور مکمل ریس شخص نہیں ہو سکتا ہر وجہ اور ہر قابلیت کے شخص کو خط لکھنے پڑتے ہیں اس لئے عام طور پر درجہ ہی ہو جاتا ہے کہ اظہار میں سادگی پیدا کی جاتی اور لکھی بھی سادگی دل پڑنا وہ اثر انداز ہوتی ہے اور خطوط میں دو دلوں میں براہ راست ہر کسی جواب کے گفتگو ہوتی ہے اسی وجہ سے اثر انداز بھی خطوط لکھی کا ایک اہم اور فطری جزو تصور کی جاتی ہے۔ وہ خط خط نہیں جو حسب درخواست مخاطب کے دل پر اثر پیدا نہ کر سکے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ ہم یہاں جن خطوط کا ذکر کر رہے ہیں۔ وہ عام کاروباری خطوط نہیں ہیں جن میں کسی قسم کے جذبات کے اظہار کا شائبہ بھی نہیں ہوتا یہاں ہماری مراد انہیں خطوط سے جن میں کسی نہ کسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا گیا ہو۔ خواہ وہ کاروباری خطوط ہی کیوں نہ ہوں۔ ہر قسم کا خط اگر اس میں کسی جذبے کے اظہار کا موقع آگیا ہے تو ایسا خط ادب پاروں میں شہساز ہو سکتا ہے۔ اور قسم کے خطوط ادب میں اپنی مستقل جگہ محفوظ کر لیتے ہیں اور اگر کسی خط میں کسی جذبے کی کاروائی نہیں اور نہ طرز ادا میں کوئی دلکشی پیدا ہو سکی ہے تو ہم اس خط کو ادبی خطوط میں شمار نہیں کریں گے۔ خواہ وہ کتنے ہی بڑے آدمی کے خطوط کیوں نہ ہوں ان کی افادیت تاریخ یا کاروبار کے لحاظ سے بہت کچھ ہو سکتی ہے

لیکن ادب میں ان کو کوئی مقام حاصل نہیں ہو سکتا، ایک ادبی خط لکھنے کے لئے یہ فرد ہی نہیں ہے کہ کاتب ایک ادبی شخصیت ہی ہو ایک کام آدمی کا خط جذبات کی فراوانی، اظہار کی سادگی اور بے تکلفی کی وجہ سے ادبی خطوط میں شام ہو سکتا ہے اور ایک ادیب کا خط ادب کا درباری خط ادب کے دائرے سے خارج ہو سکتا ہے۔ ویسے عموماً ہوتا یہی ہے کہ عام آدمیوں کے بہترین خطوط بھی ضائع جاتے ہیں اور خاص کے بیکار خطوط بھی بڑی احتیاط اور طہراق سے شائع کر دئے جاتے ہیں صرف خواص کی نسبت سے ان کے خط میں خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے ادب تو خط "ہمارے ادب کی ایک مستقل صنف ہو گئی ہے، بلکہ بہت سے فاضل ادبا نے بھی اس کی شکل میں لکھے اور شائع کئے گئے ہیں اور اپنی جگہ بڑے کامیاب ہیں اس لئے یہ بحث چھوڑنا ضرور ہے کہ خط کو ادب میں شمار کیا جا سکتا ہے یا نہیں جیسا کہ بعض لوگ اکثر کہا کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا قرائل کے ساتھ خط ہمارے ادب کی ایک اعلیٰ صنف ہے جسے فنا انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ہمارے آندو خط نویسوں کے سامنے فارسی خطوط کے نمونے تھے۔ فارسی خطوط کی عبارت عام طور پر مسجع اور معنی ہوتی تھی طرز انتہائی پر تکلف۔ طریق القاب و آداب سے گرا تیار ہوتے تھے، چنانچہ اکثر لوگوں نے اس سلسلے میں فارسی کا نتیجہ کیا۔ لیکن فارسی خطوط بھی جہاں البرافض اور نصیحتی کے خطوط عالمانہ شان و شوکت کا مظاہرہ طرز اظہار اور بالآخر آمیز عبارت کے لئے بدنام ہیں وہاں عالم گیر اور رنگ زیب اور حضرت شیخ احمد مرشدی یعنی عبداللہ ثانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے خطوط سادگی اور بے تکلفی کی طرف مائل تھے۔ شاید اردو کے پہلے سادہ نویس مرزا غالب بہان و فاضل حضرت کی طرز نگارش کا اثر بڑا ہوگا۔ خصوصاً حضرت مجتبیٰ اپنے خطوط میں بڑی سادگی کا اظہار فرماتے ہیں۔ اکثر القاب و آداب بھی نہایت مختصر اور سادہ استعمال کئے ہیں۔ جس طرح غائب نے اپنے اردو خطوط میں اہتمام کیا ہے اسی طرح مجدد صاحب بھی اکثر القاب میں دو ایک لفظ ہی لکھ کر بڑی مہارت اصلی مطلب پر آ جاتے ہیں اور بڑی سادہ اور دلنشین عبارت میں اپنا مطلب ادا کرتے چلے جاتے ہیں اور خط کی خوبی بھی قرار باقی ہے کہ اس میں کسی قسم کے تکلفات کی گراں باری نہ ہو بلکہ خط لکھنے والا اپنی خوبیاں ادا کرنا یا ل بھی بلا تکلف بیان کر دے اس کے ذہن کے کسی گوشے پر بھی یہ خیال نہ ہو کہ اس کا راز فاش ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے لوگ عموماً اپنے خطوط میں اپنی ہر قسم کی خواہشات اور آرزوؤں کا بھی اظہار کر جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ خطوط میں بے تکلفی اور سادگی کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ خط پہلے سے تیار ہو کر نہیں لکھے جاتے نہ ان کا پہلے کوئی مسودہ تیار کیا جاتا ہے نہ ان کی اصلاح کی جاتی ہے بلکہ ہر شخص خط کو قسم پر داغ دے لکھتا ہے۔ اسی وجہ سے کسی شخص کی سوانح عبارت لکھنے کے معاملے میں خطوط کو معتبر ترین ذریعہ تسلیم کیا گیا ہے۔ کیونکہ خط کے ذریعے سے آپ کے دل کے تاریک ترین اور روشن ترین گوشہ ہر جھانک کر دیکھ سکتے ہیں اور اس کی مجموعی شخصیت کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ خطوط اس وجہ سے بھی لکھنے کی تاریخی دستاویز ثابت ہو سکتے ہیں کہ اس میں اہم قسم کے تاریخی واقعات کی طرف اہم اشارات مل جاتے ہیں۔ خصوصاً خط لکھنے والا اور خط کا مخاطب اگر تاریخی لحاظ سے اہم شخصیت کے مالک ہوں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خط کو طرے پر ایک تاریخی دستاویز بنایا جائے بلکہ تسلسلہ طرے پر اس قسم کے تاریخی اشارات خود بخود ان میں آ جاتے ہیں جن سے فائدہ اٹھا یا جا سکتا ہے اگر دانستہ اور شعری طور پر۔ اس میں تاریخی واقعات کو لکھا جائے تو وہ تاریخ ہوگی خطوط نہیں ہوں گے۔ تاریخ کے علاوہ کسی علمی موضوع کا شعری طور پر ان خطوط میں مل کر دینا بھی انہیں مہارت کے درجے سے گولیتا ہے اور وہ ایک علمی مقالے کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں چنانچہ اسی وجہ سے مولانا آزاد کے اخبار خضر و زعفران کے خطوط کو بعض لوگ خطوط کا درجہ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں کیونکہ ان میں بہت گراں بار اور نادر قسم کے مباحث کا شعری طور پر چھڑا گیا ہے اور اکثر یہ اس میں ہوتا ہے کہ باوجود مولانا اور اہل خال صاحب کے مولانا کی مولانا کی اس ضرورت تھا کہ ان کے خطوط

کسی مدفن پر شائع کئے جائیں گے اس کے علاوہ تجاویز تکلف اور آمد و بھی پائی جاتی ہے اسی ذیل میں ہدی انا دی کے کچھ خطوط غالب کے بعض مکاتیب اور تجاویز فقہری کے بہت سے خطوط آ جاتے ہیں۔ البتہ مشق لکھائی اور بروی عہد خلق کے خطوط اس عیب سے بری معلوم ہوتے ہیں۔

جیل قعدائی - مکتوب علی بن الحنفیہ کے مقدمے میں اس بارے میں لکھتے ہیں: "غالب کو اردو خط لکھنے کی خصوصاً - مراد کو مکالمہ بنا دینے والی خط لکھنے کا باقاعدہ آدم سمجھا جاتا ہے جس پر اس فن کا کمال ختم بھی ہو گیا مگر اہل نظر اس امر سے انکار بھی نہیں کر سکتے کہ ان کے بعض خطوط کی برستگی میں بھی اہتمام اور ادراک کا دخل پایا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ غالب نے خط لکھنے کی ایک فن کی حیثیت سے اختیار کیا تھا وہ اپنے اسباب کو خاص اہتمام سے خط لکھتے تھے انداز اپنی ہی طرز کی ان سے داد بھی طلب کرتے تھے، انہیں خط لکھتے وقت اس بات کا احساس رہتا تھا کہ وہ شائع کئے جائیں گے بلکہ انہوں نے خود اسباب سے سران کو جمع کیا تھا۔ ممکن ہے ان پر نظر ثانی بھی کی ہو اور بعد کے خط نویسوں مثلاً امسا کلام آنا اور دینار فقیر کی کے دل کو اس کی توقع ہی فضول ہے اس لئے کہ یہ دونوں ندرنگ اہتمام اور ادراک کے کام میں دینار نسبتاً نیا دور ان کے خطوط نہ مرا لے۔ جن حضرت کے نام خطوط میں وہ یا تو معدوم ہیں دینار کے یہاں یا مشکوک۔ خطوط کیا ہیں مختلف موضوعات پر مستقل مقالات یا قصائید میں جو شاید اپنے مخاطب کو مرعوب کرنے کے لئے لکھے گئے ہیں؟

جیل قعدائی صاحب کا تبصرہ قریٰ حذق صحیح معلوم ہوتا ہے، غالب کے خطوط اردو و فارسی انداز و تاریخ خطوط نویسی میں اہلیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ سادگی، بے تکلفی ان کا جو سرمہ ہے لیکن یہ دعویٰ کرنا مشکل ہے کہ انہیں اس بات کا احساس نہیں تھا کہ ان کے خطوط شائع کئے جائیں لیکن اس سے ان کی فنکاری کی عظمت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، یہ حقیقت ہے کہ ان کا ایجا و کردہ طرز انہیں پر ختم بھی ہو گیا اور آج تک کوئی ان کا تتبع بھی صحیح طریقے سے نہیں کر سکا کہ جس نے یہ بھی کہا ہے کہ طرز تحریر شخص کی اپنی مخصوص شخصیت کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے غالب کی شخصیت پہلو دار تھی۔ اس لئے غالب اپنے طرز کو اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ ان کی طراوت - ان کی دل سوزی، خلوص، شاعرانہ عظمت، تفکر، طبیعت کی مزدوری، دوستانہ طبیعت، بارے جہاں کا درد جگ میں سمیٹ لینے کی عادت، زبان پر قدرت، پیرزبانہ ذوق کے حاملے میں زبردست ریاض، یہ تمام باتیں کسی ایک شخص میں بیک وقت جمع ہو جانا محال سا ہو گیا ہے جس طرح شاعری میں غالب تمام شعرا پر چھائے ہیں۔ اسی طرح خطوط نویسی میں بھی آج تک کوئی ان کا مد مقابل پیدا نہیں ہو سکا۔ بقول سید عبداللہ کے "غالب نے اپنی ہمہ گیر شخصیت کا اثر بڑا گہرا ڈالا۔ اردو میں خدا لکھ کر میں بشر کا ایک الیہ نمود دیا جواب تک مغرور ہے۔ نشر میں غالب کا سرمایہ وہ خطوط میں جہاں انہوں نے اپنے دوستوں کو لکھے اور ہر مرزا کے قلم کا اجماع ہے کہ اس قبیل سوائے کے باوجود وہ اردو ادب میں ایک ایسا مقام حاصل کر گئے جو کسی دوسرے آدمی کو نہیں مل سکتا۔"

دراصل مرزا کے خطوط میں زندگی کا ایک خاص نقطہ نظر ہے جو ان کی عبارت اور خیالات میں جان ڈال دیتا ہے۔ مرزا زندگی کے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ انہوں نے زندگی کے بہت سے رنگ دیکھے تھے لیکن ان کی بآشام طبیعت ان کو چند جوئے ہی سمجھتی رہی وہ یہ نہیں ہو سکے کہ اندیشہ کی کا احساس ہی ان کی زندگی اور زندگی کے دل کا سبب بن گیا۔ ان کا شہرہ شعر وادب اس کے دل کی بات کی ترجمانی کرتا ہے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے

بہت نیکامی سے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

وہ ایک بچے سیما ہی ادھیپا ہی نادے کی طرح زندگی کی شکلات کا مقابلہ بھی کرتے رہے اور بقدر بہت لطافت اس کا رس بھی پھوڑتے

رہے انسان کی کوشش ہی رہی کہ ایک ایک قطرہ بخور گہی جاتی تھی کہ حد نہ جام بھی۔ بقول ان کے انھوں کو جنبش نہیں، انھوں میں تو دم ہے سچ رہنے والا بھی ساغر و مینا میرے آگے

مزدگی اس بے پناہ حوصلہ مند اور زندگی کی چاہت نے انہیں یہ بہت عطا کی کہ انہوں نے پوٹوں کو صرف برداشت ہی نہیں کیا بلکہ ان پر کھانا بھی کھانے لگا۔ اسی وقت برداشت کی بنا پر وہ اپنے اوپر بھی بٹتے رہے۔ اپنے اوپر بٹنے کے لئے معاف کے مجرم میں سکرانے کے لئے بڑا حوصلہ چاہتے اسیہ حوصلہ مزاکر حاصل تھا۔

زمانہ سخت کم آنا رہے بحال آمد
اگر ہم تو قوی زیادہ رکھتے ہیں

ایسے حوصلہ مند آدمی کی تحسیر میں زندگی شگفتگی اس بے خوفی نہ ہوگی تو میر کی تحسیر میں ہوگی۔

غالب ایک دقین نادے تھے، ان کی خاندانی زندگی کی سعادت محض آدائی تھی۔ اس زمانے کے دورِ سلطنت میں انجن آدائی گدیانت کا لازمہ تسلط دیتے تھے، اندکوش اس بات کی ہوتی تھی کہ محل کے اندر ہی تمام قسم کی دلچسپیاں ہر سہ ماہ میں ہر قسم کے آدمی کی صحبت میں میسر جاتے۔ اس کا بڑا اہتمام کیا جاتا تھا۔ اندکوش کی قد مالی پر دولت پانی کی طرح بہاؤ جاتی تھی غالب بھی زندگی بھر محض آدائی کی کوشش کرتے رہے لیکن اپنے معیار۔ اعلیٰ نہ کے مطابق انجن آدائی نہ کر سکے۔ اس جذبہ کی آواز بھی انہیں زندگی بھر ستانی رہی شروعات میں کسی نہ کسی طرح اس کا اہتمام کیا اور دوسروں کے دیر جا کر انجن آدائی کا لطف اٹھایا اور قسم کی صحبت میں بیٹھے رہے لیکن برصا پہ میں یہ چیز میسر نہ رہی۔ کچھ غصی کی وجہ سے اندکوش کو دلی کی وجہ سے توڑی مجلس آدائی پاکستان کا پڑا اور فسلایا

بے آدمی بجائے خدا کا بخشہ خیال
ہم انجن بیٹھے میں خلوت ہی کیوں نہ ہو

صرف بخشہ خیال ہونے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی تہمت پسند اس لئے کہ در طبیعت نے محض آدائی کے لئے ایک صدی ماہ بھی نکال لی اسیہ ماہ مارسل نگاری کی راہ ہے۔ آپ ہر طرح میں محض آدائی کا رنگ دیکھیں گے۔ تھوڑے ہانسی چھلپیں، ہنسنا، گنگنا، ان کے کانے، خلق جگت، بستی، محبت اور دلنوی کا اظہار، درستانہ وضع اور یوں کا اظہار، تواضع آنکس، غرض کہ ہر چیز میں صریح ظہور و ستور اور آستانوں کی محض میں ہو سکتا ہے وہ غالب کے خطوط میں موجود ہے۔

خطوط کے معاملہ میں غالب کی ایک بڑی خدمت یہ بھی شمار کی جاتی ہے کہ انہوں نے طویل قسم کے القاب و کباب کو ختم کر دیا وہ نہایت بے تکلفی سے خط کو شروع کرتے ہیں۔ وہ ان سے پہلے کی کئی سطروں میں حرف القاب چلا کرتے تھے، پھر کہیں جا کر اصل دعا شروع ہوتا تھا۔ وہ بھی تشبیہ، استعارہ، رعایت لفظی، بے جا کلفت اور مبالغہ میں مرنے ان تمام کلفات کو یک جنبش قلم ختم کر دیا وہ صرف "پرو و رشہ" "بندہ نواز" میر سے چاسکے میر میری وغیرہ کے القاب سے خط کو شروع کر کے براہ راست اظہار و دعا پڑھا کرتے ہیں ایک اور بڑی اہم چیز ہر مرزائے خطوط میں نظر آتی ہے وہ یہ کہ وہ ہمیشہ مخاطب کی عمر۔ اس کی افسانیاں اور پسند و ناپسند کا خیال رکھتے ہیں۔ وہ انتہائی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مخاطب کو کسی نہ کسی طرح خوش کریں۔ خود خواہ غم کے دیبا میں ڈوبے ہوئے ہوں لیکن کوشش یہی ہوتی کہ اپنی پلیٹ فی کا اثر مخاطب پر نہ پڑے چنانچہ اگر وہ مجبوری اظہار غم کرنا بھی پڑ جائے تو براہِ حق کہتے ہیں کہ مخاطب پر اس کا کم سے کم اثر پڑے۔ غم کی داستان کے ساتھ کوئی پھل کوئی لطیفہ شروع کر دیتے ہیں۔ خدا ہے اور غصے لگتے ہیں۔ اپنا مذاق اٹھانا شروع کر دیتے ہیں تاکہ غم کا بوجھ کم ہو جائے یہ دلنوی کہاں پائی جاتی ہے۔ حقا نہیں لکھتا تھا کہ غم کا بوجھ کم ہے پھر بوجھ سے بوجھ کی طرح، جہانوں سے جہانوں کی طرح اور دوسروں سے دوسروں کی طرح باتیں کرتے ہیں اسیہ باتیں واقعی باتیں ہی ہوتی ہیں۔ حالانکہ ہر نسل نے

میں یہ اصول تسلیم کیا گیا ہے کہ تحسیر کی زبان اور ہوتی ہے اور اس میں گفتگو کی زبان اور لیکن واقعی غالب نے مراسلے کو مکالمہ بنا کر دکھا دیا۔ تحسیر میں گھر لو بات چیت کا لطف پیدا کر دیا ایک اور بڑی پرفلطف اور اہم چیز میں مرزا منفیہ میں وہ ان کی خطوط میں مکالمہ تو ایسی ہے نہ ان سے پہلے نہ بعد میں کسی نے خطوط میں مکالمے لکھے۔ مکالمے انتہائی بے ساختہ اور دل چسپ ہیں۔ غزانت کی چاشنی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ غالب کا وہ خط جو انہوں پر مہدی کو ایک مکالمے کی صورت میں لکھا ہے بہت شہرہ ہے۔ کبھی کبھی مکتوب الیہ کو غالب فرض کر لیتے ہیں ان کے خطوط ذاتی واقعات سے پر ہیں۔ اگر کوئی چاہے ان سے ان کی پوری سوانح عمری مرتب کر سکتا ہے اور وہ حالات بھی لکھ گئے ہیں جو غالباً دوسرا اپنے بارے میں کبھی نہ لکھتا۔ خطوط ان کی زندگی کا آئینہ ہیں اور اس چیز کو خطوط نگاری میں خطوط کہا گیا ہے اس قسم کا خلوص بھی دوسری جگہ نہیں ملتا ہے اور خطوط نگاری میں غالب، شبلی، مولانا آزاد، مہدی اناری نیاز فخری زیادہ مشہور ہیں۔ علامہ اقبال اور مولوی عبدالحق صاحب کے خطوط بھی شائع ہوئے ہیں اور یہ دونوں حضرات بھی اس لحاظ سے بہت بڑی حیثیت کے مالک ہیں۔ سید سلیمان ندوی کے خطوط بھی اہتمام سے شائع ہوئے ہیں۔ مولانا مودودی کے خطوط کا مجموعہ بھی مکتبہ زندان کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور بہت سے لوگوں کے خطوط بھی شائع ہوئے ہیں اور مہدی ہیں لیکن میرے خیال میں خطوط نویسی کے بارے میں جو لوگ صاحب طرز کہے جاسکتے ہیں وہ غالب، شبلی، آزاد اور مہدی اناری کی ہیں۔ ان میں سے ہر شخص کی کوئی نہ کوئی ایسی خصوصیت ہے جو دوسرے میں نہیں ملتی یا نہ ملنے کے برابر ہے۔ مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد نے خطوط میں ایک نئی راہ نکالی ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ شاید ان کے مخاطب کو کبھی خط نہ پہنچ سکیں گے، انہوں نے خط لکھنے میں تمام خطوط میں عامانہ شان پائی جاتی ہے جسے بلند پایہ علمی مباحث کو خطوط میں چھپا کر دیا ہے اور ان پر فاضلہ بحث کی ہے طرز ادا بھی ایسے کم کا اختیار کیا ہے، حضرت مولانا کی زندگی محنت اور متغیر چینیزوں میں جی ہوئی ہے وہ ایک ہی وقت میں مصنف بھی ہیں، مقرر بھی ہیں، مفکر بھی ہیں، ادیب بھی ہیں اور ادیب بھی یعنی علوم میں تحسیر کے ساتھ عقلیات اور فلسفے کا ذوق بہت کم سمجھتا ہے۔ مولانا آزاد نے اپنی اسی جامعیت کا پورا پورا اظہار اپنے خطوط میں کر دیا ہے، انہوں نے فلسفے کے مسائل بھی چھیڑے ہیں، ادیب پر بھی سختی ڈالی ہے، دینی مسائل کو بھی سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ شعروں میں بھی ذکر کیا ہے، تاریخی واقعات بھی بیان کئے ہیں، سیاسی حالات کا بھی سراپہ ذکر کر دیا ہے، نظم و موسیقی پر بھی دل چسپ بحث کر ڈالی ہے۔ غرض کہ ان کے خطوط نیز نگہی موضوعات کی وجہ سے نوس قزح کی کسی کیفیت میں کتب میں ادب لطف یہ ہے کہ ہر موضوع کے لحاظ سے طرز ادا اور عبارت آرائی کا رنگ بھی بدل جاتا ہے۔ شعروں میں اور موسیقی کے بیان میں کچھ اور رنگ ہے۔ چھڑیا کی کہانی کا کچھ اور۔ تاریخ اور دینی مسائل کا کچھ اور۔

لیکن مولانا کی باقاعدہ موضوع پر لکھنے کی عادت نے ان کے خطوط میں مقالات کی کیفیت پیدا کر دی ہے وہ خطوط برائے نام لگتے ہیں۔ انہیں خط نامہ مقالات کہا جائے تو کیا وہ موزوں ہوگا۔ چنانچہ بعض لوگ ان کے خطوط کو مقالات ہی کہتے ہیں خطوط کی سی بے تکلفی سا دگ اور احساس زائداری مولانا کے یہاں بالکل مفقود ہے بالکل ایسی کیفیت نیاز کے خطوط کی بھی ہے لیکن غالب، مہدی اور مولانا بقی کے خطوط میں بینشوں خرابیاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ خطوط نویسی کے دوران میں اگر یہ خیال آجائے کہ کیا لکھنا ہے اور کیا نہیں لکھنا تو خلوص بے تکلفی اور سادگی کی نصیحت پائی نہیں رہتی۔ اظہار میں یگانگت نہیں رہتی البتہ یہ عہد اللہ کے ”رنگ آشنائی“ محدود ہوتا ہے، مولانا آزاد خود ایک خط میں لکھتے ہیں ”میری دکان سخن میں ایک طرح کی جنس نہیں رہتی لیکن آپ کے لئے کچھ نکالتا ہوں تو احتیاط کی جھلکی میں اچھی طرح سجان لیا کرتا ہوں کہ کسی طرح کی سیاسی حادثہ باقی نہ رہے“

مولانا آزاد کے خطوط کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ عبارت میں اشعار جگہ جگہ استعمال کرتے ہیں خطوط کی بے تکلف فضا

اس قدر اشعار کی گراں ہاری کہ برداشت نہیں کر پاتی اہل کثرت آدمی شان پیدا ہو جاتی ہے اور آدمی کا رنگ خط کے لئے بالکل مناسب نہیں ہے، اس میں تنگ نہیں کہ اشعار صحت اور برحق استعمال کئے گئے ہیں اور ہلات خود ہرے اعلیٰ معیار کے اشعار ہیں، حمایت میں نگینوں کی طرح برہنہ ہیں اور عبارت میں رنگینی و لطف و دبلا کر دیتے ہیں لیکن یہ طرز ایک ادبی مضمت کے لئے زیادہ موزوں اور خطوط کے لئے کم مناسب ہے اس طرز پر اہل خاں صاحب نے جس طرح تبصرہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے نثر میں شاعری کا رنگ بھرنے کی کوشش کی ہے مگر خطوط کی عبارت نثر کم ہے شاعری زیادہ ہے۔ مولانا کی اپنی عبارت کے لحاظ سے بھی اور اشعار کی کثرت کے لحاظ سے بھی لکھتے ہیں اور انہوں نے نثر میں شاعری کی ہے اور اس مطلب کو ادا کیا ہے اس طرح کیا ہے کہ جدت و تکرار نقش آسانی کو ہی ہے اور صحت و قیاس رنگ و روغن بھر رہی ہے۔ اجتہاد و فکر و گوشے میں وہ طرز عام سے اپنی دلکش الگ رکھیں گے۔ انہوں نے جس وقت سے نظم یا شعر میں منجھلا ہے ہمیشہ پیش رو اور صاحب اسلوب ہے یہی بغیر کسی انتہام اور کاوش کے قلم برداشتہ لکھتے گئے ہیں لیکن قدرت بیان ہے جو بے ساختگی میں بھری چلی آتی ہے اور کاوش و فکر ہے جو اندیشہ سے زیادہ ہنسی اور مسخورتی رہتی ہے۔ طرافت ہے تو وہ اپنی بے داغ لطافت رکھتی ہے واقعہ نگاری ہے تو اس کی نقش آسانی کا جواب نہیں فکس کا پیمانہ ہر جگہ بلند اور نظر کا معیار ہر جگہ اچھوت ہے۔ اہل خاں صاحب کی مندرجہ بالا عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف نے بھی تبصرے میں شاعری ہی کی ہے اور عبارت خاطر کے رنگ کو اپنانے کی کوشش فرمائی ہے وہ عبارت خاطر میں طرافت کی بے داغ لطافت کے اظہار کا حرف ایک ادھ مقام پر موقوف کیا ہے وہ بھی سرا ہے۔ چڑیا چڑے کی کہانی میں چند فقرے ناگہانی نکل گئے ہیں یا پندت نہرو و بیرو کا جین میں ذکر کرتے ہوئے کچھ فقرے چست ہو گئے ہیں، پھر خیالی میں ان کی اہمیت اتنی نہیں کہ مولانا آزاد کی تحریروں میں طرافت کا مستقل رنگ تلاش کیا جائے۔ طرافت مولانا کے مزاج سے بالکل مناسب نہیں رکھتی۔

مولانا شاعری کے خطوط کو بھی ان وزن میں بہت شہرت حاصل ہوئی ہے اور یہ شہرت خصوصاً ان خطوط کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے جو انہوں نے عطیہ رضی کو لکھے تھے۔ مولانا کے خطوط ٹیکنیک کے لحاظ سے غالب کے بعد بہترین خطوط شمار کئے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ ان میں اکثر دل کی بات بلا کسی دہمی تحفظات کے کہہ دی گئی ہے۔ جو بات دل میں ہوتی ہے مولانا بلا کم و کاست اس کو نوک و نمک سے کہہ دیتے ہیں اور یہی خلوص و صداقت خطوط کی ٹیکنیک کی جان ہے۔ یہ صداقت مرزا غالب کے یہاں بھی موجود ہے اور یہی الٹا ادبی کے خطوط میں بھی۔ مولانا آزاد اور نیاز فتح پوری کے خطوط اس سے محروم ہیں۔ مولانا، عطیہ بیگم کو خطوط لکھتے وقت ایسی باتیں بھی لکھ گئے ہیں جن کو آسانی سے ان کے زہر و دروغ کے خلاف استعمال کیا جاسکتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اپنے مخاطب کی خاندانی شرافت اور وجاہت کی وجہ سے یہ پورا اعتماد تھا کہ ان کو خطوط کو کسی شائع نہیں کیا جائے گا اور اس لحاظ سے ان کے خطوط تمام مشہور خط نویسوں سے اہمیت میں بڑھ گئے ہیں۔ کیونکہ غالب اور مہدی حسن کو بھی کچھ عرصے کے بعد یہ احساس ہو گیا تھا کہ ان کے خطوط کی تصدیق جاری ہے اور بڑا امکان ہے کہ ان کے خطوط کو شائع کر دیا جائے لیکن مولانا کو یقین تھا کہ کم از کم عطیہ بیگم دے خطوط ہرگز شائع نہیں ہوں گے۔ ان خطوط میں مولانا ایسی باتیں بھی لکھ گئے ہیں کہ وہ لوگوں نے خوب برا ہی اور اپنی ادبی شہرت کا زہر نہ بنا لیا۔ چنانچہ چند حضرات نے ان خطوط کو طرح طرح سے استعمال کیا۔ کسی نے ان خطوط کی روشنی میں عشیہ انسان تصنیف کیا۔ کسی نے مولانا کی نازی غزلوں کی ترقیہ ان خطوط کے ذریعے سے کی اور خطوط اور غزلیات میں تاریخی نقطہ نظر کی پیدائش کی کوشش کی تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ مولانا کے خطوط ہی عطیہ بیگم کے لئے نہیں بلکہ غزلیات بھی عطیہ بیگم کے لئے ہی لکھی گئی تھیں۔ مگر میں جیسا کہ اس مضمت میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ ان حضرات سے اختلاف کرتا ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ نہ تو یہ خطوط عشیہ خطوط تھے اور نہ مولانا کی نازی غزلیات کسی ذات کو سنائے رکھ کر کہی گئی تھیں۔ دراصل اس بارے میں بہت زیادہ مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ مولانا فطری طور پر عزم مزاج اور لغات پسند قسم کے

آدی تھے۔ انہیں صرف فارسی ادب سے ہی نہیں بلکہ ایرانی تہذیب و تمدن سے بھی بڑا لگاؤ تھا۔ امدان کے زمانے میں ہندوستانی معاشرت پر ایرانی تمدن کی چھاپ کافی گہری تھی خطوط تک اکثر فارسی میں لکھے جاتے تھے۔ سیکڑوں سال کا افرا یک ساتھ توڑنا ہونے لگا تھا۔ اسی حقیقت یہ ہے کہ وہاں آج تک بڑی حد تک باقی ہے۔ ایرانی مزاج میں مبالغہ آرائی ایک جزو لاینفک ہے اس کے علاوہ ان کے یہاں عام دستوں اور شہنشاہوں سے مخاطب اسی طرح کیا جاتا ہے جس طرح ہم کسی محبوب کو مخاطب کرتے ہیں۔ مثلاً ہمارے یہاں میری جان ایک مبتذل قسم کا مخاطب ہے اور ہم عام طور پر استعمال نہیں کرتے۔ ہمارے بے تکلف دوستوں میں شاید بھی استعمال ہو جائے لیکن چھوٹوں کو خصوصاً جوانوں کو ہم ان الفاظ سے کبھی مخاطب نہیں کریں گے۔ لیکن ایران میں یہ مخاطب بالکل عام ہے اور سب کے لئے مرواج و عادت میں کوئی امتیاز نہیں۔ اسی طرح دوسرے عاشقانہ الفاظ ایرانی ادب اور ایرانی گفتگو میں عام طور پر بلا تکلف استعمال کئے جاتے ہیں اسی بات صرف چند الفاظ تک محدود نہیں بلکہ کلام کے عام لہجے اور عام تعلقات میں بھی یہ رنگ پایا جاتا ہے۔ مولانا شبلی نے اپنے خطوط اداسی غزلیات میں اسی رنگ کو اختیار کیا ہے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ عطیہ بیگم کے گھرانے میں زندگی ایرانی تہذیب کی سطح پر ہی گذاری جاتی تھی۔ بس لے مولانا شبلی نے وہی طرز مخاطب اختیار کیا اور عام تعلقات میں بھی اسی رنگ کو غالب رکھا اور ایرانی تہذیب اس کے طرز مخاطب۔ ایرانی ادب کے لہجے وغیرہ سے مولانا کے متعلق افسانہ طرازی کرنے والے مجھ سے کہیں زیادہ جانتے ہیں۔ لیکن میں حسن ظن سے کام لیں تو یہی کہہ سکتا ہوں ان لوگوں نے ایک شاعرانہ تخلیق خاطر کو خالص ہنس انگیز دماغ بنا دیا۔

اب چند باتیں مہدی حسن آدھی کے خطوط کے متعلق عرض کر کے میں اسی مضمون کو ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ مہدی حسن مرحوم اپنی طرز نگارش میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں وہ طبعاً بڑے نازک مزاج، نفاست پسند، رنگین طبع اور دوست نواز قسم کے آدمی تھے، وہ عادتاً دوم درجے کی چیز پسند نہیں کرتے تھے، ان کا مذاق سلیم ان کو ہر جزائل درجے کی منتخب کہنے پر مجبور کرتا تھا چنانچہ ان کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لباس اور غذا کے معاملے میں بھی معیار ہمیشہ بلند رکھتے تھے۔ کتابوں کے معاملے میں بھی ان کی پسند اونچی تھی۔ ہمیشہ کشش کرنے کا اعلیٰ قسم کی طباعت والا ایڈیشن خریدیں۔ یہی بلند معیار انہوں نے اپنی تحریروں میں بھی برقرار رکھا ہے اور اس نفاست طبع کا سب سے زیادہ اظہار ان کے خطوط میں ہوتا ہے۔ ان ذات مہدی کی عبارت میں بھی الفاظ کا انتخاب اس قدر اعلیٰ اور بے حس نہیں ہے جتنا کہ ان کے خطوط میں نظر آتا ہے ان کے خطوط مینیک کی نگہ بیا تمام شرائط کو روا کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ وہ خطوط بہت سوجھ بوجھ کر بڑی احتیاط اور بڑے اہتمام سے لکھتے تھے۔ لیکن یہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ ان خطوط کو شائع کرنا چاہتے تھے بلکہ عادتاً وہ محتاط تھے اور چاہتے تھے کہ اندھیزوں کی طرح ان کے خطوط بھی اول درجے کے ہوں۔ وہ خط لکھنے میں بڑی کاوش سے کام لیتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اس اہتمام اور کاوش کی وجہ سے ان کے خطوط میں اکثر آزاد واد نصیح کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن کہاں یہ ہے کہ باوجود نصیح کے احساس کے ناری کی دل چسپی میں کمی نہیں ہوتی۔ ان کی طرز نگارش اور اسلوب نگارش پر بقاری کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور اس وجہ سے ان کے خطوط میں رنگ آسانی کی نمود موجود رہتی ہے۔ کسی جگہ جگہ لکھی کا احساس نہیں ہوتا۔

مہدی حسن مرحوم بڑے رنگین طبع آدمی تھے۔ ان کی طبیعت کی رنگینی جا بجا ان کے خطوط میں چھلکتی ہے۔ صنف نازک سے انہیں خاص شغف تھا۔ اپنے خطوط میں طرز طرز سے انکا ذکر کرتے ہیں اور بڑے دلہانہ انداز میں کہتے ہیں جس طرح دریا حق خیر آبادی اپنے اشعار میں شراب کا ذکر نہیں کر کے تھیں اور ایک گونہ بے غدی ان پر طاری ہو جاتی ہے یہی حال مہدی حسن کا جس لطیف کے بارے میں ہے کبھی کبھی وہ اس جنس کا ذکر بعض مزاح پر یا کرنے کے لئے بھی کرتے جاتے ہیں لیکن یہ بات مسلم ہے کہ مرحوم آزاد مزاج باغیض صبح الہی نہیں تھے۔ ان کے خطوط کے مخاطب اکثر ان کے ہم عصر اہل قلم تھے جن میں سید سلیمان ندوی، مولانا آزاد، مولانا جالندھری

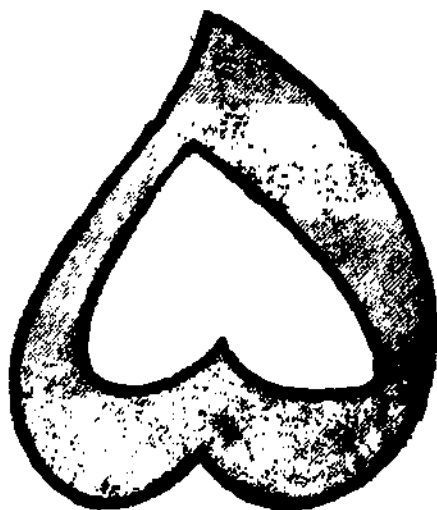
خان شیرداری، مولانا عبدالحمید دہلوی، مولانا شبلی نعمانی وغیرہ سر فہرست ہیں۔

یہ سب لوگ باوجود اپنی ثقاہت اور وجاہت کے ہمدی حسن کی تشریح طبعی کو خذال پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔ وہ ان لوگوں کے متعلق بعض افواہات ناگفتی کہ جاتے تھے جس کی کوئی دوسرا شخص جرات نہیں کر سکتا تھا۔ مثلاً یہ سلیمان ندوی نے دوسری شادی کی تو سب رائے، ہمدی حسن کو شراست سوجھی تو مبارک باد کے خط میں ایسی بات لکھ دی جو کوئی دوسرا شخص لکھنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ لکھتے ہیں:۔ جس کو دوسروں کی اصطلاح میں بستر شکن مہنا تھا وہ اپنی۔۔۔ کمزوری کی وجہ سے شکوہ بستر لگا۔ اشاروں و کنایوں کے چوہے میں ناگفتی کہ جانا اس میں مزاج پیدا کر دینا امدانگار نہ ہونے دینا یہ ہمدی حسن کا ہی کمال تھا کسی دوسرے کو یہ خوبی میسر نہ آئی۔ ایک دوسرے خط میں انہیں لکھتے ہیں کہ میں سے ایک کو اس سے زیادہ عریان فقرہ لکھ گئے ہیں۔۔۔ عورت لذت آشنائیاں کر دیا لکھ رہا جاتی ہے۔ ان کی رنگین طبعی کا اثر ان کے خطوط کے معانی اور خیالات پر بھی نہیں بڑا بلکہ ان کا تحسینا اسلوب عبارت بھی اس سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ ان کے خطوط کی عبارت اپنی رنگینی دلی آویزی۔ روانی اور نرم آفرین میں غزل کی زبان معلوم ہوتے ہیں۔ مرحوم کو مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ اگرچہ تحصیلدار تھے لیکن لکھنے پڑھنے کے لئے ہمیشہ وقت نکال لیا کرتے تھے۔ مطالعہ بہت وسیع تھا، اور کتب بینی ان کا سب سے زیادہ دلچسپ مشغلہ تھا، مضمون نگاری سے انہیں بڑا شغف تھا اپنے دوستوں کو وہ مضامین اور کتابیں لکھتے یا بجاتے اور شوق دلاتے، یہاں تک کہ۔۔۔ موضوع۔۔۔ کا انتخاب کہہ کیجئے اچھے مضامین کی داد دینا ہمدی اداوی کو غلغلہ سے بھی خاص لگاؤ تھا اپنے خطوط میں وہ فلسفیانہ مضامین پھیر کر، نظائر اور تعقل کی فصاحت پیدا کر دیتے ہیں مگر خطوط نگاری کی تکنیک میں فرق نہیں آنے دیتے۔

تشکیلی۔ موسم گرما کی شدت اور پیش میں کمی کرنیوالی دوا

موسم گرما کی شدت، تپش، و حرپا و لوگی ایذا رسانی ناقابل شدت تکالیف کی بنیاد ہے سوائے چند پہاڑی علاقوں کے یہ تکلیف ایسی ہے کہ نہ کھانے کا خرہ نہ پینے کا لطف۔ البتہ چاہتا ہے کہ کسی سرد خانے میں گھسا آئے۔

یاس کی شدت اس موسم کا سب سے بڑا دکھ ہے سیرن پانی پی جائیے طبیعت سیری ہوئی اس موسم میں جسم بگڑی دانے خارش اٹھیں یا زیادہ لکھتی ہیں گویا کسی پہلو میں نصیب نہیں ہوتا۔ موسم گرما کی ان تکالیف کے پیش نظر ادارے یوں تھے قربات کے بعد ایک دوا ایجاد کی جس کا نام تشکیلی ہے، بلاشبہ تشکیلی موسم گرما کی سیرن کا سامان پیدا کرتی ہے دل کی دھڑکن اور خلج کو اعتدال پر لیتی ہے، جگر کا گرمی کا ازالہ کر کے اعتدال مزاج کا سبب بنتی ہے یاس سیرن سے زیادہ نہیں بڑھتی سیرن ادب یا پانی پی کر کھڑے رہتے ہیں اس سے معذہ زیادہ نہیں بڑھتا، منجم کا نظام صحیح طریقہ سے فراغت انجام دیتا ہے تشکیلی، موسم گرما کی شدت میں لیکن کا باعث بنتی ہے گرمی کے خوش دیمان کو اعتدال پر لکھتی ہے اور یاس اعتدال کو سیرن اور اعتدال کو مزاج کا اعتدال پر لکھتی ہے اور گرمی کی برقی بھائی ہے تشکیلی موسم گرما میں ایک لذت و خوشوقت تکالیف بجات بختی ہے تشکیلی اپنی طبیعتی راحت کا باعث ہے چونکہ تشکیلی کی ہر گرمی موسم گرما کے دوران متعلق ضرورت دیتی ہے دن میں تین چار بار اس کی دوا دیکھ کر طبیعت میں گھٹتی ہے۔ ۱۰، ۱۵، ۲۰، ۲۵، ۳۰، ۳۵، ۴۰، ۴۵، ۵۰، ۵۵، ۶۰، ۶۵، ۷۰، ۷۵، ۸۰، ۸۵، ۹۰، ۹۵، ۱۰۰، ۱۰۵، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۲۰، ۱۲۵، ۱۳۰، ۱۳۵، ۱۴۰، ۱۴۵، ۱۵۰، ۱۵۵، ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۷۰، ۱۷۵، ۱۸۰، ۱۸۵، ۱۹۰، ۱۹۵، ۲۰۰، ۲۰۵، ۲۱۰، ۲۱۵، ۲۲۰، ۲۲۵، ۲۳۰، ۲۳۵، ۲۴۰، ۲۴۵، ۲۵۰، ۲۵۵، ۲۶۰، ۲۶۵، ۲۷۰، ۲۷۵، ۲۸۰، ۲۸۵، ۲۹۰، ۲۹۵، ۳۰۰، ۳۰۵، ۳۱۰، ۳۱۵، ۳۲۰، ۳۲۵، ۳۳۰، ۳۳۵، ۳۴۰، ۳۴۵، ۳۵۰، ۳۵۵، ۳۶۰، ۳۶۵، ۳۷۰، ۳۷۵، ۳۸۰، ۳۸۵، ۳۹۰، ۳۹۵، ۴۰۰، ۴۰۵، ۴۱۰، ۴۱۵، ۴۲۰، ۴۲۵، ۴۳۰، ۴۳۵، ۴۴۰، ۴۴۵، ۴۵۰، ۴۵۵، ۴۶۰، ۴۶۵، ۴۷۰، ۴۷۵، ۴۸۰، ۴۸۵، ۴۹۰، ۴۹۵، ۵۰۰، ۵۰۵، ۵۱۰، ۵۱۵، ۵۲۰، ۵۲۵، ۵۳۰، ۵۳۵، ۵۴۰، ۵۴۵، ۵۵۰، ۵۵۵، ۵۶۰، ۵۶۵، ۵۷۰، ۵۷۵، ۵۸۰، ۵۸۵، ۵۹۰، ۵۹۵، ۶۰۰، ۶۰۵، ۶۱۰، ۶۱۵، ۶۲۰، ۶۲۵، ۶۳۰، ۶۳۵، ۶۴۰، ۶۴۵، ۶۵۰، ۶۵۵، ۶۶۰، ۶۶۵، ۶۷۰، ۶۷۵، ۶۸۰، ۶۸۵، ۶۹۰، ۶۹۵، ۷۰۰، ۷۰۵، ۷۱۰، ۷۱۵، ۷۲۰، ۷۲۵، ۷۳۰، ۷۳۵، ۷۴۰، ۷۴۵، ۷۵۰، ۷۵۵، ۷۶۰، ۷۶۵، ۷۷۰، ۷۷۵، ۷۸۰، ۷۸۵، ۷۹۰، ۷۹۵، ۸۰۰، ۸۰۵، ۸۱۰، ۸۱۵، ۸۲۰، ۸۲۵، ۸۳۰، ۸۳۵، ۸۴۰، ۸۴۵، ۸۵۰، ۸۵۵، ۸۶۰، ۸۶۵، ۸۷۰، ۸۷۵، ۸۸۰، ۸۸۵، ۸۹۰، ۸۹۵، ۹۰۰، ۹۰۵، ۹۱۰، ۹۱۵، ۹۲۰، ۹۲۵، ۹۳۰، ۹۳۵، ۹۴۰، ۹۴۵، ۹۵۰، ۹۵۵، ۹۶۰، ۹۶۵، ۹۷۰، ۹۷۵، ۹۸۰، ۹۸۵، ۹۹۰، ۹۹۵، ۱۰۰۰، ۱۰۰۵، ۱۰۱۰، ۱۰۱۵، ۱۰۲۰، ۱۰۲۵، ۱۰۳۰، ۱۰۳۵، ۱۰۴۰، ۱۰۴۵، ۱۰۵۰، ۱۰۵۵، ۱۰۶۰، ۱۰۶۵، ۱۰۷۰، ۱۰۷۵، ۱۰۸۰، ۱۰۸۵، ۱۰۹۰، ۱۰۹۵، ۱۱۰۰، ۱۱۰۵، ۱۱۱۰، ۱۱۱۵، ۱۱۲۰، ۱۱۲۵، ۱۱۳۰، ۱۱۳۵، ۱۱۴۰، ۱۱۴۵، ۱۱۵۰، ۱۱۵۵، ۱۱۶۰، ۱۱۶۵، ۱۱۷۰، ۱۱۷۵، ۱۱۸۰، ۱۱۸۵، ۱۱۹۰، ۱۱۹۵، ۱۲۰۰، ۱۲۰۵، ۱۲۱۰، ۱۲۱۵، ۱۲۲۰، ۱۲۲۵، ۱۲۳۰، ۱۲۳۵، ۱۲۴۰، ۱۲۴۵، ۱۲۵۰، ۱۲۵۵، ۱۲۶۰، ۱۲۶۵، ۱۲۷۰، ۱۲۷۵، ۱۲۸۰، ۱۲۸۵، ۱۲۹۰، ۱۲۹۵، ۱۳۰۰، ۱۳۰۵، ۱۳۱۰، ۱۳۱۵، ۱۳۲۰، ۱۳۲۵، ۱۳۳۰، ۱۳۳۵، ۱۳۴۰، ۱۳۴۵، ۱۳۵۰، ۱۳۵۵، ۱۳۶۰، ۱۳۶۵، ۱۳۷۰، ۱۳۷۵، ۱۳۸۰، ۱۳۸۵، ۱۳۹۰، ۱۳۹۵، ۱۴۰۰، ۱۴۰۵، ۱۴۱۰، ۱۴۱۵، ۱۴۲۰، ۱۴۲۵، ۱۴۳۰، ۱۴۳۵، ۱۴۴۰، ۱۴۴۵، ۱۴۵۰، ۱۴۵۵، ۱۴۶۰، ۱۴۶۵، ۱۴۷۰، ۱۴۷۵، ۱۴۸۰، ۱۴۸۵، ۱۴۹۰، ۱۴۹۵، ۱۵۰۰، ۱۵۰۵، ۱۵۱۰، ۱۵۱۵، ۱۵۲۰، ۱۵۲۵، ۱۵۳۰، ۱۵۳۵، ۱۵۴۰، ۱۵۴۵، ۱۵۵۰، ۱۵۵۵، ۱۵۶۰، ۱۵۶۵، ۱۵۷۰، ۱۵۷۵، ۱۵۸۰، ۱۵۸۵، ۱۵۹۰، ۱۵۹۵، ۱۶۰۰، ۱۶۰۵، ۱۶۱۰، ۱۶۱۵، ۱۶۲۰، ۱۶۲۵، ۱۶۳۰، ۱۶۳۵، ۱۶۴۰، ۱۶۴۵، ۱۶۵۰، ۱۶۵۵، ۱۶۶۰، ۱۶۶۵، ۱۶۷۰، ۱۶۷۵، ۱۶۸۰، ۱۶۸۵، ۱۶۹۰، ۱۶۹۵، ۱۷۰۰، ۱۷۰۵، ۱۷۱۰، ۱۷۱۵، ۱۷۲۰، ۱۷۲۵، ۱۷۳۰، ۱۷۳۵، ۱۷۴۰، ۱۷۴۵، ۱۷۵۰، ۱۷۵۵، ۱۷۶۰، ۱۷۶۵، ۱۷۷۰، ۱۷۷۵، ۱۷۸۰، ۱۷۸۵، ۱۷۹۰، ۱۷۹۵، ۱۸۰۰، ۱۸۰۵، ۱۸۱۰، ۱۸۱۵، ۱۸۲۰، ۱۸۲۵، ۱۸۳۰، ۱۸۳۵، ۱۸۴۰، ۱۸۴۵، ۱۸۵۰، ۱۸۵۵، ۱۸۶۰، ۱۸۶۵، ۱۸۷۰، ۱۸۷۵، ۱۸۸۰، ۱۸۸۵، ۱۸۹۰، ۱۸۹۵، ۱۹۰۰، ۱۹۰۵، ۱۹۱۰، ۱۹۱۵، ۱۹۲۰، ۱۹۲۵، ۱۹۳۰، ۱۹۳۵، ۱۹۴۰، ۱۹۴۵، ۱۹۵۰، ۱۹۵۵، ۱۹۶۰، ۱۹۶۵، ۱۹۷۰، ۱۹۷۵، ۱۹۸۰، ۱۹۸۵، ۱۹۹۰، ۱۹۹۵، ۲۰۰۰، ۲۰۰۵، ۲۰۱۰، ۲۰۱۵، ۲۰۲۰، ۲۰۲۵، ۲۰۳۰، ۲۰۳۵، ۲۰۴۰، ۲۰۴۵، ۲۰۵۰، ۲۰۵۵، ۲۰۶۰، ۲۰۶۵، ۲۰۷۰، ۲۰۷۵، ۲۰۸۰، ۲۰۸۵، ۲۰۹۰، ۲۰۹۵، ۲۱۰۰، ۲۱۰۵، ۲۱۱۰، ۲۱۱۵، ۲۱۲۰، ۲۱۲۵، ۲۱۳۰، ۲۱۳۵، ۲۱۴۰، ۲۱۴۵، ۲۱۵۰، ۲۱۵۵، ۲۱۶۰، ۲۱۶۵، ۲۱۷۰، ۲۱۷۵، ۲۱۸۰، ۲۱۸۵، ۲۱۹۰، ۲۱۹۵، ۲۲۰۰، ۲۲۰۵، ۲۲۱۰، ۲۲۱۵، ۲۲۲۰، ۲۲۲۵، ۲۲۳۰، ۲۲۳۵، ۲۲۴۰، ۲۲۴۵، ۲۲۵۰، ۲۲۵۵، ۲۲۶۰، ۲۲۶۵، ۲۲۷۰، ۲۲۷۵، ۲۲۸۰، ۲۲۸۵، ۲۲۹۰، ۲۲۹۵، ۲۳۰۰، ۲۳۰۵، ۲۳۱۰، ۲۳۱۵، ۲۳۲۰، ۲۳۲۵، ۲۳۳۰، ۲۳۳۵، ۲۳۴۰، ۲۳۴۵، ۲۳۵۰، ۲۳۵۵، ۲۳۶۰، ۲۳۶۵، ۲۳۷۰، ۲۳۷۵، ۲۳۸۰، ۲۳۸۵، ۲۳۹۰، ۲۳۹۵، ۲۴۰۰، ۲۴۰۵، ۲۴۱۰، ۲۴۱۵، ۲۴۲۰، ۲۴۲۵، ۲۴۳۰، ۲۴۳۵، ۲۴۴۰، ۲۴۴۵، ۲۴۵۰، ۲۴۵۵، ۲۴۶۰، ۲۴۶۵، ۲۴۷۰، ۲۴۷۵، ۲۴۸۰، ۲۴۸۵، ۲۴۹۰، ۲۴۹۵، ۲۵۰۰، ۲۵۰۵، ۲۵۱۰، ۲۵۱۵، ۲۵۲۰، ۲۵۲۵، ۲۵۳۰، ۲۵۳۵، ۲۵۴۰، ۲۵۴۵، ۲۵۵۰، ۲۵۵۵، ۲۵۶۰، ۲۵۶۵، ۲۵۷۰، ۲۵۷۵، ۲۵۸۰، ۲۵۸۵، ۲۵۹۰، ۲۵۹۵، ۲۶۰۰، ۲۶۰۵، ۲۶۱۰، ۲۶۱۵، ۲۶۲۰، ۲۶۲۵، ۲۶۳۰، ۲۶۳۵، ۲۶۴۰، ۲۶۴۵، ۲۶۵۰، ۲۶۵۵، ۲۶۶۰، ۲۶۶۵، ۲۶۷۰، ۲۶۷۵، ۲۶۸۰، ۲۶۸۵، ۲۶۹۰، ۲۶۹۵، ۲۷۰۰، ۲۷۰۵، ۲۷۱۰، ۲۷۱۵، ۲۷۲۰، ۲۷۲۵، ۲۷۳۰، ۲۷۳۵، ۲۷۴۰، ۲۷۴۵، ۲۷۵۰، ۲۷۵۵، ۲۷۶۰، ۲۷۶۵، ۲۷۷۰، ۲۷۷۵، ۲۷۸۰، ۲۷۸۵، ۲۷۹۰، ۲۷۹۵، ۲۸۰۰، ۲۸۰۵، ۲۸۱۰، ۲۸۱۵، ۲۸۲۰، ۲۸۲۵، ۲۸۳۰، ۲۸۳۵، ۲۸۴۰، ۲۸۴۵، ۲۸۵۰، ۲۸۵۵، ۲۸۶۰، ۲۸۶۵، ۲۸۷۰، ۲۸۷۵، ۲۸۸۰، ۲۸۸۵، ۲۸۹۰، ۲۸۹۵، ۲۹۰۰، ۲۹۰۵، ۲۹۱۰، ۲۹۱۵، ۲۹۲۰، ۲۹۲۵، ۲۹۳۰، ۲۹۳۵، ۲۹۴۰، ۲۹۴۵، ۲۹۵۰، ۲۹۵۵، ۲۹۶۰، ۲۹۶۵، ۲۹۷۰، ۲۹۷۵، ۲۹۸۰، ۲۹۸۵، ۲۹۹۰، ۲۹۹۵، ۳۰۰۰، ۳۰۰۵، ۳۰۱۰، ۳۰۱۵، ۳۰۲۰، ۳۰۲۵، ۳۰۳۰، ۳۰۳۵، ۳۰۴۰، ۳۰۴۵، ۳۰۵۰، ۳۰۵۵، ۳۰۶۰، ۳۰۶۵، ۳۰۷۰، ۳۰۷۵، ۳۰۸۰، ۳۰۸۵، ۳۰۹۰، ۳۰۹۵، ۳۱۰۰، ۳۱۰۵، ۳۱۱۰، ۳۱۱۵، ۳۱۲۰، ۳۱۲۵، ۳۱۳۰، ۳۱۳۵، ۳۱۴۰، ۳۱۴۵، ۳۱۵۰، ۳۱۵۵، ۳۱۶۰، ۳۱۶۵، ۳۱۷۰، ۳۱۷۵، ۳۱۸۰، ۳۱۸۵، ۳۱۹۰، ۳۱۹۵، ۳۲۰۰، ۳۲۰۵، ۳۲۱۰، ۳۲۱۵، ۳۲۲۰، ۳۲۲۵، ۳۲۳۰، ۳۲۳۵، ۳۲۴۰، ۳۲۴۵، ۳۲۵۰، ۳۲۵۵، ۳۲۶۰، ۳۲۶۵، ۳۲۷۰، ۳۲۷۵، ۳۲۸۰، ۳۲۸۵، ۳۲۹۰، ۳۲۹۵، ۳۳۰۰، ۳۳۰۵، ۳۳۱۰، ۳۳۱۵، ۳۳۲۰، ۳۳۲۵، ۳۳۳۰، ۳۳۳۵، ۳۳۴۰، ۳۳۴۵، ۳۳۵۰، ۳۳۵۵، ۳۳۶۰، ۳۳۶۵، ۳۳۷۰، ۳۳۷۵، ۳۳۸۰، ۳۳۸۵، ۳۳۹۰، ۳۳۹۵، ۳۴۰۰، ۳۴۰۵، ۳۴۱۰، ۳۴۱۵، ۳۴۲۰، ۳۴۲۵، ۳۴۳۰، ۳۴۳۵، ۳۴۴۰، ۳۴۴۵، ۳۴۵۰، ۳۴۵۵، ۳۴۶۰، ۳۴۶۵، ۳۴۷۰، ۳۴۷۵، ۳۴۸۰، ۳۴۸۵، ۳۴۹۰، ۳۴۹۵، ۳۵۰۰، ۳۵۰۵، ۳۵۱۰، ۳۵۱۵، ۳۵۲۰، ۳۵۲۵، ۳۵۳۰، ۳۵۳۵، ۳۵۴۰، ۳۵۴۵، ۳۵۵۰، ۳۵۵۵، ۳۵۶۰، ۳۵۶۵، ۳۵۷۰، ۳۵۷۵، ۳۵۸۰، ۳۵۸۵، ۳۵۹۰، ۳۵۹۵، ۳۶۰۰، ۳۶۰۵، ۳۶۱۰، ۳۶۱۵، ۳۶۲۰، ۳۶۲۵، ۳۶۳۰، ۳۶۳۵، ۳۶۴۰، ۳۶۴۵، ۳۶۵۰، ۳۶۵۵، ۳۶۶۰، ۳۶۶۵، ۳۶۷۰، ۳۶۷۵، ۳۶۸۰، ۳۶۸۵، ۳۶۹۰، ۳۶۹۵، ۳۷۰۰، ۳۷۰۵، ۳۷۱۰، ۳۷۱۵، ۳۷۲۰، ۳۷۲۵، ۳۷۳۰، ۳۷۳۵، ۳۷۴۰، ۳۷۴۵، ۳۷۵۰، ۳۷۵۵، ۳۷۶۰، ۳۷۶۵، ۳۷۷۰، ۳۷۷۵، ۳۷۸۰، ۳۷۸۵، ۳۷۹۰، ۳۷۹۵، ۳۸۰۰، ۳۸۰۵، ۳۸۱۰، ۳۸۱۵، ۳۸۲۰، ۳۸۲۵، ۳۸۳۰، ۳۸۳۵، ۳۸۴۰، ۳۸۴۵، ۳۸۵۰، ۳۸۵۵، ۳۸۶۰، ۳۸۶۵، ۳۸۷۰، ۳۸۷۵، ۳۸۸۰، ۳۸۸۵، ۳۸۹۰، ۳۸۹۵، ۳۹۰۰، ۳۹۰۵، ۳۹۱۰، ۳۹۱۵، ۳۹۲۰، ۳۹۲۵، ۳۹۳۰، ۳۹۳۵، ۳۹۴۰، ۳۹۴۵، ۳۹۵۰، ۳۹۵۵، ۳۹۶۰، ۳۹۶۵، ۳۹۷۰، ۳۹۷۵، ۳۹۸۰، ۳۹۸۵، ۳۹۹۰، ۳۹۹۵، ۴۰۰۰، ۴۰۰۵، ۴۰۱۰، ۴۰۱۵، ۴۰۲۰، ۴۰۲۵، ۴۰۳۰، ۴۰۳۵، ۴۰۴۰، ۴۰۴۵، ۴۰۵۰، ۴۰۵۵، ۴۰۶۰، ۴۰۶۵، ۴۰۷۰، ۴۰۷۵، ۴۰۸۰، ۴۰۸۵، ۴۰۹۰، ۴۰۹۵، ۴۱۰۰، ۴۱۰۵، ۴۱۱۰، ۴۱۱۵، ۴۱۲۰، ۴۱۲۵، ۴۱۳۰، ۴۱۳۵، ۴۱۴۰، ۴۱۴۵، ۴۱۵۰، ۴۱۵۵، ۴۱۶۰، ۴۱۶۵، ۴۱۷۰، ۴۱۷۵، ۴۱۸۰، ۴۱۸۵، ۴۱۹۰، ۴۱۹۵، ۴۲۰۰، ۴۲۰۵، ۴۲۱۰، ۴۲۱۵، ۴۲۲۰، ۴۲۲۵، ۴۲۳۰، ۴۲۳۵، ۴۲۴۰، ۴۲۴۵، ۴۲۵۰، ۴۲۵۵، ۴۲۶۰، ۴۲۶۵، ۴۲۷۰، ۴۲۷۵، ۴۲۸۰، ۴۲۸۵، ۴۲۹۰، ۴۲۹۵، ۴۳۰۰، ۴۳۰۵، ۴۳۱۰، ۴۳۱۵، ۴۳۲۰، ۴۳۲۵، ۴۳۳۰، ۴۳۳۵، ۴۳۴۰، ۴۳۴۵، ۴۳۵۰، ۴۳۵۵، ۴۳۶۰، ۴۳۶۵، ۴۳۷۰، ۴۳۷۵، ۴۳۸۰، ۴۳۸۵، ۴۳۹۰، ۴۳۹۵، ۴۴۰۰، ۴۴۰۵، ۴۴۱۰، ۴۴۱۵، ۴۴۲۰، ۴۴۲۵، ۴۴۳۰، ۴۴۳۵، ۴۴۴۰، ۴۴۴۵، ۴۴۵۰، ۴۴۵۵، ۴۴۶۰، ۴۴۶۵، ۴۴۷۰، ۴۴۷۵، ۴۴۸۰، ۴۴۸۵، ۴۴۹۰، ۴۴۹۵، ۴۵۰۰، ۴۵۰۵، ۴۵۱۰، ۴۵۱۵، ۴۵۲۰، ۴۵۲۵، ۴۵۳۰، ۴۵۳۵، ۴۵۴۰، ۴۵۴۵، ۴۵۵۰، ۴۵۵۵، ۴۵۶۰، ۴۵۶۵، ۴۵۷۰، ۴۵۷۵، ۴۵۸۰، ۴۵۸۵، ۴۵۹۰، ۴۵۹۵، ۴۶۰۰، ۴۶۰۵، ۴۶۱۰، ۴۶۱۵، ۴۶۲۰، ۴۶۲۵، ۴۶۳۰، ۴۶۳۵، ۴۶۴۰، ۴۶۴۵، ۴۶۵۰، ۴۶۵۵، ۴۶۶۰، ۴۶۶۵، ۴۶۷۰، ۴۶۷۵، ۴۶۸۰، ۴۶۸۵، ۴۶۹۰، ۴۶۹۵، ۴۷۰۰، ۴۷۰۵، ۴۷۱۰، ۴۷۱۵، ۴۷۲۰، ۴۷۲۵، ۴۷۳۰، ۴۷۳۵، ۴۷۴۰، ۴۷۴۵، ۴۷۵۰، ۴۷۵۵، ۴۷۶۰، ۴۷۶۵، ۴۷۷۰، ۴۷۷۵، ۴۷۸۰، ۴۷۸۵، ۴۷۹۰، ۴۷۹۵، ۴۸۰۰، ۴۸۰۵، ۴۸۱۰، ۴۸۱۵، ۴۸۲۰، ۴۸۲۵، ۴۸۳۰، ۴۸۳۵، ۴۸۴۰، ۴۸۴۵، ۴۸۵۰، ۴۸۵۵، ۴۸۶۰، ۴۸۶۵، ۴۸۷۰، ۴۸۷۵، ۴۸۸۰، ۴۸۸۵، ۴۸۹۰، ۴۸۹۵، ۴۹۰۰، ۴۹۰۵، ۴۹۱۰، ۴۹۱۵، ۴۹۲۰، ۴۹۲۵، ۴۹۳۰، ۴۹۳۵، ۴۹۴۰، ۴۹۴۵، ۴۹۵۰، ۴۹۵۵، ۴۹۶۰، ۴۹۶۵، ۴۹۷۰، ۴۹۷۵، ۴۹۸۰، ۴۹۸۵، ۴۹۹۰، ۴۹۹۵، ۵۰۰۰، ۵۰۰۵، ۵۰۱۰، ۵۰۱۵، ۵۰۲۰، ۵۰۲۵، ۵۰۳۰، ۵۰۳۵، ۵۰۴۰، ۵۰۴۵، ۵۰۵۰، ۵۰۵۵، ۵۰۶۰، ۵۰۶۵، ۵۰۷۰، ۵۰۷۵، ۵۰۸۰، ۵۰۸۵، ۵۰۹۰، ۵۰۹۵، ۵۱۰۰، ۵۱۰۵، ۵۱۱۰، ۵۱۱۵، ۵۱۲۰، ۵۱۲۵، ۵۱۳۰، ۵۱۳۵، ۵۱۴۰، ۵۱۴۵، ۵۱۵۰، ۵۱۵۵، ۵۱۶۰، ۵۱۶۵، ۵۱۷۰، ۵۱۷۵، ۵۱۸۰، ۵۱۸۵، ۵۱۹۰، ۵۱۹۵، ۵۲۰۰، ۵۲۰۵، ۵۲۱۰، ۵۲۱۵، ۵۲۲۰، ۵۲۲۵، ۵۲۳۰، ۵۲۳۵، ۵۲۴۰، ۵۲۴۵، ۵۲۵۰، ۵۲۵۵، ۵۲۶۰، ۵۲۶۵، ۵۲۷۰، ۵۲۷۵، ۵۲۸۰، ۵۲۸۵، ۵۲۹۰، ۵۲۹۵، ۵۳۰۰، ۵۳۰۵، ۵۳۱۰، ۵۳۱۵، ۵۳۲۰، ۵۳۲۵، ۵۳۳۰، ۵۳۳۵، ۵۳۴۰، ۵۳۴۵، ۵۳۵۰، ۵۳۵۵، ۵۳۶۰، ۵۳۶۵، ۵۳۷۰، ۵۳۷۵، ۵۳۸۰، ۵۳۸۵، ۵۳۹۰، ۵۳۹۵، ۵۴۰۰، ۵۴۰۵، ۵۴۱۰، ۵۴۱۵، ۵۴۲۰، ۵۴۲۵، ۵۴۳۰، ۵۴۳۵، ۵۴۴۰، ۵۴۴۵، ۵۴۵۰، ۵۴۵۵، ۵۴۶۰، ۵۴۶۵، ۵۴۷۰، ۵۴۷۵، ۵۴۸۰، ۵۴۸۵، ۵۴۹۰، ۵۴۹۵، ۵۵۰۰، ۵۵۰۵، ۵۵۱۰، ۵۵۱۵، ۵۵۲۰، ۵۵۲۵، ۵۵۳۰، ۵۵۳۵، ۵۵۴۰، ۵۵۴۵، ۵۵۵۰، ۵۵۵۵، ۵۵۶۰، ۵۵۶۵، ۵۵۷۰، ۵۵۷۵، ۵۵۸۰، ۵۵۸۵، ۵۵۹۰، ۵۵۹۵، ۵۶۰۰، ۵۶۰۵، ۵۶۱۰، ۵۶۱۵، ۵۶۲۰، ۵۶۲۵، ۵۶۳۰، ۵۶۳۵، ۵۶۴۰، ۵۶۴۵، ۵۶۵۰، ۵۶۵۵، ۵۶۶۰، ۵۶۶۵، ۵۶۷۰، ۵۶۷۵، ۵۶۸۰، ۵۶۸۵، ۵۶۹۰، ۵۶۹۵، ۵۷۰۰، ۵۷۰۵، ۵۷۱۰، ۵۷۱



آزمودہ دواؤں کا مرکب

انالجین



سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Spartan

01/63

پروفیسر وحید اللہ نطنزی (ایم اے)

ابن ابی الربیع

تاریخ فلسفہ سیاسیات میں وہ پہلا مفکر ہے جس نے اقتدار اعلیٰ کا نظریہ قائم کیا اور اس کی آئینی حیثیت متعین کی سماج میں سیاسی اداروں کی حقیقی بنیادوں کا کھوج لگا کر فلسفہ سیاسیات کی بنیادیں عمارت پر رکھی اور نظریہ مملکت کے ساتھ ساتھ فنِ حکمرانی کے بھی بہترین اصول متعین کئے اس نے سیاسی اعمال کو اخلاق کا پابند بنایا اور بادشاہ کے موضوع پر بہت پہلی کتاب (تہذیب کی)

احمد بن محمد بن ابی الربیع آٹھویں عیسائی خلیفہ معتصم باللہ کے زمانہ خلافت (۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ) میں عراقی علوم کا ایک بہت بڑا ماہر تھا۔ خلیفہ معتصم اس کی صلاحیت اور عالمانہ مرتبے سے واقف تھا۔ چنانچہ اس نے ابن ابی الربیع سے ایک ایسی کتاب لکھنے کی فرمائش کی جس میں اخلاق اور معاملات کے مختلف پہلو جامع انداز میں پیش کئے گئے ہوں۔ ابن ابی الربیع نے جو معتصم کے حسن انتظام اور حسن سیرت سے ذاتی طور پر بہت متاثر تھا، اس فرمائش کے بموجب ایک کتاب سلوک المملک فی تدبیر المملک لکھ کر نام سے لکھ کر پیش کی۔

یہ کتاب چار حصوں میں منقسم ہے، پہلے حصے میں مصنف نے مقدمہ کتاب تحریر کیا ہے جس میں کتاب کے لکھنے کی غایت پر روشنی ڈالی ہے دوسرے حصے میں اخلاق کے احکام بیان کئے ہیں، تیسرے حصے میں سیرت عقلیہ کا ذکر کیا ہے اور چوتھے حصے میں سیاسیات کے اصول و احکام پر بحث کی ہے۔

سلوک المملک فی تدبیر المملک جس زمانے میں لکھی گئی وہ تہذیب و تمدن کے اعتبار سے بڑے عروج اور ترقی کا زمانہ تھا۔ عیسائی خلیفہ ہارون الرشید جو متقدمہ طور پر سلاطین عالم میں سب سے زیادہ شان و شکوہ اور جاہ و جبروت والا حکمران مانا جاتا ہے، محض سستی سے ابھی رخصت ہوا تھا اس کے عہد میں عظیم مملکت اسلامیہ کا دار الخلافہ بغداد، جہاں عالمی سیاست کا مرکز تھا وہی وہ اس وقت کی دنیا میں علوم و فنون کا بھی سب سے بڑا گہوارہ بھی تھا۔ اس کے بعد اس کے لائق فرزند مامون الرشید نے بیت الحکمت کا اضافہ کر کے بغداد کی عظمت میں اور چار چاند لگا دئے تھے۔ چنانچہ مامون ہی کے بیت الحکمت کا طعن ہے کہ جدید دنیا یونانیوں کے علوم و افکار اور ان کے فنون و فلسفے سے روشناس ہوئی۔ پھر مامون نے جتنی عظیم الشان سلطنت پر فرائد رسانی کی ویسی ہی عظیم الشان نظیر اپنے کردار کی یہ قائم کر گیا۔ کہ اپنے بعد اپنے بیٹے عباس کو ولید بدی سے محروم کر کے اپنے بھائی معتصم کو

مجلس اس لئے جانشین مقرر کیا کہ اس میں اتنی بڑی سلطنت کے نظم و نسق کے سنبھالنے کی پوری صلاحیت موجود تھی اور وہ اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے بھی فائق تر تھا۔ مقتوم جس نے اپنے عظیم المرتبت باپ مارون الرشید کا عہد اور اس عہد کے علوم اور علماء کی تدوینوں اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں، پھر اپنے بھائی مامون کے عہد میں ان کا مزید فروغ اور ارتقاء ملاحظہ کیا تھا، جب خود سر ریاست خلافت ہوا تو اس نے بھی اپنے عظیم پیش روؤں کی روایات کو برقرار رکھا اور علوم اور علماء کی تدوینوں میں کوتاہی نہ کی۔ ابن ابی الربیع نے بھی مقتوم کی بے حد تعریف کرتا ہے، مادون اور مامون کے زمانے کی رونقیں دیکھی ہوں گی۔ اس لئے اگر وہ مقتوم کو ان درلوں کے معیار سے کمزور یا تو غالباً اتنی سٹائن نہ کرتا۔

علمی مقام | سیاسی مفکر ہونے کی حیثیت سے ابن ابی الربیع، تاریخ فلسفہ سیاسیات میں بعض اہم خصوصیات کا حامل ہے اور ان میں سب سے بڑی خصوصیت جو اس کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ سیاسی فلسفے میں اقتدار اعلیٰ کا نظریہ قائم کرنے کا شرف سب سے پہلے اسی کو حاصل ہوا۔ ہمارے زمانے میں اقتدار اعلیٰ کی آئینی حیثیت کو سیاسی فلسفے میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے لیکن ابن ابی الربیع کا کمال یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ کی آئینی حیثیت کو اس نے آپ سے نقشہ پیگیا رہے سو فیصدی پہلے ہی متعین کر دیا تھا۔ اس کے آٹھ سو سال بعد برطانوی (Bodin) اور فرانسیسی (Hobbes) اور آسٹریائی (Austrian) وغیرہ نے اقتدار اعلیٰ کے موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس میں ابن ابی الربیع ہی کا نتیجہ کیا گیا ہے۔

ابن ابی الربیع کے سیاسی فلسفے کی دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سماج میں سیاسی اور عدلی کی اصل بنیاد کا کھوج لگایا ہے اور اس کا تفصیلی تجربہ کیا ہے۔ اس طرح گویا اس نے اپنے سیاسی فلسفے کی بنیاد عمرانیات پر رکھی ہے اور آئے والی نسلیں کے لئے تحقیق کا ایک نیا اور وسیع میدان فراہم کر دیا ہے۔

اس کی تیسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے سیاسی فلسفے کی پیشکش میں محض نظریاتی اور تجریدی مباحث میں الجھ کر نہیں رہ گیا ہے بلکہ اس نے فن حکمرانی اور نظم سلطنت کو اپنا موضوع سخن قرار دیا ہے اور ایسے اصول متعین کئے ہیں جو کسی بھی وعدہ کے حکمران اپنے انتظام حکومت میں استعمال کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ قابل ستائش بات یہ ہے کہ ابن ابی الربیع نے جو فن حکومت پیش کیا ہے اس کی بنیاد از سر تا سر اخلاق پر رکھی ہے اور اس کی پابندی میں وہ اس درجہ مستحکم ہے کہ جنگ جیسے نازک موقع پر بھی وہ اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ فن حکمرانی کی اس بحث میں اس نے نظم یہ مملکت کو بھی نظم نامنا نہیں کیا ہے بلکہ اس پر بھی اپنے مخصوص نقطہ نگاہ کے مطابق بڑی اہم بحث کی ہے۔

اس کی کتاب "سلوک المملک فی تدبیر الممالک" کا موضوع چونکہ "بادشاہ" ہے اس لئے تاریخی اعتبار سے یہ کتاب بادشاہ پر بھی پہلی کتاب ہے۔

سیاسی افکار

دانش کی فطرت اس کو باطنی اور اجتماع کی طرف مائل کرتی ہے اور اس کی اس فطرت کا اظہار اس کی اصیبت اور ضروریات کی معرفت ہوتا ہے۔ جب اجتماع قائم ہو جاتا ہے تو اس کو باطنی رکھنے کے لئے سنن و ذرائع (دائیں) کی ضرورت ہوتی ہے جنہیں حکام نافذ کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ چیز بھی خالق فطرت خود ہی فراہم کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ

میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص فطرت پر پیدا کیا ہے اور اس فطرت کے مطابق اس کی زندگی کو نظم بھی عطا کیا ہے (

انسانی فطرت

ابن ابی الربیع نے سیاست اور تمدن پر اپنی علمی بحث کا آغاز کرتے ہوئے سب سے پہلے اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خاص فطرت پر پیدا کیا ہے اور فطری خصوصیت ہی اس کو "بالطبع" انسان اور اجتماع کی طرف مائل کرتی ہے یعنی تمام مخلوقات میں انسان ایک ایسی نوع ہے جس کی فطرت اسے ایک جانب تو اپنے ہی نوع کے ساتھ محبت و مروت کے بندھن میں باندھ دیتی ہے اور دوسری جانب اسے ایک اجتماع یا معاشرے میں رہنے پر مجبور کرتی ہے اس لئے انسان صرف اس کو قرار دیا جائے گا جس میں یہ دونوں انسانی اوصاف یعنی محبت اور معاشرت پسندی موجود ہو اس بحث سے ایک نتیجہ یہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ جہاں انسان فطرت کے درمیان انسان و محبت کا وجود فطری ہے وہیں معاشرے کا وجود بھی کلیتہً فطری ہے۔

معاشرے کا قیام

عملاً معاشرے کے قیام میں انسانی فطرت کا اظہار اس کی احتیاجات اور ضروریات کی معرفت ہوتا ہے یعنی وہ بنیادی ضروریات جن پر انسان کی زندگی کا انحصار ہے، بالفعل معاشرے کے قیام کا وسیلہ بنتی ہیں ابن ابی الربیع کے نزدیک وہ ضروریات پانچ ہیں: ۱۔ غذا - زندگی بسر کرنے کے لئے انسان کو سب سے پہلے غذا کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ ہر وقت محنت اور محنت کی وجہ سے جسمانی قوتیں تحلیل ہوتی رہتی ہیں۔ غذا اس کسی کو لوہا کرتی اور قوتوں کو بحال رکھتی ہے اس لئے اگر غذا نہ ملے تو انسان زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔

۲۔ لباس - جسم کے تحفظ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو سردی گرمی اور ہوا کی تکالیف سے بچایا جائے چنانچہ یہ کام لباس کے ذریعے سے کیا جاتا ہے اس لئے اس کا شمار بھی بنیادی ضرورتوں میں ہوتا ہے۔

۳۔ مکان - سکون و راحت حاصل کرنے اور ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ رہنے کے لئے مکان کی ضرورت ہے۔
۴۔ ازدواج - عالم امکان میں بقائے حیات کا طریقہ صرف یہ ہے کہ نوالہ و تناسل کا سلسلہ جاری رکھا جائے اس کے علاوہ بقائے شخصی کا بھی کوئی اور طریقہ موجود نہیں اس لئے ازدواج کو ضروری قرار دیا گیا تاکہ نسل اور نوع انسانی باقی رہے۔

۵۔ علاج - جسم انسانی کو کبھی کبھی کچھ عارضے لاحق ہو جاتے ہیں جن کا دور کرنا اس کی بقا کے لئے انتہائی ضروری ہے اور یہ چیز چونکہ علاج کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے اس لئے اس کا شمار بھی بنیادی ضروریات میں کیا گیا ہے۔

ابن ابی الربیع کے نزدیک یہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ انسان اس سے کسی حال میں بھی مستغنی نہیں ہو سکتا اس لئے ان چیزوں کا زام کرنا اس کے لئے لازمی ہے لیکن یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ ان اشیاء کی فراہمی ایک مربوط نظم کی محتاج ہے۔ مثلاً جب انسان غذاؤں کا طلب گار ہوتا ہے تو اس نے اپنے لئے موزوں اور مناسب غذا حیرانات اور نباتات کو پایا لیکن ان دونوں کے حصول کے لئے ضروری ہوا کہ حیرانات کی پرورش اور حفاظت اور نباتات کی کاشت و زراعت کا اہتمام کیا جائے پھر ان غذاؤں کو بھی محفوظ رکھنے اور استعمال کے قابل بنانے کے لئے بہت سی صنعتوں کی ضرورت پیش آتی۔ اس طرح ضروریات کی فراہمی کے ساتھ ساتھ یہ نئی

ضرورتیں پیدا ہو گئیں اور ان کا ایک بسیط سلسلہ قائم ہو گیا۔ نیا ہمارے کہ یہ تمام امور انسان کے لئے ضروری ہیں لیکن انسان تنہا ان امور کو انجام نہیں دے سکتا اس لئے تمام انسان ایک دوسرے کے تعاون کے ساتھ ایک کی ضرورت دوسرے سے وابستہ ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ ایک ہی مقام پر مل جک کر رہنے لگے تاکہ باہمی تبادلہ محنت اور لین دین کے ذریعہ سے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر سکیں، اس طرح شہر آباد ہو گئے اور معاشرے اور تمدن کی بنیاد پڑ گئی۔

مملکت کی ابتداء

ابن ابی الربیع کے خیال میں بستیوں یا شہروں کی آبادی کے ساتھ ہی ساتھ لوگوں نے مل جل کر کام کرنا بھی شروع کیا لیکن معاشرتی زندگی میں چونکہ عمل والصفات اور ظلم و ستم و دلوں ہی کا امکان تھا، اور ان امور میں ہر شخص علیحدہ علیحدہ روش بھی اختیار کر سکتا تھا جس کے نتیجے میں معاشرہ ہی منتشر ہو جاتا۔ اس لئے باری تعالیٰ کی شان پر ربوبیت اس صورت مندرجہ برقی اور اس نے سب ہی کے لئے صفت و فرائض (آئین) مقرر فرما دیے تاکہ تمام لوگ اپنے معاملات میں ان پر عامل اور قائم رہیں۔ اختلافات کی صورت میں ان ہی کی جانب رجوع کریں اور ان لوگوں کو بھی جہاں سے انحراف کریں ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے مجبور کریں تاکہ ان کے معاشرتی امور میں باضابطگی اور ان کے خصائل میں یکسانیت پیدا ہو۔ اس طرح تمام لوگ ظلم و ستم سے بچ جاتے تھے۔ اور سنن و فرائض کی تنفیذ کے لئے چونکہ حکام کا ہونا ضروری تھا چنانچہ شرعیہ بطور سے اس جانب بھی ہدایت فرمائی اور حاکموں کو بھی ملحقہ کر دیا تاکہ وہ احکام ربانی کی حفاظت کریں اور لوگوں کو ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے مجبور کریں۔

۱۔ ابن ابی الربیع کی یہ لہجہ بحث وراصل مملکت کی ابتداء اور اس کی تخلیق پر دلالت کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ اس کے نزدیک مملکت ایک فطری انجمن ہے اور اس کی بنیاد نہ کسی جبر اور خوف پر رکھی گئی تھی نہ یہ کسی باہمی معاہدے کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے اور نہ یہ کسی لاشعری ارتقاء کے باعث وجود ہوئی، آتی ہے بلکہ ان تمام فطری چیزیں جو اس نے صاف اور بیدہی یہ بات بتا دی کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص فطرت پر پیدا کیا ہے اور اسی فطرت کے مطابق اس کی زندگی کو تنظیم بھی عطا کیا ہے۔ ابن ابی الربیع کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی شان و کرامت سے یہ قطعی نعیہ تھا کہ وہ انسان کو زمین پر اپنے خلیفہ کی حیثیت سے پیدا بھی فرماتا اور پھر اس کو نامیکہ میں بھیجے گا۔ یہ ہے چھوڑ دینا آدمی اگر انہیں کوئی کر دیکھ تو وہ اس حیثیت کو پائے گا کہ جس خدائے زندگی جیسی شے پیدا فرماتی ہے، اسی نے زندگی کی تمام ضروریات اور اس کے لئے اسباب آفرین بھی فراہم کر دیے ہیں اور یہ بات متفق ہے کہ انسان کی زندگی کی ضرورتوں میں سب سے پہلی ضرورت مملکت کی ہے اس لئے مملکت کو بھی بالفعل باری تعالیٰ ہی نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے قائم کر دیا اور قیامت تک اس کو باقی رکھنے کے لئے اصول و قوانین بھی بھیج دیے۔

۲۔ ابن ابی الربیع کی گفتگو سے دوسرا نتیجہ یہ اخذ ہوتا ہے کہ قیام مملکت کے لئے انسان کی فطرت خود مطالبہ کرتی ہے لیکن بقائے مملکت کے لئے آئین و احکام و شریعت کی ضرورت ہے، اور اس لئے ہوتا ہے کہ نظم و ترتیب آئین کے ذریعہ ممکن ہی نہیں اور ظلم و جبر کا استعمال بھی قوانین کے بغیر ممکن نہیں سکتا چنانچہ مملکت کے لئے یہ دونوں چیزیں مستقل طور پر شریعت ہی فراہم کرتی ہے۔

۳۔ تیسری بات اس کی گفتگو سے یہ اخذ ہوتی ہے کہ ہر مملکت میں حکمرانوں کا بنیاد و اصول یہ ہے کہ وہ احکام ربانی کی اطاعت کریں اور ان احکام کی حفاظت کریں اور لوگوں کو ان کے مطابق زندگی بسر کرنے کی ہدایت کریں اگر وہ آپ کریں گے تو بقائے شریعت کے ساتھ مملکت بھی باقی رہے گی ورنہ عدم مملکت ہی کا وجود خطرہ میں پڑ جائے گا۔

۴۔ ابن ابی الربیع نے اس بحث میں جو تائید خود مقصود مملکت کے بارے میں بیان کیا ہے اس سے یہ ہے کہ مملکت صرف اس لئے قائم ہوتی ہے کہ اس کے اندر ایسے احکام رہیں جو ان کے لئے نفع دے۔ تاکہ لوگ ان احکام سے واقف ہو کر اپنی زندگیوں کو ان کے مطابق بسر کر سکیں۔ مملکت کے لئے غالباً اس سے بڑا اسلام کوئی اور مقصد متعین نہیں کیا جاسکتا۔

مملکت کا تحفظ

زندگی کی تقسیم یا تمام ہی ضروریات مملکت سے وابستہ ہیں اس لئے انتہائی ضروری ہے کہ قسّم کی خرابیوں اور بلبلیوں سے مملکت کو محفوظ رکھا جائے جو خرابیاں مملکت کو لاحق ہوتی ہیں ان کو ابن ابی الربیع نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ پہلی قسم ان خرابیوں کی ہے جو حکمرانوں کے خلاف نفس کی جانب سے پیدا ہوتی ہیں اور یہی مملکت پر اثر انداز ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر حاکم و عامل شخص نزدیک نفس کی فکر کرے، پرانیوں سے بچے اور بھلائیوں کو اختیار کرے۔ اسے اس بات سے معاملات میں اپنے جذبات کا غلام نہ بن جائے بلکہ ہر معاملے پر عقل و دانش سے کام لے۔

۲۔ دوسری قسم ان خرابیوں کی ہے جو اہل ملک کی جانب سے پیدا ہوتی ہیں ان خرابیوں کو رفع کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان کو ذرا تلخ کی استعماں کیا جائے۔ عام لوگوں کے ساتھ نرمی اور سستی کی بجائے سختی کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

۳۔ مملکت کے لئے تیسرے قسم کی خرابیاں وہ ہیں جو غیر اقوام اور بیرون ملکوں کے دباؤ سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان خرابیوں سے ہر وقت بے گار رہنا چاہئے اور غریبیت یا فقر اقوام اور بیرون قسّم کے ہتھیار نہیں رہتے۔ چنانچہ تاکہ اچانک ہونے والے حملوں سے بھی مملکت کا دفاع ہو سکے۔

مملکت کے تحفظ کی پہلی ذمہ داری حکمرانوں پر ہے۔ لیکن اولاً اپنے نفس کی خرابیوں سے مملکت کو پاک رکھنا، دوسرے یہ کہ عوام کے لئے امر و نہی کا انتظام دیکھنا اور ان کے لئے بہترین تدابیر اختیار کرنا اور سلام و مسالت کا ذریعہ بن کر۔ لیکن ابن ابی الربیع کا خیال ہے کہ ان تمام ذمہ داریوں کے علاوہ وہ حکمران عہدہ پر ہو سکتے ہیں جو خود احکام و شریعت پر عمل میں ہوں وہ نہ صرف خود قانون کا باندہ نہ ہوں وہ وہاں کو کم کرنے اور ان کا پابند نہیں کر سکتا اور یہ محسوس ہے کہ جہاں تو قانون کی پابندی نہ ہوگی وہ مملکت بہت جلد برباد ہو جائیگی۔ حکمرانوں میں ترقی و ترقی کا نظریہ قائم رکھنے کے لئے ابن ابی الربیع کا دوا ہے۔ حکمران اعلیٰ کی ضرورت ثابت کرتا ہے۔ لیکن یہ تو

ہی اس لئے ہے۔ کیونکہ اگر کسی بھی حکمران کے لئے کہ بادشاہوں اور قسّموں کی کثرت ہمیشہ فتنہ و فساد کی موجب ہوا کرتی ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ کچھ قسّموں کے لئے ایک ہی بادشاہ رہے۔ اپنے لیے ہی نظام کے لئے تمام ادارہ و دہانت کی وکالت کے ساتھ ہی اسے تمام امور و معاملات میں باوجود احساس و رفقہ امور نظام ہی رعایا کے لئے و ان کے لیے ہی مصلحتی کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ چنانچہ وہ عوام سے یہ درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کے مبین و دوا دگار بن کر رہیں اور اس کے جملہ مسائل میں اس کی مدد کریں۔ اطاعت کے سلسلے میں وہ یہ پیش بیان کرتا ہے کہ جس طرح مخالفانہ جہت میں تمام اعضاء اطاعت کے لئے خود ہر قسم کی بات کو مٹا کر اس کی اطاعت کا مثالی نظام اس عت قائم ہونا چاہئے۔ تاکہ بادشاہ جس طرح چاہے۔ ان کے کام لے سکے۔ لیکن بادشاہ کو بھی وہ غیر فوری و دائرہ امور اور اعمال کی ہرگز حالت نہیں دیتا بلکہ اس کو

لے اس کی پاسی نظام کے لئے بادشاہ کا نہیں قطعاً غور اس سے اس لئے ابن ابی الربیع کے سیاسی افکار میں اس کی موجودگی سب سے بہتر ہے۔

اس امر کا پابند کرتا ہے کہ اس کے جملہ اعمال ایسے ہونے چاہئیں گویا کہ وہ انہیں دے دیا کے روبرو انجام دے رہا ہے۔ بادشاہت کے جواز کے لئے وہ ایک دلیل یہ بیان کرتا ہے کہ ہر مملکت ایک حافظہ اللہ تدبیر کے لئے محتاج ہے اور مملکت کا یہ اختیار ان تکالیف کی وجہ سے ہے جو انسان ایک دوسرے کو پہنچاتا ہے۔ بادشاہ چونکہ ان تکالیف کا امداد کرتا ہے اس لئے اس کا وجود ناگزیر ہے اور اس کا تدبیر لوگوں کے لئے وہ مواقع فراہم کرتا ہے جن کی بدولت وہ مختلف پیشے اختیار کرتے ہیں اور دوسروں کی مداخلت کے خوف سے سستہ ہو کر سب کے لئے زندگی کی ضروریات فراہم کرتے ہیں اس طرح ہر مملکت کے لئے معاشرت اور معیشت کا ایک نظم قائم ہو جاتا ہے۔

ابن ابی الربیع نے یہ دلیل بادشاہی نظام کے جواز کے لئے پیش کی ہے۔ لیکن اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو یہی دلیل ہر سیاسی نظام کے لئے جواز فراہم کر دیتی ہے اسی لئے یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگرچہ جس کو بادشاہی نظام قرار دیتا ہے حقیقت میں وہ بادشاہی نظام نہیں بلکہ عام سیاسی نظام ہے اور جس کے لئے وہ لفظ "ملک" استعمال کرتا ہے اس سے صرف بادشاہ نہیں بلکہ عام سیاسی سربراہ مراد ہے۔ مگر اگر کے لحاظ سے بھی اس کا "ملک" نام بادشاہان عالم سے مختلف ہے۔

ارکان مملکت

ابن ابی الربیع نے اس باب میں مملکت پر ایک نئے انداز سے گفتگو کی ہے۔ اس کی یہ گفتگو محض نظری یا فلسفیانہ نہیں ہے اور نہ اس نے مملکت کے محض تحریدی تصور ہی کو موضوع بحث بنایا ہے بلکہ ایک مملکت کو صحیح خطوط پر چلانے کے لئے جن تدابیر کی ضرورت ہے ان پر اس نے بڑے حکیمانہ انداز میں گفتگو کی ہے۔ جو درستہ دیکھا جائے تو اس کے سیاسی انگار کا حقیقی جہاں اسی باب کے اندر چھلکا ہے، وہ اپنے اس جہاں میں بالکل منفرد ہے کہ مملکت چار ستونوں پر قائم ہوتی ہے یا یہ الفاظ دیگر ارکان مملکت چار ہیں۔ (۱) بادشاہ (۲) عدلیہ (۳) قضاہ (۴) دبیر۔ ان میں سے اگر ایک رکن بھی کم ہو جائے تو مملکت کی حمایت ہی منہدم ہو جائے گی۔ دوسرے تمام رکنوں کے نزدیک مستحکم طور پر مملکت کے چار حصار ہر ترکیبی، رعایا، علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلیٰ ہیں، لیکن اگر فرد سے دیکھا جائے تو ابن ابی الربیع کا تین زیادہ جامع اور زیادہ معقول ہے اور وہ اس طرح کہ رعایا تو دونوں فرقوں کے یہاں مشترک ہے لیکن عام مفکرین نے حکومت اور اقتدار اعلیٰ کو الگ الگ جو دو مختلف حصار کی حیثیت سے پیش کیا ہے ان میں اقتدار اعلیٰ کی حیثیت محض اعتباری ہے اس کا کوئی واقعی مظاہرہ، مجر حکومت کے اندر کسی موجود نہیں ہوتا اس لئے ابن ابی الربیع نے ان دونوں کو بادشاہ کے اندر ضم کر دیا ہے۔ رہا علاقے کا معاملہ تو غالباً اس نے اس مفردہ پر عمل کیا ہے کہ رعایا، بادشاہ اور اس کی حکومت وغیرہ آخر یہ سب دارالحکومت میں ہی پرتی ہوتی ہیں اس لئے ہر بحث میں میں کو بھی ایک جزو اعظم کی حیثیت سے پیش کرنا اس نے تفصیل حاصل سمجھا اس طرح گویا اس کے ارکان مملکت میں عام مملکتوں کے چاروں مستحکم حصار ترکیبی تو لانا شامل ہی ہیں لیکن مملکت کو حقیقی معنوں میں مملکت بنانے کے لئے اس نے دو جوئے حصار در عدلیہ اور دبیر شامل کئے ہیں، فی الواقع ایسے ہیں کہ ان کے بغیر مملکت ایک جسد بے روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان ارکان مملکت کا مختصر جائزہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ بادشاہ

روسلطنت کا حصول اور اس کی بقا اصلی اخلاق پر منحصر ہے اور اس اصلی اخلاق کا مظہر ہی خداوند خدا بادشاہ کرنا چاہئے۔ لہذا تاریخ فلسفہ سیاسیات میں ابن ابی الربیع وہ پہلا مفکر ہے اور سلوک الملک فی تدبیر الملک کہ وہ پہلی کتاب ہے جس نے

بادشاہ کو سیاسی فلسفہ کا موضوع قرار دیا ہے اور اس کو مملکت کے رکن اول کی حیثیت سے پیش کیا ہے اس کتاب میں اگرچہ سیاسیات کے نقطہ بھی دوسرے عقلی اور اخلاقی مضامین پر مشتمل ہستقل اباب موجود ہیں لیکن پوری کتاب کی مدح یا اس کا مرکزی مقصد بالکل سیاسی ہے اور اس سیاست کا محور بادشاہ کی ذات ہے۔ یہی وجہ ہے مصنف نے خود کتاب کا عنوان "سلوک المملک فی تدبیر المملک" تجویز کیا ہے۔ مادہ ادبیل الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ مملکت کے لئے بہترین تدبیر اختیار کرنی بادشاہ کو کیا روش اختیار کرنی چاہئے چنانچہ اس عنوان سے اس امر کی قطعی طور پر تصدیق ہو جاتی ہے کہ اس کتاب کا اصل موضوع بادشاہ ہے لیکن تاریخی طے پر یہ بھی مسلم ہے کہ یہ کتاب بادشاہ پر پہلی کتاب ہے۔

بادشاہت کے لوازم

مملکت کا بنیادی رکن ہونے کی حیثیت سے بادشاہ کے لئے ابن ابی اریج چھ چیزیں ضروری قرار دیتا ہے۔

(۱) پہلی ضروری چیز یہ ہے کہ وہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہو اور اپنے پیش رو بادشاہ کا سب سے قریبی رشتہ دار ہو تاکہ تمام رعایا اس کی بادشاہت پر مطمئن ہو سکے۔ گویا وہ موروثی بادشاہت کا حامی ہے اور مملکت میں امن و استحکام کی واحد صورت اس کے نزدیک صرف یہی ہے کہ داخلی سیاست میں انقلابات یا انتخابات جیسے مضطرب احوال سے قطع نظر وراثت کا مفہور اور بیگانہ طریقہ اختیار کر لیا جائے۔ اپنے اس تصور کی تائید میں چونکہ ابن ابی اریج نے کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے اس لئے اس پر تنقید کی بجائے صرف اتنا کہ دینا ہی کافی ہے کہ خلافت عباسیہ کے موروثی نظام کا یہ ایک تاثر ہے جو مصنف کے ذہن پر جم گیا ہے۔

۲۔ دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ بادشاہ اوالعزم اور عالی ہمت ہو یعنی اس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا ہو اور اس کے اخلاق مفید گئے ہوں اور اس کی تربت نفسیہ بھی حالت اعتدال پر ہو کیونکہ جب تک اس میں یہ اخلاقی رفعت پیدا نہیں ہو جائے گی اس وقت تک اسے ملک حاصل نہیں ہو سکے گا اور اگر کوئی طرح حاصل ہو بھی گیا تو باقی نہیں رہے گا۔ یہ تصور کس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سلطنت کا حصول اور بقا اعلیٰ اخلاق پر منحصر ہے اور اس اعلیٰ اخلاق کا مظہر ہے نیا وہ خود بادشاہ کو ہونا چاہئے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ پورے فلسفہ سیاسیات کا خلاصہ صرف یہی ایک بات ہے۔

۳۔ تیسری چیز جس کی بادشاہ کو سخت ضرورت ہے وہ حکم رانے ہے جس کے بغیر کوئی معاملہ طے نہیں ہو سکتا۔ رانے کی یہ اہمیت مطالعہ تاریخ اور گذرے ہوئے بادشاہوں کے حالات، ان کی تباہی و اسان کے تجربات پر غور و فکر کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور جس بادشاہ میں بھی یہ پیدا ہو جاتی ہے وہ لوگوں کے مکر و فریب کا آسانی کے ساتھ شکار نہیں ہو سکتا۔ یہ بات سیاسی افادیت کے لئے بڑی حکم اور سیاسی استقلال کے لئے بہت ضروری ہے اور اگر سیاسی سربراہ خود ہی اس سے محروم ہو تو اور مملکت باز پچہ اطفال کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

۴۔ چوتھی چیز صبر ہے، جو قوت اور شجاعت کے استعمال سے پیدا ہوتا ہے۔ جس بادشاہ میں یہ وصف موجود ہوتا ہے اس کے تمام امور پائیدار ہوتے ہیں اور دشمن اس کے مقابلے میں پسپا رہتے ہیں یہ بات بڑی پراز حکمت ہے اور اس کا مادہ اصلی یہ ہے کہ ہر ایک اخلاقی قوت ہے اور ایسی قوت ہے جو کبھی شکست یا بے بسی نہیں ہوتی اس لئے جس بادشاہ میں بھی یہ قوت موجود ہوگا وہ اپنے تمام امور میں غالب رہے گا۔

۵۔ پانچویں چیز مال ہے۔ مادشاہ اگر اپنے ملک کو آباد رکھے اور عوام کے مال میں عدلی اور انصاف سے کام لے تو اس کا خزانہ محدود رہے گا اور اس کی حکومت مستحکم رہے گی۔

۶۔ چھٹی اور آخری چیز یہ ہے کہ بادشاہ کے کچھ معتد اور مخلص دوست ہوں جو اس کے دست و پاؤں کی طرح اس کا ساتھ دیں تاکہ شاہ کا دل مطمئن رہے۔ ایسے دوست ایسے التفات و اکرام اور بے پناہ لطف و عنایت کے ذریعے سے حاصل ہوتے ہیں اور ان کے انتخاب یا برک یا نیک بینی اور انسانیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

بادشاہ کے سیاسی مشاغل

ابن ابی الربیع کے نزدیک مملکت کی جلد سیاسی سرگرمیوں کا مرکز یا دشاہ کی ذات ہے اب اگر یہ مرکز سیاسی اعتبار سے درست ہے تو یہ یقین رکھنا ہے کہ مملکت کا پورا سیاسی نظام بھی درست رہے گا اور اگر یہ مرکز ہی خواہی کیونکر ہو گیا تو پھر مملکت کی پوری سیاسی زندگی خواہیوں میں مبتلا ہو جائے گی اور اس کا کوئی ایک گوشہ بھی ان خواہیوں سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے پیش کردہ سیاسی نظام میں بادشاہ کو سیاسی اعتبار سے درست رکھنے کے لئے بڑی ٹھوس تجاویز پیش کی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ ایک بادشاہ کو کس قسم کی سیاسی زندگی گزارنا چاہئے تاکہ اس کے زیر اثر مملکت میں صحیح قسم کی سیاسی زندگی نشو و نما پا سکے اس خیال میں بادشاہ کی سیاسی زندگی کے پانچ پہلو یا اور پانچوں بہت اہم ہیں اس لئے اس نے ہر ایک پہلو کی الگ الگ وضاحت کی ہے اور اس کو درست رکھنے کے لئے مناسب تدابیر بھی بتائی ہیں درج ذیل ہیں ۱۔

(۱) نفس کی سیاست

بادشاہ کی سیاسی زندگی کا سب سے اوّلین پہلو اس کے نزدیک خود بادشاہ کے اپنے نفس کی سیاست ہے یعنی اگر اس کا نفس درست نہ ہو تو اس کا نفس الہامی ہے تو اس کے تمام امور خیر و خوبی کے ساتھ انجام پائیں گے لیکن اگر اس کا نفس ہی غلاب ہے یا وہ جلیقہ نفس تو پھر اس سے کسی بھی خوبی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ دنیا کے تمام سیاسی نظاموں میں جو کبھی قائم نہ ہوئے یا آج قائم ہیں یہی نکتہ سب سے زیادہ بنیاد ہے کہ خود سربراہ سیاست کی کیفیت نفس کیسی ہے آیا وہ شریف النفس ہے یا غیبتا النفس؟ صرف اس بات کے فیصلے پر سے سیاسی نظام کی خوبی اور غلابی کا انحصار ہے اس لئے ابن ابی الربیع نے بادشاہ کو سب سے پہلے خود اپنے نفس کی سیاست کی جانب توجہ کیا ہے اور اس کی تربیت کے طریقے بھی بتائے ہیں تاکہ سیاسی نظام کی یہ خشت اولیٰ سیدھی جھم جائے۔ اس نے بادشاہ کو یہ مشورہ دیا ہے کہ اس کو کاموں کے اعتبار سے اپنے اوقات اس طرح تقسیم کرنے چاہئیں کہ دن کا ابتدائی حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر و فکر کے لئے مخصوص ہے۔ عبادت سے فارغ ہونے کے بعد دوپہر تک اس کو بانات خود رعایا کے کاموں کو دیکھنا اور انہیں ٹھیک طریقہ انجام دینا چاہئے۔ اس کے بعد کچھ وقت اپنے تمام اہل کام کے لئے رکھے اور دن کے آخری حصے میں کچھ دولت سیر و تفریح کے لئے مقدر کر لے۔ یہ طریقہ اس کی زندگی ایک معتدہ نظام اور اوقات کے مطابق بسر ہونی چاہئے، دوسری چیز یہ کہ بادشاہ کو دنیا اور حکم ہونا چاہئے اور اگر اس میں کبھی ہوتا ہے تو اس سے حکمت و دانائی کے حصول کا شوق غرض ہونا چاہئے۔ تاکہ اس کے معاملات میں نادانی یا حماقت جگہ نہ پا سکے تیسری چیز یہ کہ بادشاہ کو اچھی طرح یہ جان لینا چاہئے کہ اس کا حقیقی خزانہ رعایا کے دل میں ہے اب اگر وہ ان میں جھلسائی ڈالے گا تو وہ محفوظ ہے گی اور اگر برائی ڈالے گا تو وہ بھی سمجھ رہے گا۔ اس لئے رعایا کے معاملات کی انجام دہی میں اس سے بڑھ کر زیادہ یہی بات ملحوظ رکھنی ہے کہ اس کے اس حقیقی خزانے میں کوئی ہلکی نہ ہونے پائے۔ چوتھی چیز یہ کہ غلط عیب چینی سے مغموم یا غلط تعریف سے سرور نہ ہونا چاہئے۔ پانچویں چیز یہ کہ تعذیر کے فیصلوں پر گھبرانا نہ چاہئے اور کسی کام کو کسی اس کے غیر وقت میں نہ کرنا چاہئے۔ چھٹی چیز یہ

کہ ہر حال میں خدا کا شکر بجا لائے۔ امدادوں پر اس نے کلمے کا ہر وقت خواہش مند ہے۔ ساتویں چیز یہ کہ کسی معاملے میں بھی غلط فہمانہ نہ لگائے۔ امداد اپنی ہر حالت سے اچھی طرح واقف ہے۔ انھیں چیز یہ کہ ہر کام میں حق و انصاف کو دہرائے۔ اصول کی حیثیت سے اختیار کے امداد جو بھی ان کا فیصلہ ہو اس کے مطابق عمل کہے۔ امدادوں چیز یہ کہ لوگوں کے غلط تشددوں کو اپنی صاحب داتے پر یہ کہہ کر دیکھے یہ کہ اصول اگر بادشاہ اپنا ہے تو ان اپنی ارجح کا خیال ہے کہ سیاسی امدادیں اس کا نفس اس کو غلط داتے پہنہ مثال کے گا امداد ان تمام خواہشوں کا بھی سبب ہو جائے گا۔ جو کسی سیاسی سربراہ کے حرف نفس کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

(۲) جسم کی سیاست

دوسرا پہلو بادشاہ کی سیاسی زندگی کا اس کی جسمانی کیفیات سے متعلق ہے یعنی اگر یہ کیفیات جسمی اور مائل بہ خوبی ہیں تو اس کے اثرات ملکی سیاست پر بھی اچھے پڑیں گے لیکن اگر یہ جسمانی کیفیات بادشاہ کو کمزور اور ہلاکی کی جانب مائل رکھتی ہیں تو اس کے زہر اثر جو سیاسی نظام قائم ہوگا اس میں بھی لازماً غریبیاں پیدا ہو کر رہیں گی۔ اس لئے ابن ابی الربیع اس کو بادشاہی سیاست کا دوسرا باب قرار دیتا ہے اور اس کی اصلاح کی بھی فکر کرتا ہے، چنانچہ اس کا مشعر یہ ہے کہ بادشاہ کو اپنی جسمانی کمزوریاں کا غلام بن کر نہیں رہنا چاہئے بلکہ اس کو ہر حالت میں اندر بہ ممکن طریقے سے اپنی شہرت کو مغلوب رکھنا چاہئے چنانچہ جو شخص شہرت کا بندہ بن گیا ہو اس کو وہ سرے سے بادشاہت ہی کا مستحق نہیں سمجھتا دوسری چیز یہ کہ بادشاہ کو برسی لذتوں کا نوکر نہیں ہونا چاہئے اور اس امر کا اہتمام کرنا چاہئے کہ ان سے بالکل ہی محفوظ رہے۔ تیسری چیز یہ کہ اپنے اندر اعلیٰ اخلاقی اوصاف پیدا کرنا اور بڑے خدائی سے پاک رہنا چاہئے۔ جو حق چیز یہ کہ سستی، کابلی اور غفلت کا شکار نہ ہو اور ہر وقت چوکنا اور مستعد رہے، چنانچہ چیز یہ کہ اپنی غائب گاہ سے کسی کو روافد نہ کرے، چھٹی چیز یہ کہ تندست اور طاقت ور اور اندکھوڑے کی سادھی میں مہارت حاصل کرے مانی چیز یہ کہ اگر شکل و صورت اچھی ہو تو یہ بھی اس سے حق میں بہتر ہے آٹھویں چیز یہ کہ اس کے تمام اعضاء و سلامت ہوں تاکہ چلنے پھرنے اور اپنی ذمہ داریوں کو انجام دینے میں کوئی وقت محسوس نہ کرے۔ نویں چیز یہ کہ ملک کو آئندہ نسل کے لئے موجودہ حالت سے زیادہ آباد کرے۔ دسویں چیز یہ کہ کسی چیز کا عادی نہ بن جائے تاکہ اگر اس کو چھوٹنے کی ضرورت پیش آئے تو یہ آسانی سے چھوڑ سکے۔ گیارہویں یہ کہ ہر نفسیات کے وقت اپنے دل بھر کے کاموں کا احتساب کرے اور ہاں یہی یہ کہ اپنی ذات کے مقابلے میں ملکی مصالحت کو مقدم رکھے تاکہ مملکت کو سیاسی اور ظاہری استحکام حاصل ہو۔ ان باہر اصولوں کو اختیار کر کے اپنے بعد، بادشاہ کے پاس بن ابن ابی الربیع مضمون ہے کہ اس کی جسمانی کمزوریاں کے سیاسی اثرات و اتقا میں غلط طریقہ اثر انداز نہ ہوگی اور وہ فتنے بیلانہ ہر سکین گے جو جسمانی تقاضوں کے آگے تھک جانے والے فرمان سعادوں کے ذریعے سے لانا پید ہوا کرتے ہیں۔

(۳) خاص لوگوں کی سیاست

مملکت کے سیاسی نظام کو چلانے کے لئے بادشاہ کے چند خاص اور متحدہ لوگ بہتر ہیں جو اس کے دست و پاؤں کی طرح خدمت انجام دیتے ہیں۔ ابن لوگول کے ساتھ بادشاہ کا سیاسی تعلق ایک خاص نوعیت کا حامل ہوتا ہے اور اس خاص تعلق کو بہتر سے بہتر حالت میں باقی اور بقرار رکھنے اور اس کو زیادہ صحیح و مستقیم بنانے کے لئے مملکت کی بھی بہتری پریشیدہ ہوتی ہے۔ اس لئے بادشاہ کو سیاست کا یہ پہلو درست رکھنے کے لئے بڑی اہمیت طے سے کام لینا پڑتا ہے۔ ابن ابی الربیع نے اسی باعث اس پہلو کو بھی دعاوت کی ہے

ادب بادشاہ کو ان مصلحتوں سے روشناس کرایا ہے جن کی معرفت وہ اس مرحلے سے کامیابی کے ساتھ گزرتا ہے اس کے خیال میں ان خاص لوگوں میں سے بھی سلطنت کے محافظ تین اشخاص ہیں، وزیر، معتد اور عقیددار ادب بادشاہ کے جسم کے محافظ بھی ہیں، بالکل منہج اور طبیب۔ اس لئے بادشاہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان خاص لوگوں کی پرورشیدہ اور علانیہ دونوں طریقوں سے نگرانی رکھے اور ان کی فہم اور اندازوں سے واقف ہے ہر وقت ان لوگوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے اور اپنی ہی جان کی طرح ان کی بھی حفاظت کرے اگر کوئی معمولی سی خطا یا لخرش ان سے سرزد ہو جائے تو ان کو معاف کر دے اور مواخذہ نہ کرے ان میں ہونا مراد معززوں کو ان کی حیثیت کے مطابق ان کے درجات بھی بلند کرے اور ان کے حقوق کی پوری طرح حفاظت کرے۔ ان کے پاس ہیں اگر کوئی شکایت معمول ہو تو بلا تحقیق اس پر یقین نہ کرے۔ پھر ان کے مراتب کا اس طرح لحاظ رکھے کہ کسی کی حیثیت بغیر سب طور پر نہ بڑھ جائے ورنہ دوسرے لوگ بد دل ہو جائیں گے۔ طبیب کے ساتھ دفعتاً فوتنا اچھا سلوک کہتا ہے۔ خالق اور اہل علم حضرات کو اپنا ہم نشین بنائے اور ان کی ضروریات کی کفالت کرے تاکہ ان کی محبتوں سے مستفید ہو سکے۔ بادشاہ کے لئے ان تمام تدابیر کو اختیار کرنا اس کے نزدیک نہایت ضروری ہے ورنہ امور مملکت صحیح طریقے سے انجام نہیں پاسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان تدابیر کو خاص لوگوں کی سیاست سے تعبیر کرتا ہے

۴) عوام کی سیاست

مملکت کی حقیقی قوت عوام ہیں اور اگر غور سے دیکھا جائے تو مملکت ان ہی کے لئے قائم ہوتی ہے اور ان ہی کے دم سے باقی رہتی ہے سیاسی نظام کی خوبی اور خرابی کا انحصار بھی ان ہی پر ہے اس لئے بادشاہ کو ان کی جانب سے بھی غافل نہ رہنا چاہئے اور اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں ان کی بہتری کے لئے صرف کرنی چاہئیں۔ بادشاہ کی زندگی میں جتنی بھی سیاستیں ہیں ان میں اہم ترین یہی عوامی سیاست ہے اور اسی باعث ابن ابی الربیع نے عوام کے ساتھ سیاسی مذاہلہ استوار کرنے کے لئے بادشاہ کو تفصیل کے ساتھ مشورے دیے ہیں۔ اس کے اصل مشورے حسب ذیل ہیں۔

- ۱۔ رعایا کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے تاکہ وہ خوف سے نہیں بلکہ دلی محبت سے اس کی اطاعت کریں۔
- ۲۔ پہلے ان کے ساتھ دنیاوی سے پیش آئے اور پھر ان کے دل میں اپنی قربت اور مدارج کی ترقی کی خواہش پیدا کرے۔
- ۳۔ ان کے مازوں سے واقف ہونے تک ان کی خبریں دریافت کرنے سے غافل نہ رہے۔
- ۴۔ ان کے دل میں اپنی محبت و دنیاوی جہ و جہان کی طرح سے نہیں بلکہ مذہب کا سچا پیرو ہونے کی حیثیت سے پیدا کرے۔
- ۵۔ ان کے عیال کے عادات و خصائل اور ان کی قابلیتوں کے بارے میں واقفیت پیدا کرے تاکہ صلاحیتوں کے مطابق ان کو عہدوں پر مامور کیا جاسکے۔

- ۶۔ اپنے قریب کے بادشاہوں کی خبریں دریافت کرتا رہے اور سرحدوں پر کثیر فوج رکھے۔
- ۷۔ اپنے لشکر کا اچھی طرح طریقہ گیری کرتا رہے اور انہیں انعام و اکرام سے نوازتا رہے تاکہ انہیں شکایت کا موقع نہ ملے۔
- ۸۔ پہلے دعویٰ اور مدعا جیسا کہ جواب دہوں سے اس کے بعد جس کی زیادتی ہو اس کو سزا دے۔

لے اسلامی نظام زندگی میں اس کی کوئی سند موجود نہیں ہے۔ سیاسی اعتبار سے بھی یہ ایک ہمہ جہت بات ہے کیونکہ اگر خود بادشاہ منہج کا طریقہ بن گیا تو اس سیاسی قوت منہج کے ماتحت میں منتقل ہو جائے گی۔

۹۔ بر شخص ملنے کے لئے آئے اس کو خوش کر دے تاکہ اس کے اوصاف کی شہرت ہو۔

۱۰۔ شہر کی عمارتوں اور فردی اشیاء کے نرخوں کی دیکھ بھال کرتا رہے۔

۱۱۔ اپنی رہایا کو دھندہ دھبہ اور سادہ و سیمپل نہ رکھے۔

۱۲۔ بادشاہ کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ عام طریقے سے لوگوں کو نفع پہونچانا بہترین اثر پیا کرتا ہے۔

۱۳۔ اچھول اور بڑوں کو ایک ہی درجے پر نہ رکھئے کیونکہ اس طرز عمل سے اچھے لوگ بادشاہ سے نفرت کریں گے۔

۱۴۔ جھگڑے اور فساد کے اصل اسباب کی پیچ گئی کرے۔

۱۵۔ اپنی رہایا کو دوسری مملکت سے متاثر نہ ہونے دے ورنہ رفتہ رفتہ وہی مالک ہو جائیں گے۔

۱۶۔ تمام ملک پر سیاست جاری رکھے۔

مندرجہ بالا اصول باتوں میں ابن ابی الربیع نے عوامی سیاست کے تقصیراً تمام ہی دنیاوی اصول بیان کر دیے ہیں تاکہ اگر کوئی بادشاہ چاہے تو بلا تامل ان سے استفادہ کر سکے۔ مخبر سے دیکھا جائے تو ابن ابی الربیع کے ان اصولوں کی پیروی کرنے والا بادشاہ جمہوری مملکتوں کے سربراہوں سے زیادہ بہتر اور زیادہ عوامی ہے۔

(۵) جنگی سیاست

جنگی سیاست دراصل سیاست خارجہ کا ایک جز ہے اور مملکت کے استحکام اور اس کی بقا کے لئے ایک بہت ہی اہم عنصر ہے اس لئے اس کو کسی حال میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ابن ابی الربیع نے بھی جتنی سیاستیں بادشاہ کے ساتھ مخصوص کی ہیں ان میں جنگی سیاست کو بھی شامل کیا ہے۔ ترتیب کے اعتبار سے اگرچہ یہ پانچویں اور آخری سیاست ہے جو بادشاہ اختیار کرتا ہے لیکن اہمیت کے اعتبار سے لبا اوقات کی سیاست سب سے اولیٰ بھی ہے اس لئے اس معائنے میں اس نے بادشاہ کو جو مشورے دیے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ دشمن سے غافل نہ رہے اور ہم وقت اپنے جاسوسوں کے ذریعے سے اس کی خبریں حاصل کرتا رہے۔

۲۔ دشمن اسیلے خصائص مانے سے اپنی خبروں کو پوشیدہ رکھے۔

۳۔ دشمن اور اس کے ساتھیوں کو دھوکا دینے اور ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے جتنی ممکن ہو دولت خرچ کرے۔

۴۔ دشمن کے ملک کا باشندہ اگر اپنے ملک میں پناہ گزیں ہو تو اس کے صحیح حالات جانے بغیر اس پر کبھی بھروسہ نہ کرے۔

۵۔ دشمن اگر قوی ہو تو کثیر فوج کے ساتھ خود سے کا مقابلہ کرے۔

۶۔ اگر دشمن کمزور ہو تو کسی شریف، دلیبر اور قابل اعتماد آدمی کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجے۔

۷۔ اپنی فوج کو ایسی جگہ رکھے جس سے دشمن غافل رہے۔

۸۔ دشمن کو تنگ پہونچانے کے لئے اس کو وسائل سے محروم کر دے۔

۹۔ سپاہیوں کی ہر سماعت پر تجسس کا راسخا بہاد اور فریاد کرے۔

۱۰۔ دشمن سے جو کچھ رہے اور اپنی فوج کو محفوظ مقام پر رکھے۔

۱۱۔ دشمن کو کبھی حقیقت بھیجے اور اس سے ڈٹ کر مقابلہ کرے۔

۱۲۔ جہاں تک ممکن ہو لڑائی سے بچنے کی کوشش کرے اور لڑائی اس وقت شروع کرے جب اس سے بچنے کی کوئی صورت ممکن ہی

نہ ہوا کہ عدلت خوب کے لڑائی مال سکتا ہر تو مال دے ۔

۳۔ اگر کسی جیلے سے لڑائی مال دے تو اس میں عدلت ادھانیں دہلی ہی محفوظ رہیں گی ۔

۱۱۔ دشمن پر فتح حاصل ہوجانے کے بعد امن عام کا اعلان کر دے اور لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف کیساتھ پیش آئے ۔

۱۵۔ مال غنیمت کو خرچ میں تقسیم کر دے اور مستحقین کو ترقی دے ۔

۱۶۔ جہولٹی اور بے بنیاد باتوں کی تحقیق کرے اور جو جھوٹے ثابت ہوجائیں ان کو سزا دے ۔

ان سولہ امور میں ابن ابی الربیع نے جنگ کے بارے میں وہ دنیاوی سیاسی اصول پیش کئے ہیں جن کو اختیار کرنے سے ایک مملکت غلبہ و عظمت سے بے برخاستہ رہ سکتی ہے ۔ ان اصولوں کی مرئی اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان کو پیش کرنے والے نے جنگی امور کو بھی اخلاقی حدود کے اندر رکھنے کی کوشش کی ہے ۔ اور عدالت کو محض غارت گریانے کی بجائے اس کو انسانیت کا محافظ بنایا ہے ۔ سیاسی تدبیر کا یہ وہ مقام ہے جہاں ہر شے سیاسی مفکرین نے شکر کریں گے ہیں لیکن ابن ابی الربیع وہ مفکر ہے جس نے سیاسی نظم و آراؤں کے لئے بھی ان شوروں سے بے نظریے کا اہتمام کر دیا ہے ۔

بادشاہ کی سیاستوں کی تعمیر اور ان کا تعین کر چکے کے بعد ابن ابی الربیع نے اپنے پیش کردہ اصولوں کو برتنے اور ان کو عمل میں لانے کے طریقوں کی بھی تفصیل کے ساتھ وضاحت کی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ بادشاہ کو مختلف کاموں کے لئے لوگوں کا انتخاب کس طرح کرنا چاہئے اور انہیں لوگوں کی شناخت کرنے کے طریقے کیا ہیں ۔ پھر بادشاہ جن چیزوں سے سختی نہیں ہوسکتا ان کی ایک تفصیل ہے اور پھر بادشاہ کے لئے فردی اور غیر فردی چیزوں کی بھی فہرست مرتب کر دی ہے ۔ بادشاہ کے اچھے اور بُرے فضائل انسان کے تاریخ و احوال پر بھی پوری طرح مددگار ثابت ہوتی ہیں ۔ مختصر یہ ہے کہ اس باب میں اس نے فن حکمرانی کو مکمل طور پر پیش کر دیا ہے ۔

۲۔ رعایا

بادشاہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ رعایا کو اپنے اپنے جائز چلنے اور کاموں میں مصروف رکھے اور کسی کو برائی میں پڑنے

یا برائی باتوں کو سوچنے کی ہمت نہ دے اور ایسا معقول بندوبست کرے کہ تمام لوگوں کی معیشت کا بہتر طور پر

انتظام ہو جائے ۔ اور رعایا کا فرض یہ ہے کہ وہ مستقل طور پر اپنے بادشاہ کے اعمال و افعال کی نگاہی کرتا رہے م

ابن ابی الربیع کے نزدیک مملکت کا دوسرا رکن رعایا دھرم ہیں ۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مملکت ان ہی کے لئے قائم ہوتی ہے

اور ان ہی پر اس کی کل زندگی کا انحصار ہوتا ہے ۔ اگر ان کی حالت بہتر اور ان کا معیار بلند ہے تو مملکت بھی اسی اعتبار سے طاقتور

اور ترقی یافتہ ہوگی لیکن اگر اس کے عوام پسماندہ اور ان کے اعمال افسردہ ہوں گے تو مملکت بھی اسی قدر کمزور ہوگی صرف

حکومت کی نشان و شرکت اور حکمرانوں کا خطرہ ان کو بھی مملکت کی عظمت کی دلیل نہیں بن سکتا ۔ مملکت عظیم اسی وقت ہوتی

ہے جب اس کی رعایا عظیم ہو جائے جس میں مملکت میں عوام کی بہتری کے لئے مسلسل کوشش نہیں کی جاتی وہ مملکت اپنے ظاہری روپ کے

اعتبار سے کتنی بھی کمزور نہ ہو وہ حقیقی طاقت اور ترقی سے محروم ہی رہتی ہے ۔ رعایا کی اسی اہمیت کے پیش نظر ابن ابی الربیع نے

اس کا تجزیہ کیا ہے اور لوگوں کی اقسام تین کی ہیں تاکہ ان کے ساتھ سیاسی ہمتاؤں کو کرنے میں آسانی پیدا ہو جائے ۔

تقسیم بر اعتبار حالت

عام شہر لوگ اس نے سات قسموں میں بانٹ دیا ہے اور سب پہلی قسم میں ان لوگوں کو شامل کیا ہے جو ہر دفعہ قوی اختیار کرتے ہیں اور ہمہ وقت خدا کی یاد اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور لوگوں کو اپنے نمونہ اخلاق اور عملی تزیین کے ذریعہ سے نیکی کی تلقین کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کے لوگ یا اہل اللہ کہلاتے ہیں۔ دوسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو علوم حکمت مشائخ طیب، صاحب ہندسہ اور منطق وغیرہ سے واقف ہوتے ہیں ایسے لوگ حکماء یا اہل عقل کہلاتے ہیں۔ تیسری قسم میں اس نے علماء دین یا اہل علم کو شامل کیا ہے ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو سخن نبوی کے حامل اور انبیاء کے خلفاء ہیں اور جن کی جانب لوگ حلال دعوام اور تفسیر و تاول کے مسائل میں رجوع کرتے ہیں۔ چوتھی قسم خاندانی یا صاحب نسب لوگوں پر مشتمل ہے یہ لوگ شریف، نری عزت اور صاحب جاہ و مرتبت ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ ان کی کثرت خوبی کی دلیل ہے۔ یہ لوگ صاحب الاحترام ہیں اور بادشاہ کا حقیقی ساندساں بھی یہی لوگ ہیں۔ پانچویں قسم فوجیوں یا اہل سیف کی ہے یہ لوگ سلطنت کے محافظ ہیں۔ ان ہی کے ذریعہ سے ملک فتح ہوتے ہیں اور دشمن کو شکست دے کر یہی اس کے ترسے ملک کو محفوظ رکھتے ہیں۔ چھٹی قسم بانسلاطوں یا اہل ثروت کی ہے جن میں تمام اہل حوزہ، کالگ، پیشہ ور اور تاجر وغیرہ شامل ہیں۔ ان لوگوں کے ذریعہ سے لوگوں کے کام نکلنے میں اور سب کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور ان ہی قسم میں وہ بات دالے یا اہل دشاں ہیں یہ لوگ کاشت کاری کرتے اور جانوروں کو پالتے ہیں جن سے لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری ہوتی ہیں سال تمام اہل اللہ، اہل عقل، اہل علم، صاحب نسب، اہل سیف، اہل ثروت اور اہل دہ سے مملکت آباد ہوتی ہے چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان تمام لوگوں کو اپنے اپنے مشغل میں مصروف رہنے دیا جائے تاکہ مملکت کے تمدنی امور بطریق احسن انجام پاتے ہیں اور بادشاہ ہر ایک کے ساتھ اس کے اعمال کو ملحوظ رکھتے ہوئے معاملہ کرے۔

تقسیم بہ اعتبار سیرت

مملکت میں تمام لوگ اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے یکساں نہیں ہوتے۔ ان میں کچھ لوگ تراعلی درجہ کی سیرت کے مالک ہوتے ہیں اور کچھ کی سیرت درمیانی حیثیت کی ہوتی ہے لیکن کچھ دیگر وار بھی ہوتے ہیں، اس لئے ابن ابی البریج ان سب کے ساتھ یکساں ہوتا و کو مناسب نہیں خیال کرتا۔

۱) اس کے نزدیک اچھے لوگ ہلاقی کو دشمن اور بھلائی کو دوست رکھتے ہیں، ہمہی مستعدی کے ساتھ ادا امر کی اطاعت کرتے اور لوہا می سے باز رہتے ہیں اور جن چیزیں مملکت کی بھلائی ہو اس کی حمایت کرتے ہیں چنانچہ ان کا حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ اکرام و ماحول کا معاملہ کیا جائے دوسروں پر ان کو مقدم رکھا جائے اور ہڈی زہر مار دیں گے جہد سے ان کے سپرد رکھے جائیں اور ہر طریقے سے ان کے مایہ بند رکھے جائیں۔

۲) او متوسط درجے کی سیرت رکھنے والوں کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ یہ لوگ ہلاقی اور بھلائی کی جانب برابر نسبت رکھتے ہیں، اس لئے کبھی بھلائی کی جانب مائل ہو جاتے ہیں اور کبھی ہلاقی کی جانب۔ چنانچہ ان کا حق یہ ہے کہ ان کی برائتوں کی اصلاح کی جائے جس طرح طبیب دین کا علاج کرتا ہے، اسی طرح کبھی چشم لوشی کے لئے اور کبھی سوز کے ذریعہ ان کی بری عادتوں کو دھوکا دیا جائے۔ (۱) (۲) لوگ نہ بد باطن اور بد کردار ہوتے ہیں ان کو وہ اچھے لوگوں کی بالکل ضد خیال کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ تعلیم و

تربیت سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ یہ لوگ طبعاً موزی دندوں کے مانند ہیں، اس لئے ان کا حق یہ ہے کہ جب ان پر نرا سزا کا کوئی اقتضہ ہو انسان کی اصلاح سے قطعاً مایوسی ہو جائے تو ان کو کسی وہ مقام پر پہنچا کر حکم دیا جائے تاکہ ان کے شر سے عام رعایا مامون رہے۔

رعایا کے بارے میں بادشاہ کی ذمہ داری

مندرجہ بالا تمام اقسام کے لوگوں کے بارے میں بادشاہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ ان کو اپنے اپنے جائزہ پیشہ اور کاموں میں مصروف رکھے اور کسی کو برائی میں پڑنے یا بری باتوں کو سوچنے کی ہمت نہ دے اور جو سب سے لوگ ہیں ان کو بادشاہ کے معاملات میں غور و خوض کرنے سے روک دے غریبوں کی گذشتہ اوقات کے لئے المیادوں سے ان کی حیثیت کے مطابق وصولی کرے۔ سیاست میں قریب اور بعید کو مساوی رکھے۔ مظلوم کو ہرگز نہ روکے بلکہ اس کو بلا روک کر اپنے پاس آنے دے۔ ان ظالم کے مقابلے میں اس کی دادرسی کرے۔ رعایا کی شکایات سننے اور ان کی حاجت برآری کے لئے ہر وقت مستعد رہے۔ منہجہ شہر پناہ کے ذریعہ اپنی رعایا کو ہر دینی و دنیوی و شہنشاہی سے محفوظ رکھے۔ رہنروں سے ملک کو پاک کرے اشیائے خور و نوش کی حفاظت کا اہتمام کرے۔ رعایا کے گھروں کو چوروں سے محفوظ رکھے۔ تمام راستوں میں امن بحال رکھے اور شہریوں کی بچ بچائی کرتا رہے۔

رعایا کے فرائض

سیاسی فلسفہ کا یہ وہ پہلو ہے جس کو عام مفکرانہ انداز کر دیتے ہیں لیکن بعض مفکر رعایا کو مختار مطلق اور مقتدر اعلیٰ بھی سمجھتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک رعایا فرائض سے بالا ہو جاتی ہے۔ بہر کیف دونوں ہی صورتوں میں رعایا کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاتا لیکن ابن ابی البریج نے اپنے پیش کردہ سیاسی نظام میں رعایا کے فرائض سے بھی گفتگو کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ سیاسی نظام کی اس وقت تک تکمیل نہیں ہو سکتی جب تک کہ رعایا بھی اپنے فرائض کو ادا نہ کرے۔ مختصر طور پر اس کے نزدیک رعایا کے فرائض میں یہ امور شامل ہیں کہ وہ بادشاہ کی عیب جوئی اور اس کے راندوں کی جستجو نہ کریں۔ اگر بادشاہ کسی بے کام کا قصد کرے تو فوراً اس کو نصیحت کرنے سے باز نہ رہیں، یعنی یہ رعایا کی ذمہ داری ہے کہ وہ مستقل طور پر اپنے بادشاہ کے اعمال و اعمال کی نگرانی کرتے رہیں۔ اصلاح و مگرانی سیاسی نظام کی بہتری کی دلیل ہے۔ اگر بادشاہ کے کسی خاص شخص سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہے تو اس سے کچھ نہ کہے بلکہ بادشاہ پر اپنی تکلیف کا اظہار کرے۔ اس طرح جمالی حکومت برائیوں کے انکباب سے باز رہیں گے، بادشاہ کی مسرتوں میں انہماک نہ کریں اور اس کے غموں میں شریک نہ بنیں اللہ جل جلالہ کے وقت اس کی مدد کریں۔ بادشاہ جب بلا سے تو حاضر ہو جاتے ہیں اور بلا وجہ اس کی مخالفت نہ کریں الغرض مملکت کی جھگڑائی اسی میں ہے کہ رعایا بھی اپنے فرائض خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے۔

۳۔ عدل

(عدل ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے جو ہر فرد کی سیرت کا ایک لازمی جزو ہے) مملکت کا تیسرا رکن ابن ابی البریج کے نزدیک عدل ہے اس بارے میں اس کا قول یہ ہے کہ "عدل مخلوق کے لئے اللہ کا ایک حکم ہے، اس کے قابل احترام ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تمام قوموں نے خدا سب کے اختلافات کے باوجود قیام عدل پر اتفاق کیا ہے اللہ کوئی ایک قوم ہی ایسی نہیں ہے جس نے انصاف قائم کرنے کی ہدایت نہ کی ہو یا اس کی نغیبت سے واقف نہ کرایا ہو۔"

عام سیاسی مفکرین کی طرح عدل کے بارے میں ابن ابی الربیع کا تخیل بہت محدود نہیں ہے یعنی وہ صرف اسی شے کو عدل تسلیم نہیں دیتا جسے ایک سیاسی نظام اپنی علاقوں کے ذریعے سے نافذ کرتا ہے بلکہ اس کے نزدیک عدل ایک دینی کیفیت کا نام ہے جو ہر فرد کی سیرت کا ایک لازمی جزو بنتی ہے اور اسی کیفیت کی مدد سے اور نادستی پر حقیقی عدل کا انحصار ہے۔ اس طرح وہ علاقوں کی کوئیں بلکہ ہر سے معاشرے کو عدل کا ذمہ دار سمجھتا ہے اور اس ذمہ داری کو مذہبی عقائد کی معرفت ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے اس کے نزدیک عدل کے تین درجے یا تین قسمیں ہیں۔

پہلے درجے میں وہ عدل ہے جس کی رو سے بندے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے ہیں یعنی وہ تمام فرائض اور واجبات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقدر فرمائے ہیں ان کو ادا کرتے ہیں، عرف اللہ کے لئے قربانیاں ادا کرتے ہیں، ساجد گو اور کھتے ہیں، تراویح کا اہتمام کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ آؤ کی اگر دیانت داری کے ساتھ طور کے تو فی الواقع وہ ابن ابی الربیع کے اس خیال سے اتفاق کر لگا کہ اللہ ان پر سب سے پسند حق اپنے پیدا کرنے والے کا ہے اس لئے حقیقی انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ سب سے پہلے اپنے خدا کا حق ادا کرے اور جو بندہ اس حق کو ادا نہیں کرتا اس سے جو زندگی میں کسی بھی قسم کے انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

عدل کی دوسری قسم وہ ہے جس کی روح سے انسان ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کرنے میں امداد و تعاون جس کی بنیاد پر خود معاشرہ قائم ہوتا ہے، عام کر دیتے ہیں مثلاً اگر کچھ لوگ ان کے معاشرے میں نہ دوست نہ میں ان کی وجہ سے وہ خود اپنی عزت پوری نہیں کر سکتے ہیں تو اپنے دل میں سے بلا تامل ان کو قرض دیں اور انہیں کھانے کمانے کے قابل بنائیں یا یہ کہ معاشرے کی جانب سے جو انسانی یا جو مذہبی لوگوں کے سپرد کی جائیں وہ ان انسانوں کا پورا پورا حق ادا کریں اور اگر معاشرے کے کچھ لوگ اپنی اشیاء اور اپنے اموال کی خود حفاظت نہ کر سکیں اور انہیں بطور امانت دوسروں کے سپرد کر دیں تو ان کی وہ تمام اشیاء و اوس کی جائیں، کچھ لوگوں میں جب اختلاف یا استغناش کی نوبت پیش آئے تو جاننے والے بالکل سچی گواہی دیں اور معاشرے کے تمام لوگ نیک کاموں کی جانب سبقت کریں۔

عدل کی یہ صورت دراصل معاشرے کے قیام اور بقا کی ضامن ہے۔ معاشرے کے ساتھ سب سے بڑا انصاف یہ ہے کہ اگر اس کے کچھ لوگ انسانی یا مذہبی جدوجہد میں ناکام ہو کر انسانی اور مذہبی شکا رہو گئے ہیں تو ان کے لئے کوئی معقول اور باعزت سہارا فراہم کیا جائے تاکہ ان کے لئے کوئی معقول اور باعزت سہارا فراہم کیا جاسکے تاکہ ان کی معاشی زندگی بھر استوار ہو سکے اور وہ جرائم یا لغات یا دوسری ناپسندیدہ چیزیں چھوڑیں اور اس طرح معاشرے کی کوئی خاموشی میں مبتلا نہ کر دیں چنانچہ ابن ابی الربیع کی یہ تجویز کہ ان کو قرض دے کہ پھر سنبھلنے کا موقع دیا جائے معاشرتی انصاف کی بڑی کارگر صورت ہے۔ پھر معاشرے کی بقا اس امر سے وابستہ ہے کہ اجتماعی ذمہ داریاں یا جماعی امور اور صاحب حرفی الحقیقت معاشرے کی انہوں کی حیثیت رکھتے ہیں، شرط انصاف یہ ہے کہ ان کا پورا حق ادا کیا جائے اور کسی قسم کی بھی کوتاہی کو اس میں ہرگز روا نہ رکھا جائے۔ تاکہ معاشرہ شکست اور انتشار سے محفوظ رہ سکے۔ انفرادی انسانوں کا دالیں گنا بھی اسی لئے عموماً ہے کہ وہ قریب انصاف ہے اور اس سے بھی معاشرتی زندگی میں استحکام پیدا ہوتا ہے پھر انصاف اور انصاف کی صورت میں سچی گواہی کے بغیر انصاف کا قیام غیر ممکن ہے اس لئے ابن ابی الربیع اس کو بھی عدل کے لئے ایک ضروری شرط قرار دیتا ہے اور سب سے، خویش تو وہ اجتماعی عدل کے تصور کو اس قدر وسیع کر دیتا ہے جوں وہ کسی کے ہم معنی بن جاتا ہے یعنی مجالس انسانی اختیار نہیں کرتا وہ عدل کے شرائط پر سے نہیں کرتا یا یہ الفاظ دیگر دی اور فلسفہ اس کے نزدیک

ہم معنی پہنچے۔ اس پوری بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عدل کے اس تصور میں وہ چیز قوانینِ مطلق ہے جس کو ایک مملکت اپنی عدالتوں کے ذریعے نافذ کرتی ہے لیکن اس کے علاوہ انسان کی پوری اخلاقی زندگی بھی اس تصور کی رو سے عدل اور انصاف کی زندگی بن جاتی ہے۔ عدل کی تیسری قسم وہ ہے جس کی رو سے لوگ اپنے اسلاف کے حقوق کی حفاظت کرتے ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو انسان کی زندگی اساس کے بیشتر اسباب زندگی کی فراہمی میں اس کے اسلاف کی کوششوں اور خدمتوں کا بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ اس لئے ہر نسل پر اس کے اسلاف کا بھی کچھ نہ کچھ حق ضرور ہوتا ہے اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جن کی کوششوں کے نتیجے میں ہمیں مہذب اور متمدن زندگی میسر آئی ہے ان کا بھی حق ادا کیا جائے۔ چنانچہ ابن ابی الربیع نے اپنے فلسفہ عدل میں اس امر کا اہتمام کیا ہے۔ کہ اسلاف کے حقوق ادا کئے جائیں اور انسان کی ادائیگی کی یہ صورت ہو کہ ان کی میتوں کی تجنیز اور تکفین کی جائے اور انسان کی قبروں میں انہیں راحت فراہم کی جائے ان کے لئے اگر کچھ خرچہ ہو تو ان کو ادا کر دیا جائے تاکہ ان کی روح اس پر جو جسے انسان کا نام اس آلودگی سے پاک ہو جائے۔ ان کے قیمتی بچوں کی تربیت اور تعلیم کا حصول انتظام کیا جائے اور انسان کی جانب سے غیر خیرات کی جائے تاکہ انہیں ابدی سکون حاصل ہو۔

عدل کی اقسام بیان کرنے کے بعد ابن ابی الربیع ان امر کو بھی بیان کرتا ہے جو ایک عادل کے لئے ضروری ہیں چنانچہ اس کے خیال میں وہ امور یہ ہیں۔

- ۱۔ دنا دار اور امانت دار ہو۔
- ۲۔ رحم دل ہو اور عریب سے پاک ہے۔
- ۳۔ اپنے وعدوں کو یاد رکھے اور ان کو پورا کرے۔
- ۴۔ ہر معاملے میں سچا ہے۔
- ۵۔ عدل کے لئے جو طریقہ مقرر ہے ان کے خلاف نہ کرے۔
- ۶۔ ہر چیز کی اس کے حق اور صحیح معرفت پر پہنچا دے۔

عدل و انصاف کا وہ پہلو جسے مملکت کی عدالتیں جاری نہ کر سکتی ہیں اس کی اہمیت پر بھی ابن ابی الربیع بہت زور دیتا ہے اور اس کے قیام کی سفارش کرتا ہے۔ اس کے خیال میں مملکت کی بقا کے لئے بھی نظام عدل کا قیام نہایت ضروری ہے کیونکہ یہی وہ حقیقی روح ہے جس کے سہارے مملکت زندہ رہتی ہے۔ نیز وہ یہ سمجھتا ہے کہ مملکت میں انصاف کی وجہ سے امن اور نظم قائم رہتا ہے اور اگر انصاف ہی باقی نہ رہے تو مملکت میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ انصاف کا قیام احکام شریعت کے مطابق کیا جانا چاہئے اور جو سزائیں

سقا ط کے نزدیک غیر اعظم ہے اور شرابوں۔ یعنی جو شخص ظلم حاصل کرتا ہے وہ صاحبِ خیر ہے اور جو جاہل رہ جاتا ہے وہ مجرمِ شراب اور بڑا ہے۔ ابن ابی الربیع اپنی فکری گہرائی اور حقیقت پسندی میں یہاں سقا ط سے آگے بڑھ گیا ہے اور وہ اس طرح کہ زندگی کے حقائق اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ اہل علم سے بھی ہمایاں مسند و بہتلی ہیں اور بلا اوقات جاہل بھی بنی کر گذر گئے ہیں لیکن جو شخص ظلم کرتا ہے وہ یقیناً ہلاک مکتبہ ہے اور کسی بھی مرحلے پر جو ظلم کو بدی سے بدل نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی ظلم ایک باقی ہے اور حالت میں اس کو بدلتی ہی سے تعمیر کیا جائے گا اور یہ صورت بعینہً جس سے منسوب نہیں کی جاسکتی۔ البتہ افلاطون کے نزدیک عدل ایک اخلاقی صفت ہے اور اسی صفت پر سیاست کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔

شریعت نے مقصد کی ہیں ان کو جاری ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں اس نے انصاف کرنے کے اصول اور قواعد بھی بیان کیے ہیں اور حکم انصاف کے حکام اور فیصلے کرنے والے قاضیوں کے اوصاف بھی تفصیل سے بتائے ہیں۔ تاکہ انصاف کے پورے مرحلے میں کہیں کوئی نقص باقی نہ رہ جائے۔

۴۔ تدبیر

دخوش تدبیری اور عاصب دانت سے مملکت آباد اور خوش حال رہتی ہے، اس کو قوت اور استحکام حاصل ہوتا ہے اور اس کا نظم و نسق بھی ٹھیک رہتا ہے۔

مملکت کا چوتھا رکن تدبیر ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو خوش تدبیری اور عاصب دانت سے مملکت آباد اور خوش حال رہتی ہے اس کو قوت اور استحکام حاصل ہوتا ہے اور اس کا نظم و نسق بھی ٹھیک رہتا ہے اور اگر بے تدبیری اختیار کر لی جائے یا غلط تدبیر کی پیروی کی جائے گی تو پھر مملکت زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ ابن ابی الربیع تدبیر کو بھی مملکت کا ایک رکن قرار دیتا ہے اس کے خیال میں مملکت میں جاہل اور نادان کی تدبیر بنیادی اہمیت کی حامل ہے، اول مملکت کو آباد رکھنے کے بارے میں دوم رعایا کی حفاظت کی خاطر سوم فوج کی تنظیم کے سلسلے میں اور چہارم مالی حالت کی درستگی کے لئے۔

۱) مملکت کی آبادی

تدابیر مملکت میں سب سے پہلی تدبیر یہی ہے کہ مملکت کو زیادہ سے زیادہ آباد اور خوش حال رکھنے کی فکر کی جائے۔ لیکن چونکہ مملکت کی آبادی درحصول میں منقسم ہوتی ہے اس لئے ان دونوں حصوں کے لئے علیحدہ علیحدہ تدابیر اختیار کی جائیں۔ آبادی کا ایک حصہ دیہات پر مشتمل ہوتا ہے جہاں کھیتی باڑی کی جاتی ہے اور لوگوں کی ضرورت کی اشیاء فراہم کی جاتی ہیں۔ مملکت کے لئے دیہات کا وجود ناگزیر ہے اور بادشاہ کے لئے ان کے تین حقوق ہیں، اول یہ کہ احکام شریعت کے مطابق محصول وصول کرے تاکہ ان کا کاروبار پر نظم و زیادتی نہ ہونے پائے اور وہ اطمینان کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہیں۔ دوم یہ کہ کاشت کاروں کو تکلیف نہ پہنچائے تاکہ وہ زراعت کو چھوڑ کر کسی دوسرے کام میں مصروف نہ ہو جائیں اور سوم یہ کہ دیہات میں پانی کا معقول انتظام کیا جائے تاکہ اہل زراعت کو جمعیت نہ اٹھانی پڑے۔ بادشاہ ان حقوق میں سے کسی ایک کی بھی ادائیگی میں کوتاہی کرے یا کسی اور طریقے سے ان پر نظم و زیادتی کر بیٹھے تو اس کے نتائج انتہائی سنگین برآمد ہوں گے اور مملکت ہرگز آباد اور خوش حال نہ ہو سکے گی۔

آبادی کا دوسرا حصہ شہروں میں رہتا ہے یہ شہر آبادی کے بڑے بڑے اجتماعات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جہاں لوگ مل جل کر رہتے ہیں اور تمدن کی خدمت کرتے ہیں۔ بادشاہ کو شہروں کے بارے میں جن امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے وہ یہ ہیں کہ شہر کے لوگ راحت و سکون کی خاطر وطن بنا رہے ہیں اس لئے انہیں سکون حاصل رہنا چاہئے۔ ان کے مال و متاع کی اچھی طرح حفاظت ہونی چاہئے۔ اور ان کی عورتوں کی پردہ داری باقی رہنی چاہئے۔ اہل شہر کے لئے ضروری اشیاء کی فراہمی کا بھی معقول انتظام ہونا چاہئے اور اس امر کی بھی دیکھ بھال رکھنی چاہئے کہ جائز پیشے اختیار کرنے میں کوئی معترض نہ ہو۔ اگر شہروں میں ان میں سے ایک بھی چیز معدوم ہو تو پھر وہ سب کے کام مقام نہیں رہیگا اور اس کی آبادی اور رونق کھٹے لگے گی۔

بادشاہ اگر کوئی نیا شہر بنانا چاہے تو اس صورت میں بھی چند امور کو ملحوظ رکھنا انتہائی ضروری ہے مثلاً رات میں بچا پانی

وافر مقدار میں موجود مواد کھانے پینے کا سامان برآسانی دستیاب ہونگے ہو مقام محتدل ہو آداب و ہوا بھی ہو۔ چہاں میں قریب ہوں۔ مکانات خوب و خطرات سے محفوظ ہوں اساطراف میں کھلے میدان ہوں۔

(۲) رعایا کا تحفظ

رعایا اللہ کی امانت ہے جس کی حفاظت اور نگہبانی خداوند عالم نے بادشاہ کے سپرد کی ہے، اس لئے بادشاہ پر واجب ہے کہ وہ اس امانت کا پورا احسان ادا کرے اور رعایا کی حفاظت میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھے۔ (اس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی)

(۳) فوج کی تنظیم

بیرونی خطرات سے مملکت کا دفاع افواج ہی کے ذریعے سے کیا جاتا ہے اور انہیں کے ذریعے سے ممالک فتح کئے جاتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ فوج کو اچھی طرح منظم کیا جائے اور ٹھیک طور پر ان کی نگہداشت کی جائے، فوج کا سالانہ ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو ایماندار، عقلمند، کارگزار اور فنون جنگ سے بخوبی واقف ہو۔ اسی کے ساتھ ساتھ اعلیٰ صحت شعار اور ملازوں کی حفاظت کرنے والا ہو اور بادشاہ کو نیک نصیحت کرتا ہو۔

فوج میں ایسے لوگ نہ رکھے جائیں جو کاپن اور آرام پسند ہوں فوجوں کو ہر وقت سخت کوشی، محنت اور محو طے کی سواری میں مصروف رکھا جائے انسان کی ہر طرح بھلائی کی جائے ان کی تنخواہیں معقول ہوں تاکہ دلچسپی کے ساتھ کام کریں، فوج کا ہر سپاہی تیز فہم اور تند خشم ہو، بہادر اور جنگجو ہر اور ہر وقت بادشاہ کی اطاعت پر کمر بستہ رہے۔

بادشاہ ہر راہ خود خرچ کا معائنہ کرے اور اس کی تعداد قابل اطمینان حد تک بڑھائے۔ ذی مرتبہ اور فنون جنگ سے واقف لوگوں کو فوجی سرداریاں عطا کرے۔ فوج کی تنظیم اس طرح سے کرے کہ ہر دس سپاہیوں پر ایک افسر ہو اور ایسے دس افسروں پر ایک رئیس مامور ہو اور اس طرح یہ سلسلہ سپاہ سالار تک پہنچ جائے۔ فوجیوں کی جملہ ضروریات کا کفیل ہے تاکہ انہیں شکایات کا موقع نہ ملے ورنہ ان تین خرابیوں میں سے ایک خرابی لازماً پیدا ہوگی۔ یہ کہ وہ رعایا پر مسلط ہو جائیں گے یا حیران کو کافی تنخواہ دے گا اس کے پاس منتقل ہو جائیں گے یا پھر کسی کاروبار میں مشغول ہو جائیں گے۔ اس طرح ضرورت کے وقت وہ کسی کام نہ آسکیں گے۔

(۴) مالی حالت کی درستگی

مملکت کا نظام بغیر مال کے نہیں چلتا اس لئے ضروری ہے کہ مملکت کی مالی حالت کو درست اور مستحکم رکھا جائے تاکہ نظام میں خرابی واقع نہ ہو۔ مالی حالت کے استحکام کا ایک پہلو یہ ہے کہ آمدنی کے ذرائع متعین ہوں۔ یعنی شریعت نے جو طریقے متعین کر دیے ہیں ان کو نافذ کیا جائے اور ان کی بالکل حفاظت و تدبیر کی جائے۔ نیز صنعت خراج اور نیک نفس حکام نے جو ذرائع آمدنی پہلے سے مقرر کر دیے ہیں ان کو ختم نہ کیا جائے۔ اس طرح مملکت کی آمدنی کی ایک حیثیت متعین ہو جائے گی پھر مالیاتی استحکام کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ مصارف کا بھی تعین کیا جائے یعنی جن امداد میں خرچ کرنا جائز اور ضروری ہے وہاں خرچ کیا جائے پھر اس کے بعد جو آمدنی بچے ہے اس کو عام بھلائی کے کاموں میں صرف کیا جائے اس طرح آمدنی انخرچ میں جو نسبت قائم ہوگی اس کی تین نوعیتیں ہوں گی۔ پہلی یہ کہ آمدنی خرچ سے زیادہ ہوگی۔ جس مملکت میں یہ صورت قائم ہوگی وہ مملکت بہتر ہے اور اس کی تدبیر درست ہے کیونکہ اس طرح

جو آمدنی بچ رہے گی وہ ضرورت کے وقت کام آئے گی۔ دوسری نوعیت یہ کہ آمدنی خرچ سے کم ہوگی جہاں یہ صورت ہو وہ مملکت اس کی تدبیر غلاب ہے اور مشکلات کے وقت میں وہ تباہی کا شکار ہو جائے گی۔ تیسری نوعیت یہ ہے کہ آمدنی اور خرچ دونوں برابر ہوں گے جہاں یہ صورت ہوگی وہ مملکت امن کے نائے میں اچھی حالت میں رہے گی۔ لیکن معیشت کے وقت اس کی حالت غلاب ہو جائے گی۔ اس لئے جو شہنشاہ و مدبر بادشاہ کو اس معاملے میں بڑی احتیاط کے ساتھ تدم اٹھانا چاہئے۔

اسکاٹ مملکت کی اس پوری بحث میں ابن ابی الربیع نے اصول اور فزین حکمرانی کا پوری تفصیل اور بڑی گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا ہے اور کاہرہ و ازان عالم کے لئے بہترین تجاویز پیش کی ہیں اپنی اس بحث میں اس نے سیاست کے جو اصول متعین کئے ہیں ان تمام کی بنیاد اخلاق پر رکھی ہے اور اس طریقے میں وہ آنا بخیر اور مستحکم ہے کہ میدان جنگ میں بھی بد اخلاق کو کسی معیشت سے رعا نہیں رکھتا سیاسی مفکرین میں اس کو جو امتیاز حاصل ہے وہ درحقیقت یہی ہے اور اسی سے اس کی عظمت کا صحیح اندازہ بھی ہوتا ہے۔

اسکاٹ مملکت کی بحث کے علاوہ، کاروبار حکومت چلانے کے لئے بادشاہ کو کون کون سی امور کا کنٹرول کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابن ابی الربیع نے ان کی بھی ایک فہرست مرتب کی ہے اور اس میں عالم وزیر، دانا معتمد، عاقل چوبدار، نیک افسر مال، پرہیزگار قاضی، منصف حاکم، ذہین تحصیلدار، مستعد کوال، جوار لشکر، حافظ طبیب، نیک نفس مصاحب، صحتی کہ باہر بھی تنگ شائ ہے۔ پھر اس نے ان میں سے ہر ایک عہدیدار کے اوصاف اور ان کے فرائض اور ذمہ داریوں تک کی تفصیل اور ان کے انتخاب کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ اس طرح فنی حکومت پر ایک بہترین تصنیف آنے والی نسلوں کے لئے فراہم کر دی ہے جو تاریخ سیاسیات میں اس موضوع پر سب سے پہلی تصنیف ہے۔

کامیاب مطلب

کی چند خصوصیات ہیں..... مثلاً

۱۔ تشخص پر احساس ذمہ داری کیساتھ غور و فکر ہو کہ جو تجویز نسخہ میں مقرر ہے اور مریض سے ہمدردی کا جذبہ کارفرما ہو

۲۔ دوائیں ایسی ہوں جو صبح اجزاء سے تیار کی گئی ہوں۔

۳۔ ہر سہ بنیادی امداد۔ اللہ خدا جل جلالہ جو شافی مطلق ہیں کے اذن سے مریض کی شفا یابی۔

مطلب کی کامیابی کا ذریعہ ہیں۔

۴۔ ہم لوہے اطمینان سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ مطلب اشرف انہی خصوصیات کا حامل ہے۔ اور اب تک پاکستان کے مریضوں کے مریض اس مطلب سے شفا یاب ہو چکے ہیں۔ اگر آپ کسی طبی مشورہ کی ضرورت محسوس فرمائیں تو آپ

مطلب اشرف کی جانب رجوع فرمائیں جس کی نگرانی براہ راست پاکستان کے نامور طبیب مولانا حکیم عابد المصطفیٰ اشرف خود فرماتے ہیں۔ یہ روایات کے مریضوں کی تفصیل حالات کہ مشورہ مفت حاصل کریں یا سالانہ مطلب فرمائیں۔

مطلب اشرف اشرف منزل نزد جامع مسجد جناح کالونی لاٹائل لودہ

محمد رضا (جنگ مد)

اقبال کا فارسی کلام

حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبال کا کلام دو زبانوں میں ملتا ہے فارسی اور اردو۔ فارسی کلام اردو کلام کے مقابل میں بہت زیادہ ہے ان کا پورا کلام گیارہ مجموعوں کی صورت میں شائع ہوا ہے جن میں سات مجموعے فارسی کلام کے ہیں، تین اردو کلام کے اور ایک مجموعہ ایسا ہے جس میں فارسی اور اردو دونوں قسم کا کلام موجود ہے اس مجموعے کا نام افغان مجاز ہے۔ مگر ان کا دو تہائی سے زیادہ کلام فارسی ہے اور ایک تہائی سکم اردو۔ ان کے اردو مجموعوں میں بھی فارسی اشعار کثرت سے مل جاتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا ذہن فارسی کی طرف زیادہ مائل تھا۔ ایک شعر میں وہ خود اپنی زبان شعری خیر از می بناتے ہیں۔

تم گلے ز زبان جنت کشمیر دل از پریم کاز و نواز شیراز است

اتفاق سے اقبال کو بچپن ہی میں فارسی شعر و ادب کے مطالعے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے عمر کے کالج سیکولٹ سے ایف۔ اے کیا، اس زمانے میں فارسی کا نصاب کچھ اس قسم کا ہوتا تھا کہ اس میں شعر و شاعری امداد و لطیف کی کثرت ہوتی تھی۔ مثنوی کی کتابیں بھی اثناس سے خالی نہ ہوتی تھیں ہر طالب علم میں اردو ذوق شعری پیدا ہو جاتا تھا۔ پھر ان کو مولوی حیرسن جیسا فاضل استاد مل گیا۔ جس کی صحبت نے ان کی غامیدہ قوتوں کو بیدار کر دیا۔ لہذا ان کے ذوق شعری کو جلاکشی۔ اقبال ایک طبع بلند اور ذہین رسالے کرتے تھے اس لئے جلد ہی سنازل شاعری طے کر گئے۔

ڈاکٹر اقبال نے اردو زبان چھوڑ کر فارسی میں شعر گوئی کیوں کی؟ اس کا جواب بالکل سہل اور آسان ہے وہ خود "اسرار خودی" میں اس کا جواب دیتے ہیں۔

گرچہ ہندی دغدغہ بت نکراست طرز گفتار ہندی شیریں تر است

نکرین از جہرہ اش مسخہ گشت خامہ من شاخ نخل طرز گشت

پارسی از صنعت اندیشہ ام دہخورد با فطرت اندیشہ ام

یعنی گوارد زبان میں بھی شیرینی اور شگاس ہے لیکن فارسی زبان اس سے شیریں تر ہے نیز اردو کا ظرف رنگ اور محدود ہے، مجھے اپنی وسعت جان کے لئے فارسی کا سہارا لینا ناگزیر ہے، یہ شعر مگر جامع جواب ہے جہاں انہوں نے مستحضر بلائین اشعار میں دیا ہے۔ اس کے بعد مزید بحث و تحقیق میں جانا تفصیل اوقات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اقبال نے دیگر شعرا کی طرح اپنے آپ کو کبھی شاعر نہیں کہا اور نہ خود کو شاعر سمجھا ہے، سید سلیمان ندوی کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔ میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا، اس واسطے کوئی میلاد تیب نہیں اسنے میں کسی کو اپنا رقیب سمجھتا ہوں فن شاعری سے مجھے کبھی دلی چسپی نہیں رہی مان بعض معاہدہ خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لئے اس ملک کے حالات و روایات کی مدد

سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

نہ بنی غیر ازل مر و خرد دست
کہ برین تہمت شعرو سخن بست
یہ تو سنا ایک خط کا حال، اب ان کے یہ اشعار بھی دیکھتے
نغمہ کجا دن کجا ساز سخن بہانہ است
سوتے قطار کی کشم ناتو بے زمام را
نہ تیغ نہ شمشیر نہ خنجر نہ خنجر است
امرا ز خدی کے دیا چہ میں لکھتے ہیں

شاعری زین مقصود نیست
بہت پرستی بہت گری مقصود نیست
آئینہ گفتم از جہانے دیگر است
اس کتاب از آسمانے دیگر است

اس الٹا کی وجہ یہ ہے کہ وہ شاعر اس شاعری کا مقام بہت بلند سمجھتے تھے۔ وہ شاعر کو سینہ ملت میں دل کی مثل تصور کرتے ہیں وہ شیعہ کے اس خیال سے متفق تھے کہ اخلاقیات کی بنیادیں و اعتقادات کے نامہ نویں شاعروں کے ہاتھوں رکھی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شاعری کو وارثہ پنجیری بناتے ہیں۔

۸ شاعری ہم وارثہ پنجیری است

مفہوم یہ کہ ان کی شاعری مقصدیت سے لبریز تھی۔ بعض خاص مقاصد کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے شاعری کا آغاز کیا۔ ان مقاصد میں سے اولین مقصد سوتے قطار کی کشم ناتو بے زمام را تھا یعنی بھولی بھولی قوم کو راہ راست پر لانا یا دوسرے لفظوں میں اصلاح ملت مقصود تھی۔ بعض تفریع طبع اور تفتن کے لئے شعر کہنا ان کا مطمح نظر تھا۔ وہ صحیح قوم کی حیثیت سے شاعری کرتے تھے اس لئے ان کا نام قیامت تک مقرر رہتی سے نہیں مٹ سکتا۔

جب اقبال نے شعر و شاعری کا آغاز کیا تو اس وقت قوم کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اس حالت کا فتنہ انہوں نے ایک خط میں یوں کھینچا ہے: "علماء میں ملامت آگئی ہے یہ گمراہ حق کہنے سے ڈرتا ہے۔ صوفیاء اسلام سے بے پروا اور حکام کے ٹھہرنے میں ہیں۔ اخبار نویس انداز کل کے تعلیم یافتہ لیکن خود غرض ہیں اور ذاتی منفعت و عزت کے سوا کوئی مقصد ان کی زندگی کا نہیں ہے عوام میں جذبہ موجود ہے مگر ان کا کوئی بے غرض رہنا نہیں ہے۔" اقبال کو یہ صورت حال نا پسند تھی اور وہ اس کی اصلاح کرنا چاہتے تھے، یہ اصلاح کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس کے لئے طویل وقت اور انتہائی محنت درکار تھی۔ انہوں نے جب تاریخ کا مطالعہ کیا اور اسلامی تاریخ کا روشن ماضی ان کی نظر سے گذرا تو وہ مشتعل ہو گئے اور یہ سوچنے لگے کہ اب مسلمان کیوں محکوم و مظلوم بن کر رہ گئے ہیں۔ اس سچی کے دھجہ اور اسباب کیا ہیں؟ انہوں کو معلوم ہو گیا کہ ایمان کی کمزوری، مروتانہ خصائل کا فقدان اور قرآن سے بیزاری نے مسلمانوں کو ذلت و پستی میں مبتلا کر دیا ہے۔ دین قرآن کا یہ فروان برحق ہے کہ انتہا بالا علو ان کنندہ مومنین یعنی ایمانی دارانگ کبھی ذلیل و مسلمان ہوں گے وہ ہمیشہ ہی غالب رہیں گے بشرطیکہ عدالت ایمان کو کسی صورت میں بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ شکم پرستی اور خود فروشی ایسے منافقانہ خصائص مسلمان کے شایان شان نہیں۔ دین فراموشی مسلمان کا طریقہ نہیں۔ لیکن اُس وقت کا ہندی مسلم خود فروشی، پیٹ کی پوجا اور دین فراموشی میں بلا خوف و خطر معروف تھا۔

مسلم ہندی شکم را بندہ خود فروش و دل ز دیں رکنہ
اقبال نے جب اپنی قوم کو کھوئی ہوئی عظمت یا دہاتی اور حالیہ پستی کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگی کہ یہ سب کچھ گردش و رخس دور کی کارستانی

ہے، زمانہ سدا ایک سانہیں رہتا حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اس نیلگوں فلک نے ہمارے عروج کو بچی میں بدل دیا ہے اس میں ہمارا کچھ قصور نہیں۔ اقبال کے فہم سلیم نے یہ جواب سن کر اسے لڑکا اندھا صحیح الفاظ میں بتا دیا کہ گردشِ دوراں کا شکوہ بالکل بے جا ہے اصل وجہ بستی کی ہجوری، قرآن ہے۔

خود از ہجوری قد آں شدی شکوہ بخو کہ خوش دعداں شدی

اقبال لا الہ کی مشکلات کو جانتے تھے اس لئے جب وہ سلمان ہوئے کا دم بھرتے تو روزہ براندام ہر جاتے تھے

ہو من گویم مسلمان بلہ زدم کہ دامن مشکلات لا الہ مل

اقبال کی شاعری کا طرز پر تو می شاعری میں اودہ یقیناً ہمارے قومی وطنی شاعریں۔ انہوں نے اپنے کلام سے ہمیری کا کام لیا ہے، یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ان کا کلام دیکھ کر ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ

از خستہ تان بہن جام شراب آردم نغمہ داؤد از تار بہاب آردم

اس حکیم روح ملت از دوائے غلظہ دین ابراہیم را بعد مشاب آردم

ایک خط میں لکھتے ہیں: "میر سے نیز غلط حقائق اخلاقی وطنی ہیں۔ زبان میر کے لئے فارسی حیثیت رکھتی ہے بلکہ فن شعر سے بھی میں بختیت فن کے نابلد ہوں۔ یہ جھگڑا اس بات کی واضح شہادت دیتے ہیں کہ وہ اصلاحِ ملت کے جذبہ سے سرشار تھے محض خیرت کے لئے طبع آزمائی نہیں کرتے تھے۔"

اقبال کا فارسی کلام بہت وسیع ہے راقم السطح کے لئے ان کے پورے فارسی کلام پر تبصرہ کرنا نہ صرف مشکل بلکہ محال ہے یہ تو گویا ایک وسیع و عریض بحر ہے جس کے تمام گہروں کو پرکھنا میر سے بس کی بات نہیں اس کے علاوہ میں فارسی دان نہیں۔ فارسی خوان ہوں۔ سچیدان ہوں، فارسی شعر و ادب سے پوری طرح شناسا نہیں اس لئے چند سطحی باتیں عرض کروں گا۔ قارئین کرام اور محترم نقاد و محفرت سے گزارش ہے کہ وہ ہمیری اس کوتاہی پر برہم ہونے کے بجائے ہمدرد سکون سے کام لیں۔

یوں تو اقبال نے غالب، بیہل، فردوسی، سنائی، فخرانی، فارابی، حافظ، رمی اور سعدی سب سے استفادہ کیا ہے لیکن وہ حافظ کے بڑے شائق تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ جب میں حافظ کے رنگ میں ہوتا ہوں تو ان کی اسپرٹ مجھ میں آ جاتی ہے۔ حافظ فارسی کے مشہور غزل گو شاعریں۔ آہنگ تغزل میں اقبال ان سے بہت متاثر ہوئے ہیں اودان کے متعلق کئی اشعار کہے ہیں، رمی اقبال کے روحانی مرشد تھے۔ اقبال کو ان سے بڑی گہری تھی اس لئے جا بجا ان کی مدح کرتے ہیں مثلاً

پیر رمی مرشد روشن ضمیر کاروان عشق مستی را امیر

منز کش بر تر ز راہ و آفتاب خیمہ را از کہکشاں ساز و خطاب

نور قرآن در بیان سیزہ اش جام جم شہرہ اند آئینہ اش

مولانا دم کی مشنری جس کے متعلق جاتی ہے کہا ہے کہ یہ فارسی زبان میں قرآن ہے

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبان پہلوی

اقبال کے کلام کا سرچشمہ ہے، اقبال کا عالم گیر پیغام جو نظریہ فردوسی کے نام سے موسوم ہے رمی ہی کا مرہون منت ہے اس کا اظہار اقبال نے بڑی غراغ دلی سے کیا ہے

نقطہ نور سے کہ نام او خودیست خاک پر یا شر از زنگیست

لے گر غلط ہے بار و دشاہد اور دانش و رنگ کو جس پیاویں نظم کیا ہے، اس کو آہنگ کے علامہ اقبال مخالف تھے (د۔ م۔ ن۔)

یہاں تک کہ میں نے یہ سوچا کہ اگر میں اسے

اس خط میں ایک انگریزی اقتباس بھی لکھتا ہوں۔

"I claim that the philosophy of ASRAR is direct development out of the experience and speculation of old Muslim Sufis and thinkers."

یعنی فلسفہ خودی میں نے پرانے صوفیاء اور مفکرین اسلام کے افکار سے حاصل کیا ہے۔ اس تعریف کے بعد یہ کہنا کہ وہ نئے، نکلے، کانٹ، برگان اور نیگیل سے متاثر ہیں اور ان کے افکار سے خوش چین کر کے نظریات قائم کرتے ہیں کسی طرح قرین الحسان نہیں۔ مبالغہ بالا مغربی مفکرین نے تو ہمارے مسلم فلاسفوں مثلاً بوعلی سینا، امام غزالی، خواجہ نصیر الدین طوسی، امام غزالی دینی رازی اور جمال الدین رومی سے استفادہ کیا ہے جس کا وہ خود بھی اعتراف کرتے ہیں۔

فلسفہ خودی کیا ہے؟ اس کے متعلق مختصر عرض کئے دیتا ہوں۔ خودی سے مراد خداوندیکہ نہیں بلکہ عرفانی نفس اور خوشناسی ہے۔ قرآن پاک میں حق تعالیٰ فرماتا ہے: "مومنوں کے لئے رستہ زمین پر میری عظمت اور وحدانیت کی بے شمار نشانیاں ہیں اور یہ نشانیاں خود انسان کے وجود میں بھی کثرت سے موجود ہیں۔ کیا یہ اندھاان پر غور نہیں کرتا؟ گویا ہماری زندگی کا مقصد اپنی ذات کو پہچانا اور دنیا میں اپنے مقام اور منصب کا اندازہ کرنا بھی ہے۔ انسان نا تبی حق ہے۔ کیا بت کا منصب بڑا بلند ہے، اثر و نفوذ بڑا بلند ہے، اس کی زندگی کی دلیل ہے اپنی عظمت کے باوجود اس میں کمتری کا شکار ہونا کسی طرح بھی اچھا نہیں۔ اقبال جانتے ہیں کہ انسان اپنی عظمت و حقیقت کو سمجھنے اپنی ذات سے دلچسپی لے اس سے اپنے میلان ارتقا سے محنت ہو۔

عجبت معشوقے نہاں اند دولت

پھر اس نور معرفت میں حق تعالیٰ کی ذات و صفات کا نظارہ کرے۔ اسرار خودی میں بڑے لطیف پیرائے میں خود شناسی کی تلقین کرتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

تا کہا خود را مشہاری مار و طین	از گل خود شدہ خود آفرین
مثل جہاں خودوں آسودن چہ سود؟	گر بخود حکم نہ، بدون چہ سود
خویش را چون اند خودی حکم کنی	تو اگر خواہی جہاں پر ہم کنی
گرفتہ خواہی ز خود آزاد شد	گر بخت خواہی بخود آزاد شد
اسے ز آداب امانت بے خبر	از دو عالم خویش را بہتر خبر
اندکے اند حوائے دل نشیں	تو کہ خود کن سوئے حق حیرت گزین
محکم از حق شو سوئے خود کا مرز	لات و عزتے ہوس را سہ شکن

انہما کے مابعد جدید مذہب کے ایک حرفی منش نہیں تھے، اقبال کو بھی تدریجی طور پر معرفت سے لگاؤ تھا لیکن وہ اخلاص فی العمل کو نصرت سمجھتے تھے ان کے یہاں دلیلی تعقل اور بے عمل کا نام نہیں، ذاتی استفادہ اور ذاتی ضمیر کا نام ہے۔ وہ نصرت کو فلسفہ بنانے کے خلاف ہیں یہی وجہ ہے کہ جب حرفی نظام عالم کے حقائق اور بارے تعالیٰ کی ذات کے متعلق مرتضیٰ کا بیان کر کے کشتی فلسفہ پیش کرتا ہے تو ان کی روح اس کے خلاف بغاوت کرنے کو تیار ہو جاتی ہے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں۔

تصوت کا سب سے پہلا شروع ہوتا ہے اور سب سے آخری شاعر حافظ ہے۔ یہ حیرت کی بات ہے کہ تصوت کی تمام شاعری مسلمانوں کے ہونے کی گواہی دیتی ہے۔ خود ہندوستان کے مسلمانوں کو دیکھئے کہ ادبیات کا اشتہار کمال لکھنؤ کی مرثیہ گوئی پر ختم ہوا۔
اقبال کے عمل صرفیہ کے سخت مخالف ہیں۔ وہ حرکت کو روبرو زندگی سمجھتے ہیں۔ انی احتیاجات سے بے خبر صوفیوں کو سوداگران دین فروش کا نام دیتے ہیں۔

فی شہد ہر مرد و زن سے خرقہ پوش
آہ زہی سوداگران دین فروش
ہم یہاں دلفشہب اندر مغرب
از ضرورت آئے قلت بے خبر
دیدہ بابہ ز درخشش ز کس اندر
سید از دولت دل مغس اندر
وہ بحر نشین صوفیہ کو میدان عمل میں آنے کی دعوت دیتے ہیں۔

اے کہ اندر عجبہ ساز سن
لحہ کا پیش نمودے بزن
ایں کہ می بینی نیز ز باد و بخار
از جہول کا آگاہ شو
اقبال عمل ہی کو زندگی سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہر چیز کو کشش کا تمام سے زندہ ہے اور دنیا کے فانی کے کشش کی بہادری ہم سے ہے اسے ہوئی فلسفہ سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے انہیں ہر حرکت کو دھڑکتے ہوئے سمجھتے ہیں کہ قوموں کے زوال اور انحطاط کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ حرکت سے گریز کرتی ہیں اور سکون میں اپنی راحت دیکھتی ہیں۔

چو نثار اندر سے قوسے خواب
ناسر و گرد و پیش سیم ناب
میر و اندر سینہ اش قلب سلیم
دنگ و ادک آید مستقیم
برگراں از صوبہ ضرب کائنات
چشم او اندر سکون بیند حیات

اسی پیغام ہمدردی میں بھی اقبال مدنی سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ مدنی نے ان سے کوئی سات سو سال پہلے بعینہ ہی پیغام دیا تھا جو ان کے ہندی مرید نے اسی قوم تک پہنچایا ہے، مشنری مولانا دوم کا تفسیراً سوال حصہ اسی پیغام ہی و عملی پیشکش ہے۔ حرکت میں بہت اور جویندہ یا بندہ وغیرہ الفاظ ان کی مشنری میں مل جاتے ہیں اس وقت کہا جاتا تھا کہ انسان مجبور شخص ہے اس سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ ہمدردی حاصل ہے۔ توکل علی اللہ ان کے لئے کافی ہے مولانا دوم نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے علم اٹھایا اور لوگوں میں جوش عمل پیدا کرنے کی کوشش کی ان کے چند اشعار دیکھئے۔

ایں تحرک شد تبرک را کلید
وہ تحرک گردی اسے دلی مستغید
عاقبت جویندہ یا بندہ بود
چوں کہ وہ خدمت شتتا بندہ بود
مگر توکل می کنی در کار کن
کشت کن پس تکلیف بر جبار کن
مرا از اسب عجیب اللہ شنو
از توکل در سبب غافل مشو

اقبال رہبانیت اور دنیا سے روگردانی کے سخت مخالف ہیں۔ ایسا فقر و دنیا سے روگردانی کرنے، بندہ حوروں میں چلے کھٹے اور بیکار رہا پر دھن کرنے کی تعلیم دے فقر کا فر ہے۔ یہ بھوک کے لئے پیام برت ہے، فقر کا مقصد ایک لنگو واہ میں اور دل زندہ پیدا کرنا ہے، فقر سے ذوق و شوق کی تعلیم دینا کا دوسرا نام ہے۔ مرد فقیر فانی ہوتا ہے اور تمام کائنات پہنچا جاتا ہے۔ جذب و سلوک اسے مذہب و توت کا

لا مالک بنا دیتے ہیں اللہ وہ سلاطین کے سامنے لا ملوک کا لغو لکھنے سے وہ بلیغ نہیں کرتا

نقر من حیثیت ہائے خیر جماعت
بندہ اثر تاثیر اور ملامت
نقر من لفظ بحر و ہر است
نقر من لفظ بحر و ہر است
آلہ خدی مالک تن و داسوختن
ابن خدی مابوں چلنے افر و سخن

نقر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت ہے اقبال بھی مرد فقیر تھے۔ اس کا اظہار خدا انہوں نے اپنے اشعار میں کیا ہے اگر میں ان کو مرد فقیر کہتا تو شاید آپ اسے جاننے سمجھتے۔ وہ آخروں تک اپنے آپ کو مرد فقیر کہتے تھے۔ یہ اشعار بھر شہادت پیش کرتا ہوں۔

ازب و ناہم نعیم خود بجز
بہدازیں ناہم چمن مرد فقیر
نہ خج شہرہ شاعر نے غرقہ پرش اقبال
فقیر راہ نشین است دل حنی مارو

اس دینائے فانی سے رخصت ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے اقبال نے جو اشعار کہے ان میں بھی وہ خود کو فقیر ہی کہتے ہیں مگر یہ بھی انہیں اپنے فقر پر ناز دلا

سروے مفتہ باز آید کہ ناید
نیسے از حجاز آید کہ ناید
سرا آمد مدح گارے این فقیرے
وگر دلائے باز آید کہ ناید

موت کا ڈر مورا و عمل میں مانع ہوتا ہے۔ موت ایک ناگزیر ہٹے ہے۔ اس سے گریز ممکن نہیں۔ ان کی زندگی ایسے خوش نوا پسندے کی مانند ہے جو کوئی دم شاخ و دست پر بیٹھ کر چھوٹے اور پھر اڑ جائے۔ موت کا وقت عین ہوتا ہے جس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی، آنا و لا و جہد۔ تو میں موت سے نہیں ڈرتا جب موت کو ایک دن آنا ہی ہے تو اس سے ڈنکا کیا۔ پھر سداں جو حیات بعد ممات کا ناقص ہے موت سے کیوں ڈرے اس کی تو زندگی اور موت حق تعالیٰ کے لئے ہیں، عجب مایہ اند تریں مرگ تو اس کے لئے فتنہ ہیں۔ غلام موصوف چاہتے ہیں کہ سداں مایہ وند کی محبت میں گرفتار ہو کر اور موت کے ڈر کو دل میں جگہ دے کر اپنے شاندار ماضی کو داغدار نہ کریں دیکھتے مسلمانوں کی موجودہ ذہنیت پر کس طرح انیسویں کہتے ہیں

آنکہ بودا شد او را سادہ مرگ
فتنہ او عجب مال و زر س مرگ
بچو کافر از اجن ترسخہ ای
سینا ش فارغ ز قلب زلفہ ای

مسلمان با ایمان خدا کے سوا کسی چیز سے نہیں ڈرتا وہ ہم غیر اللہ کو دل میں نہیں آنے دیتا کیونکہ یہ عمل کا دشمن اور کاروائی زندگی کا راہزن ہے اگر بغیر غصہ غار و دیکھا جائے تو ہاں سے دل میں پرستیدہ ہر شے کی جڑ بھی ڈر ہے لہذا اس کو دھندلکھنا از حد ضروری ہے۔

بیم غیر اللہ محصل ما دشمن آ
کاروائی زندگی را بہن است
ہر شے نہال کہ اللہ قلب است
اصلی او بیم است اگر عینی دوت

موت کا ڈر غلامی کی علامت ہے مرد میں سے کئے زندگی لا متناہی ہے اس کے صدا مقامات سے موت بھی ایک مقام ہے وہ خود اندیش تو ہوتا ہے، مرگ اندیش نہیں ہوتا، موت اسے نازہ زندگی بخشی ہے اس لئے وہ خود موت کی طلب کرتا ہے۔

بندہ حق ضعیف و اہمست مرگ
یک مقام اندر مقام اوست مرگ
ہر نیال میر و غلام از بیم مرگ
زندگی اعدا حرام از بیم مرگ
بندہ آنا دما شائے وگر
مرگ اعدای ہدہائے وگر

از خود اندیش است مرگ اندیش نیست مرگ آزادان زانے پیش نیست
مردومن جان دیتے وقت گھبراتا نہیں کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ موت ایک زینہ ہے جس کی مدد سے مجھے اس دنیا سے اُس جہان کی طرف کوچ کرنا
ہے جہاں میرے اسات پچھلے سے ہی موجود ہیں اس لئے وہ مسکرا کر دنیا والوں کو اوداع کہتا ہے۔

نشانِ مردومن با تو گویم جو مرگ آپدیتیم ہر لب اوست
سوائے اتفاق سے علامہ مصروف کے جہد میں مسلمان محکوم اور مظلوم تھے وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، برصغیر پر انگریزوں کی
حکومت تھی۔ ہندوؤں کے مقابل میں مسلمانوں کی حالت ابتر تھی۔ انہوں نے سوچا کہ اگر برصغیر کو آزادی مل بھی گئی تو پھر اسے مسلمانوں کی جگہ بھی
مغلوب ہیں گے اس لئے کہ ہندوؤں سے مرگنا زیادہ ہیں۔ اسی اندیشہ کے پیشِ فکر انہوں نے پاکستان کا تصور پیش کیا انہوں نے صاف الفاظ
میں یہ فرمایا کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اسے ایک مخصوص علاقہ میں مرکوز کر دیا جائے۔
پھر اس خاکے کا عملی حق اس طرح پیش کیا کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو مل کر ایک واحد ریاست قائم کی جائے۔ اکثر مسلمانوں
نے اس نظریہ کی مخالفت کی اسلئے انتشار پیدا کرنے کی ایک کوشش قرار دیا۔ اقبال مرحوم غلامی سے سخت ناگوار تھے وہ مسلمانوں میں جوش
آزادی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ غلامی سے اس طرح نفرت دلاتے ہیں کہ

تا غلام در غلامی نادر ام نرستان کہہ دو افتادہ ام
چوں بنام مصطفیٰ خوانم درود از جہالت آب می گرد و وجود
عشق می گوید کہ اے محکوم غیر سنیہ تو از بتائی مانند دیر
تا ندائی از محمد سنگ دبو از دود و خد میاں نام او

قیامِ پاکستان میں یقیناً اقبال کا اہم حصہ ہے یہ بات ہے کہ پاکستان ان کی وفات کے نو سال بعد وجود میں آیا۔
دنیا میں کسی مختلف نظامِ حکومت مانے جاتے ہیں لیکن ان عام اصولوں وادھوں پر شریعت ہے۔ دیگر نظامِ نظام سے خالی
نہیں ہیں اس لئے کہ وہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں اور نظامِ شریعت خالقِ انسانیت نے خود اپنے دستِ قدرت سے بنایا ہے اس کی بنیاد و اساس
الفاظ پر رکھی گئی ہے اور یہ نوحِ الہی کے تمام معاصی اور تکالیف کا کامیابی سے خاتمہ کر سکتا ہے اس لئے غیر شرعی نظامِ حکومت کے خلاف اقبال
نے آواز بلند کی اور کہہ دیا کہ

تا نہ دبا نہ گرد و این نظام دانش و تہذیب و دین سودے خام

شریعت اور طریقت میں کیا فرق ہے؟ روحی کے الفاظ ہیں

شریعت جو چشمی است کہ راہ می نماید، چوں در راہ آدمی، این رفیقِ طریقت است، چوں بہ خضر در پی آں حقیقت است
(سوانح دوم از علامہ شبلی)

اقبال مرحوم کہتے ہیں کہ

آدمی اندب باین فیروشا کم شناسد نفعی خود را از ضرر
کس نداند لذت و خوب کار چیست جادہ ہموار و نامہوار چیست
شرح بر خیزد از اساقی حیات روشن از نورش ظلامِ کائنات
از شریعت امنِ تعویم شد وادب ایمانی اہل سیم شد

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

تحریر :- استاذ عہد القادد عہدہ شہید
ترجمہ :- مولانا محمد عصام اللہ شریانی

اسلامی حکومت میں مالیات کا شعبہ

اسلامی حکومت و سلطنت کے قیام کے ردیادول ہی سے اسلام نے ایک ایسے مستقل مالیاتی شعبے کی بنیاد ڈالی کہ قبل ازیں لوگ اس سے یکسر نا آشنا تھے، اسلام کی بدولت ہی دنیا اس نظام سے روشناس ہوئی اور اسی دین کامل کے طفیل شعبہ مالیات کا خاکہ اُن کے سامنے آیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظام حکومت چلانے کے لئے مختلف عہدیداروں کا تعین فرمایا۔ عدلیہ کے لئے قاضی مقرر فرمایا، انتظامیہ کے لئے ایسے افراد منتخب فرمایا جو کاروبار مملکت، یام دینے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ ان کے علاوہ ایسے لوگوں کا بھی تعین فرمایا جو امرائے صدقات وصول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ان کے فرائض میں یہ بات شامل تھی کہ وہ طبقہ امراء سے صدقات جمع کر اسی علاقے کے فقراء و مساکین اور غریب پر تقسیم کر دیں اور فاضل رقم بیت المال میں پہنچا دیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار کیا اور ان کی حدود و مملکت میں وسعت پیدا ہوئی تو یہ شعبے کے فرائض میں بھی اضافہ ہو گیا اور صدقات، خراج، جزیہ، مالیات، مال غنیمت سے آمدنی اور پھر اس کی تقسیم کا بھی شعبے کی وسالت سے ہونے لگی۔ ان مختلف ذرائع سے وصول شدہ رقم پہلے خزانے میں جمع کرادی جاتیں اور پھر بیت المال کی جانب سے اس کی تقسیم کتاب و سنت میں مذکور معاصن کے مطابق عمل میں آتی تاکہ کسی کے لئے اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے اور کوئی شخص بھی محروم نہ رہے۔ پائے اور برآدی کو اس کا حصہ ملا مانگے مل جائے۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال سے ہر مرد اور عورت، ہر بڑے اور چھوٹے کے لئے مالانہ و خیر معسر فرمائے۔ یہی نہیں بلکہ ہر نو مولود کا دھنیر، اس کی ولادت کے وقت ہی سے مقرر فرمایا اور عرصہ دلا تا تک یہ سلسلہ ہی طوع قائم رہا۔

جناب مکرنا روق رضی اللہ عنہ ہر شخص سے اس بات کا اعتراف کرا لیتے اور حلف اٹھواتے تھے کہ کوئی شخص بھی اس مالیات میں کسی دوسرے آدمی سے زیادہ حصہ کا مالک نہیں یہاں تک کہ مجھے بھی کسی دوسرے شخص سے زیادہ لینے کا حق حاصل نہیں۔ لہذا سب مسلمان، سوائے عہدیداروں کو اس مالیات میں برابر کے شریک ہیں۔

کتاب اللہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لحاظ سے حضرت عمرؓ نے فرق مراتب کا خیال رکھا۔ وہ لوگ جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی اور اس کی خاطر صدقہ تکفینیں برداشت کیں۔ یہ طاقت مقصد کرنے میں ان کا خاص خیال رکھا۔ ان کے علاوہ مسند اشخاص اور انھیں راہبازانہ انصار، غزوہ ہند میں شرکت کرنے والے اصحاب اور اس سعادت سے محروم رہ جانے والے افراد اور اس طرح دوسرے خدمات اسلامتازان کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہوں نے مالانہ و خیر کے تقسیم کا تعین کیا۔ لیکن اپنے دین خلافت کے آخری حصے

میں حضرت عمر فاروقؓ نے اس تفریق دامنیاد کو مدلل و مفصّل اور مساوات کے خلاف سمجھتے ہوئے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور خلیفہ اول جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ممانعت کرتے ہوئے خلافت کی تعلیم میں سب لوگوں سے ایک ہی جیسا سلوک شروع کر دیا اور کسی کے مدعیان کوئی فرق نہ رکھا۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ اور خلیفہ رابع جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تعلیم مال کے سلسلہ میں لوگوں کے مدعیان میں کو ملحوظ رکھتے تھے اور اس معاملے میں ان دونوں بزرگوں کا ایک ہی مسلک تھا البتہ خلیفہ ثالث جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے فرق مراتب کا خیال رکھتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نگاہ میں خود ابوبکر صدیقؓ ایک ہی صبحہ رکھتے تھے۔ اسی بنا پر وہ تعلیم مال میں دونوں کو شریک کرتے تھے لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے عہد کو اس میں شرکت سے محروم رکھا اور اس کی بنیاد انہوں نے اپنے اس اجتہاد پر رکھی کہ عہد چوک کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا اس لئے اس رقم میں بھی اس کا حصہ نہیں رکھا جاسکتا۔ جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے دیا نہت کیا "یا رسول اللہ! جو شخص قوم کا حاکم اور مددگار ہو کر رہا ہو کیا اس کا اور دوسرے لوگوں کا حصہ برابر ہوگا؟" حضرت نے فرمایا تم لوگ اپنی ہی جماعت کے کلمہ رسول اور صدیقوں کے رزق کا سامان فراہم کرنے اور ان کی مدد کے لئے ہی ایسا کرتے ہو۔ پھر اس کا اور دوسرے لوگوں کا حصہ برابر کیوں نہ ہوگا۔

اس حقیقت سے کوئی شخص انکار کر سکتا ہے کہ مال و دولت کی حقیقی ملکیت خدا ہی کو حاصل ہے۔

وہ حقیقت مالک ہر شے خداست

اس امانت چند روزہ نزد ماست

لہذا اس کے بارے میں ہر قسم کا فیصلہ بھی اسی حکم الحاکمین اور مالک حقیقی ہی کا قابل قبول ہونا چاہئے۔ کوئی شخص بھی اس کی آمد و خروج کے متعلق کسی قسم کا فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "میں کسی کو دیتا ہوں نہ محروم رکھتا ہوں بلکہ میں تو محض تعلیم کرنے والا ہوں جسے عطا کرنے کا حکم ملتا ہے" اُسے عطا کر دیتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد و لکھی ہی کو حضرت عمر فاروقؓ نے دستور العمل کی حیثیت سے نافذ کیا اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسی فرمان نبوی کی روشنی میں فرمایا "یا در کھو تمہارے مال و دولت (بیت المال) کی کنجیاں اگرچہ میرے پاس محفوظ ہیں مگر مجھے اس میں سے ایک درہم بھی تمہاری اجازت کے بغیر لیتے کا حق حاصل نہیں۔"

سریا و مملکت اپنے تمام اختیارات کے ساتھ پہلی ملت مسلمہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ بغیر مالیات کے نظم و نسق کا ذمہ دار بھی رہا ہے اور اراکین شعبہ کے عزل و نصب کا اختیار بھی اسی کو حاصل ہے۔ وہی انتظام و انصرام کرنا اور اس کی نگرانی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے مگر اس مقام پر اس لئے کو ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ کارکنان شعبہ ساری قوم کے نمائندے ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیں گے۔ سریا و مملکت کی جانب سے ان کا اقتدار رکھنے جانے کے باوجود وہ صرف اس کے ذاتی نمائندے کے طور پر کام نہیں کر سکیں گے اس شعبہ کا عدلیہ ہی جیسا معاملہ ہے کہ محض حاکم وقت کے انتقال کر جانے سے عدلیہ ختم اور اقتضا معزول نہیں ہو جائیں گے اور عدلیہ کی معزول سبب کے کوئی شخص بھی ان کو معزول نہیں کر سکے گا۔ (اس سلسلے میں خلیفہ ثالث جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا حازن بیت المال کی مثال، اور اراکین شعبہ مالیات کے فرائض امدان کی حیثیت کی دفاعت کے لئے، بہت کافی ہے۔ حازن بیت المال کے خیال میں رقم کو اس مقصد کے لئے صرف کرنا درست نہیں تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان فرما رہے تھے۔ جب خلیفہ ثالث نے

کنتم ضیاعاً منکم ما منکم من الناس تارکون بالمعصیات و تنهون عن المنکر و قومعون باللہ - (النور ۲)
 ولکن منکم ما منکم من عن الی الخیر یا من
 بالمعصیات و تنهون عن المنکر و اولئک ہم
 المفلحون (آل عمران: ۱۰۴)
 تمہارے اندہ ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو دعوتِ خیر
 اور نیکوں کا حکم دے اور بدکاریوں سے روکے۔ کامیابی اور
 کامرانی ایسے ہی لوگوں کے قدم چومتی ہے جو ان صفات
 سے مستغفرت ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی وضاحت فرمادی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو ترک کر دینے
 کا نتیجہ معاشرے میں فتنہ و فساد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

تا مرون بالمعصیات و لتنھون عن المنکر
 او یسلطن اللہ علیکم شراً ما کم
 ثم یدعوہا ما کم فلا یستجاب لہم
 (الحديث)
 تم لوگ نیکوں کا حکم دیتے رہتے اور بدکاریوں سے روکتے
 رہتے تو اپنے اوپر لازم قرار دے لو۔ اس فریضے کو ترک
 کر دینے کی صورت میں اللہ تعالیٰ ایسے افراد کو تم پر مسلط
 کر دے گا جو تم پر مقرر کردیگا جو تمہاری جماعت میں بدترین
 افراد ہوں گے، پھر ان کے دیر حکومت کے خاتمے کیلئے
 تم میں سے نیک لوگ دعائیں کریں گے مگر ان کی دعائیں قبول نہ ہوگی۔

اس لئے ہر شخص کو اپنی وسعت اور قدرت کے مطابق برائیوں کی روک تھام کا اہتمام کرنا چاہئے، عدم قدرت کے سبب جو لوگ ملامت برائی کی بد
 تمام کے لئے کوئی قدم اٹھانے سے محذور ہوں۔ ان کے لئے بھی نہایت ضروری ہے کہ وہ اس فعل کو دل سے بڑھائیں اور اس برائی پر
 مبتلا اصحاب سے نفرت اور شدید ناراضگی کا اظہار کریں۔

ومن نساء منکم منکم فلیغیرہ بینہا فان
 لم یستطع فبئس انہ - فان لم یستطع
 فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان
 (الحديث)
 تم میں سے جو شخص کسی برائی کو ہوتا ہوا دیکھے وہ وقت کے
 ذریعے اس کا استیصال کرے۔ وقت اور اقتدار سے
 محروم ہونے کی صورت میں زبان سے کلمہ حق کہے اور اگر اس
 کی بھی قدرت نہ ہو تو کم از کم دل سے اُسے بڑھائے لیکن
 یا روکنا چاہئے کہ یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔

شعبۂ احناب ونگوٹ کے قیام کا دوسرا سبب یہ ہے کہ چونکہ حاکم وقت، ملت مسلمہ کے نائب کی حیثیت سے احکام جاری
 کر کے ہلو راست ملت سے متعلقہ مسائل پر اثر انداز ہوتا ہے اور ان کے حقوق میں مداخلت کرتا ہے، ملت کے لئے اپنے حقوق کی حفاظت
 اور دفاع کی خاطر بھی اس شعبے کا قیام ناگزیر ہے۔ یہی نہیں بلکہ خود حکم الہی کہین نے برسرِ اقتدار طبقے کو ہر مسئلے میں ملت مسلمہ سے
 وجود کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور یہ معاملے ہیں الزاماً اس سے شرمہ کرتے ہوئے حاکم دیا ہے اور فرمایا:-

و تا وراہم فی الامور (آل عمران: ۱۵۹)
 و امرہم شورعی بینہم (الشوری: ۳۸)
 اور کاروبار سلطنت میں ان سے مشورہ کیا کرو۔
 انسان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آپس کے مشورے سے نظام
 حکومت چلاتے ہیں۔

بنیابین ملت مسلمہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ برسرِ اقتدار طبقے کے ہر سرِ عمل کا محاسبہ کرتا رہے اور جب انہیں کوئی غلط کام کرتا

ہوئے دیکھ کر ان پر گرفت کر کے اندر جب بھی وہ راہ راست سے ہٹے ہوتے نظر آئیں ان کو عراط مستقیم پر لانے کا فریضہ سرانجام دے۔ حکام کی نگرانی اور احتساب کے باوجود نصر میں صریحہ اندولائی قطعہ کی کثرت کے پیش نظر اس معاملے میں کسی قسم کے بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

تاریخ کے اسباق اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکیں گے کہ خلفائے رسول اللہ نے مسکے پہلے اس کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس تاریخی حقیقت کو وہی لوگ جھٹلاتے ہیں اور ان نصر میں صریحہ کو وہ خدا عقائد نصر نہیں کرتے جو اپنی دنیا کی زندگی کو حیات خودی پر ترجیح دیتے ہیں اور سربراہ مملکت پر ملت مسلمہ کے لیے اندسٹھ کر ایسے اصحاب ہی معزیر مطلق کی حیثیت دینے کی ہمت کرتے ہیں جن کی نگاہوں میں احکام خداوندی کوئی اہمیت نہیں رکھتے وہ اپنے میں سے ایسے ظالم و جاہل افراد کو جو حقیقت کے حقوق سلب کر لینے کو کوئی عائد سمجھتے ہوں، مسند حکومت پر بٹھا کر امت مسلمہ کے حق میں کانٹے بونڈ بیٹے ہی کو اپنا مسک بڑا کا نامہ تصور کرتے ہیں پھر برسر اقتدار طبقہ عوام کی بالادستی سے جھٹکارا حاصل کر کے خود ان پر برتری حاصل کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے اور اس کا واحد سبب یہ ہوتا ہے کہ ملت مسلمہ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ العزت کے احکام کو قائم کرنے کے واسطے یہ اپنے فرائض سے غافل رہ کر سکوت اختیار کر لیتی ہے اور اپنے حقوق کی واپسی کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھاتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ رسول منتخب کیا گیا تو پہلی بات جو ان کے منہ سے نکلی اس میں اسی بات کا اعتراف تھا کہ ملت مسلمہ کو سکڑاں طبع تھ۔ بالادستی حاصل ہے اور حاکم وقت کی جانب سے بکروئی اختیار کر لینے کی صورت میں اس کو عراط مستقیم پر لانے کی ذمہ داری بھی ملت مسلمہ ہی پر عائد ہوتی ہے۔ بیعت کے بعد پہلے خطبے میں ہی انشا فرمایا :
”لوگو! مجھے تمہارا ولی مقرر کیا گیا ہے حالانکہ میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھائی کا کام کروں تو تم میری ملکہ اور امداد میں برائی کی طرف مائل ہوں تو تم مجھے سیدھا کرو۔“

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا تو انہوں نے قوم سے پہلی مرتبہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا : ”جو شخص مجھے راہ راست سے ہٹا ہوا دیکھے اس پر لازم ہے کہ وہ مجھے سیدھا کر دے۔“ ایک اعرابی نے اُس کو کہا : ”خدا کی قسم اگر ہم نے تجھ میں مذہبی دیکھی تو تجھے ہم اپنی تلواروں کے ذریعے سیدھا کر دیں گے۔“

جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث منتخب ہوئے تو انتخاب کے فوراً بعد ملت مسلمہ سے خطاب کیا اور اس میں فرمایا :
”اگر تم مجھے کسی وقت عراط مستقیم سے ہٹا ہوا دیکھو تو اسی لمحے مجھے عراط مستقیم پر چلنے کی تلقین کرو اور ایسے اقدامات کرو کہ میں اس سے ایک قدم بھی اِدھر اُدھر نہ ہرگز نہ ہوں۔“

علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خلافت کے فرائض سمجھانے کے بعد مسکے پہلا خطبہ ہی دیا۔ ”کاروبار مملکت میں کسی شخص کو بھی دخل دینے کا حق حاصل نہیں سوائے اس کے جسے تم اجازت دے۔ حتیٰ کہ تمہاری اجازت اور مشورے کے بغیر میرے لئے اس میں دخل دینا درست نہیں یہ خائن تمہارے معاملات ہیں۔“

قرودن ادنیٰ کے مصلحت سے امت اسی طریقے پر عامل ہے اور ہر صورت میں برسر اقتدار طبقہ پر انہوں نے اپنی بالادستی قائم رکھی اور اسلام کی جانب سے بچنے ہوئے اپنے اس حق کو استعمال کرتے رہے حضرت عمر بن الخطابؓ اور ایک شخص کے درمیان کسی معاملے میں بات چیت ہو رہی تھی۔ وہاں گفتگو اس نے کہا : ”امیر المؤمنین کچھ خدا کا خوف نہ کر۔“ وہاں جو لوگ موجود تھے اُن میں سے ایک کہنے لگا : ”تو امیر المؤمنین کو خدا سے ڈرنے کے لئے کہتا ہے ؟ اگر امیر المؤمنین کو خدا کا خوف نہیں تو پھر اور کون خدا کا خوف کرے گا۔“ خلیفہ دوم نے دخل دعوالات

کہنے والے شخص کو ٹانٹ پلائی کہ تم اس معاملے میں دخل نہ دو۔ اس نے کتنی عمدہ بات کہی ہے۔ پھر فرمایا: ”اگر تم ہم کو اس طرح نہ تو تم بھلائی سے محروم ہو جاؤ اور ہمارا بھلائی سے کوئی تعلق نہیں اگر ہم اسے قبول نہ کریں؟“

خلیفہ دوم جناب عمر فاروقؓ ایک دفعہ دو چار دعوں سے تیار شدہ مجتہدین پہنچے ہوئے، منبر پر چڑھے اور فرمانے لگے: ”لوگو! ذرا توجہ سے سنو: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ہم سننے کے لئے تیار نہیں“ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”ابو عبد اللہ! کیوں؟“ انہوں نے کہا: ”تم نے سب کو ایک ایک چادر دی اور تمہارے بچے سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا عادل والاعفان کو چھوڑ کر ایک سے زیادہ حساب دینا رکھ لیں (کیونکہ تمہارا مجد ایک چاد میں تیار ہونا ممکن نہیں)“ خلیفہ دوم نے فرمایا: ”ابو عبد اللہ جلدی نہ کرو ذرا انتظار کرو“ پھر عبد اللہ کو آزاد دی مگر خاموش رہی تو آپؐ نے عبد اللہ بن عمرؓ کو کہہ کر لکھا۔ انہوں نے لبیک کہہ کر جواب دیا: ”عمر فاروقؓ نے فرمایا: ”میں تمہیں خدا کے فضل و کرم سے کہہ دیتا ہوں کہ جس گھڑی سے کاہین نے مجتہدین کو کہنا ہے وہ تمہارا ہی ہے؟“ عبد اللہ بن عمرؓ نے جواب دیا: ”خدا کی قسم آپؐ دست فرماتے ہیں۔ یہ کبیرا امیرا ہی ہے؟“ یہ سن کر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ہاں اب کہو، ہم تمہاری بات سنیں گے“

جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں کے وظائف دیکھ لئے۔ ایک مجلس میں ابو سلمہؓ فرمائی: ”مکھڑے ہلکے کھینٹے“ اسے معاویہ نے توڑنے اپنی محنت سے نہیں کیا۔ نہ تیرے باپ اور نہ تیری ماں نے محنت کر کے یہ دولت حاصل کی ہے۔ یہ سن کر حضرت معاویہؓ کو برا بھلا آگیا۔ منبر سے اتر پڑے۔ لوگوں سے کہنے لگے کچھ دیوار پر اپنی جگہ پر بیٹھو کہ میرا انتظار کرو۔ تھوڑی دیر کے بعد اس حالت میں واپس آئے کہ جیسے نہا کر رہے ہوں۔ پھر فرمایا: ”ابو سلمہؓ کے کلام نے مجھے غصے میں مبتلا کر دیا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہ ہے کہ غصہ، شیطان دلاتا ہے اور شیطان کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے جسے پانی ہی بجھا سکتا ہے لہذا تم میں سے کسی شخص کو جب غصہ آنے تو پانی کے ذریعے غصہ کو دھو کر نہ کھینٹے اسے غسل کر لینا چاہیے، میں گیا اور اب غسل کرنے کے بعد واپس آیا ہوں۔“

صدق ابو مسلم اندھ لیس من کدی
دلا من کدابی نہ کدالی عطا نکم
ابو مسلم نے پچ کہا ہے کہ یہ دولت میں نے اور میرے باپ
نے محنت کے ذریعے حاصل نہیں کی۔ آؤ اور اپنے
عطیات لے جاؤ۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو ابو جعفر منصور کے پاس لایا گیا۔ منصور نے آپ سے عرض کیا کسی معاملے میں آپ کو ہماری ضرورت محسوس ہوتی ہو تو فرمائیے۔ امام سفیان ثوریؓ نے فرمایا: ”خدا سے ڈر۔ تو نے زمین کو ظلم اور زیادتی سے بھر دیا ہے۔ یہ سن کر اس نے سر جھکا لیا کچھ دیر بعد سر اٹھا کر کہنے لگا: ”اپنی کوئی حاجت بتائیے۔ آپ نے فرمایا: ”مجھے اس مرتبہ تک کہا جو بین والاعفان کی گزارش نے ہو چکی ہے مگر تو نے ان کی اولاد سے بھی ریت کا نہیں فاقو پر مجبور کیا ہے خدا کا کچھ تو خوف خدا ان کی ضروریات فراہم کرنے کی طرف توجہ دے ان کے حقوق ادا کر۔“ اس نے ذرا دیر کے لئے سر جھکا لیا اور پھر سر اٹھا کر کہنے لگا: ”آپ کوئی اپنی حاجت ظاہر کریں جسے پورا کر دیا جائے۔“ امام ثوریؓ نے فرمایا: ”خلیفہ دوم عمر بن الخطابؓ نے پچ کیا تو اپنے خاندان سے دینا دینا کتنی رقم خرچ ہو گئی۔ خاندان نے بتایا کہ دس مہم کے کچھ ہی زائد قسم صرف ہوئی ہے لیکن تمہارے ان خرچے کا کوئی حساب ہی نہیں اس کثرت سے مال اٹھا گیا ہے کہ اذیت تک اس پر مجبور ہو گئے کی حالت نہیں رکھتے، یہ کہا اور نکل کر چلے گئے۔“ خلفاء اور سربراہ مملکت ملت مسلمہ کے سامنے اسی بنا پر تسلیم خم کرتے اور ان کی باتوں کو قبول کرتے ہیں کہ وہ جانتے تھے امت اس حقیقت کی اچھی طرح باخبر ہے کہ اسے حکمران طبقہ کی بگڑائی اور احتیاج کا پورا پورا مدد حاصل ہے اور وہ ان کی کجی کو دیکھ کر نیکی صلاحیت رکھتے ہیں اور انہیں غلط راستے پر چلنا دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتی بلکہ وہ اپنے حق کو استعمال کر کے انہیں صراط مستقیم پر لانے کی پوری پوری کوشش کرے گی۔“

سفینہ غزل

ساقیا مے کہ دورِ قُل ہے
مطرب غزلے کہ فصلِ گل ہے

بیرقی تیر —

میرزا نیدی

زندگی غم ہے حجابت ہے تمہیں کیا معلوم
بجھ شوق نے شہ پانی تو گستاخ ہوئی
شروعی سخن کو فردوسِ نغمہ بکے ہو
میرا نام آتے ہی ہرے پہ شوق پھولی ہے
میں تڑکے کی جگہ شکوہ ستم کرتا ہوں
ہر گھڑی سو دنیاں ہی پہ نغمہ رہتی ہے
تم تو ہونٹوں پہ حرے، سورج بزم دیکھو

تم کو معلوم ہے سب حالِ پریشانی عودج
اد یہ کس کی بدولت ہے تمہیں کیا معلوم

دو گھر راجی وادو کیٹ

جہاں مجھ کو خیالِ گردشِ ایام آتا ہے
پہ نامِ خاص گردش میں جو کوئی جام آتا ہے
یہ سب موقعِ محن کی بات ہے اے حضرت ناسخ

سند گلدانی

ہر شخص کی نگاہ کو پہچانتا ہے دل
اے چارہ گرا علاجِ کوفی اور ہی بنا
ٹائیکہ اب بہارِ چمن میں نہ آسکے
یکساں ہے التفات و لغافل کی آندو
آئے کسی لباس میں رنگینی بہار

نازک مزاج ایک تمہیں تو نہیں ہو سوز
دنیا میں سب کو ایک سا جھٹک گیا ہے دل

افضل قریشی

ہانے کس گوشہ ساحل میں نہاں ہوتا ہے وہ جو طراناں مری آنکھوں سے زوال ہوتا ہے
ہم نے دیکھی ہے بہت ترے گلستاں کی تحسہ سارے گلشن میں قیامت کا دھواں ہوتا ہے
اشک ہی تیرا امانت انہیں برباد نہ کر میں جو مدعا ہوں، تو تیرا ہی زیاں ہوتا ہے
بند کلیوں میں کہاں بھول کی خوشبو افضل
عمر بڑھتی ہے تو احساس جواں ہوتا ہے

آئندہ دہائی

مجھ سے ہے کائنات میں رونق ہضم کائنات
میں ہوں ویسے زندگی میں ہوں حقیقت حیات
میرے خیال دسکر سے دشت میں گل کھلے ہوئے
میری ہی انگلیوں کی ضرب نغمہ ساز ممکنات
زیر نگین ہیں مجھ پر شمس و قمر پہ ہے نظر
فرش سے عرش تک مرا دائرۂ تصرفات

ماہر القادی

گلشن میں تم آ جاؤ، اب رت بھی بہانی ہے
کلیوں کا رنگین ہے، پھولوں کی جانی ہے
اب دشت ہی ایسا ہے ایک ایک سانپ کو
طراناں سے بھی لڑنا ہے، کشتی بھی بچانی ہے
کہہ دوں سے گلستاں کے حالات پہلیاں ہیں
بلبل کے بھی ہجہ میں آشفۃ بیانی ہے
اے حسن ترے مدقے کیا خوب کرشمے ہیں
جلوسے بھی دکھانے میں صورت بھی چھپانی ہے

جو اشک ترے غم میں مرگاں پہ ابھر آیا
رک جائے تو موتی ہے بہ جائے تو پانی ہے

روح انتخاب

ابوالعلاء معری کی شاعری

عربی شعر و ادب اور فلسفہ و حکمت کی تاریخ میں ابوالعلاء کا نہایت بلند مقام ہے، عربی شاعری میں اس نے بڑا انقلاب پیدا کیا اور اس کو ایک نیا رنگ اور نئی روشنی بخشی، جو لوگ اس کو منتہی کا متبع اور خوشہ چیں بتاتے ہیں، ان کی رائے صرف اس حد تک صحیح رہا جتنا وہ منتہی سے متاثر تھا، لیکن بعد میں اس نے اپنی نئی راہ نکالی، وہ نئی شاعری کے مزاج اور مذاق میں بہت اختلاف تھا۔ نئے قدرتی طویر ان کی شاعری میں بھی بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ منتہی کے الفاظ اور اسلوب بیان ابوالعلاء کے مقابل میں زیادہ واضح ہیں، اس کا فلسفہ اور حکمت محض تکلف اور آدھ ہے۔ اس کے مقابلے میں ابوالعلاء فطری فلسفی اور حکیم ہے۔ اس کے فلسفیانہ خیالات میں تکلف نہیں معلوم ہوتا۔ ابوالعلاء نے شعر و ادب سے کبھی کوئی مادی فائدہ حاصل نہیں کیا لیکن منتہی کا پیشہ شاعری تھا، منتہی عزت نفس، عظمت و شان کے دعوے کے باوجود مال و دولت کا حریص اور دنیا کا دلدادہ تھا۔ اس کے لئے عمر بھر باوثاقوں اور وزیروں کی مدد رہا، لیکن ابوالعلاء کو مال و دولت سے نفرت اور دنیا کے چاہ و حشم سے کوئی واسطہ نہ تھا اس لئے کبھی کسی کی مدد و تائید نہیں کی، منتہی پر اور بکبر کے باوجود شاعری کو پیشہ بنانے میں عار نہ ہوا۔ لیکن ابوالعلاء نے انکسار و تواضع کے باوجود زندگی بھر کسی کا احسان نہ کیا، منتہی کو چاہ و حشمت کی طلب نے دوش گوی ہمارا دہ کیا، اور ابوالعلاء کی نگاہ میں دنیا وی چاہ و حشمت کی کوئی وقعت نہ تھی اور فی واسطہ بازی کا دامن اس کے ہاتھ سے کبھی نہ چھوٹا، منتہی دولت مند مگر بخیل تھا اور ابوالعلاء گنہگار بن گیا لیکن دل کا سخا تھا۔ نئے قدرتی دلوں کی شاعری میں بھی بڑا فرق ہے، ابوالعلاء کی شاعری تکلف سے پاک سادہ اور عام ان کی جذبات اور بلند اخلاقی سلیقہ نہ خیالات کی صحیح عکاسی کرتی ہے۔

اس نے شاعری کو قہین کی دنیا سے نکال کر حقیقت کا جامہ پہنایا اور ایسا فلسفیانہ طرز بیان ایجاد کیا جس سے لوگ اب تک نا آشنا رہے، ابوالعلاء سے بہت پہلے عربی شاعری فلسفیانہ خیالات سے آشنا ہو چکی تھی اور زبیر بن ابی سلمیٰ، عدی بن زید، ابوالعلاء میلاد، دینورہ بنی فلسفہ و حکمت کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا اور ابوالعلاء کا کوئی مقابلہ نہیں، زبیر حکمت فطری اور ان کی سادہ زندگی کے تجربات کا نتیجہ تھی۔ اس لئے اس میں کسی خاص نظریہ اور فکر کو کوئی دخل نہیں ہے، عدی، نا اور ابوالعلاء یہ مذہب اسلام کا پیرو تھا اور دلوں کی حکمت ان کے مذاہب سے ماخوذ ہے، منتہی کے فلسفہ و حکمت کی نوعیت محض مادی ہے، لیکن شاعری میں الہیات، طبیعیات اور ماضیات کے متعلق فلسفیانہ خیالات پیش کرنا اور فلسفہ کو اس کے مقام اور کثافتوں سے نکال کر ایسی جگہ لے آنا کہ ان کا ذہن خود بخود اس کی جانب مائل ہو جائے، ابوالعلاء کا کام نہ ہے، ابوالعلاء

کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے ایک مستقل موضوع پر ایک پورا دہان مرتب کیا، یعنی درمات جس میں صرف دم کا ذکر ہے۔

اس کی شاعری کا ایک خاص مقصد اور نقطہ نظر ہے، اس کی تفصیل آئندہ آئے گی، فحش، یا وہ گویا کذب بیانی، بر آئی، ہے جامی کا جس کو شاعری کا اصلی کمال سمجھا جاتا ہے۔ اس کے یہاں کوئی وجود نہیں۔

انما قلت شعبي المست فيه بجا تب
فما انا تا تب اكمل كبريا
جب میں شریک ہوں تو کوئی گناہ کی بات نہیں کرتا بلکہ بے لوث کی طرح میں بھی تائب ہو گیا ہوں

مگر نہ عقربان میں اپنی فسطا تعریف کئے جانے پر ناگواری ادا کی خواہاں ہے کہ حضرت مسیح کے فائدہ اشتغال کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ زبانِ قلم کے چھارے اور خود لغت کے شہاد کی تلاش میری شاعری میں ہے مگر وہ شاعری کہ جس سے صدق و کذب، صحیح و غلط اور ہدایت و ضلالت میں امتیاز نہ ہو سکے،

من يبيع عندي نخرا او يبيع لعة
فما يسا عف من هذا ولا هذي
کیفینک شعل من الدنيا ومنقصة
ان لا يبين للشاهدي من الهادي

وہ ان شاعروں میں سے ہے جن کی شاعری کا مقصد صرف تعریف ہی ہے، اس لئے ان کی پروا نہ کذب، یا وہ گویا اور حاشیہ تک مد ہو کر رہ جاتی ہے اور عام لوگ اسی کو کمال سمجھتے ہیں۔

بن الا داب غرتكمد قسدا يها
نرا خارف مشن نر من مئة الذباب
وما شعل كمالا لا تا ب
تلمص في المدايح والسباب
اضل من قرد من الاهداء
واسرق للمقال من الزبا

عام شاعری کا حال وہ رسالہ عقربان میں یہ بیان کرتا ہے کہ شعراء آنا اور بے ماہ رہتے ہیں، وہ اکل بچہ اور غلط باتیں کرتے ہیں، قرآن کی اس آیت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے اللہ تر انہم فی کل ما ديعيون وانهم يفترون مسا ليعفون (ص ۲۴، ۲۵)

وہ اس اصول کا قائل ہے کہ شعراء اب کو انسانی زندگی کے حالات و تجربات کا ترجمان ہونا چاہئے، یہی وجہ ہے کہ انسانی فطرت کی صحیح تصویر اور انسانی زندگی کی حقیقی تصویر آپس کے یہاں ملتی ہے اس کی مثال ان شاعروں کے یہاں تلاش کرنا بے سود جن کا مقصد صرف خیال آرائی ہے۔

ومن تأمل اقوالی مل ای حولا
ليظل فيهم سلا س مشرقا

البراعلة کا فلسفہ اس کے نقطہ نظر کی طرح اس کی زندگی اور شخصیت میں پردہ کا گر ہے، مثلاً اس کی طبیعت دگی و ناعت، عزت، روزہ کی عادت، شراب نوشی سے اجتناب، تجرؤ کی زندگی، اولدی ادا اپنے وطن، ماحول اصفاء کا بھی ذکر ہے۔

(مولوی ضیا الدین اصلاحی)

ہماری نظر میں

شعلہ جان از اردو سیدی، ضخامت ۸۴ صفحات، مجلد، رنگین سرورق، قیمت چار روپے۔
 لینے کا پتہ: سلطان حسن اینڈ سنز، متصل مولوی دینا بھائی فرخانہ، ہندوستان، کراچی۔
 جناب اردو سیدی نے حالات کی ماساز نگاری کیا وجود شمعون میں ترقی کی ترقیوں، طبعی طور پر دیکھنے والے ہی ہمارے لیے شعلہ جان کی ان کی زندگی کشمکش کی زندگی بلکہ یوں کہتے ہیں کہ وہی انسان کی زندگی ہی ہے ان کی شاعری ہلان کے نقص کا اثر ہے جسے لذت درد کو سمجھا ہے! اردو سیدی کے کلام میں سوز و گداز احساس کی شدت پائی جاتی ہے۔

کیا کہوں اے ہم نفس، دنیا کی حالت کیا کہوں
 چند آہیں، چند آسود، ذلت و افلاس کے
 جھجھے میں مجسم ہوں میں نے ہی کیا ہے جرم یہ
 اہل عالم کا جنوں سنگ باری کچھ نہ پوچھ
 ان شعروں میں اردو سیدی نے آپ بیتی بیان کی ہے انہی تعلقوں اور ماریاں ہیں ان کی شاعری ٹوٹے ہوئے دل کی عمدائے بازگشت ہے!
 ہنسنا شروع ہو کر
 دم صیاد سے رہا ہو کر
 اک دم سہی ترانہ تصور
 کرنے لے وادراحم پیدا
 جہاں سینکڑوں تکرارے ڈھانڈھے ہیں
 مٹ جاتے ہیں سینکڑوں تھاق
 اک لمحہ کو روک گردشیں جام
 تیری ہی تلاش و جستجو ہیں
 پہنچ جاتے ہیں ب منزل پہ اپنی
 تیری زلف پر لیٹا سنوئی تو کیا
 چین پاتا نہیں، یہاں بھی دل
 پہچان سکتا ہے اب مجھے کیا
 نصرتوں کو فریب دیتے وقت
 تیری آواز گر نہ آئے گی

ہیں اسیر حوادث پر واز
 کچھ دل کو پناہ تو ملی ہے
 میرے سجدوں کی ناپید پیرا
 خدا بھی تراشے ہیں کچھ بندگی نے
 بنتا ہے کہیں جو اب اک فناء
 شاید کہ زمانہ لوٹ آئے
 ہم دل میں پھرے تجھے بھائے
 غبار کارواں بھی کا نداں بھی
 ایک خواب پر لیٹاں سے ہم ہو گئے
 اب کہاں جاؤں تیری محض سے
 میں اپنے لئے بھی اجنبی ہوں
 آدمی خود فریب کھاتا ہے
 سائہ ہستی کو لٹکاؤں گا
 تو کب تک رہے گا یہاں

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا ————— کما اور دھلا لٹھا

(دوسرے)

ہر قسم کا دھاگہ تیار ہوتا ہے

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

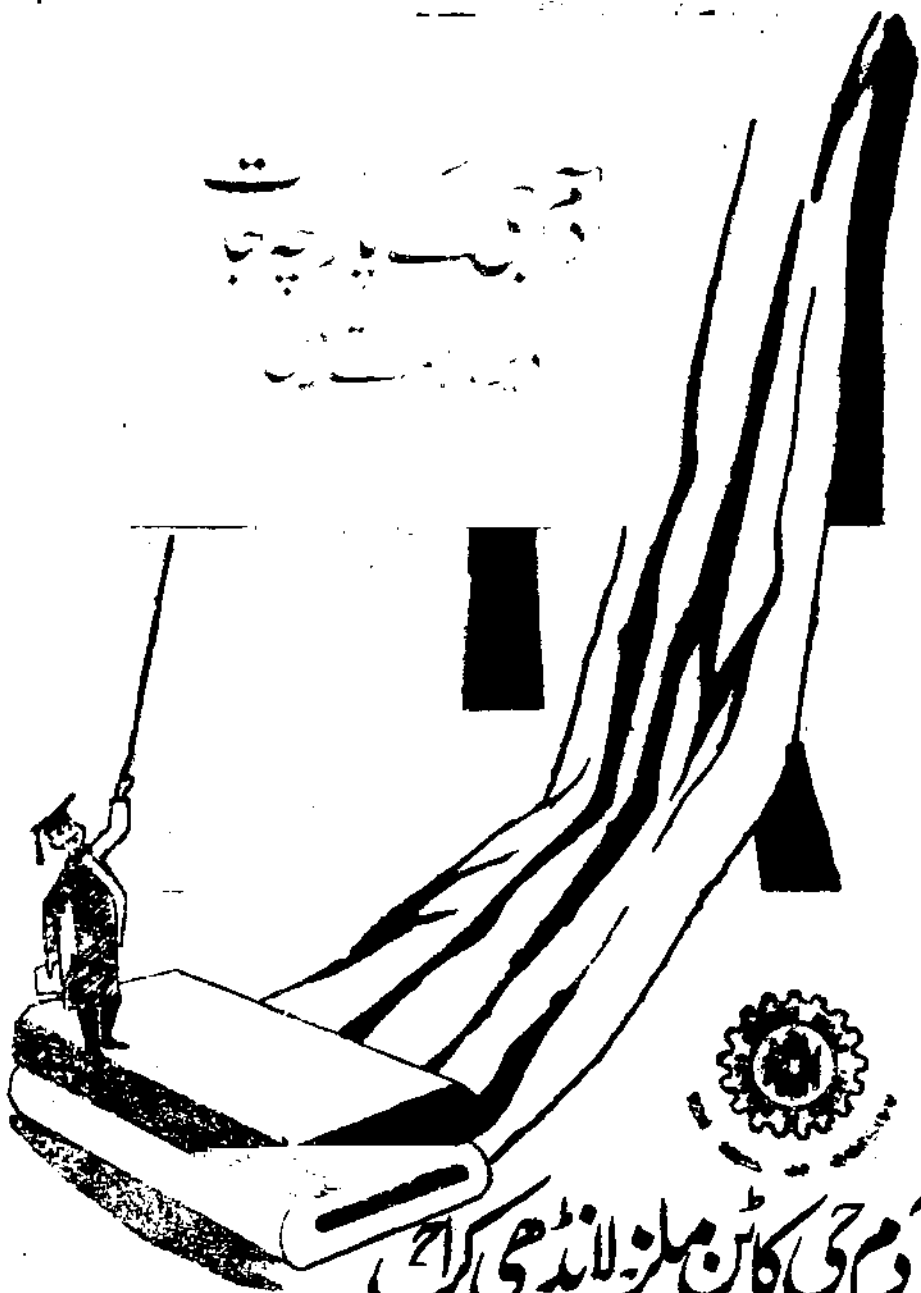
ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے

پاکستان کی صنعت کی قدر

اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

آدم جی کاٹن ملز پریپریٹڈ
لیمٹڈ



آدم جی کاٹن ملز لائنڈھی کراچی

بیماری کی قیمتیں

بیماروں کی خدمات

- ۱۔ طبی مشق کو پاکستان میں محدود ہے۔ زمرہ کیا اور اس طبی کے معیارات کو بلند کر کے مقبول بنانا۔
- ۲۔ طبی مشق کی دوا سازی کے اعلیٰ معیارات قائم کیا اور سب کے لیے عام و منزل دستیاب کی۔
- ۳۔ طبی مشق اور طبیب و طبیب کے مقام کو بلند کیا۔
- ۴۔ پاکستان کے خاص و عام کی ناقابل فراموش خدمت انجام دی۔
- ۵۔ طبی مشق کو دوزخ کو پاکستان کے کونے کونے میں پہنچایا۔

ہزار



جون ۱۹۶۶ء

کاجی

جلد ۱۸ شماره ۳

ایڈیٹر۔
ماہر القادری

ترتیب

۳	ماہر القادری	نقش اول
۱۰	تفہیم و ترجمہ بدیع الزکریا سواتی	خامہ
۱۵	مولانا محمد مصطفیٰ دہلوی گڑھ	ایک نغمہ
۱۸	پروفیسر اسرار احمد سہادی	الفہرستان
۲۳	شمس تبریز خاں آردی	حدیث بطور تفسیر قرآن
۲۹	ماہر القادری	جنگلیاں
۳۳	مولانا محمد مصباح اللہ شریقی	تأفات
۳۶	مختلف شعراء	سوز و ساز
۳۸	روح انتخاب
۴۵	ہماری نظریں

پیشہ مسعود حسین

پتہ:- ماہنامہ فاران مجیل اسٹریٹ کلاں

مشکوٰۃ پبلشرز انٹرنیشنل پریس کلاں جی، جہاں گزشتہ ماہنامہ فاران، مجیل اسٹریٹ کلاں ملے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ اول



امتِ محمدیہ میں بہت سے فرقے پائے جاتے ہیں، ان کے آپس میں فقر و عقیدہ کے اختلافات بھی ہیں، وہ ایک دوسرے کو گمراہ بھی سمجھتے ہیں ان میں باہمی مناظرے ادا ہوتے رہتے ہیں ادا ہزار اصفیٰ کا لٹریچر ایک دوسرے کی تردید میں ملتا ہے ایک وہ گمراہی ہوتی ہے جس پر کفر کا اطلاق ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ بعض مذاہب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہوتا، جیسے جیسے واقعات ظہور پرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم ہوتا رہتا ہے دعا واللہ! یہ عقیدہ "کفریہ" ہے مگر یہ تمام فلسفوں کا عقیدہ نہیں ہے اللہ کو کوئی فرقہ اس عقیدہ پر قائم ہے اس طرح بعض دوسرے کفریہ عقائد میں ہو کسی فرقہ کے بعض افراد کے ہو سکتے ہیں، مگر پورے فرقہ پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس لئے ان فرقوں کی گمراہی وہ "ضلالت" نہیں ہے، جو کسی فرد یا جماعت کی امتِ محمدیہ سے باہر ادا دائرہ اسلام سے خارج کر دے، یہ تمام فرقے ان تمام اختلافات کے باوجود اسلام ہی سے تعلق رکھتے ہیں ادا ان کے ماننے والے مسلمان ہی کہلا سکتا ہے سمجھے جاتے ہیں۔

مگر

اس دنیا میں دو ایسے گروہ بھی پائے جاتے ہیں، جن کے مسلمانوں جیسے نام ہیں، ادا ہوا اپنی تفسیر و تحسین میں قرآن و حدیث ادا اسلامی ادب کی دوسری کتابوں سے استدلال کرتے ہیں، لیکن وہ امتِ محمدیہ سے خارج ادا اسلام کے دائرے سے باہر ہیں، ان میں سے ایک نسرۃ بہائی ہے، جو مسلمانوں سے بعض سرسری "مشابہتوں" کے باوجود اپنے "مسلمان" نہیں کہتا ادا وہ خود کو "امتِ محمدیہ" میں شامل جانتا ہے بلکہ وہ اپنے کو دوسرے مذہبوں کی طرح جدا گانہ مذہب سمجھتا ہے! بہائی اس معاملہ میں سمجھے ہیں کہ وہ اپنے کو مسلمان جتنا کہ ادا اسلام کا بہروپ دھا کر اپنے مسلک و مذہب کی طرف لوگوں کو دعوت نہیں دیتے! اس کے برعکس دوسرا گروہ قادیانوں کا ہے، یہ لوگ مرزا غلام احمد کو نبی تسلیم کرنے کے بعد امتِ محمدیہ میں شامل نہیں رہتے ادا دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں۔ مگر ان کا دعویٰ بھی ہے کہ وہ مسلمان ہیں بلکہ اسلام کے حقیقی نمائندے وہی ہیں۔

اس تکلیف دہ بحث کو چھوڑنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوتی کہ پاکستان میں پیچھے چندا لوں سے قادیانیوں کی جواہری بہت بڑھ گئی ہیں ادا وہ کھن کر مسلمانوں کو اپنے مسلک کفر و ضلالت کی دعوت دینے لگے ہیں، ہمارے پاس بھی کچھ دنوں سے ان کا لٹریچر آرہا ہے جسے پڑھ کر جو ردِ عانی تکلیف ادا قسبی ادا بہتی ہے، اس کا اظہار الفاظ میں نہیں ہو سکتا، ہم نے ان لوگوں کو سختی کے ساتھ کھٹاکر اپنی خرافات ہمارے پاس نہ بھیجا کریں، قادیانیوں کو امتِ محمدیہ سے باہر ادا اسلام کے دائرے سے خارج سمجھتے ہیں ادا مرزا غلام احمد قادیانی کا نام نہ کر دیں جو نفرت پیدا ہوتی ہے! اتنی نفرت ادا جس ادا ادا ہسب کا نام سن کر بھی نہیں ہوتی، اسی عقیدے پر ہم اپنا خاتمہ پاتے ہیں۔ ہمارے اس لکھنے کے باوجود احمدیہ بلڈ گیس لاہور سے "فیض" ادا "مخلص" آتے رہتے ہیں، حال ہی میں عبداللہ ان عمر کے نام سے ایک "نمیتہ" آیا ہے، جو

یہاں کی برہم کے نام کے ساتھ حضرت بلکہ عالیہؑ لکھا جاتا ہے۔ انصاف سے بتائیے کہ اصل بادشاہ کی تعریف میں اس حلیہ جعلی بادشاہ کی عیبہ خفائی اور اسطرح حقیقت کو مضحکہ دینا نفقت اور دوں وغریب کے علاوہ اور کیا سمجھا جا سکتا ہے۔ یہی مثال مرزا غلام احمد قادیانی کے ان اقوال پر ہدی اترتی ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ترقصیف کی گئی ہے۔

قرآن کریم واضح طور پر کسی تشابہ اور رمز و کنایہ کے بغیر حضرت سیدنا محمد ابن عبد اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاتم النبیین کہتا ہے اور بول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نبی بعدیؐ فرماتے ہیں کہ میرے بعد کوئی نیا آنے والا نہیں ہے۔ کتاب و سنت کے ان شراہد و اعلانات نے بعد مرنا غلام احمد کا۔ دہرائے نبوتؐ خدا اور رسول کو مریطی طور پر جھٹلانا نہیں کہ اودکی ہے (معنا ثالثہ) ابتدا خداوندی اور اقوال رسول کی رد و تکذیب کرتے ہوئے مرنا غلام احمد کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و تعظیم کرنا، کفنی خطرناک منافقت اور کس دجہ گراؤ کن دجل و نسیب ہے۔

”متم نبوت“ کے محکم و مستحق علیہ عقیدہ کے ہوتے ہوئے ”نبوت“ کا اعلان اس سے بڑی بناوت، مافرقانی، مخالفت اور گستاخی ناپاکی نبوت میں اور کیا ہو سکتی ہے۔۔۔ اس صورت میں خدام احمدیائی پنج کاتب کی زبان سے نئی آفریما و وعدہ و وعید کی طرح و توصیف اپنی مائترو ایک بہت بڑا دھوکا اور فراڈ ہے اور مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کی ایک چال ہے۔

اسی انداز و ہیج پرست دیا تا اپنی تحسید و تقریر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہتے ہیں اور اس طرح مسلمانوں کو مائل فرمایا جاتا ہے امت مسلمہ خاتم النبیین سے مراد ملیتی ہے کہ اب قیامت تک کبھی قسم کا کوئی (نیا) نبی نہیں آئے گا، ذات رسالت آج پر نبوت کو ختم فرمایا گیا اور اللہ تعالیٰ کا دین ہر اعتبار سے مکمل ہو چکا، مگر تقاضا یہی اس لفظ و خاتم النبیین کو قبول کر کے مفہوم پیدا کرتے اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خاتم النبیین سے مراد افضل البینین ہے۔ نبوت اس معنی میں ختم نہیں ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کسی قسم کا کوئی "نبی" ہی نہیں آئے گا۔۔۔۔۔ دین کی تجدید و اصلاح کے لئے۔۔۔۔۔ انبیاء آتے رہیں گے۔۔۔۔۔ وہم جوڑا۔۔۔۔۔ تو قادیانوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہنا، اس تصور عقیدہ اور نظریے سے بالکل مختلف ہے، جو عقیدہ اور نظریہ امت مسلمہ کا ہے۔

ختم نبوت کے بنیادی حقیقہ کی تکذیب دینی کرنے اور نبی کا زب کو نبی ماننے کے بعد قادیانی کسی مذہب و اشتباہ کے بغیر کافر ہو جاتے ہیں، اور کفر کے بعد کوئی عمل خیر مشافہ نہاد، رندہ، وحج، قرآن کا پڑھنا، زکوٰۃ کا دینا، ان کے لئے نفع بخش نہیں ہو سکتا، بلکہ اعمال ایمان کے ساتھ فائدہ دیتے اور آخرت میں کام آتے ہیں، کفر و استداد کی حالت میں ان کا حال ریت کے ڈول کی طرح ہے جو ڈول سی پھونک کر اڑنے لگ جاتے ہیں۔

قادیانی جو یہودی امت مسلمہ اور اس کے تمام فرقوں کے نزدیک امت محمدیہ اور اسلام کے دائرے سے خارج ہیں اسلام کا نام لے کر، اپنے سبک کفر و ضلالت کی طرف دعوت دیتے ہیں، اسلام، قرآن، خدا اور رسول کے ناموں اور اصطلاحوں کو ان لوگوں نے اپنے کفریہ عقائد کی تبلیغ کے لئے استعمال کیا ہے۔

۱۹۵۷ء میں اس گہنگھا کر جو حرم شریفین کی زیارت اور اس ارض مقدس کی حاضری نصیب ہوئی، میں نے محسوس کیا کہ قادیانیوں کا نام آئے ہی خود حجاز اور حرم شریف کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں، جیسے یہ ذکر ان کے لئے انتہائی تکلیف دہ ہے، قادیانیوں کے "گفرت" کے سب قائل ہیں۔

میں نے یہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ شریف حسین کے عہد حکومت میں پاک پن (پنجاب) کے کچھ قادیانی تاجرانے آئے تھے، جن کی جدہ میں تجارت تھی۔ یہ لوگ "گنتی" کہلاتے تھے انہوں نے یہاں کے لوگوں میں اپنے عقائد کی تبلیغ رو بہ رو کیا۔ لاچار سے شرمناک کچھ دن تک یہ

حاصلہ ہوتا ہے پھر بہت بھڑک نکلی، یہاں تک کہ حکومت کو اس فتنہ کا علم ہو گیا۔

حکومت کے احتساب کارنگ دیکھ کر پاک پشن کے وہ قادیانی تاجور فرار ہو گئے، مگر وہ عرب جو قادیانیوں سے میں بول رہے تھے پکڑے گئے، پولیس نے کچھ رجسٹر بھی برآمد کئے جن میں ان لوگوں کے نام لکھے تھے جن کو یہ قادیانی سوداگر تخواہ دیا کرتے تھے۔ ————— ہے پڑے لکھے لوگوں کو تو حکومت نے باز پرس کے بعد چھوڑ دیا، مگر وہ عرب جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، ان کو کچھ دن قید و بند میں رکھا کہ تم ان کے پانچ اور دھوکے میں کیسے آ گئے؟ انہوں نے اپنی صفائی میں یہی کہا کہ یہ "لفقی" مرزا غلام احمد کا ہم سے ذکر کیا کرتے تھے کہ اس شخص نے اسلام کی خدمت کی ہے، بس اسی حد تک ہم جانتے ہیں، ہمیں اور کسی بات کا پتہ نہیں، چند دن کے بعد یہ لوگ چھوڑ دئے گئے اور اس طرح قادیانی فتنہ کا بالکل شروع ہی میں سب رچا دیا گیا کہ —

سید حبیبہ یارید گرنہ میں

سلطان ابن سعود حرم کے دور حکومت میں کسی قادیانی کے جلال آئے کی حکومت کو اطلاع ملی تھی، جب وہ قادیانی جہدہ میں آیا تو اسے گرفتار کر لیا گیا اور پھر جہدہ سے بالا لا کر دیا گیا کہ حدود حرم میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقعہ داخل ہو سکتے ہیں، مرزا غلام احمد قادیانی کے امتی قدم نہیں رکھ سکتے۔

مغربی ممالک میں عیسائی ان قادیانیوں کے دام تزییر میں اسلام ہی کے نام پر آ جاتے ہیں، یہ فتنہ ساز شروع میں مرزا غلام احمد قادیانی کا نام مسلمانوں کے ایک ہیرو کی حیثیت سے اُن کے کان میں ڈال دیتے ہیں، جب کوئی عیسائی اسلام قبول کر لیتا ہے تو پھر اُسے یہ باور کراتے ہیں کہ مرزا غلام احمد کو نبی یا مجدد ماننا اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے بس وہ بے چارہ دین سے ناواقفیت کے سبب ان کے چکر میں آ جاتا ہے، مگر جو تو مسلم اس حقیقت سے باخبر ہو جاتے ہیں وہ ایک منٹ کے لئے بھی قادیانیوں کے کیمپ میں نہیں رہ سکتے، عام مسلمانوں کی اس بدگئی کو دور کرنے کے لئے لارڈ میڈلے فاروق نے جب ہندوستان کا دورہ کیا تھا تو انہوں نے کھلے خزانے اعلان فرمایا تھا کہ میں مسلمان ہوں قادیانی نہیں ہوں۔ قادیانی عام مسلمانوں کو ایک اور مخالف لٹے جیتے ہیں کہ اپنے مذہب کو "سلسلہ احمدیہ" اور مرزا غلام احمد کو "بانی سلسلہ" کہتے ہیں مسلمانوں میں طرفیت کے جو چار سلسلے رفاہی، نقشبندی، حششی اور بہروردی اپنے جاتے ہیں کیا "سلسلہ احمدیہ" بھی اُسی قبیلہ کا کوئی سلسلہ استخار ہے؟ پھر مسلمانوں میں جو فقہی مذاہب پائے جاتے ہیں "قادیانیت" اُس طرح کا کوئی فقہی مسلک و مذہب بھی نہیں ہے! یہ سلسلہ "نہیں ایک نبی کا ذب کی منتقل امت ہے!"

یہ کروار ————— ؟! ہمارے پاس احمدیہ بلڈ ٹیس لاہور سے عبدالمنان ٹرنے جو فیمہ ہائنا مرد روح اسلام رواہ مارچ ۱۹۶۶ء ہے وہ چار درتوں پر مشتمل ہے اور شروع سے لے کر آخر تک دجل و فریب اور غلط قسم کی تادیلات کے سوا اور کچھ نہیں ہے!

اس سے کس اہل ہوش و دانش صاحب ایمان و یقین کو انکار ہے کہ ہر دور میں امام، مجددین اور مصلحین پیدا ہوتے رہیں گے، مسیح موعود بھی تشریف لائیں گے اور امام مہدی بھی!

مگر

غلام احمد قادیانی نہ مجدد تھا نہ مصلح تھا نہ امام وقت تھا، نہ مسیح موعود اور امام مہدی تھا یہ شخص جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر کے مرتدا اور خارج اسلام ہو گیا اور جو کوئی فرو یا اداسہ اس شخص کی امامت، مجددیت، مہدیت، مسیح موعودیت اور نبوت کی طرٹ لوگوں کو بلاتا ہے وہ خود گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے!

فلام احمد قادیانی کی شاعری گھٹیا درجہ کی شاعری ہے لہٰذا یہی حال اُس کی آراء و نظریات کا ہے، انبیاء و کرام کے اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کی نصیحت و بلاغت اور "جماع الکلم" جماعت فرمائی ہے اور انبیاء و کرام شاعری بھی نہیں کیا کرتے یہ اُن کے مرتبہ اور مقام سے فراتر چیز ہے۔ اس کے علاوہ مرزا نے قادیان کے جو حالات اور اقوال ملتے ہیں اُن میں نہ وہ پاکیزگی اور ادب و العزیز نظر آتی ہے جو مجددین اور مصلحین وقت کے یہاں پائی جاتی ہے نہ اُس میں بلند معیار فکری ملتی ہے اور نہ حریت خیال، مرزا فلام احمد قادیانی نے پنجاب کے لعنت گوریز کو جو دوستی دی تھیں اُن کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے :-

● میں دعوے سے گورنمنٹ کی خدمت میں اطلاع دیتا ہوں کہ بہ اعتبار مذہبی اصول کے مسلمانوں کے تمام فسر و قول میں سے گورنمنٹ کا اول درجہ کا وفاق اور اور جان نثار یہی نیا فرقہ ہے، جس کے اصولوں میں سے کوئی اصول گورنمنٹ کے لئے خطرناک نہیں۔

● جو ہدایتیں اس فرقے کے لئے دی گئی ہیں جن کو میں نے اُن سے لکھ کر اور چھاپ کر ہر ایک مرید کو دیا ہے کُن کو اپنا دستور العمل رکھے۔۔۔۔۔ ان ہدایتوں کو پڑھ کر۔۔۔۔۔ گورنمنٹ کو معلوم ہو گا کہ کیسے سن کر اُن اصولوں کی اس جماعت کو تعلیم دی جاتی ہے اور کس طرح بار بار اُن کو تاکیدیں کی گئی ہیں کہ وہ گورنمنٹ برطانیہ کے بچے خیر خواہ اور مطیع ہیں۔

● یہ ایک ایسی جماعت ہے جو سرکار انگریزی کی نیک پروردہ اور نیکیاں حاصل کردہ اور موردِ مراعہ گورنمنٹ ہے۔

● ہماری قریبی دعا ہے کہ خدا اُس گورنمنٹ محترمہ کو جزائے خیر دے اور اُس سے بچی کرے جیسا کہ اُس نے ہم سے بچی کی یہی وجہ ہے کہ میرا باپ، میرا بھائی اور خود میں روح کے جوش سے اس بات میں مصروف رہے کہ اس گورنمنٹ کے فوائد و احسانات کو عام لوگوں پر ظاہر کریں اور اُس کی اطاعت کی فریضیت کو لوگوں کے دلوں میں جما دیں اور یہی وجہ ہے کہ میں اٹھارہ برس سے ایسی کتابوں کی تالیف میں مشغول ہوں کہ جو مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی محبت اور اطاعت کی طرف مائل کر رہے ہیں۔۔۔۔۔

انگریز کو اسلام اور مسلمانوں سے جتنی کد اور عناد و دغا ہے، وہ کسی نبوت کا محتاج نہیں ہے، انگریزی حکومت کی چال بازی بھی سب پر روشن ہیں جس شخص نے ایسی مشتبہ اور اسلام دشمن حکومت کی۔ اطاعت کی فریضیت۔ لوگوں کے دلوں میں جمانے اور مسلمانوں کے دلوں کو انگریزی حکومت کی محبت و اطاعت کی طرف مائل کرنے کے لئے اٹھارہ برس تک بیاضت و محنت کی ہو، اُس شخص کے کردار و میرت کے بارے میں کیا کوئی اچھی مائے قائم کی جا سکتی ہے؟ قرآن کریم میں جس۔ اور الاقر کی اطاعت کا حکم ہے اُس کا مسلمان ہونا لازمی ہے، جو شخص۔ انگریز کی اطاعت کو منصرف اور فرض سمجھتا ہو، اس کی دینی فکر کس قدر پست، سطحی بلکہ غیر اسلامی ہے کیا امام وقت اور مجدد دُعا کا ایسا ہی کردار ادا اُن کی شک و فرست ہی قسم کی ہوا کرتی ہے۔ جو فرقہ انگریزی حکومت کا۔ نمک پر دودھ ہو، جس کی اطاعت و دغا داری پر اس فرقہ کا بانی اور پیشوا نظر کرتا ہو اور لعنت کی خدمت میں درخواستیں بھیج کر اپنی نیاز مندی کا یقین دلاتا ہو۔۔۔۔۔ اس سے اندازہ کر لیجئے کہ وہ۔ فرقہ کیا ہو گا اور اس کے بانیے والے کے قول و کردار کی سطح کیا ہو گی؟ قادیانیت نے دہا صل انگریز کے سایہ عاطفت میں نشو و نما پائی ہے اور اُس امت کے۔ نبی کا ذنب کی عمر کا خاصہ حصہ انگریز کی نصیب ہوئی، دغا داری اور دنیا دہی میں بس رہا ہے، اہم مسلمانوں کو جنہوں نے انگریزی سامراج سے منکری ہے اُس شخص کی خود ساختہ نبوت، مسیحیت، امت

وہ نبوت طلب کرنے والا کافر نہ جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ اس مسلمان کا نہ ختم نبوت پر ایمان نہیں، جسے تو وہ
مکمل نبوت (معتبری) سے نبوت نبوت طلب کرتا ہے اسلئے ختم نبوت پر ایمان نہ رکھنے اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ نئی
کے ظہور بعثت کے امکان کو ماننے کے بعد وہ مسلمان کافر ہو گیا۔

بالکل سامنے کی بات یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کی نبوت کا بھی ظہور صحابہ کرام کے نزدیک ممکن
اور جائز ہوتا تو دور خلافت میں جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اُن سے جنگ کر کے، انہیں قتل نہ کیا جاتا بلکہ پھر اُن کے حالات معلوم
کئے جاتے، اُن کی زندگیوں کو جانچا اور پرکھا جاتا، اُن سے نبوت اہل ماوراء النہر نے پہ گفست گویا جاتی۔ مگر صحابہ کرام جو کچھ نبی آخر
کے بعد کسی نئے نبی کے ظہور بعثت کے قائل نہ تھے، اس لئے انہوں نے صحابہ نبوت کو کاذب مفسد و فحش اور عیافت خاتم النبیین سمجھ کر اُن سے جدا و دور متعاند
کیا اور کافروں اور تہذیبوں کی طرح اُن سے جنگ کی جس طرح یغزیت توحید اللہ تعالیٰ کے سر کسی دوسرے الٰہ کو گراما اور بدداشت نہیں کر سکتی اس طرح غیرت نبوت
حضور سید المرسلین حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کسی نئے نبی کے ظہور کو گراما اور بدداشت نہیں کر سکتی اس مسئلے پر کوئی قہر برتا اور داد دیا
سے کام لیتا ہے وہ منافق ہے۔

معاذ اللہ جس سبب سے نبی بدعتی اپنے ادوات کو نزع و جدال کرنا چاہتے وہ فقہی اختلافات میں جو کوئی رقیب دین آئین بالجمہر اور قزاقانہ خلع لایا
پہ پہچان رہا ہے کہ وہ امت میں اختلاف ڈالنے اور انتشار و تفریق کے بڑے عظیم کاغذ کار ہے !

مگر

ختم نبوت کا مسئلہ کوئی فروعی فقہی مسئلہ نہیں ہے یہ تو ایمانیات کا بنیادی مسئلہ ہے اس کے نہ ماننے سے ایمان و اسلام کی فحش ہوتی ہے !
امت مسلمہ میں سب سے بڑا اختلاف و تفریق تو مرز و محلام احمد دانی کا پیدا کیا ہوا ہے کہ نبیؐ کی بعثت توحید کے مقابلہ میں امت کا یہی دینی و ایمانی مسئلہ
راہِ حق ہوئی نبوت کا بنیادی ٹیوشن قائم کرنا یا قادیانیت کا دوسری اسلام اور ملت میں اختلاف و تفریق کا سبب بنانا فقہ ہے۔ یہ فتنہ جہاں پہنچا کھتا ہے اپنے مسلک
کفر و ضلالت کی طرف مسلمانوں کو کھینچتا ہے اور اس کی ضلالت آمیز تبلیغ پر کوئی پابندی اور قرض نہیں تو اس فتنہ کی تردید کیا مسلمانوں کو قتل و غارتگری ہوئی نبوت کی تردید
جو کوئی ملک میں تفریق و انتشار پیدا کرنے کا سبب سمجھتا ہے اُسے اپنے ایمان اور اسلام کا ہاتھ دینا چاہیے۔

فساق و فجار اور کافروں کو بھی کبھی کبھار سچا خواب نظر آ سکتا ہے اور کافروں، مجرموں اور جوشیروں کی پیشین گوئیاں بھی
ٹھیک ثابت ہوتی ہیں، ان باتوں کی اہمیت - ایمان کے ساتھ ہے۔ کفر کے ساتھ ان کا کوئی وزن اور اہمیت نہیں ہے، تو جو شخص حضور
خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد "نبوت" کا دعویٰ کر کے کافر و مرتد ہو چکا اُس کے کسی بچے خواب کا نہ تو کوئی وزن ہے اور نہ
اُس کی کسی پیشین گوئی کا درست ثابت ہونا، اُس کے دعوئے نبوت کے "کذب" اور کفر و ارتداد کو ہلکا کر سکتا ہے، اس کے علاوہ جھوٹے نبی
کے ماننے والے روئے ہوا تو اور پیش گوئیوں کے بارے میں بھی مخالفہ آمیز تاویلوں اور کذب و انحراف سے کام لیجے ہیں۔

جہاں تک امامت اور تجدید و اصلاح کے منصب کا تعلق ہے امامت کی نگاہ اُن شخصیتوں کی طرف جاتے گی جو مسلمان ہیں، عالم دین
ہیں، صاحب تقویٰ ہیں، جن کی زندگیوں میں وہ خوبیاں ملتی ہیں جو اسلام کو مطلوب اور اللہ اور رسول کے نزدیک پسندیدہ ہیں !
امام الانبیا، قدوة الاصفیاء، سید المرسلین، خاتم النبیین حضرت سیدنا و مطہرنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم و السلام زندہ
ابی حامی پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کے سلسلہ کو ختم فرما دیا اب تمام تک کسی قسم کا بھی کوئی نبی نہیں آئے گا یہ امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے۔
اس کی معافی میں کسی بدعت نبوت کی طرف جب بھی کوئی دعوت دی جائے گی اُس سے دین و ملت میں انتشار پیدا ہوگا اور اس فتنہ کی تردید
اور مدح تمام کرنا مسلمانوں پر واجب ہوگا، قادیانیوں کے نازہ لڑ بچہ کے جواب میں ہم نے اس فریضہ کو ادا کیا ہے !

محمد انصاری

از: حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی
تخلیف ترجمہ: عزیز الرحمن ساداتی
معلم دارالعلوم کراچی

خسکا

کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو تختیں نہیں بنایا اور ہم
ہی نے تم کو چڑا بنایا اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز
بنایا اور ہم نے رات کو پردہ کی چیز بنایا اور ہم ہی نے دن کو معاش
کا وقت بنایا اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے
اور ہم نے ایک روشن چراغ بنایا اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں
سے کثرت سے پانی برسایا تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ سے غلہ
اور سبزی اور گنجان پاش پھیل کریں۔

بلاشبہ آسمان کے اور زمین کے بنانے میں اور ان کے بعد پھر سے رات
اور دن کے آنے میں اور جانوروں میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں اور مریں
کی لہج کی چیزیں لے کر اور پانی میں جس کو اللہ نے آسمان سے برسایا
پھر اس سے زمین کو تروتازہ کیا اس کے خشک ہونے پہچھے اور ہر قسم
کے حیوانات اس میں پھیلا دئے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور ابر میں
جو زمین و آسمان کے درمیان مقید رہتا ہے۔ دلائل میں ان لوگوں
کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔

کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ نے کس طرح رات آسمان اور دن پید
کئے اور ان میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چلنے بنایا اور
اللہ نے تم کو زمین سے ایک خاصہ حمد پیدا کیا پھر تم کو پھر زمین
ہی میں سے جانے گا اور تم کو باہر لے آئے گا۔ اچھا بھریہ بخلا
تم جو مٹی پر بنائے ہو اس کو تم آدھی بنا تے ہو یا ہم بنائے ہو اس میں
ان آیتوں کو بار بار پڑھئے اور اس کائنات میں غلہ کیجئے زمین و آسمان کی یہ عجیب و غریب مخلوقات، قسم قسم کے حیوانات یہ طرح طرح کے

السم نجعل الامرض مہاد والجمال اوتاداً و
خلقتکم ازواجاً وجعلنا فو مکم سباتاً وجعلنا
الیل لباساً وجعلنا انھما س معاشاً و بیننا فوقکم
سبعاً بشدا داً وجعلنا سلجاً وھاجاً
وانزلنا من المعمرات ماء شجا جاً لنضج
بہ حباً ونباتاً وجنات افقا ۵

ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل
والنھما والفلک النجی تجی فی الھما بما ینفع الناس
وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بلہ الارض
بعد مرنھا وبث فیھا من کل دابة و انصر ھلما راج
والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات
لقوم یعقلون ۵

السم تروا کیف خلق اللہ سبع سموات طباقاً و
جعل القسمین نوراً وجعل الشمس سراجاً ۵
واللہ انبتکم من الارض نباتاً ۵ ثم یعیذکم
فیھا ویخرجکم اخراجاً ۵ انصر ھلما راج
انتم تخلقون ۵ ام نحن الخالقون۔

ان آیتوں کو بار بار پڑھئے اور اس کائنات میں غلہ کیجئے زمین و آسمان کی یہ عجیب و غریب مخلوقات، قسم قسم کے حیوانات یہ طرح طرح کے

سنہ نہ اندکانت کا یہ مضبوط اور مسلسل چلتا ہوا نظام جو کبھی ٹوٹتا ہے اور نہ کبھی اس میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے، کیا یہ سب کچھ از خود ہوتا ہے؟ کیا یہ عجیب غریب نظام کسی پیدا کرنے والے سے بے نیاز ہے؟ اگر آپ کے دماغ میں کوئی تشویش نہیں ہے تو آپ ان سوالات کا جواب ضرور نفی میں دیں گے، بلکہ آپ یقین کر لیں کہ فیصدی مجموعہ ہو جائیں گے کہ یہ کائنات خود کسی عظیم فرمانبردار کے تابع ہے اور اسی کی تدبیر و تصرف سے اس کا یہ نظام قائم ہے۔ یہی بات قرآن کریم کی ان آیتوں میں بھی بتلائی گئی ہے۔

اُنّی اللّٰہُ تَرک فاطرا السموات والارض ؟
کیا اللہ کے ہارے میں شک ہے جو کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے ؟

اللہ تعالیٰ نے دولت و تبلیغ کے لئے انبیاء بھی بھیجے اور کتب میں بھی نازل کیں، انہوں نے مخلوق کو توحید کی طرف توجہ دلائی لیکن یہ کہیں نہیں کہا کہ تم صالح کا اقرار کرو اور لئے کہ یہ بات پہلے ہی سے ان کی عقلوں میں صرف موجود ہی نہیں بلکہ راسخ متقی جیسے ہی انہوں نے ہوش سنبھالا انسان میں عقل آگئی انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس کائنات کا ضرور کوئی پیدا کرنے والا ہے اس بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ان آیتوں میں بیان فرمایا ہے۔

ولمّن سألہم من خلق السموات والارض لبقوا
اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو
ضرور یہی جواب دیں گے کہ "اللہ" نے پیدا کیا ہے

فانکم ورحمکم للہدین صلیفا فطی اللہ المتی فطی الناس
تو تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو اللہ کی دیکھتی قابلیت
کا انبیا کو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہتے
ہیں سیدھا دین یہی ہے۔

علامہ اسماعیل شہید دہلویؒ فرماتے ہیں :-

- اس عالم میں خود کرنے کے بعد کہ اس کا ایک شاندار نظام ہے ایک کامل اور مضبوط تدبیر سے یہ نظام چل رہا ہے اس میں بلند و پست اور غائب و حاضر کے درمیان ایک خاص ربط ہے، اس میں ہم تم کے تصرفات اور تبدیلیاں ایک خوب صورت اور بہتر تہا سب سے پائی جاتی ہیں، ایک عقلمند آدمی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ سب کچھ خود کسی کے ارادے سے ہو رہا ہے اگر ان واضح دلائل کے بعد بھی وہ اس صانع و مختار کا انکار کرے تو اس کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کوئی شخص ایک عین معقول کو دیکھے کہ اس میں شاندار سے شاندار الفاظ بہترین ترتیب سے موجود ہیں اور اس میں تمام فنی خوبیوں کی رعایت رکھی گئی ہے، اور اس کے بعد وہ اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالے کہ اصل میں ہاتھ کو لڑنے ہوا تھا اس وقت ہاتھ میں تسلی بھی موجود تھا تو اس زمانے کی وجہ سے علم نے غیر اختیاری طور سے کاغذ پر کچھ لکھا اور اتفاق طبع سے اسے اس کا نام اس میں یہ شاندار ترتیب قائم ہو گئی، گو نہ تو الفاظ میں کچھ ہے نہ وہ الفاظ غیر متنا سب ہیں اور نہ اس میں کوئی غلطی باقی جاتی ہے، تو کیا آپ کے خیال میں ایسے شخص کو ہانگی خانہ نہیں بھیجا جائے گا؟ یا یہ مثال لے لیجئے کہ ایک شخص ایک قصیدہ سن رہا ہے جس میں وزن کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے اور اس طرح اس کی صنعتیں اس میں موجود ہیں، فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار پر وہ لپکا ہوا ہے اور اس کے بعد وہ یہ رائے قائم کرتا ہے کہ ہمارے شعور و دوسرے بے چین تھا اس کے منہ سے چھین نکل رہی تھیں اتفاق سے وہ چھین محراب سے نکل کر الفاظ میں تبدیل ہو گئیں۔ الفاظ میں ایک خاص قسم کا تسلسل پیدا ہو گیا اور پھر یہ شاندار ترتیب قائم ہو گئی، اس کے بعد خود بخود اس میں وزن اور قافیہ پیدا ہو گیا اور اسی طرح اتفاقاً ایک شاندار

تعبید بن گیا، نہ شاعر نے وزن و قافیہ کی طرف توجہ کی تھی نہ اس نے تعبید کہنے کا ارادہ کیا تھا۔ اہل
اس نے اس تعبید میں قسم قسم کی صنعتیں پیدا کرنے کا خیال تک کیا تھا، کیا آپ اپنے منہ شری سے میرا جیسے عقلیت
کا وجود برداشت کریں گے؟ ایک بدی سے پوچھا گیا تھا کہ صانع کے وجود کی دلیل کیا ہے؟ سبحان اللہ!
کیا شاہ نادر جواب دیا، کہنے لگا:۔

”اہل کی سیکشور کو دیکھ کر اس سے ہم اولیٰ کی موجودگی کا اندازہ لگاتے ہیں اور جب ہم کو کہیں پاؤں
کے نقشوں نظر آتے ہیں تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ یہیں سے کوئی گزرا ہے، پھر کسان جس میں تارے جگمگاتے ہیں ادیب
زمین جو دلکش لشیب و فراز سے معمور ہے ادیب ہر منہ میں دیکھ کر جو عین اللہ کی ہی، کیا یہ ایک لطیف و
خبر کے وجود میں دلالت نہیں کرتے؟

امام راجح نے فقہ کیا ہے کہ ایک دفعہ طیف ہارون رشید نے امام مالک سے وجود باری کی دلیل پوچھی تو آپ نے فرمایا: ”یہ قسم قسم کی
برایں اور طرح طرح کی آوازیں اور جدا جدا کچے اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔“ خداوند کو فرمائیے دینا میرا دل میں
ان میں سے ہر ایک کی آواز ایک اینچ یا اس سے کم جگہ سے نکلتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان سب آوازوں میں ایسا فرق پیدا کر دیا ہے
کہ سننے والا سمجھ سکے کہ وہ کس سے، انسان و حیوان، ہر ایک کی آواز میں فرق کر سکتا ہے، اسی طرح انسانوں میں بھی ہر آدمی قسم کی زبانیں بولتا جاتی ہیں لیکن
سننے والے کو قطعاً کوئی اشتباہ نہیں ہوتا اور وہ ان میں واضح فرق محسوس کرتا ہے، فطرت اور پھولوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسا امتیاز پیدا کر دیا ہے کہ ہر
ہر ایک بولتا ہے، عورت میرا مرد، نوجوان میرا دادا، ہر ایک کی آواز کو جدا جدا پہچانا جاتا ہے اور اس سے بولنے والے کا پورا جان پائیج، مرد
یا عورت ہونا معلوم کیا جاسکتا ہے، اس دنیا میں اولیٰ انسان جیتے ہیں۔ لیکن ہر ایک کی آواز دوسرے سے مختلف ہے کیا آپ اسے اللہ تعالیٰ
کی قدرت کا عجیب و غریب کرشمہ نہیں کہیں گے؟ کوئی شخص یہ کہہ کر کہ یہ شخص اتفاق ہے اپنی عقلیت ہی کا ثبوت نہیں دے سکتا، ایک لمحہ نے
امام ابو حنیفہ سے وجود صانع کی دلیل پوچھی، آپ نے فرمایا:۔

”مجھے تھوڑی دیر کے لئے ہلکتا دو، کچھ لوگوں نے مجھ سے ایک بات کہی ہے میں اس پر غور کرنا چاہتا
ہوں، چند لوگ آتے اور مجھ سے کہنے لگے کہ تمہاری ایک بہت بڑی ہمتی ہے اس میں طرح طرح کا سامان
تجارت لدا ہوا ہے، نہ اس میں کوئی لحاظ ہے اور نہ طارح، وہ کشتی خود خود چلتی ہے اور بڑی بڑی مریوں
کو بھاڑتی ہوتی نکل جاتی ہے، جہاں جانا چاہتی ہے طارح کے بغیر اپنے لئے راستہ بنا تی ہے اور پیچ جاتی ہے؟
وہ لوگ سن کر کہنے لگے کہ یہ تو کسی عاقل کے کہنے کی بات نہیں ہے، تو امام نے فرمایا:۔

”خدا کے بند و اغراض کو کہو! یہ کائنات جس میں سورج اور چاند کا جہان نظام ہے اور زمین کا جدا اور اس میں قسم
قسم کی عجیب و غریب چیزیں ہیں کیا ان کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں؟

حارث امام صاحب کی اس حاضر جوابی اور شعور استدلال کو سن کر بہت حیران رہے اور ان کے اہل قلوب اسلام قبول کیا،
ایک دفعہ امام شافعی سے وجود صانع کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

”یہ دیکھئے اوتار کا تہ ہے یہ ایک ہی ذائقہ دکھاتا ہے، لیکن اس تہ کو کئی کھاتا ہے تو اس سے یہ فہم نکلتا ہے اور جب
شبہ کی کسی اس کو کھاتی ہے تو اس سے شہد ہوتا ہے کہ اس میں اور جب اس تہ کو کھاتی ہیں، ان کے دوسرے چاند نکلتے
ہیں تو یہ سیکشن ادیب کی شکل اختیار کر لیتا ہے، ادیب ہی جب اسے کھاتی ہے تو یہی تہ مشک بن جاتا ہے، حالانکہ

پتہ دی ایک ہے معلوم ہوا کہ اس میں یہ خاصیت از خود نہیں آئی بلکہ کسی کے پیدا کرنے سے آئی ہے ۔

یہ سوال امام احمد بن حنبل سے بھی کیا گیا تھا آپ نے فرمایا تھا ۔

”یہ دیکھئے ! ایک مضبوط اور چٹان قلعہ ہے جس میں نہ کوئی سوراخ ہے اسنے دوازدہ ، اس کا ظاہر عازی کی طرح سفید چمکدار ہے اندر اندر لکڑی کی طرح نمدنہرا ہے ، اچانک اس قلعہ کی دیوار پھٹ جاتی ہے اندر اس میں سے ایک خوبصورت لکھنوی آواز دلا دلا جاتا ہے آواز ہے جو چلتا پھرتا بھی ہے اور سنتا دیکھتا بھی ہے“
دامام کی مراد اٹھاپے !

کیا آپ اسے اتفاق کا نتیجہ کہیں گے ؟ قطعاً نہیں یہ ضرور کسی مہر و صالح کی قدرت سے ہوا ہے ، تعجب کی بات ہے لوگ ان کھلی نشانیوں کے بعد بھی اللہ کے وجود کا انکار کرتے ہیں اور اس کی ناقربانی کرنے میں حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز میں اس کے واحد و یکتا ہونے پر دلالت کرنے والی علامات و دلائل موجود ہیں ، — (علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں یہ اقوال نقل کئے ہیں)

توحید خداوندی کے دلائل
دہی یہ بات کہ صالح کی توحید کی کیا دلیل ہے تو ہم اس وحدانیت کے پہلے ایک عقلی دلیل سے ثابت کرتے ہیں ، اصطلاح میں اس دلیل عقلی کو برہان تالیع کہا جاتا ہے ، قرآن کریم میں وحدانیت کو اسی برہان تالیع کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے علامہ کلینیؒ فرماتے ہیں کہ تالیع کے مدعی بیان کئے جاتے ہیں ۔ ایک یہ کہ صالح متعدد ہیں ان میں سے ایک مقدر اور مغضوب کے وجود کو چاہتا ہے اور دوسرا اس کی نفی اور عدم کا قضا کرتا ہے ، دوسرا یہ کہ صالح برہان تالیع کا اطلاق اس پر ہوتا ہے ۔

دوسرے یہ کہ صالح کثیر ہیں اور ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ صرف میں ہی اس مقدر کو پیدا کر دوں ، دوسرا ”خدا“ اس کے پیدا کرنے میں قطعاً کوئی دخل نہ دے ، ظاہر ہے کہ ایک چیز دو وقتا دروں کا مستقل مقدر نہیں بن سکتی ، متکلمین جو کہتے ہیں کہ اگر خدا کوئی مان لئے چاہیں تو ممکنات میں سے کوئی چیز جو دیں نہیں آسکتی اس کا مطلب یہی ہے کہ اس صورت میں یا تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے ، یا ایک مقدر پر دو قاتا دروں کا عمل کتنا لازم آتا ہے اور یہ دونوں باتیں محال ہیں ۔

اس وجہ کے بعد ہم اس دلیل کو قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں — اس دلیل کی تفصیل یہ ہے کہ اگر ایسے دو خدا مان لئے جاتیں جن میں ہر ایک کا ال طریقہ سے کسی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو ایسی صورت میں ان دو خداؤں کے درمیان تالیع لازم آئے گا۔ اور وہ باطل ہے اس لئے کہ اگر وہ دو خدا تالیع کریں یعنی ان میں سے ہر ایک یہ چاہے کہ میں ہی اس مقدر کو دوسرے خدا کی شرکت بے بغیر پیدا کر دوں تو ایسی صورت میں یا تو وہ مغضوب پایا ہی نہ جائے گا یا پھر ہر ایک کی قدرت سے یعنی شرکت سے موجود ہوگا اور ایسا ایک ہی خدا اس کا صالح ہوگا اور اسی کی ایجاد سے وہ موجود ہوگا دوسرے خدا کو اس کی ایجاد میں کوئی دخل نہیں ہوگا ، یہ تین صورتیں صحیح نہیں ہیں ، پہلی صورت میں تو غابر ہے پایا ہی نہ گیا ، دوسری صورت میں بھی اس کا وجود ممکن نہیں ہے ، اس لئے کہ جب ان میں سے ہر ایک کا ال خدا ہے اور ہر ایک کو مستقلاً اپنے ارادے کے نافذ کرنے کا کمال اختیار ہے تو ایسی صورت میں کسی چیز کا دونوں کی شرکت سے عرض وجود ہی آتا دونوں کی کمزور کا اندھن کی علامت ہے ، چونکہ ان دونوں میں سے کوئی بھی اپنے ارادہ کو پورا نہ کر سکا بلکہ وہ چیز دونوں کے اشتراک سے موجود ہوئی ، ایسی صورت میں وہ دونوں کا طریقہ سے ”خدا“ کہلانے کے مستحق نہیں ہو سکتے ، حالانکہ شروع میں ہم ان چھ تے کہ ان دلائل میں سے ہر ایک کا ال طریقہ سے قاعدہ ہے اور ہر ایک کو اس کا کمال اختیار ہے کہ وہ مستقلاً بلا شرکت غیر سے اپنے ارادے کو بروئے کار لائے ، تیسری صورت بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جب اس مقدر کو صرف ایک خدا نے پیدا کیا اور دوسرے نے پیدا نہ کیا حالانکہ وہ دونوں خدا تھے اور اس کو

پیدا کرنا چاہتے تھے تو عدم ہوا کہ اس دوسرے میں پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں تھی اور وہ قادر نہیں تھا لہذا یہ بھی خدا نہیں ہو سکتا جب لازم کا بطلان ظاہر ہو گیا تو لزوم یعنی کئی خدائوں کے ہوتے جانے کا بطلان بھی واضح ہو گیا، اور وحدانیت ثابت ہو گئی اب یہ بات ہدیٰ طرح واضح ہو گئی کہ بالعرض اگر تعدد کی صورت میں معصوم پایا جائے گا تو روحی اول میں سے ایک امکان لازم آئے گا — کہ اگر امکان تو وارد لازم آئے گا اور یا اسکان تزیج بلا مزج تفعیل ماقبل میں آچکی ہے اس تفسیر کے بغیر ان کو ہم کی اس آیت پر غور کیجئے۔

لَوْ كَانَ فِیْهَا الْفَصْلَةُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَلَسْنَا مَا

یعنی اگر وہ زمین و آسمان میں ان کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو یہ دونوں خاسر ہو جاتے۔

عام طور سے اس دلیل کو اتنا ہی سمجھا جاتا ہے لیکن اگر اس آیت میں "خدا" کے معنی یہ لئے جائیں کہ "وہ وجود ہی میں نہ آئے" تو یہی دلیل قطعی بھی ہو سکتی ہے۔

توحید کی ایک اور دلیل توحید باریک ایک اور دلیل بھی بیان کی جاتی ہے جو بہت واضح اور محض ہے اور یہ کہ اس دنیا میں جب بھی ایک جنس کی دو چیزیں پائی جاتی ہیں تو ان میں بعض باقی مشترک ہوتی ہیں اور بعض

باقی مختلف، فرض کیجئے تئید اور دوائن میں، ان میں بعض باقی مشترک ہیں، مثلاً یہ کہ دونوں انسان ہیں، دونوں مرد ہیں، دونوں بچنے پھرنے پر قادر ہیں، دونوں کے جسم میں آنکھیں، کان اور ناک موجود ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی بعض چیزیں یقیناً مختلف بھی ہیں، مثلاً یہ کہ ایک نر ہے، دوسرا عورت، نرید خال کا بیٹا ہے اور عورت کا نرید غلام ہے، عورتا ہر شیا نہیں ہے، نرید انسان ہے اور عورت مفلس اور غریب ہے، اگر ان دونوں میں اس قسم کو کئی اختلاف نہ ہو تو یہ دونوں نہیں رہیں گے، ایک بن جائیں گے، جو باقی ان میں مشترک طور سے ہائی جاتی ہیں انہیں مطلق کی اصطلاح میں "ماہ الاشتراک" کہتے ہیں اور جو باقی مختلف ہیں انہیں "ماہ الامتیاز" کہا جاتا ہے، آپ اس کائنات کی کسی بھی دو چیزوں کو لے لیجئے، ان میں بعض چیزیں ماہ الاشتراک ہونگی اور بعض چیزیں ماہ الامتیاز۔

اس بات کو سمجھنے کے بعد دیکھئے کہ اگر اس کائنات میں ایک زیادہ خدا مان لئے جائیں تو لا محالہ ان دونوں کچھ چیزیں ماہ الاشتراک ہونگی جو دونوں میں مشترک طور سے پائی جائیں گی، اور کچھ چیزیں ماہ الامتیاز ہونگی جو ایک میں پائی جائیں گی، دوسرے میں نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان ماہ الامتیاز کیا ہو گا؟ یعنی وہ کئی ہی چیز ہو گی جو ایک کو دوسرے سے ممتاز کرے گی، ہر جہ سے کہ ان کی ماہیت و حقیقت کو ماہ الامتیاز نہیں ہو سکتی اس لئے کہ ہم دونوں کی ماہیت و حقیقت ایک ہی مان چکے ہیں کہ وہ دونوں خدا ہیں۔ اگر آپ کہیں کہ ماہ الامتیاز ان کی کوئی صفت ہو گی تو سوال یہ ہے کہ آیا وہ صفت صفت کمال ہے یا صفت نقص اگر وہ صفت کمال ہے اور خدا میں پائی جا رہی ہے تو ظاہر ہے کہ خدا میں یہ صفت کمال نہ ہو گی (کیونکہ یہ صفت ماہ الاشتراک نہیں ہے بلکہ ماہ الامتیاز ہے) اس صورت میں لازم آئے گا کہ خدا میں ایک صفت کمال کے محض ہے اور وہ خدا کی ہر ایک صفت کمال کے محض ہو گی؟ اور اگر آپ یہ کہیں کہ وہ صفت نقص ہے جو خدا کو خدا سے ممتاز کرے ہے تو اس سے خدا کو تو نقص سے محض نظر ہے گا لیکن لازم آئے گا کہ خدا میں ایک نقص پایا جاتا ہے اور اس ذات میں کوئی نقص ہوئے خدا کیسے کہا جاسکتا ہے؟

اذا گریہ کہا جائے کہ خدا کو کوئی جزو اسے خدا سے ممتاز کرے گا ہے تو اس سے سلام آئے گا کہ خدا اجزاء سے مرکب ہے، حالانکہ خدا میں اجزاء نہیں ہوتے اس لئے کہ ہر مرکب اپنے وجود میں اپنے اجزاء کا متحد ہوتا ہے اس وقت تک وجود میں نہیں آسکتا جب تک کہ اس کے اجزاء یعنی سر، پیرو، ہاتھ، پاؤں وغیرہ نہ ہوں اس لئے وہ ان اجزاء کا متحد ہے، دھتھ اس وقت تک دھتھ نہیں کہلا سکتا جب تک کہ اس میں تنہا نہ ہو تنہا ان نہ ہوں اجزاء سے تنہا ہوں اگر آپ خدا کے اندر بھی اجزاء فرض کریں گے تو لازم آئے گا کہ خدا اپنے وجود میں اپنے اجزاء کا متحد ہے حالانکہ خدا کی کسی صفت میں ہوتا ہے کسی جزو کو بھی ماہ الامتیاز نہیں بنایا جاسکتا جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ خدا میں کوئی چیز ماہ الامتیاز نہیں بن سکتی تو لا محالہ ایک سے زیادہ خدا کا وجود بھی باطل ہو گیا اس لئے کہ دوسرے میں بغیر ماہ الامتیاز کے نہیں پائی جاسکتیں۔

مولانا محمد مصطفیٰ
(علی گڑھ)

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ

۹۔ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْن سے تمام مخلوق حق کہ افضل المخلوقات یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام کا بھی عاجز و دانا نہ و محتاج و گناہ الہی ہونا ظاہر ہو گیا کہ صاحب قدرت کا کلمہ دوانگے کی کیا حاجت ؟
۱۰۔ اور اِیَّاكَ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْم سے تمام مخلوق کا عالم الغیب نہ ہونا بھی ثابت ہوا کیونکہ جسے علم غیب حاصل ہے اُسے عراط مستقیم دینا کرنا چھ معنی دارو ؟

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ علم محیط اور قدرت کا کلمہ خصائص حق تعالیٰ سے ہے اور ہونا بھی چاہئے ، اس لئے کہ قدرت کا تعلق فعل اور محل سے ہوتا ہے اور فعل و محل کا سرزد ہونا بعینہ علم کے ، معلوم ، پس جب قدرت کا کلمہ ہوگی تو علم بھی محیط و کامل ہوگا اور جب تمام مخلوق عاجز و پتھری تو علم محیط یعنی علم غیب سے بھی بے بہرہ ہوگی ، چنانچہ عارف معارف الہیہ صاحب علوم لدنیہ ، ابن الراسخین فی العلم ، افضل الرسل و الکاملین فی العلم سینا و مولانا محمد خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلامہ کہ ارشاد باری ہوتا ہے۔
وَنَزَّلْنَا مُوسَىٰ نَفْسًا لَا ضَرَّ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَنُكِّنْتَ لَهُمَا لُغِيَّةً لَا يَسْتَكْبِرُونَ فِيهَا وَنُكِّنْتَ لَهُمَا لُغِيَّةً لَا يَسْتَكْبِرُونَ فِيهَا وَنُكِّنْتَ لَهُمَا لُغِيَّةً لَا يَسْتَكْبِرُونَ فِيهَا
کہ دیکھئے اسے نبی کہ میں اپنی ذات کے لئے کسی لُغی و لغت ان کا اختیار نہیں رکھتا مگر یہ کہ اللہ چاہے اور میں عرض کرنا تو بہت کچھ ضرور تلع حاصل کر لیتا اور مجھے نقصان و ضرر نہ پہونچتا

صاف طور پر قدرت کا کلمہ اور علم غیب کی لُغی ہو رہی ہے ، حیرت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے خاصہ بن خدا کے بارے میں یہ علم غیب کا عقیدہ جو سراسر لغوی قرآنی اور تفریحات ائمہ شریعت و طریقت کے خلاف ہے ، امت موعودہ کے بعض افراد نے کہاں سے اخذ کیا ، انصاف شرط ہے کہ جب خصائص نبوت سے اپنے متین متصف گنا گنا ، ان دشمن بدنیانی حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کے لئے بھی قابلِ گرفت ہے تو پھر کیا خصائص الوہیت سے حضرات انبیاء و اولیاء کو متصف سمجھنا کم از کم اتنا بھی قابلِ مواخذہ نہیں ، بلکہ ، قاعدہ توحید چاہتا ہے کہ ادھی زیادہ مذہبم ہے کیونکہ پہلی صودت میں مخلوق کی مماثلت مخلوق سے ہوئی اور وہ دونوں متناہی خواہ ایک اسفل بھی اور دوسری اجل ، اور دوسری شکل میں مخلوق کی مماثلت خالق سے ہوئی حالانکہ مخلوق متناہی اور خالق نامتناہی ہے
اَشْكَاكَ لَمْ يَشُدَّ دَامَ بَارِ حَسِين
کایں جو ہمیشہ با و بدیت است دام را

صاحب تہذیبہ برہہ شیخ برصیری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

مَنْزِلًا مِنْ شَرِيكَ فِي مَاسِنَه
فَجَوْهَرًا طَيِّبًا فِيهِ غَيْرُ مَنْقَسَم

یعنی حاسن طہری باطنی میں سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ و التسلیمات کا شریک و ہمیم کوئی بھی نہیں۔ چونکہ اس اسلوب بیان سے شبہ ہو سکتا ہے کہ کہیں آپ خط تو نہیں ہیں و لہذا باللہ منہ
لہذا اس وہم و شبہ سے بچانے کے لئے آگے فرماتے ہیں۔

پروفیسر اسرار احمد سہادی

الفقان

انسان کی یہ نلفت ہے کہ وہ تکرار سے گھرا جاتا ہے۔ ایک دفعہ کے بعد کسی چیز کا دوبارہ ذکر کیا جائے تو وہ لطف نہیں رہتا۔ اگر بار بار ذکر کیا جائے تو طبیعت اکتا جاتی ہے، بقول مولوی محمد حسین آزاد کے "ہر سو بار پڑی گئی کا بار ہو جائے تو اخیر میں ہر جاتی ہے" لیکن محبت کا معاملہ اس سے جدا گانہ ہے۔ محبوب کے ذکر کی تکرار میں جو لطف ہے کسی دوسری چیز میں نہیں۔ اس کے ذکر کھٹے تو طبیعت بہانہ جوئی کرتی رہتی ہے کہ کوئی تقریب باقی آئے تو اس کا ذکر کیا جائے، پھر محبوب، محبوب میں بھی فرق ہوتا ہے۔ بعض محبتیں ہی اکتا دینے والی ہوتی ہیں۔ غالب نے تو ہر قسم کی محبت اور اس کی وفا داری کو عین ایمان کہہ دیا۔ لیکن مجھے مرحوم سے اس معاملے میں تقوڑا سا اختلاف ہے۔ وفا داری کا معیار بھی محبوب کے معیار سے ہی متعین ہونا چاہئے ورنہ محبت کرنے والا بہت خسارے میں رہے گا۔ اگر محبوب گھٹیا معیار کا ہے یا خود وفا دار نہیں تو میں ایک طے شدہ وفا داری اور استواری کا قائل نہیں ہوں۔ چنانچہ غالب کو بھی ایک جگہ یہ کہنا پڑا، غالباً دنیاوی مجبوروں کی نافرمانی کو دیکھ کر اپنے خیال سے بوجہ کیا ہوگا۔ فرماتے ہیں

چاکر مت کر جب بے ایام گل کچھ اُدھر سے کچھ اُدھر سے اشارہ چاہئے
میں بھی یہی عرض کر رہا تھا کہ بغیر اُدھر کے اشارے کے چاکر گریباں کچھ لطف نہیں دیتا لیکن ایک محبوب ایسا بھی ہے کہ جس کے ذکر کی تکرار میں کبھی بے لطفی پیدا نہیں ہوتی، جس کے حضور میں معیار کی انتہائی بلندیاں بھی پست ہو کر رہ جاتی ہیں جس کے لئے وفا داری بشرط استواری واقعی عین ایمان ہو جاتی ہے جس کی محبت کے سہارے کے بغیر زندگی کی حقیقت ایک تہمت سے زیادہ نہیں رہتی امد اس تہمت کو برداشت کرنا واقعی بہت مشکل ہو جاتا ہے۔
دیکھتے تالی مرحوم کا شغ اس وقت لطف دے گیا، فرماتے ہیں

بچتے جانے کی تہمت کس سے اٹھتی کس طرح اٹھتی ترے غم نے بچائی زندگی کی آبد ہر سوں
واقعی اگر اس غم کا سہارا نہ ہو تو زندگی کی آبد کا گریبان بہت سے دیوانوں کے ہاتھوں تار تار ہو کر رہ جائے۔ اس کی محبت کا غم قدم قدم پر سہارا دیتا ہے اور انسان زندگی کی تہمت کو برداشت کرتا چھٹا جاتا ہے اور لطف یہ ہے محبوب ترین محبوب ہونے کے باوجود وہ نیازی کا لگہ بھی ممکن نہیں۔ کبھی محبت کا عذاب سردی دہری سے نہیں دیتا، محبت کی پکار کا جواب محبت سے ہی ملتا ہے۔ افسر مرحوم خوب فرماتے ہیں
ہر تن ہستی خراب سیدہ مری جاگے اٹھی ہر تن موت سے مرے اُس نے پکارا مجھ کو
جس مجھ پر مجھ کے ہر تن موت سے اگر پکارا ہو اس کے لئے ان کی کچھ قربان نہیں کر سکتا۔ زندگی کا نندانہ تو اس مقام پر بڑا کم قدم اندر عقرب نظر آنے لگتا ہے یہ ر۔ کے ادبی غلاموں کے لئے بھی ناقہ پذیرائی نہیں۔ دیکھتے ایک غیر معروف سے شعر کا ایک شعر یاد آگیا۔ کسی شاعر نے میں نے اس کا
اُنی پیام یاد نوازد آسے خسیں دیدر اصل کو جہانہ ہستی تار کے
شاعر غیر معروف ہے لیکن شعر کس بلا کا ہے۔ محبوب کی تسکین افزائی امد اپنی سپردگی کی انتہا کر دے کہ پیام لانے والا موت کا فرشتہ ہے پیام موت کا

م ہے لیکن جس کا پیغام ہے وہ اس قدر مستحکم اور محبوب ہے کہ پیاہر کو اپنی جان کا تحفہ نذر کر دیتا ہے کیونکہ یہ تحفہ محبوب کے شان و شان نہیں تھا ہی لاؤ
کہ اس کے پیامبر کے قدموں پر شہر چڑھ گیا جاتے آپ اندازہ کریں کہ ایسے محبوب کے ذکر کی تکرار میں بے لطفی یا کٹ پھٹ کس طرح پیدا ہو سکتی ہے اس کا جواب بھی ذکر
انبیاء معلوم ہوگا اور نذر کردہ کا ہی لطف دے گا۔ حاکم نے غضب کی بات کی ہے

نیا ہے لیجئے حب نام اُسن کا بڑی وسعت ہے میری داستان میں

داستان کی وسعت کا اندازہ آپ اس بات سے کریں کہ اس کا ذکر ہماری زندگی کا محبوب ترین مشغولہ ہے، وہ میں پانچ وقت نمازوں میں پابندی سے ذکر کرتے
ہا لیکن ذرا نہیں بھولتا۔ اس کے علاوہ ہزار قسم کے بہانے تراشتے ہیں اور اس کے ذکر کی تقریب نکال لیتے ہیں اور آج بھی ہمارے شوق، جھوٹے ایک
نریب ہسپا کر سکتی ہے کہ اس کے کام کا ذکر کر کے اس کو یاد کریں اس کے کام کا نام قرآن مجید ہے اور فرقان بھی۔ میں اس صحبت میں ہر فرقان کے
سے والا جزو ضروریات کا ذکر کر رہا ہوں۔

توحید و شرک :- فرقان کہ جس کی ہر کسوٹی جو کھرے اور کھوٹے میں تفریق کر دے قرآن نے چونکہ حق و باطل میں امتیاز پیدا کیا، ان دونوں کی
ذیت کا فرق مفید روشن کی طرح واضح کر دیا۔ اس لئے اس کو انفسانائے کائنات کے خطاب سے نوازا گیا۔ باطل کے بہت سے عقائد انسانی ذہن میں استعمال ہو
ئے تھے، جن کو قرآن نے آخر تک کیا۔ لیکن یہاں میں صرف دو ایک کا ہی ذکر کروں گا۔ سب سے بڑا باطل جس نے اسلام سے قبل اس دنیا کے باشندوں کے دل و
انفہ میں پھیر دیا تھا۔ وہ شرک ہے، عیسائیوں نے تثلیث کا عقیدہ اختیار کر لیا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی خدا کا شریک ٹھہرایا۔ یہودیوں
ہواری گئے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے تھے، ہندو مذہب میں بت پرستی اور حضرت پرست عین ایمان تھی، چین اور بدھ مت نے اول تو خدا کا کوئی واضح
صور ہی نہیں دیا لیکن بعد میں انہوں نے بھی باقاعدہ بت پرستی شروع کر دی، غرضیکہ دنیا میں کہیں خاص توحید پرستی باقی نہ رہی تھی، حالانکہ حق صرف توحید
رکھ سوسر باطل ہے بلکہ توحید پرستی تو انسانیت ہی نے انسان کے خیر میں گندھ دی ہے، انسان نے اپنی فطرت احوال سے شرک کر کے ذہن میں پیدا کیا ہے اس کا
دستہ ہے کہ دنیا کی تسخیر ترین آدمیوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ تاریخ کے ابتدائی دور میں انسان توحید پرست ہی تھا، دریائے نیل کی اوہلوں کی آٹھ ہزار سال قبل
ع کی تہذیب کے آثار تحقیقین نے تلاش کر لئے ہیں ان میں کچھ نوشتہ بھی ہیں ان نوشتہ میں معبود اعظم آدمی باوٹہ اور آخرت کے پاک جیسے الفاظ
ملے ہیں جو اس بات کی بین دلیں ہیں کہ خدا کے واحد اور مطلق تصور انسانی زندگی کے اس ابتدائی دور میں موجود تھا، ان کے علاوہ مزید مارو کے آثار قدیمہ
، کھدائی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہاں بھی توحید الہی کا تصور موجود تھا وہ اپنے خاتمہ کو "آرن" کہہ کر پکارتے تھے، ان تمام اگشت فاشات سے یہ بات ثابت
ہو جاتی ہے کہ ان کا تہذیب میں توحید الہی کا تصور توحید ہی تھا اس میں شرک کا شائبہ بھی نہ تھا۔ اس وقت اس کی فطرت اپنی اصل حالت میں تھی۔ دنیاوی آدمیوں
ہے پاک صاف اس لئے اس کی آنکھ اپنے اصلی مرکز یا سرچشمہ کی طرف ہی مگی ہوئی تھی، لیکن بعد میں آہستہ آہستہ شیطان و وسوسوں کو ابھرنے کا موقع ملا اور
تہذیب باطل غالب ہوتا چلا گیا۔ انفسانائے باطل کے اس پوسے کو تار تار کر دیا اور حق کی جلوہ نمایاں اندر سرور ہوئے کا رنگیں اور خدا کی توحید اور حق
بدی آپ صاف سے چمکنے لگا۔ بلکہ یہی نہیں توحید کے تصور میں بھی ایک امتداد ہوا ہے کہ اس سے پہلے خدا کے تصور میں تمثیل اور تعظیم کا تصور تھا
قرآن نے انتہائی سنجیدگی سے یہ تصور پیش کیا۔ مثلاً قرآن کریم نے فرمایا۔ "لینس کشفہ شیء" یعنی اس میں کائنات میں کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک اور جگہ میں
میلان۔ لا تدلک الا بصار۔ "نہیں اس کا ادراک نہیں کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ بابا انسانی نے اس کیفیت کو شعرانہ انداز میں خوب بیان کیا ہے

مشکل حکایت امت کہ ہر ذہن عین دوست لیکن نمی توان کہ اشارت بہ او کند

لیکن قرآن کریم نے اس بات کا خیال ضرور رکھا ہے کہ انسانی ذہن کی گزرت اور سماعتی محدود ہے اس لئے تشریح کو اس حد تک بے جا یا جانے کہ نفی
حق کی صورت پیدا ہو جائے۔ اسی وجہ سے اس نے خدا کی وہ صفات جو انسانی تصور میں آسکتی ہیں انسانی ذہن میں بھی جاتی ہیں بیان کی ہیں مثلاً وہ
نہ ہے، عظیم و کریم ہے، سبح و بلیغ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی صاف کہہ دیا کہ وہ عظیم المثل ہے، "لینس کشفہ شیء" تاکہ انسان یہ بھی سمجھ

ہے کہ اس کے جسم و کرم، سماعت اور بصر اور خدا کے رحم و کرم، سماعت و بصر میں کوئی لہجہ نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو نہ سیکھ کر اور نہ
الفسقان نے صرف حق باطل کو علیحدہ کیے ہی نہیں دکھایا بلکہ ایک قانون خداوندی یہ بھی بتا دیا کہ حق باطل
قانون بقائے اصلح ہے۔ خبر ہے اور باطل باطل، شر اور خدا کی سنت یہ ہے کہ اس دنیا میں بقائے النفع کا قانون نافذ ہے۔ یعنی یہاں

صرف مفید چیز باقی رہے گی اور مضر چیز کو آہستہ آہستہ ختم کر دیا جائے گا۔ سچا باطل و ذرا باطل ان باطل کا نذرہ تھا۔ یعنی یہاں حق آیا
باطل معدوم ہو گیا۔ ایک اور جگہ فرمایا: "ناتوا للرب الذین یحب جفاؤہا وما ینفع الناس فیہمکث فی الاشیء" یعنی جھگ سے جو میں پھیل
پیدا ہوتا ہے وہ ضائع کر دیا جاتا ہے اور جس چیز میں انسان کے لئے نفع ہے وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ باطل کو فوراً ختم نہیں
کر دیتا ہے وہ اسے بھی ہلکتا دیتا ہے تاکہ اتمام حجت ہو جائے اور ہلکتا ہونے کی بھی حسرت نہ رہے اور دراصل اس کی رحمت کا تقاضا بھی یہی تھا۔
کہ قیہ انسانیت کا دواخانہ آخرت تک کھلا رکھا جائے اس لئے اس کا نام غفور اور رحیم ہے۔ دراصل ان غفور اور رحیمہ کا یعنی اے خیر ہے تھارادب
بڑا صاحب رحمت اور بخشش والا ہے ایک اور جگہ فرمایا کہ میں خدا سے یوں نہیں ہوتا، صلیت خلیل میں آیا ہے۔ "اناب من الذنب کن لا تقاب لہ" یعنی
توبہ میں کی توبہ ہو گئی، وہ گناہوں سے پاک ہو گیا۔ ان آیات اور سندیدہ بالا حدیث سے اس عقیدے کی تردید ہو جاتی ہے کہ ایک دفعہ اگر گناہ سرزد ہو جائے
تو پھر بغیر سزا کے چارہ نہیں، اس عقیدے کی بنا پر عیب توبہ میں کفار سے کا عقیدہ پیدا ہوا جس نے انسانوں کے گناہوں کی معافی کے لئے کفار سے کے
ظور پر حضرت عیسیٰ کو سولی پر چڑھائے جانے کا اصرار کیا اور جان دے کر اپنی امت بخشناؤں کی کہاں بیانی کی۔

نزدل قرآن کے وقت کفار کہہ سکتے زیادہ حیات بعد الموت کے عقیدے پر بھڑک اٹھتے تھے وہ کہتے تھے کہ نہ میں مصداق
حیات بعد الموت، نہ کوئی سچی دل جانے کے بعد جلا دیا یہ زندگی کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے الفرقان کے ذریعہ سے ان
کے باطل عقائد کی تردید کی اور فرمایا تحقیق اول، تحقیق ثانی سے زیادہ مشکل نہیں۔ پھر فرمایا کہ اگر تمہاری بات بھی مان لی جائے کہ لفظ مانا اور جلاتا ہے
تو نہ بھی میں ہی ہوں۔ مجھ سے بڑھ کر تم کسی طرح نہیں نکل سکتے، مولانا آزاد ترجمان القرآن میں اس باب میں فرماتے ہیں کہ ان کو ارض کی بہترین مخلوق ہے۔
ہیں مخلوق کی جسمانی اور معنوی نشوونما کے لئے خاطر کائنات نے اس تدبیر تمام کی ہے کہ ممکن ہے کہ محض دنیا کی چند صفہ زندگی کے لئے ہی بنایا
گئی ہو اور اس کی زندگی کا کوئی پلن برقیق نہ ہو۔ "المستتم انما خلقکم عبداً فزانیکم" اینا لا تشرعون۔ یعنی کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے
نہیں اپنی بلا مقصد پیدا کر دیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے۔ کائنات میں ہر جگہ ارتقا کا قانون کام کر رہا ہے ہر چیز درجہ بدرجہ آگے کی طرف
بڑھ رہی ہے تو انسان اپنی جگہ چاند و سائنس کی طرح رہ سکتا ہے بغیر ہر طرح سے وہ بھی ایک بہتر ملک کی زندگی کی طرف بڑھ رہا ہے ممکن ہے کہ ہر درجہ
ارتقا کے بعد منازلی طے نہ کر سکے اور پیچھے رہ جائے لیکن بحیثیت ایک لڑکے کے ان ضرور آگے بڑھے گا۔ مولانا دعوئے بھی اپنی مشنری میں اسی
خیال کا اظہار کیا ہے کہ میں حیات، نباتات، حیوانات کے مدارج سے گزر کر انسانی قالب میں نمودار ہوا ہوں اب یہ قالب بدل کر اس سے بہتر قالب
اختیار کرنے والا ہوں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ

یہ کائنات ابھی ناقص ہے شاید کہ آہی ہے دعا دم جملے کن فیکون

صفات جلال و جمال اور اللہ تعالیٰ کی صفات جلال و جمال کے بارے میں بھی بڑی گہری مباحثیں گئی تھیں بعض لوگوں نے جلال
کے پسند پاس قدر و دیار کو بجای رخ بالکل پس پردہ چلا گیا۔ بعض لوگوں نے بحالی پسند کو اس قدر اچھا کر دیا کہ جلال کی کیفیات بالکل معدوم کر دی
گئیں۔ یہ معاملہ افراط و تفریط کا تقابلیج مانتے دراصل درمیان کائنات تقابلیج و دونوں گروہوں کی نظروں سے اوجھن تھا۔ یہ دونوں نے خدا کے جلال

تصور کو اپنا لیا تھا۔ مجس تصدیق تھا کہ خود عظمت کی دونوں طاقتیں برابر کی ہیں۔ کبھی ایک غالب آجاتی ہے کبھی دوسری، یہی تصور جس کی پہلو کو اپنا کر صرف رحم و ہمت کے رخ کو دیکھتا رہا اعداس کی وجہ سے یوم آخرت اعدا صاب و کذاب کا معاملہ بالکل بے معنی ہو کر رہ گیا۔ اُن کو کومن ہانی کرتے کی پوری آزادی ہو گئی۔ اسی طرح بدھ مت نے بھی انجم و کرم کی صفت کو اپنا لیا اس طرح میانہ روی کھٹنے کوئی گنہگار باقی نہ رہی۔ ماندہ عدالت کا راستہ کثرتِ تعبیر سے سدھم ہو کر رہ گیا۔ لیکن قرآن کریم نے یہاں بھی حق و باطل میں فرق کر دیا اور دونوں انتہاؤں کو دکھا کر درمیان کے راستے کی واضح نشاندہی کر دی۔ نہ اتنا جحالی پہنچو نہ مایاں کیا کہ اُن کی نجات سے بالکل ایسے ہر جائے نہجی کی تصور کو اس قدر حاوی ہونے دیا کہ مخلوق، خالق کے مقابلے میں اگر گستاخی کرے لگے۔ چنانچہ اس کو اصطلاحاً امید ویم کی کیفیت کہا گیا ہے۔ صحیح ایمانی کیفیت نہ دھماں امید ویم کے درمیان ہی حاصل ہو سکتی ہے، یعنی خدا کی جباریت اور تہادیت پر بھی ایمان نہ رہا اعداس کی رحمت اور برہمیت پر بھی اعتقاد ہو چکا ایمان میں توازن پیدا ہوتا ہے اور یہ ایمانی توازن ہی قرآن کا اصل مقصد ہے توازن سے ہی زندگی میں سکون و اصلاح و سہجہ و سہجہ ممکن ہے، عدم توازن ترہر حال تباہی و ہربا دہی کا پیش نمبر ہے، اسی توازن زندگی کے نظم کے وہب سے امت مسلمہ کو امت وسط کا خطاب ملا ہے۔ قرآن فی نفسہ صحتاً سے افراط و تفریط سے زندگی کے ہر شعبے میں دامن پکڑنے کی کوشش کی۔ حالانکہ طاقت سے زیادہ عدالت کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے قرآن جیسے ہر گز کتاب کا ذکر اتنے مختصر سے مضمون میں اس کے شایان شان ممکن نہ تھا۔ بہر حال کچھ ممکن ہو سکا اعتقاد کے ساتھ عرض کرنے کی کوشش کی ہے۔

تا دست رسم بود ز دم چاک گریبان
ختر مندی از خستة پشیمین ندارم

تسکینی - موسم گرما کی شدت اور پیش میں کمی کرنیوالی دوا

موسم گرمی کی شدت، تپش، دھوپ اور ٹوکی ایذا رسانی ناقابل برداشت تکلیف کی بنیاد ہے۔ سوائے چند بہاری علاقوں کے یہ تکلیف ایسی ہے کہ نہ کھانے کا مزہ نہ پہننے کا لطف۔ انسانی چاہتا ہے کہ کسی سرد خانہ میں گھسے۔

[illegible]

اشرف یونانی لیبارٹریز ۳۲۹ جناح کالونی - لائل پور



آزمودہ دواؤں کا مرکب
انساجین



سردرد - کمر کا درد - دانت کا درد
 ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Specie

66/32

شمس تبریز خاں آردی

حَدِيثٌ بِطُورِ تَفْسِيرِ قُرْآنٍ

مکین حدیث کے جواب میں اب آرد وہیں کافی ذخیرہ جو چاہے، جن میں انتہائی صحیح کی "فتۃ انکار حدیث کا منظر و پس منظر" تدوین حدیث، مولانا گیسوئی اور ترجمان القرآن کے منہج رسالت نمبر، اور مولانا مودودی کی دوسری کتابیں اس موضوع پر نمائندہ کتابیں ہیں اور بعد میں شاید ہمیں اس موضوع پر نیا ہے مگر عربی مفسرین خصوصاً ابن جریر، ابن کثیر، سیوطی (صاحب درمنثور) نے اس کا التزام کیا ہے کہ تفسیر حدیث سے کریں۔ یہ کام کچھ زیادہ مشکل نہیں شاید کوئی حدیث ایسی نہیں جو کسی نہ کسی آیت کے ذیل میں آکر اس کی تشریح و تفسیر، توضیح و تفسیر کا کام نہ کرے۔ قرآن و حدیث کے اس ربط و تضابط اور گہرے تعلق کی مثال دنیا کی کسی دکانوں میں نہیں۔ قرآن و حدیث کا باہمی رشتہ جان و تن اور پول و دامن کا رشتہ ہے ع

ایں دو شمع اندک اندک اگر فروختہ اند :

مولانا آزاد نے تذکرہ کی کئی نسلوں میں قرآن و حدیث کے باہمی ربط پر روشنی ڈالی ہے چند یہ طریق ملاحظہ ہوں :-

۱۔ دراصل قرآن اور حیاۃ نبوۃ معناً ایک ہی ہیں قرآن متن ہے اور سیرت اس کی شرح، قرآن علم ہے اور

سیرت اس کا عمل : قرآن قرطیس باہن الدنیتین اور فی صدور الذین اولوا العلم میں ہے اور یہ ایک جسم

و مثل قرآن تھا جو یثرب کی سبزیں پہنچنا پھرنا نظر آتا تھا کما قالت الصدیقہ : وکان خلقہ القرآن

ما بعد جانے آیدہ وریک بدن ، من کیم ؟ لیلی ، ویلی کیلیت ؟ من

بعض عرفا و اصحاب اشادات نے کہا ہے بسم اللہ سے داناس تک جو کچھ ہے گو کتابت برسی و کلمہ کی ہو لیکن ان سب مقصود ایک ہی ہے اور گونا گونا گونا گوں کے ہوں مگر سب سنائی طرف ہے ع چشم سوتے تلک دوسے سن سوتے تو بود

و کناۃ البلیغ من المتصحیح : خوش و دلکش ست قصہ خیال روزگار تو پسنی و قصہ تو احسن القصص

حق یہ ہے کہ قرآن اور حدیث صاحب سنت کی باہمی رنگت و اتحاد کے باب میں جو کچھ بھی حدیث میں مذکور کیا جائے اس سے بہت کم ہے جس قدر کہنا چاہیے حتیٰ کہ اگر تاریخ خلیفہ کے تمام وسائل معدوم ہو جائیں اور حدیث و حکایت کے تمام وسائل سے قطع نظر کر لیا جائے تب بھی صاحب شریعت کے وجود و سیرت کی تاریخی حقیقت، اسی طرح روشن رہے گی جس طرح تاریخ کے دفاتر میں ہے اور دنیا چاہے تو اس کی پوری سوانح عمری اور تاریخ سیرت صرف ایک کتاب اللہ کی لوح محفوظ اور کتاب قیم ہی سے بلا ایک لفظ کی فروگزاشت کے مرتب کرے (ص ۱۲۲)

خود قرآن نے حکمت : "ذکرہ علم" تکریم اللہ مثلاً مع : "جیسے الفاظ میں حدیث کا تعارف کیا ہے سیرت ہے کہ بعض لوگ قرآن کو مانتے ہیں اور حدیث کو انکار کرتے ہیں جو منہج بعض اکتفا دیکھتے دن بعض اسم برستی، صورت و معنی، چاہا خدا چاہا، آفتاب اور اس کی روشنی کے تعلق کا انکار خیر و پیشی اور کس قدر

نہیں تو ادا کیا ہے۔ قرآن وحدیث دوسنہ میں پوشیدہ ہے آفتاب ایک مختلف شمع ہیں اور دونوں کا سرچشمہ ایک ہے
بحریت متحدہ کہ با شال مختلف
مشتق ہر یک درمگر ہی صحت است
کیں در صفات با ہر خود مضمرا آمدہ

میرے مضمون کی روشنی میں رہا، وہ حدیثیں جن میں حضرت نے کسی آیت قرآنی سے استدلال فرمایا ہے اور میں نے صرف انہی حدیثوں کو لیا ہے کہ وہ حدیثیں جو بغیر
مداخت نبوی کے قرآن کی تشریح و تفسیر بن سکتی ہیں اور جن کے الفاظ میں جملے جملے میں اس قسم میں بھی خاموشی اور اشارہ ہے۔ امام بخاری کا کمال نقطہ تھا کہ اپنے ترمیم
میں ۱۰۰ چھ سو سے زائد حدیثوں کو کسی بھی آیت قرآنی کے ذیل میں لائے ہیں، جس سے دلچسپی و دل مقصد کے انداز میں امد۔ حدیث و عجیل کے اسلوب میں ان کا حدیث کا
رد و چرچا ہے کہ کام و حاصل مولانا سید سلیمان ندوی کا چھوٹا ہمارا ہے جس کی نکلیں کی سعادت مجھے نصیب ہوئی جن کا ذکر معارف کے سلسلہ میں ہے۔ مولانا اویس ندوی
نے کیا ہے کہ انہوں نے دونوں عزائم پر ۱۰۰ حدیثیں بھی کی تھیں مگر وہ ہندو غیر مطہر عربی۔ میں نے اللہ کا نام نہ کرکے صرف بخاری سے اسامو اور جی کی اہل نظر انداز
کرکے ہیں کہ دوسرے جامع حدیث میں کتنا ذخیرہ ہوگا۔

۵ ہندو بادۃ ناخودہ درگ تافست

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں آپ نے فرمایا کہ جبریل نے غار میں پڑھایا۔ "اقرأ باسم ربك الذي خلق الانسان من علق اقرأ وربك الاكرم" حقیت جاہل بن عبداللہؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت جبریلؑ کو وہاں میں دیکھا کہ ہم جملے ادا کر چکا اور اللہ تعالیٰ آیت اتری۔ "یا اے اللہ شریف و دانا و دیندار
نکبت و شایستہ و شایستہ و شایستہ۔ ان عباس کہتے ہیں کہ حضرت جبریلؑ نے غار سے دو سو حدیثیں جاری فرمائے تھے کہ آیت اتری لا تحک
ہے لسانک لتعجب بہ" اسی البیہقیان سے نام میں کہ حضرت نے سرور یہ خط مبارک لکھا تھا۔ من محمد عبد اللہ و رسولہ الی ہرقل
عظیم الشان سلام علی من اتبع الہدی ما بعد فانی اور علی ما عایۃ الاسلام اسلام تسلم فیک اللہ اجر لہ من حق فان
قولیت فان علیک الحمد الدریعین و یا اهل الکتاب لعل الی کلمۃ سواہ بینا ربکم ان لا یفید الالہ ولا یشرک بہ شیئا
ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان کفرنا فکفرنا اشد کفرنا و یا انا مسلمون"

حدیث اس میں جبریل نے قیامت کے بارے میں پڑھا تو آپ نے فرمایا۔ "اس کا علم پانچ باتوں میں سے ہے، جنہیں اللہ ہی جانتا ہے" پھر تلاوت
فرمائی "ان اللہ عندہ علم الساعة"

بخاری نے باب باندھا ہے "قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النبیۃ"۔ در رسولہ، العلم ابن کعب کی حدیث ہے کہ حضور نے
خضر موسیٰ کا دانوسنا کر فرمایا۔ "ارایت اذا وینا الی الصفۃ"۔ قصصا"

پھر آپ نے فرمایا۔ اس کے بعد انہوں نے حضورؐ کو دیکھا جن کا داؤد قرآن نے بیان کیا ہے یہ حدیث باب انظر مد موسیٰ اور ابن عبسہ کے حوالہ سے بھی نقل ہوئی
ابن مسعود کہتے ہیں کہ یہودیوں کے دور کے متعلق مبراہ پر حضورؐ حاضر رہے اندھیرے کی آواز کی۔ "ایستولک قیل المرجح من امر ربی نما اوتیم
من العبدہ الا ذلیلہ" حضرت انس کہتے ہیں کہ آپؐ نے خیر میں داخل ہو کر کہا۔ "الشاکر حضرت خیر لانا انزلنا باسۃ قومنا و صباہ المسلمین"۔
اوتیم باد رہا

۱۰ حضرت عمرؓ کو انا دہ ان القرآن یکلمہ والسنة تقرک داعام الموتین ۲۹۸۰ امام صاحب کہتے ہیں ولا السنة ما فهم احدنا القرآن والمیزان الشعل فی
ص ۵۸ امام صاحب نے فرمایا ہے ان السنة لتفسر کتاب وتلیہ دارالافتاء لفتاویٰ ص ۵۸ امام شافعی کا قول ہے بیح ما قولہ الا تمہ شرح للسنة
و بیح السنة شرح القرآن و کول۔ القرآن اسوج علی السنة من السنة الی القرآن (جامع بیان العلم)

الہدیرہ کی حدیث میں فرمایا کہ اوقات ایک جن میری نماز خطاب کرنا چاہتا تھا میں نے اسے ہمہ کے سون سے باز رکھا چنانچہ تم بھی دیکھ لیتے مگر اپنے بھائی
سہیلان کا قول یاد آگیا۔ "ربہ عیب لی ملکنا یعنی لا عیبا من بعدی" پھر اسے جھوٹ دیا۔ "تہم بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ قبل طلوع وغروب نمازوں
کی ان کے بعد آپ نے پڑھا۔ "فسبح محمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب" انہی فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو نماز قبول جائے وہ تقاضا
پڑھے جب اسے یاد آئے "اقم الصلوات لذكری"

حضرت ایک باحضرت علیؑ کے ہاں آئے حضرت فاطمہؑ بھی تھیں پھر اسی نماز میں پھر اسی حضرت علیؑ نے کہا جب اللہ چاہے گا تب ہی تمہیں حضرت محمدؐ کی تشریف لے گئے۔ "وکان الان کان اکثر شیء جہلاً"

جہاں کی تردید میں حضور نے حجت علی میں فرمایا نیکی ہدی سب کو ملتا ہے ۔ فاما من اعطی والقی الخ
برائے تو کی حدیث ہے کہ جنت میں فرمایا : من قرء قرآن توحید و رسالت کی گواہی دے گا اس کی طرف آیت میں اشارہ ہے ۔ یشتبہ الثغر الذین
اصفوا القول الثابت فی الجلیۃ الدنیا و فی الاصلیۃ *

ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ زکوة نہ دینے والا قیامت میں اپنے اپنے گناہوں کا طوق پہنے گا وہ اپنا مال کتنا کتنا کم کرے گا۔
 ہر فرقہ ویت کی۔ ولا تحسبن الذين ينجفون بما اتمم الامم من فضلہ خوفاً لهم بل هو شر مما يظنون ما نجد ابلہ یوم
 القیمة۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ: میں ہر سال سے اس کے دین دنیا کا زیادہ حقدار ہوں۔ النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم۔ مرثیہ کا دلالت اس کا خاندان ہرگا اہل قرآن میرے ذمہ ہوگا۔

ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ تادم سلمین سے اللہ کچھ گامیں نہ تمہارے گناہ دنیا میں بھیجائے انبیا یا نبیوں کا فروع اور منافقوں کا عمامہ ہوگا۔ فیقول الاشہار: هو لا بد من كذا على راسهم الا لعنة الله على الظالمين •

اشعث بن قیس کی حدیث ہے کہ حضرت نے بھڑائی قسم والے کھٹے پہ آیت پڑھی "ان الذین یشترون بعہد اللہ وایما بینہم ثمناً ولہم عذاب الیم" حضرت ابی ذرؓ کہتے ہیں حضرت نے یہ آیت پڑھی۔ قال الم اعل انک من قسطلیح حی مہاجر" حضرت ابی ذرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے سورہ کے طویل و غروب کا حال بتا کر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "والشمس تجری لمستقر لہا فالتقدیر الخیر والحمد"

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ خضرؑ نے قیامت کا ذکر کر کے یہ چڑھا۔ "ولفیع کل فان حملی عملہا وتری الذین سکا رعی وما ہم سکا رعی وکن مذاہب اللہا شلہا"

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ حضرت نے فرمایا میں اپنے اصحاب کے لئے کہوں گا جب عبد صالح (علیؑ) کہیں گے "وکنتم علیہم شہید" امانت فیہم فلما توفقی کتات علیہم السلام

حضرت ابن سہلو کہتے ہیں کہ صحابہ نے یہ آیت الذین آمنوا ولحمہم ذبلاً ایما تمہم یظلمون من حضرت کے کہا یا رسول اللہ! ہمیں سے کون ظلم ہے کہا ہوا یا پھر ہمارا کیا خضر ہوگا؟ آپ نے انہیں تسلی دی اعدیہ آیت پر بھی "یا بنی لا تشکوا باللہ شیئاً ان اللہ لا یظلم عظیم۔"

حضرت ابنی سنان کی حدیث ہے حضرت نے فرمایا کہ تم میں ایک دھڑنگ اور غیر مختون اٹھائے جائے پھر یہ آیت پڑھے کہ
 هَذَا مَا أُولَٰئِكَ خَلَقَ لِيُفْسِدَهُ وَهَذَا خَلِيقٌ لِّمَا كُنَّا فَعَلِينَ -

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمارؓ اہل کمال کے برابر تھے کوئی علم نہیں ملا کہ باوجود جامع و منفرد آیت "من یصل مشقاً ذریعۃ خیرا" سے من بعد مشق اولیٰ ذریعۃ شقیۃ" الہی کی حدیث ہے کہ آپ نے ایک ہمارے لئے دولت کفہ سے کچھ طلب فرمایا تو اس کا معجزہ آپ کی طرف سے ہوا کہ گھر میں صرف پانی موجود ہے آپ نے حاضرین سے کہا کہ ان کی ہمارے لئے کسے گا؟ ایک انصاری اپنے گھر سے گھڑا اور چوہے سے کہا کہ ہمارے رسول کی ضیانت کہہ چری کہہ گیا ہمارے ہاں صرف پون کی خاک ہے، انہوں نے کہا دوسرا ذریعہ خیرا ہے کچھ کو بہت کہ سلاوہ — پھر بدلوں ہمارے ساتھ اس طرح بیٹھے تھے کہ گھر میں اس طرح بات چیت ہو رہی تھی کہ حضرت نے فرمایا اللہ تمہارے اثبات پر غور ہو کر تمہیں پڑا اللہ آیت نازل کی "وَقَدْ تَرَوْهُ عَلَىٰ الْفَسْطَاطِ لَوْلَا رِجْلُ بَیْسَمِ خَصْمَا وَنَیْضُ شَحْخِ لَفَضَهُ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْغُلَبُونَ۔"

حضرت سید بکھڑیؓ کہیں نے صرف یہاں اللہ بن سلامؓ کے پاس میں حضرت سے سنا ہے کہ وہ جنت میں اس آیت کے پاس سے ہے دشمنی شاہد من بنی اسرائیل۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ غزوہ بدر میں آپؐ سیسہ و راجحہ و یزید الدہرؓ پڑھتے ہوئے عولش سے نکلے ابن مکرکبہؓ میں کہ آپؐ نے مقتولین کے کوزیں پر کھڑے ہو کر فرمایا "هل رجعتم ما رجعتم و هل رجعتم حقاً؟"

حضرت عمرؓ کا واقعہ ہے کہ حضرت نے انہیں طلب فرما کر کہا صحابہ کرام وہ آیت اتری ہے جو دنیا و دنیا میں نہا وہ عزیز ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت کی "اِنَّا نَحْنُ الْمَلِکُ نَحْنُ الْمَبِیْنُ"

(کتاب التفسیر)

ابو سعید بن معلیؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے آپ کی قرآن کی بڑی آیت بتانا جوں پھر الحمد کی تلاوت فرمائی۔

سعید بن زیدؓ کہتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا "اَلْکَافُ مِنَ الْمِنْ شَفَاؤُ الْمَعِیْنِ"

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ بعد کلمات کو عربی میں بیان کرتے تھے حضرت نے فرمایا کہ اہل کتاب کی تعدیل و تکذیب مت کرو پھر آپؐ نے پڑھا "وَقَوْلَا اَعْمَا بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلَ" اہل کی حدیث ہے کہ حضرت نے فرمایا سکین وہ نہیں ہے ایک دو گھوڑیں ایک دو نعشے مل جاتے ہیں بلکہ اصل مکینیت یہ ہے کہ ان ن سوان کرے پھر فرمایا چا چو تو یہ پڑھو "لَا یَسْأَلُکَ النَّاسُ اَخَا"۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی تھی اللہ ہی انزل علیک الکتاب الی قول اولو الاباب" انفسہا جب تم لوگوں کو متشابہات کا تاثر دیکھو تو سمجھو کہ وہی کچھ نہیں ہیں "وَالِیٰ اَعِیْنُ حَابِلُکَ ذَرِیَّتَہَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ"

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا قیامت میں رکڑے تو یہ والوں کے مال اور وہاں کوڑیس لگے اور کہیں لگے انا مالک انا کزک یہ آیت پڑھی۔ ولا تمسبن الذین یخولکون بما اقمتم اللہ من فتنہ ۱۱۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرتؓ کو دیکھا کلمات کے آخر حضرت میں اُسے اندھا سمان کو دیکھ کر فرمایا۔ "ان فی خلق السموات والارض من اختلاف السبل والنہاس لا ولی الاہاب"۔

عمر بن مرہؓ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے قرآن مسدودین نے عمن کیا بھلا یہ آپؐ کو سننا تو قرآن اتری ہے اے آپؐ نے فرمایا مجھے رسولؐ سے سنیے میں آتا ہے اس میں نے سیدۃ النساءؓ سے سنا کہ جب اس آیت پر پہنچا فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئناک صلی ہو لاء شہید القربا نے کہا تمہارا میں نے آپؐ کی طرف دیکھا تو چشم نبوت انک انشاں تھیں۔

سالم بن عمرؓ فرمادی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا غیب کی خبریں ہیں، پھر یہ بت تلاوت کی۔ ان اللہ عندہ صلۃ ساعۃ ینزل الخبیب ویعلم ما فی الارحام وما تدرک نفس ما زاد کسب عباد اور قدری نفس باقی ارضی تموت ان اللہ علیم خبیر۔

۱۔ من و عنہما جنتان ۱۰ ابن قتیب کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا دو جنتیں انسان کے سامان چاندی اور دھات کے سونے کے ہونگی ،
 ۲۔ دھن محمد و ۱۰ ابوہریرہ کہتے ہیں آپؐ نے فرمایا جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سارا سال میں بھی اسے نہ ٹکے نہ پائے گا پھر وہ آیت پڑھی ۔
 ام علیہ کہتی ہیں کہ حضورؐ نے یہ پڑھ کر ہم سے بیعت لی ۔ ان لایشکرن باللہ ۱۰ فوہ سے منع کیا تو ایک عورت نے کہا کہ میں ایک عورت کا بدلہ دینا چاہتی
 ہوں تو حضورؐ خاموش رہے چاندی اور دھات کی اور پھر واپس آکر حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی ۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں حضورؐ نے فرمایا : لودھ لودھ الناس لودھ العالمین ۱۰ کا عالم یہ ہو گا کہ لوگ کا لوگ تک پہنچے میں ڈوبے ہوں گے۔
 عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں میں نے حضورؐ کا وہ خط پڑھا تھا جس میں آپؐ نے فاتحہ شہد کا ذکر کیا تھا آپؐ نے از نبعث اشقاھا کی تشریح
 میں فرمایا کہ وہ ای قوم کا سردار تھا جیسے اللہ ہم سے جو نبیر کا چچا ہے ۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کیسے تھے تھے آپؐ نے فرمایا ہر آدمی کا مقام جنت یا دوزخ میں لکھا ہوا ہے عبادہ
 نے عرض کیا یا رسول اللہؐ پھر ہم اس لقب پر پر توکل نہ کر لیں ؟ آپؐ نے فرمایا عمل کرنا اس لئے کہ ہر آدمی کے لئے آسائیاں ہیں پھر آپؐ نے تلاوت فرمائی
 فاما من اعطی رزقاً وصدقاً بالحسنى فلیسک لیسک ۱۰

ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک طرفہ میں حضورؐ سے شخص کی اجازت مانگی تو آپؐ نے دعا کہ اللہ شہد کی اجازت دی اور پھر آیت پڑھی یا ایہا الذین
 امنوا لا تخرسوا لہیات ۱۰ احل اللہ کلمہ ولا تقعدوا ان اللہ لا یحب المصتدین ۱۰

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں سرور عالمؐ نے فرمایا بدگمانی سے بچو وہ سب بڑا جھوٹ ہے ۔ ولا تحسبوا ولا تجسسوا ۱۰ ولا تحاسنوا
 ولا تنافسوا ولا تباہوا ۱۰

آپؐ کی رعایت میں ہے حضورؐ نے ایشاد فرمایا ۔ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو اور جب ایسا ہوگا تو سب ایمان لائیں گے
 مگر لا ینفع نفساً ایمانہا لہم من قبل اوکسبت فی ایمانہا خیراً ۱۰

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں سرکارِ مدعاؐ نے فرمایا ، روح قیامت میں پوچھے جائیں گے کہ کیا آپؐ نے پیغام پہنچایا تھا وہ کہ بچے ہاں
 مگر ان کی امت کہے گی ما جادنا من ذنوبہ ۱۰ تو وہ جواب دیں میں مجھے ادم کو لاسنٹھری (کوفتیں گے تو تم گناہی دو گے پھر آپؐ نے پڑھا ۔ وکن اللہ
 جعلناکم امۃ وسطاً لکونوا شہداء علی الناس یكون الرسول علیکم شہیداً ۱۰

امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا ہے ۔ قول الغیر ۱۰ ہر با لفظان مع السفۃ الکلام البصرہ ۱۰ (۱۱۲۰)
 ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن اور سنت میں کس قسم بد بھادہم آہنگی پائی جاتی ہے اور قرآن کے کچھ انداز کے احکام
 کی تعمیل کے لئے ہم احادیث رسولؐ کے کس قدر محتاج ہیں !

نہ لیکن پھر یہ اجازت حبیبہ کے لئے مسطورہ کر دی گئی ۔

اجتہاد اور احکام میں شریعت میں کھلی تحریکات جو صاحب فرما رہے ہیں وہ کیسے بنو رہی ہیں؟ اکثر ائمہ کی تربیت میں مہذب بن کر لکھ دیئے گئے ہیں اور ہماری حکومت نے ان کو نہ صرف امامت تحقیقات اسلامی کا فائز کر دیا ہے بلکہ اسلامی سفارتی کوئٹہ کارکن بھی نامزد کیا ہے، میں حکومت سے پوچھتا ہوں کہ ایسے لوگوں کو قوم کے بیچ پر دین کی حرمت کے لئے مقرر کرنے کا اسے کیا حق ہے! اگر بعض حکمرانوں کی فاقی مائے میں اس طرح کے لوگ واقعی مجتہد اعظم ہیں! ابدان کے ذریعہ سے وہ اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کرنا چاہتے ہیں تو وہ خود اپنے فاقی سرانے سے ان کی سرپرستی فرمائیں، قومی دہیہ اس کام پر صرف کرنے کا انہیں کوئی حق نہیں، آخر کتنے فی ہزار بلکہ فی لاکھ مسلمان ان مجتہدوں کے علم و دیانت پر اعتماد رکھتے ہیں، اس حالت میں مسلمانوں کا یہ جان اجنبیت کو فروغ دینے پر غور کیا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

اس بیان کے نیچے یہ خبر درج ہے۔

زکوٰۃ کی شرح میں اضافہ کی تجویز
ہمارا مقصد

مخالفیت ————— ناراضگی ————— برہمی

کراچی ۲۰۔ مئی ۱۹۸۱ء (آج نماز جمعہ کے اجتماعات کے موقع پر اکثر مساجد میں علماء و دانشوروں نے اسلامی مٹ و مٹی کو نسل کے ممکن و ناگزیر فضل الرحمن کی اس تجویز کی شدید مخالفت کی کہ کوڑہ کی شرح میں اضافہ کر کے یہ تجربہ ٹیکس سہولت سے وصول کیا جائے۔ علماء نے اپنے خطوں اور تقریروں کے منسلک اس بات پر نوسیدہ کہ ناگزیر فضل الرحمن کی تجویز شرعیت اور دین میں تحریف کے مترادف ہے، انہوں نے فیاض فضل الرحمن کے اس اجتہاد کو بھی غلط قرار دیا کہ ترقیاتی قرضوں پر سود جانا ہے، انہوں نے کہا کہ ہر طرح کے سود و قرض کی رو سے حرام میں ادھاس کے لیے اب حدیث دینے والے کہنے لگام پا کریں سب زیادہ سخت حدیث ہے، اور کہا گیا ہے کہ سود کے لیے اوسوینہ والے اللہ سے لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں !

اکثر جب جس قرار یا دین منظور ہوئیں کہ اسلامی شریعت کو تسلیم نہ کر کے، تیار و غیر تیار مذکورہ بالا کے اجتماع میں ڈاکٹر حفص الرحمن کے دونوں بیانات کی نفی کرتے ہوئے ایک قرار یا دستور پر مبنی جرح کیا گیا ہے کہ یہ بیانات اسلام، علمائے اسلام اور مفسر کے خلاف احاد جنگ ہے وہ ہرگز اندازہ تحقیقات اسلامی یا اسلامی مشورتی کونسل کی کیفیت کے اہل نہیں ہیں، انہیں اسلامی قومیت بھی حاصل نہیں ہے انھیں ان عہدوں سے ہٹایا جائے اس پاکستان سے اخراج کا حکم دیا جائے۔

علماء کو کم کیے فریاد، داد و بالا، دینی غیرت، اسلامی خوش سمیت اور احتجاج اپنی جگہ درست، مگر بظاہر قابل مہارک بار بیشک بر تقدیریں اور ہیمنے منغرض ہیں، ان میں گھٹانے بڑھانے اور ترمیم و اصلاح کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، مگر عائلی قوانین پر مسلمانوں کے احتجاج کی، ہمارا حکومت کے آپ بھائی کی، جو اب اس سے توجہ کی بجائے اس عوام کے احتجاج کو ترک جمہوریت کی نفا میں اہمیت دی جاتی ہے، دنیا دی جمہوریت کا بھائی و دود و دود ہو دانی ہے چائے عوام کس کھیت کی ٹری ہیں؟ اعلان غریب علماء کو کون پوچھتا ہے!

علاوہ اُن کے بالاتفاق کہا کہ - خاندانی منصوبہ بندی ہی - دین و اخلاق کے خلاف ہے، لیکن اُن کے نفروں کے علی الرغم - خاندانی منصوبہ بندی ہی برگزیدہ رہی جو ہر ماہ - عدالت عالیہ قاتلین - کی ایک ایک گھڑا کھڑی کے بنیاد کہ ان میں کون کون سے اجزاء دین و شریعت کے خلاف ہیں، لیکن اُن کی سائے افسوسہ کہ - مٹ کر ہیں - ہی میسر آئیں! اُٹھ کر کھانا چا رنگ - پر ہمارے ہیچ رہے ہیں اور فریاد کہ ہے میں کہ خدا کے لئے پاکستان کے ہمارے لئے کوئی فلاح سے کہا، مگر... نتیجہ - وہی ڈھاکہ کے تین پات ۱

حاکم ہوا محکوم، خواص پہلے مگر عوام، جاہل ہو یا عالم، دوسرے خوف ہیں جو آدمی کو زیادتیوں اور غلطیوں سے روکتے ہیں، ایک خدا کا خوف اور دوسرا بندوں کا ڈر۔ ————— گرجب

بھائی احمد صاحب نے شاہ فیصل کو رنجی حملہ کی دھمکی دے دی، تصور؟ یہ کہ تم اسلامی سماج ہیں۔ اتحاد کا نعرو کیوں بند کرتے ہو؟ احمد صاحب کو سبک زیادہ چڑا۔ اسلامی اتحاد سے ہے۔ اسلامی اتحاد پر وہ سماجیت کی پہچان چست فرماتے ہیں !
شاہ فیصل کی حکومت پر چڑھاؤ کی دھمکیوں پر چڑھاؤ ہے، اس ارض مقدس پر چڑھاؤ ہے، اُس ارض مقدس پر جہاں کہ اندلسیہ نام کے شہر آباد ہیں ! اللہ کوئی بُرے سے بُرا مسلمان بھی نہ کہہ اور عیسائی پر حملہ کرنے کا تصور تک نہیں کر سکتا ! کہ اندلسیہ سے محبت و عقیدت مسلمان کے دین و ایمان کا تقاضا ہے۔ مگر جس دلی میں فرعون کی محبت گھر کر گئی ہو، وہاں عین شریفین کا احترام اور محبت و عقیدت کہاں باقی رہ سکتی ہے ! خدایا قسم شاہ فاروق کی ملوکیت، آئندہ کی۔ جمہوریت سے خوار و بے عظمت ملتی آ رہا ہے ! اس وعدہ کے سلی فوجیوں کو کیسے کیسے حاکم اور فرمانداروں کے ساتھ بڑا ہے۔

کراچی یا لاہور سے نہیں بلکہ اسے خیر آتی ہے کہ "خیر جاندار ملکوں کے سربراہوں کی کانفرنسیں ہر رہی ہیں۔ یہ غیر جانبدار ملک کون ہیں؟ ان کے اسماء گرامی بھی کسٹن لیجئے۔ بھارت، بنگلہ دیش، پاکستان، ان کانفرنسوں میں کیا ہوگا؟۔ عالمی احمد پر غیر جانبداری کے نفاذ کا نگاہ سے غور و فکر !

یہ تینوں سربراہوں کا "مسئلہ کشمیر پر غور و فکر کرنے کی زحمت فرمائیں گے، یہ بھی تو عالمی مسئلہ ہے کہ اس مسئلے سے ایشیاء کا امن و امان اور مشترکہ قومی ممالک کی سلامتی وابستہ ہے !

مگر
تھر انڈیا بنگلہ دیش کے سربراہوں نے پاک و ہند کے مابین جنگ کے دوران ہی جب "مسئلہ کشمیر" کی کھواہیت نہیں بھی تو اب کیا سمجھیں گے !
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

اللہ
سہ من جواب الجیب حلت بے اللہ احاطت
شاہ فیصل کی اتحاد اسلامی کی دعوت پر جہاں احمد صاحب کی وہ برہمی ! کہ حکومت نجد و نجد کو "مسئلہ من" کی آؤ بنا کر جنگ تک کا اٹلی میٹم دے دیا، مگر کافر سربراہوں سے "اتحاد" کے لئے اتنی سرگرمی اور دلدادگی !

ایک شاعر کو لگا گیا کہ تم شراب کی زبان سے نعت کہتے ہو، یہ خواہم ہے، ام العیاش ہے، غرض عوی میں "جام و مینا" اور باد و صہبیا کا ذکر کرتے ہو، یہ تقاضا کیوں؟ اس نے جواب دیا :۔
میں شندالی نہیں ہوں شاعر ہوں
اصطلاحاً شنداب پیتا ہوں
اس پر کافی شراب میں نے چہروں سے شرمندگی کی زائوش ہونے لگی۔

اسی وعدہ کے چند منتخب اشارہ جن سے ملاحظہ اطراف محفوظ ہوتا رہے !۔
دامن پکڑ لیا ہے شبِ انتظار کا (دم پوش گویا رہی)
جس طرح ہمیں پریشان ترے گیسو بھی نہیں (فرح جلاوی)
یہ بھی نہ جاسکے گی۔ اگر وہ نہ آ سکے
اس ترے سر کی قسم فرق سر تو بھی نہیں

تڑپتے تڑپتے سکون پا گئے ہیں جہاں سے پہلے تھے وہیں آ گئے ہیں (نیسا راولپی)
 دیکھ کر حال پریشان اپنا ہم بھی ہنس لیتے ہیں دنیا کی طرح (لنا نقی دہلوی)
 آخری وقت آہ کرنا ہوں آج پہلا گناہ کرتا ہوں (نقشب چارپوی)
 جب تذکرہ ہوا پہے شاہ جمال کا محسوس یہ ہمارا گلستاں میں آ گئے (نظر الخرموی)
 ہم تو سہ نام پہ بیٹھے والے تجھ پر حرفے کے سوا کیا کرتے (در کی کیفی)
 ٹھیر بھی جا دیر ساقی پہ دو گھڑی کیلئے تمام عمر پڑی ہے رواروی کے لئے (رشاد کاظمی یا نہیں؟)
 وہ مخاطب بھی میں، قریب بھی ہیں اُن کو دیکھیں کہ اُن سے بات کریں (فرانک گوگمپوری)
 بدلی جو چشم ساقی، سمانہ جھوڑ آیا کس تشنگی میں، کیا میخاد جھوڑ آیا (نظر حبیب آبادی)
 کبھی سر بھی رکھ دیتے اُن کے قدم پہ ابھی حرف نقش قدم دیکھتے ہیں (ادلم گھنوی)

جہذا ثانی مصرعے، جن کے شعروہ کے مصرعے یا نہیں رہے۔

س بڑے آئے مرا چاک گریباں دیکھنے والے
 س بنتے ہوئے دیکھا ہے محبت کو ہوس بھی
 س اُن کی دھار پہ ہنسا بکٹ گیا ہوگا
 س خون دل حرف کیا ہے تو بشار آئی ہے
 س کہ میں بھی ہوں تری خوشبو کی طرح آوارہ

کامیاب مطلب

مثلاً **کئی چٹائی خیمہ صیبا لکھیں**.....

• تشنیں پر احساس ذمہ داری کے ساتھ غزوہ فرما کر • تجویز نسخہ میں فنی مہارت اور درپیش سے بے ہمدردی کا جذبہ کار فرما ہو •
 • دو باتیں ایسی ہوں جو مہم سے تیار کی گئی ہوں۔

یہ ہر سہ بنیادی امور۔ اللہ خدا جل جلالہ بوشانی مطلق میں کے انوی سے مریض کی شفا پائی۔

مطلب کی کامیابی کا ذمہ یہ ہے کہ میں سہم پر سہم اطمینان سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ مطلب اشرف انہی خصوصیات کا حامل ہے • ہر ایک ملک پاکستان کے ہر علاقے کے مریض اس مطلب سے شفا پائیں گے جو آپ کسی طبی مشورہ کی ضرورت محسوس فرمائیں تو آپ مطلب اشرف کی جانب رجوع فرمائیں جس کی نگرانی بلوچستان پاکستان کے نامور طبیب مولانا حکیمہ عبدالرحیم اشرف خود فرمائیں سب بلوچستان کے مریض شفا کے لئے رجوع فرمائیں جس کی نگرانی بلوچستان کے نامور طبیب مولانا حکیمہ عبدالرحیم اشرف خود فرمائیں سب بلوچستان کے مریض شفا کے لئے رجوع فرمائیں

(مطلب اشرف اشرف منزل ترویج بھی بھانجہ کاؤٹی لاہور)

برصغیر کی حالیہ تاریخ میں ان لوگوں نے لے کر اپنے نمایاں مسالماہم دینے جن کا تعلق سرکردہ نسل اور جن پرستوں کی اسی حماقت سے متاثر ہوئے اپنے نام
خصیت تک وقت کے لئے حد تک وقت کرنا تھا۔ محض جبروت حاکمیت مرنائی، اور ظلم علی خاں اچیمیری دیوانی میں سے تھے۔
تاریخ کی مدق کے عالمی اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ ازل سے سرفراز کا دوسرے کا ان کو دیکھنے کے لئے مقتدر ہو چکی ہے جو عقل پرستی کو اہل فرزانگی پر
کو ترجیح دیتے ہیں جو حالات اور مصلحت سے صلح کر لینے کے قائل ہونے کے بجائے صداقت اور اظہار حقیقت کو اپنا شعار قرار دیتے ہیں اور ان کوئی کی خاطر مرنے
اپنے لئے باعث صداقت قرار دیتے ہیں۔

ہمدامد معاشرہ میں تیز کے پسپائی کی طرف جارہا ہے اور ہر معاملے میں وہ تعلیم و تہذیب کا مسدود یا ثقافت و معاشرت کا، وہ اخلاق و کردار سے
جو بالکل نظر سے دور اندرون خانہ کے معاملات سے متعلق ہو یا بیرونی خانہ سے، عالمی اور تمدنی مسائل سے اس کا تعلق ہو یا آئین و انکار سے، غرض اہل
زندگی کے کسی بھی شعبہ وہ مسائل و معاملات تعلق رکھتے ہوں۔ اسلامی ہدایات کی جس طرح کچھ بدولت خلاف و مذہبی کی جارہی ہے اور اپنی من مانی خواہش
اسلامی احکام سے نفیر کے اسلام کے ساتھ جو سنگین مذاق کیا جارہا ہے اس کی روک تھام کے لئے اہل عیوبت کی ضرورت ہے۔

(۲)

افکار و مبانی کے سلسلے میں ایک انتہا نظر سے گزرا۔ موضوع مباحثہ ہے "جہیز ایک معاشرتی لغت ہے" مختلف رسائل و جرائد میں یہ
اس سے متعلق مضامین دیکھنے میں آتے رہتے ہیں مگر ان تمام مضامین کے مطالعہ سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ یہ سب لوگ بالواسطہ یا بشکار ہیں اور ان
میں مبتلا ہیں۔ ما و امتثال سے دولوں ہی گروہ ہتھے ہوئے نظر آتے ہیں۔

شادی کے معاملے میں فریقین کا نقطہ نظر یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح اپنے سے برتر لوگوں اور اعلیٰ طبقہ سے تعلقات قائم کیے جائیں۔ وہ اپنے
اور اپنے طبقہ کو ان میں بہت سی خوبیاں ہونے کے باوجود یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ واسطہ ہر ہے اسلام کی ہدایات کو ترک کر دینے کے
نتیجہ برآمد ہونے چاہیں انہیں سے معاشرے میں جو ناسور و زہر ہونا چاہئے وہ کچھ ہے جس کی صداقت بازگشت "مشرق" و "مغرب" میں سنہ
دہائی ہے۔

اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے جب تک اسلام کا بتا یا جو اظہار لفظ اختیار نہیں کیا جاتا یہ مسئلہ سلجھنے کے بجائے الجھتا ہی چلا جائے گا
اس پر رسم و رواج کی دین ترمیم چڑھتی چلی جائے گی تاکہ اسلام کی اصل شکل کا پتہ چلا نا ہی دشوار ہو جائے گا۔

اسلام اور غیر اسلام جناب محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مسئلے میں جو ہدایات دی ہیں وہ بالکل واضح ہیں۔ لڑکی کے
سب سے بڑا جہیز اس کے اخلاق و اعمال اور کردار و افعال کی درستگی، علم و عمل سے آشنائی اور دین سے دلچسپی ہے۔ اگر والدین نے لڑکی میں یہ صفات
عالیہ پیدا کر کے کسی بھی قسم کی ترجیح میں زیادہ سے زیادہ اور قیمتی سے قیمتی سامان بھی اس کی تلافی نہیں کر سکتا اور اگر وہ اپنی لڑکی میں یہ صفات
پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتا۔ لڑکے والوں کو بھی سراسر کے پیچھے بھاگنے کے بجائے اس حقیقت
پاؤں پیر جہیز کا تلاش کرنا چاہئے۔ جہیز کا بیش قیمت سامان بھی ان صفات کے ساتھ ہی ہے۔

ضروری نہیں کہ سامانی جہیز اپنے ساتھ خوشی و مسرت بھی لے کر آئے۔ جب کہ یہ یقینی امر ہے کہ صفات مذکورہ سے آراستہ ایک لڑکی اپنی
اور اپنے ساتھی کی زندگی کو بہتر طریقے سے سنوار دے گی اور اس کے لئے خوشی و مسرت کے پیمانے بہتر کر دے گی۔

دوسری جانب سے لڑکی والوں کو کسی لمحے بھی یہ حقیقت فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ہر کی زیادتی کبھی پائیدار اور خوش حال زندگی کی
ضمانت نہیں بن سکتی مادہ و قسم ہر کی زیادتی کو محض اس لئے نظر انداز کر دینا کہ اس رقم کو ان کو کتنا ہی نہیں پھر زیادہ یا کم ہونے سے کیا
فرق پڑتا ہے۔ ایک ایسی غلطی ہے جس سے صرف نظر کرنا کسی صورت میں بھی درست نہیں ایسے لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس طرح ان کا

نکاح ہی جائز نہ ہوگا اور وہ زندگی بھر نعل حرام کے مرتکب ہوتے رہیں گے۔ اسی کی اولاد بھی صحیح النسب نہیں ہوگی۔) —
 میں ممکن ہے کہ ہر کی یہ زیادتی ہی خوش حال زندگی کے ماتے میں رہے بڑی رکاوٹ بن جائے۔ اس لئے اپنی معاملہ کے لئے اس امر پر نظر
 رکھنا نہایت مدبر ضروری ہے کہ ہمیر کی مروجہ رسم قبیح کے ساتھ ہی ساتھ زیر ہر کو بھی دائرۂ اعتدال میں لانے کے لئے مناسب تدبیریں
 افراد ملت سے درخواست کی جائے کہ وہ نمود و تماشا کی غرض سے زیادہ سے زیادہ سامانی چیز دینے سے اجتناب کریں اور اس جتنی حد
 ہمیر کی طرف زیادہ توجہ کریں جس کی طرف مطلقاً بالامین اشارہ کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی رسم ہر کی تجدید کے لئے ہم چلائی جائے۔
 خوش حال زندگی بسر کرنے کے لئے ایک اور اہم مسئلہ، جسے عام طور پر نظمہ انداز کر دیا جاتا ہے حالانکہ وہ بنیادی اہمیت کا حامل
 ہے، یہ ہے کہ دونوں کے درمیان فکری اور نظمہ یا قیاسی طور پر ہم آہنگی پائی جاتی ہو۔ اس کے بغیر وہ اپنی زندگی بہتر طریقے سے گزارنے کے لئے
 کبھی بھی کوئی مشترک لائحہ عمل مرتب نہیں کر سکتے۔ فریق اول برسرِ مسئلہ کو مشرقی نقطہ نظر سے دیکھنے کا اور فریق ثانی مغربی عینک کی دُست
 سے اس کا مطالعہ کرنے کا عادی ہو تو دونوں کے نقطہ ہائے نظر کے درمیان اس قدر بُعد اور اختلاف پیدا ہو جائے گا تو ای امکان ہے کہ اس
 بُعد کو ختم کرنے کی کوئی شفع ہمت نہیں کر سکے گا۔ اور نتیجتاً وہ اپنی زندگی ہی میں جہنم کی سیر کریں گے۔ اس لئے مستحقہ افراد (ڈاکے اور لڑکی)
 کے درمیان فکری اور نظمہ یا قیاسی ہم آہنگی کا ہونا بھی اشد ضروری ہے۔

تقریر سیرت النبیؐ کی مفت تقسیم

اخبار الجماعت، کراچی کی طرف سے ہر سال عید میلاد النبیؐ پر سیرت
 حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان افروز کتابیں شائع کی جاتی ہیں جو سارے
 ملک میں مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ اس سال ربیع الاول کے پہلے ہفتہ میں تقریر سیرت "رسول اللہ کے میٹھے بول"
 شائع کی جا رہی ہے جو پاکستان اور ہندوستان ہر جگہ وسیع پیمانہ پر مفت تقسیم کی جائیگی صرف ڈاک خرچ کیلئے
 سات پیسے کے ٹکٹ لفافہ میں ارسال کر کے اپنا نام و پتہ پہلے ہی درج کرالیں تاکہ میلاد النبیؐ سے پہلے پہلے آپ
 کو بذریعہ ڈاک تقریر سیرت مفت ارسال کی جائے۔
 (نوٹ، بھارت کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لئے ڈاک کے ٹکٹ ہم اپنے پاس سے لگائیں گے۔)

پتہ -۱

سرور شاہ گیدانی ایڈیٹر الجماعت کراچی ۷۷

سوز و ساز

تسکین قرشی

نظر اٹھتی نہیں اور آگئے وہ
زباں کھولی نہیں اور ہو گئیں بات

سراپا شرق ویکسیر بے نیازی
یہی جذب و جنوں کی ہیں علامات
زیارت گماہ اہل جستجو ہیں !
مری ہر لغزشوں کے لٹانات
خود کی دسترس، مد نظر تک
جنوں ہے صاحب کشف و کلمات
مجھ کل محبت و اعظافیں تسکیں
بہت یاد آئے یخانے کے دن رات

ہوش تری

وہ لقاضے جنوں اب کے بہاروں میں نہ تھا
ایک دامن بھی تو الجھا ہوا خادوں میں نہ تھا
انکب غم غم گئے یاد آتے ہی اُن کی صورت
جب چوہا چاند تو پھر نور ستارہ میں تھا
مرنے جینے کو نہ سمجھے تو خطا کس کی ہے
کون سا حکم ہے جواں کے اشاروں میں تھا
ہر قدم خاک سے دامن کو بچا یا تم نے
اور یہ شکوہ کہ میں راگبند اداں میں تھا
تم سا لاکھوں میں نہ تھا جانِ تنہا لیکن
ہم سا محروم تنہا ہی ہزاروں میں تھا

ہوش کرتے نہ اگر ضبطِ فغاں کیا کرتے

پریش غم کا سلیقہ بھی تو باروں میں نہ تھا

مجھ سے مل کر بھی اسے دوست ہم کیا کریں
دل سے جانا نہیں دل کا غم ہم کیا کریں
اب کسی اور سے عجز غم کیا کریں
جب نہیں بک رہے ہو کہ ہم کیا کریں
لذت شغل آہ و فغاں کیا کریں
شکر التام شب آئے غم کیا کریں
کیا کریں اُن کے جو دستم کا نگہ
دل بھی غم نہیں اُن سے کم کیا کریں
عاشقِ عاشقی ہے، گدائی نہیں
پھر کسی سے سوال کر م کیا کریں

تھی بہت حسرتِ پائمالی مگر
رک گئے خود اُنہیں کے قدم کیا کریں
کام آئی نہ تسکینِ سلامت روی
پڑ گئے اند بھی بیچ و غم کیا کریں

(۲)

اُدھر ساقی، اُدھر پیرِ خضایات
مباہکے پستانِ خوش اوقات
غم دل کے بہت نازک ہیں حالات
شکایت لبِ پآئی اور غمی بات
سمجھ لیں اہل دنیا خوب یہ بات
کہ دنیا ہی نہیں دارِ مہکانات
بہت دلکش ہی ہر عالمِ حسن
مگر بے رخی میں ادھی بات
کل عشق ہیں یکں ہیں دونوں
غمِ فرقت ہوا عیشِ ملاقات

(۲۱)

اے عشق تیری دوسری منزل بھی ہے کہیں
مرنا ہے ابتدا میں تو کیا انتہا میں ہے
لائی ہے جب صبا تو چمکتے ہیں بام و در
یہ روشنی کی کیا تری لئے تاباں ہے
ہر رنگدانشاں ہے تری سمت کا منگر
اقرار نارسا بھی ہر کہ نقشِ پایاں ہے
توصیفِ حسن، اصل میں ہے وصفِ حسن ساز
بندوں سے جس کو پیادہ ہے یا غلامیں ہے
یہ تشنگی یہ پاس و فدا، یہ جرمِ غم
کیا کاروانِ عشق کسی کو لایاں ہے

(۳)

کس سے کہئے کہ زمانے کو گراں گزرا ہے
وہ نسا نہ جو مری حسرت گفتا رہیں تھا
دل کہ آتا ہی نہیں ترک تن کی طرف
کوئی اقرار کا پہلو ترے اٹکا رہیں تھا
کچھ تجھے یاد ہے اے چشمِ زلیخا نے جہاں
ہم سا یوسف بھی کوئی مصر کے بانا رہیں تھا
زندگی جانہ کی شام و سحر سے آگے
ساما عالم اسی آئینہ حکما رہیں تھا

عمر بھر چشمِ زن کو ہی جس کی تلاش
ہوش و ہوش گریزاں کراشا رہیں تھا

شفقت کاظمی

ترے حضور جو لب پر نہ آسکا ہوگا
وہ حرف ہم نے اے شاد میں کہہ دیا ہوگا
خبر نہ تھی کہ سب جاوے دف ہم کو
قدم قدم پہ بلاؤں کا ساں ہوگا
تجھے خیال بھی اُس کا نہیں مگر اب تک
کوئی غریب تری ماہ دیکھت ہوگا

کبھی نے ہم کو دیا ہے جود و تنہائی
کبھی تو اُس کا عانا بھی سوچا ہوگا
بہارِ جن کا مقصد نہ ہو سکی ہوگی
چمن چمن انہی پتھروں کا تذکرہ ہوگا
اُسی قدم سے دل کی ہوس پڑی ہوگی
تو کنگاہ نے جتنا کرم کیسا ہوگا
بسا ہوا ہے جو اک اجنبی مرے دل میں
فرد مجھ سے وہ شفقت کہیں ملا ہوگا

عروجِ زیدی

ناشِ ماژنہاں نہ ہو جائے دل کی دھڑکنِ زباں نہ ہو جائے
اُن کے قدموں کو نسبتِ آدہ لگی بلکشاں نہ ہو جائے
کرم بے سبب کا طالب ہوں مستم ناگیاں نہ ہو جائے
غم چھپانے کو شکرِ قافوں وہ کہیں بیدار نہ ہو جائے
بڑھتے بڑھتے یہ ہے مری نظر پردہ درمیاں نہ ہو جائے
جنبہ و کجاہی دلِ مسک ہے عقیق اگر پاباں نہ ہو جائے
جذبہ چاہے لب نہیں کھٹکتے آدھی ہے زباں نہ ہو جائے
نوگو غمِ بنا کے مجھ کو عروج
وہ کہیں ہمسایاں نہ ہو جائے

شمارِ مری

پھر یہ بندہ کہ ہے شوقِ معریت پھر زنتی بے اس کا انسانیت
پھر عصائے کس کی حاجت مری پھر ہے وہ پیرِ بھری افرغیت
ڈھل گئی شامِ تیریاں چھٹ گئیں دن کے سورج سے پھر چھٹنے لگے
دویشاں مری لڑکے لگا گیا ایک دلکش سی مینا و جہرِ دیت
باہِ خوار کی ہے اطمینانِ تیرے پھر ہی میرے وطن کی میں پاکستان
چو بایا تفس و اغوا ہے عصمت دلی ایسا پیرِ عربِ غیریت



روح انتخاب طلبکیشن کی رپورٹ

ایک جائزہ

د اسلامی جمعیت طلبہ کراچی کی جانب سے ایک کتابچہ پیش کیا گیا ہے جس میں طلبہ کیشن کی رپورٹ کا
جس ایم ای فراسٹ علمی و تعلیمی بصیرت اور بالائے نظری کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے وہ اس کا
مقتضی ہے کہ یہ ممکن ہے صرف قارئین نامان تک پہنچا دیا جائے۔ (م۔ ق۔ م)

دوسرے حصے میں حکومت نے سپریم کورٹ کے جج جناب محمد داؤد صاحب کی سرکردگی میں جو کیشن قائم کیا تھا اس کی رپورٹ اس
ماہ شائع کر دی گئی ہے، کیشن کا کام یہ تھا کہ تعلیمی دنیا کو جو مسئلہ پیش ہیں ان کا جائزہ لے اور ان کے حل کے لئے محسوس اور عملی سفارشات
پیش کرے۔ کیشن نے پورے ملک کا دورہ کر کے اساتذہ، طلبہ اور تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے دیگر تمام افراد سے ملاقاتیں کی ہیں
اور تقریباً ایک سال کی محنت اور غور و فکر کے بعد یہ رپورٹ مرتب کی ہے۔

۱۔ نظریاتی پہلو

جہاں سے نظام تعلیم کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ اب تک نظریاتی بنیادوں پر اس کی تشکیل تو نہیں کی گئی ہے، ایک لادینی اور مادی
تہذیبی نظام کے لئے یہ چاہیے بالکل مناسب جو لیکن ایسی ریاست کے لئے جس کی بنیاد اسلام کا ہمہ گیر نظریہ حیات ہے وہ نہ صرف غیر
اطمینان بخش ہے بلکہ مثبت طور پر اس کو نقصان پہنچانے والا ہے۔ قومی لحاظ سے ہماری اس سے بڑی ناکامی اور کوئی نہیں کہ ۱۹۸۱ء سال
کی مدت میں بھی ہم اس نظام کو نئی شکل نہیں دے سکے ہیں اس قومی کو سب محسوس کرتے ہیں خطبہائے تعلیم اس میں طلبہ میں اعلیٰ اخلاقی اقدار
اور مضبوط سیرت و کردار کے فقدان کا شکار ہو گئے ہیں لیکن کوئی محسوس قدم اصل مسئلہ کو حل کرنے کے لئے نہیں اٹھایا جاتا۔ جب تک
نظام تعلیم طلبہ کو زندگی کا کوئی اعلیٰ مقصد عطا نہ کر دے گا، ان میں نظم و ضبط کا فقدان اخلاقی اقدار سے روگردانی یہاں تک کہ پڑھائی
تک میں عدم دلچسپی کی شکایات درج نہیں ہو سکتیں۔ قومی تعلیمی کیشن کی سربراہ ناگامی بھی یہی تھی کہ اس نے انگریزوں کے چھوڑے ہوئے اس
نظام تعلیم میں کسی بنیادی اور ہمہ گیر تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی اس لئے اسے ایک ایسے کن رپورٹ قرار دیا گیا۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ
موجودہ رپورٹ بھی، اپنی بعض جہدی خوبیوں کے باوجود اس بنیادی مسئلہ کو حل کرنے کی کوئی خاطر خواہ کوشش نہیں کرتی۔ بلکہ مقام حیرت
وانسوس ہے کہ تبدیلی کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتی!

کیشن کا دائرہ کار محدود نہ تھا اس نے خود تسلیم کیا ہے کہ اس کا دائرہ کار اتنا وسیع تھا کہ تعلیمی دنیا سے متعلق ہر مسئلہ اس میں آسکتا تھا۔ اصطلاحاً یہی وجہ تھی کہ جمیٹ نے کیشن کے سامنے جو یادداشت پیش کی اس میں جہاں بھرپور انداز سے جزیعی اور وقتی ساقی کی طرف توجہ دلائی وہیں پرزور الفاظ میں یہ بھی واضح کیا کہ موجودہ نظام کو اسلام کے سانچے میں ڈھانے بغیر مل کے مل کی ترقی محبت ہے۔ تعلیمی نظام کے غلط ترغ پر چلنے کی وجہ سے جو مسلسل اور ناقابل تلافی نقصان ایک آزاد مسلمان قوم کی حیثیت میں ہم کو پہنچ رہا ہے، اس کی بنا پر تو قح تھی کہ کیشن اپنے فرائض سے جہدہ برآ ہونے کے لئے نظام تعلیم میں بنیادی تبدیلی کی سفارش ناگزیر تصور کر رہا لیکن کیشن نے نہ صرف یہ کہ موجودہ نظام پر اپنے کامل اطمینان و اعتماد کا اظہار کیا ہے بلکہ یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ وہ بے مقصدیت جواب تک ہمارے نظام تعلیم پر چھائی ہوئی تھی اب ختم ہو چکی ہے۔ (صفحہ ۲۴) کیشن نے لکھا ہے کہ ہم نے کوشش کی ہے کہ اپنی موجودہ تعلیمی پالیسی میں اصلاحات کے اس نظام میں جو اس وقت جاری ہے کسی قابل لحاظ تبدیلی کی سفارش نہ کریں۔ (صفحہ ۱۹) کیشن نے جا بجا رسوائے زمانہ قومی تعلیمی کیشن کی رپورٹ کو مرکزی نقطہ احصاء یعنی مانا ہے اور انہیں اس میں کوئی خواہی نظر نہیں آسکی۔ اس طرح یہ دراصل اسی رپورٹ کا ایک تہمت ہے اور یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس کی سفارشات کو زیادہ خوش اسلوبی سے ناند کرنے کا راستہ بتانے والی ہے۔

اسلامی نظام تعلیم کے بارے میں کیشن کے فاضل ممبران نے جس پریشان فکری کا اظہار کیا ہے وہ اس امر کی عکاس ہے کہ یا تو تعلیم کے اساسی اور خصوصیت سے نظریاتی اہم کے بارے میں ان کا علم بہت محدود ہے اور اس کا اعتراف تو خود کیشن نے کیا ہے کہ اس کا کوئی بھی ممبر طلبہ یا تعلیم گاہوں کے معاملات سے بہاد راست تعلق نہ رکھتا تھا۔ (صفحہ ۲۴) پھر وہ اسلام کے تصور تعلیم سے واقف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "مختلف علوم و فنون میں مسلمانوں کا جو حصہ رہا ہے اگر اسے بھی پڑھا دیا جائے تو یہ بہت کافی ہے (صفحہ ۵۰) پھر وہ یہ فرماتے ہیں کہ طبیعات، ٹیکنالوجی، انجینئرنگ اور دوسرے سائنسی اور فنی مضامین کو اسلامی نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ کیا ہم یہ سفارش کریں کہ ان علوم میں مسلمانوں کے زمانے کے بعد جو کچھ ترقی ہوئی ہے اس سے ہم اپنے طلبہ کو ناواقف رکھیں (صفحہ ۲۵) اسلامی نظام تعلیم کے بارے میں اتنی بچکانہ بات کی تو قح کیشن کے فاضل ممبران سے کوئی بھی نہ کر سکتا تھا۔ انہیں یہ کہ وہ اس بنیادی بات کو بھی نہیں سمجھ سکے کہ نظام تعلیم کسی نسبی تہذیب اور ثقافت کا آئینہ دار ہوتا ہے اور اپنے طلبہ کو اس مخصوص نظام کا علمبردار بناتا ہے یہ نظریہ حیات اس کے طریق تعلیم اور طرز تعمیر ہی میں نہیں، لہذا بات مضامین کی ایک ایک سطح میں اور تعلیم گاہوں کے سڈروم کے معاملات تک میں سمیٹا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے تحت تربیت پانے والے کی پوری شخصیت پر اس کی چھاپ ہوتی ہے۔ پھر وہ کسی دوسری تہذیب کے نقال اور اس کے گن گانے والے نہیں ہوتے۔ جب اس ملک کے باشندے اسلامی نظام تعلیم کا مطالبہ کرتے ہیں تو وہ اپنی اولاد کے لئے ایسے نظام تعلیم کا مطالبہ کرتے ہیں جو سائنس اور ٹیکنالوجی اور دیگر علوم میں ان کو درجہ اول کا ماہر تو بنائے لیکن ان کی شخصیت ان کی فکر اور ان کا عمل اسلامی نظام حیات کا عملی سپیکر ہو۔ محسوس نہیں کیشن کے معزز ممبران یہ مونی سی بات کیوں سمجھ نہیں پاتے کہ جب تک ہمارا نظام تعلیم زیر تعلیم نس کو ہمارے بنیادی عقائد سے کائنات کا ایک خالق ہونے کے، اسلام کے ممکن ضابطہ ہدایت ہونے کے اور آخرت میں جہاد ہی کے تقاضات سے آراستہ نہیں کرے گا ہم نہ تو اچھے مسلمان بن سکیں گے اور نہ اچھے ماسر مغرب کی خوش چینی کر کے ہم دنیا کی فکری دنیا میں نہیں سنبھال سکتے، دنیا کے ایک پیر میٹ نے خواہ وہ بی اے تک ہو یا انجینئر تک، نہ یہ کام فاضی میں سر انجام دیا ہے اور نہ مستقبل میں دے گا کیا ۱۸ سال کا تجربہ ہمیں یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ اس بنیادی اصلاح کو نہ کرنے اور اپنا رشتہ اپنی تہذیب و ثقافت سے نہ جوڑنے کی وجہ سے ہم تعلیم کے میدان میں ہار رہے ہیں۔ ہمارے اسباب کار کا دعویٰ ہے کہ گزشتہ ۱۸ سال میں تعلیم کے میدان میں نمایاں ترقی ہوئی ہے لیکن اس رپورٹ نے تعلیمی اداروں کا جو آنکھیں کھول دینے والا نقشہ کھینچا ہے وہ خود گاہ

ہے کہ کیا ترقی ہو سکتی ہے !! پس اس کمیشن کی سب سے بڑی ناکامی یہی ہے کہ اس نے نظریاتی تفکیکوں کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے اور تعلیم اور اسلام کو دو علیحدہ عناصر تصور کیا ہے۔

تعلیم کی نظریہ حیات سے لاقصدی کا بنیادی نقطہ نظریہ ہے جو ساری سفارشات میں کارفرما ہے۔ چونکہ وہ تعلیم اور نظریہ حیات میں کوئی ربط تلاش نہیں کر سکے ہیں اس لئے یہ اگر مشنری اسکولوں میں دی جائے تو بھی مناسب ہے! اور قومی زبان میں نہ دی جائے تب بھی کوئی فکر کی بات نہیں!! اسی لئے ان کی ساری سفارشات اس محمور کے گرد گھومتی ہیں کہ تعلیم کے لئے انتظامات مناسب ہونے چاہئیں۔ کلاس روم کٹ دہ ہوں کھیلوں کے میدان موجود ہوں، فرنیچر مناسب ہو، رہائش کا انتظام معقول ہو۔۔۔ یہ سب بجا لیکن کیا یہ ہمارے مسائل کا حل ہے، کیا یہ طلبہ کی بے چینی کو، ان میں نظم و ضبط کے فقدان کو مایوسی اور بے اطمینانی کے احساسات کو تعلیم کے تشریف کشان کرتے ہوئے معیار کو اور امتحانات میں ناجائز نتائج کے کھلے ہندول استعمال کو (صفحہ ۱۰) ختم کر دے گا۔ کاش کہ وہ یہ محسوس کریں کہ جب تک ہم اپنے طلبہ کو کسی مقصد حیات سے منہ نہ کر دیں اور ان کی ساری سعی و جہد کو اس اعلیٰ ترین مقصد کے گرد نہ گھمائیں جو اسلام ان کو عطا کرتا ہے ان کوششوں کے لئے ناکامی مقدر ہے، اور اگر ان کوششوں کو کامیابی نصیب ہو بھی جائے تو اس کا حاصل اس کے علاوہ اور کیا ہوگا کہ ہم مغرب کی تہذیب کو جس کا علمبردار یہ نظام تعلیم بنایا وہ بہتر اور مستند کارکن فراہم کر کے دیں گے!

۲۔ واحد نظام تعلیم

کمیشن کی دوسری اہم ناکامی یہ ہے کہ وہ پورے ملک کے لئے ایک کلی اور سہل گیر نظام تعلیم کی ضرورت محسوس کرنے سے قاصر رہا ہے۔ رائج الوقت نظام مختلف نصاب، نئے تعلیم کے تحت ذہنی و فکری لحاظ سے تنہا و افراد تیار کر رہا ہے مستقبل کے لئے یہ جتنا بڑا خطرہ ہے اس کا اندازہ ہر کسی کو ہے لیکن کمیشن اسے جاری رکھنے کے حق میں ہے۔ چنانچہ اس کی سفارش ہے کہ ”عربی مدارس، دسکالٹ، پرائمری کے بعد ان طلبہ کی ذمہ داری سنبھالیں جو ان کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں“ (صفحہ ۳۴)۔ یہ مطالبہ بھی رد کر دیا گیا ہے کہ انگلش میڈیم اور کنڈ گارڈن اسکولوں اور عام اسکولوں کے تفاوت کو دور کیا جائے۔ (صفحہ ۱۱) کمیشن نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ہمارے سامنے مختلف طبقات کے لئے مختلف قسم کی تعلیم گاہوں میں مختلف طرز تعلیم کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے، لیکن ان کے لئے جو علاج تجویز کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جاپان کی طرح سارے مڈل اور ہائی اسکولوں میں اسکول یونیفارم جاری کرنے پر غور کیا جائے۔ کمیشن نے توقع ظاہر کی ہے کہ اس طرح وہ قصود مساوات حاصل ہوگا جو اسلام پر پا کر اچھا ہوتا ہے۔ (صفحہ ۳۲)

میشنری اسکول

ان مختلف قسم کے اداروں میں ایک قسم مشنری اسکولوں کی ہے جن کے لئے کمیشن نے جو بجا کلمات جیر کہے ہیں یہاں تک کہ معلوم ہوا کہ دینیات کی تعلیم بھی سب سے اچھی پسند دی جاتی ہے (صفحہ ۱۱) صرف ایک مختلف اسکول ہونے کے لحاظ سے نہیں بلکہ صریح طور پر نظم و ضبط پاکستان اور پاکستان کے مذاہبات کے خلاف کام کرنے والے اداروں کی حیثیت سے ان کے بند کرنے یا انہیں صرف ان کے ہم مذہبوں تک محدود کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ان اسکولوں کے بارے میں اخبارات میں آئے دن واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں کہ کس طرح یہ اسلام اور اسلامی عقائد کی اذیت اور عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں ان کی وسعت و اشاعت کا عالم یہ ہے کہ صرف کراچی میں، صرف کیتھولک بورڈ ۲۲ پرائمری اسکول مشنری اور کم کالج چلا رہا ہے جو عام میں ان کی سرگرمیوں کے خلاف سخت ختم دفعہ ہے لیکن کمیشن نے انہیں بھی وہ تحفظ عطا کیا ہے اور بہترین کارکردگی کا وہ سرٹیفکیٹ ضمانت فرمایا ہے جو اس سے پہلے سرکاری طور پر انہیں شاید نہ ملتا ہو۔ یہ الزام کہ ان اسکولوں میں مشنری کام ہوتا ہے اور جو طلبہ منظرین کے ہم مذہب نہیں ہوتے انہیں مختلف طریقوں سے مذہب تبدیل کرنے پر آمادہ کیا جاتا ہے صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

س کے لئے کوئی ثبوت نہیں؟ (صفحہ ۱۱)

۳۔ تحدید تعلیم

تعلیم کو محدود کرنے اور اعلیٰ تعلیم کو کم سے کم خوش قسمت افراد کے لئے قابض کرنا چاہئے۔ اس سے یہ یقین نہ ہو کہ تعلیم کا مکمل ماحول ہے۔ اس کی نظر میں بہت سے مسائل کا حل ہیں۔ جیسے جیسے تعلیم کا نتیجہ ہیں۔ طلبہ کی تعداد میں زیادتی انہیں ناگوار گذرتی ہے۔ وہ اس کا علاج یہ نہیں جانتے کہ کچھ اور کھولے جائیں بلکہ یہ جانتے ہیں کہ طلبہ ان کا حل تک کم ہو گئیں۔ چنانچہ "نہ تو یہ ممکن ہے اور نہ پسندیدہ ہے کہ تیسرے پنجاب سے صرف لڑکے ہی آئیں اور صرف ایک لازمی تعلیم کر دی جائے۔" (صفحہ ۳۳) اگر کالجوں میں "بے سوچے سمجھے داخلہ کی سہ" کو کم کرنا ہے تو BIFURCATION کی اسکیم پر عمل غور کرنا ہے۔ (صفحہ ۳۶) کمیشن کی نظر میں طلبہ کو میٹرک کے بعد تعلیم چھوڑ دینی چاہئے یا بہت سے بہت اہلکار کے بعد۔ وگرنہ کالجوں میں بہت کم طالب علم پیچھے نہ آئے انہیں سلیقہ سے پڑھایا جائے اور پھر درجہ گری کے مسائل بھی پیدا نہ ہوں۔

شام کے کالج

شام کے کالجوں کے بارے میں بھی اس روشنی میں سفارش کی گئی ہے کہ اب جب کہ سارے لبرل ڈاؤنریو میں امتحانات کی اجازت دے دی ہے تو ان طالبان علم کے لئے جو ملازمت کرتے ہوں یا کسی وجہ سے دن کے کالج میں داخلہ نہ دے سکے ہوں۔ دروازے کھلے ہوئے ہیں اس طرح اب شام کے کالجوں کی ضرورت کم سے کم تر ہو گئی ہے۔ لبرل ڈاؤنریو میں سے باقاعدہ الحاق کے بغیر یہ شام کے وقت COACHING CENTRES کے امتحان پر چل سکتے ہیں۔ (صفحہ ۴۹)

۴۔ ذریعہ تعلیم

گزشتہ چند سالوں میں ذریعہ تعلیم کے مسئلہ کو ملک کے ماہرین تعلیم نے سنجیدگی سے سوچا ہے اس کے نتیجے میں کراچی اور پنجاب کی جامعات نے اپنی حد تک اردو ذریعہ تعلیم اختیار کرنے کے لئے عملی اقدامات اٹھائے ہیں۔ اوجھڑی کے کالجوں میں اور مشرقی پاکستان میں بھی اس بحث پر یونیورسٹی نے ہنگامہ کو ذریعہ تعلیم بنانے کی طرف عملی اقدام شروع کر دیے ہیں۔ ہمارے ارباب کار میں ایک مقرر طبقہ ایسے افراد کا ہے جو اب تک انگریزی سے اتنا تعلق محسوس کرتے ہیں کہ کسی نہ کسی بہانے قومی زبان کی ترویج کو ٹالنا چاہتے ہیں۔ پس منشی کے کمیشن نے اپنا وزن اسی دوسرے گروہ کے پارٹیکل میں ڈالنا پسند کیا ہے۔ پنجاب اور کراچی کی جامعات نے جن مشکلات اور حالات کے علی الرغم قومی زبان کو ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے اختیار کیا ہے اس پر بہت افزائی کا کوئی کلمہ تو کیا، کمیشن نے اس پر اپنے عقیدہ و غضب کا اظہار کیا ہے۔ اس میدان میں جو انتشار ہے اور کسی متوازن اور ہم آہنگ پالیسی کے فقدان کی جو کیفیت ہے، اس پر حکومت کی کوئی گزرت نہیں کی گئی ہے۔ اس معاملہ پر کمیشن نے ۹ (۱۰-۱۱) صفحے لکھے ہیں ہم چند اقتباسات پراکتفا کریں گے۔ ہم اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہماری بعض یونیورسٹیوں نے ذریعہ تعلیم کی تبدیلی کی سفاک تیز رفتاری سے محسوس محدود سے تجاوز کر کے ٹھنڈے فیصلے سے زیادہ جذبات میں پھنسنے کو ترجیح دی ہے۔ (صفحہ ۱۱۲)۔ جگہ اور اس کے بعد اصطلاحات ہمارے طالب علموں کے لئے ناقابل فہم ہوں گی۔ (صفحہ ۱۱۵)۔ کراچی یونیورسٹی کا فیصلہ تو اتنا DRASTIC کہ ۶۵-۶۶ء کے بعد اب کوئی طالب علم جس نے انگریز میڈیم اسکولوں میں پڑھا ہو اس کے تعلیمی احوالوں میں اعلیٰ تعلیم کے حق سے محروم رہے گا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ کراچی یونیورسٹی کو اس بات کا کیا حق تھا کہ وہ طلبہ کے ایک مستند طبقہ کو اس طرح تعلیم سے محروم کر دے۔ (صفحہ ۱۱۵-۱۱۶)۔ دیکھا ہم یہ عرض کریں کہ ہمارے تعلیمی اداروں کو یہ حق کہاں سے حاصل ہو گیا ہے کہ وہ انگریزی ذریعہ تعلیم برقرار رکھے کہ اردو میڈیم اسکولوں کے طلبہ کو اعلیٰ تعلیم سے محروم کریں؟ جو کہ اس مسئلہ کا حل یہ نہیں ہے کہ انگریز میڈیم اسکولوں میں بھی قومی زبان کو اختیار کیا جائے نہ کہ ان کی منشی بھرتیوں کی خاطر اعلیٰ تعلیم کا سا نظام خواب کیا جائے؟ آخر ہمارے فاضل ممبران کے جذبات انگریز میڈیم اسکول کے طلبہ کے لئے

اتنے نازک کہیں ہو جاتے ہیں؟ — فلیجیہ تعلیم کے مسئلہ پر یہ کمیشن میں اب اس مقام پر پہنچا کرتا ہے کہ ”مرکزی فلیجیہ تعلیم کی بنیاد میں ایک کمیشن بنائی جائے جو ساری صورت حال کا تفصیل جاننے کے لئے کرنا ہے کہ فلیجیہ تعلیم میں تبدیلی کب سے کی جائے؟ اور جب تک یہ کمیشن مطمئن نہ ہو کہ تبدیلی ممکن ہے کب یونیورسٹی کا جانتا نہ ہو کہ وہ از خود فلیجیہ تعلیم تبدیل نہ کرے۔“ صفحہ ۱۱۴۔ گویا کہ ہنزہ رینڈا لائی کی کیفیت ہے اور جو قدم صحیح سمت میں آگے بڑھ چکے ہیں ان کو ختم کر دیا جائے، اگرچہ اور پنجاب کی یونیورسٹیوں نے ایک ہی تو ایاب فیصلہ کیا تھا، مگر یہ پوری قوم نے ان کی تائید کی تھی۔ لیکن انیسویں کمیشن کو یہی اقدام سب سے زیادہ ناگوار لگتا ہے۔ انگریزی کے لئے یہ رواداری غیر ملکی مشترک اداروں کے لئے یہ وسعت اور بے جا دی قومی زبان کے لئے یہ غلط و غلط اسے ہماری بنیاد کہ ہم بتائیں کیا

۵۔ مخلوط تعلیم، ضرورتوں کی تعلیم اور خواتین یونیورسٹی

حکومت کی تعلیم کے بارے میں بھی کمیشن کوئی صحیح طور پر فکر پیش نہ کر سکا۔ کمیشن نے اس پر علیحدہ گفتگو میں صرف ایک صفحہ صرف کیا ہے اور تینوں اہم ترین مسائل کو اس میں بننا دیا ہے۔ مخلوط تعلیم کا ہمارے دین اور معاشرت کے خلاف ہونا تو امر مسلمہ ہے ہی لیکن گذشتہ سالوں میں اس نے تعلیم کا بہرہ کے، اخلاقی، ماحولی کو طلبہ اور طالبات کی تعلیم میں دل چسپی کو اور تحقیقاتی تعلیم کے معیار کو جس تشریف ناز انداز سے متاثر کیا ہے، وہ آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے پھر حوصلہ لڑکی جی ضروریات اور معاشرہ میں ان کے مقام کے لحاظ سے ان کے لئے مکمل طور پر علیحدہ تعلیم کا مطالبہ باپنی طور پر ایک مناسب اندر ضروری مطالبہ تھا۔ لیکن کمیشن نے موجودہ طرز تعلیم ہی کو سبب بوجھ عطا کیا ہے اور کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے۔ ان کے خیال میں ”یہ بات عام طور پر تسلیم شدہ ہے کہ ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم کے زمانے میں مخلوط تعلیم پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے یہ بہتر سمجھا جاتا ہے کہ اگرچہ اس کی عمر کے دوران انہیں علیحدہ رکھا جائے۔ ہمارا انتظام انہی امور کی روشنی میں مرتب ہوا ہے اور بہت اچھا چل رہا ہے۔“ (صفحہ ۱۲۵) معاشرہ کے تمام پسند خطیہ کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم نے ہر ضلع میں علیحدہ انٹر کالج کی سفارش کی ہے۔ لیکن اگر اس پوزیشن میں نہیں کہ علیحدہ ڈگری کالج کی بھی سفارش کریں۔ علیحدہ نصاب کا تصور تو کمیشن کے لئے دور از کار بات تھی، یہ کہا گیا ہے کہ ”یونیورسٹیوں میں انہیں ان کی ضروریات کے لحاظ سے مناسب مضامین پڑھائے جائیں۔“ خواتین یونیورسٹی کا مطالبہ روک دیا گیا ہے ہمارے نزدیک اس کے لئے کوئی حقیقی وجہ ہونا نہیں ہے۔ کمیشن نے بار بار ہمایہ مالک کا ذکر کیا ہے کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ دین دایمان کی خاطر نہیں، دایمان و لغات کی خاطر نہیں، صرف تعلیمی ضروریات ہی کی خاطر ہندوستان نے ایک نہیں دو دو خواتین یونیورسٹیاں قائم کی ہیں! آخر کیا وجہ ہے کہ مغرب کی اندھی تقلید کی ماہ سے بہت گرسر چنا ہی ہمارے لئے مشکل ہو گیا ہے؟ اچھے لوگ جن کی اپنی پرورش اسلامی دایمان کی آغوش میں ہوئی ہے وہ بھی جب زندگی کے حقیقی مسائل کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو اپنے کو مغرب کی مروجہیت آزاد نہیں کہتے۔

۶۔ طلبہ کے اداروں میں جمہوری رجحانات کا خاتمہ

طلبہ کے مسائل کے پیدا ہونے اور ان کے بگڑنے کی سب سے بڑی وجہ انتظامیہ کی طلبہ پر عدم اعتماد ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ کمیشن اس بارے میں ضرورت کوئی مفید خدمت انجام دے گا۔ لیکن یہاں بھی مایوسی ہوتی ہے۔ الفاظ کی حد تک تو کمیشن نے یہ بات کہی ہمارے کہی ہے کہ طلبہ قابل اعتماد ہیں اور وہ لازماً سیاسی پارٹیوں کے برکائے ہوئے ہی نہیں ہوتے لیکن جب اس نے کالج یونیورسٹی کے لئے نیا نظام تجویز کیا ہے تو وہ طلبہ پر بدترین قسم کی بد اعتمادی اور سرورطن کا ثبوت دیا ہے۔ یونیورسٹی کے مراحل تک وہ طلبہ کو آزادی سے کام کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتے۔ ملک کے لی۔ ڈی کسٹم کے طرز پر ایک نیم آزاد نظام تجویز کیا گیا ہے۔ وہاں وجہ جواز عوام کا ”جابلہ“ ہونا تھا۔ کیا اب جہالت ہمارے طلبہ میں آگئی ہے کہ وہ اپنے مسائل کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ یا پھر اصل مطلب آزادی عمل اور رائے کو ختم کرنا ہے! کمیشن کے مجوزہ نظام کے تحت (صفحہ ۱۸۱-۱۸۳) کالج کی ایک کونسل ہوگی جو ۵۰، ۵۰ طلبہ کے منتخب ایک نمائندے پر مشتمل ہوگی۔ اب یہ کونسل سارے امور کی

ذمہ دار ہے۔ یہاں تک کہ نائب صدر اور جنرل سکیٹری بھی منتخب کرے گی۔ کالج کے طلبہ اس لائق بھی نہیں کہ وہ براہ راست جنرل سکیٹری منتخب کر سکیں۔ کونسل کا صدر لازماً وائس چانسلر یا پرنسپل ہوگا اور اسے کونسل کو ۳ ماہ معطل کرنے، انجمن منظور کرنے، میننگ کی تاریخ یا وقت مقرر کرنے اور کسی فیصلہ شدہ امر پر عملدرآمد روکنے کے اختیارات ہوں گے۔ غالباً اسکول کی انجمنیں اس سے زیادہ آزادی سے کام کرتی ہیں!

ہمیں نہیں معلوم کہ کیشن نے کیا سوچ کر یہ سفارشات پیش کی ہیں شاید وہ چاہتے ہیں کہ طلبہ اپنے اجتماعی معاملات میں دلچسپی لینا چھوڑ دیں، اس لئے کہ اس سے سارے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر کیشن نے طلبہ کی ان تنظیموں پر بھی بڑی سخت گرفت کی ہے اور وہ ان کو زندگی کا حق دینے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں جو بین الکیلیاتی بنیادوں پر کام کرتی ہیں۔ کیشن کی غیبت یہ ہے کہ یہ تنظیمیں کالج میں داخل ہونے والے نئے طالب علموں کو بہرہ کمالیاتی ہیں، اس لئے اگر انہیں ختم کر دیا جائے تو صورت حال تابو میں آجائے گی۔ یہ سائنس کو حل کرنے کی خاطر نوکرائشی ذمہ داری ہے اور اس طرح سائنس بھی حل نہیں ہوتے۔ طلبہ کی اچھی اور بری سب ہی طرح کی تنظیمیں ہو سکتی ہیں، کیشن کو رجسٹریشن کے قواعد کی سفارشات کرنے کی بجائے طلبہ کے شعور پر اعتماد و کیوں نہیں ہے کہ وہ غلط انداز کی تنظیموں کو خود جگہ نہ دیں گے۔ سائنس کے اٹھنے اور ان پر طلبہ کے جذبات نازک ہونے کی وجہ اس کے علاوہ اور کیا ہے کہ یہ مشکلات موجود ہیں اور جیسا کہ کیشن نے خود بھی تسلیم کیا ہے۔ حکومت دعوے کرتی ہے مگر عمل اقدام نہیں کرتی۔ اگر اس امر کی اصلاح ہو جائے تو طلبہ کا ماحول سدھ سکتا ہے۔ اندر کچھ کوئی وجہ نہیں کہ یہ تنظیمیں دوسری تعمیراتی سرگرمیوں میں مشغول نہ ہوں لیکن اگر کیشن طلبہ کی مشکلات دد کرانے کے اس ذریعہ کو بھی ختم کرنا چاہتے ہیں تو اس سے آواز ہی نہ اٹھے، تو کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ حکومت اپنی روش بدلنے والی بہر حال نہیں ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو کیشن کو اس پر کیا اعتراض ہے کہ طلبہ اپنی آواز متحدہ پلیٹ فارم سے اٹھاتے ہیں۔

۴۔ فیسوں کی شرح

فیسوں کے بارے میں کیشن کا فیصلہ یہ ہے۔

حکومت امتحان اداروں کے تحت چلنے والے اسکولوں میں فیسوں کی طرح بھی نیا دہ یا خیر معقول نہیں ہیں۔ ان اداروں میں فیس کم کرنے کا کوئی جواز نہیں نظر نہیں آتا۔ صفحہ ۲۹۔ ہم کالوں میں پچاس یا چالیس فی صد کی کمی کے مطالبہ کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔ انٹر میڈیٹ اور ڈگری دونوں جگہ ۱۰ سے ۲۰ روپے ماہانہ تک فیس لی جاتی ہے اور اسے کسی طرح بھی نیا دہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ صفحہ ۵۰۔ مغربی پاکستان کے بعض طلبہ نے امتحانات کی فیسوں میں کمی کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ ہم مطمئن ہیں کہ امتحانات کی جو فیسیں اس وقت لی جا رہی ہیں وہ معقول ہیں اور ان میں مزید کمی کا کوئی سوال نہیں۔ اس لئے ہم اس مطالبہ کو حق بجانب نہیں سمجھتے۔ صفحہ ۱۰۶۔

۸۔ یونیورسٹی آرڈیننس

طلبہ کے حامی اتحاد کو بروئے کار لانے والے حوالوں میں سے ایک یونیورسٹی آرڈیننس بھی تھا جس کے بارے میں توقع تھی کہ کیشن اس کے سراسر مغرور پوری مزاح کے پیش نظر اس کی تیش یا کم از کم اس میں بنیادی ترمیمات کی سفارش کرے گا۔ لیکن اسے بسا آزد و کہ خاک شدہ اکیشن نے اس بارے میں طلبہ اور اساتذہ کے نقطہ نظر کو سمجھنے میں بڑی کوتاہی کی ہے۔ اس آرڈیننس نے تعلیمی زندگی کو ایسے ناساڈا ضابطوں اور بندھنوں میں باندھ دیا ہے کہ یونیورسٹیوں اور سرکاری ڈیپارٹمنٹوں میں بدل گئی ہیں۔ اور باہم اعتماد کی فضا معدوم ہو گئی ہے۔ کیشن کا قصہ یہ کہ دنیا کا اختیارات پہلے بھی تھے کوئی صل نہیں۔ بلاشبہ انتظامی امور میں کچھ ناخوشگوار لحاظ بھی آتے ہیں لیکن ان کی بنا پر رجسٹریشن اور دست مکملہ اور دست مکملہ دست مکملہ کو مسترد کرنا نہیں دی جاسکتی۔ مشنری اداروں اور انگریزی ذریعہ تعلیم کے اداروں کے سلسلہ میں نوکیشن کو دستہ کے بنیادی حقوق کا بڑا خیال رہا

لیکن تمام اساتذہ اور تمام طلبہ کے معاملہ میں انفرادی بنیاد پر حقوق کا احساس کیوں پیدا نہ ہوا؟

کیشن کی تعلیمی تجاویز

ہم اس ویسٹ انڈیائی ہائر سیکونڈری میں کوئی بھی گمراہی نہیں ہوئی کہ اگر یہ اعتراض نہ کریں کہ ان کمزوریوں کے باوجود اس رپورٹ کے بعض اچھے پہلو بھی ظاہر ہو سکتے ہیں تو خود کرنے کے لئے جو کچھ تجاویز پیش کی جاسکتی تھیں وہ اس نے پیش کی ہیں اس کی بہت مفید اور تعمیری تجاویز پیش کی ہیں۔ لیکن ان تجاویز کے بعد عمل ہونے اور نتیجہ خیز ہونے کا سارا انحصار اس پر ہے کہ حکومت ان پر غور و خیانت داری سے عمل کرے۔ کیشن نے تعلیمی اداروں کے لئے بہت ضرورتوں کی جو فہرست دی ہے، جلد از جلد سب اداروں کو اس میں اپنا پیسہ بچھنا چاہیے۔ کیشن نے سفارش کی ہے کہ طلبہ کے لئے مفت طبی امداد کے لئے انشاء کئے جائیں، بسوں کے کرایوں میں رعایت کا انتظام کیا جائے کراچی میں سرکلر ریل سے یونیورسٹی سے قریب کیشن قائم کرے، ہوشیوں کا معقول اور سارا انتظام ہو، لٹریچر کی کتب سستی ہوں، باسٹانہ بدلیں اور آسانی سے دستیاب ہوں۔ امتحانات میں ناجائز طریقے کے استعمال کا سدباب کیا جائے تعلیمی ادارہ میں پولیس کا داخلہ ممنوع ہو۔ پائلٹ اسکولز کی ڈگری لینے کا اختیار واپس لیا جائے۔ اساتذہ کو باعزت مقام دیا جائے۔ ملازمتوں کے قوانین منظر انصاف کے اصول کے خلاف نہ ہوں۔ اور اس طرح کی دوسری وہ سفارشات جنہیں کیشن نے حق بجانب مانا ہے ہم حکومت سے پرہیز و مطالبہ کریں گے اب جبکہ یہ مطالبات طلبہ کے مطالبات نہیں بلکہ کیشن کے مطالبات ہیں انہیں پریشانی یا دشواری کے بہانے کا الزام نہیں لگ سکتا تو وہ کسی مختصر اور متعین میں ان کو لپکا کرے۔ لیکن اس ضمن میں ہم فاضل ممبران کیشن، ارباب حکومت اور تمام اساتذہ و طلبہ کو ایک نکتہ کی طرف دعوت کر رہے ہیں گے

یہ تجاویز ایسی نہیں جن کی اچھا یا برا کیشن نے دی یا منت کی ہو مگر مشورہ اس میں یہ امر بھی مشتبہ نہ تھا کہ طلبہ کے لئے سائنس کا اضافہ معقول ہونا چاہئے مگر مسئلہ ایسا نہیں ہوا اب ہم کس بنیاد پر یہ توقع کریں کہ ان تجاویز پیش ہو جائے گا؟ ہم یہ عرض کریں گے کہ ان تجاویز پر عمل کرنے ضروری ہے کہ ساری مشینری و یا سارا مواد، خدا سے ڈرنے والی اور اخوت کی جماعت کی احساس رکھتی ہو اور خود عوام کے سامنے بھی جوابدہ اگر یہ نہ ہو اور سفارش کر لیں اور مشورہ ہو تو بعض قواعد و قوانین یا تجاویز و سفارشات کبھی کوئی اصلاح نہیں لایا کرتیں۔ خود کے لئے دو مثالیں ہیں۔

کیشن نے خود تسلیم کیا ہے کہ INTERNAL EVALUATION کے لئے ہم نے کسی سے کلیم نہیں سنا (صفحہ ۵) اس کی ناکامی کی کیا ہے؟ اساتذہ کا کردار یا کچھ اور! لیکن کیشن کے پاس اس کے لئے کوئی سفارش نہیں کہ کم از کم اساتذہ کے ٹریننگ کالج میں کرواد کی تربیت کا ایسا اسلامی عقائد کی بنیادوں پر انتظام کیا جائے اور اساتذہ کی عملی تربیت کی نگرانی جائے۔

امتحانات میں بیعت نامی کی باکتنان گیر شکایات پر کیشن نے تشریح محسوس کی اور اس کے لئے اس نے اپنا، ان کا یا منعوبہ پیش کیا ہے صفحہ ۱۰-۱۱۔ لیکن یہ کوئی نرا سے قواعد نہیں ان پر عمل پہلے ہی ہوتا ہے لیکن بدعنوانیاں اس کے باوجود مورتی ہیں۔ کیا طلبہ اساتذہ اور اساتذہ خدائے موجود اور علیم و بعیر ہونے کے احساس کو زندہ ایسا فی قوت بنائے بغیر اس مسئلہ کا حل ہو سکتا ہے؟

ایسی طرح دیگر تجاویز ہیں۔ سب کے لئے ضروری ہے کہ حکومت کی رسم ایمانداری سے فریق کی جائے لیکن سب جانتے ہیں کہ کل رقم کا کتنا اصل دین لگتا ہے اور کتنی کر لیں کی نذر ہو جاتا ہے۔ کیا اس کی اصلاح بعض قواعد و قوانین سے ہو سکتی ہے؟

ہم آخروں میں اس بات پر نودیدیں گے کہ آج ہمارا اہم ترین مسئلہ ہا کر و اسمان پیدا کیا ہے۔ نظام تعلیم کا یہ فریضہ ہے کہ وہ یہ کام انجام دے اور معاشرے کے بچہ بچے کو سچے سچے انسان بنائے۔ نہ کہ ان کو آگے بڑھنے کا ذریعہ بنے۔ اور یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا تک کہ ہمارا انصاف و انصاف تعلیم ہمارے نظریہ حیات سے ہم آہنگ نہ ہو، دینیات کا پیروی، مٹیک تک ہو یا ایسے تک دینی معلومات میں اضافہ چاہے کرے لیکن وہ گمراہی میں نہیں کہ گمراہی جو صرف اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے کہ نظام تعلیم اسلام کے سانچے میں ڈھلا ہو اور اپنی زیر تعلیم نہ اسلام کے سانچے میں اس طرح ڈھلائے کہ خود رسالت اور اخوت کے عقیدے اس کی زندگی کے رہنما اصول ہوں جس سے وہ گمراہی دنیا کی بڑی بڑی طاقت



تالیف ۱۔ مولانا حافظ عزیزی الدین مراد آبادی
ضمانت ۱۶ صفحات

اکمل البیان

فی تائید
تقویتہ الایمان

و مجدد رنگین سسورق، قیمت اٹھارہ روپے
شیش محل روڈ، لاہور

حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے تواس کے ذریعہ سکھوں سے اردو زبان و قسمل سے شرک و بدعت کے مفہام اور رسوم و عقائد سے جہاد کیا، حضرت شاہ شہید جوات ایمانی سے کام لے کر شرک و بدعت کا رد فرماتے تو سندھ ہندوستان میں توحید خالص کا مطلع خبار آلود رہتا، یہ ان کی جہاد جہاد تھی، جس کی بدولت آج پاکستان اہل ہندوستان کے مسلمانوں میں توحید و سنت اور شرک و بدعت کے درمیان امتیاز کیا جاتا ہے! "تقویتہ الایمان" شاہ شہید کی شہرہ آفاق اور بے مثال تصنیف ہے، شرک و بدعت کے لئے پانچ "فہرہ کلیم" وہ لوگ جو مشرکانہ عقائد و رسوم اور بدعات سے شغف رکھتے ہیں، ان کو سب سے زیادہ جلن تقویتہ الایمان کا نام سن کر ہوتی ہے کہ یہ کتاب قبر پرستوں کے مسلک ضلالت پر فیصلہ کن ضرب لگاتی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی، جن کے نام کے ساتھ ان کے معتقدین "اعلیٰ حضرت" لکھتے ہیں، مولانا مفتی نعیم الدین مراد آبادی دالمٹو فی شوال ۱۳۹۱ھ اپنی "اعلیٰ حضرت" کے شہید گرد اور خلیفہ گرد ہیں۔ ان مراد آبادی صاحب نے "تقویتہ الایمان" کے رد میں "اطیب البیان" نام کی ایک کتاب لکھی تھی جس کے جواب اور تردید کی توفیق اسی شہر کے ایک توحید شناس عالم — مولانا حافظ عزیزی الدین — کو میسر آئی۔

یہ کتاب (اکمل البیان) فاضل نادنے مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم و مفتور کے ایما پر لکھی شروع کی تھی، جس کے بعض اجزاء اخبار اہل حدیث "امرتسری شائع ہوتے رہے، مگر اشاعت کا یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ مولانا محمد عطاء اللہ صنیف جمہوریائی اگر جہاد و جہاد فرماتے تو یہ نادوش بکا تالیف گمانی کی نذر ہو کر رہ جاتی، مولانا زین العابدین نے ۱۹۵۷ء میں دینی چاکر اس کتاب کا پتہ لگایا، اسے حاصل کیا، اور پھر اس کی ترتیب و ترمیم کی، جہاں شدید ضرورت محسوس کی گئی، وہاں عبارت کو رد کرتے فرما دیا، مولانا محمد عطاء اللہ صاحب نے جس پر مخلص محنت و حق بینی کے ساتھ اکمل البیان کی ترتیب و ترمیم کی ہے، اس دینی کارنامہ پر وہ ملت اسلامیہ کی جانب سے تحسین و تہنیک کے مستحق ہیں۔

کتاب کی ترتیب و ترمیم کے بعد اس کی کتابت و طباعت کا مرحلہ درپیش آیا، یہ مرحلہ دشوار مولانا محمد اسماعیل صاحب امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کی کوششوں سے طے ہو گیا۔ ان کے بعض احباب نے طباعت و اشاعت کی مالی ذمہ داری اپنے سر لے لی، اور اس طرح شرک و بدعت کے رد میں یہ "الف نیکلو پیڈیا" متاثر ہو کر منظر عام پر آگئی۔

اس کتاب پر جناب مولانا محمد عطاء اللہ صنیف نے جو مقدمہ بہ عنوان "تصدیر" لکھا ہے وہ معلومات آفریں ہے، فرماتے ہیں:۔

- تقویت الایمان پر اعتراضات مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی مرحوم کو بھی تھے، مثلاً وہ جو بعد میں
 مسئلہ اسکان و امتداد نظیر کا حنوان پا گیا، جس کا جواب خود مولانا شہید ہی نے تسلیم برداشتہ
 لکھ دیا تھا، جو ایک سبزی کے نام سے شائع ہو چکا ہے، غالباً اس کے بعد مولانا خیر آبادی مرصوف نے
 تحقیق القدری فی البطل الغوی کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی، جس کا جواب مولانا سید علی (راحمہ اللہ)
 لکھی (مترقی ص ۱۷۸) نے عتبہ فرمایا (صواعق ص ۲۶)

اس سلسلہ میں مولانا شہید کی قوت و دلیل کا شاید نتیجہ تھا کہ مولانا فضل حق کے بعض شاگردوں نے بھی
 مولانا کی تائید کی، مثلاً مولانا سراج الدین لکھنوی، جنہوں نے استاد کے رد اور مولانا کے حق میں ایک رسالہ
 لکھا (زینتہ الخواصر ص ۷۱۹)، بلکہ حضرت مفتی حسد الدین آزادہ وغیرہ نے بھی مولانا کی تائید میں قریب
 شائع کرائیں۔

”معلوم ہوتا ہے کہ یہ فریضہ یا سو قدح بمعدان“ الناس اعداء لما جہلوا غلط مفروضوں پر مبنی
 اور زیادہ تر علمی یا معاشرانہ چشمک قسم کی دہائی، تکفیر و تبدیع کے فتوؤں تک اس کی نوبت نہیں
 پہنچی تھی، اور نہ مولانا پر۔ وہابیت کا شہہ لگایا گیا تھا، اور جوں جوں غلط فہمیوں کے بادل چھٹنے لگے،
 وہ مخالفت و تبذیر کم ہوتے ہوئے تفسیر یا سختی ہو گئی تھی، مولانا شہید الدین بھی نویں ماہیڑ لگے،
 مولانا فضل حق خیر آبادی نے تو اپنی غلطی کا اعتراف ہی فرمایا تھا، وہابیت مفتی عتابیت احمد
 صاحب دھشت علم الصیفہ کہ ا۔

”مولوی فضل حق صاحب بہت نادم تھے اور دوتے تھے کہ وہ مجھ سے سخت غلطی
 ہوئی کہ میں نے مولوی اسماعیل صاحب کی مخالفت کی، وہ بے شک حق پر تھے، اور میں
 غلطی پر تھا۔“ (راکس البیان ص ۸۱۱ بحوالہ امیر الزواہات)

اس کے بعد مولانا مرصوف نے وہ تفعیل بیان کی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزی حکومت کے اشارے سے ”وہابیت“ کے
 پر توجید و سنت کے احیاء کی اس مقدس تحریک کی کس کس طرح مخالفت کی گئی، اور اس سے مقصود مجاہدین کو ہندوستان کے مسلحانہ لڑنے
 بدنام کرنا اور غیر مقبول بنانا تھا۔

مولانا مفتی نعیم الدین مراد آبادی نے ”تقویت الایمان“ کے مدین جرنل ان استعمال کی ہے وہ سب دشمن کی زبان ہے اور جب ا
 ملک دلائل کا قلعن ہے وہ اکثر و بیشتر انتہائی کمزور و ضعیف، پلر، پوچھ جگہ متعدد مقامات پر مضحکہ انگیز ہیں، بدعت و شرک کا اور
 دنیا میں یہ دباؤ پڑتا ہے کہ بدعتی فہم صحیح اور سچے سمجھنے کی قوت سے محروم ہو جاتا ہے؛ مگر ناخاطر عزیز الدین مراد آبادی نے اس قدر
 معقول اور مستجاب جواب دے دیے ہیں کہ ان کے لئے ایک ایک سطر پر دل سے دعائیں نکلتی ہیں!

کتاب کی زبان بھی سادہ و اندعام فہم ہے مگر کہیں کہیں ”خواہات“ (ص ۴۹۶) اور ”انبیاء“ (ص ۶۸۰) اور
 بھی پڑھنا پڑا، صغیر ۶ پر ”تبرکاً ان ناموں کو پکارا کرتے تھے“ (نظر آئیہ کتاب کی غلطی ہے کہ ”جپا کرتے“ تھے کی بجائے ”جپا کرتے“ تھے
 چھپ گیا۔

یہ کتاب ہے تو، اطمینان البیان کے رد اور تقویت الایمان کی تائید میں، مگر اس میں تفسیراً وہ مبالغے ہیں جو مشرکانہ عقائد

درموم اور ہدایات کی بنیاد ہیں، انھوں نے قسم الطوالت کے ذہن و فکر میں بعض غلطیاں تھیں، جو اس کتاب کے مطالعہ سے مدد مل گئے، ان کے لئے بہت کم اس قدر تفصیل و توضیح کے ساتھ تردید اور کسی کتاب میں دیکھنے میں نہیں آتی، پھر جو بات کہی ہے عقلی و فطری دلائل کے ساتھ کہی ہے یہ کتاب خواص و عوام سبھی کے لئے ہے، فاضل مصنف نے اس لئے کہ وہ بدعت کے علم کلام کی دیکھاں بکھیر کر رکھ دی ہیں، اور ان کے منکب فضیلت کو ہر سی طرح بے نقاب کر دیا ہے، یہ کتاب اپنے موضوع پر ہر اعتبار سے کامیاب، مفید اور قابل مطالعہ ہے؛

کتبہ شریف رضی روضہ لاہور کے کارکنوں کو بھی اس کتاب کی اشاعت پر اللہ تعالیٰ وادین میں اجر عطا فرماتے گا؛

از۔ مولانا حفصہ احمد عثمانی، ضخامت ۸ صفحات، قیمت بارہ آنے،

برائے عثمان

لکھنے کا پتہ۔ مرکزی مجلس خدام صحابہ طہان۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے رسالہ "ترجمان القرآن" میں ایک طویل مقالہ "خلافت راشدہ سے ملوکیت تک" لکھا تھا، اس مضمون میں حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت کے بعض اُن واقعات پر تنقید کی گئی تھی جن میں قریب قریب مورخین کے نزدیک "اضطراب" پایا جاتا ہے، مولانا مودودی نے اس مقالہ پر دینی حلقوں میں خاصی ہر سیکڑیاں ہونے، اور بعض جوانوں میں اس کا جواب بھی دیا گیا، اہل سنت دار شہاب، لاہور میں حضرت مولانا حفصہ احمد عثمانی نے اس مضمون پر تفصیل کے ساتھ مولانا مودودی کے مقالہ کا جواب تحریر فرمایا جسے مرکزی مجلس خدام صحابہ طہان نے کتابی صورت میں "برائے عثمان" کے نام سے شائع کیا ہے۔

مولانا حفصہ احمد عثمانی کا علم و فضل اہل علم کے نزدیک مسلم ہے، ان کی کوئی ایسی قریب قریب ہمارے نظریے میں گڑھی، جس میں مولانا مودودی کی ذات سے کہ اور عداوت کی جھلک پائی جاتی ہو، مولانا مودودی نے یہ مقالہ غلو و تحانیات کے جذبہ کی تحت لکھا ہے، اپنے مسلک اور عقائد کی تائید میں انہوں نے تاریخی حوالوں سے استدلال کیا ہے، زبان اور لہجہ بھی سناٹا ہے، اس کتاب کو پڑھ کر کوئی کاتب اس پر مطمئن ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی پالیسی اور عمل سے جو "اضطرابات" منسوب کئے جاتے ہیں، وہ جرح کے نہیں، تعدیل کے استحقاق ہیں۔ تو ہم اس "غلبہ مطمئن" کے حصہ میں کوئی شکوک محسوس نہیں کریں گے، بلکہ اس کو قدر و استحقاق کی نگاہ سے دیکھیں گے؛

ہم نے ابھی ابھی "برائے عثمان" کے فاضل مصنف کے زبان و لہجہ کی تشریف کی ہے مگر اس کتاب پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جو مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ اس سے جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے خلاف بعض و عداوت کا جذبہ نمایاں طور پر جھلکتا ہے، ہم اُن علماء کو جانتے ہیں جنہوں نے جماعت اسلامی اور اس کے امیر پر بے بنیاد الزامات لگا کر اور غلط تہمتیں بوند کر عوام کو گمراہ کیا ہے؛

اس کتاب دربارہ عثمانی پر نقد و تبصرہ کے سلسلے میں جو موضوعات سامنے آتے ہیں، اس پر ہم ہندوستان کے فاضل مصنف کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ صحابہ کرام کے دینیان جو اختلافات رونما ہوئے، لوہب نزاع اور جنگ و جدل تک پہنچی اور نورشتہ تقدیر پھسا ہو کر رہا اس کے بارے میں تین مسلک ہیں (۱) یہ کہ ان معاملات میں سرے سے ہی گفتگو نہ کی جائے، خاموشی ہی بہتر ہے کیونکہ قیامت کے دن ہمارے اپنے اعمال کے بارے میں پوچھنا ہی کی جائے گی، صحابہ کرام کے معاملات میں ہماری کیا رائے اور فیصلہ ہے، اس کی پانچویں نہ ہوگی، (۲) یہ کہ صحابہ کرام پر جو جرح کے مقابلے میں "تعدیل" کو ترجیح دی جائے، اگر ایسی رعایت ہو کر نہ اور ضعیف ہو اس کے کسی صحابی کے من و اعتراض قول و فعل کی، تعدیل ہوگی تو اسے قبول کر لیا جائے، (۳) یہ کہ صحابہ کرام کے دینیان جو واقعات پیش آتے، وہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں جن پر مورخین نے ان واقعات کو تسلیم کیا ہے وہ صحابہ کرام کے معاند اور دین کے بدخواہ نہیں تھے، جو واقعات سیکڑیوں صفحات میں پیچھے ہوئے ہیں، اُن کے بارے میں اہل علم اور اہل تحقیق گفتگو اور خاکہ کریں تو اُن کے اس فعل کو "تعدیل" صحابہ سے منسوب اور موموں میں کیا جائے گا۔ تاریخ کی ان کتابوں کو مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی پڑھتے ہیں، ہمارے کاروں اندر پڑھنے والوں کے نصاب تک میں بعض کتابیں داخل ہیں،

ان کتابوں کے ساتھ دوسلوں کے جاسکتے ہیں ایک یہ کہ ان میں اختلاف صحابہ کے واقعات ہیں، ان پر کوئی رائے نہ دی جائے نہ گفتگو اور محاکمہ کیا جائے، ان واقعات کے پڑھنے والے جو چاہیں مانتے قائم کریں، دوسرا یہ کہ ان واقعات پر محتاط انداز میں نقد و تبصرہ کر کے قارئین کو وہ نقد دیا جائے جو اعتدال و انصاف سے زیادہ سے زیادہ قریب ہو، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

”ابن محمد فرماتے ہیں۔۔۔ یہ ہیں وہ ماخذ جن سے میں نے اپنی بحث میں سامان مواد لیا ہے، اگر یہ اُس دود کی تاریخ کے معاملہ میں قابل اعتماد نہیں تو پھر اعلان کر دیجئے کہ عہد رسالت سے آئندہ میں دیکھ کر کوئی اسلامی تاریخ دنیا میں موجود نہیں ہے کیونکہ عہد رسالت کے بعد سے کئی صدیوں تک پوری اسلامی تاریخ تعین کی تاریخ سمیت، انہی ذرائع سے ہم تک پہنچی ہے، اگر یہ قابل اعتماد نہیں ہیں تو ان کی بیان کی ہوئی خطا وقت ماضیہ کی تاریخ اور اس کے اسلام کی سیرت اوصاف کے بارے میں سب اکاذیب کے دفتر میں، جہیں ہم کسی کے سامنے بھی وثوق کے ساتھ پیش نہیں کر سکتے، دنیا بھی اس اصول کو نہیں مان سکتی اور نہ کیا، خود مسلمانوں کی موجودہ تسلیں بھی اس بات کو ہرگز قبول نہ کریں گی کہ ہمارے ہندوگوں کی جو خوبیاں یہ تاریخیں بیان کرتی ہیں وہ تو سب جھج ہیں، مگر جو کمزوریاں بھی کتاب میں پیش کرتی ہیں، وہ سب غلط ہیں، اور اگر آپ کا خیال ہے کہ شعروں کی سازش ایسی طاقت و دھتھی کہ ان کے دساتر سے اہل سنت کے یہ لوگ بھی محفوظ نہ رہ سکے اوصاف کتابوں میں بھی شیعہ دعایات نے داخل ہو کر اُس دود کی تصویر بگاڑ کر رکھ دی ہے، تو میں حیران ہوں کہ ان کی اس نخل انداز کی سے آخر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی سیرت اور ان کے عہد کی تاریخ کیسے محفوظ رہ گئی؟“

مولانا مودودی کی تحسیر کا جو اقتباس اوپر دیا گیا ہے، وہ ایک مختصر، معقول اور صاحب تحقیق و نظر انسان کی رائے ہے۔

یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ ابن سعد، ابن جریر طبری، حافظ ابن عبد البر، ابن الاثیر اہل ابن کثیر (رحمۃ اللہ علیہم) نے خدا انہیں مستہ صحابہ کرام کو بدنام اور مطعون کرنے کی نیت سے ان واقعات کا ذکر نہیں کیا، ان کے بعد کسی نے بھی اُس دود کی تاریخ لکھی ہے، ان واقعات کو دہرایا ہے اور بعض مورخین نے ان واقعات کے مابین محاکمہ بھی کیا ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی ان واقعات کو مستند تاریخی حوالوں کے ساتھ پیش کر کے نتیجہ اخذ کیا ہے۔۔۔ گزشتہ اکابر مورخین اور اہل نقد و نظر کو ایسا کرنے کے سبب ”قدح صحابہ“ کا کسی نے مجرم نہیں گردانا۔۔۔ اس صورت میں مودودی صاحب پر بھی فرد جرم نہیں لگائی جاسکتی، زیادہ سے زیادہ ان کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے، کہ وہ ان مباحث سے صرف نظر کرتے تو اچھا تھا۔

اس قسم کے مضامین اور اس نوع کی تحریروں میں سب سے پہلے یہ چیز دیکھنی کی ہے کہ لکھنے والے کا مسلک کیا ہے! مثلاً ایک عالم سنت رسولؐ کو دین میں محبت سمجھتا ہے اُس نے اپنی تحریروں اور کتابوں میں جگہ جگہ ”سنت رسولؐ“ کو دین محبت کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اس عقیدہ کے ساتھ بعض روایات پر جو معذور یا کسی دوسرے نبیؐ کی سیرت یا کسی دینی اصل سے متصادم نظر آتی ہیں، وہ جرح بھی کرتا ہے تو ایسا کرنے کے سبب اُس پر ”انکار حدیث“ کی فرد جرم نہیں لگائی جائے گی! اسی طرح ایک اہل تبسم جو صحابہ کرام کے ”مدول“ ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے، اُس نے اپنی تحریروں میں صحابہ کرام کے اقوال و آثار کو جگہ جگہ دینی سند کے طور پر پیش کیا ہے اور وہ نہ تو ناموسی ہے اور نہ خارجی اور ناموسی ہے، اس مسلک اور عقیدہ کے ساتھ مستند تاریخی روایات کا تذکرہ اور ان کے مابین محاکمہ کرتے ہوئے، دوچار صحابہ کے بعض مابہ التزام احوال و واقعات پر نقد و نظر کی نوبت تک آجاتی ہے تو ایسا کرنے کے سبب صحابہ کرام

کی امانت کا التزام اس پر نہیں لگایا جاسکتا۔

اس عقیدے کی صحت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ عصمت صرف نیرت و مسالت کی صفت اور ضرورت ہے، صوابیت یا ولایت کی صفت "عصمت" نہیں ہے، اسی لئے تنقید سے بالاتر صرف انبیاء کرام کی مقدس شخصیتیں ہیں، بعض لوگ "تنقید کا نام سن کر برابر فرختہ ہو جاتے ہیں۔" تنقید کے معنی عیب ہوتے ہیں بلکہ پرکھنے کے ہیں، انبیاء معصوم ہیں اپنا دواں پرکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، صحابہ کرام معصوم نہیں ہیں، دواں "تنقید کی گنجائش کا امکان ہے!" تنقید کے معنی صحابہ کرام کی تکفیر و تفسیل، تفسیق، امانت کے ہرگز نہیں، ہیں، انصافی، خارجی اور اصفی جو معاملہ صحابہ کرام کے ساتھ کرتے ہیں وہ کھلی ہوئی ضلالت و گمراہی کا معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ ان فاسق خاندان سے ہر اہل ایمان کو محفوظ رکھے۔ (آمین)

غالب ادرج میں جن فقہی مسائل کے درمیان اختلاف پائے جاتے ہیں ان میں اصل بنیادی چیز ہے کہ صحابہ کرام کے اقوال و آثار اور فتاویٰ کے حورمیت کے حاکم کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دی گئی ہے، بلکہ بعض مسائل میں ائمہ فقہ نے کسی ایک یا چند صحابہ کے قول و عمل اور فتویٰ کے مقابلے میں دوسرے صحابی کے قول و عمل کو صحیح اور درست نہیں سمجھا، ادرج باب مذکور میں "پرکھنا" و "تنقید" نہیں تو ادرج کہ ہے اصحاب پر بات کی جاتی ہے کہ انبیاء کرام کے علاوہ اور کوئی شخصیت تنقید سے بالاتر نہیں ہے تو اس سے یہ غلط فہم نکالنا ذہن کی کجی کی دلیل ہے کہ اس عقیدہ اور تفسیل سے معاذ اللہ صحابہ کرام کو غلط کار ٹھہرا دیا اور ان کا "عدل" ہونا مجروح ہو گیا،

تنقید کی دو مثالیں، — حضرت سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سب کے نزدیک محترم اور مکرم ہیں، ان کے فتوے کی دھول بھی ہم جیسوں پر پڑ جائے تو ہم پاک ہو جائیں لیکن جب ان کی سیرت کا ذکر ہو گا تو اہل و اسباب اور دینی وسائل کے بارے میں جو غلط فہم رکھتے تھے، اس پر ضرور تنقید کی جائے گی، کہ اس مسئلہ میں وہ بہت زیادہ شدید اور انتہا پسند تھے، ان کے اس نظریہ کے ساتھ دنیا کے کاروبار کا چھٹا مشکل ہے — کیا اس قسم کی تنقید پر متعین "لاگن" ہو سکتا ہے، اور یہ تنقید کیا جائز تنقید نہیں ہے، جس سے دین ہی کی بھڑائی مقصود ہے، دوسری مثال حضرت سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے کہ "مصدقین" کو دوسری سورتوں کی طرح قرآن کا پتہ نہ سمجھنے میں، ان کی رائے دوسرے صحابہ سے منفرد بلکہ مختلف تھی، حضرت عبداللہ ابن مسعود کی عظمت، صوابیت، تفقہ فی الدین اور علم و تقویٰ اپنی جگہ مسلم مگر ان کی اس رائے کو قبول نہیں کیا گیا اور نہ کیا جائے گا اور جب بھی صحیح و ترتیب قرآن کی مفصل تاریخ لکھی جائے گی تو ان کی اس منفرد رائے پر ضرور تنقید ہوگی۔

تنقید کی ایک اور مثال جو ان دونوں مثالوں سے شدید تر ہے، وہ حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ انہوں نے حضرات یثربین (مصدقین و فاروق رضی اللہ عنہما) کی بیعت نہیں کی، حضرت سعد کا یہ طرز عمل پسندیدہ نہ تھا، مولانا امین احسن اصلاحی نے تو حضرت موصوف کے اس خاص طرز عمل کی "بقائی بحیثیت" کو منسوب کیا ہے، ایک اور نقطہ عالم، جو کتنی ہی کتبوں کے مصنف ہیں اور حنفی مذہب کی مخالفت میں مجاہد کی حیثیت رکھتے ہیں، ان سے اس واقعہ کا ذکر آیا تو فرمایا کہ حضرت سعد ابن عبادہ کے اس طرز عمل میں ان کا "نفس" شریک تھا، کبھی کبھار یہ اتفاقاً ہے بشری بعض صحابہ کرام سے اس قسم کی گمراہیاں پائے گی غلطیاں ٹھہریں آئی ہیں، تو ان پر تنقید کرنے کو "اذا نت" یا "قدح" نہیں کہا جاسکتا، اور نہ اس سے "العیبہ کلیم عدلی" کی واقعیت پر ہر حرف آتا ہے، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے مضمون میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے —

"صحابہ کرام کے متعلق میرا عقیدہ بھی وہی ہے جو تمام محدثین و فقہاء اور علما امامت کا عقیدہ ہے کہ "کلیم عدلی" ظاہر ہے کہ ہم تک دین کو پرکھنے کا ذریعہ وہی ہیں! اگر ان کی عظمت میں ذلہ برابر شبہ پیدا ہو جائے تو دین ہی مشتبہ

ہو جاتا ہے، لیکن میں "العصا پر کلیم عدول" (صحابہ راستہ ازہیں) کا مطلب یہ نہیں لیتا کہ تمام صحابہ بے خطا تھے، ادا ان میں کا ہر ایک ہر قسم کی بشری کمزوریوں سے بالاتر تھا اور ان میں سے کسی نے بھی کوئی فعلی نہیں کی ہے، بلکہ میں اس کا مطلب یہ لیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ آیت کرنے یا آپ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں، کسی صحابی نے کسی بدستی سے مرکز تجاوز نہیں کیا ہے، پہلا مطلب گریبا جائے تو تاریخ ہی نہیں، حدیث کی مستند اور قوی روایات بھی اس کی تائید نہیں کریں گی، اور دوسرا مطلب اگر لیا جائے تو وہ قطعی طور پر ثابت ہے، جس کے خلاف کوئی شخص کسی قابل اعتماد ذریعہ سے کوئی ثبوت نہیں لاسکتا، عید ہے کہ صحابہ کی باہمی لڑائیوں تک میں جب کہ سخت غزینہ یا ان کے درمیان ہوئیں کسی کی فساد نے کوئی حدیث اپنے مطلب کے لئے اپنی طرف سے گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کی، نہ کسی صحیح حدیث کو اس بنا پر جھٹلایا کہ وہ اس کے مفاد کے خلاف پڑتی ہے اس لئے مثلاً جرات صحابہ کی بحث میں یہ ذہنی الجھن لاحق نہیں ہوتی چاہئے کہ اگر کسی کا خطی پر ہونا مان لیا جائے تو اس سے دین خط سے میں بڑ جائے گا.....

میں صحابہ پر سب سے زیادہ غریبی انسانوں کو غیر معصوم سمجھتا ہوں، اور معصومیت میرے نزدیک صرف انہی کیسے خاص ہے میرا خیال یہ ہے کہ غریبی انسانوں میں کوئی شخص اس معنی میں بزرگ نہیں ہوتا کہ اس سے فعلی کا صدر محال ہے یا اس نے کبھی فعلی نہیں کیا ہے بلکہ اس معنی میں بزرگ ہوتا ہے کہ علم و عمل کے لحاظ سے اس کی زندگی میں غیر غالب ہے، پھر جتنا زیادہ کسی میں غیر غالب ہوتا ہے، میں اس کو اتنا ہی بڑا بزرگ مانتا ہوں!

اس معاملہ میں میرے اور دوسرے لوگوں کے نقطہ نظر میں ایک بنیادی فرق ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات پیری پر تشریح کو سمجھنے میں غلط فہمی لاحق ہو جاتی ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ جو بزرگ ہے وہ فعلی نہیں کرتا اور جو فعلی کرتا ہے وہ بزرگ نہیں ہے، اس نظریے کی بنا پر وہ چاہتے ہیں کہ کسی بزرگ کے کسی کام کو غلط نہ کہا جائے اور مزید برآں وہ یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ جو شخص ان کے کسی کام کو غلط کہتا ہے وہ ان کو بزرگ نہیں مانتا، میرا نظریہ اس کے برعکس ہے، میرے نزدیک ایک غریبی بزرگ کا کوئی کام غلط بھی ہو سکتا ہے اور اس کے باوجود وہ بزرگ ہی رہ سکتا ہے.....

..... غلطیاں بڑے سے بڑے انسانوں سے بھی ہو جاتی ہیں اور ان سے ان کی بڑائی میں کوئی تسریق

نہیں آتا، کیونکہ ان کا مرتبہ ان کے عظیم کارناموں کی بنا پر متعین ہوتا ہے نہ کہ ان کی کسی ایک یا دو غلطیوں کی بنا پر

مولانا مودودی کی اس وضاحت و تشریح کے بعد ان لوگوں کا ذہن صاف ہو جانا چاہئے جو ان کی بعض تنقیدیں سے بندگانوں امانت یا سکرہ ادب منسوب کرتے ہیں، یہ تفسیرائے بشری سرمدی صاحب کا قلم تنقید میں کہیں نیز ہو گیا ہے ادبیہ "نیزی" ان پر واضح کر دیا جائے تو مرصوت اپنی کھسی ہوئی عبارت پر اصرار نہیں کرتے، دلائل کے ذریعہ مطمئن ہو جانے کے بعد وہ اپنی تحریروں میں رد و بدل اور اضافہ کرنے میں پس پویش نہیں کرتے! مجھے یحییٰ عجمدان سے ان کے لکھے ہوئے بعض جملوں پر انہیں لو کا تو مودودی صاحب نے فراموشی کے سا اپنی لکھنؤ قلم کو مان لیا۔ مودودی صاحب کی عظمت و احترام کے باوجود میں ان کو غلطیوں سے محفوظ نہیں سمجھتا، مگر مولانا مودودی بشریہ

کمزور بلکہ اندھلیوں کے باوجود مگر وہ نہیں ہیں، وہ دین و ملت کے غیر خواہ اہل ہند ہیں اُن کے زبان و قلم و اندک و عمل کی قوتوں سے دین و ملت کو فائدہ پہنچا ہے اور انہوں نے ہر محاذ پر زبان و قلم سے اسلام کی ممانعت کی ہے، اُن کی کتابیں اسلامی ادب کا قابلِ قدر سرمایہ ہیں جو لوگ مروت و دی صاحب سے دین کی تحریف منسوب کرتے ہیں وہ حاد و تعصب اور بغض و عناد میں مبتلا ہیں اور انہیں اس تہمت تراشی اور افزائے مادی کی اللہ تعالیٰ کی یہاں جواب دہی کرنی ہوگی۔

اب ہم نفسِ مسئلہ کی طرف آتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا نام نہ لے سکتا۔ سے دینی ترقی کے شباب و جوانی کا زمانہ ہے، خلیفہ کے طرز انتخاب کا معاملہ ہو یا باغ و ترک کا مسئلہ مرتدین اور معاندین کو ذکوة سے جنگ کا موضوع ہو یا اصولِ حکمرانی کا بحث، سادہ ہے "اقامتِ دین کا مسئلہ بھی"۔ ان تمام مسائل اور باتوں و حالات میں مسلمانوں کے ایک فرقہ کے علاوہ پوری ملت اسلامیہ حضراتِ شیعین کے موقف اور طرزِ عمل کو نہ صرف حق یہ جانب بلکہ عین حق سمجھتی، جانچی اور دانتی ہے! جو مورخین شیعین کے دورِ خلافت کو سراہتے ہیں، انہی نے حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے "اضطرابات" کا ذکر کیا ہے یہ تمام کے تمام "اضطرابات" جعلی، فرضی اور وضعی نہیں ہیں، مولانا مروت دی نے بھی اپنے مقالے میں حمد عثمانی کے ان اضطرابات کو دہرایا ہے! اس حقیقت اور واقعیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت صدیق و فاروق کے دورِ خلافت میں حکومت کی مشینیں جن سب کے ساتھ کسی ہوئی تھی، حضرت عثمان کے عہد میں وہ بالکل ویسی تھیں، حکومت کے کل پٹروں میں کہیں کہیں ڈھیل پیدا ہو گئی! اس ڈھیل کا نمایاں مظہر نمونہ کا مروت ہے، جس نے آگے چل کر خلافت کا رُخ ملکیت کی طرف موڑ دیا۔

مولانا مروت دی نے حمد عثمانی کے اضطرابات کا بیشک ذکر کیا ہے، مگر انہوں نے ان باتوں سے کوئی ایسا نتیجہ نہیں نکالا جتنی حضرت سید عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نیت پر کوئی حرف آتا ہو۔ مروت دی صاحب لکھتے ہیں۔

"سید عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اقرباء کے معاملہ میں جو طرزِ عمل اختیار فرمایا، اس کے متعلق میرے دہم و گمان میں بھی، کبھی پر شبہ نہیں آیا کہ معاذ اللہ کسی بدعتی پر مبنی تھا، ایمان لائے کے سے ان کی شہادت تک ان کی پوری زندگی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ترین اور محبوب ترین صحابیوں میں سے تھے، دین حق کے لئے ان کی قربانیاں ان کے نہایت پاکیزہ اخلاق اور اُن کے توفیق و جہاد کو دیکھ کر، آخر کو صاحبِ عقل یہ گمان کر سکتا ہے کہ اس سیرت و کردار کا اُلان بدعتی کے ساتھ وہ طرزِ عمل اختیار کر سکتا ہے، جس کو آج کل کی سیاسی اصطلاح میں خولیش ٹولای دہی (NEPOTISM) کہہ سکتے ہیں۔ ان کے اس طرزِ عمل کی بنیاد وہی تھی، جو انہوں نے خود بیان فرمائی ہے وہ اسے صدیوں کا حکم چاہا ہے اُن کا تعاضل اسی طرح فرما ہو سکتا ہے کہ اپنے نقشہ و انداز کے ساتھ جو بھلائی کئی بھی آدمی کے اختیار میں ہو، وہ اس سے وسیلہ نہ کرے یہ نیت کی غلطی نہیں، رائے کی غلطی ہے یا الفاظ دیگر اجتہادی غلطی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

یہ ترانہ صدیق و خیر و اور رافضیوں کا مسلک اور طرزِ تنقید و احتساب ہے کہ وہ خلفاء راشدین کی غلطیاں جن کا ذکر اب تک نہیں کیا گیا، انہیں مگر وہ، ظالم بلکہ کافر کہتے ہیں! مولانا مروت دی کا اس مسلک سے رد بھی واسطہ نہیں ہے وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اُن کے کسی مضطرب واقعہ کے واسطے میں معاذ اللہ بدعتی نہیں سمجھتے، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاکیزہ اخلاق اور عبادت و تقویٰ کے قائل ہیں اُن کی دینی قربانیاں کو مانع نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ترین اور خصوص ترین صحابیوں میں انہیں شہادت ہے۔

جب نے اب کہا تھا کہ حضراتِ شیعین کے دورِ خلافت کے مقابلے میں حمد عثمانی میں حکومت کی مشینیں کہیں کہیں ڈھیل پیدا ہو گئی تھی،

اس منید کے ساتھ ہم ابیں کامل الحیا احمد ایمان، خلیفہ راشد، ذوالنورین، دین و ملت کا حسن، صاحبِ ہدایت و تقویٰ، جس پر سورج
انسانا قدم نہ سمجھتے ہیں، بیشک سیدنا عثمانؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی، آپ کی نیت ادیان کے
انخاص میں کوئی شے نہیں کیا جا سکتا اور ہمارا دلی یہ چاہتا ہے کہ ان اضطرابات میں روایات و استدلال کے ذریعہ مورخین ہمارے جہود
پر جائیں، مگر حضرت عثمانؓ بندے جو بعض مضطرب واقعات منسوب ہیں ان کی تعدیل ہو جائے (رضی اللہ عنہ)

مروان کی شخصیت کے بارے میں مولانا خضر احمد عثمانی نے نچاچی کتاب (برأء عثمان) میں جو "تعدیل" کی زحمت فرماتی ہے،
وہ بہت کچھ نقل نظر ہے تاریخ کی مستند روایات یہ بتاتی ہیں کہ مروان سے جو اعمال و واقعات ظہر میں آئے ہیں وہ قتل عثمانؓ کا
سبب بنے، مروان حضرت عثمانؓ کی طرف سے ان کی اطلاع کے بغیر کسی حکم دے دیا کرتا تھا؛ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ
کی حکومت قائم نہ ہونے دینے میں، تفرقہ کا باعث، مروان ہی قرار ہوتا ہے، طبقات ابن سعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قتل مروان
کے بارے میں ملتا ہے۔

"لیحمدن سرایہ ضلالتہ"

مروان ضلالت کا جھنڈا اٹھائے گا

جولگ مروان اور نیک کی "تعدیل" کی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہیں وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی "تعدیل" کو بھی کھلا دوں
مقل نظر بنا دیتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ حضرت سیدنا عثمانؓ غنی رضی اللہ عنہ سے بالکل مختلف ہے، امت کا اس پر اجماع ہے کہ
جس وصفین میں حق حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حق کے واقعہ پر مذمت و مراجعت
کی توفیق نصیب ہوئی، حضرت امیر معاویہ اپنے موقف پر کھمبے ہے، انہوں نے خلافت راشدہ کے مقابلہ میں اپنی امامت قائم رکھی اور شریعت میں غلطی
ناشد نے آپس گردنری سے معزولی کیا، تو اس کے حکم کی خلاف ورزی کی؛ ذقہ حنفی کی شہرہ آفاق کتاب ہیکل میں امیر معاویہ کو "سکھان
جانر" بتایا گیا ہے، اور حضرت علیؓ کو مروان کے موقف کے بارے میں لکھا ہے۔

"... والحق بین علی رضی اللہ عنہ"

یہ موقف کہ حضرت علیؓ ناقص پڑتے، اور امیر معاویہ حق پر تھے، نا صبروں کا موقف ہے جو سنی صمدی غلط اور گمراہ کن ہے، دوسرا موقف یہ کہ
حقت علیؓ اور امیر معاویہ دونوں حق پر تھے، یہ بھی درست نہیں ہے، کچھ بات یہی ہے امیر معاویہ کا موقف ہے کہ امیر معاویہ اور حضرت علیؓ کے معاملہ
میں "حق" علیؓ کے ساتھ تھا؛ اور امیر معاویہ نے خلافت کو لوگوں میں تبدیل کر دیا، ان کے چھپتے بیٹے، ولی عہد اور جالین — نیمہ —
نے بادشاہ بن کر جو کچھ کیا وہ اسلامی تاریخ کے سیاہ اوراق ہیں!

مولانا عثمانی نے یہ دیکھ کر ولی عہد کی جواز میں جو دلائل پیش کئے ہیں ان میں "امویت" کی جھلک پائی جاتی ہے، یہ دیکھ کر ولی عہد کی
امیر معاویہ کا نا پسندیدہ کارنامہ ہے!

مروان کا معاملہ صفار صحابہ میں نہ تو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور عبداللہ ابن زبیرؓ جیسا ہے اور نہ بڑی عمر کے صحابہ
میں امیر معاویہ کی مانند ہے، اب وہی احادیث کی روایت تو اہل تشیع سے بعض روایتیں عدلیں نے لی ہیں۔



مولانا ظفر احمد عثمانی فقہ حنفی کے کچھ بڑے عالم ائمہ "اعلام السنن" جسے محرک اہل کتاب کے مصنف امیر مولف میں، حیرت ہے کہ وہ اس حقیقت سے عجب نظر کر جاتے ہیں کہ "بغاث" کے تئیں لفظ صحت میں اصل "قدہ" حضرت سیدنا علیؑ مانے گئے ہیں اہل ان سے لڑنے والے ہائی مٹیروائے گئے ہیں، خلیفہ راشد حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں حضرت امیر معاویہؓ کی حیثیت باقی گذر چکی ہے؛ اللہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حق واضح ہو گیا تھا۔

حضرت بخیر بن عبد ریح رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو تنبیہ کے ولی محمد بنانہ کی جہات سمجھائی تھی وہ دست مشورہ نہ تھا اور حضرت عمر بن العاص نے حضرت امیر معاویہؓ کو لڑائی میں جو یہ مشورہ دیا تھا کہ قریح نیزوں پر قرآن کو اٹھا لے یہ بیشک جنگی چال تھی۔ مگر ایسی چال جس کی تحسین نہیں کی جاسکتی، پھر "حکیم" کے مسئلہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ حضرت عمر بن العاصؓ نے جو معاملہ کیا اُس کی جو کوئی "تعدیل" کرے گا، وہ صریحاً غلطی کا ارتکاب کرے گا۔ کھلی ہوئی غلطیوں اور دنیاوی تیروں کی "تعدیل" اپنی جگہ جو بہت بڑی غلطی ہے اس ہمارے زمانے میں محمد وجہا ہی نے یہ فتنہ کھڑا کیا ہے کہ امیر معاویہؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کے موقف کو ناقص اور تنبیہ کے مقابلہ میں حضرت امام حسینؑ کا کو خطا کار ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے یہ "نا بصیرت" ہے، جو فضائل کا مسلک ہے، ہم اس مسلک سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں، انفس ہے کہ شیعیت سے غلطی ادا ناراضگی کے جوش میں بعض اہل سنت محمد وجہا ہی کے مسلک "اصحیت" سے متاثر ہو گئے ہیں۔

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے موقف کی "تعدیل" کرتے کرتے خود ناخن مصنف (مولانا ظفر احمد عثمانی) ان رعایتوں کو درج کر گئے ہیں، جن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کا موقف بخروج ہوتا ہے۔

● "ابن عساکر وغیرہ نے حضرت شعبیؒ رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات اُس وقت تک نہیں ہوئی، جب تک قریش اُن سے آگاہ نہ گئے، انہوں نے قریش (کے ہماجرین) کو مدینہ میں محصور کر دیا تھا۔ (ص ۷۲)

● "قریش کے وہ افراد جو ہماجرین کر رہے تھے، سب ہی خلافت کے اہل تھے، اس لئے ان سب کو حضرت عمرؓ نے مدینہ سے ہر آنے کی اجازت نہیں دی، بلکہ مدینہ میں محصور رکھا۔" (ص ۲۵)

● "اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان بلاتوں کی پوزیشن مضبوط نہ کرتے کہ مالک اشتر غنی کو قریح کا کانڈر انچیف بنا دیا اور محمد بن ابی بکرؓ کو اپنا مشیر خاص یا سکریٹری بنا لیا، جو فتنہ قتل عثمان کے باقی تھے) اور ان کے ساتھیوں میں سے بھی کسی کو مجلس شوریٰ میں شامل کر لیا گیا، کچھ کو قریح میں، بلکہ خلافت کا منصب سنبھالتے ہی سب دن سے اپیل کرتے کہ ان بلاتوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ تو حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کو مطالبہ دم (خون) عثمان کے لئے دست اقدام پہنچنے کی نوبت نہ آتی۔"

● "اکی چوتھ حضرت معاویہؓ اللہ ان کے ہم خیال صحابہ کی نظروں میں خلافت علیؑ کو خدو غل بنا دیا اور بک جمل نے اس خدو غل کو زیادہ قوی کر دیا۔"

حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت کے سلسلہ میں سیدنا علیؑ مروی نہیں رہے، مدینہ میں بلاتوں کو نقل کیا ہے اور حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کے پیروں کو مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی مدینہ میں روایت ہے۔ اس وقت میں مدینہ کی نقل دھارہ سے "تعدیل" کی جو مصیبت پیش آئی ہے اس میں مولوی بزرگ کی ایک ہی مرتفع

آئین وفا ایڈیٹر سید صفد حسین، ضخامت ۱۲، صفحہ ۱۰۰، (جلد ۱) رنگین سرخ ورق، کتابت، طباعت کاغذ، ہر پیریز دیہ (زب) قیمت ۱- تین روپے۔ لکھنؤ کا پتہ: مکتبہ دانش افراد ۵۸ شری جھاندا سکوٹر، این روڈ گڑن مگر لاہور۔

سید صفد حسین صاحب کو، اقامت اطراف اُس وقت سے جانتا ہے جب وہ ڈاکٹر نہیں ہوتے تھے، اور غالباً اُن مائے کے صاحب علم تھے، میرٹھ میں اُن سے بارہا ملنا ہوا یہ اب ۶۳-۶۴ سال پہلے کی بات ہے، راجہ صدی چندریا ختم پور جی ہے، مشہور شاعروں سے ملنے اور شروادب کی نشستوں اور محبتوں میں شریک ہونے کا صفد صاحب کو بہت شوق تھا شردن کے موضوع پر وہ دلچسپ گفتگو بھی کیا کرتے تھے۔ مگر اُن کا کوئی شعر اُن کی زبان سے نہیں سنا۔ یہ انکشت تو لگا تھا میں اب سے چھ سات برس پہلے ہوا کہ وہ بد وضع ہی سے شکر رہے ہیں، مگر متحدہ ہندوستان میں شہر کی حیثیت سے نمایاں ہونے کی انہوں نے کوشش نہیں کی، پاکستان میں وہ منظر عام پر آئے اور اس شان سے آئے کہ اونچے درجہ کے اہل نقد و نظر کو چلکا دیا۔ شہرت و لغتاف کے لئے کسی سید کی ضرورت ہے اس گرسے صفد صاحب واقف ہیں۔

سید صفد حسین علی گڑھ کے ایم، اے، ایل بی اور پنجاب کے پی، ایچ، ڈی ہیں۔ کراچی میں کئی سال محکمہ تعلیمات کے ڈپٹی ڈائریکٹر رہے اور اب گورنمنٹ کالج ایمر آباد کے پرنسپس ہیں؟ اُن کی نظم و نثر کی تعداد کم میں شاید کہ ہر چل چلی ہیں۔ رقص و طافوس جو اُن کی روحانی نظموں کا مجموعہ ہے، اُس پر "نہارن" میں خاصی تفصیل کے ساتھ تبصرہ آچکا ہے، ڈاکٹر صاحب جو صورت کے تنقیدی مضامین معلومات آفریں ہوتے ہیں۔ اُن کی تخلیقات کی تعداد گیارہ کتابوں تک پہنچ چکی ہے!

شعر گوئی اور نثر گوئی کے علاوہ "مرفیہ خوانی" ڈاکٹر صفد حسین صاحب کا خاص فن ہے: کراچی کی مجالس عزا میں انہوں نے اس شان سے مرفیے پڑھے کہ نہر میں دھرم بچ گئی، انڈیا تنقید کتاب "آئین وفا" میں ڈاکٹر محمد احسن فاضل، جناب مجتبیٰ حسین اور اقامت اطراف کے وہ تاثرات شامل کئے گئے ہیں، جن میں صفد صاحب کی مرفیہ خوانی کو خواجہ حسین دہشت پیش کی گیا ہے۔

"آئین وفا" — ڈاکٹر صفد حسین کا کہا ہوا مرفیہ ہے۔ جس میں حضرت عباس علیہ السلام کی سیرت و حیات اور اندام آسانی کو چھڑی قوت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، سید عابد علی عابد نے اس پر نفاذ ملا مقدمہ لکھا ہے، اس کے بعد خود شاعر نے اپنے بعض نظریات کے اقتباسات پیش کئے ہیں جو مرفیہ گوئی کی صفت پر دلکش اور جاندار تبصرہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

"آئین وفا" میں صفد صاحب نے بڑے سلیقہ اور محنت و محبت کے ساتھ اپنے جذبات اور تاثرات پیش کئے ہیں اور صنف مرفیہ کی رعایتوں کا خیال رکھا ہے اور اپنی حد تک کوشش کی ہے کہ "مرفیہ" کی خصوصیات اول سے آخر تک بھلکتی رہیں۔ حضرت عباس کی منقبت میں یہ بند کشتا پر شکوہ ہے —

عزم وہ جس کے لئے تنگ ہو ظرف کو نہیں
وہ شہادت جو بی قوت بازوئے حسین
وہ جلالت کہ جو ستمی آیت رب الثقلین
ہر رن حوصلہ فاتح صفین و حنین

سر سرباب کے اوصاف کی تصویر لئے
آئینہ عرش سے اُترا وہی تصویر لئے

ایک اور دلکش بندہ —

مدحہ جس کا منصب مری قسمت کو عطا
ایک ایک بیت پہ لینا ہے عسکری صفا

لے حضور کے ام گامی کی بجائے: پیرہ نظم کن چاہتے تھا

اے اے! مری وطنِ چینِ خیز وہ گلزار کھلا
جس کے پھولوں کو لگی ہو اُنہ گلستان کی ہوا

ذہنِ بیدار ہوں، یوں بڑے گل تر پیلے
دور تک نکلتے گیسوتے معنبر پیلے

اور

راہ طے کر کے ہوئے داخلِ مکہ شہینہ
چار سو پھیل گئی جسدِ حق کی تنزیہ
ارضِ کعبہ کی بڑھی گردِ قدم سے تقریر
سیرتِ پاک نے دکھلا دی نبی کی تصویر

حسنِ اخلاق کا کلمہ پڑھا ہے گاؤں نے
آئے ہی گھیر لیا شمع کو پر دانوں نے

چند منتخب بند اور آیات —

جھاگلیر لے کے بڑھا، آپ علمدار جوی
قرس و قاطر و اشتہر ہوئے سیراب بھی
سو کھے ہونٹوں پہ نمایاں سنی تشکر کی ترکی
دلِ عقیدت سے بھرا، آنکھ نہ دامت سے بھکی

شدرم احساں سے ہوتی فوجِ تنگروانی
اس کو کہتے ہیں کرم، ہو گئے پتھر پانی

گھر کے ابر کرم ساقی کوثر آئے
مشک کا نہ بھپے اٹھائے علی اکبر آئے

لے گئی دل کی کشش منزلی جاناں کی طرٹ
مر گئی رحمتِ معبودِ سیاباں کی طرٹ

دیکھ کر بے ادبیِ شہِ کونہ و شام
کبھی ہوتا تھا جو برہم وہ علی کا خرم
پیاد سے دوش مبارک کو تھپکتے تھے امام

ہنس کے کہتے تھے کہ خستہ ہے شجاعت پر حوام
مرحمت شاہ کی جب آئینہ دکھائی تھی
ہر شکن ابروئے عباس کی مٹ جاتی تھی

پیش قدمی کوئی کرتا، یہ نہ تھی تاب و مجال
ابتری فوج میں ظاہر ہوئی جیسے بھرپور
شاہراہ سپہ شام تھے بھڑے ہوئے چال
بدحواسی میں سمجھنے لگے تلوار کو ڈھال
دوش پر جائے کمان فوجیہ بڑاں رکھا
تیغ و کشمیر میں رکھی، میان میں پیکال رکھا

ماس و چپ آن کے محافظ تھے سندھول پہ سوار
شاہد و صمد عزم تھی جن کی رفعت ار
زبیں لشت سپرہ اور نہ کمر میں تلوار
چشم افلاک نے دیکھے تھے نہ ایسے جرّار
دل شگفتہ تھے دلبروں کے چمن کی صورت
دست نولاد میں نیرے تھے کرن کی صورت

ایک بیک در سے بڑھتے ہوئے سائے دیکھے
کچھ جوی دوش پہ مشکیزے اٹھائے دیکھے

تالیخ حکم عسدار تھے وہ تیس سوار
جن کی ثابت قدمی لفظ شجاعت کا وقار
جن کے زخموں سے کیا گلشن ملت نے سنگھار
خون سے جن کے لکھی وقت نے تاریخ بہار
دائیں ہاتھ ہے اتنے جاندار شعروں کے بعد اس بند کی آخری بیت —
جن کا انسانہ روایات نکو کی سحرخی
پھرہ فسرض پہ ہے، جن کی بہو کی سحرخی
میں کس قدر آندہ پائی جاتی ہے)

دم بخود نوج ہوتی سفہر غمناں کی طرح
خاک اڑنے لگی ڈیروں میں بیاباں کی طرح

پیاس اس طرح سے ٹھکراوے بھلا پانی کو
موت دیتی ہے دف فطرت۔ انسانی کو

دوسرا رخ :-

چہرہ تصویر بنا رنگ شہادت کے لئے اُن کی تلوار بنی ہاتھ شہادت کے لئے (ص ۴۷)
مصرعہ ثانی میں "آمد" کی بجائے "آورد" نمایاں ہے۔

یہ وہ بانی کہ شجاعت کا ہے قلم صحت سے ہوا دولاکھ کے لشکر میں تلاطم صحت سے (ص ۵۱)
مصرعہ اولیٰ اخیر، خیال اور اسلوبِ ادا کے اعتبار سے "ناپختہ" ہے۔

جسورہ لہجہ حسینی کی ہے عباس میں ضرور اُن کے آئینے پہ ہے شیر خدا کا پر تو (ص ۵۲)
"اُن کے آئینے" سے آخر کیا مراد ہے "اشادہ" آئینہ "دل" تو پھر "دل" کا انا ضروری تھا !

ہوئے پیدا تو کھلی گود میں بشیر کی آنکھ عمر بھر دیکھی اُسی صاحبِ توقیر کی آنکھ (ص ۵۳)
مآخذہ یوں ہے کہ "سداں شخص بزرگوں کی آنکھیں دیکھتے ہوئے ہے" اس میں "آنکھوں" کا بچہ انا ضروری ہے، واحد کے ساتھ جس طرح اس
مصرعہ :-
عمر بھر دیکھی اُسی صاحبِ توقیر کی آنکھ

میں ہے، درست نہیں ؛ خود شاعر ہی اس مصرعہ کی صحت اور درست کے بارے میں مذہب ہے اس لئے ذیلی حاشیہ میں اس کا بدل یہ مصرعہ :-
نظر آئی تو اُسی صاحبِ توقیر کی آنکھ

بھی لکھ دیا ہے، مگر اس مصرعہ میں شاعرانہ لطف کی خاصی محسوس ہوتی ہے ! "تو" نے بات کو اندازہ بگاڑ دیا، کیا حضرت عباس کو امام
حسین کی آنکھ کے علاوہ پورے گھرانے میں اندکسی کی آنکھ ہی دکھائی نہیں دیتی تھی۔

ہر تین سو سے نمایاں ہوئی تنویر کی آنکھ
آنکھ وہ آنکھ کہ کہنے جیسے تاثیر کی آنکھ

"تنویر کی آنکھ" کیا ہوتی ہے ؟ "تاثیر کی آنکھ" اس سے زیادہ مفہم کہ خیرا شاعر کا پہلا مصرعہ خاصہ اچھا ہے (ہوئے پیدا تو کھلی گود میں بشیر
کی آنکھ) اس مصرعہ کو بترسار رکھنے کے لئے انہوں نے بعد کے تین مصرعے جوڑے ہیں !

ہوتی عباس کو تعویضِ خلائی حسین لوحِ قسمت پہ کھدا نام گرامی حسین (ص ۵۴)
مصرعہ ثانی میں بڑا تکلف پایا جاتا ہے ! "کھدا" نے شکر کی لطافت کو مجسورہ کر دیا۔

دل سے آواز آیا تھی اُجھ لاکھنے عزم کہتا تھا کہ دنیا تو بالاکھنے (ص ۵۵)
اس سے پہلے مصرعوں میں "اندھیرے" کا ذکر آتا تو بند کی آغوشِ بیت میں "اجالا کھنے" موزوں لگتا !

ہیبتِ بشیر سے گر لگی ہوئی حاکم کی زبان گرچہ سر دفتر اشعار مدینہ مروان (ص ۵۶)

معمر عثمانی میں "تھا یا" سمجھا جاتا تھا "لانا فریدی تھا، ایسے موقعوں پر الفاظ کا مصدق ہونا شاعری کا پختہ کاری کی دلیل ہے۔
عاشق یہ دل جاس کے حق میں ہوا تیرا... زبور حضرت سلیم نہیں حقیقی ہمشیر (ص ۵۹)
معمر عثمانی کسی قدر کزود بگڑا ہے۔

مانگ اند کوکھ ہے کیا امر الہی میں بہن
استحق فرض کا ہوتا ہے تباہی میں بہن
اس بیت میں "شعرت" کا عقد دور پتہ نہیں! "مانگ اور کوکھ ہے کیا" اس ٹکڑے نے شعریں ڈگنا قسم کا ابہام بھی پیدا کر دیا۔
ہم نہ دلوں اس ابھی قبسہ خدا ماہ میں ہے
رحم گو طیبت مولائے حق آگاہ میں ہے (ص ۶۰)
صرف غظوں کو جوڑ کر خوشتر کر دیا ہے، حالانکہ شاعری لطیف بیان کا نام ہے۔

کئی دن سے نہ ملا تھا آہیں اک قطرہ آب
ہرنگ و روئے دکھایا تھا ترشائے مراب
شکسین خالی تھیں اور انکو رنگ بھری تھی آنکھیں
ساتن فیض امام مدنی تھی آنکھیں
دروں شعروں کے ثانی معمر میں "آورد" کے علاوہ اند کیا رکھا ہے!
آرزو یہ ہے کہ حضرت نہ معصیت میں پڑیں
کون چاہے لاکھ لاکھ سہارا ہلاکت میں پڑیں (ص ۶۵)
سرس کی آخری بیت ادا تھی کزود!

یہ شاعری نہیں، شاعری کے ساتھ مذاق ہے!
میں ہوں حاضر مزاج ہر جہاں سے مراب
آپ کا غم ہماریں ہے سراپا ہے صواب (ص ۶۶)
یہ دوسری ماہ محرم سے دم تک پیہم
استعمال گاہ میں تھے نازش آدم کے قدم (ص ۶۷)
"نازش آدم" وہاں کو کس قدر کھٹکتا ہے۔

ایک لمحے کے لئے اذن و غافل جائے
چہن اہر کی قسم گوئے زمین ہل جائے
"گوئے زمین" کی ترکیب نے شعری قوت اور معنوں کے شکوہ کو بہت کچھ کم کر دیا۔
روک لڑا تھ پرامت کہیں برباد نہ ہو
سیرانٹھئے شہادت کہیں برباد نہ ہو (ص ۶۸)
کزود "بیت" ۱۰ "مشار کا برباد ہونا" یہ کیا انداز بیان اور زور و زبان ہے۔

پھر سے بیساختہ پن آگئی تمزیروں میں
دولے قید ہوئے علم کی زنجیروں میں
"تمزیروں" میں "بیساختہ پن آنا" عجیب اسباب اظہار ہے، اس پرستراؤ "دولوں کا علم کی زنجیروں میں قید ہونا"!
دل پہ گھر کرالم دغسم کا صحاب آتا ہے
پرسائی کوثر ہوں حجاب آتا ہے (ص ۶۹)

میرائیں جو فسرنا چکے ہیں۔

تو زماں خشک جواہری لہجے دکھلاتا ہے
پرسائی کوثر کو حجاب آتا ہے

اتنی مشہور بیت کے معمر عثمانی سے تو ارد کیسے اند کیوں! اپنی ملام کے باروں کے گھرنے سے پرسائی کوثر کے حجاب سے لے کر کیا نسبت ہے، لان! میں نہیں کیوں! پرسائی کوثر کا حجاب آتا ہے، شاعر نے یہاں پرستراؤ کا مزاج پاتے ہوئے
جنگ مین سے جاگے ہوئے غم کھائے ہوئے
دست کرار سے زخموں کا مزاج پاتے ہوئے (ص ۶۹)

پرسائی کوثر کا حجاب آتا ہے، شاعر نے یہاں پرستراؤ کا مزاج پاتے ہوئے

”ختم کھلے ہوئے“ نے اس بیت کو سلی اور بے لطف بنا دیا۔ ”دستِ گراز کی جگہ“ تیر گراز ہونا تو شعر میں نیا وہ وقت پیدا ہو جاتی۔
 بندشِ آب میں جوڑے ہوئے سسر کو باہم لاف زن لٹے کہہ رہے ہیں کہیں مردوں کے قدم (ص ۸۰)
 ”بندشِ آب کی ترکیب ادلی تو اس طرح مافوس محسوس ہوتی ہے۔ پھر یہ لکنا۔ جوڑے ہوئے سسر کو باہم“ پڑے مصرعہ کے لفظی دوسریت کے ساتھ عجیب سا لگتا ہے۔

ہم جو گرہیں تو پسِ رُوں کے جگر پلٹے ہیں قعرِ بدعت کی بنا بلقی ہے در پلٹے ہیں (ص ۸۲)
 ”مصرعہ ادلی کو فی شک نہیں مضمون اور پُر جوش ہے مگر دوسرے مصرعہ میں لفظ ”بدعت“ بھرتی کا لفظ ہے، ”قعرِ شہی“ کہنا تھا۔ پھر ”نیاو“ کے پلٹے ”کے بعد یہ کہنا کہ“ در پلٹے ہیں۔ کس قدر کزور انداز بیان ہے! یعنی ”رقی“ کی بجائے ”تنزل“
 خشکیں بھر بھر کے برآمد ہوئے جا سے ذی جاہ نکر تھی آپ پہر پوچ جائے سوئے خیر شاہ (ص ۸۵)
 ”پانی کی بجائے“ آب“ مصرعہ ثانی میں کس قدر کھٹکتا ہے!

جوش نے دورۂ خون کے بولفس تیز کیساتھ تیزے پر گیا، گھر زے کو ہمیز کیا (ص ۸۶)
 ”دورۂ خون“ لانے کی ضرورت تھی کہ یہاں ”فنِ طب“ موضوعِ سخن نہیں ہے، پھر اس مصرعہ میں ”تھقیر“ کا عجیب بھی پیدا ہو گیا؟ اس بیت کا مصرعہ ثانی خوب نہیں۔ بہت خوب ہے۔

جسدِ اطفالِ شہنشاہِ مدینہ نے سپا بی چکے اصغرِ نادان تو سکینے نہ پایا (ص ۹۱)
 ”جسدِ اطفال“ زیرِ سا لگتا ہے، ”اصغرِ نادان“ کہنے کا یہ کیا محسوس تھا، ”اصغرِ کمن“ ”موزوں“ لفظ تھا۔
 سجدۂ حق میں وہ دن مات گزرا سے ب نے خاک پر گیسوئے احوالِ سزا سے سب نے (ص ۹۳)
 دوسرا مصرعہ لکھتے آدھ کا مجموعہ ہے!

نکر زور کی نہ بچوں کی جدائی کا خیال دھڑ تشریف تھا ہر حال میں بھائی کا خیال (ص ۹۴)
 ”دندانِ تو جسدِ دردا شہدا“ کی مثل ایسے ہی شعروں پر صادق آتی ہے۔

مکڑے ہو جائے گا گلزارِ جنابِ شہر چھد کے رہ جائے گا میدانِ میں اکبرِ گل (ص ۹۷)
 ”گلزار کا مکڑے ہو جانا“ یہ کہاں کی زبان ہے! اہاں جب کسی بانگ کا ہزارہ ہوا اس سے بہت سے حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ”بانگ کا مکڑے مکڑے“ پھٹنا اس وقت بولا جائے گا۔

قافلہ وقت کا گوز حمتِ ہر گام میں ہے ماندگی شہدا حالتِ آرام میں ہے (ص ۱۰۰)
 ”صفا صاحب نے متعدد مقامات پر ”آمد و زلف“ کو شاید ”صنعت“ سمجھ کر استعمال کیا ہے! اس بیت کا بھی یہی رنگ ہے۔
 ہے اول سے ہی تسالونِ طبیعت آقا کہ شجاعت ہے اک ایمان کی شہت آقا (ص ۱۰۳)
 دوسرا مصرعہ تو مستقل کے کہنے کا ہے۔

جندِ بندۂ مودوثی مولا ہو قبول اپنے اس صفا ناچیز کا سجدہ ہو قبول (ص ۱۰۴)
 ”جند“ کی جگہ ”ہدیہ“ لانا تھا! تیسرا مصرعہ یوں ہے —

لکھ کے نام آپ کا سجدے میں تسلیم ہے حضرت
 مگر

اپنے اس صفحہ ناچیز کا سجدہ ہر قبول
اس پر تسلیم کے سجدے کی حرثِ ذہن نہیں جانا، بلکہ لفظوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر اپنے ممدوح کو پیشانی سے سجدہ کرتا ہے۔ حالانکہ بہت معروف
ذاتِ باری کو سسنا دار ہے۔
ڈاکٹر صفحہ حسین کے مرثیہ کی ایک بیت ہے۔

یہ رسائے یہ قطاریں یہ پیادے کیا ہیں
دنہ رہنا ہے تو کہہ دو کہ انا دے کیا ہیں

کاش اُن کے مرثیہ میں مشعرِ دے سے لے کر آخر تک یہی رنگ و آہنگ قائم رہتا۔ صورت یہ ہے کہ ایک ہی چندیں تین چار مصرعے خاصے بلند
ہیں مگر نیک و دوسرے بہت پست بھی آگئے ہیں، انہیں لفظوں کے در و بست میں جھول رہا ہے، کسی جگہ آدود اند تکلف، اُن کی شاعری میں چاہے
دو غزل ہو یا مرثیہ، نظم ہو یا سلامِ دُعا بھی۔ ابھی وہ پیشگی پیدا نہیں ہوئی جو بڑے شاعروں کا طرہ امتیاز ہے۔ صفحہ صاحب ایک
ایک میدانِ شاعری میں آئے، اندازتے ہی اُن کی شاعری پر معنائیں بھی رسالوں میں پھینچ گئے، انہوں نے شہرت کے طوفانی آغواہی میں کئی کتابیں بھی
ترتیب کر ڈالیں، لوگوں نے تعریف و تحسین بھی کی، اس ماحول میں اگر "بلورنگ کمال" اور "کیمین فن" کا احساس پیدا ہو جائے تو کچھ مستبعد نہیں ہے کہ
ہر طرح شلو کی کڑی ترک جاتی ہے، اور دولت سے پہلے "بلورنگ کمال" کی خوش فہمی میں شاعر سست ہو جاتا ہے۔

شہرت و تحسین سے کوئی تنگ نہیں شاعرِ ادیب کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے مگر یہ چیز "ترقی" کی راہ میں رکاوٹ بھی بن جاتی ہے!
شعرا و ادب کے معاملے میں ہم، انہوں سے کہہ سداواری اور مردت کو "تا انصافی" سمجھتے ہیں، شعرا و ادب میں فدا ہی بھی کہیں ادب پرچ اور
کسر محسوس ہوتی ہے تو ہم اُس کا اظہار کر دیتے ہیں، اسی صاف گوئی نے ہمیں نہ جانے کس کس کی نگاہ میں مبغوض اور نا پسند یہ بنا دیا ہے:
سہ آئینہ اپنی لطافت کی سسنا پاتا ہے

ترتیب دینے والے ۱۔ ظہور احمد، ممتاز احمد، عارف الحق۔ صفحات ۶۶۔ قیمت صفحہ کاغذ پر م روپے، نیم
پنشن پر م روپے۔ طبع کا پتہ ۱۔ ادارہ مطبوعات جمعیت طلبہ ۳۳ اسٹریٹ روڈ کلاچی

اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان میں طلباء کے فلاح و بہبود اور اُن کے اندر اسلامی مدح اور دینی اخلاق پیدا کرنے کی برہمنوں سے کوشش کر رہی ہے
اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس ادارے کی کوششوں کے بڑے مفید نتائج نکلتے ہیں، اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جہاں بھی جمعیت طلبہ کے
مناظرین نظر آئیں گے، وہ اپنے بلند اور پاکیزہ اخلاق کے سبب پہچانے جاسکتے ہیں، مغرب زدگی، اشتراکیت اور بد اخلاقی کی دلدل میں اُن کا
حالی "گول" کی مانند ہے، یہ طلبہ تعلیم میں بھی اپنے دوسرے ساتھیوں سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں بلکہ مجموعی طور پر اُن میں ممتاز نظر آتے ہیں!
اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کی سسرندین میں اللہ تعالیٰ کی آیہ رحمت ہے، اسلامی اخوت نے مغربی اندیشہ شرقی پاکستان کے دین پسند طلبہ
میں ناقابل شکست اتحاد پیدا کر دیا ہے۔

اس ادارے کی بارہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جن کا پورا بیسٹ چار روپے میں مل سکتا ہے، اس نئی کارڈ، انشانات کتابی، پوسٹ کارڈ،
تعارف، اور مجلے بھی شائع کئے ہیں، جن کی سرسبز دین و دانش سے سہم رہے۔

اس کتاب و تعلیم کا مسئلہ میں جتنے بھی معنائیں ہیں اور کچھ دوسرے معنائیں ہیں۔ چند مضامین ۱۔

نظمِ عظیم (ادار باب اختیار (مرلا: امین احسن اصلاحی) — تعلیم کا لگاؤ (ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی) —
تعلیم کی ماہیں (ڈاکٹر عبد اللہ) — تعلیم کے فلاح (خوشیہ احمد) — نظمِ تعلیم کا ماسی نہیں (عبدالحی صلیبی)

تعلیم کا مقصد (اے، کے بروہی) ————— یہ تعلیم اچھے اخلاق کیوں پیدا نہیں کرتی وہی بالاصلی مراد ہے (ہمارے دی مائرس (نعم صدیقی) ————— ہندوستان کا نظام تعلیم ————— ایک تاریخی تجزیہ (غورشیاد) ہر مقلد اپنی جگہ ایک علمی منشور اور تعلیمی دستاویز ہے، اسی باتیں، مفید شہدے، عالیشان تجزیے، اس کتاب کو بڑے سلیقہ اور خوش ذوقی کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے !

ان فاضلانہ مقالوں کے علاوہ یونیورسٹی آرٹینس اور قومی تعلیمی کمیشن کی رپورٹ پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے، یہ تبصرے متوازن اور عادلانہ ہیں، ساتھ ہی جرات آمیز بھی ! خطرات سے بے پرواہ ہو کر، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اظہارِ حق، یہ مردِ مومن کی خاص شان ہے !

یہ کتاب حکومت کے محکمہ تعلیمات کے اربابِ است و کث و کو خاص طور سے دعوتِ سکرتی ہے ! اخبارات میں بھی اس کے مضامین آنے چاہئیں ! جمعیت طلبہ کو ہم اس علمی اور تعلیمی پیشکش پر مبارکباد دیتے ہیں !

پچھلے کے دنیا میں خوش گوار انقلاب !

تین نئے پیسے بچائیے اور ہر ماہ آفسیس، **اچھا سا کھتی** پڑھیے !

دلچسپ، با مقصد کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں ————— دلچسپ لطائف و ظرائف، معلوماتی مضامین اور بلا نیس انعامی مقابلے !

طالب علموں کے لئے ماہانہ تعلیمی وظائف کا انعامی سلسلہ

چند لکھنے والے !

نعم صدیقی، ماہرِ لفظ و دی، اسعد گیلانی، حقیقہ جالندھری، ابنِ فرید، محمود فاروقی، مائل خیر آبادی، ابوالجہاد زاہد، کوثر اعظمی، تاج الدین اشقر، ابوسلیم عبدالحمی، ظہور احمد، نصر اللہ خان عزیز، محترمہ حمیدہ بیگم صاحبہ جالے، نیر بانو، سیدہ سلطانہ نکہت !

فی پرچہ ایک روپیہ - سالانہ پختہ : دس روپے ! مدیوان - آئینہ فاروقی، رشید ارشد

خاص رعایت : اس ماہ کے آئینک پیشگی سالانہ خریداروں سے صرف آٹھ روپے لئے جائیں گے اور مکتبہ اچھا سا کھتی سے شائع کیا جانے والا بہترین کہانیوں کا مجموعہ بلا قیمت - تحفہ — پیش کیا جائے گا - آج ہی لانے خریدار بن جائیے

ماہنامہ "اچھا سا کھتی" بارس اسٹریٹ کراچی ۲

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا ————— گورا اور دھلا لٹھا

(دوسرے)

ہر قسم کا دھاگا تیار ہوتا ہے
بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے

پاکستان کی صنعت کی قدر اور
حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے



اب تیز ترین پرواز!

ٹرائیڈنٹ اے-ای کے ذریعے

کراچی - لاہور

روزانہ ۳ پروازیں

کراچی - راولپنڈی

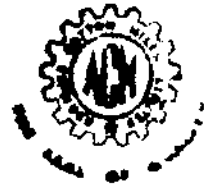
روزانہ ۲ پروازیں

فری کوارٹرز				ہوائی جہاز ٹرائیڈنٹ اے-ای کلاس	فری کوارٹرز			
۳۰۶	۳۰۳	۳۰۲	۳۰۰		۳۰۱	۳۰۵	۳۰۳	۳۰۶
۳۰۶	۳۰۳	۳۰۲	۳۰۰		۳۰۱	۳۰۵	۳۰۳	۳۰۶
۳۰۶	۳۰۳	۳۰۲	۳۰۰		۳۰۱	۳۰۵	۳۰۳	۳۰۶
۳۰۶	۳۰۳	۳۰۲	۳۰۰		۳۰۱	۳۰۵	۳۰۳	۳۰۶
۳۰۶	۳۰۳	۳۰۲	۳۰۰		۳۰۱	۳۰۵	۳۰۳	۳۰۶

حکومت کے اشد پروازوں میں تیز رفتاری اور آرام کا پورا معیار

پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز PIA پاکستان سول سروس اور ہوائی جہاز

آدم جی کے پار پیچا
دوسرے تیر



آدم جی کاٹن ملز لائڈس کراچی

کی قیمت ہی سہی ہے

ہمدرد کی خدمات

- ۱۔ طب مشرقی کو پاکستان میں پھیلانے کے لئے زور دیا اور اس طب کے حکماء کو بلندہ کے کتب خانوں میں داخل کیا۔
- ۲۔ طب مشرقی کی روشنی میں ایک طبی اکیڈمی قائم کی تاکہ اس طب کے حکماء اور نوجوانوں کو تربیت دی جائے۔
- ۳۔ طب مشرقی اور طب و طبی کے مقام کو بلند کیا۔
- ۴۔ طب کے کتب خانوں کو عام کی قابل فراہمی میں خدمت انجام دی۔
- ۵۔ طب مشرقی کو پاکستان کے کونے کونے میں پھیلایا۔



نقشِ اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نصرتی علی النبی الخاتم من قال
” لا ننبی بعدی “

مسند قادیانیت پر پھر لکھنے کی اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) سے تین کتبچے اللہ و خلق میں وصول ہوئے ہیں، اس تمام لٹریچر کا خلاصہ یہ ہے کہ قادیانیوں کی ”لاہوری جماعت“ مرزا غلام احمد کو نبی نہیں جودر امام ادریح موجود آتی ہے۔ انہیں باقی ان رسالوں میں حزانہ قادیان کے وہ اقوال بھی پیش کئے گئے ہیں، جن میں اس لئے، دعوی نبوت سے انکار کیا ہے اور مدعی نبوت کو قادیان کا ذکر کیا ہے۔ ————— عبد اللہ ان عمر نے طویل خط میں اپنے اس عقیدے کا اظہار کیا ہے۔

” میں سیدنا محمد صلی علیہ الصلوٰۃ والسلامؐ کو نبی و امی کو آخری نبی (خاتم النبیین) مانتا ہوں اور حضرت مرزا غلام احمد کو آپ کا محکوم، آپ کا خادم، آپ کے دین کو بھیلانے والا اور آپ کی بنائی ہوئی مادیات پر چلنے والا اور آپ کی بعض باتوں کو تحریف کر کے صدقاً سمجھتا ہوں، مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شہرہ پیش گئی کہ ”ان اللہ یتبعث لہذہ الاجتہاد علی رؤس کل مائتۃ“ شتہ من بعد دلہا۔ ”یہ نہا“ پھر میرے نزدیک حضرت مرزا صاحب امتی ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلطی اور قصور قرآن مجید کی پیروی کرتے ہیں انہیں بعض غریب کی غریب عطا فرماتا تھا جوام احمد پر منتفی ہوتی تھیں، اور جن ملک آج پوری کائنات میں جیسے پیروی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی مصلح نہیں کیا جاسکتا اسی طرح آپ حضور علیہ السلام کی روحانی بارش سے محروم کر دیا آپ کے لئے مستفید ہو گیا اور آپ کی غلطی کا شش پانچ، ہجرت سے حصہ لیتے، اور بعض غریب دیکھتے اور شرارت مکارہ و غلطیہ اور بدعت

ایک کتابچہ میں جس کا عنوان ہے ا۔

المسلمین، خاتم النبیین، قرآن الدین و قرآن عظیم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حریف اور مقابل مدعی نبوت کھلے اکام و قسطنطنیہ کا کوئی لفظ ان اور قسم سے نہیں نکل سکتا۔ دم دق م سکتا نقش کر گزرنے کا شد۔ علیہ ما علیہ

ان تفسیر کو "کافر" اہلنامہ اسلام سے خارج نہیں سمجھتے۔ قرمز اہلنامہ احمدی کی حیثیت نہ صحابہ بن منصور کی ہے، اللہ تعالیٰ ہی اور علیہ السلام جیسے ہے، اس شخص کا اداس کے ماننے والوں کا ارتداد اور کفر کھلا ہوا ہے، جس کے بارے میں امت مختلف رائے نہیں ہے، مرزا اور اس کی امت و معتقدین کے "کفر" پر شبہ متفق ہیں۔

قادیانوں کی لاجوردی جماعت کے سرپرستوں میں بعض مومنین کے اقوال و موثبات میں پیش کیے جاتے ہیں تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ جن میں صرف اہلنامہ کے اقوال و احوال کی کوئی فتاویٰ حیثیت نہیں ہے، ہر کسی کے قول و عمل کے جانچنے اور پرکھنے کی کسوٹی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت ہے، اس کسوٹی پر جس کسی کا بھی قول پیدا نہیں آتا ہے گا اسے رد کر دیا جائے گا:

جہاں تک بعض لوگوں کے اقوال و کلمات، اسلاف و تصورات کا تعلق ہے، ہر قسم کی گواہی اور کفر کنہوں میں ملتا ہے! — خدا — شیطان مرزا و عظیم تھا۔ — فرعون کے ایمان کی تصدیق — یہودیوں کی گواہی کی تاویل بلکہ تحسین — ہندوؤں کے عقیدہ تیناچ اوراج — کا اثبات — اروہ ہستی کو معرفت الہی کا ذیلیہ قرار دینا — اللہ تعالیٰ کے حصول و اتحاد کا عقیدہ — اس قسم کے شیطانیات، ہندو بات و ادب و نفوذات کو دین کے کسی بنیادی عقیدہ کے حوالہ و عدم حوالہ کے لئے مثال و بحث کے طور پر پیش کرنا، دین و دانش سے جہالت و پستی کی دلیل ہے! اگر کوئی شخص اپنے "خدا" ہونے کا اعلان کر دے، تو اس کے اس "کفر تمام" کے جواباً تاویل کے لئے پھٹی کتابوں سے "شر و تصرف" کا ایک آدھ ایسا قول مل سکتا ہے جس کو بنیاد و بحث بنا کر گفتگو کی جاسکتی ہے!

اللہ تعالیٰ کو انسان کی طرح جسم ماننا یہ "کفر" عقیدہ ہے، علامہ اقبال اللہ تعالیٰ کے جسم کے قائل نہ تھے، اس بارے میں ان کا عقیدہ اشعار کے مسلک کے مطابق تھا، یہ واقعہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جسمانیت سے منزہ ہے، مگر کوئی شخص علامہ اقبال کے اس شعر کو —

ناراض تو رہ بیٹھے گا، محشر میں جنوں میرا

یا میرا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک

اللہ تعالیٰ کے "جسم" پر دہلے لائے کہ علامہ اقبال اس کے بھی قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کا نہ صرف یہ کہ جسم ہے بلکہ وہ اپنے جسم پر لباس بھی پہنے ہوئے ہے جیسا تھا انہوں نے۔

"یا دامن یزداں چاک"

کہا ہے، اقولیہ گزراہ ادب و توقیف شخص کو سمجھایا جائے گا کہ اقبال اللہ تعالیٰ کے "جسم" کے ہرگز قائل نہ تھے، یہ تو ایک شعور پرست بیان اور نادر طعنہ جیسا بات ہے — وہ شخص اس توجہ کو بھی قبول نہ کرے گا، تو سوچ کر کہا جائے گا کہ جو تم نے کھلبے اگر اقبال کا بھی واقعی بھی مطلب تھا تو اس شعر کو اداس کے کڑی خیال کو ہم سرے سے غلط سمجھتے ہیں، ادب سے لیتے دین میں بحث کتاب و سنت میں، کلام اقبال نہیں ہے۔

کسی صوفی کے یہاں "فنا فی الرسول" یا ولایت کے لئے "مطلق نبوت" کی اصطلاح ملتی ہے، تو رسول کی ذات میں فنا ہونے سے اس کا مقصد رسول جیسا "مطلق" یا بروہی "نبی پرنا پرز" نہیں ہے، بلکہ "فنا فی الرسول" کا مقصد چنانچہ تمام مہضات اور خواہشات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و مہضات کے تابع بنا دینا، اسی شخصیت کو ولایت رسول میں گنا کہ فنا و ادغام کر دینا ہے۔ اللہ مطلق نبوت سے اور اس نبوت کا بیعتان اداس کا اتباع یعنی صاحب ولایت کی اصل شان یہ ہے کہ اس کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر زیادہ سے زیادہ منکس نظر آئے، یعنی اس کی پسلی زندگی اتباع رسول کا بہترین نمونہ ہو!

"فنا فی اللہ" اور "فنا فی الرسول" کی اصطلاحیں نہ تو کتاب و سنت میں بیان ہوئی ہیں، لہذا فقہاء اور محدثین کے یہاں بھی ان اصطلاحوں کی دین و شریعت میں کوئی اصل اور ذمہ نہیں ہے، "فنا فی الرسول" کتاب و سنت کی روش سے کوئی منصب اور عہدہ نہیں ہے، جس پر فائز ہونے کا

کوئی دعویٰ کرے، جس طرح اعدہ زبان میں محاورے کے طور پر کہتے ہیں کہ نسلان شخص نے قوم کی خدمت کئے اپنے کو فنا کر دیا۔ اسی طرح رسول بھی رسول دیتے ہیں کہ نسلان شخص انشاء اللہ رسول کئے۔ "فنا" ہو گیا۔ مگر مرزا غلام احمد دانی نے "فنا فی الرسول" کی تائید پر دعوے کئے ہیں، ان نسلان کریم کی آیتوں کے منہم کو سمجھ لیا ہے وہ علم و دانش اور عقل و بصیرت کی ٹریجڈی ہے، کوئی شخص جو نبوت کے منہم کو جانتا ہو، قرآن میں تصریحاً بہت مدح و تحسین کے ساتھ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت کو اس قسم کی غوغات اندہیات نہیں کہہ سکتا۔

... حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے لئے پر نازل ہوتی ہے، اس میں ایسے الفاظ رسول اللہ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجود ہیں، نہ ایک دفعہ بلکہ صداف دفعہ۔ ایک غلطی کا اندازہ از مرزا غلام احمد دانی (۱) لکھو یہ جماعت کے ادا پلہ کر کے ہو چکے ہیں کہ محمد یا امام وقت پر الہام ہوتا ہے یا "وحی" آتی ہے، "وحی" جب نبوت کے نام پر ہوگی، تو ہمیں بطور وحی ہی ہوگا اور پھر وہ شخص خود یہ بھی کہنا ہوگا کہ میں نہیں سمجھتا کہ وہ اس سے رسول، مرسل اور نبی بھی خدا کی جانب سے کہا گیا ہے، اس کو "وحی" ولایت (۲) کا لفظ یہ اصطلاح بھی مرزا کے دھوکے کے پیش نظر ہے جیسے اسد حو کے کی اصطلاح ہے (۳) بھی نہیں کہہ سکتے، یہ تو حقائق واضح طور پر "نبوت" کا اعلان اور دعویٰ ہے۔ اس کے بعد مرزا نے قادیان کو تہہ نہ۔

..... چنانچہ وہ مکالمات الہیہ جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکے ہیں، ان میں سے ایک یہ وحی اللہ ہے۔
— ہوا الذی ارسل رسولہ بالہدای و دین الحق لیمقل سرور علی الدین کلد (دیکھو صفحہ ۹۸) م،
براہین احمدیہ (۱) اس میں صاف طور پر اس عاجز کو "رسول" کر کے دکھایا گیا ہے۔

یہ آیت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی تو حضور نے اقدام صحابہ نے اس کا یہی منہم سمجھا کہ اسل رسول سے ذات اللہ ابن خدا اللہ مراد ہے، اسل رسول اسل کی اس پسند مدت میں ساری امت اس کا یہی منہم سمجھتی رہی ہے۔ مگر مرزا نے قادیان کہتا ہے کہ اس آیت میں اس عاجز کو "رسول" کہہ کر دکھایا گیا ہے، کیا کوئی شخص جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جہت رکھتا ہے استقامت کے حاملہ ہو اس کا ایمان ہے، قرآن میں اتنی کھلی ہوئی صریح کلام کا انکاب کر سکتا ہے!

لاہوری جماعت نے مرزا غلام احمد کا صالہ ایک غلطی کا اندازہ بوشلہ کیا ہے، اس میں مرزا لکھتا ہے:-
... نبوت کی تمام کمزوریاں بند کی گئیں مگر ایک کمزوری سیرت صدیقی کی کھلی ہے یعنی فنا فی الرسول کی! پس جو شخص اس کمزوری کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر غلظت و ہیبت کی چادر پہنائی جاتی ہے، جو نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر ہے، اس سے اس کا ہی ہونا غیر ممکن کیجھ نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے ذات سے نہیں کہہ سکتا، نبی کے چشمہ سے لینا ہے اللہ اپنے لئے بلکہ اسی کے بھلے کئے۔ اسی لئے اس کا نام آسمان پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اس کے یعنی ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت آخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے کہ اللہ کو۔ (صفحہ ۲۵)

آخر اس دعوے کے لئے کتاب و سنت سے کیا کوئی دلیل ملتی ہے کہ "خدا کا یہ منہم سمجھنے کے لئے ایک کمزوری" فنا فی الرسول کی ہوتی ہے اور فنا فی الرسول ہوتا ہے اس کو "غلیظہ" ہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے، جو نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر ہے۔ ... غلیظہ اور ہیبت کی چادر ہیبت کی چادر ہے، فنا فی الرسول کی چادر ہے کہ اپنے ذات کی آج ہے جھ کوئی جھ عقل و دانش ایک منہم کے لئے بھی قبول نہیں کر سکتا۔ جس کا یہ کہنا کہ "محمد کی نبوت آخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے"۔

مگر خدا اس "مبطل" وحی کی زبان دانش و تدبیر کے ساتھ دلائل و براہین پیش کرے گا کہ قادیان کی غلطی ہے یہ لفظ "غیریت" ہونا چاہیے۔

اور بسا اوقات سرسودھ مات کو یاد دین کو پیشاب سے جس قدر عوارض وغیرہ ہوتے ہیں، وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں۔ (ضمیمہ اربعین نمبر ۳، ص ۳۴۴) مصنفہ غلام احمد قادیانی

ہے میرا نظریہ بہت غریب ہے، اگر کسی دفعہ کسی کی ملاقات ہو، تب بھی بھول جاتا ہوں، یاد دہانی عمدہ طریقہ ہے، حافظہ کی ابتوری ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ (دکتر بات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۳ ص ۳۴۴) مرزا غلام احمد قادیانی

رسالہ ریویو قادیان (ص ۱۰، اگست ۱۹۲۳ء) سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرزا کو مرقا کا مرض بھی لاحق تھا۔ "مرقا کا مرض حضرت مرزا صاحب کو مد وقت نہ تھا، بلکہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا تھا۔" مرزا کا پیشاب شیر احمد قادیانی کہتا ہے۔
- بیان کیا مجھ سے حضرت مالک صاحبہ نے ایک دفعہ تہار سے رانا کی زندگی میں حضرت مرزا صاحب کو کس پرگنی تھی، حتیٰ کہ زندگی سے نا امید ہو گئی۔ (سیرۃ المہدی حصہ اول ص ۱۰)

مرزا غلام احمد قادیانی علیہ وسلم کے ظل و بھندہ اور اتحاد و نفی غیرت کا مدعی مرزا غلام احمد قادیانی، جو یہاں تک دعوئی کرتا ہے کہ "محمد کی نبوت آخر محمد ہی کو ملی، شکل و صورت، کلام و گفتگو اور جسمانی صحت میں حضرت کی بالکل ضد واقع ہوا ہے" اصل "اور ظل میں اتنا فرق، اس قدر خلا و سیرت اور اختلاف، اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ مرقا اور ضعف باہ، سل لہ نہ دیا بیٹس کا مریض، اس انسان کا دل کا "بھندہ" اور "ظل" کس طرح ہو سکتا ہے جس کا مدینہ میں غیر مقدم۔

"اشرق الیوم علینا"

کے نعرے کیا گیا، بے شک حضرت حسن و جمال کے "بلوکاں" اور اخلاق و نیکی کے ہر نمونہ تھے۔

من وجہک المنیر نقد لوس القصر

مرزا غلام احمد قادیانی اپنے "تہنات"۔۔۔ براہین احمدیہ۔۔۔ کا اس انداز میں ذکر کرتا ہے، جیسے یہ قرآن، زبور، تہیت اور انجیل کی طرح کوئی عینہ آسمانی ہے کہ اس میں جو کچھ درج ہے وہ الہام ربانی اور وحی الہی ہے اور وحی الہی پڑھا ہے ایمان لانا، مسلمان کا فرض ہے! "۔۔۔ الیٰہی میرے مخالف حضرت عیسیٰ بن مریم کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوبارہ دنیا میں آئیں گے، اور وہ چونکہ وہ نبی ہیں، اس لئے ان کے آئے پر بھی وہی اعتراض ہوگا جو مجھ پر کیا جاتا ہو یعنی خاتم النبیین کی ہر شخصیت ٹوٹ جائے گی۔"

مرزا کی بے بصیرتی اس کے ان اقوال ہی سے ظاہر ہے! حالانکہ قرآن کریم کے مفسرین اسی خدشہ کا صدیوں پہلے جواب دے چکے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی نئے نبی نہیں ہیں، ان کا ظہور تو حضرت سے بہت پہلے ہو چکا ہے، انتم نبوت کو توڑنے والی چیز" نئے نبی کا ظہور ہے اور حضرت عیسیٰ دنیا میں اس حیثیت سے تشریف لائیں گے کہ شریعت محمدیہ کے تابع ہوں گے، اگر یہ سائنے کی بات اس شخص کی سمجھیں نہیں آتی، جس کا دعوئی یہ ہے، کہ مجھے اللہ تعالیٰ طیب پر مطلق فرما، ہے ادریں۔ ہر دزدی "اللہ علی" نبی ہوں، اور مجھے نبوت عطا ہے تو وہ۔ اصل۔ "محمد" ہی کی نبوت تھی۔

سہ ماہ، مرزا کا بیٹا اب جانشین مرزا محمود احمد اس کی اصطلاحات کے مطابق مرزا کا "ظل" اور پیشاب کہا جاسکتا ہے کہ وہ جسمانی امراض کے معاملے میں باپ کی مثل تھا، وہ کہتا ہے، "میری صحت تو بچپن ہی سے غریب ہے" اس لحاظ سے دیر پھیلائی بیماری بھی نہیں ہونی چاہئے تھی، مگر میری صحت غریب تھی اسی وجہ سے حضرت مرزا صاحب نے صاحب کی تعلیم محمد سے چھڑا دی تھی۔ (خطبہ جمعہ بیان محمدنا محمد منہج الفضل قادیان ۳۳ مارچ ۱۹۳۶ء)

قرآن کی تحریف

قرآن کریم کی آیات کے ساتھ مرزا غلام احمد نے تحریف کا جو قرین آمیز سلوک کیا ہے وہ اس کی صفات کا مکمل ہونی ثابت ہے۔ ہم دلی پر جبر کے اس کے ہدایت پر بالکل قائل کر رہے ہیں۔

اور
دعویٰ

• چنانچہ وہ مسالحت الہیہ جو یحییٰ احمدیہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ دعویٰ الہیہ ہے
— ہوالذی ارسل رسولہ بالہدیٰ و دین الحق لیظہر علی الدین کما یراہن احمدیہ
مشق ۴) اس میں صاف طور پر اس عاجز کدو رسول کریم کے پکا لگایا ہے، پھر... اسی کتاب میں اس کا لہجہ کے قریب
یہ دعویٰ الہیہ ہے محمد رسول اللہ والذین حطہ استثناء علی الکفار ورحمہم بینہم اس دعویٰ الہیہ میرا نام
محمد رکھا گیا (ایک غلطی کا انا لہ از مرزا غلام احمد)

• قل یا عباد اللہ انی رسول اللہ الیکم جمیعاً (اے مومن من اللہ) کہ اے غلام احمد! اے تمام لوگو!
میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہو گیا ہوں (البشری جلد ۱ ص ۱۱۱) مجموعہ اہانتا مرزا غلام احمد
• وما ارسلناک الا رحمة للعالمین (اسم کے دنیا پر رحمت کے لئے بھیجے گئے ہیں)۔ (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۳۴)
• ۳۴ ص ۳۴ معصوم مرزا غلام احمد دہلوی

• وما یطیق صن العہدی ان ہوالا وہی فی حق اودیہ (مرزا) اپنی طرف سے نہیں لڑتا بلکہ تم کو چوکھ
سننے پر مجبور خدا کی وہی ہے (اربعین نمبر ۳ ص ۳۴) از مرزا غلام احمد دہلوی

قرآن کریم کی آیات جن کا معنی حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات تدری صفات ہے ایسا ہر دے میں دہلایں نہ ہوئی ہیں
اسم ہو سکتی ہیں۔ مرزا کا اپنی ذات کو ان آیات کا مخاطب قرار دینا اللہ تعالیٰ اللہ قرآن کے ساتھ خفاق بد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخی
وہی الہی کی محوری تحریف اور کھلوا دہل و فریب نہیں لیا گیا ہے۔

• عدم ہو گئی۔ دہل و تحریف کی کہ ظالم نے۔ "ما تختف من مقام ابواہیم مصی" کی یہ تاویل و تحریف کی ہے کہ (دیر آیت) اس طرف اشارہ
کرتی ہے کہ جب امت محمدیہ میں بہت فرقہ پر جاگیر کے، تب آخر زمان میں ایک ابراہیم پیدا ہوگا انسان سب فرقوں میں وہ نجات پائے گا جو اس ابراہیم کا پیرو
ہوگا (اربعین نمبر ۳ ص ۳۴) معصوم مرزا غلام احمد دہلوی

ایسی باتیں وہی کہہ سکتے ہیں جو مرقی اور آسیب زدہ ہواؤں سے تخیل الشیطان کا پوری طرح مصداق ہوا اور جسے نہ خدا کا خوف نہ لوگوں کا شرم
جو شخص اپنی شروعات کی تحریروں میں یہ لکھ چکا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع اور غلام ہوں اور حضور کی کے واسطے سے مجھے سب
کچھ ملے ہے۔ پھر وہ ایسی "کفریات" بھی لکھنے لگتا ہے۔

• اس کے (یعنی نبی کریم کے) لئے (حرف) چاند گرہن کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں
لے کے گرہن کا اب کیا تو انکار کرے گا (الحجتا محمدی ص ۱۱) معصوم مرزا غلام احمد دہلوی

اور

• آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اس کے تمام احکام کی تکمیل ہوئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت
میں اس کے ایک پہلو کی انتہا تک کی تکمیل ہوئی، اندیکہ موجود کے وقت میں اس کے روحانی فضاں اور اسرار کے
ظہور کی تکمیل ہوئی۔ (دہل میں احمدیہ حصہ خیم حاشیہ معصوم مرزا غلام احمد دہلوی)

• ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا

اللہ نے اس روحانی زندگی کو قیامت کا انتہائی مقابلہ اس کے کمالات کے ساتھ کے معراج کے لئے بہت اہم قدم
تھا پھر اس روحانیت سے چھٹے ہزار کے آفریں یعنی اس وقت پوری طرح قبول فرمائی ۔

(خطبہ الہامیہ ص ۷۷ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

”اسلام ہلال کی طرح شروع ہوا ، اور مقدمہ تھا کہ انجام کا نشانہ میں بہت ہو جائے ، خدائی کی حکمت نے
چاہا کہ اسلام اس حد تک ہی بد کی شکل اختیار کرے جو شمار کی رو سے بد کی طرح مشابہ ہو لیکن جو دعویٰ مسلمانوں پر
ان ہی اصول کی طرف اشارہ ہے خدا تعالیٰ کے اس قول میں کہ ”لقد نكحنا الله بها من“

(خطبہ الہامیہ ص ۷۷ مصنفہ مرزا غلام احمد)

منہاتے قادیان کے ان اقوال ہیں تفسیر شریک ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس درمیان کی فطیلت کا پہلو ہے ، ان اقوال سے ہم نے کوئی نکتہ
پیدا نہیں کیا ہے ، بلکہ اس کے پیشے اللہ جالیٹین مرزا غلام احمد نے بھی ان اقوال سے ہی بات سمجھی ہے ، وہ اپنی تفسیر میں کہتے ہیں ۔

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکم میں اور سچے موعود ایک شاگرد ، شاگرد خواہ استاد کے علوم کا وارث ہو سکتا ہو
ہو جائے ، یا بعض خصوصیات میں بڑھ بھی جائے ، مگر استاد بہر حال استاد ہی رہتا ہے ، استاد گرو شاگرد کی ”

(تقریر غلام احمد خطبہ قادیان منہج اخبار علم قادیان ۲۸۸۸ میں نقل شدہ منقول از المہدی نمبر ۲ ص ۳)

اس کے بعد ایک قادیانی کے واضح ملاحظہ کیجئے ، جو مرزا غلام احمد کے ان اقوال کا ”بروزہ اول“ ہیں ۔

مستند پھر آتے ہیں ہم میں اور آگے سے میں بڑھ کر اپنی شان میں
مسند دیکھتے ہوں ، جس کو اسکتی غلام احمد کر دیکھے قادیان میں

(توضیح غلام احمد الدین اکلن قادیانی منقول از اخبار پیام صلح ، لاہور ۱۲ مارچ ۱۹۱۶ء)

ترجمین ص ۲۷۷-۲۷۸ میں مرزا غلام احمد قادیانی ، تمام انبیاء علیہم السلام پر اپنی فطیلت کا اعلان کرتا ہے ۔

انبیاء و مرسلین پر وہ اندر ہے من بعد ان نہ کمترم ز کسے

آنچه دارست ہرگز ما جسم داداں جام ما مرا بہ تمام

کہ نیم نال ہمہ بردے یقین ہر کہ گوید و شاہست لیس

ان شعروں سے اکبر قادیان نے کیا مفہوم لیا اس کا اندازہ مرزا بشیر احمد قادیانی کے ان جملوں سے کیا جاسکتا ہے ۔

”اس کے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے شاگردوں میں علاحدہ بہت سے محدثوں کے ایک نے نبوت کا بھی دعوہ پایا ، اللہ عز و
جل کے نبی بنا ، بلکہ اپنے معراج کے کمالات کو غلطی طور پر حاصل کر کے ، اولیاء العزم نبیوں سے بھی آگے نکل گیا ۔“

(حقیقۃ النبوة ص ۲۷۷)

اور

”ہر سچ موعود کی غلطی نبوت کوئی گھٹیا نبوت نہیں ، بلکہ خدا کی قسم اس نبوت نے جہاں آگے دھک دیا وہاں کو بلند کیا

لہ ایک چھوٹے سے عزم میں چہا ہارت کے ”کیا ہے ، یہ ہے قادیانی کی غلطی کی تلافی ، جس سے وہی دہا ہم کو نسبت دی جاتی ہے ۔
لہ قرآن حکیم گراچی ہوائے کس انداز کی جڑاں کھلے اس طرح نکلے بنا ، کتنی تکلیف دہ نبوت ہے ۔“

وہاں اس مقام پر کھڑا کر دیا جن تک انبیاء بنی اسرائیل کی پہونچ نہیں۔

(مکملہ افضل مندجہ، سالہ بدیع لآت، ریویوز میں ۱۱، نمبر ۳، جلد ۱۲)

مرزا کے بیٹے کے یہ الفاظ ————— اس نجات نے جہاں آقا کے دہر کو بلند کیا ————— خود مطلب ہیں، یعنی مرزا کی غلطی نبوت کے سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہر کو بلند کر دیا۔ (در لغت اللہ علی من قال کھلدا و کھلدا)

● ————— ہیں اس امت کا یوسف یعنی یہ عاجز مرزا غلام احمد قادیانی (اسرائیلی یوسف سے بڑھ کر کہے گئے) تک یہ عاجز تیرہ کی دعا کے بھی قید سے بچا یا گیا مگر یوسف بن یعقوب قید میں ڈالا گیا اور اس امت کے یوسف (مرزا غلام احمد) کی بیعت کے لئے پچیس برس پہلے ہی خاتمہ آپ گواہی دے دی اور بھی نشان دکھائے، مگر یوسف بن یعقوب اپنی بیعت کے لئے الٹی گواہی کا محتاج ہوا (برہان احمدیہ جلد پنجم میں پڑھئے) معنفہ مرزا غلام احمد قادیانی (یہ منکایہ خیر تشابہ بھی دیکھئے)۔

”الہیہ بھی امت سے الہام ہو چکا ہے کہ انا انزلنا قرآن من القادیان اس جگہ مجھے یاد آتا ہے کہ جس سفر وہ الہام مذکور ہوا جس میں قادیان میں نازل ہونے کا ذکر ہے، ہر تھاں اس روز کئی طور پر چمکے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحوم مرزا غلام احمد میرے قریب بیٹھ کر باقاعدہ قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انہوں نے فقرات کو پڑھا انا انزلنا قرآن من القادیان، تو میں سن کر بہت تعجب کیا کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں لکھا ہے تب میں نے دل میں کہا کہ قادیانی ہر طور پر قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے، اور میں نے کہا کہ ادرین فہروں کا نام قرآن شریف میں اعزاز کے ساتھ لکھا ہوا ہے، مکہ، مدینہ، قادیان، یہ کشت تھا کہ کئی سال پہلے مجھے دکھلایا گیا تھا ”انا لا اؤم جہنم“ (جہنم معنفہ مرزا غلام احمد قادیانی) ایک راز کی ہے کہ جو سنیں آتا ہے بکثرت جاتا ہے، اُن احمقوں اور جاہلوں کو کیا کہنے کہ جو ”ان“ ”ہدایات“ کو الہام دہی سمجھتے ہوئے ہیں اور اس قسم کے خرافات پڑھ کر بھی مرنا ہے قادیان کی عظمت کہتے ہیں اور اس کی فات سے ان کی عقیدت میں کمی نہیں آتی، یہ کفر و ضلالت کا وہ آخری دہر ہے کہ ذہن و قلب سے حق شناسی ادا چھوڑے کہ جانتے پہچانتے کی چیز ہی سر سے جاتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کے دلوں پر ہر گادی جاتی ہے!! اس کفر و ضلالت کی آخری پستی یہ ہے کہ —————

● ————— انت سنی بمنزلتہ ولدی ”تو مجھ سے بمنزلتہ میرے فرزند کے ہے“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۱۱ معنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

● ————— انت منی وانا ضدک ظہور و غیور ————— تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں، بترانہ میرا غمیرہ ہے

والہام مرزا غلام احمد قادیانی منہجہ تنکھ وحی مقدس مجموعہ الہامات و مکاشفات مرزا ص ۵۰

● ————— محمدک اللہ من عرشہ وکشی ایک، خداوش سے تیری (یعنی مرزا کی) تعریف کرتا ہے الہامی طرف چلا آتا ہے۔ (انجام آفم معنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

● ————— ”خدا قادیان میں نازل ہو گا“ (الشرعی جداولی ص ۱۱۱ مجموعہ الہامات مرزا غلام احمد)

● ————— میں نے تجھ سے ایک خرید و فروخت کی، یعنی ایک چیز میری — جس کا تو ملک بنا لیا، (اندیک چیز تیری تھی جس کا میں ملک بنا لیا، تو یہی اس خرید و فروخت کا اقرار کرنا ہے کہ جسے خدا نے مجھ سے فروخت کی، تو مجھ سے لیا ہے جیسا کہ اہل کفر بھیجے سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔

(مرزا غلام احمد کے کتاب البرہ ص ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲

● ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ دعویٰ کا نزول فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبریل
لادیں اور پھر سب ہو جائیں، یہ امر بھی ختم نبوت کے منافی ہے۔۔۔ (انزالہ اہام ص ۱۱۷) مرزا غلام احمد قادیانی (م)
اس صحیح صاف اور سچے عقیدہ کے بعد مرزا ولایت و مجددیت کا دعویٰ کرتا ہے۔۔۔

”ان پر واضح رہے، ہم بھی نبوت کے منکح پر اہل حق سمجھتے ہیں اور اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اور انحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور دعویٰ نبوت نہیں بلکہ وہی ولایت جو زیر سایہ نبوت محمد اور بہ
اتباعا آل جناب صلی اللہ علیہ وسلم اور لیا وگوشتی ہے، اس کے ہم قائل ہیں اور اس سے زیادہ جو شخص ہم پر الزام لگائے
وہ فقرہ اور دیانت کو چھوڑتا ہے، غرض نبوت کا دعویٰ اس طرف بھی نہیں، صرف ولایت اور مجددیت کا دعویٰ
ہے۔ (اشتہار مرزا غلام احمد ص ۱۲۷) رشیدان ص ۱۳۷ مندرجہ تبلیغ رسالت جو یکشنبہ ص ۳۳
یہ ولایت کا دعویٰ کیا اور کیوں؟ یہیں سے دلائل کا نفاذ اور ذہن و فکر کی غواہی کا غلط نتیجہ ہے۔“ وہی ولایت ”خود پر سے جھڑکے اور غلطی کی بات ہے؛

اس کے بعد

”نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے، جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا، اور اس میں کیا نیک ہے کہ محدثیت
بھی ایک شعبہ قیہ نبوت کا اپنے اندر رکھتی ہے (انزالہ اہام ص ۱۲۱) مصنف مرزا غلام احمد (م)
”وہی ولایت کے بعد محدثیت کا دعویٰ اس اعلان کے ساتھ کہ ”محدثیت ایک شعبہ قیہ نبوت اپنے اندر رکھتی ہے“

پھر وہ کہنے لگا

”مجھے سید ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں مسیح کا قائل ہوں بلکہ مجھے تو نقطہ ”مثیل مسیح“ ہونے کا
دعویٰ ہے، جس طرح محدثیت نبوت سے مشابہ ہے ایسا ہی میری روحانی حالت ابن مریم کی روحانی حالت سے
مشابہت رکھتی ہے۔ (اشتہار مرزا غلام احمد قادیانی مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۱ ص ۲۱)
حاکمہ کشمی نور ”میں مرزا اپنے کو ”ابن مریم“ ٹھہراتا ہے، جس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے؛
ہوائے نفس نے ادا گئے بڑھایا، اور وہ اس حد تک پہنچ گیا۔

”میرا دعویٰ ہے کہ میں وہ مسیح موجود ہوں جس کے بارے میں خدا تعالیٰ کی تمام پاک کتابوں میں گونہاں ہیں
کہ وہ آنحضورؐ کے منکح ہوگا۔ (تحفہ گزلیہ ص ۱۹) مصنف مرزا غلام احمد قادیانی (م)
”مسیح موجود کے دوسرے کے بعد نبی ہونے کا اعلان کیا گیا۔

”میں کوئی نیا نبی نہیں ہوں، پہلے بھی کوئی نبی محمد سے ہیں جنہیں تم لوگ سچا مانتے ہو“

مرزا غلام احمد قادیانی مندرجہ اشتہار جلد ۱ ص ۱۹۷

اس دوسرے میں ”بروزی“ اور ”نقی“ ہونے کا دم چھٹا بھی اڑا دیا گیا، اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی مانند، اپنے ”نبی“ ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔
۱۸۹۹ء میں مرزا غلام احمد کا یہ عقیدہ تھا۔

”میرے لئے کافی فہم ہے کہ میں ان لوگوں (صحابہ) کا علاج اور خاک پاؤں، جو مجھ پر فضیلت خالصہ تعالیٰ نے
انہیں بخش ہے وہ قیامت تک اور شخص نہیں پاسکتا۔ (اعلان مرزا غلام احمد قادیانی مندرجہ اخبار الحکم قادیان
اگست ۱۸۹۹ء)

میں کون سا لحد کون جھڑا ہے۔

(۳) میں کسی چیز کو الہام بتا کر کشف کرنے سے محض یہ کہ جس کا یہ منت امر ہو، یا جو ایسا منشا و رکھنے کی معقول وجہ رکھتا ہو کہ نہ کسی شخص (یعنی مسلمان) کو، خواہ ہندو یا عیسائی وغیرہ (نکلتا اٹھنے کا اندبامد و عتاب الہی ہو گا۔

(۴) جہاں تک میرے احاطہ طاقت میں ہے، میں تمام اشخاص کو جن پر کچھ میرا اثر یا اختیار ہے، تزیین و دل کا کہ وہ بھی جیسے خود اس طریق پر عمل کریں جس طریق پر کار بند ہونے کا میں نے وفد انامہ میں اقرار کیا ہے۔

العبد مرزا غلام احمد بقسم خود

خواجہ کمال الدین

بیمہ ایلی، ایلی

دستخط ہے، ایم ڈی ڈی ڈی ڈی ڈی ڈی ڈی

۲۴ فروری ۱۸۹۹ء

میں سرور احمد نجی اپنے الہام کے کشف ذکر کرنے کا۔ اقرار نامہ "اگرچہ حضرت کے حضور پیش کو رہا ہے، آخر کیا تماش، سوانگ و دفعہ کہ ہے ... پہلے میرا عقیدہ یہ تھا کہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہمسر نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ رسول تھے، مگر بعد ازاں مجھ پر وحی کی بارش ہوئی، مجھے اپنا سابقہ عقیدہ ترک کرنا پڑا، اب اللہ مجھے رسول کہہ کر پیکار ہے اللہ مجھے اس نے خاص طور پر اپنا رسول مقرر کیا ہے (حقیقتہً الفرق ص ۱۴۹-۱۵۰ از مرزا غلام احمد قادیانی)

کیا انبیاء (اللہ رسول) معتمدہ، بھی بدل دیا کرتے ہیں؟ مجھوت اللہ میں دغریب کی جگہ کوئی صدا نہاتا ہے! اللہ جہاں تک نسخہ کا تعلق ہے وہ فقہی احکام میں باقی رہا ہے، عقائد میں نہیں!

صیغہ شرط میں آیا ہے کہ حضرت مسیح و مشق کے مینارہ سفید کے پاس نازل ہوئے گے۔ اس حدیث کے مفہوم کی شرح و تفسیر مرزا نے قادیان کی زبان سے لکھے۔

"اب یہ بھی جانتا چاہئے کہ مشق کا لفظ جو مسلم کی حدیث میں وارد ہے، یعنی صحیح مسلم میں جو لکھا ہے کہ حضرت مسیح و مشق کے مینارہ سفید پورے کے پاس آئیں گے، یہ لفظ ابتدائے مشق لوگوں کو حیران کرتا چلا آیا ہے ... واضح ہو کہ مشق کے لفظ کی تفسیر میں میرے پیر میں جانب اللہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جگہ ایسے قصہ کا نام لکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہوں جو نیک و الطبع اور نیک پلیدی کے عادات اور نیکیاں کے پیر ہوں ... خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ ظہر فرمایا کہ یہ قصہ قادیان ہجرت اس کے کہ اکثر نیک و الطبع لوگ اس میں سکونت رکھتے ہیں، و مشق ایک نہایت اہم شہرت رکھتا ہے" (حاشیہ انالہ اوقام ص ۳۶۳)

سہ ناکہ تیرے عہد نہ چھوڑا انسان میں

مرزا غلام احمد قادیانی کی کہ اقوال اللہ سے رسول سے اس کی جو شخصیت سامنے آئے بعد ایک ایسی بات و عامی شخص کی شخصیت ہے جو عراقی منصب باہر، اس کو یا جس اور سرور حفظ کا مراد ہے، پھر شخص شریعت شریعت میں دستخط سے ۱۸۸۹ تک مناظر اسلام اللہ

فادہ صافی، اے ترک (المعاصی)

لے شکوت الی و کیجے سرور حفظی

میر نے اپنے اتار دیکھے، "خوابی حافظہ کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے "دیکھا" کی کیفیت کی دیکھ گئی کہ کسے حافظہ غراب ہوتا ہے)



آزموده دواؤں کا مرکب

انجبین

سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Opal

Spacht

61/89

منقحہ دلی حسن لونی

اقسام حدیث

موقر ماہنامہ "فہم کریم" کے شمارہ اپریل میں "قربانی کی شرعی حیثیت" کے عنوان سے ایک طویل مقالہ نظر سے گذرا جس کو جناب جلال الدین لونی نے تقسیم فرمایا تھا اس پر مقدمہ وراثت سرمنشی صاحب نے لکھا تھا، مقدمہ میں حدیث کی مختلف اقسام اقسام احسان کی تعریفات بیان کی گئی تھیں تعریفات دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔ تقسیم بآسب کی سب غلط تھیں، اس لئے بطور استدراک اقسام حدیث احسان کی تعریفات حوالہ قرطاس میں تعریفات صرف انہی کی ہیں جو مقالہ میں ذکر کی گئی ہیں، یہ تمام تعریفات اصول حدیث کی مستند کتاب "تدیب المرادی فی شرح تقریب النواہ" کے پیش نظر لکھی گئی ہیں۔

۱۔ صحیح - وہ حدیث جس کی سند متصل ہو، مادی نہایت عادل، ضابطہ اول اور حدیث میں شذوذ، علت، انکارت نہ ہو۔

سند متصل ہو - اس کا مطلب یہ ہے کہ سند میں کوئی مادی ترک نہ ہو۔ پوری سندانہ اول تا آخر چمکی ہو۔

عادل کا مطلب یہ ہے کہ مادی تقویٰ، طہارت، امانت، دیانت سے آلودہ نہ ہو۔

ضابطہ - جس کا حافظہ بہتر قسم کے سقم سے پاک ہو، شیخ سے سماع کے وقت بھی صحیح یاد رکھا، پھر کتاب یا حافظہ میں صحیح اور بلائی دشمنی لکھا اور اسی طرح اپنے تلمیذ کے سامنے بلا کم و کاست بیان کیا، غرض تینوں درجوں میں مادی ضبط کی صفت سے مستقیم ہو۔

شذوذ، یعنی لغت مادی کا اپنے سے زیادہ خارج اور اولیٰ مادی کی مخالفت کرنا۔

انکارت - ضعیف مادی کا قویٰ مادی کی مخالفت کرنا۔

عدلت - سقم، یا عیب کو کہتے ہیں، علماء و اصول حدیث کے نزدیک جو اسقام یا عیب کچھ جانتے ہوں اس سے وہ حدیث خالی ہو، عدلت عمل ہے، عمل حدیث سمجھنا نہایت دقیق فن ہے، عمل کسی مشن حدیث میں ہوتی ہیں۔ اور کسی سند میں، پھر یہ عمل کسی نظر ہوتی ہیں کہ بہت نہایت خفیہ۔ عمل حدیث پر مستحق کتاب میں بھی لکھی گئی ہیں، ابن ابی حاتم کی کتاب البطل مشہور ہے۔

۲۔ حسن - جس میں کچھ فرق صرف اس قسم ہے کہ اس کے مادی "صحیح" کے مقابلہ میں صفت ضبط میں کم تر ہوں۔

۳۔ ضعیف - وہ حدیث جس میں حدیث "صحیح" یا "حسن" کی صفات نہ ہوں، یعنی یا تو اس کے مادیوں میں عدالت، حفظ، ضبط کے لحاظ سے کمی ہو، یا اس میں شذوذ، انکارت، علت وغیرہ پائی جائے۔

جس طرح "صحیح" کے درجات میں، اسی طرح حدیث ضعیف کے درجات میں۔

۴۔ ملحد - وہ حدیث جس میں مادی نے شکل الفاظ کی شرح یا حدیث کی وضاحت کے سلسلہ میں کچھ لفظ اضافہ کر دیے ہوں۔

- ۵۔ متر وک ۴۔ وہ حدیث جس کو ایچے داوی نے روایت کیا جس کا بھڑٹا لونا حدیث کے علاوہ دوسرے نسخوں پر ثابت ہو گیا ہو۔
- ۶۔ مسند ۵۔ وہ حدیث جو مرفوع یعنی جس کا سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور سند پوری اور متصل ہو۔
- ۷۔ مسلسل بالکلف ۱۔ وہ حدیث جس کو مرادوی نے اپنے تئیں کہہ سنبھلنے حلف اٹھا کر روایت نقل کی ہو۔
- ۸۔ عالی ۱۔ وہ حدیث جس میں واسطہ کم ہوں۔
- ۹۔ متصل ۱۔ وہ حدیث جس کی سند میں کوئی داوی ترک نہ ہوا ہو۔
- ۱۰۔ منقطع ۱۔ وہ حدیث جس کی سند سے ایک یا کئی داوی متفرق مقامات سے ساقط ہوں۔
- ۱۱۔ موضوع ۱۔ وہ حدیث جس کے داوی کے متعلق ثابت ہو گیا ہو کہ وہ جعفری حدیث بناتا ہے۔
- ۱۲۔ مرسل ۲۔ وہ حدیث جس میں تابعی سے اس کا داوی ساقط ہو۔
- ۱۳۔ مضعن ۱۔ وہ حدیث جو عن فسلان، عن فسلان سے روایت کی گئی ہو۔
- ۱۴۔ مبہم ۱۔ وہ جس کے داوی کا نام ذکر نہ کیا گیا ہو۔

(باقی صفحہ ۳۴ پر)

تسکینی میوشیم گزٹا کی شدت و تیش بین کنی گزیناں حروا

موسم گرہ کی شدت، تیش اور ٹوکی ایذا رسانی نات ہی برداشت تکالیف کی بنیاد ہے سوائے چند پہاڑی علاقوں کے یہ تکلیف ایسی ہے کہ نہ کھانے کا مزہ نہ چھنے کا لطف۔ انسان چاہتا ہے کہ کسی سرد غلغلے میں گھسا رہے۔

پایس کی شدت اس موسم کا سب سے بڑا دکھ ہے سیول پانی پی جائیے طبیعت میری نہیں ہوتی اس موسم میں ہم پر گرمی والے غاروں اور چھنیاں زیادہ نکلتی ہیں، گرمی کی پسو چین نصیب نہیں ہوتا۔ موسم گرہ کی ان تکالیف کے پیش نظر ادارے نے برسوں کے تجربات کے بعد ایک دوا ایجاد کی ہے جس کا نام تسکینی ہے۔ بلاشبہ تسکینی موسم گرہ میں آج کی تسکین کا سامان پیدا کرتی ہے دل کی دھڑکن اور اضطراب کو اعتدال پر رکھتی ہے، جگر کی گرمی کا نالہ کر کے قید میں ڈال دیتا ہے اسباب بنتی ہے پیاس محسوس ہونے سے زیادہ نہیں بڑھتی، سیول ابھار باسپاتی چھنے کی ضرورت نہیں پڑتی اس لئے صدمہ زیادہ نہیں بگڑتا ہضم کا نظام صحیح طریقہ سے چلنے لگتا، انجم دیتا ہے، تسکینی موسم گرہ کی شدت میں تسکین کا باعث بنتی ہے گرمی کو کوش و بھان کو اعتدال پر رکھتی ہے اعتدال سے پیاس اعتدال سے پسینہ اور معتدل حرارت گویا مزاج کو اعتدال پر رکھتی ہے اور موسم کی برسی سے بچاتی ہے تسکینی موسم گرہ میں ایک نعمت ہے جو مختلف تکالیف سے نجات بخشتی ہے۔ تسکینی آپ کی حقیقی راحت کا باعث ہے چونکہ تسکینی کی ہر گرمی موسم گرہ کے دوران مستقل ضرورت رہتی ہے دن میں تین چار بالاس کی دودھ دلیسے مطابق طرز سے سکتے ہیں۔ ۱۰۰ ٹیکہ کی شیشی ۱.۵۰ میں ہر جگہ سے ملتی ہے یا صدمہ دھڑکے طلب فرماتے۔ ۵۰۰ ٹیکہ ۲.۰۰ میں دے غاروں، ہوشے پھنسی کی شکایت میں بھال آپ ہمدی مقبول و معروف دوا صیفولین استعمال کریں دواں ستم ہی تسکینی ہی دن میں دنیا میں بارگاہی کرتے رہیں تو تکالیف سے جلد شفا حاصل ہو جاتی ہے۔

اشرف یونانی لیبارٹریز ۳۹ جلد ح کالونی، لائل پور

ماہر القادی

یڈیو کے سوال نامہ کے جواب میں

دراستہ و گشتہ پاکستان نے حکمران یڈیو کا سرانہ میرے پاس بھیجا تھا، اس کے جواب میں جو کچھ عرض کیا گیا، وہ "قارئین خدایان کی اطلاع اور دلچسپی کے لئے منسلک ہے" (جانتا ہے)

حک، معشرے اور نظم و نسق کے معاملات و مسائل میں حکومت کی جانب سے عوام کے پاس ان کی ملنے معلوم کرنے کے لئے سرانے بھیجا، کیٹیاں اور کیٹھے مقصد رکھنا، صحت مند ذہن اور عوام دوست مزاج کی علامت ہے، جوہر آئینہ قابل تعین ہے، مگر سوال یہ ہے کہ خود حکومت ان کیٹیوں کی سفارش پر کتنی حس کرتی۔ اور ملکی مسائل میں عوام کی پسند و ناپسند کا گنتا خیال رکھا جاتا ہے؟ سامنے کی مثال یہ ہے کہ اب سے چند سال پہلے "شہاب الدین کیشن" نے عوام کے نمائندوں پر دواست بننے اور ان کے خیالات اور نظریوں کا علم حاصل کرنے کے بعد پاکستان میں پارلیمانی طرز حکومت استاءات کے لئے "سامنے دہی بانغان کی سفارش کی تھی۔ مگر حکومت نے اپنے مقصد کے لئے کیشن کی سفارشوں کے علی الرغم آزاد جمہوریت کی بجائے "پابند جمہوریت" (یعنی حکم جمہوریت) کو غلبت و جود بخشا پارلیمانی حکومت کے مقابلہ میں صدارتی طرز حکومت کو قائم کیا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ عالمی قوانین کا جب شرمع میں سرور منظر عام پر آیا ہے تو پاکستان کے علماء کلام کی غالب اکثریت نے ایک ایک ذبح کا قبضہ کر کے بنایا کہ ان قوانین کی فضیلت فساد و فحاشات میں دینی نقطہ نگاہ سے یہ یہ خامیاں پائی جاتی ہیں اور عمری طور پر یہ قوانین بہت کچھ ترمیم و اصلاح کے ہیں اور بعض دفعات تو حدت کر دینے کے قابل ہیں۔ مگر علماء کی اس مشرت و گزارشات کے باوجود عالمی قوانین کو نذر کر دیا گیا۔

ان کے سامنے کی مثال

موجودگی میں "تکریر نشریات" کے سرانہ امر کا جواب دیتے جرتے دن بھیجا، اس کے ایک حصے میں اس کے تکریرات کے مفاد و مقصد پر دواست و دواست ہے، میں اپنی اور فرقی سوالا "طرح کی صدا" بن کر دہ جائے! ان کا سبب استاءاری کی ملنے، مشرت، اور عوام و منصرف ہلکا تو قابل فہم اور صرف ان کو قرار پائے۔

سرانہ کے بعض صفحات وہ ہیں جن کو "بنیادی" کہا جاسکتا ہے، یعنی جن پر نشریات کے مقصد و دواست و دواست ہے، میں اپنی اور فرقی سوالا کی بجائے ان "بنیادی" صفحات کو "گزشتہ میں" کہہ کر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں!

یہ بات عالم اشکا ما اور معلوم خاص و عام ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر اسلام کے لئے دواست و دواست ہے، مشرت ہندوستان کے مسلمانوں نے اس کے مطالبہ کے لئے صرف اس لئے جدوجہد کی کہ یہ ان اشکا ما لادین پر استاء تم ہوگا! اس لئے پاکستان میں ہر مسئلہ اور معاملہ ہی نقطہ نگاہ سے دیکھنا، غور کرنا اور پھر اس کو جاننے کہ اسلام کی اصل اصول و ضوابط کی رعایت کر اس کے لئے تقویت حاصل ہوتی ہے! کتاب و سنت سے "معروف" (یعنی) اور منکر" دہی کہتے ہیں،

بالکل واضح ہیں، ان کے ہاں میں دورانی نہیں ہو سکتی، پاکستان کے ہر حکمران اور ہر شعبہ جات کا یہی دھمکنا چاہئے کہ ان میں "محولہ" (یعنی) کاغذ ہو
 انھیں "دیدی" کے لئے کوئی گناہ نہ رہے۔

یہ فیصلہ صرف مغربی اساطیل میں نہیں ہونے کا فیصلہ ہی نہیں ہے بلکہ ملک و ملت کے ذہن و نسلی تربیت کا مقررہ واسطہ اور فیصلہ بھی ہے، اور کہا جا چکا ہے
 کہ پاکستان "اسلام کے نام پر اور اسلام کے لئے وجود میں آیا ہے، اپنا پاکستان کی" نشانیات "کما اسلامی قدسوں اور دینی نظریوں کا ہر پہلو ممکنہ تہجد میں لایا جاتے
 رہے، چنانچہ اور دوسرے اشتراکی حکوں کی مثال ہمارے سامنے ہے، دلائل و ثبوت اور اشتراکیت کے معلم اور مبلغ بنے ہوئے ہیں، اشتراکی حکوں کی نشانیات کا
 کوئی پروگرام اشتراکی نظریہ کا خالص ہو ہی نہیں سکتا۔

پاکستان کی "نشانیات" جن کو سرفیصلہ اسلام کا مظہر اور تہجد میں لایا جاتا ہے، اس میں چند ہی طور پر اسلام کی جھلک پائی جاتی ہے، اور اس کا
 بھی یہ رنگ ہے کہ قرآن کریم کی چند مٹھ کی تعداد اس کی تعمیر و تہجد کی کے بعد لیا وہ وقت "طاؤس و دبا" ہی میں صرف ہوتا ہے؛ اس طرح اللہ اور
 رسول کے ذکر سے دلوں میں جو گمان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ نفی لغوی اور گمانے کی لذتوں میں گم ہو کر رہ جاتی ہے !

گمانے کی لذت اور قص و سرور سے غلبہ جذبات اور ہواؤں کو غنا ملتی ہے، ایہ ہوس انگیز "تفریحات" اسلامی مزاج کے کوئی مناسب نہیں سمجھتیں
 اور یہ فنکارانہ بات ہے بھی پاکیزہ اور خیر و نفع کی کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے، سازندوں، طوائفوں، عزت کا دین، رقاصوں، اداکاروں
 کے کیوکھڑا عام طور پر دینی اخلاق اور پاکیزگی کی ضد ہوتے ہیں، اس لئے ان کے فیصلہ جتن "فن" کا مظاہرہ ہوتا ہے وہ ان کے کردار کا آئینہ دلیا ہوا ہے۔

صرفیہ کے کام کے "سلسلہ" کا آج کل کے قص و غنا سے لے کر واسطہ بھی نہیں ہے، ان بزرگوں کے یہاں "سماع" کی سخت شرطیں ہیں، ان کی
 اکثریت آلات مزامیر کی مخالف رہی ہے، اور عدوت کا گانا بجانا قربا لائق رکھے نزدیک نہا جاتا اور حرام ہے !

اسلام دینِ نھرت ہے، اس لئے خوش گھڑی کو پسند کرتا ہے، ریڈیو کی نشانیات کو "خوش آواز" اور ٹیلم کے ذریعہ دلکش بنائے ہوئے کوئی قہارت
 نہیں ہے؛ "تجربہ صوت" اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

اس گزشتہ کا مقصد یہ ہے کہ مزاجی پیچیدگیوں، یا سنجیدہ ڈرامے، سیاسی یا تہذیبی مضامین ہوں یا دینی مقالے، ان کا مزاج، آہنگ اور اپہرت
 ایسی ہونی چاہئے، جو دینی نظریوں اور اسلام کی اخلاقی قدروں کو تقویت پہنچتی ہو !

ہندوستان کے مختلف جن دلوں پاکستان نے جہاد کیا تھا، ان دلوں "نشانیات" کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں ایثار و قربانی، خوف خدا، اطاعت
 دین اور خیر و نیکی کی جو نفا اور اصول پیدا ہو گیا تھا، وہ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابھی تک مزاج دینی اور اسلامی اور عربیہ
 اور بہت سی اخلاقی کمزوریوں کے باوجود قوم ہی چلتی ہے کہ معاشرے کو فساد و فحش کی پاکیزگی میسر آئے۔ ریڈیو اور ٹیلم کے ذریعہ پاکیزہ ماس میں بڑا اثر پاتا
 انا کہتا ہے !

دینی قدیم اور اسلامی تعمرات کس طرح علوم و فنون میں سموتے جاسکتے ہیں۔ اس کی دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔ شہناشاہ سائنس پر کوئی
 مقالہ لکھ کر دیا ہے، اس مقالے میں تمام فنی مصطلحات اور معلومات کے ساتھ کہیں کہیں یہ جھلک پیدا کر دی جاتی ہے کہ کائنات کی پیچیدگی اور تنظیم ایک خالق
 اور منظم (creator + organizer) کے وجود کا پتہ دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے، ان کے لئے مادہ اور توانائی
 کو سزا کر دیا ہے، اس ذکر سے "سائنس" کی ترقی اور قدرت کائنات کو فائدہ بلکہ یہی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، مگر اس سے یہ نکتہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور
 اس کی خالقیت مصلحت پرست کا نقصان اور عقیدہ "فنون" میں مانع ہو جائے گا؛ اشتراکیت کے ماننے والے جو یہی تمام قوانین اور اصول ہیں اس میں صرف کر
 سکتے ہیں کہ خدا کا قصہ فہموں سے غور ہو جائے اور اس پر عقیدہ رکھنے والے کیا اللہ تعالیٰ کے تصور یقین اور ایمان کو قبول کر کے لئے اپنی صلاحیتیں خرد نس
 کر کے شہناشاہ دین کا ہمارا جب چاند کے قریب پہنچا ہے تو اس نے اعلان کیا کہ اس نصاب میں "خدا" کہیں نظر نہیں آیا؛ خدا کے وجود کی نفی کیا یہاں کوئی موائ

تھا۔ کراشتراکیت کے پروگرام اور مزاج میں دو بار بھی کئی واکاوشاں ہیں، اس لئے جس میں اس موقع سے فائدہ اٹھایا گیا اہم مسلمانوں کے ہوا ہذا
 داں ایسے موقع پر اپنا تہا کی کثرت، صنعت اور بہریت کا اعلان کر سکتے ہیں کہ یہ سہرہ کو گلب اور انداک کا نظام اللہ تعالیٰ کی بے کراں قدرت کی گواہی
 ایک دوسری مثال ۱۔ ریاضی کے باسے میں آگیا کہا جائے کہ اس علم کے ذریعہ بھی دینی تعصبات کو ہار گیا جاسکتا ہے، تو اس پر بعض لوگ شایا
 گئیں گے، مگر ذہن و فکر دینی اور اسلامی ہوں تو کیا آج کے ذریعہ بھی بچوں کو دینی تعصبات سے روٹنا سیکھیں گے؟ مثلاً اس سوال کی بجائے کہ "چار گھوڑے،
 اور دو ہیں، کل کتنے جانور ہوتے؟" اگر یوں سوال کریں۔۔۔ انھوں نے مجھ کی نمازیں چار رکعتیں، ظہر کی نمازیں بارہ اور عصر کی نمازیں چار
 رکعتیں، بتاؤ اس نے کل کتنی رکعتیں پڑھیں؟ تو اس سوال سے بچوں کو ریاضی کے قاعدہ "جمع" کے سمجھنے میں بھی کوئی وقت نہیں آئے گی اور ساتھ ہی "نما
 ز دینی تعصبات اور ان کے ذہن و فکر میں تازہ ہو جائے گا۔

حکومت گزشتہ نئی نئی کی اصلاح و ترقی چاہتی ہے، تو دین کی اخلاقی قدروں پر اس کی بنیاد مبنی چاہئے، اس مقصد کی تکمیل کے لئے آئے ایسے
 بھی مل سکتے ہیں، جو شرع و احکام اور عظیم دین میں دینی قدروں کو اس طرح سرسکتے ہیں کہ "نشریات" کی دلکشی، مہمت اور دلچسپی باقی رہے اور اہل ایمان پاکیزہ
 کوشش کر کے مزہ نہ ہوں۔

آپس میں "آرٹو" کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔ "نشریات" کے سلسلہ میں زبان کا مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے، یہ واقعہ ہے اور حقیقت ہے کہ ہندو
 ہندوستان کی جنگجو "آرٹو" میں "اردو زبان" نے تنہا جو نمایاں بدلہ لیا، ادا کیا، اللہ کا نامہ انعام دیا، وہ متحدہ ہندوستان کی تمام زبانوں کی عمری کوششوں پر
 ہے، پھر سوسائٹ کو جو عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی ہے اس کا سب سے بڑا ذریعہ "آرٹو" زبان تھی، پاکستان بننے سے پہلے متحدہ ہندوستان کے سرکاری ادارہ
 کے مسلمانوں کا یہی دعویٰ تھا کہ "اردو زبان" ہندوستان کی "لنگو فریکا" ہے، اقیام پاکستان کی جدوجہد کے دوران ہر مسلمان بھی توقع رکھتا تھا کہ پاک
 بننے کے بعد یہاں "اسلام" قائم ہوگا اور "آرٹو" یہاں کی حکومت کی زبان ہوگی،

مگر

انھوں نے حکومتوں کی بددیر اور کیلکسٹوں اور صوبائی عہدید کے مارے ہون کی رخصت انداز کی سبب "آرٹو" کو وہ مقام پاکستان میں حاصل نہ ہوا
 جس کی وہ مستحق ہے، اب ہر حال یہ بات ہر شخص کے نزدیک ہے کہ جسے پاکستان میں "آرٹو" ہی ایسی زبان ہے، جو ہر خط میں بھی جاتی ہے۔

اس لئے

مڈلیر پاکستان کو "آرٹو" کی اس مسلمہ حیثیت کے پیش نظر "آرٹو" نشریات کو دنیا وہ سے نیا وہ موقع اور حصہ دینا چاہئے۔

یہ چند گزارشیں ہیں جن کو انھوں نے تیسرے کے جذبہ کے تحت پیش کیا گیا ہے۔

— (۲۳ ص ۲۳ کا نتیجہ) —

۱۵۔ متواتر ۱۔ وہ حدیث جس کو اس تصدیقاً شخص بیان کریں کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا ہی ہو۔

۱۶۔ مشہور ۱۔ جس حدیث کے مادی رابطہ میں بین فرعونوں، یا جس کی روایت احمد صحابہ میں کم ہو، دوسرے اور تیسرے جہد میں کثرت سے اس
 ہوتی ہو۔

۱۷۔ عزیز ۱۔ وہ حدیث میں جس کے سلسلہ روایات میں ہمیشہ دوسری مادی پائے جاتے۔

۱۸۔ احادیث ۱۔ وہ احادیث جن کی روایت کرنے والے ایک ایک ہیں۔

۱۹۔ غریب مطلق ۱۔ وہ حدیث جس کی سندیں صحابہ سے روایت کرنے والا منقطع ہو۔

۲۰۔ مرفوع ۱۔ وہ حدیث جس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہو اور اس کے سب مادی فقرہ ہوں۔

۲۱۔ موقوف ۱۔ وہ حدیث جس میں مادی ممالک کے قول و فعل یا تفسیر کو بیان کرے۔

۲۲۔ منقطع ۱۔ جس میں مادی تالیف کے قول و فعل، تفسیر کو بیان کرے۔

ڈاکٹر محمد اسلام

جگر کا تصوف

ڈاکٹر خواجہ احمد راتی نے جج لکھا ہے کہ

”تصوف کا اصل ذیہ طبعی حقیقی ہے۔“

اور احمد راتی نے حسن کے مسئلہ کی وضاحت افلاطونی فلسفہ کثرت پر کی ہے

”حقیقت حسن ہے اور ہمارے دیکھنے حقیقت ہے۔“

حسن کی تعریف پر مشہور چینی حامی سربت لاد نے (۲۵۳ء) جج لکھا ہے کہ ”میں اپنے مخصوص عالماتہ مگر نہایت دلچسپ اخلاص میں کی ہے۔“

”ہم تاؤ (حق) کی طرف دیکھتے ہیں اور ہمیں کچھ نظر نہیں آتا، اس کا کوئی رنگ نہیں، ہم تاؤ کو کائنات کا رنگتے ہیں اس کی

کوئی آواز نہیں، ہم تاؤ کو ٹوٹتے ہیں لیکن وہ ہمیں کہیں آواز نہیں آتا اس کا کوئی جسم نہیں، ہمیشہ! اہا ہمیشہ! تاؤ بے

نام و نشان رہتا ہے، اس بار بار ہم ہی کی جانب واپس آتا ہے۔“

عشق بھی ایک طرح کا غیر معرئی اندویشی تجربہ ہے جس کی تعریف کرنے کی کوشش بیرون نے کی ہے، جگر نے خوب کہا ہے کہ

”یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجئے“

مرفیہ نے اپنے وجدان سے حسن و عشق دونوں پر مشتمل کچھ نظریات قائم کئے ہیں جن کو مولانا حسین اعظمی نے بالترتیب چار نظریوں میں قائم کیا ہے۔

”پہلا نظریہ، عشق خالق حسن ہے۔“

دوسرا نظریہ، اصل حقیقت حسن ہے اور حسن کا تقاضا ہے طہرہ خود نمائی اور یہ تقاضا ہے عشق کا فرق اور عشق ہے اور طہرہ کی اصطلاح

میں اسی کو تو فیق کہتے ہیں۔“

تیسرا نظریہ، حسن و عشق دونوں الہی اپنی جگہ مستقل ہستیاں ہیں مگر شرف کا معیار حسن فطری طور پر مختلف ہوتا ہے اور فطرت اپنے معیار بلند کی جستجو

میں ہوتی ہے اور جب اتفاق سے وہی چیز پائے آجاتی ہے تو وہی ہوئی چیز گاریاں بھڑک اٹھتی ہیں۔ اسکی تطابق حسن و عشق سے دونوں

کا فطری رنگ نکھر آتا ہے۔“

چوتھا نظریہ، تمام کائنات عالم کو کہ میں ایک حسن ازل کا پر ہے لہذا حسن و عشق کی حقیقت ایک اور شایں مختلف ہیں۔“

اور جگر نے کہا ہے کہ

”میر تقی میر۔ حیات الہیہ ص ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳

”حسن نام ہے مناسب اور صحت کا۔“

اسے آئندہ امتسراجِ کامل درجہ صفاتِ برگزیدہ

خدا صحتِ تمام کا مجموعہ ہے۔

لفظ و معنی جس کو چھو سکتے نہیں وہ مرا اک لفظ آواز ہے۔

حقیقت کا اندک واصل کوئی تعریف پر نہیں سکتی وہ مقام وسطیٰ ہے جہاں تمام حقائق ایک لفظ پر مٹ آتے ہیں۔

حقینِ حقیقت سے نسبت جو جانے پرالان کی ظاہری و باطنی کیفیات میں سائنٹفک کمینات ہوئے گئے ہیں چونکہ نسبت کے کسی مادے میں ہونا عارِ ان کی نسبت ہی سے ان کمینات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

حقین ایک حقیقت کا حصہ جس کا احاطہ ممکن نہیں لیکن کائناتِ مظاہرِ حسن کا مجموعہ نسبت اگر حسنِ کامل سے ہے تو ظاہر ہے کہ مظاہرِ حسن اس کے لئے بہت کچھ ہیں لیکن وہ ہمیشہ خوب سے خوب تر کا متقاضی رہتا ہے اور اس کی ترقی کی منتظر ہے کی جانب بڑھتی جاتی ہے اور اس کے آئینہ میں پاکیزگی و لطافت بدرجہ اولیٰ برگی تلت

تقریر کے پاس میں جگہ اپنی مائیں اپنے بعض اشعار میں بھی نظم کر دی ہیں ملاحظہ فرمائیے

یہ حسنِ طلب ہی کا اک جملہٴ رعنا ہے	کس نے اسے دیکھا ہے کس نے اسے پایا ہے
اگر نہیں پس پردہ کوئی حقیقت میں	یہ کون بول رہا ہے ظلمِ صورت میں
مجموعہ بنا ہوا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں	میں وہ ہوں تو نے ظالم بانو جس کی آرزو کی
مجھ میں رہے مجھ سے مسترد ہو کر	بہت پاس نظر بہت دُور ہو کر
وہی حسن جس کے میں یہ سب مظاہر	اُسی حسن میں من ہوا سہارا ہوں
پردہ جب اٹھ گیا ہے دیکھا ہی ہے اکثر	اپنی ہی آرزو میں اپنی ہی جستجو کا۔
ہر حقیقت کو ہر اندازِ تماشا دیکھا	خوب دیکھا تہہٴ جودوں کو گر گپ دیکھا
ہم نے ایسا نہ کوئی دیکھنے والا دیکھا	جو یہ کہہ دے کہ ترا حسنِ سما دیکھا
نقابِ حقینِ دو عالم اٹھائی جاتی ہے	مجھ کو میری قبلی دکھائی جاتی ہے
یہ سب لالہ و محلی یہ سب چاند دارے	ترے اک تبسم کے چند استعارے
ہر ذرہٴ عالم پر حاوی ہیں صفات اس کے	سب کہنے کی باتیں ہیں مختاری و مجوری

اردو شاعری کے بیشتر موضوعات فارسی شاعری کی تقلید ہیں اردو شاعری کا تصور بھی فارسی شاعری سے متاثر ہے فارسی میں حافظ، خمداد اور دہم سب کے سب مہرِ فیضانِ رنگ کے شاعر تھے اس لئے ان کی شاعری ان کے وارداتِ قلبی کا مظہر ہے بقولِ دکنِ نسیم ان کا حقیقہ ہے کہ۔

یہ کائنات ایک البا آئینہ ہے جس میں ہیں حسنِ مطلق در *ASADUT BEUTY* م کی

جھلک ملتی ہے ان پر چونکہ اس کائنات کا ایک اہم جز ہے اس لئے اس میں بھی حسنِ مطلق کی ضرورت ہو رہی ہے

ملہ احمد رفائی صاحب کا مضمون ”عزراں“ نظریاتِ جگر“ (غیر مطبوعہ) مجھے عبداللطیف اعظمی صاحب ایڈیٹر ”جامعہ“ نے راقمِ طرف کو ہدیہ فرمایا اب یہ مضمون نگار شاتِ جگر میں شائع کیا گیا ہے۔

اس میں اضطراب پیدا کرتی ہے اس بات کا کہ وہ حسن مطلق کو اپنے حلقہ فہم میں لے آئے مگر یہ ممکن نہیں کیونکہ حسن بیکان در حقیقت مستحکم ہے / ۱۷۰۰ ہمارا ان محدود و محدود مسئلہ اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ عمر بھر اس حسن بیکان کا عاشق بنا رہتا ہے مگر اصل نصیب نہیں ہوتا۔

اگر وہ خواہم میں میرے دل کا کلام نصرت میں ڈوبا ہوا ہے ان کے بعد نجات کے یہاں بھی قصور کا کچھ عنصر نہ جاتا ہے اور بیسویں صدی کے شعرا میں اس نے حسن کو چشم باطن سے دیکھا اور وہ وقت شام اور وقت سامع کو بھی بدلتے کارہائے۔

بجز اگرچہ صوفی شاعر نہیں ہیں ان کو خود بھی اس کا اعتراف ہے

میں نہ زائد سے ہوں شہر مندہ نہ صوفی سے جو

مسکب عشق مرا مسکب زندان بھی

پھر بھی ان کو ماحول ہر اعتبار سے صوفیانہ طائران کا گھریلو ماحول مذہبی تھا ان کے والد ایک صوفی فنش اور اللہ والے ان سے اور بزرگان دین اور اولیائے کرام سے پناہ عقیدت رکھتے تھے انہیں کا اثر جگر پر بھی پڑا بالکل ابتدائی زمانے میں والد کی تربیت میں رہے اور پھر حب شعروشاعری کے مہمان میں قدم رکھا تو حضور احمد صاحب مرحوم مراد آبادی و حیرت جیسے صوفی شعراء کا ساتھ چلے گئے ان کے انتقال کے بعد انہوں نے ایک دفعہ ان کو بدبوئی کے عالم میں خواب دیکھا ان سے رسول مقبول کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لئے گزارش کی

جگر مراد آبادی کو حضرت گوشت و گوشت کی صحبت سے فیض اٹھانے کا موقع ملا اور پھر وہ شاہ عبدالغنی صاحب مغلپوری سے بیعت ہو گئے بن کا دعائی فیض ان پر

ہمیشہ جاری رہا اسی طرف انہوں نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے

دندہ اگر کوئی زنجیر ہلا دیتا ہے

تھمے و مٹی ترے خائن نہیں ہوتے پاتے

یہ سمجھ ہے کہ جگر ابتدا سے آخری عمر تک حسن کی تعریف و توصیف میں محو رہے لیکن بعد کو وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں انہیں حسن کی اپنی پردہ

حقیقت غالباً محسوس ہونے لگی، فرماتے ہیں۔

روح مضطرب رہی جب تک نہ پیدا غم ہوا

رابط باطن اس کو کچھ ہیں کہ روز اولیں

اس لئے یہ خیال کہ جگر کے کلام میں نصرت کا رنگ، استعارے طاقات کے بعد لایا وہ اصغر اودان کے کلام سے متاثر ہو کر نصرت کی طرف راغب ہوئے مجھے

نہیں محرم ہوتا ان کے نصرت کی بنیاد قرآن کے خاندان اصحاب ابتدائی حدیث شری کی صحبت ہی میں چمکی تھی، لیکن اصغر سے جب ملا تا بہوئی اودہ شاہ بخاری صاحب سے بیعت ہوئے قرآن کا یہ جوہر اور نکھر آیا۔

جگر کے بالکل ابتدائی زمانے میں ایسے اشعار نظم میں جنہیں خالص صوفیانہ کہا جاسکتا ہے مثلاً

ایک ہی جسدہ کہیں مجزل کہیں بیللی ہوا

دیدہ حق میں میں کیسے فسق کیسا امتیاز

محو حیرت ہوں خود اپنا حسن پنہاں دیکھ کر

کیا کروں گا اب بہرہ گل بداماں دیکھ کر

شان ہے ایک مگر رنگ جدا گانہ ہے

دہی گل ہے دہی بلبں دہی پردانہ ہے

اس کے بعد ان کے یہاں ایک سنبھلی ہوئی کیفیت ملنے لگتی ہے

رفتہ رفتہ سامنے حسین تمام آہی گیا

اللہ اللہ یہ مری ترک و طلب کی رحمتیں

اول ازل ہر قدم پر تھیں ہزاروں منزلیں
اس کے بعد جب وہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مشکوٰۃ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے قرآن کے اس صوفیہ رنگ میں اور نکھار پہلے پہل
ہر تن محمول اک لہرے بے ساد میں ہے
اب نہ مطرب میں کوئی ندرت نہ آواز میں ہے
گوش مشتاق کی کیا بات ہے اللہ اللہ
سن رہا ہوں میں وہ لہر جوا بھی ساد میں ہے
جگہ نہ حقیقی کی تلاش میں مجازی کے ذریعہ کی اور اس تلاش میں اپنی نے حقیقی کو حسی مجازی کے حلقے سے طاریا
صوفی نے جس کو شہر مطلق سمجھ لیا
اک پر تو لطیف تھا عجب بھانڈا کا

رشتہ رشتہ کی محنت نہیں رہ گیا بلکہ وہ ہنات خود سزا پا جند بہ عشق بن گیا اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ
کوئی تمام نہیں

اول ازل ہر قدم پر تھیں ہزاروں منزلیں
ان کا خیال تھا کوئی حد نہ تھی ذات کا ہوا کرتا ہے اپنی ذات سے ہٹ کر کسی چیز کا شہدہ لایینی ہے
یہ محفل ہستی بھی کیا محفل ہستی ہے
جب کوئی اٹھا پردہ میں خود ہی نظر آیا
اللہ کے کمالی خودی کی یہ دستیں
میرا ہی سامنا ہے جدھر دیکھتا ہوں میں
آئینہ خانہ عالم میں کہیں کیا دیکھا
تیرے دھوکے میں خود اپنی تماشا دیکھا
کیا جادہ اور کیسی حقیقت
اپنے ہی جلوے اپنے ہی سائے
باقی ہیں دو مقصود ہے ایک
تیری طلب یا اپنی طلب
ہزار جان گرا ہی فدا ہے اسی نسبت
کہ میری ذات سے اپنا پنا دیا تو نے
میں عشق ہوں مکمل میں شوق ہوں مسلسل
گویا تمام عالم میری ہی داستان ہے

بھرتے عشق کو کہیں خالق حسن مانا ہے اندک ہیں اصل حقیقت محض کو بتایا ہے کہیں حسن و عشق دونوں کو مستحق بہتیاں سمجھا ہے کہیں
حسن و عشق کی حقیقت کو ایک اداں کی شانوں کو مختلف بتایا ہے شاد

شرط اول خواب ہونا تھا
نیکو یار خود تڑپ اٹھی
ایک ہلکا سا جھاپ چشم حیراں چاہئے
حسن بے تاب تھی خود ہے لیکن اے جگر
عشق میں سستی تھی لیکن غمے رسوائی نہ تھی
حسن میں جھٹک کہ یہ شان خود آرائی نہ تھی
عشق کیا ہے پر تو حسن تمام
عشق بے قید ہی عشق بھی مسدود نہیں
عشق کیا ہے کہ جس کا عکس شباب
عشق بے قید ہی عشق بھی مسدود نہیں
عشق کیا ہے کہ جس کا عکس شباب
عشق بے قید ہی عشق بھی مسدود نہیں
عشق کیا ہے کہ جس کا عکس شباب
عشق بے قید ہی عشق بھی مسدود نہیں

یہ حسن ہے کیا؟ یہ عشق ہے کیا؟ کس کو ہے خبر اس کی لیکن
بے جام طہرہ دادہ نہیں، بے مادہ نسرہ داغ جام نہیں

تو عشق معتبر یہ کسی کو خبر نہیں
اب بھی عشق ہے تو بقید نظر نہیں
بگڑنے بعض اشعار میں اپنی اجساد کی توجہ کی بدولت حسن و عشق دونوں کو الگ ہستی بنایا گیا کرتے کے بجائے دونوں کو ایک ہی خوب پرے
آئے ہیں شاعر

عشق سے عشق جدا ہے نہ جدا عشق سے حسن
کون سی شے ہے جو آنکوش و آغوش نہیں

عشق کا سحر کامیاب ہوا
میں تو مرا جواب ہوا
تو کی کمالی عشق ہے تو ہی کمالی حسن ہے
اپنے سوا کسی طرف آنکھ اٹھا کے بھی نہ دیکھ
اس طرح نہ ہو گا کوئی عاشق بھی تو پابند
آواز میں دل دور سے وہ شوق دین ہے
جگر کے صوفیہ نہ کلام میں وجدان کی سستی بھی ملتی ہے -
پیر کے دیکھوں اگر سینہ سستی عشق
ہیرا ہوں یہ ہجو ہیر کو لٹا باطل ہے
کیا ہیرہ کل عالم کیا چیز مراد ہے
وہ ہیرہ تماشا بھی کیا ہیرہ تماشا ہے
جگر کے یہاں تصویریت کا لفظ بھی پایا جاتا ہے -

گن کے تو گن جا بطور بے خبری
یہ کل جہاں ہے قریب قلبی نظری
صور ہے نہ ملتی ہے دنیا ہے نہ سال ہے
جو کچھ نظر آتا ہے یہ شعبہ دل ہے
جگر نے منہ بھریں اشعار میں دکھانے کے ساتھ ساتھ اپنے نگر و وجدان سے ان میں گہرائی اور عزیمت پیدا کر لی کوشش کی ہے
یہ سب نو دندان کش ہے تیرے چھپنے سے
نڈے نڈے سے نمایاں شان دیکھ کر
ہر چیز پہ پڑتی ہیں تیرے نگاہیں
ان کے یہاں ہر مشرعی تصویریت کا داخلی حصار بھی پایا جاتا ہے

چشم نظر سیرت میں جس کا جہان نام ہے
حسین تمام یار کا جسد و نام تمام ہے
خود فیہ باد جو اگر جسد و مستند نہ ہو
آئینہ خاندان عالم میں کہیں نہ ہو
"سیرت" کے معاملہ میں وہ جان بھاری رہنمائی کرنے سے قاصر ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں
اک اضافہ ہو گیا سلسلہ آئے ماز میں
اس جلد و تمام کی ہم کو خبر ہی کیا
جگر کے عملی الفاظی سیرت بھی بالترتیب ملاحظہ فرمائیے -

اب اس صورت سے کیا آتش تیرے آئینہ خانے میں
تیری ہر ایک شان کے شایاں بست دیا
تو تصویر ہی بن کر تو ہی تصویر دیکھیں گے
انساں کو درد عشق نے انسان بنا دیا

درد کی جیتا جیوں میں تلب کی دھڑکن میں ہے
تھا لٹا ہے خود ہستی سے اپنی درد ہو جانا
ہر درد میں شل ہے ہر سانس میں نہاں ہے
آدمی شد سبب انوار سے حیراں ہو جائے
یہ کون بل رہا ہے طلسم صورت میں

انٹائے راز قطرہ و دریا نہ کیجئے
عشق اک چیز ہے جو حرف و حکایت میں نہیں

مجھے حریف مقابل بنا دیا تو نے
عجاب ساز میں جیسے لٹائے ساز رہے
لغزوں کا تلاطم تو ہے آواز نہیں ہے
اب لغزوں سے متعلق مختلف موضوعات پر جگر کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیے جن سے ان کے بغیر مختلف نظریات کا پتہ چلتا ہے

جس رنگ میں دیکھا تجھے یکتا نظر آیا
جب آنکھ کھلی قطرہ بھی دنیا نظر آیا
جو بے خبر ہوا وہ بڑا باغبر ہوا
عشق سوگم کردہ ہوش غفل سوگم کردہ راہ

جس حال میں ہوں اب مجھے انوس نہیں ہے
دنیا تو یہ کہتی ہے کہ ممکن ہی نہیں ہے

تجھے بھی دیکھ لیا پایا یہ بس میں نے
اگر نہیں ہوں تو کیونکر؟ جو ہوں تو کیا ہوں میں
او مگر آشکار می آید

خلفے پس دیوانہ و دیوانہ بکار سے
ہم اپنی زندگی میں غیب کو شل سمجھتے ہیں
ترسے سواد حقیقت نہ کوئی انسانہ

حسن ہی حسن محبت ہی محبت دیکھی
سب اپنی اپنی دھن میں غے کچھ پلاسنے
آئینہ دہر و تھا جدھر دیکھتے رہے

میں نے پایا ہے جہاں جس میں ان لوگوں کے
اسے جائے لگاؤ فارسیدہ

ہم سے پڑھو وہ کہاں ہے اور کس ممکن میں ہے
سراپا دید ہو کہ غرق موجِ نور ہو جانا
اک شاہد ہے ثانی اک پاسیکو محبوی
ایک فتنے کا اگر حسن نمایاں ہو جائے
اگر نہیں پس پردہ کوئی حقیقت میں

ان کے مونیانہ تجربات بھی ملاحظہ فرمائیے
تفسیرِ عشق و عشق جگرِ معصیت نہیں
لفظ و معنی میں نہیں جلوہ و صورت میں نہیں
جگر کے کچھ خالص و جذباتی اشعار بھی دیکھئے

یہ کیا کیا کر عطا کر کے عشق لا محسوس
کچھ اس طرح وہ پس پردہ مجاز رہے
اس بزم حقیقت کی حقیقت میں کہوں کیا

اب لغزوں سے متعلق مختلف موضوعات پر جگر کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیے جن سے ان کے بغیر مختلف نظریات کا پتہ چلتا ہے
کثرت میں بھی وحدت کا تماشا نظر آیا
جب دیکھ نہ سکتے تھے تو قطرہ بھی تھا دنیا
دارنِ شوقِ شرق کا اندر سے کمال
کون تجھے پاسکے کسی کی یہ ہے دست گاہ

سنتا ہوں کہ ہر حال میں وہ دلی کے قریب ہے
مجھ سے کوئی پوچھے ترسے لٹنے کی ادائیں

شا کے دلی ہے براک نقشِ دلِ لاش میں نے
اسی تلاش و تجسس میں کھو گیا ہوں میں

من بہ نہاں جگرِ تلاش کنم
اغیار بدل غمزدہ زن و دل جو مشغول

کوئی مانے نہ مانے اس کو، لیکن یہ حقیقت ہے
نفسائے کعبہ ہر یاسد بن بت خاد

جب تجھے دیکھ کر کوئین کی دست دیکھی
تسکین مدح جب نہ کسی طرح ہو سکی

اپنا ہی عکس پیل نظر دیکھتے رہے
میں نے دیکھا ہے جہاں رس میں طرح کجگر

عالم ہمہ پُر ز جملہ دوست

زندگی ہے ترسے نفساں قائم
نہیں ایسا ہے نہ اتنا آواز دیکھیں
ان اشعار میں جو غیب و دل کی کیفیت و اس کی لاری جی ہے کہ جگر
میں سلاطین کا شکاری میں ملاحظہ فرمائیے کہ کیا دنیا و ترسے دل و شریک ہے

ماہر القادی

یاد رفتگاں

نیاز فتحپوری

میری عمر بہت سے بہت تیرہ چودہ سال کی ہوئی، مجھے یاد پڑتا ہے کہ نیاز صاحب کی ایک دو خطیں رسالوں میں میری نگاہ سے گزری تھیں، اس کے بعد ۱۹۲۲ء میں رسالہ نگار کے دو چند شمارے کی کے پینا پڑھے تو کل گئے مضمین کی ترتیب و خروج اور ایڈیٹر کے امانہ نگارش نے وجدان و طبیعت کو چمکایا اس زمانہ تک میرا مطالعہ انتہائی محدود تھا، اس نے پہلے کانپور کے ماہنامہ "زمانہ" بدایوں کے "نقیب" و "نقاش" اساتذہ آباد کے رسالہ "ادب" کے چند شمارے پڑھے چکا تھا، اب یہ وہ دور تھا کہ کسی ادیب و دانش پر داغ کی حسد پر میں — علی قیصر، مراد، شعلہ، مستقبل، ماہر الاشتراک، فصلی و جم البصیرت — جیسی ترکیبیں نظر آئیں تو ذہن مرعوب ہو جاتا، ۱۹۲۲ء میں قصبہ ڈبائی ضلع بلند شہر کے شاعر عاشق ڈبائی صاحب نے مجھ سے اردو کے کئی سالہ کی خریداری کا مشہدہ کیا، قومیں نے چھوٹے ہی "نگار" کا نام بتایا اس وقت "نگار" کے خریدار بن گئے!

۱۹۲۸ء میں سب سے پہلی بار حیدرآباد و دکن جانا ہوا، وہاں دارالمطالعہ بھی تھے، آصفیہ قلی پوری بھی اور شیخ کتب خانہ بھی، مطالعہ کی کوئی حد نہایت نہ رہی، جو کتاب بھی مل گئی اسے پڑھ ڈالا، رسالہ نگار بھی نگاہ سے گزرتا رہا، یہ تقسیماً وہ زمانہ ہے جب نیاز فتحپوری نے بڑی شہرت کے ساتھ "مولوی" اور "مولانا" ناول پر طعن و طنز کی شدید لہر چلا کر شہر کی دوسری اسٹیشن کا دوسرا قدم "اسلامی نقد" کا خالق اڑانا اور بعض دینی عقائدات پر سبوتاژ کرنا تھا، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دن شام کے وقت ہمارا ہر مکش بہا دینا اسلئے صدر اعظم حکومت حیدرآباد کے دیار میں ہوش بگڑا، نیاز صاحب کا وہ مضمون مزے لے کر سننا رہے تھے، جن میں "ہمت" کا خالق اڑایا گیا ہے۔

نہ ناظر الحسن نام تھا ہوش تخلص، بلگرام کے رہنے والے تھے اساتذہ نام کے ساتھ "سید" لکھتے تھے، بڑی بلند سچ اور لطیفانہ طبیعت پائی تھی، دیار ساری کے فن میں طاق، ایک سال قریب حیدر علی خان والئی رام پور کے مصاحب ہے، پھر حیدرآباد و دکن میں ہمارا ہر سرگشتی پر شہر دیہا اور دوسرے اعزاز کے درباروں میں اپنی بلبلہ سنجی کے سبب داریاں اور قریب حاصل کیا، نیاز فتحپوری سے شایاں نہ تھا، نیاز صاحب کو بابا حیدرآباد بلایا، اور احرار سے ہزاروں روپیہ دلایا!

ناظر الحسن ہوش بگڑا نے حیدرآباد و دکن سے ماہنامہ "ذخیرہ" نکالا، جو کچھ دفتروں کے بعد بند ہو گیا، اس ماہنامہ کا خاصہ بلند معیار تھا، ہر ہوش صاحب کے لئے ناظم پڑھ لکھ ستر ستر جزل، کے دفتر میں سیرنگ بنک کے انسپکٹر کی خاطر سے لکھ بٹائی گئی، دوسروں پر ہمارا کتب قریب تھا، تھی، مگر اس زمانہ میں وہ بنگلوں میں رہتے اور ساری کے لئے نکلن رکھتے، ماہنامہ معارف ہانسو روپیہ سے کیا کم ہوں گے، ہوش صاحب کے عجائب باٹ کا ایک صفحہ میں درج ہے ص ۲۴

دعوت میں آیا صاحب کو میں نے زندگی میں سب سے پہلے خط لکھا، خط لکھنے کی تقریب میری ایک نظم تھی، جو میں نے "نگار" میں چھپنے کے لئے ان کی خدمت میں بھیجی تھی۔ اس کے جواب میں ان کا رد و جہد آیا وہ کہیں کا لکھا ہوا میرے نام آیا کہ آپ کی نظم خوب ہے، نگار میں چھپے گی، آپ مجھ سے ہوش بگڑا صاحب کے یہاں آکر بیٹھے، کارڈ لٹھنے کے دوسرے دن میں ان سے جا کر ملا، اے تو وہ تباہ ک کے ساتھ گلن کا گانا بولا طافات جتنا تھا کہ وہ دیر آ رہا تھا ان کے آئینہ واقع ہوئے میں، انہی دنوں ہمارا جگرشن پرشاد بہاد کے یہاں ملاشی مشعر ہوا، جو میں ہل پھان کے نو تعمیر نگار میں، "سمن اتفاق سے حضرت ناطق کھنجر کا مرحوم بھی حیدر آباد آئے ہوئے تھے، نماز فجر میری اس مشاعرے میں شریک ہوئے مگر انہوں نے غزل نہیں پڑھی، سب سے اچھی غزل ناطق صاحب

(رابعہ حاشیہ ص ۳۲) ذکر آیا تو مولانا مفتی عبدالقدیر جالپوری مرحوم نے بڑے مزے انداز کی بات کہی جو لطیفہ کے طور پر آج تک بیان کی جاتی ہے کہ۔
"ہوش صاحب کو قرضہ کی خاصی آدنی ہے۔"

ہمارا جگرشن پرشاد کے علاوہ نواب سالار جنگ بہادر اور ساجد حسن راج گڑ کے یہاں سے بھی ہوش صاحب کو "مالی خروحات" ہر واقعہ، اس کے بعد وہ مجھ نے جو میں مدگار محمد دڑوٹی سکریٹری ہو گئے، اور کئی سال بڑی محنت اور قابلیت کے ساتھ سرکاری فرائض انجام دئے، سینکڑوں صفحوں کی پرانی مسلوں (فائلوں) کا خلاصہ پڑھ کر صفحوں میں کر دیتے، نواب محمد یار جنگ بہادر جو محکمہ فوج کے سکریٹری (محمد) تھے، ہوش صاحب کے (نوٹس) لکھوا دی، انہیں تحریر اور خلاصہ بھی سب بہت متاثر تھے۔

نواب اعظم شاہ بہادر اور نواب اعظم شاہ بہادر کی نئی شاخیاں ہوتی تھیں اور وہ ہانغا ملک کے ہندو سول کی بجائے "بلادشا" کی آوازوں تھا میں رہنے لگے، ہزاروں روپیہ ماہوار کی تنخواہیں مقسم ہوئیں، ہوش بگڑا ہی میں ان کے برائے حاضری دینے کے اندسنا ہے کہ "تعارف دہارانی" کا آغاز "کھانوں" سے ہوا، ہوش صاحب کو انواع و اقسام کے اچھے سے اچھے کھانے پکوانے کا پڑا شوق اور جسم بہت بڑا ہوا ان کے یہاں ہوش بگڑا نے طرح طرح کے لذت و نفیس کھانے بھجوائے، اس کی خبر نواب یر عثمان علی خاں والی دکن کو بھی ملی، حضرت نظام کے ایما پر ہوش صاحب ایک دن کافوں کے خان کنگ کو سلی میاں کس کے کراٹر ہوئے، کھانوں سے نیا وہ ہوش صاحب کی ہندو سخی نظام دکن کو پسند آئی اور اس دن سے وہ مدعا نہ دے بارشا ہی میں حاضری دینے لگے۔ تمام دہاریلوں اور مصاحبوں میں نظام دکن کے سب سے زیادہ مزاج شناس ہوش بگڑا ہی تھے۔ اس لئے شاہنشاہ عتاب کی کبھی نوبت نہیں آئی۔ قدرت نے اس شخص کو دیباہ داری کے شہ کی یاد پیدا کیا تھا۔

فرز مدعا نہ دکن نواب یر عثمان علی خاں نے جب سمر پور دکن میں ملازمت کا معائنہ کرنے کے لئے سفر کیا تو اس سفر میں ہوش بگڑا ہی ان کے ہم راہ تھے، اس سفر کی روداد انہوں نے "دعا نامہ" بہر دکن" میں بھجوائی ان کے مضامین کی ترتیب و تسری میں شہنشاہ علی اعظم مرحوم کے قلم کو بہت کچھ دخل تھا، علی اعظم مرحوم سے ہوش بگڑا کی یہ گہرے تعلقات تھے، محکمہ تعمیرات میں ہوش صاحب کی سہمی و سفارش سے وہ دھار محمد دڑوٹی سکریٹری بنے، تنخواہ ایک ہزار سے کچھ زیادہ ہی ہوئی، جناب جوش علی آبادی سے ہوش بگڑا کی صفائی نہ تھی، انہی دنوں میری لے ہوش صاحب کے کلام پر نگار میں جب فصل تنقید کی تو یہ ایک کلمہ دیا کہ علی اعظم بھی جوش صاحب سے اچھا کہتے ہیں۔

ہوش بگڑا کی خوشرو دکن نے پھر "ہوش یار جنگ" کا خطاب عطا فرمایا اور وہ حکمرانوں کے محمد (سکریٹری) ہو گئے، اب وہ دفتر سی احمد میر بہت کم دلچسپی لیتے تھے، سالانہ کام علی اعظم صاحب پر چھوڑ رکھا تھا، علی اعظم صاحب انتہائی دیانت دہ تھے، مگر ہوش صاحب کے شاہانہ صاف کے لئے تحریر آدنی کی ضرورت تھی، صرف تنخواہ ہی بڑی ٹھاٹ بات کے لئے کہاں ہونا پڑ سکتا تھا۔

مہاشاہیں تو کبھی سبب ہوش بگڑا کی شخصیت بڑی متاثر ہو جاتی تھیں، بعض لوگ پیچھے پیچھے ہوش صاحب کو چاہے "دہار سیخو" کہتے ہوں یا "نرسانا ہوتا" تو جنگ کر دیتے، اسماء حیدری ہوں یا نواب صاحب چھتاری اور غلام محمد صاحب دکن نرسل پاکستان، جو محمد آباد میں وزیر مالیات تھے، ہوں یا

کہ رہی دو شعر پادشہ گئے ہیں۔

اس اہتمام سے مجھ کو نلک دیا گیا
یہ دو سبب ہوئے اسے دل تری تباہی کے
جلائے خاک کیا، خاک کو غیب کیا
کہ اس نے وعدہ کیا کرتے اعتبار کیا
میری غزل کا بس یہ شعر کچھ غنیمت تھا۔

دل عزیز اتاری سب زہد کو شیاں معلوم
جو کوئی بس نہ چلا، صبر اختیار کیا
میری نظم نقلی کے بعد ہمارے نگار میں میرا کام وقتاً فوقتاً چھپتا رہا غالباً، سن ۱۹۱۷ء میں نیا دھما صاحب نے مجھے یاد دلاتے ہوئے لکھا، ان سے
لنا ہوا کہ آپ کی ایک نظم پر نگار میں تنقید رہی ہے، اس کے لئے عرض کیا کہ اگر تنقید میں کچھ باتیں محض نظر میں تھیں تو کیا ان پر بحث و گفتگو کو آپ نگار میں شائع

دہلی (بقیہ حاشیہ ص ۳۲) کوئی اندیشہ عہد بیدار ہوش صاحب کی طرفوں میں ان کی دل دہی کے لئے تمام اکابر و عوام شریک ہر تہا ان سے رابطہ و تسلی حاصل ہو سکے۔
ایک چھوٹی چار بیویاں، انیس کو بیٹی، دیرہ زبیر فرخسپر، شانہ مروت، چاندی کے ہاندان سے لیکر مروت کے تالین تک ہر چیز میں انتہا درجہ کی
صفائی اور سلیقہ، ماقام افراد سے ہر شے صاحب کی خاصی بنے لکھی تھی۔ اپنی ہر چیز کی تعریف کرنے اور سننے کا شوق تھا، ایک دن مجھ سے کہنے لگے۔
ابہر صاحب! یہ جو میرے مکان کی صند محراب ہے، کئی امریکی سیاح اس کے ٹوڑے گئے ہیں!

سائل بگڑی مرحوم ہوش صاحب کے چھوٹے بھائی تھے، شہر حیدر آباد کی بلدیہ و کارپوریشن میں ہوش صاحب نے ٹیکس کی دسریا لیا یا کانسیکڑ
کر دیا تھا، ٹھکانے سے ہوتے قریبی ترقی پاتے، مگر وہ دو تین ہزار روپیہ کا خلیج کر کے حیدر آباد سے فرار ہو گئے، یہ درقم بعد میں ہوش صاحب کو بھائی پڑی۔
حکومت حیدر آباد کے زمانے کے بعد ہوش بگڑی نے بھارت کے نیا دھو کی فوشن دہی کے لئے ایک کتاب لکھی جس میں حسن نظام جو ان کے مرنے کے
ممن تھے، ان پر خوب خوب چیتا لکھی کہیں اور تعریف و ابوان کی پر دہ اسلذا کی باتوں کو قسم کے زبیر منظر عام پر لائے، ان کا سب سے ہندوستان کے رہا یہ قندار
کے یہاں پاپائے انسانی حاصل کرنے میں ہوش صاحب کی مدد نہیں کی۔

ہوش بگڑی کا انتقال ایسے عالم میں ہوا کہ وہ اپنی پچھلی چند روزہ عزت کے آثار ڈھونڈتے تھے مگر کہیں نظر نہ آتے تھے حالانکہ ان کی محنت فرماتے۔
(حاشیہ ص ۳۱) اس نظم کو بھیجے ہوئے، میں نے نیا دھو کی کوکھا کہ تسلی اور تیزری دونوں طرح ہوا اور لکھا جاتا ہے آپ جس مفکر کو پسند
فرماتے ہوں، نظم کا عنوان بنا دیں، انہوں نے تیزری پسند کیا۔ دہی میں بھی نیا دھو تیزری ہی بولا جاتا ہے مگر میں تنقید کو صرف لطفانہ اور تشکیلی کی بنا
پر ترجیح دیتا ہوں اور اس نتیجہ پر مجھے اصرار ہے، میری ایک دوسری نظم کا ایک شعر ہے۔

ہواؤں میں اڑتی ہوئی تئلیاں
پلک مارتے ہیں یہاں سے وہاں

ملے جہاں سرکش بھاد کی ایک مشوری ہے، جس میں گہرا جہاں گہری سے کسی ایک بادشاہ کا واقعہ نظم کیا گیا ہے، رواداری اور ہندو مسلم اتحاد اس نظم کا مرکزی
خیل ہے اس نظم کی نظم بنانے کے لئے ایک کینٹن قائم ہوئی اور ہوش بگڑی کے مشورے اور سفارش سے نیا دھو کی کوکھا کہ تسلی کے لئے حیدر آباد کو
بلایا گیا، تھرا غالباً ساڑھے تین سو روپیہ ہمارا قرض پائی رہنے کے لئے مکان اس کے علاوہ نیا دھو صاحب نے کئی بیٹے بلوے حیدر آباد میں قیام کیا، نگار کے
کا کہ کوئی انہوں نے کھنڈ سے جھکا بنا لیا تھا مگر تسلیم توڑی ہی ہو کر گئی۔ (۱۹۱۷ء سے آٹھ سال قبل کا واقعہ بیان کر رہا ہوں)

معاذ رحمہ اللہ میں شام کے وقت اکثر نیا دھو صاحب کی قیام گاہ پر جایا کرتے تھے، ایک دو گھنٹہ تا شام شعل بہتا، نیا دھو صاحب کتا شے کوئی خاص ڈپٹی
نہ تھی ہندی خاطر و کھیل میں شامل ہو جاتے اور کتہہ قرط میں بار بار غلطیاں کرتے یہ سن کر کہہ کا کہ وہ حضرت خانی بدایونی علیہ الرحمہ کی پہلی حقیقت نیا دھو صاحب
کی قیام گاہ ہوئی ہوش بگڑی انہیں ہمارا جہاں کشن پشاد کے یہاں سے اپنی لاریں لے گئے تھے۔

فرمائیں گے، بولے، ضرور۔۔۔۔۔ اسی نے تو عقیدہ کا یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ چند ماہ کے بعد میرا آٹھواں بار (مکرات) چانا نکل آیا، وہاں ایک مشہور تھا، ایک صاحب نے مجھے اس مہینہ کا انگارہ لگا کر دیا۔ جس میں میری نظم پر ”نالہ“ کا طبعی ”کے“ تحت ”نہا“ کے ساتھ عقیدہ فرما کر تھی۔ یہ عقیدہ پڑھی تو مجھے بڑی حیرت ہوئی، بعض اعتراضات بالکل سطحی بلکہ غلط تھے! مثلاً میں نے ”بادہ“ لائے ”ناب“ نظم کیا تھا، اس پر ”بادہ“ صاحب نے یہ اعتراض فرمادہ کیا کہ ”بادہ“ ”ناب“ کی صحیح نہیں آتی، میں نے اس کے جواب میں غالب کی ”مسلس غزل“ کا یہ مصرعہ فقرت میں پیش کیا۔

مہ بادۂ نائے ناب گواہا کہ نائے نائے

اسی طرح بعض دوسرے اعتراضات کا دلیل کے ساتھ جواب دیا گیا مگر نیا دھماکہ میرا یہ خط لکھنے میں شائع نہیں فرمایا۔ میں نے یاد دلائی تھی کہ، لیکن شرفائی نہیں ہوئی، آخر کار ہمارا نامہ شمع میں جوائن ہوا۔ دل آگہ کے لکھنا تھا، میں نے اپنا یہ خط چھپوا دیا۔

نواز صاحب میرے مراسم ہیں اسی حد تک تھے کہ میں نے کوئی نظم یا غزل اُن کے یہاں پچھنے کے لئے بھیج دی اور انہوں نے رسید کے طور پر خط لکھ دیا۔۔۔ اپنے رسالہ میں ”ماہ و ماہ“ کے تحت انہوں نے میری کتنی ہی غزلوں اور نظموں پر تنقید فرمائی اور اُن قلم کا پوری کی ایک غزل پر تنقید کرتے ہوئے اس کا اعلان کیا کہ میں اُن شاعروں کے کلام پر تنقید کرتا ہوں جن کو اپنے نزدیک بلند یا صاف اولیٰ کا شعر سمجھتا ہوں اور الفاظ شیک طرح ذہن میں محفوظ نہیں رہتے ،
(مضمون بھی سنا۔)

پاکستان بننے کے (ظاہر) چار پانچ سال بعد نیا دصاحب یہاں تشریف لائے اور پاکستان کے "کے" صدارت فرمائی، جبکہ، جوش، خرقہ، حقیقت جاندہ حری جیسے جن میں شہرہ اسٹوٹ ہوئے شریک تھے انہی دنوں نیا دصاحب نے اپنے تمام دولت لکھوائے تھے، جس کے سبب وہ بڑے سے نظر آتے تھے حالانکہ محنت اچھی تھی اور فواد ایسے تھے، جیسے اور دیگر حکمران کے سوتے ہیں، ان دنوں یہ اعلان بھی کی محض یہ سننے میں آئی کہ اس وقت کی حکومت نیا دصاحب کو پاکستان اس غرض سے بلانا چاہتی تھی کہ یہاں آکر وہ دینار اہل تسلیم اور اسلام پسند دانشوروں کے تشریف آنا دیکھائی اور متحدہ کارکنان پیدا کرے مگر نیا دصاحب نے لمحے لمحے مطالبے اور شرطیں پیش کیں، جس کے سبب معاملہ ٹھنک نہ سکا، یہ بھی سننے میں آیا کہ حکومت کو بعض مشیروں نے یہ مشورہ بھی دیا کہ نیا دصاحب کو حقروں میں پھانسی دیں، ان کے لکھے ہوئے مضامین اس بنا پر منسوخ کردار گزیر ہو سکیں گے!

ابن خلدون کے بعد وہ اپنے عزیزوں سے ملنے اور ساتھ ہی یہاں کے ماحول اور فضا کا جائزہ لینے کے لئے ایک دو بار آئے، بشیر خاں کو صاحب کے یہاں ان کے اعزاز میں ایک بزم مشاعرہ برپا ہوئی، میں نے بھی اس میں شرکت کی۔ پھر وہ ۱۹۶۲ء میں مستقل طور پر پاکستان آ گئے، یہاں ان کی جو پمپھائی ہوئی وہ ان کی توقعات سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھی، کئی اداروں سے ان کا تعلقی تعلق تھا، مانند آمدنی تین ہزار روپیہ سے کیا کہہ سکی، سب سے زیادہ فائدہ انہیں نیشنل بینک پاکستان کے ناظم اعلیٰ جناب ممتاز حسن کی فائز اور واسطے سے پہنچا، ممتاز صاحب بڑے علم و دولت اور اہل علم کے قدردان واقعہ ہوئے ہیں اور وہی صاحب علم و فضل ہیں، ان کا صاحب کو اس کا حال تھا کہ پاکستان بہت پیچھے رہ کر رہیں گئے !

کھنڈن میں وہ عام طور پر شہر حوالہ اور صلوں میں شرکت سے گریز ہی کرتے تھے۔ مگر کراچی کا متعدد ادبی و شعری نشستوں میں انہیں دیکھا گیا۔ وہ تین جگہ نہیں نمازے طرح بھی سنا ہے، ان کی اس غزل پر ہیں کا ایک شعر ہے۔

چشم تہیہ اس طرف اور اس طرف ابر بہیہ

دیکھنا ہے آج کس سے، کتنا رویا چائے ہے

ایک نشست میں بہت دلدلی اور اطمینان دہنی صاحب مدین شہزادہ دہلی کو شریف لائے تو ایک ادبی محفل میں ان کی مدح میں نیا نیا حصہ نے ایک نظم پڑھی: پاکستان میں اگر ان کی عظمت پسندی اور کم آہیزی میں جہالت کا خاصہ رنگ پیدا ہو گیا۔

پاکستان میں مالی فراغت اور طرح کے اقدام و راحت سے وہ پوری طرح نطفہ اندوز بھی نہ ہوئے ہوتے تھے کہ کیئر سہیلہ جیسے مریضوں کو جس حد تک

ہو گئے، قیسی سے قیمتی علاج جو کہ آج ہی ممکن ہو سکتا تھا ادھر تک آ سکتا تھا، ہوا، مگر مرض بڑھتا ہی چلا گیا، ایک سال سے حالت بہت غیر متحی ہسپتال میں داخل ہوئے آپریشن ہوا، جیسے بہت کامیاب بنایا گیا، ان کے احباب اللہ قدس ان "جشن صحت" کا اہتمام کہہ رہے تھے، مگر یہ ان کے دماغ میں سمجھاؤ نکلا۔ اسی مرض نے آخر کار انہیں اس دنیا میں پہنچا دیا، جن کے بارے میں مظلوم صبر سیر لکھنؤ نے فرمایا ہے :-

مردہ شستا ہی نہیں چھٹا کے روئے میں عزیز
وہم میں کتاف حد الشد اکبر ہو گیا

اخبار دل اور رسالوں اور جوں اور دل نے ان کی تعزیت کی اور ادلی خدات کا اعتراف بھی دیکھ سکتا ابھی تک جاری ہے !

اعتراف

جناب نیاز فتح پوری کی قلم نے نصف صدی سے بھی زائد مدت تک زبان و ادب کی خدمت انجام دی ہے ! وہ بہت سی کتابوں کے مصنف، مولف اور مترجم ہیں، افسانہ، شاعری، تنقید، جنسیات، مذہب، معاشرت، معاشیات، سیرت، تذکرہ، غرض زبان و ادب کی ہر صنف میں ان کی قلم کاروں کی کھنڈی کے کھنڈے ملتے ہیں، یہ دلیل ہے ان کے مطالعہ کی وسعت اور ذہانت و ہر گیری کی ان کا رسالہ نگار پاکستان ادب کے ستان کے صنف ادب کے بکوں میں شمار کیا جاتا ہے، کیسے کیسے شادانہ خاص نمبر اس رسالہ کے شائع ہو کر مقبول خاص و عام ہوئے ہیں، نگار کو دہشتان فکر ادب سمجھ کر بہت عداوتیں اور دشمنوں نے اس سے استفادہ کیا ہے، افساد ادب کی تاریخ لکھتے وقت نیاز کا پس سے بڑا نفع بھی ان کے نام ادب کام کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ نگار کے "نیاز نمبر" میں ہندوستان اور پاکستان کے شہر ایروں اور نفاذ پر والوں نے نیاز کو خراج عقیدت پیش کیا، ہندوستانی حکومت نے ان کی ادلی خدات کا اعتراف اس طرح کیا کہ "پدم بھوشن" کا اعزاز دیا۔

نیاز فتح پوری کی خانگی زندگی مطلق اور خوش گوار تھی، معاش و اقتصاد کے معاملات میں خاصہ محتاط تھے، چاندی بیکر کپڑوں میں نہ ملتے تھے۔ ان میں اختلافی قابلیت بھی تھی، اس لئے سالہ نگار "ادب کی مضمرات سے آپس میں فائدہ؟" ہوا۔ رنگ رنگ، شراب، کباب اور اتر قسم کے مدرسے بکوں کی جانب ان کے مزاج و طبیعت کا سیلان نہ تھا۔ کتابوں کا مطالعہ اور تفسیر وراثت ہی ان کی سب سے بڑی تفریح اور وطنی کا سامان تھی، لکھنؤ، دہلی، لاہور، بعد ازاں قندھار کے کاشیہ مگر شاد صاحب نے اپنی ادلی فہرت کو ان کے یہاں باریابی حاصل کر کے کا فائدہ نہیں لیا اپنی قربت بازو پر ہمیشہ اعتماد دیکھا اور قلم کے ذریعہ دوزخ کمانی اور چین آرام کی زندگی بسر کی !

دوسرا رخ

نیاز فتح پوری دنیا کے شاد پیلے اور ممکن ہے آخری اثر پر دناہوں، جن کی تصنیف و تالیف کی حیثیت بہت مشتبہ ہے ان پر اہل نقد و نظر نے "نقد و شکر" کے الزامات لگائے ہیں اور ان الزامات کی کھمت کے لئے غرت پیش کئے ہیں ! ان کی کتاب "تاریخ الدین" مشہر مشرق جوچہ زیدان ایڈیٹر اہل سال (مصر) کی حوالہ تاریخ "اتمدن الاسلام" کی جلد چہارم کی تمام تر تنقیص ہے، ان کی خوبیاں "دارالمصنفین کی سیرت العجایات" کا چہرہ ہے۔ "تربیات جنسی" در ۱۹۷۰ء کے نگار کا سامراج "شہواتیات سے متعلق تمام میں پورا مواد چھٹا، "ایلیس سے حاصل کیا مگر اس "نقد و مستفادہ" کا ذکر نہیں فرمایا۔ اسی طرح ان کی بعض دوسری کتابوں اور تصانیف میں اس قسم کا قمار و خطا ہے جیسے "سرفہ" کہا جائے تو یہ کوئی خلاف واقعہ یا مبالغہ آمیز بات نہ ہوگی، باوجود یہ صحت باوجود کن میں تمام تھا، تو جامعہ عثمانیہ کے ایک ایم۔ اے کے طالب علم نے مجھ سے ذکر کیا کہ "میں نے ایک افسانہ ماہنامہ نگار میں چھپنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس کی سب سے بڑی بات یہ تھی کہ "یاد دلی کی، اس کا بھی کوئی جواب نہ ملا، ڈیڑھ دو سال کے بعد میرا وہی افسانہ تھوڑے بہت قلمبر کے بعد تیار صاحب کے نام سے "نگار" میں شائع ہوا۔۔۔۔۔"

۱۹۷۰ء میں مجھ کو نگار کا سالنامہ "فہرست" کے نام سے منظر عام پر آیا اور ادلی مطلقوں میں اس کی بڑی دھوم مچ گئی تھی اس خاص نمبر نے کی قریب و دتوں کی داستان بن کر حسد اسحاق صدیقی سے سننے، جو پہلے "فردوس اردو" لکھنؤ کے اکتوبر ۱۹۷۰ء کے شمارے میں شائع ہوئی ہے۔

مخبر نیاز صاحب ایک سال سے صاحب غرائش تھے مگر اس مدت میں ان کے نام سے ان کے مضامین برابر چھپتے رہے ! یہ "ماز" بھی تحقیق طلب ہے۔

کچھ نگار کے خدائمبر کے بارے میں

اردو کے خیر اور معتد جریڈول میں نگار کا جو مقام ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے یہ رسالہ ۱۹۳۲ء سے حضرت نیاز فتحپوری کی افادہ میں جاری ہے ہر اردو کے صاحب طرز دانش پرور ہیں، وچیزوں علمی و ادبی کتابوں کے مصنف ہیں جنہیں ان کے تجربہ علمی کی بنا پر ملاحظہ کیا جاتا ہے اور جنہیں حکومت ہند نے اپریل ۱۹۶۲ء میں اُن کے علمی و ادبی خدمات سے متاثر ہو کر سب سے بڑا ادبی اعزاز "پدم بھوشن" عطا کیا تھا لیکن مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اتنے بڑے ادیب اور عالم میں جو علمی و ادبی دستاویز ہوئی چاہئے وہ نہیں ہے۔ کچھ عرصہ سماجی خدمت دادر سر فراز (دکن) میں ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ علامہ کیسے کہتے ہیں، جس میں علامہ نیاز فتحپوری کے ادبی سہولتوں کی متعدد مثالیں پیش کی گئی تھیں۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ اُن کا دامن شہرت زیادہ مانع نہ ہو بلکہ پائے اُداس کے لئے میں نے حضرت نیاز سے اُن کے کراچی جانے کے بعد خط و کتابت بھی کی لیکن افسوس کہ انہوں نے مجھ ناچیز کی درخواست کو تا بن اعجاز نہ سمجھا، اس لئے مجھے مجبوراً اس حقیقت کو ظاہر کرنا پڑا ہے جسے میں نے اب تک میں نے ظاہر نہیں کیا تھا۔

حضرت نیاز فتحپوری عرصہ سے برسال اپنے رسالہ نگار کا ایک خصوصی شمارہ بطور سالانہ پیش کرتے رہے۔ ۱۹۵۲ء کا سالانہ "خدائمبر" تھا جس میں مجددِ محبت سے عبد حاضر تک مختلف مذاہب میں خدا کے تصور کا جائزہ لیا گیا تھا۔ یہ تقریباً تمام تر اس خاک کرنے وچیزوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد نیاز صاحب کی فراغت پر تیار کیا گیا تھا اور نیاز صاحب نے پہلے اس کی تحریر طبعاً اختیار بھی کیا تھا۔ لیکن بعد میں انہوں نے مختلف دلائل و دلیلیں دیکھ کر ساتھ کہا کہ "ناپسندیدہ" طریقوں سے اسے اپنانے اور میری ساری محنتوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی یہ سب کیسے ہوا، اس کا جاننا شاید دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

نگار کا سالانہ ۱۹۵۴ء "خدائمبر" لکھنے سے پہلے میرے حسب ذیل مضامین نگار میں شائع ہو چکے تھے،

(۱) آدمی نے لکھا کیسے لکھا جون سے اگست ۱۹۵۲ء تک۔

(۲) اظہارِ اعدا کے طریقے زمانہ قدیم سے لے کر اب تک اگست سے دسمبر ۱۹۵۲ء تک۔

(۳) مذہبِ عالم کی تخلیق اور قطب شمالی (نامکس) اگست سے نومبر ۱۹۵۲ء تک۔

(۴) پیداؤں عالم اور اساطیری روایات کا تقابلی مطالعہ دسمبر ۱۹۵۲ء

(۵) فنِ تفسیر کی تاریخ (نامکس) جون سے نومبر ۱۹۵۳ء تک

جولائی سے دسمبر ۱۹۵۳ء تک۔

مارچ سے اکتوبر ۱۹۵۳ء تک۔

اگر اسے خود ستائی پر غور کیا جائے تو یہ کہنے کو بھی چاہتا ہے کہ نیاز صاحب میرے مضامین سے بہت متاثر تھے، اسی لئے ۱۹۵۵ء میں جب انہوں نے "خدائمبر" نکالنے کا ارادہ کیا تو ساری ذمہ داری میرے سپرد کر چاہی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن میں اس امر کی تیاری کے سلسلے میں نیاز صاحب کی خواہش ہوئی کہ انہیں امیر المذہب علیک لا بُریری (دکن) لے گیا اور انہیں وہ تمام کتابیں دکھائیں، جن سے اس سالانہ کی تیاری میں مدد مل سکتی تھی۔ ان میں سے بیشتر کتابیں کتب محفوظہ (RESERVED) تھیں کتابوں کی کثیر تعداد کو دیکھ کر اُن سے مفید مطلبی ضرورت

اخذ کرنے میں جو غیر معمولی محنت کرنا پڑتی اس کے پیش نظر نیاز صاحب کو "خدا ابتر نکالنے میں تامل ہوا اور بولے: مجھ سے بڑھ چاہے میں اتنی محنت نہیں کر سکتی کیوں اگر کتب میں پڑھوں اور اساتذہ ایک ٹاپ کی۔ اگر آپ اس کام کا پورا ذمہ لیں تو میں "خدا ابتر" نکالوں گا۔ دند کوئی دوسرا ابتر نکالنے کے متعلق سوچوں گا۔ میں نے انہیں یقین دلایا کہ میں یہ کام کر سکتا ہوں، لیکن میری دوسری طبیعت میں ایک قیہ کہ "خدا ابتر" رسالے کی صورت میں نہ پرنٹ پشائع ہو بلکہ کتابی صورت میں اچھے سید کاغذ پر شائع ہو اور دوسرے یہ کہ لکھنا کتاب میرے نام سے چھپے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ پیش لفظ میں یہ لکھیں کہ "اگر اسحاق صدیقی میری مدد کرتے تو شاید یہ سالنا منظر عام پر نہ آتا۔ ظاہر ہے کہ آپ شہسوار ادیب میں آپ کی شہرت کے آگے میرا نام نامیڑ جانے گا۔" نیاز صاحب اس پر راضی ہو گئے کہ پورا "خدا ابتر" میں مرتبہ کروں گا اور دوسرے مرتبہ کی حیثیت سے میرا نام دیا جائے گا۔ اسی کے ساتھ انہوں نے یہ وعدہ کیا کہ وہ مجھے اس محنت کے لئے معقول سا دفعہ بھی دیں گے اب انہوں نے "خدا ابتر" کو کتابت میں پرنٹ کروانے سے منع کیا ظاہر کیا کہ ان کی طرح وگت زیادہ آتی اور نگار کے غیر مادی کو، سمجھنے میں ڈاک خرچ بھی زیادہ لگتا۔ بات معقول تھی اس لئے میں نے اس پر اصرار نہ کیا۔

کچھ عرصے بعد میں نے نیاز صاحب سے ہاکر کہا، "آپ نے لاہور میں جو کتابیں دیکھی تھیں، وہ سب پڑائی ہیں۔ یہ چند ہی کتابوں کی فہرست ہے ان کا خریدنا نہایت ہوشیاری ہے تاکہ جدید ترین تحقیقات سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔" نیاز صاحب فہرست دیکھ کر خوش ہوئے اور بولے "خود منگو ایسے" اور اسی وقت سو روپے کا چیک لکھ کر دیا۔

میں نے ایک مقامی کتب فروش کے ذریعہ کتابیں منگوائیں اور مطالعے میں غرق ہو گیا۔ اب میرا روز کا یہ معمول تھا کہ دفتر کے بعد سیدھا لاہور ہی پہنچتا اور جب تک وہ بند نہ ہو جاتی مختلف کتابوں سے خوش تیار کرتا۔ مجھے امیر الدولہ بیگ لاہور کے علاوہ رام کرشن اشیش آشرم (دکنہ) کے کتب خانہ سے بھی بڑی مدد ملی، جہاں ہندو مذہب کے متعلق کافی کتابیں تھیں میں ان دونوں کتب خانوں سے کچھ بھی کتابیں پڑھنے کے لئے لایا کرتا تھا۔ گھر آ کر کھانے کے بعد سات گئے تک لکھنے پڑھنے کا سلسلہ جاری رہتا اور صبح کو ۶ بجے سے ۹ بجے تک بھی لکھنا پڑھنا اس کے بعد کھانا کھا کر دفتر چل دیتا۔

سالانہ کی تیاری کے سلسلے میں پہلا کام میں نے یہ کیا کہ مذاہب کی تمامت کے لحاظ سے معلومات کی ایک فہرست ترتیب کی اور پھر مذہب پر سلسلہ وار مکتوبات کتابوں کا مطالعہ کرنا اور مضمون لکھنا ضروری کیا جب ایک غزوان پرمعمنون تیار ہو جاتا تو وہ تیار صاحب کے حوالے کر دیتا اور وہ اسے دیکھنے کے بعد کتاب کے حوالے کر دیتے یہ سلسلہ آٹھ نو ماہ تک جاری رہا یہاں تک کہ "خدا ابتر" مکمل ہو گیا اور جب وہ شائع ہو گیا تو میں بڑی امیدوں کے ساتھ نیاز صاحب کے پاس پہنچا اور دعا و درود طلب کیا۔

میرا خیال تھا کہ اس شانہ معذ کی محنت کے لئے نیاز صاحب مجھے کئی سو روپے معاوضہ دیں گے کیونکہ وہ اس سے پہلے بھی مجھے لگاؤ میں رکھنا میں لکھنے کے لئے کئی سال سے خصوصی معاوضہ دیا کرتے تھے یعنی فی صفحہ ایک روپیہ لیکن بقول نیاز یہ معاوضہ نہ تھا بلکہ جن نامہ حالات میں میں کام کر رہا تھا، اسے ہار دیا رکھنے کے لئے میری مدد تھی، لیکن نیاز صاحب نے صاف انکار کر دیا اور کہا "معاوضہ کیا؟ جو کچھ مجھے دینا تھا وہ چکا۔ میں اپنے اس وقت کے جذبات کو ٹھیک طور سے بیان نہیں کر سکتا لیکن مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے میرے سامنے ایک ادیب اور عالم نہیں ہے بلکہ ایک سرمایہ دان ہے جو مزدور کو اس کی مزدوری بھی نہیں دینا چاہتا۔ انہوں نے دھماکا گھنٹوں میں یہ بھی فرمایا کہ "معاوضہ تو آپ کو تہ دیا، جب "خدا ابتر" آپ کے نام سے شائع نہ ہوتا اس سے آپ کی کتنی شہرت ہوگی یہ سمجھئے۔ میرے اور ان کے درمیان اور کیا گفتگو ہوئی۔ اس کا ذکر نہایت تکلیف دہ ہے۔ اخیر میں انہوں نے کہا کہ "فی الحال میں باہر جارہا ہوں اور وہاں سے واپسی پر کچھ اور دوں گا" اس کے کئی مہینے بعد جب میں ان سے ملے گیا تو انہوں نے، وہ روپے نہایت گئے لیکن یہ قسم ہاکر

سے نیاز صاحب کا سسٹم پبلشنگ سسٹم ہے اور میرا ۱۹۶۳ء گیا اور بعد سے عرصہ میں ۴۵ سال بڑے ہیں۔ میں نے نگار کا "خدا ابتر" ۱۹۵۹ء میں لکھا تھا اس وقت نیاز صاحب کی عمر سال تھی اور میرا ۲۶ سال۔

میں اور بھی عمل پہنچا ہوا ہے۔ اس لیے کہ کتاب کا آئندہ نگار میں کوئی معذرت نہ کہوں گا۔ حالانکہ میرے بعض مضامین نامکمل تھے۔

نیا د صاحب نے لکھا کہ "خلا نمبر" کے کچھ خاتوا پیاں بھی اس فیملی سے چھپائی تھیں کہ نگار کے مستقل خیر بادوں کے علاوہ دوسرے لکھ بھی اس خصوصی پیمے کو فروغ دیا جائے گا۔ اسی لیے مجھے "ہنگام آتی" پر بھی تھی۔ مسئلے بھیجے جاتے تھے ایک دن میں ہوا کہ نیا د صاحب کے کاتب میرے پاس گئے اور لے "آج شاید لنگر کے خلا نمبر کی ہنگام آئی ہو" لیکن یہ عجیب بات ہے کہ "نگار" کی کاپیاں اندونی سروتی پھاڑ کر بھیجی جا رہی ہیں اس کے پہلے علم پر میرا نام تھا اور دوسرے صفحہ پر نیا د صاحب کا تعارف، جس میں میری بڑی تعریف تھی (معلوم نہیں کہ اس سے قبل جو کاپیاں خیر بادوں کو بھیجی گئی تھیں ان کا آئندہ فی سروتی پھاڑ دیا گیا تھا یا نہیں، لیکن آج تو میں خود دیکھ کر گناہنا ہوں۔ معاذ اللہ کے صفحہ میں آپ کے ساتھ جو خاتوا دتی ہوئی ہے اس کا مجھے انسوس ہے لیکن اس سے زیادہ انسوس اس بات کا ہے کہ نیا د صاحب آپ کا نام مثال کے درجے میں ادبیہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں خلا نمبر ان کا لکھا ہوا ہے۔ میں نے اضافہ کیا کہ نیا د صاحب کے ہر کردار یا فنت کو دل آئندہ کی حرکت ہے، لیکن کاتب صاحب نے منع کر دیا۔ ان کی دہائی کا سال تھا اس لئے میں نے بھی نیا د صاحب کے دواں جانا مناسب سمجھا۔ لیکن کاتب صاحب کے بیان کی تصدیق کرنے کے لئے سرچا کر کسی مقامی کتب فروش کے دواں جا کر دیکھا تو ان کی دواں نگار کی جو کاپیاں بکے کے لئے گئی تھیں شاید ان میں سے کچھ بچ گئی ہوں لیکن ان کا آئندہ فی سروتی پھاڑ ہوا ہے یا نہیں۔

چنانچہ میں ایک مقامی پیشہ ور صاحب کے سید پرستی "نیا د" و لفظ "نگار" بیان کیا۔ نگار کی کچھ کاپیاں موجود تھیں۔ انہیں دیکھا، اندیشہ سروتی غائب تھا۔ میں نے دریافت کیا، "یہ رسالے آپ نے کہاں سے منگوائے؟" مجھے "کیوں؟" ظاہر ہے کہ نگار کے دفتر سے جب میں نے خبر بتائی تو انہیں نیا د صاحب کی حرکت پر سخت تعجب ہوا۔ جس نے ایک سال اندر خرید لیا اور سید پرست لکھا لیا۔ پہلا دقت پھاڑا "انگٹ" مہرے۔ اس کے بعد میں دھر چلا آیا لیکن نگار کی ان کاپیوں کو دیکھ کر مجھے جو بڑی اذیت ہو رہی ہوگی اور میرے قلب کی جو حالت ہوگی، اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں بہر حال میں نے اپنے چند اصحاب سے اس کا ذکر کیا لیکن انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ تم افراد میں سارے واقعات لکھو لیکن باوجود اس امر کے کہ میرے ساتھ اتنا ہی زیادتی کی گئی تھی میری عزت نے اس اقدام کو پسند نہ کیا اور سوچا کہ ایک مشہور ادب اور عالم کی شہرت کو داغدار کرنے سے کیا فائدہ، جو چیز میری ہے وہ میری ہی رہے گی۔ دوسری صحت یہ تھی کہ میں نیا د صاحب کے ہار لیتا اور اس ہار سے میں ان سے گفتگو کرتا لیکن میں ان کی نیت سمجھ چکا تھا۔ اس لئے میں نے ان کے پاس جانا مناسب نہ سمجھا اور یہ خیال کیا کہ یہ گفتگو نہ محض لالچ حاصل ہوگی بلکہ اس کا بھی امکان ہے کہ بات چیت کے دوران مزید یہ لفظی پیدا ہو جائے۔

کچھ دنوں کے بعد نیا د صاحب نے نظیر آباد میں ایک کتاب کی دوکان "بک ٹائم کاندھ" پر ملاقات ہو گئی، جہاں وہ انگریزی دواں کرانے پرے کر پڑھا کرتے تھے، اور میں پرانی کتابیں اور صدائ غریب نے کے شرق میں جایا کرتا تھا (میں نے سلام کرنا اپنا فرض سمجھا۔ پھر ادھر دھر کی باتیں ہونے لگیں۔ اس دوکان پر دو چار بار پھر ان سے اسی طرح ملاقات اور گفتگو رہی۔ ایک دن انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ بہت دواں سے آپ کے نہیں ہیں نہ ان سے اس وقت بھی اصل سبب بتانا مناسب سمجھا۔ البتہ میں ان کے یہاں حسب سابق آئے جانے لگا۔ اس واقعہ کے کئی سال بعد نیا د صاحب جب "پدم بھوشن" جو کہ ۱۹۶۲ء میں پاکستان کو عطا کیا گیا تھے ان سے خود ملاقات کرنے لگا۔ اسی دوران نگار میں کئی اٹھنا نظر سے گزرے جن سے پتہ چلا کہ "خلا نمبر" پھر شائع ہونے والا ہے لیکن ان اٹھنا دواں میں کہیں میرا نام نہ تھا اس لئے مجھے شبہ ہوا کہ اس مرتبہ کہیں نیا د صاحب یہ غمراہ ہے ہی نام سے نہ لکھے کر دیں۔ میرا یہ شبہ یقین سے بدل گیا۔ جب نگار کا آئندہ سال ۱۹۶۳ء میں نیا د نمبر "حصہ دوم" مجھے ملا۔ اس میں فرماں فخری صاحب کا ایک مضمون ہے۔ نگار اور نگار کے خاص نمبر اس سلسلے میں دو صفحہ ۱۳۴ پر ملتے ہیں۔

۱۹۵۶ء فروری۔ "خلا نمبر" کے نام سے شائع کیا گیا۔ پورا نمبر نیا د کا نتیجہ نہ کہ ہے۔ اس میں

نیا د صاحب کے کاتب شہناش حسین صاحب کو بھی انہیں کے گھر میں بھیج کر نگار کی کتابت کیا کرتے تھے سارے واقعات معلوم تھے اور انہیں مجھ سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی جن صاحبان کے پاس ایسے رسالے موجود ہوں ان کو وہ مجھے مطلع فرمائیں تو میں فوری فرمائی۔

بنیاد فقہ دہلوی نے دنیا کے مختلف مذاہب کا تاریخی و حقیقی جائزہ لے کر یہ پایا ہے کہ مختلف جمہوری اور مختلف قریبوں میں خدا کا تصور کیا تھا اور کیا ہے۔ اس امر سے جہاں دین نگار کی وسعت نظر اور مذاہب عالم سے ان کی گہری واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے وہاں مذاہب پرالیا اور موطرہ آشفا ہوتا ہے ۔ وحید کامل ہے ۔ غالباً یہ کہنا چاہیے تھے۔ جو کہیں اللہ دستیاب نہیں ہو سکتا ۔

مجھے اس خبر سے بے تکلف ہوئی، وہ بیان سے باہر ہے۔ میں نے فرمائی صاحب ادنیٰ صاحب کو کئی خط لکھے کہ لیکٹر ترییدی بین لکھری کسی قریبی اشاعت میں شائع کیجئے کہ گنگا کا خدا نمبر اسحق قحیدلی کا لکھا ہوا تھا کہ کیا نہ فقہری کا ادب جب خدا خبر دوداد شائع ہو تو اس کا خیال رکھیے کہ اس میں مولف کی حیثیت سے میرا نام ہوا مگر آپ نے ایسا نہ کیا تو مجھے مجبوراً اخبارات کے فلاحی حداثت کو بے نقاب کرنا پڑے جو وہاں سنیائے کے لئے کثیف باقی کا باعث ہوگا۔ میں اپنی چیز کو اپنا ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زود لگا دیا کہ ادب سے پاس اس کے لئے کافی ثبوت موجود ہے۔ پیر و دیں سے علامہ سنیائے کے لئے بے پناہ عظمت ہے لیکن آپ لوگ مجھے اس بات پر مجبور کہہ رہے ہیں کہ میری عقیدت ادبیت لغت سے بدل جاتے ادبی زبان اور قسم و بیانیہ کی تحریف سے کبھی نہ ٹھکانا تھا ان کے خلاف حرکت میں آئے۔ ظاہر ہے کہ علامہ سنیائے کی شہرت کو دغا خدار کے مجھے خوشی نہ ہوگی لیکن اب اس سال اندھی عقیدت پرستی کا جس سے ہم بدیہ خیر و شر کی تدبیر ہوئے اور مجھے امید ہے کہ آئندہ میں حیات پر کی ہوگی۔

۱۳ اگست ۱۹۶۳ء کو نیاز صاحب نے مجھے ایک خط لکھا۔

سعرِ نریم و فردا کے نام رجسٹر کی گئی۔ آپ کا اضطراب دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔ میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ خدا نہیں آپ کے نام کا اظہار کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ میں بھی۔ فردا صبح کا ہوتا تھا کہ آپ نے مجھ سے پہلے بغیر اظہارِ شائق کر دیا میں خدا ہی کی کام کر نہیں دیکھتا۔ بالکل فرصت نہیں ہے۔ خدا پر آپ کو ضرور بھیجا جائے گا۔

یہ خط مجھے، ۱۹ اگست ۱۹۶۷ء کو ملا۔ اس سے مسئلہ قبل مجھے فرمان صاحب کا ایک تار ملا تھا۔

1945 APM 156 KARACHI 12 12/19

ISHRAQUE SIDDIQUI 26 GWYNNE TALAB

LUCKNOW

DONT WORRY GEE NEXT ISSUE

FARMAN

1. 2000

۱۹۱۵ء لی ایچ ۱۵۴ کراچی ۱۳ ۱۳/۱۳

اسحاق صديق ۲۶ گوشتن تالاب لکھنؤ

پیشانی نہ ہوں ۔ آئندہ شمارہ دیکھئے۔

فرمان

خالفاً تارینے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ کہیں میں اغیامات میں سادہ واقعہ نہ لکھ دوں۔ بہر حال، رفیع صاحب نے ستمبر ۱۹۶۳ء میں اس کے بعد لکھ سکے کہ پی پی میں کوئی بیان اپنی غلطی نہیں کھا سکا۔ میں نے شائع نہیں کیا۔ مارچ ۱۹۶۴ء میں "خفا" نمبر کا جدید ایڈیشن میں لگاس کے دیکھئے ۷

معلوم ہے کہ نیا صاحب نے میری اصل تالیف میں ڈکڑی تبدیلی نہیں کی ہے لیکن فرقہ کے چند صفحات میں بعض اہم تبدیلیاں مصلحتاً کی ہیں۔ مثلاً :
 سانہ در مشرق کے اندر مصلحتی سرورق کے پہلے صفحہ کی عبارت حسب ذیل تھی :

خدا کا تصور
 اللہ
اُس کا ارتقاء
 (مہدی وحشت سے عہد مافرنک)
 مرتبہ : - محمد اسحاق صدیقی
 ناشر : - نگار ایک ایجنسی لکھنؤ
 قیمت تین روپیہ

اسی سرورق کے دوسرے صفحہ پر نیا صاحب نے "تعارف" لکھا تھا جو یہ ہے :

تعارف

مذہب بڑے دلچسپ و وسیع مطالعہ کی چیز ہے ، علم الان ، جغرافیہ ، تاریخ
 نفسیات اور ہیئت و علم الجو بھی علوم اس سلسلہ میں ہمارے سامنے آ جاتے ہیں ۔

مذہب نظری چیز جو باغیہ فطرت کی ، لیکن اخلاقیات مذہبی یقیناً فطری چیز ہے کیونکہ تمدن ان کی تمدنی تنظیم و
 ترقی اس کے بغیر ممکن نہیں ۔

مذہب کی اس اس خدا کے تصور پر قائم ہے اور گو وہ ایک منطقی نتیجہ ہے ان کے جہل و جمودی کا ، لیکن کس قدر
 عجیب بات ہے کہ اس تاکیجہ و بے اختیار رکھنے ان میں خود آگہی پیدا کی اور خدا کی جستجو میں خدا ایک پر پر
 ہر یا نہ پر پر پر لیکن اُس نے اپنے آپ کو فروسود مانت کر لیا ۔

ان کا جہاد ، نیات و مصراعات کے گنگ قوت مجروحہ تک پہنچ جانا اور فطرت کے رستہ رازد کو دشمنانہ فکر
 دنیا عقل انسانی کا پڑا گلہ مر ہے ، لیکن ان کو اس منزل تک صرف خدا کی جستجو نے پہنچایا ۔

مذہب عالم کا تقابلی مطالعہ و ماحصل تجسس افیہ، تہذیب و ماحول و جدید اصول و فلسفہ فانی رحمان کا مطالعہ ہے اور اس لئے گونا گوں ویسپاں لاپنڈا لکھتا ہے۔

مہدی قلم ہے مہدی حاکم، الہ ان نے کس طرح خدا کا تصور کیا، اس راہ میں اُس نے کتنی محنتیں کھینیں اور پھر کس طرح آہستہ آہستہ وہ کائنات پیدا کیا، یہ داستان بہت منظر و طرح ہے، لیکن بے انتہا دلچسپ اور انہیں منتشر اجزاء کو ہمارے عزیز دوست محمد اسحاق صاحب مدنی نے یکجا کر کے اس مجلد میں شائع کیا ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ اس موضوع پر کبھی ایسا ہی زبان میں اتنی جامع و موثر کتاب اس سے قبل شائع ہوئی ہو بلکہ میں مولف یقیناً قلمی سارنگ ہوں کہ انہوں نے غیر معمولی محنت و توجہ سے کام لے کر بہت تقریریں لکھیں، لیکن میری عزیز مشق کہنے زبان کی پیش پراختتام دعا۔

نیا

۱۹۶۲ء کے لاکھ ایسٹین میں نیا دعا صاحب نے بہت کئی کہ اندھنی سرورق کے پہلے صفحہ سے یہ نام یکدم اٹا دیا اور لکھ دیا کہ آج ہی درپیش لکھنے کے لئے لکھتا ہوں میں یہ لکھ رہا ہوں کہ نکل دئے لیکن اب سرورق کے پہلے صفحہ میں ہے۔

خدا نمبر نگار پاکستان

برائے
نیا ز قلمی

قیمت فی کاپی
تین روپے

نہ سافٹ
دس روپے

نگار پاکستان ۳۲ گارڈن مارکیٹ کراچی ۳

(راہنامہ فروغِ اندک و کفر)

نیا دعا صاحب کی ادبی زندگی کا یہ نمبر ہے، جس پر مجھے نظر جاتا ہے کہ ان کی شخصیت، سماجیات، کی طرح - بڑی عجیب - نظر آتی ہے! اتنا شہرہ ایسا اور دوسرا ہی نیا ز قلمی کے یہاں شعریں کے مطالعہ میں بڑے مشترک رہے اور ہندی کی تہذیب و تمدن کی جاتی ہے بعض اوقات دشواری محسوس ہوتی ہے کہ تم میں لیکن اس کے ساتھ ایسے چکا چاند اعتراضات بھی کر رہے ہیں، جن سے اُن کے مشمولہ نقد کے ارسطو میں ہی دیکھ لیتے تو تم ہوتے۔

اسلام آباد میں لکھا کرتا تھا، پھر ہے تو مولانا ابوالکلام آزاد جو آج میرا آندہ گھنٹہ تھے، نیا ز قلمی اس سبب سے متاثر ہوئے کہ یہ نیا ز قلمی کی قیروں میں تھا ہے، لکھتے ہیں۔

۱۔ لکھنا شروع کیا، لیکن کراچی میں اس قدر شوق اور جذبہ تھا کہ

۱۔ دینا سے شاعری شکل سے ایسے ابا نوسیدہ، بیان بزرگ ادب و ادب انہج کی مثال پیش کر سکتے ہے۔

۲۔ میرے کوائف سے استبعاد و صحتی ہے،

۳۔ جسارت مستمرہ اور سلاست مقالہ عمدہ لکائی۔

اس لئے نگاہ میں انہوں نے سہادیت دینے کے لئے نگار کا اثر شدہ و شروع میں قبول کیا، جن کے یہاں "احتسابات" اور "تذکرات" جیسے بڑے بڑے الفاظ اور دفنی ترکیبیں ملتی ہیں اس کے بعد نیاز صاحب کا اسلوب تحریر پس اور پس ہوتا گیا، وہ کوئی ٹیک نہیں اچھے انشا پرداز ہیں گرسید، مشعل، نعمانی، حاتی، ابوالکلام آزاد، عبدالماجد دیوبادی اور آغا جید حسن کی طرح "صاحب طراز" انشا پرداز نہیں ہیں، نیاز — قصیدہ و انش میں قافیہ عبد الغفار کے درجہ کے ادیب اور صاحب قلم ہیں۔ نیاز صاحب کے یہاں ایسے پہلے پہلے جلتے ہیں۔ "وہ آنکھیں جن کی گہرائی میں سمندر کا من ڈوب جاتا تھا" مگر تفسیر عبد الغفار کی تفسیریں اس قسم کے اہمال سے پاک ہیں۔

نیاز صاحب کے نام کے ساتھ بعض لوگ "علامہ" لکھتے ہیں یہ غلط قسم کی معریت ہے، "علامہ" کے لئے جس جامع قابلیت اور علم و فضل کے لوازم ضروری ہیں۔ ان سے نیاز صاحب بڑی حد تک گورے تھے، ان کو "مولانا" بھی نہیں کہنا چاہئے کہ "مولانا" کے لئے لازمی شرط ہے "دین و مذہب" کا رنگ ملد بعض اختیار کرنا۔ مگر نیاز صاحب نے اس کے برعکس اپنی زندگی کا خاصہ حصہ دین و مذہب کی تنقیص و تکذیب میں گزارا اور اس روش و رنگ کا خالق اٹھایا۔ نیاز صاحب اس کا سلیقہ رکھتے تھے کہ کسی فن پر کوئی کتاب یا مقالہ پڑھا انسان کا غصہ اور دین میں منتقل کر دیا، نگار کے "باب المراسلات" میں جانے کتنے مقالات انہوں نے مرتب کئے، اور خود ہی جواب دئے، اشتا سائے کی اور روزمرہ کے برتنے کی چیز "ویا سلائی" ہے۔ مگر اس کی تاریخ کون جانتا ہے؟ ان "انٹیکلو پیڈیا" یا اس قسم کی دوسری کتابوں اور قاموسوں میں "ویا سلائی" کی تاریخ مل سکتی ہے، اب کوئی شخص انٹیکلو پیڈیا میں "ویا سلائی" کی تاریخ پڑھ کر اپنے سالک میں "ویا سلائی" پر کسی فرضی نام سے استفسار کرے اور جواب میں انٹیکلو پیڈیا کی عبارت کا ترجمہ حالہ کے بغیر درج کر دے تو ایسے ناقل اور مترجم کو محقق ہرگز نہیں کہہ سکتے، ان "ابن لوگوں کا مطالعہ محدود ہے یا مضمون نگار کی قابلیت و استعداد سے واقف نہیں ہیں وہ ضرور معروپ ہو جائیں گے، ابھی حال نیاز فتح پوری کی "باب المراسلات" والی تحریریں کا ہے، جن کو پڑھ کر لوگ انہیں علامہ اور محقق سمجھنے لگے ہیں ایک تو وہ شخص ہوتا ہے جو کسی فن میں عبور یا دلک رکھتا ہے اور ایک شخص وہ ہے جس نے کسی فن پر کوئی مضمون یا کتاب پڑھی اور جواب میں اس کی سمجھ میں آئی، انہیں اپنی زبان میں منتقل کر دیا، نیاز صاحب کا شمار بھی اسی دوسری صف کے لوگوں میں ہوتا ہے، اشتا فن عروض پر وہ بہت کچھ لکھتے رہے ہیں مگر اس کی زیادہ تر روایت عروض کی کتابوں سے اخذ و نقل کی ہے، اگر وہ عروض جانتے ہوتے تو باغیروں کے ایک ایسے مجموعہ کی دیباچہ میں تعریف نہ کرتے جس کی ڈیڑھ سو رباعیوں میں کم از کم ۲۰ رباعیاں سا قط اور وزن ہیں۔

نظام نامی کا تذکرہ لکھا تو ان کے ہاں سے میں ایک دفع مضمون یا کتاب کو پڑھا حالات کی تحقیق نہیں کی، اس ناقص مطالعہ اور سرسری معلومات کا یہ نتیجہ نکلا کہ اول تو شاکر نام غلط لکھا پھر ان کو ترجمہ بتایا جا تا کہ نظام نامی ہری کی شادی بھی ہوئی اور اولاد بھی، ان "یہ فرد ہوا کہ ان کی اولاد نہ نہیں ہی۔

نیاز فتح پوری کی زندگی کا سب سے زیادہ انہوں نے ایک قابل خدمت و بیڑائی پہلو دین کی مخالفت و تکذیب اور تردید ہے، ان کی تاریخ پہلو تخت پر وی نے نہ جانے کتنے (جواہر) کو گراہ کیا اور ان کے اندر دین سے ابتدا اور نفرت پیدا کر دی،

نیاز صاحب کو جہاں میں ڈاڑھی رکھتے تھے، نماز روزے کے ٹپسے پانہ تھے، جس زمانے میں وہ میرج الملک اہم خاں مرحوم کے صاحبزادے ہیں خاں کے ولی میں آتا ہیں تھے، تو ملا محمد علی دہلوی کا بیان ہے کہ نیاز صاحب کے ڈاڑھی بھی اور نماز کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے۔ پھر نہ جانے کسی مولوی کے ساتھ ان کا کیا معاملہ پیش آیا کہ مولویوں کے شدت کے ساتھ مخالف ہو گئے اور یہ مخالفت جو بربریت کی ترویج سے شروع ہوئی ہے، فقہ حدیث، قرآن، خدا، انبیاء، عالمک، نماز، روزہ، ... کی تنقیص و توہین کی حد تک پہنچ گئی، انہوں نے یہ تک لکھ مارا:۔

تضمین

ڈاکٹر انعام حسن حرکیف ماہر بروی

جناب انعام حسن میرٹھ کا کلمہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے فارغ التحصیل (M.A.S.S.) ڈاکٹر ہیں۔ ان کے لکھنے کے علاوہ خاص بصیرت، تجزیہ، اندیشہ، رکھنے میں، شعروادیکہ نقدی اور زبان میں لکھتے اپنے قابل فخر ماہر حضرت مولانا احسن ماہر بروی مرحوم سے ملتے ہیں پائی ہے بعض ادوات شعر پڑھنے میں کئی سکڑٹیک سننے والوں کو تلفظ کی ادائیگی کا انتظار کتنا پڑتا ہے اعلان کے مزاج و طرانت پر یہ ادا اسلحا و لطف و تغذیہ کا سبب بن جاتی ہے۔
یہ ایک عجز کی انہوں نے تضمین کی ہے جو تدریس فارانگ نہ کا مزہ ہلکے خیال سے دہجہ ذیل کی جاتی ہے! (دم-ق)

میری مٹی مٹی نہ ہئی، گل پھنسی ہئی
دھشت ہئی، جہون ہئی، بے خودی ہئی
دل پر جو ہاتھ ہے، یہ گریباں دردی ہئی
اُن کی خوشی ہئی ہے تو اچھا یوں ہی ہئی
"الفت کا نام آج سے دیوانگی ہئی"
کیا حال پوچھتے ہیں میرا، کیا کہوں جناب
اُغیار نہیں ہے میں کہ اپنے میں بے نقاب
میرے نفس نفس میں ہے اک طرف بے کلمی
کافی نہیں حضور تبسم کی چاشنی
بیٹھے ہوئے ہیں آپ جو دم کے مہے مٹی
"غزلیں کے دل سے پوچھے لطف لٹکتی"
"باد صبا پہ تہمت آوارگی ہئی"
نکسن کی سانپ دیکھی ہے جو کھل
شاید اسی طرح یہ بلا کر جانے لے
"ایسے میں اک نصیب ہزار ہی ہئی"
ماہر بھی اے حرکیف ہے جہون اب و گل
ماہر کی نظر میں ہے اک مشن منفصل
جس کا مزاج خشک دتر، بلکہ مستدل
ماہر سے اجتناب نہ فرمائیں اہل دل

(اچھوں کے ساتھ ایک گنہگار بھی ہئی)

باوانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ سرائی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا ————— کورا اور دھلا لٹھا

ہر قسم کا دھلا گاتیار ہوتا ہے
باوانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعماد و

پاکستان کی صنعت کی قدر لہ

حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

مولانا ابوالکلام آزاد

روح انتخاب

ماہ ربیع الاول

آرا اذ کہ در سینہ نہا نست نہ وعظ است
بردار توان گفت ، بہ منبر نہ توان گفت

ماہ ربیع الاول کا دوسرا چہار سہ لئے جس دن مسرت کا ایک پیغام عام ہوتا ہے۔ کیونکہ تم کو یاد آجاتا ہے کہ اسی چھپنے کے ابتدائی ہفتوں میں خدا کا رحمت عامہ کا دنیا میں ظہور ہوا اور اسلام کے دہائی برحق کی پیدائش سے دنیا کی دائمی نظم ایلزیا اور سرکشیاں ختم کی گئیں صلی اللہ علیہ وآلہ و آلہ صحابہ و سلمہ تم خوشیوں اور مسرتوں کے دلولوں سے معمور ہو جانے ہو چہار سہ اللہ خدا کے رسول برحق کی محبت کو پیشگی ایک بیخودانہ جوش و خروش پیدا کر دیتی ہے تم اپنا زیاد سے زیادہ وقت اسی کی یاد میں، اسی کے تذکرہ میں اور اسی کی محبت کے لذت و سرور میں بسر کرنا چاہتے ہو۔

تم اس کے ذکر و فکر کی مجلس منعقد کرتے ہو ان کی آلائش و زینت میں اپنی محنت و مشقت کی کمی ہے دینیخ لٹاتے ہو خوشیوں اور مسرتوں کا دھڑلہ پھولوں کے گھونڈے جاتے ہو۔ کافر کی فتنوں کے خوب صورت فالوں اور برقی روشنی کے بکثرت گھونٹے روشن کرتے ہو، مصلح و مصلوب کی ہر ایک انداز کی بٹنوں کا بزم عجب الجوان مجلس کی بھی طرح ہو کر بیٹا ہے تو اس وقت حصہ دینا کے عزموں اور دوسروں کے مقدس توافوں کے اندر اپنے محبوب و مطلوب مقدس کی یاد کو دھونڈتے ہو اور لب لہذا ات تہا کی آنکھ کے آنسو اور چہار سہ کی محبت و دل کی آہیں اس کے اسم مبارک سے وابستہ عشق کرتیں اور اس کے عشق سے عیادت روحانی حاصل کرتی ہیں۔

پس کیا وہ مبارک ہیں وہ دلی جنہوں نے اپنے عشق و پیشگی کے لئے رب السموات والارض کے محبوب کو چنا اور کیا پاک و مطہر ہیں وہ زبانیں جو سید المرسلین اور مومنین اللعالمین کی مدح و ثنائیں نغمہ سنجہ پڑھتیں!

مصلحت و دین آست کہ یا ماں ہر کار

بگذارند و قسم طرہ یار سے غیر ند

اپہوں نے اپنے عشق و پیشگی کے لئے اس کی محبت کو دیکھا جس کو خود خدا نے اپنی چاہتوں اور محبتوں سے متا دیکھا۔ انسان کی زبانوں نے اس کی مدح و ثنا کی جس کی مدح و ثنائیں خود خدا کی زبان، وہ اس کے خاکہ اور قدسیوں کی زبان ان کی شریک دہم نا ہے۔

ات اللہ رسلنا کتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما

خدا کی الوہیت و ربوبیت جس طرح وحدہ و شریک ہے کہ کوئی ہستی اس کی شریک نہیں۔ اسی طرح اس انسان کا اس کی الہیت اعلیٰ الہییت کبر

بھی وعدہ لاشریک ہے کیونکہ اس کی انسانیت و عبودیت میں کوئی اس کا باجی نہیں لھاس کے حسن و جمال و قربانیت کا کوئی شریک نہیں۔

وَنَزَعَ عَنْ شَرِيكَ فِي مَحَاسِنِهِ

نُجُوهُهُ الْحَسَنَ فِيهِ غَيْرُ مُنْقَسِمٍ

یہ وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں تم دیکھتے ہو کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کہاں کہیں کیا گیا وہاں ان سب کو ان کے ناموں سے پکارا ہے اور ان کے واقعات کا بھی ذکر کیا ہے قرآن کے ناموں کے ساتھ کیا ہے لیکن اس الٰہی ن کام اس فرد اکمل، اس صفاتِ عبودیت کے وعدہ لاشریک کا اکثر متناہی اس طرح ذکر کیا ہے کہ نہ تو اس کا نام لیا گیا اور نہ یہ کسی دوسرے وصف سے نامزد کیا گیا بلکہ صرف وعدے کے لفظ سے اس کے پروردگار نے اسے یاد دلایا اس خصوصیت و امتیاز سے اسی حقیقت کو واضح کرنا مقصود الٰہی تھا کہ اس وجودِ الٰہی کی عبودیت اور بندگی اس وجہ آخری و درجہ آخری تصور تک پہنچ چکی ہے جو انسانیت کی انتہا ہے اور جس میں اللہ کوئی عباد اس کے سوا نہ ہو بلکہ صرف اللہ ہی اس کی عبودیت کا فرد کامل وہی ہے اور اس لئے بغیر اعنافت و نسبت کے صرف عبودیت کا لقب اس کو ناموں اور علموں کی طرح پہنچنا لائق ہے کیونکہ تمام کائنات ہی میں اس کا سا اللہ کوئی عیب نہیں!

پس جن کی تقدیر عبودیت کا یہ مرحلہ ہوا اس کی یاد میں جتنی گھڑیاں بھی کٹ جائیں اس کے عشق میں جتنے آنسو بہ جائیں، اس کی محبت میں جتنی آہیں بھی نکل جائیں اور اس کی مدح و ثنا میں جس قدر بھی زبانیں زہر مریرا ہوں، انسانیت کا حاصل، روح کی سعادت، دل کی طہارت، زندگی کی پاکی اور انسانیت و انسانیت کی پادشاہی ہے۔ وَلِلّٰهِ مَدَامُنَا قَالِ

وَلَا تَوْبَهُرُ تَدُمُ كَرَامَتِهِ نَفُوشِ اسْت

وَصَلُّ تَوْبَهُرُ سَبَبُ كَرَامَتِهِ نَفُوشِ اسْت

وَدَعْنِي تَوْبَهُرُ دَعْنِي كَرَامَتِهِ نَفُوشِ اسْت

وَكِرْتَوْبَهُرُ زَبَانُ كَرَامَتِهِ نَفُوشِ اسْت

تم بیچ الاول میں آنے والے کی یاد اللہ محبت کا دعویٰ رکھتے ہو اور مجلسِ مشفقہ کے اس کی مدح و ثنا کی صدائیں بلند کرتے ہو لیکن تمہیں بھی یہ یاد نہیں آتا جس کی یاد کا تمہارا زبان دعویٰ کرتا ہے اس کی فراموشی کے لئے تمہارا ہر عمل گمراہ ہے اور جس کی مدح و ثنا میں تمہاری صدائیں زہر مریرا ہوں اس کی عزت کو تمہارا وجود تہرہ لگا رہا ہے وہ دنیا میں اس لئے آیا تھا کہ انسانوں کو انسانی بندگی سے ہٹا کر صرف اللہ کی عبودیت کی ہر اہل مستقیم پہنچائے اور غلامی کی ان تمام زنجیروں سے ہمیشہ کے لئے نجات دلا دے جن کے بڑے بڑے بوجھ ملنے انہوں نے اپنے پاؤں میں ڈال لئے تھے۔

يُضِحُّ احَدٌ مِنْهُمْ وَالْاُخَرُ لِي الْعَقِي

سَكَاتٌ عَلَيْهِمْ -

وَالْقُرْآنُ ()

اس نے کہا کہ اطاعت صرف ایک ہی کی ہے اللہ حکم فرمان صرف ایک ہی کے لئے سزا داتا ہے۔

اِنَّ الْحَكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ (القرآن)

اس نے سب سے پہلے ان کو اس کی پہنچی ہوئی آواز کی وجہ سے واپس بلائی اور کہا کہ مومن نہ گریبا و دشمنوں کی غلامی کے لئے ہے نہ کافروں کی اطاعت کیلئے نہ کسی اور انسانی طاقت کے آگے جھکنے کے لئے، بلکہ اس کے سر کے لئے ایک ہی چوکھٹ، اس کے دل کے لئے ایک ہی عشق، اس کے ہاؤں کے لئے ایک ہی طرف اطاعت ہے۔ وہ جھکا ہے تو اسی کے آگے، رہتا ہے تو اسی کے لئے، اعتماد کرتا ہے تو اسی کی ذات پر، ڈٹتا اور لڑتا ہے تو اسی کی بیعت سے، امید کرتا ہے تو اسی کی رحمت پر، وہ مشرک نہیں ہے کہ خدا کی طرح ان لوگوں کو بھی بیعت اللہ تعالیٰ کی صفت سمجھئے۔

آدمی کے لیے چاہیے

نیکو ہو کر



آدم جی کاٹن ملز لائڈھی کراچی

ہماری نظریں

حیاتِ فخر تالیف: - جناب شائق احمد خاں، صفحات ۸۸، مصحف (مجلد، رنگین، دو کٹس سرسبز، کتابت و طباعت دیدہ زیب) قیمت پانچ روپے، لکھنے کا پتہ: - فخر منزل، ۱۸، ٹری، ڈاؤل ٹاؤن لاہور

بولنگ حیدر دکن کے حالات اور تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں، ان کو ناب فخر یا بولنگ بہادر مرحوم کے نام اور شخصیت سے غور و تأمل ہونا چاہئے۔ ناب صاحب مرحوم کی بیانت، فرض شناسی اور خدا ترسی نے "فرب اللہ" کی حیثیت اختیار کر لی تھی، صاحب مرحوم اپنی ذاتی قابلیت اور محنت و جدوجہد کی بدولت دیر بدیر ترقی کرتے ہوئے خدمات ایات کے بعد جلیلہ پستاز مریگئے اناب صاحب مرحوم کے خلیفہ بھراوالہ فرزند جناب شائق احمد خاں صاحب نے اپنے والد کے سارے حیات لکھ کر امداد ہیں "ہیرگانی" کی صفت میں قابل قلمنا مذکور کیا ہے۔

شائق احمد خاں صاحب حکومت حیدر آباد دکن کے فکر و مصلحت کے سب سے بڑے افسر تھے، ۱۹۴۵ء میں پاکستان میں ایمٹ جرنل بن گئے حیدر آباد کی حیثیت سے ۱۵ سال تک اس میں بحالی کے فرائض کو ایمت اور قابلیت کے ساتھ انجام دیتے رہے، عربی کا شہر ضرب المثل۔

"الولہ صحت لا یسیہ"

مشتاق صاحب کی ذات اور شخصیت پر صادق آتی ہے بہت سی خوبیوں میں وہ اپنے نام و پایے سے ملے جلتے ہیں، خاص طور سے دینداری اور خیر پسندی باپ بیٹے دونوں کی زندگیوں میں قدر مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس کتابچے میں ۱۶۱ باب ہیں، کتاب کا اختتام "فہمہ جات" پر ہوتا ہے، پہلے باب میں لائق مولف نے اپنے خاندان کے حالات بیان کیے ہیں، دوسرے باب میں انہوں نے اپنے وصال و خاندان پر مدح و تعظیم کا بیان کیا ہے اور سولہ حیات پر مدح و تعظیم کے بعد کے ابواب میں ناب فخر یا بولنگ بہادر کی سیرت پر اسے دلچسپی انداز میں پیش کی ہے۔

اس کتاب کے پڑھنے سے حکومت حیدر آباد دکن کی داخلی سیاست، علاقائی سازش اور فوری رقابت کا بھی آواز ملتا ہے، یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ صاحب سیرت نے ناب فخر یا بولنگ نے سخت سے سخت آزمائشوں میں حق و صداقت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، انہوں نے لائق کے نفس سے سچائی ہی کی آخر وہ رعیت ہوئی، ناب صاحب مرحوم کی عائلی زندگی بڑی خوشگوار تھی، سچی بچوں سے انتہا دیر کا لگاؤ اور محبت و شفقت، اناب صاحب کی عمر پچاس سے بھی کم تھی، جب ان کی بیگم صاحبہ کا انتقال ہوا، مگر انہوں نے دوسری شادی نہیں کی، ان کی محبت کیسے بھراوالہ کی تربیت میں صرف ہوئی۔

ناب صاحب مرحوم کی مذہبیت اور دینداری کا ایک واقعہ: -

آبا جان کی نماز میں پابندی حیدر آباد میں فرب اللہ بن گئی تھی، نماز کے وقت خواہ وہ کسی جگہ ہوں، بلا تکلف نماز ایت باندھ لیتے تھے، ایک مرتبہ بہادر مسکرتن پشاور دھیمین السلطنت سے ملنے کے بعد احوال سے آگاہ تھے، مغرب کا وقت آیا تو لڑائی کو روک کر ٹھہرانے کے لئے حکم دیا، ڈانڈ لے عرض کہ عرف پانچ منٹ کی مسافت باقی ہے مگر ہم غلام نماز پڑھ

لیجے گا، ابا جان نے فرمایا — کیا معلوم اگلے لمحے ہی سے مڑ نکلا جائے اور میں زندہ سلامت اپنی منزل مقصود تک نہ پہنچوں، اپنی نماز کے فاعل ہونے کا خطرہ کیوں مول لوں، چنانچہ وہیں بڑک پڑی اور کڑکھیل میں نماز پڑھی۔

اس آخرت فراموش مدد میں قریہ باتیں "معجزہ اور کلمات" معلوم ہوتی ہیں ۱

باپ کی سیرت بیٹے نے لکھی ہے مگر اقوام و عقیدت اور محبت کی شدت نے مبالغہ کا رنگ اختیار نہیں کیا، بڑی ذمہ داری اور فوقی کے ساتھ حالات قبلہ نہ لکھے ہیں ان کے شرفا بہت مادیوں کے نام تک درج کر دیے ہیں۔

"میسور سے بان" (دس ۷۷) صحیح تلفظ "میسور" بان ہے — "نہایت غیر یاد جنگ بھی اپنے بیٹے بہاد خان کا اپنے ساتھ لائے تھے (موت)"
نواب بہادریہ جنگ کے والد کا خطاب "نواب نصیب یاد جنگ" تھا — "انہیں وہاں لٹے کئے گئے" (دس ۷۷) "اُن سے وہاں لٹے گئے آئے" صحیح و درست ہے — "اُن کے عملی جذبہ سے استفادہ حاصل کرنے کی کوشش کی" (دس ۷۷) "استفادہ" کے ساتھ "حاصل" حشو زیادہ ہے، "استفادہ" میں فائدہ اور زمین حاصل کرنے کا مفہوم موجود ہے،

"سمات غفر" سیرت لکھری کا اچھا نمونہ ہے، اس کے مطالعہ سے دل و دماغ خیر و نیکی اور شرافت و خلافت کا اثر قبول کرتے ہیں، جناب شائق احمد خاں صاحب کی کوئی ادبی تفسیر اس سے پہلے ہماری نگاہ سے نہیں گزر چکی، یہ کتاب اُن کی انشائیہ دہائی کے پورے آئینہ دار ہے، جس سے اگر وہ بدوشوہری سے کام لیتے تو ان کا شمار اردو زبان کے مشہور اہل قلم اور ادیبوں میں ہوتا۔

تذکرہ زندان

از — نور علی احمد وایم اے، ایل، ایل بی مضامین ۶ صفحات قیمت ست ایشیائی چھ مدینے ماعلیٰ ایشیائی (محلہ ٹانک کد) دہلی روپے۔ لٹے کا پتہ — مکتبہ جواہر نگر لاہور ۱۲۷ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۳۷ — سی۔ شاہ عالم مارکیٹ لاہور

۶ جنوری ۱۹۶۶ کو پاکستان میں یہ المناک سانحہ پیش آیا کہ پاکستان کی سب سے بڑی دینی اور اخلاقی تنظیم "جماعت اسلامی" کو غریب لونی قرار دیا گیا اور اس کے کارکن گرفتار کر لیا گیا، یہودیہ خورشید احمد صاحب بھی انہی بلاکٹ بنی محبت اور اسیرائی حق و صداقت میں شامل تھے، اُن کی اسیری کی میعاد ۶ جنوری ۱۹۶۶ء سے شروع ہو رہی، ۱۹ نومبر ۱۹۶۶ء کو ختم ہوئی اور عدلیہ نے ان کے لیے اس اقدام کو غلط قرار دیا۔

اس کتاب کو خورشید صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی — انیس — کے نام منسوب کیا ہے، انتساب کا یہ انداز کس قدر اثر انگیز ہے۔

اپنے بارے میں

انیس

کے نام

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا

جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ان چند غلطیوں کو اقسام اطراف نے بار بار پڑھا اور دل نے بڑا اثر قبول کیا، انیس اپنے بیٹے بھائی خورشید کے قوت و باور ہی نہیں ہیں، بلکہ ہم نگر اور ہم خیال بھی ہیں، یک جہن و دو قالب کی کہاوت کتابوں میں پڑھی اور دیکھا کہ کتنی سستی، مگر ان دونوں بھائیوں میں اس غریب المشرک کو جسم دیکھ لیا۔

مضمین کی فہرست —

عشق اپنے عیسویوں کو سوتے زندان لے چلا — وہ مرا پیچھے چل داخل زندان ہونا — چنانچہ گھاٹ کے شب و روز — ہم میں باشندے
جیل خانہ کے — لیکن اسلام مدائید — وہ پابند قفس جو غلطی سے آزاد ہوتا ہے — انیس کے نام — کٹ گیا قید میں ماوراء مہمان۔
— زندان کی عید — پھر سبیش جرات دل کھلا ہے عشق — جس نے ہر گام عدالت کا تری دیکھا ہے — جو ہم اند و دفاع — ماہر جیل میں
۳۳ دن — پھر وہی ہاتھوں وہی خار و خیلان ہوں گے — دو میں ہے ریش ہر کہاں دیکھتے تھے — یاد ازل زندان — رخصت اے زندان جنوں

زنجیر در کھڑا کرتے ہے !

ان عزائمات سے انمازہ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب میں کیا ہوگا ؟ دلچسپی کے ساتھ سوز و تاثیر بھی ! دل کی چوٹیں پچ پچ کا غنڈہ اُٹھا رہی ہیں ! کتاب کے مطالعہ سے صبر و استقامت ، اداکار و قدس بالی کا وہ غہم سمجھیں آتا ہے جو صرف خیالی نہیں رہا بلکہ عمل و تجربہ کی راہ سے گزرا ہے !
پہلی گھاٹ کی خوفناک اور بھیانک باتیں ، کھانے پینے ، رہنے بچنے اور سونے کی دشمنی شروع شروع میں م ناقابل برداشت تکلیفیں ! مگر کھل کر کاغذ پر اس نہیں ، زبان شکوہ سرا ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے شکر و ذکر سے زرا وہ جرجھلاہٹ سے بچا ہے ۔

سچ میں میں کیا گیا ، گریا و بے ستار کھل گیا

۱

ان اسیران محبت نے بھی زندان کو دین و اخلاق کی دھمکا ہوا بنا دیا ، قرآن و حدیث کا بھس ، دینی موعظات پر گفتگو انداز کر کے ، سب سے بڑھ کر فضیلت و امانت کی کیفیت !
فاضل تذکرہ نگار نے اپنے رفقاء و زندان کی سیرت و کردار کی جو عکاسی اور ترجمانی کی ہے وہ پڑھنے سے حلق رکھتی ہے !
ہمارے میں ان علمبرداران حق و صداقت کو ایسے ساجوت اسلامی مولانا پیدا ہوا اعلیٰ مودودی کی رفاقت میں آئی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن کی کلفت کا انا لفسر دیا ۔

عدالت کے سامنے خورشید احمد صاحب سے جو بیان دیا تھا ۔ وہ پڑھ کر اس کتاب میں دہرج کیا گیا ہے "تذکرہ زندان" کو اس بیان نے بڑی تاریخی ادا کاؤنی بلکہ علمی اہمیت عطا کی ہے اس سلسلہ کے ساتھ اپنے رفقاء میں تو کوئی شک و شبہ نہ تھا مگر وہ نظائر پیش کئے گئے ہیں ، کتنی ولینشیں اور اثر انگیز زبان ہے یہ بیان اس امر کو ذمہ نہاد ہے کہ ان انسان کو کس قدر بصیرت اور ہوشی عطا کی ہے اور صحیح معنی میں "وہی آدمی" کہ کتاب کے باک ، جو یہ صاحب فراست اور معاملہ فہم ہوتا ہے !
تذکرہ زندان میں دین و اخلاق اور سیاست کے بہت سے مسائل بھی آگئے ہیں ، اسلوب نگارش اور زبان پر کار و سادہ میں !
ذریعہ اشعار کے ترجمہ جو حاشیے میں دئے گئے ہیں وہ شاید بعض پڑھنے والوں کو کھٹکیں کہیں مصنف نے فارسی سے بے فائدگی کی سمجھا ؟ مولانا الامام الکام آبادی ۔
"مختار و مختصر" کی طرح "تذکرہ زندان" میں بھی اشعار قریب قریب ہر صفحہ پر ملتے ہیں مگر انموس ہے کہ شعروں کی خامی تعداد ایسی ہے جس کی کتابت جیسے نہیں ہوئی جس کے سبب اشعار موزوں ہو گئے ! اس کو آپ کی ساری ذمہ داری کا تہ پر نہیں ڈالی جا سکتی ، مصنف کے حافظہ اور ذوق سے بھی بھرپور شک ہوئی ہے ۔
تذکرہ زندان نے اردو ادب کی تقویت میں اضافہ کیا ہے ، یہ کتاب پڑھنے والے کے دل و دماغ پر بھرپور نقش چھوڑتی ہے ، محکمہ تعلیم کے محال و حکام اس کتاب سے قید خانہ کا نظم و نسق درست کرنے میں بہت کام استفادہ کر سکتے ہیں !

نندیشی

مترجم :- مالک رام اور محمد رالدین احمد رمضانمت ۔ ۱۰ صفحات ، جلد ۱ ، رنگین سرمدی ، کاغذ اعلیٰ کتابت و طباعت انتہائی دیدہ زیب ، قیمت دہرج نہیں کی گئی ۔ طے کا پتہ :- مجلس نندیشی ، نئی دہلی ۔

علمی داولی و بیانی مولانا امتیاز علی خاں خوشنویس (رفاقت سنگھ) کا آغاز تقارن کتب خانہ ریاست رام پور کے ناظم دکنان کی حیثیت سے ہوا اور اس تفادق کو پھانڈ اور اس شہرت کو خود دہرج مولانا موصوف کی اُن کتابوں سے طابور مزا غالب پر انہوں نے عرب کی ہیں ! غالب کی نظم و شعر کا ذکر کرتے ہی مولانا خوشنویس کا قصور ذہن میں آجھرتا ہے !

مولانا امتیاز علی خاں خوشنویس متعدد کتابوں کے مصنف ، مولف اور مترجم ہیں بہت سے علمی موضوعات پر انہوں نے ادب کے درجے کے مضامین بھی لکھے ہیں ، مولانا موصوف کا مطالعہ بہت وسیع ہے ، اللہ تعالیٰ انہیں علم و ادب کا صحیح ذوق اور انداز ترقی بخوبی عطا فرمایا ہے ، رام پور لائبریری سے ملازمت کا تعلق ہونے کے سبب انہیں علم و ادب کا کام کرنے کے مواقع اور برکتیں بھی میسر آئیں ! جن سے انہوں نے پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی زندگی کو علم و ادب کی خدمت کے لئے وقف کر دیا ۔ علم و فن کے ساتھ وہ خود غدار و قانع اور ہمتی اور بے شک بھی واقع ہوئے ہیں اس لئے جو موضوعات کو پھیرا اور بحث و مباحثہ اٹھایا اپنی علم و استعداد کی حد تک اُس کا

حق ادا کر دیا۔

جناب امتیاز علی خان عروشی کی علمی شخصیت اور ادبی حیثیت کے مستند و متمم ہونے کا نفاذ ثابت یہ ہے کہ ہندوستان میں "جلس نذیر عروشی" کا نام علم میں آیا جس کے صدر ڈاکٹر فاکر حسین خان دجھات تین نامیاب صدر جمہوریہ ہند، مقصد ہونے اور مجلس کے ارکان میں ہندوستان کے چوٹی کے ادیب اور مصنف اول کے اہل علم اور نامور شخصیتیں شامل ہوئیں، دوسرے ملکوں کا تو جس علم نہیں مگر پاکستان اور ہندوستان میں کسی ادیب و دانش پرور اور عالم و محقق کو خواجہ حسین و سعیدت پیش کرنے کے لئے اتنے بڑے آدمیوں پرستش کوئی مجلس آج تک وجود میں نہیں آئی!

جلس نذیر عروشی نے مولانا عروشی کی اسٹوریوں ساگر پر ایک کتاب — نذیر عروشی — مرتب کر کے ان کی خدمت میں پیش کی۔ یہ "نذر" اور "ندیدہ" زبردست اثر سے کہیں نیا نیا ذہنی ہے! اور تصنیف اس کی اظہار اور اعتراف کی حد تک ہے۔

"نذیر عروشی" کا مقصد ڈاکٹر فاکر حسین نے لکھا ہے، پھر شہدائے پروردار جناب مالک رام دایم نے مولانا عروشی کے سوانح جیات مرتب کئے ہیں — اس کے بعد —

ڈاکٹر شات عروشی
عروشی۔ شمس علم ولین، ولین سنسر
از ڈاکٹر سید عابد حسین
از ڈاکٹر علی خان
از سید صاحب
از سید صاحب

یہ وہ مضامین ہیں جو عروشی صاحب کے تذکرہ و تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں اور انہیں پڑھ کر صرف کی علمی شخصیت اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ پھر مقالات و شروحات ہوتے ہیں یہ مضامین و مقالات بلند پایہ اور معلومات آفریں ہیں، مقالات کی بلندی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شیدائے احمد خان عروشی کا تنہا مقالہ، جو محقق طوسی کی ہتھو آفاق کتاب "تجربہ" پر ہے علم و دانش کا مستقل حصہ ہے۔ یہی حال انگریزی مقالوں کا ہے، آٹھوں مقالے خوب ہیں، بہت خوب ہیں۔

"مگر غالب نے یہ کیا کہ یہاں کیرا فارسی کلام دیکھو جو "لفظ" آئے رنگ رنگ سے معمور ہے، میرے مجموعہ آرویں کیا بڑا ہے وہ محض بے رنگ ہے" دس ۲۶۳۔
ڈاکٹر سید عبداللہ ۲۔ میرے مجموعہ آرویں کیا رکھا ہے لکھا تھا "کیا بڑا ہے" ایسے دو قدم نہیں بڑا جاتا — صفحہ ۱۸ (سطح ۸) تذکرہ خانات کے لکھنے کا جو ذکر کیا ہے، اس میں کتاب کی غلطی کے سبب ۱۳۸۷ھ کی جگہ ۱۳۸۶ھ چھپ گیا۔

اس کتاب کے مقصد میں ڈاکٹر فاکر حسین خان لکھتے ہیں، —

"مولانا امتیاز علی خان عروشی کا نام کی گوارف کا حق یہ نہیں، ان کے متعدد تصنیفی کارنامے علمی اور ادبی حلقوں سے خواجہ حسین حاصل کر چکے ہیں، پچھلے ۲۵-۳۰ برس میں انہوں نے بڑی تحقیقی اور تنقیدی کام کیا ہے، اس سے جہاں ہمارے زبان کے نوانے میں بینش بھاڑا نہ ہوا، وہیں ہمارے لئے کھینے والی کوہا ملی ہے، کئی قیمتی اور قابل قدر کتابیں انہیں کی خوشتر اور ذوق جستجو کی بدولت پہلی مرتبہ حظ عام پائی ہیں، کئی پرانی کتابوں کا انہوں نے اپنے حسن ترتیب سے نئی زندگی بخشی دی ہے خاص طور پر مژدن کے تجزیہ و تدوین کا جو بلند میار انہوں نے قائم کیا ہے وہ کسی زبان کے لئے بھی باعث فخر ہو سکتا ہے۔

..... مجھے خوشی ہے کہ ان کے احباب اور تدریس اس کے اسٹوریوں ساگر پر ایک مجموعہ مضامین ان کی زندگی کے ہیں یہ گویا ہم سب کی طرف سے ان کی علمی خدمت کا اعتراف ہے؟

ڈاکٹر صاحب صرف کا یہ "اعتراف" آروں دنیا کے جذبات کی گنج تحریں کی کتاب ہے۔

ہندوستانی چند ہی کاموں پر مشتمل کدیم خطہ "فنی حلیت" سے کوئی ایک نہیں معلومات آفریں، بنگلہ انہوں نے ہندوستان کی نیا نیا فنی (خاص طور سے دینی گروہ) کے لئے روشن دم و خطہ اختیار کرنے کی جو تجویز کی ہے وہ دوسری زبانوں کے لئے خطہ پر تو جو اس کا فیصلہ ان نیا نیا فنی کے علماء اور محققین کریں گے مگر اسد بان

بھارت کے شہرہ مقبول دینی ماہنامہ "تجلی" دلیہ سندھ میں طابن العربیہ کی "کی" آپ بیتان آتی رہتی ہیں، جن کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ہے، یہ کتاب ابن العرب کی آخر میں کون ہے؟ بات اب ملنے نہیں رہی، مولانا قاسم حمزائی اس قلمی نام (PEN NAME) سے اس قسم کے طنزیہ مضامین لکھتے رہے ہیں جن کی ہر طبقہ میں پذیرائی ہوئی، اسے کبھی "پڑھنے والے" "محمد سے بچانے تک" کو بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ انہی مضامین کا انتخاب اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ یہ کتاب طنز و مزاح اور شریعی تسلیم کا شاہکار ہے، وہ چوب آہی کہ لائقہ میں لے کر ختم کرنے سے پہلے کچھ احکام کام کرنے کو بھی چاہتا، اس میں خالی ادبی ہتھیار سے اور غلطی کی سطح پر زبانی ہی نہیں ہیں بلکہ علم و ادب اور دین و سیاست کے بہت سے مسائل بھی آگئے، اور جو وہ موسیقی جس سے آپ کی دنیا گزرتی ہے اس پر وہ وہ چوٹیں کی ہیں کہ مستبدین اور اہل بدعت کے چہرہ دل کا رنگ فق ہر جاتا ہے۔ چنانچہ قضا سات۔

— "پاپی، پیسہ ہارے، اپنی پی نہ بول، میری پی پی نہ بول، اسستیا ناس! اسپہا پی پی نہ بولے گا تو کیا ڈھیچوں ڈھیچوں کے گا۔۔۔۔۔"

— "مشاعروں کے ہاں سے میں میرا نثر لکھا ہوا ہے، جیسے چھٹا کج بحر طوطہ کھانے کے لئے من بحر پتھر چبانے غرور کی ہوں، دس لکھ ٹھٹھٹھ، تب کہیں جا کر ایک اچھا شعر ملے پڑتا ہے۔"

— "ان کی آواز، بڑی ہلکا مریخ ہے، مگر وہ اشارہ ہی اتنے بند سروں میں سے لیتے ہیں کہ انترے کے لئے گنگا نش باقی نہیں رہتی۔"

— "ایک شعر۔ جن کا نام یا تو بقیہ نداء تھا، یا سبیل قدوائ یا شاید دل دل بقائی۔ تینوں نام یادداشت کے غزل میں ایسے گندہ ہونے میں کہ یقین کساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا، بہر حال وہ اوسطاً دو شعروں کے برابر تھے، بلکہ تمام نثرانی تشدد و اصرار و روش صدیقی تینوں کی ایک ساتھ شکلیں کس دی جائیں تو گویا ان سے زیادہ نہیں بنے گی، رنگ پکنا جیسا ہی آنکھیں گول، جن کا قطر نے پیسے سے زیادہ نہ ہوگا، وہ ان کم و بیش نصف بالشت چھڑا۔

انہیں دیکھ کر، میں نے پھر حیرت سے پوچھا۔

"کیوں پیر صاحب! کیا آپ کو یقین ہے کہ ان کا اندیشہ ہم آواہی کا خالق ایک ہی ہے؟"

"اماں کیوں کفر دیکھتے ہو؟" وہ آنکھیں پھر پھیرا کر بولے۔

— "یہ بھی بخیرہ پن ہے، جس نے بے شمار پھائیوں کو دفن کر دیا انسان گنت جھوٹ، اداام اور غرور سے، حقائق بن گئے؟"

طابن العرب کی کی ایک غزل بھی پڑھئے اور لطف لیجئے کہ قاب ہے، فرماتے ہیں۔

بخشش نہ ہوگی بندگی اولیا بغیر

خواہر سے ولگی ہے، تو قدر ان سے عشق ہے

نیض قہر کبیر و اجمید کی قسم

جب حوس ہی نہیں تو صلوة و زکوٰۃ کیسا

میں شاعر پڑھوں گا، پلاؤں کی تاب لا

ملا میں بھی جہد و دستار لائے دے

چلتا نہیں ہے کام نمود و ریا بغیر

دوسرا رخ :-

۱۔ وہ دیرالشی سے لے کر (ص ۱۰۲) یہ عجیب انداز بیان الہندوان ہے۔ اور تقریباً نو برس سیران میر کی طرف بڑھانے (ص ۱۰۳) سیر۔ گھنٹا تھا۔ لیکن آج وہ کوئی کی طرح چلی ہوئی تھی (ص ۱۳۹) نصیح تر۔ چھک ہی تھی ہے۔ "بڑی مسرودا غازی کہا" (ص ۱۷۱) آواز کو غمگین کر لیتے ہیں، مگر مسرودہ نہیں کہتے، کیوں؟ اپنی زبان اسی طرح بولتے ہیں!۔ میں نے دھڑ دھڑلی (ص ۱۷۹) یہ تھا لفظ حاصل ہو رہا ہے، لہذا چ دیو بند میں غالباً "جھری جھری" کو۔ دھڑ دھڑلی "بولتے ہوں گے"۔ انہیں اللہ نے بڑے سے بڑے مسئلے کو پا کر دیکھیں بڑا مسرودہ کیا تھا (ص ۱۷۳)۔ "میر نے دیا تھا" یہ عربی قانون کی کتاب زبان ہے جو غلط نہیں ہے، مگر معذروہ!۔ ہمارے ہاں بھی عربی بہت شریف تھے (ص ۲۵۰) آنا، آنا، رانا کی صحیح تعظیم کئے آئندہ معذروہ نہیں ہے، مشائروں نہیں بولتے۔ ہمارے اپنے یا مالے اور دالے!۔ موجود تھے۔

[illegible]

اس کتاب میں آنکھوں کے لئے جہاں بھی "پیر پڑانا" (ص ۸۹۔۹۰) آیا ہے اُسے پڑھ کر وہاں منہض ہوا آنکھوں کے ساتھ "پیر پڑانے" کی صفت افصا کا لانا ہر اعتبار سے غلط ہے! اس کتاب میں "کھر پڑا" کے لفظ کی تکرار بھی جگہ جگہ جلی نہیں گئی۔

قلم کی غزٹروں سے کون مصنف محفوظ ہے، مجموعی طور پر سجد سے میخانے تک انتہائی دلچسپ کتاب ہے کہ پڑھنے اور سیکھنے کے لئے ان مسکراہٹوں اور چٹکروں میں جسے کام کی باتیں بھی آگئی ہیں!

جہاد و مسلم

از ۱- عاقل کرمانی، فخرات ۷۷ صفحات (سرورق رنگین) قیمت ایک روپیہ
 ملے کا تہ ۱- فرزند بیگمشتر، گل تہراں والا، ملتان

ملنے کا پتہ ۱۔ فرینڈز پبلیکیشنز، گل تیراں والا، ملتان

کتاب کا نام ہی بتا دے کہ اس میں کیا ہوگا؟ جناب فاضل کہنا کہ اس نے موضوعاً "جہاد" پر بڑی جادو اور دلورہ انگیز نقیصیں کہی ہیں، پروفیسر عاصمی کہنا کہ ان نقیصوں کے اس مجموعہ پر پیشِ خط لکھا ہے :
چند منتخب اشعار :—

انٹرویوئیں کے عین سلسلے میں جمہوریت کے حوالے سے

یوں تو رہے دامنِ پاک سے آٹے ساغرِ غل میں جیسے مئے ارفواں

دہلیہ کاروان !

دل پہاڑوں کا بلدار کی ہماری لٹکار۔
 روک سکتا ہے بھٹا کوں ہماری یلغار۔

دیوارِ پاک کو صاف ہوتی ہے فتحِ عظیم

”روح مردود یہاں لانے کی کیا تکلیف!“

تم سیکر فرلا دو ہر میثاقِ ازل سے
”ازل کے دن سے“ کہنا تھا، یا ”یومِ میثاق“ سے!

اپنی توہین کے دہن
جب کھلے جانبِ رن (ص ۶۳)
”جانبِ عربی اور رن“ ہندک ہے، اس لئے ان دونوں لفظوں کے درمیان اضافت جائز نہیں!

اہل جنوں کا عزم جب گھیر جاگ اٹھا
بیر لہو میں یہ سرعتِ خمیر جاگ اٹھا (ص ۶۵)
”اہل جنوں سے دنیا کی تسخیر اور کائنات پر حکمرانی کرنے کی نسبت کچھ میں نہیں کھاتی، مگر عربی کو۔“ بہرِ سرعتِ خمیر کی ترکیب بچکانہ بنا دیا
جنتِ نشان بہار میں معدوم ہو چکی ہیں
فغزلوں کی اکٹاریں معدوم ہو چکی ہیں (ص ۸۶)
”آبشار“ تو نہ کہ ہے!

تجد کو حاصل دعا شاہِ گردیز کی
تجد میں تویر ہے شمسِ تبریز کی (ص ۹۰)
”مقامِ پاکستان کے کسی خط یا شہر میں شمسِ تبریز رحمت اللہ علیہ نہیں آئے، مقامِ قین میں جن کا زرا ہے وہ ایک ادیب ہیں، جن کا نام بھی شمس ہے۔“
حصارِ بندہ سے خلوتِ گہر چوندہ تک
ہر اک نظام سے ہم لوگ کامراں گزرتے (ص ۱۱۶)
”چوندہ“ کے ساتھ ”خلوتِ گہر“ کی ترکیب بالکل بے معنی ہے! یہ مصرعوں ہو سکتا تھا۔

”عینِ وندہ سے لاہور اور چوندہ تک“
”جہاں قلم کو فریضہ پبلیکیشنز ملانے پر بڑے سلیقہ سے شائع کیا ہے، جہاں جہاں دو گرم و تازہ رکھنے کے لئے اس مجموعہ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت برتی جائے۔“

مؤلفہ: ڈاکٹر سچین عزیز، صفحات ۸۰، ۵ صفحات (دہلا شک کد) قیمت دس روپے
بنیادی بیماریاں اور گرائنگ میاڈم سینٹرل یونیورسٹی، آسام باغ روڈ کراچی

ڈاکٹر سچین عزیز صاحب کراچی کے مشہور ہر میر پیتھ ڈاکٹروں، نوجوانی کے بعد ان کی زندگی اسی فن کی تحقیق اور تجربہ میں گزری ہے! یہ کتاب ان کے مطالعہ، تحقیق اور تجسس کا پتھر ہے، اس میں انہوں نے تفصیل کے ساتھ ”بنیادی بیماریاں“ کے اسباب و علامات سے بحث کی ہے اور سرایت پوری تفصیل کے ساتھ لکھی ہے! اپنے تجسس کی بنا پر صاحبِ موصوف نے کہیں کہیں ڈاکٹروں کی خام ہانے سے اختلاف بھی کیا ہے۔

ڈاکٹر سچین عزیز صاحب ہر میر پیتھ کے طریقہ علاج کے تجسس کا طریقہ بلکہ عالم ہیں، انہوں نے کتابوں سے اعداد و ارقام کی غفایت کا بھی گرامر لکھا ہے اس لئے ان کی اس کتاب میں بعض ایسے ”اکتافات“ ملتے ہیں، جو دوسری کتابوں میں نہیں مل سکتے!
مرض کے علاج کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ طبیب کو اس مرض کا اصل سبب معلوم ہو جائے، اس کے لئے بڑی محنت اور عہدہ فکر کی ضرورت ہے اور ڈاکٹر صاحب اس محنت اور عہدہ فکر کے دکھائیں بلکہ اس فن میں ”اسپیشلسٹ“ ہیں۔

یہ کتاب ”بنیادی بیماریاں“ کے مطالعہ سے کارآمد مفید ہے، ہر میر پیتھ ڈاکٹروں کو اس سے ضرور استفادہ کرنا چاہئے! اسوداد میں اس مرض کا پرانی اور پہلی کتاب بنظرِ عام آئی ہے

میں کتاب میں کتابت کی غلطیاں کہیں کہیں ملتی ہیں مثلاً ”گھٹیا“ کو جگہ جگہ ”گھٹیا“ لکھا گیا ہے، دوسرے ایڈیشن میں کتابت کی غلطیوں کی تصحیح کر دی جانی چاہئے۔

اردو ڈائجسٹ سالنامہ ۱۹۶۶ء

مجلس ادارت: ڈاکٹر حاجی رحیم قریشی (اسرائیلی صدر مجلس)، الطاف حسن قریشی (مدیر مسئول)، ظفر اللہ خان
رہیم، — میان معاد، — ضیاء شاہ، مقبول جہانگیر اور آباد شاہ، — لعلی — ضحمت، — ۲۲ صفحات، — کاغذ،
اور کتابت و طباعت، — پرچیزیدہ زیب، مصروف رنگین و سادہ اور جاذب نظر، قیمت: — دو روپہ پچاس پیسے۔
لکھے کا پتہ: — اردو ڈائجسٹ، حسن آباد، لاہور۔ — کراچی آفس: لہارکای، مغربیہ کالونی، کراچی۔

ہندو ڈائجسٹ پاکستان کا سب سے زیادہ کثیر الاشاعت اور مقبول اردو ماہنامہ ہے، ہم نے ریلوں اور ہوائی جہازوں میں — اردو ڈائجسٹ ہی عام طور پر
مسافروں کے ہاتھوں میں دیکھا ہے! اس سالنامہ جو اس وقت ہمارے سامنے ہے ایک لاکھ سے کیا کم چھپا ہوگا! جب کہ اس کی عام اشاعت ستر چھتر ہزار بتائی
جاتی ہے۔

سالنامہ کے مضامین میں بڑا متنوع پایا جاتا ہے اور ساتھ ہی ترتیب کا سلیقہ بھی اتنا اچھا ہے اندیشہ مضامین ہیں اور منتقبات ہیں، اور اس سال واپس یوں کا مرقع ہے
سب سے زیادہ غریبی کی بات یہ ہے کہ دین و اخلاق کے تقاضوں کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، نوجوان لڑکیاں اور لڑکے کے بچے کھیلنے اس سالنامہ کو تنہائی میں پڑھ سکتے ہیں۔
سنجیدہ اور باوقار ادب کا گلدستہ، بعض مضامین معلومات میں اضافہ کرنے والے بھی ہیں۔

جناب الطاف حسین قریشی — انٹرویو کے سبب اتنے مشہور ہو گئے ہیں کہ یہ لفظ کہیں ان کا لقب اور شخص بن کر رہ جائے، اس سالنامہ میں بھی
جناب ذوالفقار علی بھٹو (وزیر خارجہ پاکستان) کا — انٹرویو شامل ہے، جس کے بعض حصے دولت خور و فساد دیتے ہیں!

جناب عبدالرشید شترمرغی کے حالات زندگی بھی الطاف حسن قریشی ہی نے مرتب کیے ہیں جو پڑھنے اور سبق لینے کے لائق ہیں۔
حرف نظم میں حضرت غنیظہ جالندھری کی — تمام غزلیں، — فوق و دوجان کو اپنی طرف نہیں کھینچیں! جناب احمد ندیم قاسمی کے کلام کا انتخاب خوب ہے،
مگر یہ ہے کہ اس میں ایسے سلی شعری آگئے۔

آپ کیوں سامنے نہیں آتے آپ کیوں روح میں سماتے ہیں (ص ۱۴۰)
کتنا ہے کیت اند سلی ہے یہ شعر!

نمائندہ ہر چکا اس اولین ڈبھڑ کو لیکن سنائی دے رہی ہے تیری نظروں کی پکار اب تک
"اولین ڈبھڑ" نے شعریت کا لطف غارت کر دیا، حضرت جگر مراد آبادی کو کہاں یہی خیال کس خوبی اور لطافت کے ساتھ نظم ہر چہ فرماتے ہیں!۔

موت ہوئی اک حادثہ عشق کو لیکن
اب تک ہے تیرے دل کے دھڑکنے کی صدا یاد

احمد ندیم قاسمی صاحب کہتے ہیں۔

تمہ سے مذاق کے مصدقہ بکیر دیں تو نے قدم قدم پہ کئی قمریوں، کئی شمشاد
اس شعر کا مفہوم ہمارے تو پہ پہ نہیں! — قمریوں کا بکیر دینا، — منہمک خیز انداز بیان!

سرِ حشر یہ کن سند نشیں ہے کوئی دیکھا بھلا خریا جبین ہے (ص ۱۴۱)
یہ کیا شاعری ہے!

جب عجب کی سات چاند ڈوبا دل چچا اٹھا کر مر گیا چاند (ص ۱۴۲)
نہا بیچ کا شعر!

اتنا سیال ہے یہ پل کہ گمان ہوتا ہے میں ترے جسم کو چھروں تو گھمیں جاؤں گا

آخو یہ بات کیا ہوئی ! پھر مریب کے جسم کی عورت ، مگر اور تابناکی شہو کو " پل " (یعنی وقت) کھستمال ہونے کی وجہ سے عروس ہوئی ہے !
چادر گر آج ستاروں کی قسم کھا کے بتا کہ کس نے اہل کو تبسم کے لئے ترسیا (ص ۱۴۶)
چادر گر سے مریض عجب دغم کیا یہ سوال کر سکتا ہے ۔

سہ کس نے اہل کو تبسم کے لئے ترسیا

یہ لفظیات ناقص مطالعہ ہے !

شب نہ کھتی ، توئی آگ نہ جلتی دل میں

صبح کی ساری شرارت ہے اسی شام کا نام

الفاظ مروجہ ————— مگر مفہوم !؟ —

۔ آرو و ڈائجسٹ " کا یہ سادہ مراد لفظاً مقبول ہوگا ، اور خواص و عوام سب اس سے پسند کریں گے :

فانان

عام طبیب مہینہ کی یکم تاریخ کو تیار ہو کر پوسٹ کیا جاتا ہے ۔
اگر کسی مہینہ میں نہ تاریخ تک رسالہ نہ ملے ۔ تو دفتر " فانان " کو نہ ملنے کی اطلاع دے دی جائے ، تاکہ دوبارہ رسالہ بھیجا جاسکے !



بیش
لوٹ
دستوپ کے پیشے

استعمال کریں ہر جگہ سے دستیاب ہو سکتے ہیں



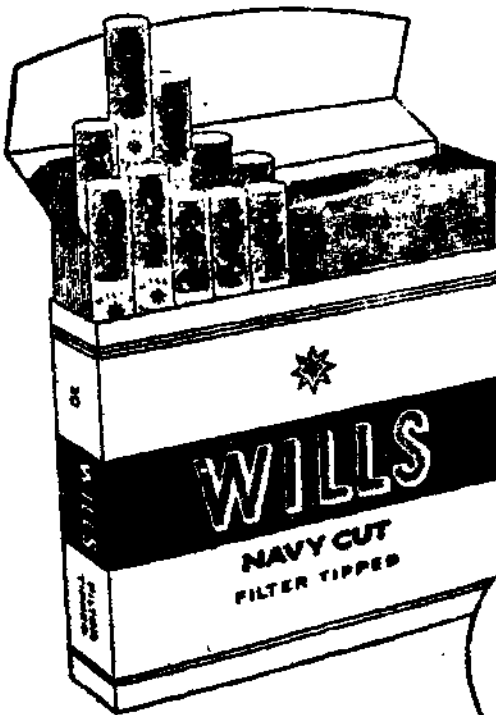
اب تیز رفتاری پہنچا!
ٹرائیڈنٹ ۱-ای کے ذریعے
کراچی - لاہور
روزانہ ۳ پروازیں
کراچی - راولپنڈی
روزانہ ۲ پروازیں

واپسی				سلائیڈ علاقہ کے کلاس	فریڈنٹ			
۳-۶	۳-۴	۳-۳	۳-۲		۳-۱	۳-۵	۳-۳	۳-۴
روانہ	روانہ	روانہ	روانہ	کراچی	روانہ	روانہ	روانہ	روانہ
۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	کراچی	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲
۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	کراچی	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲
۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	کراچی	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲
۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	کراچی	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲	۱۱-۱۲

ہنگ کے اندر پروازوں میں شہر رشتاری اور کار کا کیا معیار

پاکستان انٹر نیشنل ایئر لائنز **PIA** پاکستان سوگت لاہور کراچی

نیپا ولسن فیلٹر ٹیپڈ



آج کے ترقی یافتہ دور میں
ولسن آپ کے لئے ایک
نیپا ویلڈ ٹیپڈ ریگریٹ
پیش کرتے ہیں۔ ولڈ ریگریٹ اپنی
عمر کو اپنی بہترین تہذیب کو اور دوسری
تمام دنیا کی قوموں کے ساتھ آپ کے
ریگریٹ نوشی کے صحیح طبع اور
مکمل تہذیب کی ضمانت ہیں

ریگریٹ کے چھٹے نمبر پر ۱۹۳۳ء
اپنی کمپنی کے لئے ریگریٹ کے چھٹے
نمبر پر ۱۹۳۳ء کے لئے ریگریٹ کے چھٹے
نمبر پر ۱۹۳۳ء کے لئے ریگریٹ کے چھٹے
نمبر پر ۱۹۳۳ء کے لئے ریگریٹ کے چھٹے

PANISTAN TOBACCO COMPANY LIMITED, SUCCESSIONS TO W & A WILLS, LTD. & LONDON

فساد خون سے بچنے کے لئے صافی



اور قبض سے
نجات کے لئے اب اسٹریپ پیکنگ میں

صافی قبض کشا قرص

”صافی قبض کشا قرص“ مشہور خون صاف کرنے کی قدرتی دوا

صافی سے تیار کئے جاتے ہیں۔

صافی کے یہ قرص نہایت اطمینان دہنری سے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچائے
قبض رفع کرتے ہیں۔ مزید براں ان میں تمام مصلی خون صفات بھی موجود ہیں۔

ہر کیسٹ، ڈرگسٹ اور جنرل اسٹور پر دستیاب ہیں۔

بہار دوا خانہ (وقت) پاکستان
کراچی - لاہور - ڈھاکہ - چٹاگانگ



جلد ۱۲

شماره ۵

ماہنامہ فاران

ماہنامہ

کراچی

ماہ اگست ۱۹۶۶ء

ایڈیٹر: مآہر القادری

تہنیت

۳	مآہر القادری	نعتی اول
۴	مولانا محمد مصطفیٰ و علی گڑھ	سورہ التوحید
۱۰	مآہر القادری	آبشار
۱۱	مختلف شعراء	سوز و ساز
۱۲	پروفیسر اسرار احمد	غیب کی ضرورت
۱۴	مآہر القادری	یہ امت خرافات میں کھو گئی
۱۵	مولانا محمد عیسیٰ اللہ شریفی	تاثرات
۱۶	عبدالمجید صدیقی (ایم اے)	روح انتخاب
۱۷		جہاد کی نظریں

پبلشر: مسٹر حسین

تمام اشاعت

چند سالانہ
سات روپے

قیمت فی پرچہ
۲۲ پیسے

دفتر ماہنامہ فاران یکمبیل اسٹریٹ کراچی

مسٹر حسین پبلشر ۷۱ انٹر میڈیٹل پریس کراچی میں طبع کرانہ دفتر ماہنامہ فاران یکمبیل اسٹریٹ کراچی میں طبع کیا

دوسری دوس کی اس اختلاف نے دنیا میں اشتراکیت کی رفتار ترقی کو خاصہ دھیرا کر دیا ہے۔ اشتراکیت کی مقبولیت کو سب سے زیادہ حد تک
ترقی برقی ہندوستان کے صاحبانہ قبضہ نے پہنچایا ہے، امریکہ دنیا کی دوسری طاقت ہے جس نے سردشت میں ایٹم بم استعمال کرنے میں پہلی کی اقتدار پارکی
ظہور کیا۔ مصلحتاً بن گیا، ہندوستان کو چھوڑ کر، امریکہ، چین اور سوئس، ان تینوں طاقتوں میں دنیا کے عوام پر چین کے بارے میں نسبت اچھی لگتے
تھے ہیں۔ چین کی ایسی جوابدہی نظر عام پر آتی ہے وہ یہ ہے کہ چین دوسری اور دشمنی کے نمایاں دو غلبہ ایسی ہیں رکھتا، وہ جس کا دوست ہے کھلا
بادوست ہے اور جس کا دشمن ہے کھلا ہوا دشمن ہے، اس لئے سیاست میں اس کا نقطہ نگاہ اسطریق کارچہیدہ اور پراسرار نہیں ہے۔

تکلیف الامام خادما بن الناس کے مطابق اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت دنیا کے حالات سدا ایک جیسے نہیں رہتے، ان میں لڑ پھیرا
دل بدل ہوتی رہتی ہے۔

ثبات ایک تغیر کو ہے لہذا ہے

پہلی جنگ عظیم میں چین کوئی قوت بن کر طاقت ہی نہ تھی، دنیا اسے "فیو یوں کا ملک" سمجھتی تھی، روس میں نزاریت کا دور دورہ تھا،
شتر کی حکومت ابھی وجود میں کہاں آئی تھی، امریکہ کی طاقت بڑی تھی مگر برطانیہ، فرانس اور جرمنی کے مقابل میں کم تر اس دور میں برطانیہ
فہم ترین طاقت سمجھی جاتی تھی، جس کے حدود و مسکت میں سدرج عذوب نہیں ہوتا تھا، انگلیز اس زمانہ کا سب سے بڑا عظیم طاقت تھا۔ ساری دنیا
ن نگاہیں بکھنکھم چلیں اور دانتوں پر لگی رہتی تھیں۔ لندن کی سیاست کی ہوا کا بوسہ ہوتا تھا، کسی امت میں الا لای پالیٹکس کا سفید
رنگ نہ تھا، برطانیہ کی طاقت کے بعد اپنے عظیم طاقت زجر جی بیڑے کے سبب فرانس، کانبرا تھا۔

مگر

جس جاس۔ سانی کی مدت میں دنیا نے حالات پر لاگتوں ہو گئے، کتنی ششٹیاں اس سوس میں ضم ہوئیں۔ کتنے ملک دار ہو گئے، کتنی جریٹیاں بھر
تیا، کیسی کیسی گمشاد اور لاپتہ ہو کر غیب میں کھسک گئے، اختیار بنے ہوئے قوتوں کا عظیم انقلاب برپا ہوا، فرانس کی اب کوئی نمایاں حیثیت میں دلاور
سیاست میں نہیں رہی، بڑی طاقتوں نے زمین ان کشمکش برپا ہے، زیر دونوں حکومتیں خود اپنی جان بچانے کی فکر میں رہتی ہیں کہ کہیں ہم
س نسبت میں نہ آجائیں، فرانس پر چلنے لے بہت سہرا پائی، اس نے برطانیہ عظمیٰ کے عروج و زوال کے دونوں منظر دیکھ لئے۔ انگریزی
حکومت کے تیراقبال کاٹ کر رہا بھی اور عذوب بھی۔

بدنام حکومت

بعض غلط باتوں و خصوصیات کے لحاظ سے یہ کہا جاسکے کہ امریکہ موجودہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے، تو شاید
کوئی مبالغہ افراط کی بات نہ ہوگی، اس کی دولت کا یہ عالم ہے کہ امریکہ کی بعض بعض کمپنیوں کی اتنی آمدنی ہے کہ مشرقی
مکوں کا مجموعی جیٹ اس سے کم ہی ٹھہرے گا۔

امریکہ دنیا کی جس قدر سب سے بڑی طاقت ہے، اسی قدر دنیا میں سب سے بڑے کرد نام ہے، "سامراج" کا لفظ ہوں کر آج کی دنیا
س سے "امریکہ" مراد لیتی ہے، اس دور میں سامراجیت کی سب سے بڑی علامت امریکہ سمجھا جاتا ہے، دنیا کے کبھی اخبار ہوں گے، جن
س امریکہ کا نام نہ آتا ہو، اندام پر کسی نہ کسی عنوان سے طنز نہ کی جاتی ہو! اگر دنیا کی اچھی ٹہریت اندیک نامی کا کوئی
ن ہے، تو امریکہ ہے پناہ طاقت کے باوجود شہریت دہر و لغز نہ کا ادا سادہ پی پیڈی عوام کی مصلحت میں ہلکا اور بے قدر نظر آتا ہے۔

یہ نہیں ہے کہ امریکہ کے دشمنوں نے جوہر اندر غلط پروپیگنڈہ کرتے آئے سارے جہان میں بدنام کر دیا ہے! امریکہ کی سیاست
پر ڈیڑھ سہی سب کے سامنے ہے، اندام کا گروار کھل کتاب کی طرح منظر عام پر آتا رہتا ہے۔ کوئی شک نہیں امریکہ میں آزادی دا ہے پر دہر و لغز
بند نہیں ہے۔ وہاں کے صدر ملک کی ہر آمریت زندگی پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے، مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ امریکی دانشور اور صاحبان

نفس و نظر و مال کے اسباب حل و عقد کے سامنے یہ عقائد کیوں نہیں لاتے کہ جن الاقرای دنیا میں امریکہ کی ڈیولپمنٹی نے اسے سارے عالم میں بدنام اور رسوا کر دیا ہے، بدنامی اور رسوائی کی زندگی کوئی اچھی زندگی نہیں ہے!

امریکہ کی سیاستیں کرۃ الارض کے ایسے دُور دراز گوشہ نشین ممالک میں واقع ہیں، کہ وہاں نہ تو کسی غیر حکومت سے سرحد (Border) کا جھگڑا ہے اور نہ ہوائی جہانوں کی پرواز اور بحری بیڑے کی گزر گاہ کا کوئی نفعیہ ہے! امریکہ کا جغرافیائی موقع گوشتہ وائٹ کا موقع ہے۔ پھر اس کے یہاں زمین کی بھی تنگی نہیں ہے کہ کثرت آبادی نے زمین کی وسعت کا کوئی مسئلہ پیدا کر دیا ہو۔ غرض کی پیداوار کا یہ عالم ہے کہ لاکھوں تن فاضل قوت اسے دیا برو کر دینا پڑتا ہے۔ سوئی اور آئرن سے لے کر ہوائی جہاز اور ہلک ٹنک زندگی کی ہر ایک ضرورت کے لئے وہ پوری طرح خود کفیل ہے، دوسروں کا محتاج اور دست نگر نہیں ہے۔ امریکی بچ بچ لدو اور شہر کی نہریں بہتی ہیں ہر چیز خالص اور ملاوٹ سے پاک وصاف ہے۔ امریکہ کی آمدنی کی قدر ادنیٰ کا یہ عالم ہے کہ اس کے سافٹ ویئر کے لئے اعداد و ارقام کی نظر آتے ہیں، دولت اور مال و زر کی کوئی حد و انتہا نہیں! وہاں کا معیار زندگی اس قدر بلند ہے کہ امریکہ کے خاک و ب کپڑا کاربن رکھتے ہیں۔ دنیا میں عیش و راحت کے چھنے ساہن ہو سکتے ہیں، امریکہ کے باشندوں کو تمام کے تمام میسر ہیں!

انٹی میٹل و آرام کی بے غش زندگی کے ہوتے ہوئے یہ جو امریکہ نے ہر ملک میں اپنی سیاست اور ڈیولپمنٹی کی نامک اڑا رکھی ہے۔ اس میں آخر اس کا کیا نائدہ ہے؟ وہ جو شہر ضرب المثل ہے کہ غم نہ داری بڑ بڑ بڑ۔ تو اس نے خانوادہ کے بھیجے سولے لکھ بیس اور بہت سے دم بچھڑا کر رکھے ہیں، جس کا حاصل رسوائی کے سوا اور کچھ بھی نہیں! امریکہ کو خود اس کا قہر ہے کہ کتنے بہت سے ملکوں میں اس کی حکمت عملی غلطی و ناکام ہو چکی ہے! آج کی دنیا میں نہ صرف امریکہ بدنام ہے بلکہ اس کا سکہ ڈالر بھی رسوائی کا (Symbol) بن کر رہ گیا ہے! ساری دنیا کا چور و زور بچنے کی ہوس میں، عوام میں غیر ملکی خریدی، بدنامی اور رسوائی حاصل کر کے، امریکہ بھج میں نہیں لڑتے ہیں رہا ہے! اس کا خرپ کیا ہوا ایک ایک ڈالر اس کے لئے دشنام بن کر رہ گیا ہے! ڈالر روپے کے انیسوا امریکہ نے کچھ بڑے آدمیوں کے ضمیر کو بے شک قہر لئے ہیں، گریج اُم کے دور میں اپنے لئے نفرت و بیزاری کے جذبات پیدا کر دیے ہیں۔

امریکہ کی بجائے عالم ڈیولپمنٹی میں یہودی سرمایہ دانوں کا بھی بہت کچھ عیس و خیر ہے، یہودی جس ملک کی سیاست میں دخل ہوں گے وہاں کی یہ حالت اور اسباب سیاست کو بے آبرو بنا دیں گے، ترکی میں بے دینی کی فضا پیدا کرنے میں یہودیوں نے نمایاں پارٹ ادا کیا ہے خاص طور سے مسلم حکومتوں کو جس طرح بھی ممکن ہو نقصان پہنچانا، یہودیوں کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے! جلالہ الملک شاہ فیصل کے ساتھ امریکہ کے حالیہ دورے میں جتنا زیبا سلوک ہوا ہے، وہ اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ یہودی امریکہ میں کس قدر اثر و رسوخ رکھتے ہیں امریکہ میں جب تک یہودیوں کا عمل و خیر نہ ہے گا وہاں کی ڈیولپمنٹی اسے تمام دنیا میں اور خاص طور سے مسلم حکومتوں میں غیر بر دلہنہ نظر آوے رسوائی کرتی رہے گی۔

وہ دوسری بات ہے کہ حکومتیں ایک دوسرے کے حالات کا آہٹا لگانے کے لئے اپنے جا سوس دوسرے ملکوں میں رکھتی ہیں، مگر امریکہ نے تو یہ غصیب ڈھا دکھا ہے کہ اس کا ایک ہا قاعدہ حکمران سی، آئی، اے کے نام سے قائم ہے جس پر ایروں ڈالر خرچ ہوتے ہیں اور یہ خوفناک حکمران غیر ملکیوں میں انقلاب لانے کے لئے طرح طرح کی سازشیں کرتا رہتا ہے، امریکہ کی یہ غصیب تنظیم روپیہ پلیس کی طرح، جاہ و منصب کے لالچ، زوالی نعمت کی دھمکی اور خوف کے ذریعہ کسی ملک میں بھی ہر طرح کا انقلاب لاسکتی ہے۔ نوٹیز انقلاب بھی! سی، آئی، اے کا جو ذاب کوئی ناز نہیں رہا، انصاروں کے ذریعہ اس تنظیم کے اعضاء و متقاعد اس کے عزائم کی تفصیلات منظر عام پر آچکی ہیں! ہجرت ہے کہ دنیا کی حکومتیں امریکہ کی اس خوفناک غصیبہ تنظیم کو کس طرح گوارا کئے ہوئے ہیں! انہیں

کم از کم اس مسئلہ میں متفقہ طور پر امریکہ کو الٹی میٹم دینا چاہئے کہ بین الاقوامی روابط کے منظر پر امریکہ دنیا کی دوسری حکومت کو اس قسم کی تعلیمات کو کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اس تعلیم کو فساد کو دینا چاہئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سی آئی، اسے امریکی سیاست کا وہ شاہکار ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے، اس ملک کے یہ عزائم اور ایسے گرفت ہوں کیا وہ دنیا میں قیام امن کا داعیہ اپنے اندر رکھتا ہے اور اس کی کوششیں اس مقصد کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں ؟

تعلیم ہند کے بعد امریکہ نے پاکستان اور ہندوستان دونوں ملکوں کی مالی اعلا کی، مگر اس نظریہ کے تحت کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خبا رسا ہے !! ہندوستان بہت بڑا ملک ہے، امریکہ کی ہمد و یوں اور لوازشوں کی زیادہ تر ہر کجا بھارت ہی پر ہوتی رہی ہندو پاک کی جنگ میں امریکہ کا جو رول رہا ہے، وہ سب پر ظاہر ہے، اس کے طرز عمل سے اس جنگ میں جتنا بھی فائدہ پہنچا ہے، بھارت کو پہنچا ہے ؟

امریکی جو سارے جہان کے حالات کی غیر خبر رکھتا ہے، کیا وہ مسئلہ کشمیر کی حقیقی پوزیشن سے واقف ہے؟ نہیں ایسا نہیں ہے مسئلہ کشمیر کا ہر پہلو اس پر آئینہ کی طرح دکشن ہے، مگر وہ اپنی مصلحتوں کے پیش نظر اس حقیقی کو سمجھنا نہیں چاہتا، وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ پاکستان کا موقف حق پسندانہ ہے، مگر امریکہ حق کا نہیں اپنی مصلحتوں کا ساتھی ہے، دوسری طرف پاکستان کے داخلی مسائل کا جہاں تک تعلق ہے، ان معاملات میں یہ خبریں تک چھب چکی ہیں کہ مشرقی پاکستان کی مغربی پاکستان سے علیحدگی کی جانب امریکی میلان رکھتا ہے، اس خبر میں حقیقی بھی صداقت ہے، ہر حال یہ خبر امریکی ڈپلومیسی سے تعلق کے سبب کتنی خونخوار نظر آتی ہے ۔

مسئلہ کشمیر کے تصفیہ کی آخری صورت جنگ ہی ہو سکتی تھی، جنگ بھی کر کے دیکھ لی، پھر صلح بھی ہو گئی، مگر جنگ و صلح کی تدبیر ابھی کشمیر کے بعد بھی کشمیر کا مسئلہ حل نہ ہو سکا، معاہدہ تاشقند جس کے بارے میں اشتراک فرمایا گیا تھا کہ اس سے کشمیر کے تصفیہ کی سبیل پیدا ہوگی، اس سبیل کا دودھ دھور کہیں پتہ نہیں، جن دانشوروں اور ہمارے لئے اس معاہدہ کو بے معنی بتایا، ان کو اشتراک پسند ٹھہرایا گیا، ہندوستان جس سے مالومات معاہدہ ہوا تھا اس لئے صبح ہوتے ہی اعلان کر دیا کہ کشمیر بھارت کا ٹوٹا انگ ہے، اس معاہدہ کے بعد مقبرہ کشمیر کے مسلمانوں پر بھارت کے ظلم و ستم میں اور اضافہ ہو گیا، روس اور امریکہ کی ہمد و یوں کا زیادہ تر رخص بھارت کی جانب ہے، چین، ایران، شیا ترک اور بعض دوسرے ہمارے ہمد و ممالک پر عالم حیرت سا طاری ہے !

مقام ہوش و خرد سے آگے تمام عالم غبار سا ہے

نہ جانے یہ دھند کب بجھے گی اور یہ غبار کیسے دودھ ہو گا ؟

ماہر آراء دی

۲۵ مئی ۶۶ء

اللہ ہے اللہ ان باپ، کیونکہ اس کی عظمت و جلال اس سے کہیں بڑھ رہے کہ تو اللہ اس کی جانب منسوب ہو سکے اللہ چونکہ دین عقلی اس کی اہمیت، اہمیت اور مصیبت سے پیش کی گئی۔ جو بعض طبی الذہن لوگوں کے لئے نیا دہ غریب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے تمام بات و سنت کے طبعی و عقلی دین میں بھی بیان و تفسیر کی کہ وہ ہم یکن لہ کفرنا احمد، پس اس کے تقدس کے خلاف ہے واللہ یس، کیونکہ جب اس کا فہم کفر کوئی نہیں، تو اور اس کا کوئی غریب نہیں۔ زہد کا ہونا مہم، اور جب زہد کا وجود محال تو اللہ کا وجود بھی محال، بھانسنہ رسول اللہ لا مشابک لہ،

سب کو متحمل ہے دعوئے تری یکتی کی کا

ماننے کوئی بہت آئینہ سیماء ہوا

دنی کی شئی لہ شفاہ

یدل علی اللہ فاحمد

”کاروان حجاز“

ماہر لقاوری

کتاب ناول سے زیادہ دلچسپ اور لائق و گل سے زیادہ رنگین و پاکیزہ

سفر نامہ نہیں دین و دانش کا منشور

آپ کے دل کی دھڑکنیں سن گئیں گی اور آپ کی آنکھوں کا خدا اور رسول کی محبت کے آنسو رواں چوں گے۔

غیر مسمومت و درد نگاہ سیر و دیکھ زریب کتابت و طباعت

قیمت مجلد ۱- چار روپے (معاذہ تعالیٰ)

پلٹے کا پستہ

مکتبہ فاران کیبل اسٹریٹ کراچی ۱

آبشار

جذاب فائن کرنا کی مجرور کلام "جہاں لہو" پر تبصرہ کرتے ہوئے میں نے یہ اعتراف اور کیا تھا کہ "آبشار" مونث نہیں، مذکر ہے؛ اس سبب میں بعض حضرات نے مجھے لکھا کہ "آبشار" کے بارے میں مزید تحقیق فرمادی ہے کیونکہ جہاں لکھنوی سے اس لفظ کا "مونث" ہونا بھی ثابت ہے۔ تاہم لہو کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ لکھنوی میں یہ لفظ "مونث" بھی بولا جاتا تھا، مگر نواب جعفر علی خاں آثر لکھنوی "فرہنگ انز" (حصہ دوم) میں لکھتے ہیں :-

"اس لفظ کو صرف نور اللغات اور جہاں وغیرہ نے مونث قرار دیا ہے، مگر میں نے اس لفظ کو لکھا ہے اس کو مونث مگر نہ کہیں گے پانی کا حجم اس قدر بڑھ گیا تھا بلکہ یہی ہے گرا، اس کی تائید کے متافی ہے؛ مگر اتفاق سے ایک مثال مذکر کی میں مل گئی (طبعی فصاحت) مؤلفہ محمد عین شاہ لکھنوی"

"پہاڑیوں سے آبشار گرتا، گھاٹیوں سے جھرنے جھرنے"

مگر لکھنوی میں یہ لفظ "آبشار" — دو طرحوں میں "مونث" بولا جاتا تو آثر لکھنوی کی زبان پر اسے مونث ہی ہونا چاہیے تھا مگر مصنف اس کے "مذکر" ہونے پر اصرار کرتے ہیں۔ میر تقی میر کے دو شعر ہیں :-

اور ہر کے تین ایک تھا آبشار وہ البتہ شایان سیر و شکار

اور —

آبشار آئے مجھے آنسو کے پلکوں سے تو میر کب تک یہ آب چاہد منہ پہ تانا کیجئے

نسیم دہلوی نے بھی میر کی طرح "آبشار" کو مذکر ہی نظم کیا ہے :-

آبشار۔ اشک کے کام آتے ہیں غریبی میں کہڑے ہاتھ تیرے میں اکثر مجھے چب دلاؤ

طبعی ہوش بہار بعد ازل صدقہ میں بھی نہ کرب لکھا گیا ہے :-

"آن کے آبشار نے ساون بنی دلوں کی گھٹا کر شہد ما دیا"

الفاظ کی تذکرہ و تائید کا مفاد یہ ہے کہ تیسرا شاعروں اور ادیبوں کی نظم و نثر سے بیشک ہم سب لیتے ہیں مگر بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جن کو دوسرے شاعر کے غلام و خواص نے تذکرہ یا تائید کی سند دے دی ہے، مثلاً غالب اور آثر لکھنوی نے ماہر مذکر باندھا ہے مگر اب یہ لفظ بالاتفاق "مونث" ہے جو کوئی "مذکر" بولتا ہے وہ "مذکر" کی مخالفت کرتا ہے !

اسی طرح "خاندان" میر تقی میر کے زمانہ میں مونث بولا جاتا ہوگا، آن کی منزل کا مطلع ہے :-

جہاں اب خاندان میں ہو گئی ہیں وہاں پہلے بہا میں ہو گئی ہیں

جہاں :-

مگر اب "مگر" "سیر و شکار" اور "خاندان" وغیرہ مذکر بولے جاتے ہیں ابھی غلام و خواص کی بولی چل اور نہ فرجے کی لفظ "آبشار" اب ٹیڑھ و سول پہلے نہیں بولا جاتا تھا اس کی تائید کی مثالیں خاں خاں ہی ملتی ہیں "مگر اب یہ بالاتفاق مذکر بولا جاتا ہے؛

سوز و ساز

شفقت کاظمی

وہ بھول کر بھی سیر نہ نہیں آتا
میں جس کو ڈھونڈ رہا ہوں نظر نہیں آتا
بنے ہیں لوگ مرے حال کے تماشا
تیرے کسی کمرے میں پر نہیں آتا
ہم اپنے خون سے رنگ چمن کھریں گے
ہم سے سوچنا ہمارا اگر نہیں آتا
گوند ہے یہ بڑا عطر اس لیے
کوئی سکواں نہ ہو نہ خیر نہیں آتا

یہاں سے دور جاکر اس کاظمی جہاں کہ
اسی سے جا کر اس کاظمی نہیں آتا

داتا گوردی

کہا میں نے اس پہلو میں یہ دنیا ہے
جس طرح تیرے ساتھ چھوٹے چہ گریباؤں کے
پیش قدم یہ کہیں آمد نہ ہو سکتی
تیرے خاک نشین ہوں میں اور ان کے
فسرہ قسم میں کسی خوشی کی جستجو کرتے ہیں
مگر کہیں میں بھی ہم سے جو کرتے رہتے
لشکر کی بات اور تو کہیں سے کہیں
کی کہیں میں سے کیا کی گفتگو کرتے رہتے

علامہ سید فی سیرت

شربت غم ہوتا نکھوں سے آنسو
تیرے جتنے ہوئے غم کی توہین ہے
میں تیرے جو ہم کا شکراؤں یہ مرے ضبط ہو گیا توہین ہے
آپس میں کے دو جہت نہیں اس لیے یہ بعد ہاں ہم کی توہین ہے
کچھ قہر نہ دیں کچھ اڑ بھی نہ دیں دل کی توہین ہے غم کی توہین ہے

سین گوردی

ترے شہر میں یہ عالم بھی گز گیا ہے مجھ پر
کہن کا وقت بھی مرہم بھی نہیں ہے
ہمیں کچھ زخم ایسے بھی لگے ہیں

نذیم
نقاد

خوشی لاکھ بے خوف و ڈرا ہو
مگر مفہوم تو ہم نہیں ہے

مذہب کی ضرورت

۱۔ مذہب کے لغوی معنی چلنے کے راستے کے ہیں، زندگی اور حرکت لازم و ملزوم چیزیں ہیں اگر زندگی ہے تو حرکت کی ضرورت ہے۔ حرکت کرنے کے لیے راستے کی ضرورت ہے، راستہ نہ ہو گا تو حرکت آسان اور مضبوط نہیں ہو سکتی، اسی آسانی ہمیں کرنے والے راستے کا نام مذہب ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ زندگی اور حرکت لازم و ملزوم۔ چنانچہ زندگی اور زندگی کا سفر طے کرنے کا راستہ بھی مذہم و ملزوم ہو گئے ایک کے بغیر دوسرے کا وجود ممکن نہیں۔

۲۔ انسان معاشرتی زندگی گزارنے پر مجبور ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی کا ڈھنگ ہی اس قسم کا بنایا ہے کہ وہ اجتماعی اور گروہی زندگی کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ جانوروں کے بچے تھوڑی سی مدت میں خود کفیل اور آزاد ہو جاتے ہیں لیکن انسان کا بچہ ساہسالی تک ماں باپ پر زیادہ قاصد کی نگہ رانی کا محتاج رہتا ہے۔ اس وجہ سے انسانی زندگی گروہی زندگی بن جاتی ہے۔ جب بہت سے انسان ایک جگہ رہتے ہیں تو ایک دوسرے سے واسطہ پڑتا ہے تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ تعلقات سے حقوق و فرائض قائم ہوتے ہیں ان کے لئے اصول و قوانین کی ضرورت پڑتی ہے اگر یہ قوانین جمعی تو وصفت کی زندگی ہو جائے انہیں زندگی کے اصول و قوانین کا نام مذہب ہے۔ جب انسان معاشرتی زندگی گزارنے کے لئے موجود ہے تو اس کے قوانین حاصل کرنے کے لئے بھی مجبور ہے اور یہی قوانین

اصطلاح میں مذہب کے نام سے موسوم ہیں۔ اس لئے انسان مذہب سے گریز نہیں کر سکتا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ مذہب نام ہے خدا کے لئے ہرے ہرے قوانین کا تو کیا یہ ضروری ہے کہ خدا کے دے ہوئے قوانین پر ہی زندگی گزارنی چاہئے کیونکہ انسان خود اپنی زندگی کے قوانین بنائے اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ جو ذات ہزاروں سالوں پوری قوت سے غور و خوض کرنے کے بعد آج تک یہی فیصلہ نہ کر سکی کہ زندگی کیا ہے، کہاں سے آئی، کس نے پیدا کیا، کب ختم ہوگی، ختم ہونے کے بعد دوبارہ پیدا ہوگی یا نہیں۔ پیدا ہونے کا سبب کیا ہے۔ افراد کو کیوں موت آتی ہے، انسانی فطرت کے اسرار اور رموز کیا ہیں۔

وہ ذات الٰہی زندگی کے لئے مترادف، مفید اور بہرہ جہتی قوانین کس طرح بنا سکتی ہے۔ زندگی کے لئے قوانین بنانے کی سب سے زیادہ مفید اور موزوں زبان انسانی ہر سستی ہے جس نے زندگی کو پیدا کیا، جو زندگی کے تمام اجزائے ترکیبی کو جانچتا ہے جو زندگی کی تمام کمزوریوں سے آگاہ ہے جو تمام آرزوئوں اور تمنوں کو سمجھتی ہے جس لئے زندگی کی صلاحیتوں اور ان کے تناسب کی خود تحقیق کی ہے۔ چنانچہ ہمارے اس دعوے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انسانی

بنائے ہوئے قوانین و عقائد بدلتے رہتے ہیں کہ خدا کے بنائے ہوئے قوانین ازل سے ازل اور ابھی ہیں ان میں تبدیلی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ "وہن تھن یسنت اللہ تبدیلا"۔ خدا کی سنت میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اور بات ہے کہ انسان اپنے ذہن باطل میں اس سنت سے منہ موڑے اور سرکشی اختیار کرے لیکن اس سرکشی سے ان کے کسی مفید نتائج برآمد نہیں کئے، ان کی گزردہ زندگی کے قوانین پر کس طرح اثبات صادر ہوتا ہے اگر ایک ایسی قوت امریکہ کا قانون احتیاج شراب ہے کہ انہوں نے شراب کی تباہ کاریاں دیکھ کر اس کو کچھ خلاف قانون قرار دیا لیکن جب بغیر شراب کے زندگی دیکھ کر سمجھ گئی تو وجود اس کے نقصانات کو جاننے اور دیکھنے کے قانون کے خلاف بغاوت کر دی اور خود اپنی ایک کمزوری کے انہوں نے مجبور ہو کر اپنا ہی بنایا ہوا قانون صرف تین سال کے بعد ختم کر دیا لیکن خدا کے قانون میں شراب ایسی طرح ہر عام ہے۔ اس کو کوئی قانون ساز پہلی کسی قسم کی اکثریت۔ کوئی اقتدار مطلق حال قرار نہیں دے سکتا۔

۳۔ مذہب کے تصور کی بنیاد اصل خدا کا تصور ہے۔ بغیر خدا کے تصور کے مذہب کا تصور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ مذہب کے قوانین دینے والی اور نافرمانی کرنے والی اور نافرمانی کرنے والی کی ذات ہے۔ اسی وجہ سے مذہب مذہب اور جہن جہن کے اصول و قوانین یک طرفہ اور محدود ہو کر رہ گئے۔ ان میں سخت افراط و تفریط پیدا ہو گئی۔ ان مذاہب میں خود کا تصور واضح نہیں بلکہ تقریباً معدوم ہے، اسی وجہ سے ان کی زندگی کا تصور مطلق ہے مگر دنیا اور

ربانیت کی طرف سختی سے مائل ہیں، ایک جوفہ کی جان لینا بھی گناہِ عظیم ہے، دشمن کا مقابلہ اپنی جان سے کر رہے ہیں۔ ایسی دنیا میں جہاں ایک کی زندگی کا انحصار دوسرے کی موت پر اس قدر کم کے قوانین زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتے کمزور کو کون زندہ اندھا دلا دیتا ہے۔ طاقت و کمزور کو نکل جاتا ہے۔ بڑی بھٹی جبری کھلی کو کھاتا ہے۔ ہذا سخت چھٹے پر دلوں کو نہیں بٹھاتا۔ ہذا دلوں کا تسلیم دوسرے کی فطرتی طور پر خود گاہیں، ہماری ایک سانس میں لاکھوں جانیوں پر ہم کے اندھا جا کر مر جاتے ہیں۔ ہم اس زندگی میں مکمل انہماک رکھ کر رہیں سکتے، چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہن اور بھندہ نصیب والے ناک سے عدال بائیں ہتھ پتے ہیں لیکن باوجود عدال لاکھوں جانیوں پر کڑے کے سوا حق ہیں سے گزرنے کے ہم میں داخل ہو کر مر جاتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کا قانونِ خدا کی قانون نہیں اس لئے تشدد ناکس اور غیر متوازن ہے، خدا کے واضح تقویر کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ ان پر حاوی ظ سے بہت کمزور ہے اسے زندگی گزارنے کے لئے کسی نہ کسی بہادری سے کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔ بقولِ قانونی مروجہ

جیتے جانے کی تہمت کس سے اٹھتی کس طرح اٹھتی

ترے غم نے پکائی زندگی کی آبرو ہر سو

واقعہ بغیر خدا کے بہادری سے زندگی کی آبرو بھی نا بہت مشکل ہے، یہاں پریشانیوں اور ناکامیوں اس قدر ہیں کہ زندگی کے کسی نہ کسی لمحے ہر شخص زندگی کا دامن تار تار کرنے کی ٹھان لیتا ہے ایسے نازک وقت میں خدا نے رحیم و کریم کا تقویر ہی انسان کی دھارس بندھاتا ہے اور زندگی کو ختم کرنے کے یہاں سے باندھ رکھتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جیسے جیسے خدا کا تصور ختم کیا جا رہا ہے خود کشی کی وار داتیں بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ پچھلے سال جاپان جیسے بھڑے سے ملک میں چالیس لاکھ خود کشی کی وار دات ہوئیں۔ سب سے زیادہ خوش حال اور ملالدار ملک امریکہ میں تمام ملکوں سے زیادہ خود کشی کا رواج رہتا جا رہا ہے یہ ہے انسان کی مجبوری اور بے بسی۔ جب ہر طرف سے مصائب و آلام کا هجوم ہو اور سہارا کوئی نہ ہو تو ان میں غریب کیا کرے اور دنیا کے تمام سہارے بہت کمزور ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "ضعف الطالب المطلوب" یعنی دنیا کے طالب بھی کمزور ہیں اور مطلوب ہیں ایک دوسرے کو سہارا دینے کے قابل بھی نہیں بلکہ دنیا کے تمام سہارا دنوں کو ایک جگہ ٹکری کے جا لے سے تشبیہ دی ہے جو ایک ٹکڑے کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا۔ دنیا انگلی لگا دیکھتے اور کمزور کا پورا داخل صاف۔ آپ کی انگلی سے پٹ کر ختم ہو جائے گا۔

۴۔ خدا کے تصور کے بغیر بہادری زندگی میں اخلاقی قوانین نافذ نہیں ہوسکتے۔ اخلاقی زندگی ہماری زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ ہے اور ہم یہ جانتے ہیں کہ اخلاقی قوانین کو دنیا کی کوئی عدالت نافذ نہیں کرتی۔ یا تو وہ دائرے عامہ کے ذریعہ نافذ ہوتے ہیں یا نیکی ہر اسے نیکی کے تصور سے یا خدا اور مذہب کے تصور سے، نیکی ہر اسے نیکی کے تصور سے اخلاقی قدروں کے بہت کم لوگ پابند ہو سکتے ہیں۔ بلکہ لوگ کہنے کہ ایسے لوگ پوششی ہوتے ہیں عموماً انہیں اپنے جاتے۔ دائرے عامہ کی پابندی میں ایک بہت بڑی خرابی یہ ہے کہ بغیر خدا کے تصور کے اکثر اس کی تربیت غلط اور ناقص ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ کے استعارہ شراب کے قاتلوں کو یہ لے لیجئے کہ اس دائرے عامہ نے شراب کو حرام قرار دیا اور باوجود فقہان اور مذہب وادی کے اعتراضات کے محض عادت پڑ جانے کی وجہ سے پھر اس کو جائز اور عدالت قرار دے لیا، اس قسم کا غلط اور تناو دکن و باوجود وقت دائرے عامہ پر چڑھتا ہے۔ لیکن خدا کی ذات ان تمام کمزوریوں سے پاک ہے، اس کے فیصلے اور پسند و ناپسند کو کوئی چیز متاثر نہیں کر سکتی۔ اس کی سنت اور اس کے قوت و انزل و لہدی ہیں۔ اس کے غیر مشروط کامیاب متعلق ہے، اس کی اخلاقی قدیم تغیرنا پذیر ہیں اور اس لئے ہر زمانے کے لئے باہوش سکون و طہریت ہیں۔ ہر مسئلہ اس کے دائرے عامہ کی اخلاقی قدیم زمان و مکان کے فرق سے ہر دم بدلنے رہتی ہیں اور ان کو کسی طرح قرار نہیں۔ انسان کا انسانی وطن مشیطان ہر لحظہ ان کو بد اخلاقی کے لئے نئے دانتے دکھاتا رہتا ہے اور اس طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

۵۔ خدا کا تصور ایک اعلیٰ ذات کا تصور ہے۔ ایک بلند سچی کائنات ہے یہ بلندی کا تصور انسان کو سر بلند رکھتا ہے۔ یہ قاعدہ کہات ہے اور ہم میں سے ہر شخص اس کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ مجبور جس قدر اعلیٰ اور بلند ہوتا ہے محبت کرنے والے کو بھی ان ہی بلند

اٹھنا پڑتا ہے ورنہ محبوب تک رسائی کا سماں ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اندر ہر شخص محبت کرنے والا محبوب تک پہنچنے کے لئے جان تک کی بازی لگا دیتا ہے۔ گو میں آپ سے دیانت کرتا ہوں کہ عرضِ نیش سے نیا وہ بلند محبوب آپ کو کون لے گا۔ خدا کا تصور اگر تیرے کے ساتھ ہے تو انسان کو دنیا و مافیہا سے بڑی حد تک بے نیاز کر دیتا ہے اور انسان کے کردار میں انتہائی بلندی اور مضبوطی پیدا کر دیتا ہے اس کے مقابلے میں شرک اور بہت سے خدائے کو پوجنے والا علماً اُست جہل و کمالات کا ہمہ اہم کم ہمت ہو جاتا ہے ہر جزئی چیز کے سامنے جملہ بیز جانا پڑتا ہے اگے پستی کی عجب کا دنیا اس کا معمول بن جاتا ہے۔ حدیث ہے کہ کئی بے مکروڑوں اور دختروں کے سامنے بھی پستی لگا دیں اس کو ہائیں آتا۔ ایسا شخص جو دختروں اور کڑے بے مکروڑوں کو اپنا معبود و معبود قرار دے ڈالے اپنے کردار میں کیا استقامت اور بلندی پیدا کر سکتا ہے۔ ایک خدا کو جہد کرنے والا دنیا کی تمام طاقتوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے علامہ اقبال نے خوب کہا ہے

وہ ایک جہد جسے لوگراں سمجھتا ہے ہزار مسجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

۷۔ اب خدا کے تصور کی اہمیت پر کچھ گفتگو کرنے کے بعد اس بات کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ کہ خدا کے موجود ہونے کے قطعی دلائل پر بھی نہایت مختصری گفتگو کر لی جائے کیونکہ یہ موضوع بھی اجتہاد سے آفرینش سے انسان کے لئے بہت اہم اور دلچسپ ہے اور اب بھی یہ موضوع بحث و مباحثہ کے لئے اسی طرح تروتازہ ہے۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک ہزاروں فلاسفہ نے اس موضوع پر بحث کی ہے کسی نے اس کا وجود ثابت کیا ہے اور کسی نے اس کا عدم یقین اچھا کیا اس عقل اس مسئلے کا حتمی فیصلہ نہیں کر سکی ہے لیکن مجھے اس مسئلے میں خدا کے وجود پر سب سے زیادہ قرآن کریم کا استدلال ہی اچھوتا ہے میں یہاں زیادہ دلائل کے حوالے سے بات کروں گا۔

۸۔ خدا کے وجود پر نے کاسٹ پڑا بہت قرآن کریم نے متعدد قرات پر یہ دلیل ہے کہ ابتدائے آفرینش سے انسان کے دل میں کسی بے رنگ و بے صورت و بے لفظ ہستی کا تصور موجود ہے جس کو وہ محبت کے وقت خصوصیت یک تھا کہ اس کا نام ہے کشتی دہشتہ گشتی ہے تو اس کو پکارا ہے لیکن جب اس پر لاگتا ہے تو پہلو بدل جاتا ہے۔ یہاں تک پہنچ جاتا ہے تو بڑی طویل و عاصی مانتا ہے لیکن سکون حاصل ہونے پر ایک جہد بھی گراں گزرتا ہے انسان کی تہذیب تمدن کی تاریخ بھی اس بات کی گواہ ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ گی گرائے والے تباہی میں خدا کا تصور ہر جہد ہے وہ لانا آتا دے اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں بڑی تفصیل سے اس موضوع پر بحث کی ہے اور دلائل و شواہد سے اپنے دعوے کو ثابت کیا ہے۔ زب۔ خدا کے موجود ہونے کا دوسرا ضرورت انسان قابلِ تردید غریب کائنات کی ہر چیز میں نمایاں ہے اور اصول کی پابندی ہے جس کو جس نے اس سے پہلے سنت اللہ کہا ہے ہر چیز اپنی جگہ پر مضبوط ہے اور توازن و نظامت سے آفرینش میں ہر شے کی انتظامی نے کائنات خداوندی کا نام دیا ہے۔ خدا دن انسان کا ایک دوسرے کچھ مختلف مقامات سے دوسرے چلے آنا مستعدوں اور دیاروں کا اپنی اپنی جگہ سے ہونا لاکھوں سالوں سے اپنے محور پر قائم رہنا۔ اپنے اپنے پردے پر ہر ہر ہر۔ انسان میں مغرور مقام کلام۔ بارش کا ہونا، کھیتوں کا ہونا، ٹھکانا، بارش و غزلان کی آمد و رفت کشتیوں کا سمند میں دوڑنا، پرندوں کا فضا میں پرواز کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ذرا صاف انہی سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی کثرت ہے جو اس کے ہر ایک حرکت و اثر کو دیکھ سکتا ہے ان تمام چیزوں کو چھوڑ دینے کی مجال ایک چیز سے دوسرے کو بے نیچے کر جب اس کو قرآن کی موجود ہوا کہ اس کی ساخت میں پورا نظام شمس موجود ہے یعنی اس قسم کی گرہ کش۔ اس قسم کی توانائی، اس قسم کے چاند منار سے اور بالکل وہی نظام کار۔ علامہ اقبال کی شہادت کہ توحید و تہذیب جو ہر بات کہہ دیتی تھی کہ ہر خورشید کا نیچے اگر دوسرے کا دل چیرا گیا تو ساری جہد و تہذیب کی لکلی، چھوٹے چھوٹے ذرات اپنے مرکز کے گرد لاکھوں میل کی فاصلے سے اپنے اپنے مقصد و راستوں پر چکر کھینچ رہے ہیں لیکن کیا مجال ہے جو آپس میں ٹکرائیں۔ اگر کوئی کہے تو دنیا میں زندگی باقی نہیں رہ سکتی تھی کیونکہ ہر وقت اپنی دھماکے ہوتے اور ہر شے فنا ہو جاتی ان ہر سالمات کو کہنے سحر اور پابند کر دیا ہے۔ خود بخود اپنی باقاعدگی کس طرح پیدا ہو سکتی ہے۔

آپ بگل میں نکل جاتے ہیں، پھول بھی جوتے ہیں، بھاریاں بھی، پر دے بھی لیکن بے ترتیب آپ سمجھ لیتے ہیں کہ یہاں کوئی، ہاں نہیں لیکن کسی ہلک

میں چلے جاتیں تو ہر مدنی، ہر تختہ گل پکار دیکر کہہ دیتا ہے کہ میری تعریف ادب کا مدنی کسی ہر شیا و باغیاں کی مرہون منت ہے، جب اتنی بڑی کائنات کے لئے نہ ہے میں اتنی نہ دست با دعا مدنی ہر کہ ہمارے بھائی بھی نہیں آسکے اور ہم سارے جہان ہمنے کے کچھ نہ کہیں اور ہم میں کسی طرح بختہ نکال سکتے ہیں کہ اس چہرہ ڈنگری میں کوئی مجرب نہیں ہے اداس غلام محنت کا بنانے والا کوئی عظیم ترین انجینئر نہیں۔

ج۔ خدایا! خدا کے ماننے والے کہتے ہیں کہ اس بات کا خدا کا کائنات کو ایک قادر مطلق خدا نے ایک خاص مقصد کے لئے بنایا۔ لیکن دوسرے جو خدا کو نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ یہ کائنات خود بخود پیدا ہو گئی۔ وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ یونہی کس طرح پیدا ہو گئی، جبکہ دوسری کوئی چیز یونہی نیکی کسی سبب یا خالق کے نہیں پیدا ہو سکتی، پھر کائنات بھی ایسی کہ جس کے پس منظر میں ایک عالم پرستہ ہے اور اس کے چہرے پر اجڑا بھی ایک اصول کے تحت گردش کرتے ہیں۔ ایک فطری سائنسدان نے جو کہ خدا کے وجود کا قائل ہے اس ضمن میں ایک بڑی اچھی مثال دلا ہے وہ کہتا ہے کہ اگر کسی برف میں سودا نے ڈالے جائیں اور ایک دانے پر ٹٹن لگا دیا جائے تو ٹٹن ان لندہ مادہ برف کو کھینچ کر تھبہ بنا لے گا، اتفاق سے صرف ایک تھبہ بنے اور اس کے آگے ترقی پڑی کائنات میں اتنے کام اتفاق سے صرف کئی سالوں میں انجام پائے گئے اتنی وقت در، پھر وہاں کہ میں کا انسان بھی نہیں ہوتا اور جو کہ کسی طرح ممکن ہی نہیں، پھر یہ تو عمومی سمجھا کہ آدمی بھی انسانہ لگا سکتا ہے کہ یہ بات دنیا وہ مناسب ہے کہ مخلوق کا کوئی خالق ضرور ہے یا یہ دعویٰ کیا وہ معقول ہے مخلوق نیکی کسی خالق کے یونہی نہ معلوم کیسے پیدا ہو گئی، ہر شخص اپنی عقل سلیم سے یہ خودی سوال کر کے حجابِ حلوں کو کھینچتا ہے۔

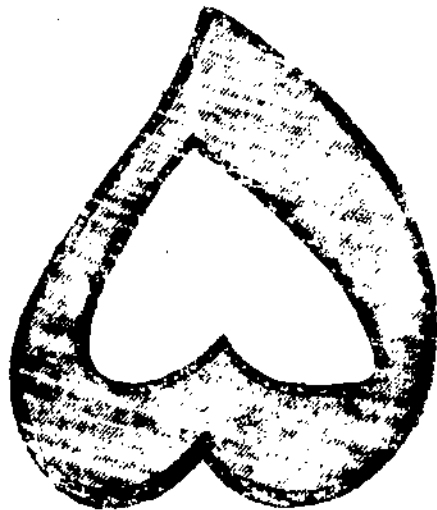
اس کے علاوہ دہریوں نے یہ دعویٰ تو کیا ہے کہ ہم عقل سے خدا کے وجود کو ثابت نہیں کر سکتے لیکن ہم نے دعویٰ نہیں کیا کہ ہم خدا کے عدم کو عقل سے ثابت کر سکتے ہیں اور کسی کے وجود کا عقل سے ثابت نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ آج سے دو سو سال پہلے ہم بہت سی چیزوں کا وجود عقل سے ثابت نہیں کر سکتے تھے لیکن آج وہ ہماری عقل میں آ رہی ہیں اور ان کا نہ ملنے والا جہاں اور اندھا کہلاتے گا۔ میرے خیال سے آخریں ایک الٹا ہی جواب کے قسم کا لطیف بھی معنی خیز اور عبرت انگیز ہے، ایک دہرے سے بحث کے دوران ایک خدا پرست نے خب کہا کہ حضرت اگر خدا نہ بھی ہوتا تو ہمارا کچھ نہیں بچتا۔ اس کے تقصد سے غلط فہمی سمجھائی ہے، زندگی میں ابھی ادب پاکیزہ تسدیر اُبھرتی ہی۔ پرسکون اور معتدل زندگی گزارنے کا سوتلہ مقام ہے لیکن اگر خدا ناکل آیا تو ہمیں ری مٹی پلید ہو جائے گی۔ تمہیں کہاں پتہ ملے گی۔ ان منراؤں اور غمزوں کا بھی ذرا اندازہ کر لو جو ایک تادہ مطلق خدا ایک تادہ فرمان بندے کو دے سکتا ہے۔

فامرت: "معا"

توینہ

دورِ حاضر و عظیم دینی اور علمی پیشکش

مصلیٰ کا پتہ :- مکتبہ فاران کیسٹ اسٹریٹ کراچی ۷۷



آزمودہ دواؤں کا مرکب

انالجین



سر درد - کمر کا درد - وائٹ - کا درد

ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقینی زور اثر اور بے ضرر علاج ہے

Spall

01/65

ماہر ائمہ دینی

یہ اُمت خرافات میں گھو گئی

دین میں جو چیز اصل حجت اور حقیقی سند ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام کے اقوال و افعال کے درمیان کتاب و سنت کی روشنی میں حکم اور سوانہ نہ کیا جاتا ہے کہ کس صحابی کا قول و اثر اقرب الی الحق اور کتاب و سنت سے زیادہ قریب ہے فقہی غائب کی بنیاد اس حکم اور سوانہ پر ہے کہ کس صحابی کا قول و ترجیح ہے، کتاب و سنت کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے آثار میں برومی سناؤ اور اسلامی قانون میں "ظاہر کا دمج رکھنے میں اور صحابہ کرام کا جس فقہی مسئلہ میں اجماع ہو جائے وہ امت کے لئے "دینی مسند بن جاتا ہے۔

کتاب و سنت اور آثار صحابہ کے بعد چاہے وہ فقہ کا امام ہو یا حدیث و تفسیر کا شیخ الشریعہ یا قصوں کا قطب الاقطاب، ان میں ہر رنگ کے قول و عمل کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر جانچا اور پرکھا جائے گا جس کسی کا قول و عمل اس کسوٹی پر پورا نہیں اُترے گا، اسے بلا کسی جھجک کے رو کر دیا جائے گا، ایسا کرنے سے کسی رنگ کی تنقیص پرگزیر کر نہیں ہوتی، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی شخص، اندر و درون "ہت" قطعاً تسلیم کئے جانے کا منصب نہیں رکھتا، اور "معضمت" صرف نبوت کا خاصہ ہے۔ "وہما ينطق عن الہی" اور "ہی" یہ صرف نفقہ رسالت کی صفت اور خصوصیت ہے!

کسی دینی مسئلہ میں جب اختلاف واقع ہو جائے تو امت کو یہ مشورہ اور حکم نہیں دیا گیا کہ امت کے اکابر افراد اور بزرگان کی طرف مراجعت کرو، بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ "خبروہ بالی اللہ و بالی رسول"۔۔۔۔۔ پس دین میں اصل حکم حجت اور معیار و میزان کتاب و سنت قرار پائے!

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ "اتبعوا الصلوٰۃ"؛ مگر سوال یہ ہے کہ نماز کس طرح ادا کی جائے؟ اس کا آغاز کس ہیئت کے ساتھ ہو، رکوع کی سجدہ اور فوراً کس طرح کریں، تکبیر و تہلیل کے طور پر کیا پڑھیں؟ ان سوالات کی پوری تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ملتی ہے، اسی لئے حضور نے ارشاد فرمایا "..... جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اسی طرح تم مجھے نماز پڑھا کرو! سنت نبوی کی اتباع نماز ہی تک محدود نہیں ہے سنت رسول تمام دین کا منظر اور عملی نمونہ ہے "قرآن" احادیث ہے اور سنت رسول ہیئت اور عمل ہے! دین و ماحصل اسی صراطِ مستقیم اور شاہراہ کا نام ہے جس میں حضور کے نقش قدم نظر آتے ہیں! اطاعت رسول کا اصل مقصد اور غایت اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے اور معصیت اپنی، اطاعت رسول کا بغیر حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔

پہرے پہلے برساں فویشن ماکہ دیں ہمہ دوست

اگر یہ آؤ نہ رسیدگی تمام بڑا ہی است

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر دین کا اتمام کر دیا گیا، اندر و خیر و تقویٰ کے تمام احکامات اور دنیاوی اصول بنا دئے گئے جن میں نہ تو احکامات ممکن ہے اور نہ ترمیم! اجماع و تہذیب اور معاشرہ کے حدود و جب و کبھی تہجرت تو صحابہ کرام نے خیر و تقویٰ کے ان حکامات و اصول کو زندگی میں عمل کرتے دکھایا اور ان کو زندگی اور نظرت کے عین مطابق پایا۔ امت جو کس فخر کو گواہ ہے وہ کتنا ہی بنا بزرگ کیوں نہ ہو یہی اللہ منسوب حاصل نہیں ہے کہ وہ دین جس کسی ایسے اصول، طریقہ

یا بسم کو وضع کرے، جس کی سند، مثال، نمونہ اور نظیر کتاب و سنت اور آثار و صحیفہ میں نہ پائی جاتی ہو۔ دین میں کوئی نئی بات نکالنا حاصل اس بات کی طرف نہیں کوئے جاتا ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر تفریق اور حصول سعادت کے کچھ اصول و رسوم بیان کرنے سے وہ گئے تھے اور وہی الہامی کے طبعین اور بہین اور صل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد اور تربیت یافتہ صحابہ و رضوان اللہ علیہم اجمعین (یعنی ان اصول اور رسوم سے بے خبر رہے)!

پہلی اصول کی تباہی اور فقدان و ہلاکت کا سبب یہی تھا کہ انہوں نے اللہ کے دین میں نئی باتیں ایجاد کر لیں اور اپنے نزدیک اس بات کی شان میں اس قدر ہمالہ کیا کہ ان کی شخصیتوں کو "الہیت" سے لایا، یہ بات ہم اسی طرف سے نہیں کہہ سکتے ہیں قرآن کریم اس کی نفی دیتا ہے کہ یہود، حضرت عزیر کا دلہا کی حضرت یحییٰ کو، ابن اللہ کہتے تھے یہ یقیناً ان لوگوں کی شدت عقیدت اور غرور و جبروت کا ثبوت ہے، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی بزرگ، پیر، ولی یا نبی کے ساتھ حقیقت شرعی حدود سے تجاوز نہ کرتا تھا، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے اس قدر عقیدت کا سلسلہ رانہ رانہ "شرک" کی حد تک پہنچا کر دیا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اور فرما یا تھا کہ مجھے میرے رب سے زیادہ نہ بڑھاؤ! معلوم ہوا کہ یہ عزت اللہ تعالیٰ کی صفت اور شان ہے کہ وہ ان محدود و نشانیں جتنا بھی جائز کیا جائے وہ حقیقت سے کم ہی ٹھیکے گا، مگر جسے چاہے وہ انبیاء و رسول ہی کیوں نہ ہوں، ان کی لغت و منقبت کے کچھ حدود میں جن کا ملاحظہ پاس کرنا ضروری ہے! امرات میں فرق نہ کر لے اور بعد و بعد کو ایک سطح پر لے کر دوسرا نام نہ نہ لے رہے۔

سے گزرتی مراتب نہ مکن نہ ذلیلی

کافروں اور مشرکوں کے یہاں اہل توحید کے مقابل میں جو چیز نمایاں نظر آتی ہے وہ یہی ہے کہ اپنے کیشوں، مینوں اور ہرگون کی شان میں وہ اس درجہ ہمالہ کرتے ہیں کہ عقیدت الہیت کا رعب دھار لیتے ہیں، وہ اپنے پیشروں میں کسی کو نام کہتے ہیں کسی کو بھگوان! کسی کا لاشہ کا لاشہ کہتے ہیں، ایسی دہری کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ مال و دولت عطا کرتی ہے اور کوئی رقیب و دنیا والی کو محبت و شفقت بخشتا ہے یہی حقیقت منصف اللہ حرم شانوں میں جن کے آگے سب سر لاتی، ان پر بڑھا دے چڑھاتی، ان کے ناموں کی دلی توجہ اور بڑے پکارتی ہے، ان کے دین پرستی کی انتہا یہ ہے کہ یہ لوگ یہ دن اور پڑ دن تک کہہ کر بچتے ہیں اور یہ عقیدہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہماری مصیبت کو دور کر دیا اور پسپا کا طواف کرتے سنن کا نشان مرض جانا سنا، منصف اللہ اور دنیا وں پر چلے گئے ہیں اور ان کے نبی ست میں مبتلا ہو کر یہ غرض و بصیرت سے کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے بڑے دھرم کا کام کیا ہے اور یہ یوں اللہ تعالیٰ کو خوش کر کے بڑی نیکی کی ہے!

مسلمانوں میں بھی جہاں جہاں عقیدت کا بے جا غلو پایا جاتا ہے وہاں مشرکوں اور بت پرستوں کی رسموں اور تہذیبوں سے مشابہ رسوم اور تہذیبوں اور ان کے عقائد سے ملنے جلتے عقیدے کسی نہ کسی طرح ہار پا گئے ہیں، اور چال چل رہے خبر کی انتہا یہ ہے کہ کوئی ان بدعات اور مشتبہ کا نہ رسوم کے خلاف زبان کھولتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے چارے کو طعن کیا جاتا ہے کہ تم ہر گز ان دین سے سروکار نہ رکھتے ہو اور ان سے بدعتیہ ہو گئے ہو! اُس بیمار کو کیا کہنے جو طبیب اور معالج کو مرض سمجھ کر اس کو نصیحتیں کرتا ہو، اور اپنے مرض کو عین صحت سمجھ بیٹھا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہ کوئی ذات ہے نہ شکل کتا ہے اور نہ نر یا دیکھ اندر یہ نر یا دیکھ ہے، مگر بعض مسلمانوں کے غلو و عقیدت نے یہ انقاب جو اللہ تعالیٰ کی قدرت و ربوبیت کو مزاحم ہیں، ہر گز ان دین کو دوسرے رکھے ہیں! اس طرح نہ پر سے آدمی پر ہیز کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسی چیز میں چاہے وہ کتنی ہی خوش ذائقہ کیوں نہ ہو اگر رسول کی نگر سے بھی مقداد کم نہ کرنا مشتبہ ہو جائے تو اُس پر کم کر دے چھوئے گا بھی نہیں، اس وقت سے کہ ہمیں ہر پر کی طاقت کے سبب اُس کی جلالت واقع نہ ہو جائے! مگر "شرک" جو ایمان کے لئے نہ پر کی طرح قابل ہے اُس کے معاملے میں مسلمان کیسے بے پروا ہو گئے ہیں! اگر قرآن کو جسے کہہ کے اس کے سوا وہی، ایک کہ بھی نہ اُن کے ایمان میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے اور ان کے اسلام میں کسی قسم کی خرابی پیدا ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامی قریبہ کے بارے میں امت کو تنبیہ کی تھی کہ اُسے کہیں نہ بت نہ بنا لینا اور یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجی تھی کہ انہوں نے اپنے پیروں کی قبول کو جسے گاہ بنالیا، اُس، نیچا، میسراں، چال میسراں، برسی اور ساگرہ و مردوں کے لئے نہ بیٹھا، ان رسول سے بھی کہ گرام و انقب ہی نہ تھے، اسی لئے صدیقوں تک اس کو ادب کی کتابوں میں ان تعسیبات کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ حضرت نے تقریباً پورا عالم کو طعن کر دیا ہے، مگر مسلمان حضرات

اس ہدایت کے ساتھ ساتھ قبول پرکچ کرنے اور ان پر کھنڈ اور تڑبانے سے بھی منع فرمایا! احادیث کی اس صاف و واضح روشنی میں سرچنے کے سوا اور نے ہنگامی دین کی قبول کو کیا سے کیا بنا دیا ہے، ان قبول کے ساتھ مسلمان معصیت و نیک کاموں کو کرتے ہیں و سنت، رسول سے کتنا غافل یا اور غافل ہے! امام غزالیؒ ماری رحمة اللہ علیہ نے مسلمانوں کے اس خلاف قرآن و سنت عمل پر سبکدوشی سال پہلے لکھی کہ،

انهم وضعوا هذا الاصلام والادمان على صول انبيائهم ولا كما برهم وذرهم انهم متى اشتغلوا العبادة هذا التماثل فان اولئك الا كما برتكون شفعاء هم عند الله تعالى وتطير في هذا الزمان اشتغال كثير من الخلق بتعطيلهم قلوبهم الا كما برعنى اعتقاد انهم اذا عظموا قبورهم هم فافهم بكون شفعاء هم عند الله (یعنی بہت پرستوں نے اصنام و اوثان اپنے انبیاء و اہل کبار کی مصیبت پر لڑائے تھے اس لیے خیال کرتے تھے کہ جب ہم ان کی عبادت میں مشغول ہوں گے، تو یہ اکابر اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کریں گے، اس کی نظیر اکثر لوگوں کی اپنے بزرگوں کی قبول سے شریعت ہے اس اعتقاد سے اگر ہم ان قبول کی تعظیم کریں گے، تو یہ اللہ کے نزدیک ہمارے شیعہ ہوں گے)

کیا امام غزالیؒ نے بھی "وادی تھے" قبر پرستی کے خلاف انہوں نے اس شدت کے ساتھ احتجاج کیا ہے کہ "تو یہی مسلمانوں کی" بہت پرستوں کے ساتھ ثابت دہی ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث و صحیحہ کی روایتیں بڑی و منقول ہیں کہ حضرت نے یا کسی صحابی ایک خط بھی لایا نہیں فرمایا جو بعد و بعد کے حلق کر مشتبہ بنا تا ہو، "انا املی" کا فقرہ "من تو شد من توں شدی" کی شاعرانہ نکتہ آفسنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اس انداز میں۔

اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب
مشکل کشا اور کار ساز ہے

توسلطان صاحب سید آدمی

علی کل شیء قسید آدمی

یہ شعر و نعت کی شیطیات، شرمناک اندیشیاں ہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حید خاص کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اس خداوند کو ملحوظ رکھا ہے کہ تجاں لیا ہے اللہ جو محمدؐ میں "مک کہنے سے بھی بگا ہے۔

آخر جہ فی شرح السنہ عن حدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تقولوا

ما شاء الله و ما شاء محمد و قولوا ما شاء الله و ما شاء محمد (باب الاسامی)

و حضرت خلیفہ سے دعایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں نہ بولا کرو "جو چاہے اللہ اور جو چاہے محمدؐ یوں

بولا کرو" بول اللہ تعالیٰ تمہارا ہے)

پھر حضرت نے ان لوگوں کو "مک الماک" دبا مشاہد کا ہوا دشا (کہنے سے منع فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور شہنشاہی سے نظری شہیت کا پہلو نکلتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان بیا مک سے خود اپنی ذات کے واسطے ہیں۔ ———— ہاک و حقار شہنشاہ، و شیر، فریادیں مشکل کشا، عالم الغیب

و اما کہ ساز، منہ نواز، ———— جب کوئی لقب انسان نہیں مانگا، اور نہ صحابہ کرام نے حضرتؐ کو اس قسم کے القاب کا طب سے خطاب کیا بلکہ یہ تشعروں کی

مناظر آئینہ ہیں جو محنت سے رسول کا قدر پرکھ گئی ہیں، قرآن پاک میں تان عتقہ کے علی الرغم زبان رسول سے یہ کہلایا گیا ہے۔

قل لا املك نفسي نفعا ولا ضرا الا ما شاء الله.

اے محمدؐ (صاف صاف کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لئے کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں، مگر جو اللہ چاہے۔

ولكن الله الغيب لا شكوت من الخير وما حسني السور ان اذا الذمير



اگر غیب جانا تو بکثرت جہول حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان نہ ملتا بات مجھے پیش نہ آتی، میں تو صرف خدا کے عذاب سے ڈھانے والا ہوں !

اور

تس لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ، ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی مطلق البیع الا ما لرحمن الی
اسے مختصر کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں
کوئی فرشتہ ہوں میں تو اپنی طرف مائل ہونے والی دیکھی کا اتباع کرتا ہوں !

۔ لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ۔ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے (فرما کر اس کا بھی اعلان کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ہے اپنی اہل عہد ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے خزانے بھی نہیں ہیں ۔ ان واضح آیات اور اشارات کے ہوتے ہوئے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون و
مکان کا، ملک بھٹا اور یہ عہدہ رکھنا کہ کائنات میں کو بھی جو کچھ ملتا ہے حضرت کے خزانے ان اشارات سے ملتا ہے ، لوگوں کی تقدیم میں حضور پر ہونے ہیں ،
مرہضوں کو شفا آپ دیتے ہیں اور نہ صرف آپ ۔ ۔ ۔ بلکہ رسولی ، پیر اور شہید کائنات میں متصرف ہے اور اللہ تعالیٰ نے بن نبیوں کو انسانوں کی حاجت
روانی پر مامور فرمایا ہے ۔ ۔ ۔ اس قسم کے تمام عقائد تو حید کی تشریح کرنے والے ہیں ؟

صحابہ کرام کی کسی مشکلف میں مبتلا رہے ہیں مگر کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدعیائے نبی نہیں لکھا اور نہ حضرت رسول پر جا کر نہ یاد و
استغاثہ کیا ؛ صحابہ کرام سے تشریح پر جو کر کوثر غوث ، قطب اور اہل بیت ہو سکتا ہے مگر ان کے لیے یہی آکر پڑی ہیں اور اتفاقاً وہ دے کے آگے وہ مجاہد بنے گئے ہیں ؛
اگر وہ ملک و مختار و مطلق کثرت اور عالم الغیب ہوتے تو جس وصفین کے ۔ ۔ ۔ انہما کہ واقعے ہی سرے سے چل نہ آتے ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تافہین عثمان بن
کی شرافت نہ کر سکے ؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی انگلی سے گھومیں مگر پڑی صحابہ کرام نے بہت کچھ
تلاش کی ، مگر انگوٹھی نہ مل سکی ، اور حضور کی مبارک انگشتہ کی گھوم جانے کا سب کو غم ہوا ، مگر جو مقدس تھا ، وہ لپٹا ہو کر نہ ؛ اب صحابہ کرام جو اولیاء اللہ
کے سرور ہیں ، کنز میں لکھی ہوئی انگوٹھی کو تلاش نہ کر سکے تو ہمیں صورت میں کس ولی اور غوث و قطب کے بارے میں یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ سائے بہمان
کی مشکلف تھی اور مستغیر کی کہتا ہے انکسائات کا کوئی گوشہ اس کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے ۔

تمام صحابہ کرام میں ہر ایک کو نہ تو قرآن حفظ تھا اور نہ ہر صحابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث کا علم تھا ، جب صورت
حال یہ ہو تو اولیاء اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کتنی غلط اور مخلوط واقعہ بات ہے کہ وہ ولی کے حالات جانتے ہیں اور ساری کائنات کا علم اور خبر
رکھتے ہیں ؛ محدثین اور فقہاء بھی اولیاء اللہ میں مگلاں لئے کہ وہ علم غیب نہیں جانتے تھے ، ان کے درمیان سابقہ امتدادیوں کے اختلافی رائے ملتے ہیں
یہاں تک کہ ایک راوی ہر ایک صحت جو کہتا ہے اور دوسرا محدث اس کی تردید کرتا ہے ، ایک بات ایک امام فقیہ کے نزدیک جائز ہے اور دوسرے امام
کے یہاں ناجائز ہے ؛

صحابہ کرام ، تابعین اور فقہاء و محدثین کے یہاں اس قسم کی باتوں کا پایا جانا ، خدا کو مستعان کی منقصدت کی دلیل نہیں ہے ، اس لئے کہ کثرت سنت
نے کسی نبی ، رسول ، صحابی یا ولی کا یہ منصب کب بنایا تھا کہ وہ " عالم الغیب " اور کائنات کا مالک و مختار ، جمیع و خیر اور عظیم بذات الصدقہ ہے ؛ انہما
کی یہ صفت کثرت سنت میں کہیں نہیں بتائی گئی کہ انبیاء و اولیاء دنیا کو رزق اور اولاد عطا کیا کرتے ہیں اور ان کو جو کوئی بھی دوز و نزدیک سے لکھا رہا ہے ، اس
کی پکاک سن لیتے ہیں جو کہ انبیاء و اولیاء دیکھتے ہاں میں اس قسم کے عقائد نہ کہتا ہے اسے اپنے ان عقائد سے توبہ کر کے توحید پر چرم جانا چاہئے ؛ اور نہ شرک وہ
نگاہ ہے جو حق نہیں کیا جاتا ۔ اور شرک کے بعد کوئی عین غیر فائدہ نہیں پہنچاتا ۔

انبیاء کرام کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں ، جب اللہ تعالیٰ کو منظور رہتا ہے ان سے " فوق " عادت " کا ظہر ہو جاتا ہے مثلاً علی بن عبد السلام

ماہنامہ مذہبی اور کٹر عیسائیوں تک کو اچھا اور بھلا چکا کر دیا کرتے تھے، مگر اس مجروحہ سے یہ نتیجہ نکالتا تھا اس مع الفارق ہے کہ اس نذہب میں سادہ دنیا کے مریضوں کی حالت کی حضرت علیؑ علیہ السلام کو خبر پہنچتی تھی انتہاء میں جہان کے مریضوں کو شفا آپ ہی عطا فرماتے تھے، حضرت علیؑ کا یہ مجروحہ حق ہے مگر کیا کسی مسلمان نے آپ تک حضرت علیؑ کو مرنے میں شفا دینے کے لئے پکارا ہے، اور کیا اس کا ایسا گناہ شریعت کی مدد سے جائز سمجھا جاسکتا ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ حیات میں صحابہ کرام کا یہ عقیدہ نہیں رہا کہ جو صحابی جہان بھی ہے حضورؐ اس کی حالت سے باخبر نہیں اور نہ کسی صحابی نے سفر و حضر میں مشکل کے وقت حضورؐ کے نام کی دعا کی، اگر سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار و تصرف میں ہوتا تو اللہ تعالیٰ سے حضورؐ کے ہوتے ہوئے دعا کا ہے کہ کرتے، ان! اور بعض اوقات حضورؐ سے دعا کرنے کی درخواست کرتے تھے، کہ اجازت دیجو کہ تو دعا ہر رسولؐ کی منظر رہتی تھی۔۔۔۔۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص بیمار ہے اس کا باپ اس کے سر کرنے بیٹھا ہوا ہے، اس مریض کو پیاس لگتی ہے وہ جانتا ہے کہ پانی گھر میں موجود ہے اور اس کا باپ پانی پلانے پر قہر مند بھی ہے تو وہ شخص اپنے باپ سے پانی پلانے کی درخواست کرے گا، اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرے گا کہ میرا لہذا! مجھ پانی پلا دے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے حضورؐ دعا کی درخواست یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ دعا، یہ بات بتاتی ہے کہ حضورؐ کے تصرف و قدرت ادا اختیار و امکان میں سب کچھ ہوتا تو صحابہؓ آپ ہی سے ہر مصیبت اور مصیبت و اختیار کے وقت درخواست، اللہ ادا مستفاد کرتے یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب کچھ عطا کرنے اور مصیبت ادا بلاتقدیر دینے کا اختیار دیا ہے، لیکن واقعات اس کی تصدیق و تائید نہیں کرتے! حضرت سیدنا علیؑ کی کمالات و جہر میں کو اس قصور اپنا امام ماننے میں اور تصرف کے تنہا خاندان سے انہی سے سرور میں، اور ان کو اہل بدعت نے، متکبران کا لقب دے رکھا ہے، ان کی زندگی سب کے سامنے موجود ہے، امیر معاویہؓ رضی اللہ عنہ پر علیہ السلام کو حاصل کرنے کے لئے حضرت علیؑ سے کیا کچھ نہیں کیا، دعا بھی اور ہر ممکنہ تدبیر اور جدوجہد بھی، لیکن تقاضا قدمہ کے آگے وہ مجبور نظر آتے ہیں، حضرت علیؑ کی تمناؤں اور دعاؤں کے باوجود امیر معاویہؓ کی امارت باقی رہتی ہے اور تقاضا ایک حد تک بڑا میرا کہ امانت اور حکومت کے جھنڈے نفاذ میں ہمارے نظر آتے ہیں یہاں تک کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا مدناؤں واقعہ بھی اموی حکومت کے چاہ و صلاح میں کوئی انتہا نہیں پیدا کر سکا اللہ تعالیٰ کی حکمتیں یہی خوب جانتا ہے کہ انبیاء و کرامؑ تک کو ظالم قتل کر دیتے ہیں مگر اللہ کے ہاتھ ان پر عذاب نازل نہیں ہوتا۔

یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے کہ تمام جہانداروں کے دلوں کا حال جانتا ہے اور زمین کا کوئی ذرہ، و زمین کا کوئی قطرہ اور آسمان کا کوئی ستارہ اس سے پوشیدہ اور چھپا ہوا نہیں ہے، کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور ہر کسی کی مصیبت بھی وہی دیکھتا ہے، وہی دانتی ہے، وہی شافی ہے، وہی کارساز اور مشکل کشا ہے، وہی دنیا کے کارخانے کو کسی کی شرکت اور مدد کے بغیر سنبھالے ہوئے ہے۔۔۔۔۔ یہ تمام کی تمام قدرتیں اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کسی کو بھی عطا نہیں کیں! اور کسی کا تو ذکر یہی کیا ہے، خود انبیاء و کرام اور مسلمانوں کی مقدس زندگیوں ان اختیارات اور قدرتوں کی نفی کرتی ہیں!

قرآن کریم میں حضرت خاتم الانبیاء رسیدہ المرسلین امام الاولین والآخرین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو منصب بتایا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تلاوت و ان کی تعلیم اور تہذیب کی نفوس ہے، ایہ کہیں نہیں کہا گیا کہ مذاق دینے صحت دانا و لا دعا کرنے، سادہ جہان کے مصیبت زدوں کی فریاد سننے اور ان کی مصیبتوں کا دیکھنا اور تہذیب و تہذیب کا شرف ہے اور وہ بھی اس شان کی ایک حد کہ نبوت کا آپ کی کلمات پر اتمام کو دیا گیا، اب قیامت تک میں کسی کو بھی ہدایت و سعادت دینے کی حضورؐ کے نقش قدم پر چلنے کو ملے گی، حضورؐ کا اسوۂ حسنہ الہیہت کے لئے مطلق اور آخری معیار ہے! انتہاء رسولؐ کے علاوہ نجات اور عافیت کا اور کوئی ذلیعہ اور راستہ نہیں! حضورؐ کی ذات عاقلین کے لئے رحمت ہے حضورؐ اخلاق ذیلی کے مہراج میر اور دعا صلی علیہ وسلم کا آپ جیسا کوئی دوسرا ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ انسان کا دل کا لقیہ اس آپ کی کو زیب دیتا ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ کے لواحق عطا فرمائے گا اور مقام محمود بھی! اس دن تمام انبیاء و رسولوں میں تمہارے گناہوں کی شفاعت کا اذن صرف حضورؐ ہی کو عطا کیا جائے گا۔ قیامت کے دن حضورؐ

کندہ کی عظمت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی جبریت کا یہی طرح اظہار ہوگا اور تمام انسانوں میں حضرت مسیح سے بلند والا اور عزت و محکم نقطہ آئیں گے (فسادہ الی و امی)

میلاد اور قیام مشکاکہ درموم دفعہ نماز و دعوات کی نوعیت ہے کہ ان میں کسی ایک مسئلہ کی بھی تحقیق کر لی جائے تو دوسرے تمام مسئلوں کی گنجائش اس کے تحت آجائے گی جس جاتی میں کبر و عظمت دوسری عظمت سے رابطہ و تعلق رکھتی ہے !

مثلاً "مولود" (یا میلاد) ہی کہنے لیجئے جس کی کوئی اصل و در رسالت اور حد صیاد میں نہیں ملتی! کسی کی پیدائش انصاف کے دن منانے کا دستور ملتا ہے نہیں دن، سال کے سال سا لگہ منانا یہ تو خالص بھی بدعت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی صوابی نے اپنی سالگرہ نہیں منائی ! خلفاء و بادشاہین کے مقدس و دین اسلام کی حکومت کے حدود کو کتنی وسعت اور مال و دولت کی کس قدر فراوانی نصیب ہوئی، مگر کسی خلیفہ راشد کے جہیز نہ تھا جس میں حضرت کا "یوم میلاد" نہیں منایا گیا نہ اس دن پوجا یا نماز نہ رنگ و رنگی جھنڈیاں نصب کی گئیں اور نہ کوئی جلوس نکلا، کسی ضعیف سے ضعیف رعایا میں یہ تک نہیں ملتا کہ اس دن صحابہ کرام نے کسی جگہ حج ہو کر قرآن خوانی کی ہو یا حضرت کے نام کی روگیاں لپکا کر کھانا تقسیم کیا ہو، "یوم میلاد" یعنی BIRTH DAY اور جنم دن منانے کی بدعتیں اور اس دن طرح طرح کے کھیل تماشے، جیوس اور مظاہرے، یہ تو چندوں، عیسائیوں، یہودیوں اور مغربوں کا مشاغل ہے جس میں مسلمانوں کے تہذیب و عرفان میں، عید الاظہار اور عید الاضحیٰ ان کے علاوہ مسلمانوں نے جن وقت میں کو اپنا "تہذیب و تمدن" سے ان کی شرعی طبع اور جدت طسمان میں ہیں !

صحابہ کرام سے نیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت اور محبت کس کو ہو سکتی ہے، اگر حضرت کی پیدائش کے دن جلوس نکالنا، چلخانہ کو آواز دینا یا گانا، حضور کی محبت و عقیدت کا ذریعہ اظہار رہنا۔ تو صحابہ کرام ایسا ضرور کرتے، مگر ان کے یہاں اس قسم کے مظاہروں کا نام و دن بھی نہیں ملتا ! انشاء اللہ کیا جا سکتا ہے کہ اس طرح کے مظاہروں اور جیوس کی دین میں کوئی حیثیت نہیں ہے ! باوجود بیچ بالا دل کو جو جیوس نکلتے ہیں وہ کھیل و تماشہ نہ کہ گتے ہیں ناچ و گانے کی شال ہمارے سامنے ہے کئی سال سے "یوم میلاد" کے ان جلوسوں میں غلغلہ مگروں اور غماخی کو خاصہ فروغ حاصل ہوا ہے، بدعت کی یہ خاصیت ہے کہ جہاں بھی اس کو نمایاں کرنے کا موقع ملتا ہے وہاں کسی نہ کسی طرح برائیاں اور بے عزتیاں ظہور میں آکر رہتی ہیں۔

"یوم پیدائش" یا "یوم وفات" تو فیصلوں، شاعروں اور ایسویوں کو ہیہ میہ، یہ "یوم اقبال" ہے یہ "یوم ہمت" ہے یہ "گاندھی جین" اور "TINAK DAY" ہے ! کہ سال میں ایک بار بھی ہوئے، ان بڑے آدمیوں کی زندگیوں پر وقت بیکس، اور اس طرح ان کی محبت و عقیدت کا اظہار کیا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبرہ سیرت سے تو مسلمانوں کا ایک دن یا چند دن کا نہیں بلکہ زندگی کے ہر لمحہ اور ہر لحظہ کا تعلق ہے اس لیلہ روں کے "یوم پیدائش" کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا "یوم میلاد" منا کر حضرت کی محبت و عقیدت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

یہ کوئی نہیں کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن حضور کا ذکر کرنا ممنوع ہے، صاحبان فکر و بصیرت کا کہنا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تو ہمیشہ ہی ہوتا رہنا چاہئے، اس کے لئے کسی خاص مہینہ اور دن کی قید نہیں ہے کہ ایک دن یا چند دن ذکر رسول کریم کے مستحب و معتمد ہوں یا ان کی سیرت پر ہی نہیں ملتی، یہ تو اس کی روح کی غذا انسان کا تقاضا ہے، اس وقت رسول کو ہر وقت پیش نظر رہنا چاہئے !

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے مبارک ذکر سے کوئی شیعہ تقسیم کا منافق نہیں ہو سکتا ہے، ذکر رسول تو رسالت و برکت اور غرور و فساد کا ضامن ہے، اس مقدس ذکر سے آئینہ دل کی جلا ہوتی ہے ! نہ صرف اجتماعی جلسوں میں بلکہ مسلمانوں کے گھر میں اس کا پورا پورا ہونا چاہئے، ہر مسلمان بچے کی گھنٹی میں ذکر رسول کا شان ہونا ضروری ہے، اما و بیچ الاولیٰ ہی نہیں ہر مہینہ ذکر رسول کا مہینہ ہے کیونکہ امت کا ہر فرد ہر وقت رسول جانتے اور اس پر عمل کرنے کی افسانہ و احاطہ چاہتا ہے، اجماعات کھینچتی ہے، وہی ہے کہ لیلہ روں کے "یوم" جس طرح منائے جاتے ہیں، ذکر رسول کا

نویت "My" کی پس پونی چاہیے۔

سیرۃ رسولی کے جلد گرام "مربوطہ" میلاد رکھنا صحیح نہیں ہے اور نہ یہ طریقہ درست اور پسندیدہ ہے کہ سیرت کے ہر اجتماع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر کو اس طرح لازمی سمجھا جائے کہ جب تک ذکر ولادت نہ ہو گا کہ اس اجتماع کا مقصد یہی ہے کہ ہم سیرۃ النبی کے متعدد اجتماعات میں دیکھا ہے کہ سیرت پر چڑی کا میاب رواج ہوتا دیکھیں ان افراد تفسیری پر چلی ہیں، اتنے میں ایک بڑی صاحب جملہ کے متعلق ہے کہ یہ سیرت کوئی کے ہیں۔ اسٹیج پر تشریف لاتے ہیں اور تفسیر فرماتے لگتے ہیں کہ جس دن حضرت عبد اللہ کا نکاح حضرت آمنہ سے ہوا قریش کی دوسو عورتیں رنگ و حد سے رنگیں اور حضرت جب شکم مادر میں تھے تو یہ یہ واقعات پیش آئے اس کے بعد ۔۔۔

نکل جائے محفل سے جو بے ادب ہو

اگر نہ ہو تو ظلم محسوب ر سب ہو

پڑھتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اردو کے لغتیاں اشعار بصورت سلام گانے لگتے ہیں !

اول تو اس قسم کی روایتیں کہ حضرت کے والد زید گوار کا عقد جب آمنہ سے ہوا تو قریش کی دوسو عورتیں رنگ و حد سے ہلاک ہو گئیں بے سند بلکہ لغو۔ خلافت و اقتدار دینی راہ قیاس میں پھر شاید اس کو کوئی شخص شکل ہی سے پسند اور گوارا کرے گا کہ اس کی مال، بہن یا دادی اندمانی کے محل اور بیچنے کے واقعات کا ذکر تفصیل کے ساتھ مغللوں میں بیان کیا جائے یا یہ تفصیل غیرت منہ طبیعت پر گراں گزرتی ہے۔

نفر کا مسئلہ یہ ہے کہ سراج کو مستحب کا، مستحب کو سنت کا اور سنت کو فرض کا دھروے دینا دینا یہ سخت نا پسندیدہ بات ہے اس واقعہ کی درست ذکر ولادت کو سیرۃ النبی کے مقدس ترین مقام پر لکھنا، نا پسندیدہ نہیں ہے، بلکہ اس پر بدعت کا اطلاق ہوتا ہے !

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت کے بیان میں مناسب عنوان سے کسی بھی کچھ حضرت کی ولادت کا ذکر بھی کیا جاسکتا ہے، بلکہ کوئی علمی مجلس تو حضرت کے آباد و جد و جہاد، مضر، قصی، کلاب، عدنان، نزار، قریش اور ہاشم تک کے حالات بھی بیان کئے جاسکتے ہیں اور قریش کی قدیم شہر اور جگہ زندگی انسان کے تمدن و تہذیب کا بھی بیان ہو سکتا ہے، مگر ذکر رسول کی محفل کا "میلاد" نام رکھنا اور محفل میں "ذکر ولادت" اور "ذکر ولادت" کے جوصلہ و سلام کے لئے کھڑے ہو جانا، یہ بدعت ہیں۔

مسئلہ فوں کے عقائد بگاڑنے میں "میلاد" کی محفلوں کا بہت کچھ ہاتھ رہا ہے، میلاد کی جو کامیں ان محفلوں میں چڑھی جاتی ہیں ان میں ضعیف ہی نہیں موقوف اور محلی مقامات تک ملتی ہیں، اگر وہاں فی سیرت کا "میلاد" اٹھا کر دیکھ لیجئے، اس میں کبھی کسی بے سند روایتیں اور پتہ اندیشی باتیں ملتی ہیں جو دل و دماغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے "میلاد" اور "کبر" کے ذریعہ واقف ہوئے ہوں، سمجھ لیجئے کہ یہ دل و دماغ سیرت رسولی کا کتنا عجیب و غریب تصور رکھتے ہیں ! میلاد شہر کی نسبت "میلاد" کہتے ہیں بلکہ یہ گرام میں بھی اس قسم کی روایتیں ملتی ہیں کہ شب معراج جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہوئے تھے تو براتی ٹوٹیاں کرنے لگا، یہ حالت دیکھ کر حضرت نوح علیہ السلام کی روح و جان حاضر ہوئی اور اس کے پیار سے حضرت براق پر سوار ہوئے (مجموعہ کرمیاتی) یہ تو میلاد کی کتابوں کا عالم ہے اب ہر شخص میلاد میں تفسیر کرنے والے واعظ، اُن کا رنگ تفسیر بھی ان کتابوں کے رنگ سے ملتا جلتا ہے سیرت رسولی یہ لوگ بھی ہاتھ نام بیان کرتے ہیں ان کو زیادہ دلچسپی ایسی باتوں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، آپ کے بدن پر کبھی نہیں پہنچتی تھی، آپ چمکے اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، اس لئے ۔۔۔

میں تو پاک ہی کہوں گا کہ ہر مالک کے حبیب

یعنی محبوب و محبوب میں ہمیں میرا تیرا

جو دعا عطر و گلہاں ہوا اس نے مواہب الدنیا کے نثری اقتباسات پڑھتے سشور و کر دئے، سننے والے مرعوب اور مٹاؤ ہو رہے ہیں کہ ہلاک ہوئی

”سید کی طرح نہ جانے کتنی زمیں بادشاہوں اندامیروں کی نکالی ہوئی ہیں، قبول پرگشتہ اور عارضی بادشاہوں نے بنوائی ہیں اور پھر ان پر شکستیں، اندوہناں، عہدوں، اور سجادہ نشین و خدام کے لئے ہزاروں لاکھوں روپیہ سالانہ کی جہادیں وقف کی ہیں، اس طرح ”عز و فخر“ اور ”مجددوں کی حقیقت و احترام کے نام پر قبر پرستی“ کا پورا انتہائی ٹھٹھن بادشاہوں اندامیروں کی داد و پیش کے قائم کر دیا ہے۔

علمِ غیب

قرآنِ کریم اس کا شاہد ہے کہ علمِ غیب صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے لئے ”عالم الغیب و الشہادہ“ فرمایا ہے، علمِ غیب کی تعریف یہ ہے کہ وہ ذاتی ہوتا ہے۔ اور کل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بیشک بیروں کو غیب کی اطلاع دے دی ہے مگر یہ ”اطلاع و خبر“ ہے، غیب نہیں ہے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، خبر و اطلاع کے بعد غیب غیب کہاں رہتا ہے، اگر غیب کی اطلاع دینا ”غیب“ ہو، تو سادہ امت ”عالم الغیب“ قرار پائے گی، کہ نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی باتوں سے اُمت کو بھی مطلع فرمایا ہے، ”غیب“ کل ”نہ بر اللہ“ ذاتی ”نہ بر اللہ“ غیب نہیں، اطلاع غیب ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدم سیرت میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ حضور کی پیش گوئیوں صحیح ثابت ہوئی ہیں جو بعد ازاں جس طرح آپ نے فرمایا ہے، سب میں جا کر وہ ٹھیک اُسی طرح ظہور میں آیا ہے۔ مگر سیکڑوں واقعات ایسے بھی سیرتِ رسول میں پائے جاتے ہیں، جن سے ”عدم علمِ غیب“ کی حقیقت کھل کر سامنے آتے ہیں، مثلاً: ”مکہ شریف میں حضور کا یہ ایشا دہلتا ہے۔“

لو استقبلت من امری ما استبد برت لم
اسق المہدی۔
یعنی اگر پہلے سے اس امر کی خبر ہو جی، سب بعد میں ہو جی، تو
میں اپنی تسبیح پانی سا نفع نہ لاتا۔

یہ نبی علیہ السلام کی محدث دہری رحمتہ اللہ علیہ اشعث اللمعات میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
اگر اس سے پہلے میں جانتا کہ تم کو احلام سے لکھن دشوار ہوگا تو
میں بھی قرآنی سادہ لانا اور میں نہیں جانتا تھا کہ حکم الہی
اس طرح واقع ہو جائے گا۔

قرآن شریف میں ”و علمک ما لکن تعلمہ“ کی آیت سے اہل بدعت یہ نکتہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جانا نہ دیا کیوں کہ ”علم“ کا علم غیب سے آتا ہے، حالانکہ یہ ”علم“ سے احکام شرعیہ اور علم دین مراد ہے، اہل قرآن شریف میں آج، ہم نے نبی کو ”شہر“ نہیں سمجھا، اس سے وہ منہ کی ہر ہے کہ دنیا کے اگلے پچھلے تمام نبیوں کے تمام دواوین کا حضور کو علم نہ تھا، اس صحت میں سوچئے ”ماکان دما یکن“ کے علم کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فتحہ اثنا عشر میں یہ قسم فرمائی ہے۔

لہذا احکام شرعیہ بدون لدوجل ایشا نہ علم حاصل
نہی ثور، و درمیں علم وادامت قولہ تعالیٰ و علمک
ما لکن تعلمہ
شریعت کے احکام میں وحی کے نزول کے بغیر ان ”نبی“ و
علیم السلام کو علم حاصل نہیں ہوتا، اوداس بار سے میں
حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تو تجھ کو علم دیا جو نہیں جانتا تھا۔

حضرت شاہ صاحب ”علم“ سے ”علم“ ماکان دما یکن ”نہیں بلکہ علم دین مراد ہے، اگر ”علمک“ ماکان تعلم ”سے غیب کا ”کل“ ”علم مراد ہے جتے
بھر تمام امت محمدیہ بلکہ انسان کا عالم الغیب قرار دیا جائے گا، کیونکہ قرآن کہتا ہے۔

و لعلکم ما لکن تعلمون
اللہ اسے سب کو (تم کو سمجھا) ہے (ماکان دما یکن) تو تم نہ جانتے تھے۔

فائدہ دینا نہ دینا یہ فقہ حنفی کی مشہور معروف اور نہایت مستند کتاب ہے، اس میں مغیب کی تعریف ہونی کی گئی ہے۔

وما علمہ اللہ تعالیٰ لیس اس صبارہ بالحق والادانہ
لحمہ یبق بعد الا سلام فیہا
عطا فرماتا ہے، بعد اطلاق کے اس پر مغیب کا اطلاق نہیں ہوتا

تسارن کہیم کہتا ہے۔

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا علم الغیب

لو کہ دات محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں کہتا کہ میرے پاس خزائن ہیں اللہ کے اس میں مغیب جانتا ہوں۔

یہ جہاں پہلے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کے خزانے عطا فرمائے ہیں، اس آیت سے اس عقیدہ کی تردید ہوتی ہے اور "ذاتی" اور "عطا" کی قدرت و اختیار کی جو دھوکہ میں ڈالنے والی بحث چھیڑی جاتی ہے، یہ آیت اس نواز و بخت کا بھی فیصلہ کر دیتی ہے۔ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ خود نبی رسول اور نطق نبی سے کہہ رہا ہے کہ "میں مغیب نہیں جانتا" یعنی وہ مغیب جس کی تعریف یہ ہے کہ وہ ذاتی ہوتا ہے کسی کا بتایا ہوا نہیں ہوتا اور وہ "کل" ہوتا ہے جوئی نہیں ہوتا اور پھر اس اللہ تعالیٰ کے دست و دستہ خزانے بھی نہیں ہیں۔

قیامت تعلق طہر کر ساعیت میں آئے گی، اس علم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یستلک الناس من الساعة وقتل علہا عند اللہ

وہا ینا دیکھ لعل الساعۃ تكون قریباً

کیا اس محکم و واضح آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "عالم الغیب" ہونے کی نفی نہیں ہوتی؟ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الہی سے مطلع ہو کر قیامت کے آثار کی تفصیل بتائی ہے، اور وہ حق ہے یعنی حضور نے جو کچھ فرمایا ہے، ہر بہم اسی طرح واضح ہو کر لے گا، مگر اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس کا اظہار فرماتا ہے کہ قیامت بالکل ٹھیک کس ساعت میں آئے گی، اس کا علم رسول خدا کو بھی نہیں دیا گیا۔

گناہ بار بار قیامت کے بارے میں حضور سے سوال کرتے تھے، اس کے جواب میں فرمایا گیا:۔

قال انما اعلم عند اللہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ بوجھنے پر کہ قیامت کب آئے گی، جواب دیا کہ اس کی خبر تو اللہ تعالیٰ ہی کرے۔

اسلام کی روایت سے ظہر ہوتا ہے کہ بعض صحابہ بھی حضور سے قیامت کے بارے میں کبھی دریافت فرماتے تھے۔

عن جابر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول

تنب ان یمرت بشیء لیسا و لیسنا عن الہ ص و انما

علہا عند اللہ و مشکوٰۃ

قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے حالانکہ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

اس سے ابن ہشمت کے اس قول کی نفی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب وفات سے قبل اللہ تعالیٰ نے عطا کر دیا تھا۔ ایک روایت حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔

... قال یارب اصحابی فیقول اللہ لا قدرک ما

احد ثابہدک قال سئل سئل عن غیرہ

... کہیں کہیں اسے میرے رب، یہ میرے امتی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے گا تجھے نہیں معلوم کہ میرے بعد انہوں نے کیا کیا نئی باتیں نکالی تھیں، اس پر ہم میں کچھ لگا دودک ہو۔ دودک ہو، اس

کو جس نے میرے بعد دین کو متغیر کر دیا۔

یہ حدیث قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کی نفی کر رہی ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں :-

ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عالماً بجميع اللغات -
نہی صلی اللہ علیہ وسلم جميع لغات کے عالم نہیں تھے۔

ایک طرف قرآن کریم کی آیتیں ہیں، دوسری طرف احادیث ائمہ صحابہ کے آثار و باقیات ہیں، یہ سب کی سب رسول اللہ صلی اللہ کے "علم غیب" کا انکار کرتے ہیں۔

نوعی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح فقہ کبرا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں فرماتے ہیں :-

ثنا علم ان الانبياء لم يعلموا المغيبات من الاشياء
الاما اعلمهم الله تعالى احيانا وذكر الخفية
نقص بما لا تتكفيها عتقا وان النبي صلی اللہ علیہ وسلم
يعلم الغيب لمعا رضى قوله تعالى قل لا يعلم
من في السموات والارض من الغيب الا الله
— كذا في المسألة

پھر ترجمان نے کہ انبیاء کرام غیب نہیں جانتے تھے غیب کی کسی چیز کو مگر جنت اللہ تعالیٰ نے ان کو جب بھی بتایا، اور خفیہ نے تصریح کی ہے کہ فرج ہونے کی اس حقیقت کے ساتھ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب جانتے تھے اس پر عقیدہ حق تعالیٰ کے اس اشارہ کے مخالف ہے۔ کہ "اگر رائے محض نہیں جانتا کوئی آسمانوں میں اندر میںوں میں غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اسی طرح سامنے میں بھی ہے۔"

اس فہم و تم اور ضلالت کو تو دیکھتے کہ احادیث کے ائمہ جو عقیدہ کو "کفر" بتاتے ہیں، اہل بدعت اس کفر پر عقیدہ کی پیروی ہی کو دین سمجھ رہے ہیں اور حجاب عقیدہ نہیں رکھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے۔ اُس کو آئی مطعون ٹھہراتے ہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنقیص اور حقیر کے کلمات کی نفی کرتے ہو!

صحیح بخاری ۲۰ بارہ ۳۴۴ اور بارہ ۳۵۱) میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

قالت ومن حدثك ان يهدم ما في فدي فقد
كذب فهدى فديت وما قد رى نفس ما لا تكسب
فدا ومن حدثك انه يهدم الغيب فقد
كذب وهو يقول لا يعلم الغيب الا الله

حضرت عائشہ نے فرمایا اور جس نے تجھ سے بیان کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کل ہونے والی بات جانتے ہیں تو تجھ پر اُس نے جھوٹ بولا، پھر حضرت عائشہ نے یہ آیت پڑھی۔
— یعنی کوئی نفس نہیں جانتا کہ کل کی کہے گا۔ اور جس نے تجھ سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے، اُس نے جھوٹ کہا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی نہیں جانتا غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے!

کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر یہ راہیت "اور کلمات و فضائل نبوت کی نفی و انکسار کی صحیحی حجت کہنے کی کوئی اہل ایمان جرات کر سکتا ہے!

ترجمہ شریف کتاب التفسیر) میں روایت ہے۔

اصداستحاثہ وغیرہ لوگ، صلوة و سلام کے بعد دعا کا وقت آتا ہے تو بیٹھ کر قبضہ رخ ہو جاتے ہیں اور اپنے رب اور مبروسے دعا کرتے ہیں اور آج مسلمانوں کا یہ عالم ہے کہ کسی "توبہ شاہ" اور کھانا شاہ" کی قبر پر بھی جاتے ہیں تو صاحب قبر کو شکل کش اور حاجت رفا جان کا استغاثہ کرتے اور مزار کے دروازوں اور جالیوں پر تزیین لکھ لکھ کر دکاتے ہیں۔

مولوی نعیم الدین مراد آبادی فرامداد اللہ عنہ میں "حضرت مولانا شاہ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، موصوف نصیح الدین صلیا میں بطور سند کے نقل ہیں۔

"میں نے (یعنی شاہ عبدالغنی محدث دہلوی نے) اپنے شیخ علی متقی رحمۃ اللہ سے عرض کیا تعین روز (میرا) عرس ہے جب حکم امت و توفیق فرما کر (میرا) سر مبارک لائے فرماؤ اللہ بند و برآورد و فرمودہ آپ (اور سیان سلف بنود) یعنی دن کے تعین کا عرس کے لئے حکم ہے! تو میرا مبارک جھکا کر اٹھایا اور فرمایا کہ اس کا سون سلف میں نہ تھا۔ (راکس البیان ص ۱۳۲-۱۳۱)

دین کے معاملہ میں قابل تقلید روشن۔ اسلاف کی ہے۔ یا۔ اخلاص کی! پس "عوس" جس کا سلف میں معمول نہ تھا اس کا معمول نہ جانا ہی صحیح روشن ہے! شاہ حمزہ مابعدی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۹۶ھ) بریلوی حضرات کے "سیران سیر" میں وہ ایک اپنی وصیت "فرمادے ہیں" و مطبوعہ صدیقی بریلی میں لکھتے ہیں۔

وفاقیہ ایمانہ ہرگز نہ تکلف کنند، بلکہ نہ نماز نہ رکعت نہ چھین است۔

رد المحتار رد جلد ۱ ص ۱۱۱ (۱) منہج ذیل عبارت غور سے پڑھئے اور سمجھئے کہ فقہائے بدعات سے کس قدر اجتناب کیا ہے۔

وفی البزاریہ یکر الخاف الطعام فی العیوم الاول والثالث وبعده اسبوع ونقل الطعام الی القبری الماسم والخاف والدعوة لقلیة القرآن وجمع الصلوات والصلوات للفقہاء سورۃ الانعام والاخلاص والاحصان الخاف الطعام عند قراۃ القرآن لاجل الاکل یکر۔

نہاؤں بڑائیہ میں ہے کہ گویہ ہے تیار کرنا کھانے کا پہلے دن اللہ تیسرے دن اور پھر کے بعد اللہ نے جانا کھانے کا تیسرا، کسی موسم میں اور تیار کرنا دعوت کا قرآن پڑھنے والوں کے لئے اور جو ہونا صلوات اور تارویں کا ختم کے لئے یا پڑھتے سورۃ النعام یا سورۃ قل ہو اللہ کے لئے خاص رکھنا کھانے کا قرآن پڑھنے والوں کے سامنے کھانے کے لئے مکروہ ہے۔

یہ جو سنی نو ہیں۔ پہنچ آہستہ۔ "تن" اللہ ختم شریف کا رواج ہو گیا ہے اس رسم دعا پر تک کو جو بد ظاہر ہے ضرر معلوم ہوتا ہے، فقہ حنفی کی کتابوں میں "مکروہ" لکھتے ہیں۔

شیخ عبدالغنی محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں۔

"ادعات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تھی کہ میت کے لئے سوائے وقت نماز جہانہ کے سچ ہوں اور قرآن پڑھیں نہ قبر پر نہ قبر کے علاوہ ادب یہ سچ ہونا بدعت ہے اور مکروہ، البتہ تعزیت اہل میت کو تسلی اور صبر دلانست و مستحب ہے لیکن یہ اجتماع خصوص تیسرے دن کا اور دوسرے تکفیات کا مرکب ہونا اور میتوں کا مال بے وصیت کے خسر چ کرنا یہ مجدد احمد بدعت اور حرام ہے۔ (الشفیعہ)

اس عبارت کی روشنی میں میری عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ تیمار و سواں، یا لیسواں (اور بیکی ان کی دن میں کوئی اصل نفس سے اہم امور و رسوم بدعات میں

داخل ہیں، جن کے کرنے سے ثواب کی بجائے اللہ عزابٹنے کا امکان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے قومیت کے ایصالی ثواب کے لئے اجتماع کی حد پرستان خوانی بھی ثابت نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس فعل کو گناہ کبیرہ سے بھی زائد شدید بتایا ہے کہ مسلمان اپنی حاجت مانگنے کے لئے اجیر شریف کا سفر کرتے ہیں یا سالار محمد غازی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر جاتے ہیں! کوئی شک نہیں، بزرگ ہر بڑے سے بڑے گناہ سے زیادہ بڑا گناہ ہے!

مسلمانوں کو کتاب و سنت یا آثار و اقوال صحابہ میں اس کا کہیں حکم نہیں دیا گیا، کہ تم بزرگاؤ دین کی قبروں کی زیارت اُن سے حاجتیں اور مرادیں مانگنے کے لئے کیا کرو۔ ایسا کرنا شریعت کی رو سے قطعاً ناجائز ہے اور دین و دنیا کے خسران اور وبال کا باعث ہے۔

شاہ ولی اللہ قدس سرہ "بلوغ المبین" میں لکھتے ہیں۔

ہائیکہ بت پرستان خود لباس ابریشمی و کھڑائی پریشانند
بت پرست لوگ اپنے بڑوں کو لیشم و کھاب کا لباس پہناتے ہیں
پیر پرستی نیز مرگروہ بزرگان خود با ہم جنیں سی پریشانند
ادب پرست لوگ بھی خاص اپنے بزرگوں کی قبروں کو اسی طرح
پہناتے ہیں۔

مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فتحہ اثنا عشریہ ص ۳۳۷ میں فرماتے ہیں۔

واما مشاہبت ہنولسی و رایام عاشورا چیزے کہ منور با
اور ہن دول سے مشاہبت دہائی جاتی ہے کہ بس ایام عاشورا
بتان فردگنند، ایہا صورت تہوہا کہ نہ نمایند و غرض دہند
میں چیزیں کہ منور اپنے بڑوں کے لئے کرتے ہیں یہ لوگ بھی اپنے
پیشواؤں کی قبروں کے لئے کرتے ہیں اور غرض یہی ہے۔

لکھتے بہت سے عرس ہیں جن میں ایک دن قبر کی "خس" کے لئے مقرر کیا جاتا ہے اور اس گھٹی جرتی بہت پرستی کو خیر و ثواب کی بات اور سعادت و برکت کا سبب سمجھا جاتا ہے!

صحیح البخاری ص ۲۰۱ میں ہے۔

فان منہم من قصد لزیارۃ قبور الانبیاء
والصلیاء ان یصلی عنہم قبر مرقدہ و یدعی عروحم
و یدعی لہم الحاجۃ فیہم الذی یجوز لہ ان یتحد
علیہ المسلمین فان العبادۃ و طلب الحاجۃ
والاستغاثۃ من اللہ و وحدہ۔۔۔۔۔

بعض ایسے ہیں جن سے قصد ہے کہ وہ انبیاء و صلی کی زیارت
کا کہ ان کی قبروں کے پاس نماز پڑھیں اور قبروں کے پاس دعا
اور حاجت کا سوال کریں، پس کسی مسلمان عالم کے نزدیک
یہ وعظ لقمہ جائز نہیں، کیونکہ یہ بات اور طلب حاجت
اور مدد مانگ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔

کبیر کی شرح منیۃ المصلی ص ۱۵۵ میں مرقوم ہے۔

وقال شاف الائمۃ وضع الید علی القبر ید علیہ
ومن جاور اللہ العلا مع مشایخ مکہ ینکرون
ذلک ویقولون انه عادیۃ اهل الکتاب وحی اہیاء

فرمایا شرف الائمہ نے ہاتھ رکھنا قبر پر بدعت ہے اور وہی
ہے مشایخ مکہ مکرر سے کہ اس کا انکار فرماتے تھے اور کہتے
تھے کہ یہ عادت اہل کتاب وحی اہیاء

صلی اللہ علیہ وسلم من عادۃ النصاری ولا شک
انہ بدعت لا سنۃ فیہ ولا الثورین صلی اللہ علیہ وسلم
امام من یحتمد علیہ فیکمل ولہ یجسد الاستلام
فی السنۃ الا للجرالہ سورہ والرمکن الیمانی خاصۃ

یہ عادت نصاریٰ کی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ بدعت
ہے اس میں سنت سے کچھ ثابت نہیں اور نہ کسی ایک بھی صحابی
کے اثر سے ثابت اور نہ کسی قابل اعتماد امام سے ثابت پس یہ
کہ مکروہ ہے اور سنت نہیں ہے، پھر نا بجز اس وادعائے
برائی کے لئے مخصوص ہے۔

و

قال العلامة الزعفرانی فی وضع الید علی القبر ومسہ
ولقیبہ من البدع التي تنکر شرعاً وروی عن
انس بن مالک رآی رجلاً وضع یدہ علی قبر النبی
صلی اللہ علیہ وسلم فنبھا وقال کنا نعرف هذا
حنی حمدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و
قد انکروا مالک والشافعی واحمد اشعل الذکا

اور علامہ زعفرانی نے فرمایا ہاتھ رکھنا قبر پر اور ہر مسہ
دینا بدعت ہے جس پر شرع میں انکار کیا گیا ہے اور انس بن
مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے ایک شخص
کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر ہاتھ رکھنے پر روک دیا
اور اس کو منع کیا اور فرمایا کہ ہم اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جانتے بھی نہ تھے، اور تحقیق
اس شخص کا امام مالک اور امام شافعی امام احمد نے بہت
سنجیدگی سے انکار کیا ہے۔

روایت صحیحہ وفاقاً علیہ ۲۳ ج ۲

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ البیان المبین میں مجلس الابرار سے نقل فرماتے ہیں۔
ما زان جہد است سجدہ گاہ ساخن قبور وچراغان نمونہ
برآہنہ واخلکاف نندآہنہ واخلکاف نندآہنہ
خدمت کہ چاروہ گشتی وعلوم ساری دہانچہ نمایندہ و مردم
را برائے گورپرستی و غرت میکند تا آنکہ ہا ہا ہا نہ تزیج
میدہند بجا دست قبر را برجا دست مسجد اطوار و قین می
کنند کہ خدمت این آستانہ افضل از خدمت مساجد است
منہرجم گریہ واقعی راست گفتہ است بچشم خود دیدہ
باشد، و مقالہ این گروہ بگوش خود شنیدہ۔

اور میں جہد انہال گور پر ستر کے قبروں کو سجدہ گاہ بنایا
اور ان پر چراغ روشن کرنا اور ان کے نزدیک احتکاف کرنا
اور ہر دس لگانا اور خدمت چاروہ گشتی مقصد کرنا اور
نوشہ راگریز، زبان سنگنا، اور آدمیوں کو گور پرستی کی دقت
دینا یہاں تک کہ قبروں کی پوجا کرنے والے تزیج دیتے ہیں،
بجا خدمت قبر کو ہی دست مسجد اطوار بیت اللہ العظام
پر اور یقین کرتے ہیں کہ خدمت اس آستانہ قبر کی افضل
ہے خدمت کرنے ما جد سے ترجیح کہتا ہے واقعی سچ فرمایا
میں نے بچشم خود دیکھا ہے اور ان بالوں کو اس گروہ کی
اپنے کانوں سے سنا ہے۔

ان تمام انتہا سے اندازہ کیا سکتا ہے کہ بندگان دین کی قبروں پر احترام و عقیدت کے نام سے جہاں بھی جہد ہی وہ نہ صرف یہ کہ بے
سند اور بے اصل ہیں بلکہ بہت سی زمینیں مشرکانہ ہیں اور قبر پرستی کے اس پورے انٹی ٹریشن کا "بدعات" اصطلاح کیے ہوئے ہیں اور بدعت کو
نظریں رسولی نے فضاحت کہا ہے۔

روانجام دے گا۔ میں مرقوم ہے۔

اعلم ان الشرائع الذی وقع

میت کی نذر

فلا مصرات من اکثر العوام وما یخوذ من الاموال
ومشیع الزيت ونحوها فی ضلخ الاولیاء الکلام
نفساً بالیسر فہو بالاجماع باطل وحرام ،
کان یقول یا سیدی فلاں رب غائبی اوفدی
میرضی اوقضیت حاجتی فک من الذہب
اور ایفقتہ او من الخفام اور اشبع اولیئک
کذا فی بحر الموائج برجوع منہ اند نذر المخلوق
والنذر لیس مخلوق لا یجوز لہ عبادۃ والعبادۃ
لا تکون لمخلوق ومنہا ان المذکور لہ میت
والمیت لا یمکن منہا انما ان لہن ان المیت
یتصرف فی الامور ذلک الذلک فی واقعہ
ذلک کشف۔

جان تو وہ نذر و اموات کے لئے اکثر عوام کے لئے یہ
پہ۔ اور لفظی انداز میں اندام انداس کے اولیاء و کرام کے غفلت
ہم تقرب کے لئے جائے یہ وہ بالاجماع باطل وحرام ہے۔
کہتے ہیں کہ اسے سید میرے انسان میں غائب مشہ
اگر وہ اس آجائے یا میرا دینی اچھا ہو جائے یا میری حاجت
پوری ہو جاوے تو تمہارے لئے آنا سونا اتنی چھانڈا
اور آنا کھانا اور حیران انسان میں میرے ذمہ ہے
اسی طرح میرا لائق میں ہے، پس یہ کئی وجہ سے باطل ہے
کہ نذر یہ نذر مخلوق کے لئے ہے اور نذر مخلوق کے لئے جائز
نہیں ہوتی۔ مرقوم انداس کے لئے یہ نذر کی گئی ہے وہ میت
ہے اندسیت کسی چیز کی مالک نہیں اور نذر کے لئے کا
گمان ہے کہ میت کو اللہ تعالیٰ کے کاموں میں تصرف اور
اختیار حاصل ہے اور اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔

فلما خلقی کی مستند کہ اولیاء بن افعال کو باطل و حرام لکھا ہوا ہے اور جس عقیدہ کو کفر کہا گیا ہے، اس بدعت انبی باطل و حرام افعال بدعت
اور کفر یہ عقائد کے جوڑ کے لئے فضول کی سطح میں چھانٹتے ہیں اور دین و شریعت کی صحیح بات بتانے والوں کو مطعون ٹھہراتے ہیں کہ یہ لوگ نابالغ ہیں
جو بزرگوں کا ادب و احترام نہیں کرتے!

حضرت محمد ابراہیم علیہ السلام مطہر لکھنؤ پریس ۱۸۹۱ء ایک کتب میں تحریر فرماتے ہیں۔
... و جہانات لا نذر شاخ کنند، و بر سر قبر تائے
ایں رشتہ آن جہانات را ذبح کی نمایند و عیالات فقہ
ایں عمل را داعی شرک ساختہ ؟ ...
کوشرک میں داخل کیا ہے۔

فناوی عالمگیری دکن بالعموم میں جو مذکور ہے اس کا افسوس ہے کہ اس کے ذیل کیا جاتا ہے۔
- اکثر عوام چہ نذر دیتے ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ بچھنے بزرگوں کی قبر کے پاس یا تل میں استبرکا پر وہ
انکا کر شاخ یہ کہتے ہیں کہ اسے سید فلاں! اگر میری حاجت مدائی ہو جائے تو آپ کے لئے اس قدر پیسہ
اپنی طرف سے نذر دانا ہوں، تو اسے نذر بالاجماع باطل ہے ...

فناوی عزیزی (جلد ۱ ص ۱۸) میں شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔
... خودون آن تقرب بکلام است، بشرطیکہ نذر
غیر اللہ باشد، انہ گنگھا شیخ سدوسہ منی بر صلی
نذر و غیرہ
بشرطیکہ نذر غیر اللہ کی ہو جس طرح گنگھا شیخ سدوسہ کے قریب
اور شیخ بر علی قلندر وغیرہ کی اس کا کھانا حرام کے قریب
ہے۔

عبد اور اسماء عربی میں "عبد کے معنی" بندہ "کے بھی ہیں اور غلام کے بھی ہیں، مگر عبد اللہ اور عبد الرحمن وغیرہ ناموں میں "عبد" سے "بندہ" ہی مراد ہے، اس لئے اس ہیئت اور انداز پر کوئی ایسا نام ہرگز نہ رکھنا چاہئے جس میں "عبد" کی نسبت غیر اللہ سے کی جائے، چاہے نام رکھنے والوں کی نیت اللہ وغیرہ "عبد سے حالت اور فلاحی کی ہو، نہ ہو، صحابہ کرام اللہ ابین سے بڑھ کر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فدا کی، عقیدت منشاء و قرائن پر مبنی نہ ہو سکتا ہے ان خصوص قدس سے اپنی اولاد کا نام "عبد اللہ" یا "عبد الرحمن" نہیں رکھا، اور صدیقوں تک مسلمانوں میں اس قسم کے کسی نام کا وجود نہیں پایا جاتا، ہندوستان میں مغلیہ بادشاہ اکبر کے وندیں البتہ ایک عالم کا نام "عبد العلی" ملتا ہے، اس قسم کے اسماء نہ صرف یہ کہ احتیاطاً طے کے خلاف ہیں بلکہ توحید کے تقاضوں کی ضد ہیں، برہمنی کے مشہور عالم مولوی احمد رضا خان صاحب کے رباعیوں اور دیوبندیوں کی ضدیں، اور اہل ہندوستان کے لئے اپنے نام میں "عبد المصطفیٰ" کا اضافہ کیا ہے، اس نام کی ہر میں اس نام "عبد المصطفیٰ" کو کندہ کر لیا، اس سلسلہ میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر "فتح المحرر" کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

لَا تَجْعَلُوا كَيْفَكَ دَعَاءُ مَا لَا تَدْرِي خَلْقَهُ بِنْدَةِ فَسَادٍ
 عربی میں "عبد" کے معنی "بندہ" کے ہیں، اس لئے اس ہیئت اور انداز پر کوئی ایسا نام ہرگز نہ رکھنا چاہئے جس میں "عبد" کی نسبت غیر اللہ سے کی جائے، چاہے نام رکھنے والوں کی نیت اللہ وغیرہ "عبد سے حالت اور فلاحی کی ہو، نہ ہو، صحابہ کرام اللہ ابین سے بڑھ کر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فدا کی، عقیدت منشاء و قرائن پر مبنی نہ ہو سکتا ہے ان خصوص قدس سے اپنی اولاد کا نام "عبد اللہ" یا "عبد الرحمن" نہیں رکھا، اور صدیقوں تک مسلمانوں میں اس قسم کے کسی نام کا وجود نہیں پایا جاتا، ہندوستان میں مغلیہ بادشاہ اکبر کے وندیں البتہ ایک عالم کا نام "عبد العلی" ملتا ہے، اس قسم کے اسماء نہ صرف یہ کہ احتیاطاً طے کے خلاف ہیں بلکہ توحید کے تقاضوں کی ضد ہیں، برہمنی کے مشہور عالم مولوی احمد رضا خان صاحب کے رباعیوں اور دیوبندیوں کی ضدیں، اور اہل ہندوستان کے لئے اپنے نام میں "عبد المصطفیٰ" کا اضافہ کیا ہے، اس نام کی ہر میں اس نام "عبد المصطفیٰ" کو کندہ کر لیا، اس سلسلہ میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر "فتح المحرر" کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

یعنی میں عبد ان کے دعاؤں کے نام رکھنے میں بندہ فساد
 اور عبد فساد کہتے ہیں، اس سے ترک ناموں میں ہے،
 حضرت شاہ صاحب نے اس نوع کو "ترکی الالہا" بتایا ہے، اور کہی مسلمان "فرقہ" کے پاس بھی نہیں چھو سکتا، بدعت سے شغف رکھنے والی
 نیکو نگاہ ہے کہ "مشرک نہ رہو" اور "فرقہ" کی باتوں سے طبیعت کو پاک کر کے لگا کر پیدا ہو جاتا ہے۔
جو اللہ تعالیٰ چاہے اہل بدعت کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ وفات پانے کے بعد یہ مکان دین کا سات میں تصرف کی قدرت رکھتے ہیں، یہ
 ان کا عقیدہ کوئی سند اور دلیل نہیں رکھتا۔

کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا ذوات الا للہ
 انقطع عنہ علم الا بثلثة العلم یشفع بہ
 والولاء الصالح، ین عولہ والحقنہ، والجارحہ
 جب کہ فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت مرے
 ان منقطع ہو جائے ہیں اس کے عمل، مگر تین چیزیں علم
 نفع دینے والا، اور صالح بیٹا جو اس کے لئے دعا کرے اللہ
 صدفہ چاہیے۔

حضرت شیخ شرف الدین احمد بخاری منیری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۰ھ) جو بہت بڑے شیخ اور صوفی گنہگار ہیں اپنے مکتب پنجاب و شرم
 میں تحریر فرماتے ہیں۔

انبیاء اولیاء و سلاطین و امراء و ملوک چند ہی چیز چاہند
 کہ شہداء شہد چند ہی چیز چاہند کہ شہداء شہد چند ہی چیز
 آنچه حکم کردہ است رضا اندامد، ہم تسلیم باید شد وہ
 بندگی میں باید گرفت بندہ و مالزمر کہ چاہیت
 اندنگ چاہہ نیست، شہداء آنچه خاست اوست جل جلالہ
 انبیاء، اولیاء و سلاطین و امراء و ملوک چند ہی چیز چاہند
 کہ شہداء شہد چند ہی چیز چاہند کہ شہداء شہد چند ہی چیز
 آنچه حکم کردہ است رضا اندامد، ہم تسلیم باید شد وہ
 بندگی میں باید گرفت بندہ و مالزمر کہ چاہیت
 اندنگ چاہہ نیست، شہداء آنچه خاست اوست جل جلالہ
 انبیاء، اولیاء و سلاطین و امراء و ملوک چند ہی چیز چاہند
 کہ شہداء شہد چند ہی چیز چاہند کہ شہداء شہد چند ہی چیز

ہے، جس جلالہ
 کیا کہی صاحب فہم احمد مجاہد دی حضرت شیخ شرف الدین احمد بخاری منیری رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر پر بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات

ہم لگا سکتے ہیں! حضرت برصورت نے صلیک وہی بدلتی ہے، جو کتاب و سنت سے ثابت ہے اور جس کی طرف راقم اطراف برسوں سے مسلمانوں کو
کہہ رہا ہے کہ تصاویر و تصامیم کے انبیاء و اولیاء اللہ بھی اسی تمام مجسمیت اور جلالت شان کے باوجود، محمد اسد صلی برضا میں بعض اوقات جب
حقانی نے نہیں چاہا تو برسوں اور برسوں تک کی دعاؤں قبول اور تمناؤں پوری نہیں ہوتیں۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مکتوب (۱۹۵۵) میں یہی بات فرمائی ہے کہ عالم تصاویر و قدسین، انبیاء و اولیاء
سب چیز خواہند، نشود۔
بہت سی چیزیں چاہتے ہیں، مگر نہیں ہوتیں۔

مسئلہ نمبر ۱ مسلمانوں میں جو مشرکانہ رسمیں باہر پائی گئی ہیں، ان میں ایک رسم "امام خائن" ہاندھنے کی بھی ہے، اس عقیدہ کے ساتھ کہ
ہے جانے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نبی یا ولی کی خبر نہیں ہوتی اور اس فرکی حفاظت اور نگہبانی اللہ تعالیٰ کے علاوہ اند کوئی نہیں کرتا اور سفر میں جو کچھ
تا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی آتا ہے۔ اند کو اندرونی احمد رضا خاں صاحب تک و ملحوظات حصہ سوم مطبوعہ عینی پریس بریلی
۱۹۵۵ء کا یہ فقرہ ہے۔

"عرض — امام خائن کا جو یہ ہاندھا جاتا ہے، اس کی کوئی اصل ہے۔ اشتاد — کچھ نہیں۔"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اور اسم گرامی سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانے کو عقیدت رسول کی نشانی سمجھا جانتے مگر
نے گا نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم دیا اور نہ ہی یہ کلام اور ابن عظام کا معمول رہا، نہ تصنیف کی شہادت و الحجاز

نہیں صحیح ہے کوئی بھی روایت مرفوعہ انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام
حبابہ افغان میں سن کر نہ
داند و ترجمہ

مسلمانوں نے عقیدت و محبت کی بہت سی رسمیں اور رسمیں اپنے دل سے گھڑ لی ہیں جن کی کتاب و سنت، آثار و صحابہ ادا و افعال انہیں کوئی
دیکھ نہیں ملتی! پھر اس پر تتم ہے کہ جو ان بے اصل و بے سند باتوں کو کہیں کرتا اس کو گناہ مطعون کیا جاتا ہے!!
صحابہ کرام کا یہ معمول نہیں رہا کہ وہ مصلیٰ رسول پر جا کر فسر یا درواستغاثہ اور عوفی احوال کرتے ہوں، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
حکم دیا ہے کہ تم پر جب کوئی مصیبت پڑے تو میری قبر پر اگر عوفی عرض کرنا، مگر مسلمان ہندوستانی دین کی قبول سے مرادیں مانگتے ہیں اور
قبول کی جاہلوں پر عرضیاں اور درخواستیں لکھ کر رکھتے ہیں!

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تادمی عزیز میں تفسیر فرماتے ہیں۔
بعد موت شالی استبداد وہ اس طرح کہ فساد از حق تبارک
و تعالیٰ حاجت مرا بخوار و شفیع من شود دعا کے من
بخوار دست است یا نیست؟
جواب — استبداد ان امور کا خواہ نزدیک قریب باشد
یا غائبانہ بے مشابہت است و مذہب ان صحابہ تابعین
قبول کے پاس کی جاوے یا غائبانہ بلا مشابہت ہے زمانہ
صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم میں یہ رشتہ قائم نہ تھا۔

فقہ حنفی کی مشہور کتابوں ————— دفتار، فتاویٰ عالمگیری۔ وغیرہ میں بھی اس طرح دعا کہنے کو مکروہ بتایا گیا ہے (یعنی یہ عقلمند کے ساتھ) یہ نکتہ آفرینیال کے علاوہ فقہ کی کتابوں اللہ شہداء کا برہمکارانہ بیگانہ دین کے اقوال کو سند میں پیش کیا ہے اندکی آیت حدیث اور قول و روایت سے کوئی نکتہ نہیں تلاش کیا اور عقل کے تیرے لئے لڑائے ہیں۔

اہل بدعت نے ہندوگان دین کے لئے کچھ القاب و کذاب اندھا صاحب بنے جی سے گھڑ لئے ہیں اور جو کوئی ان سے اس واسطے کہ کتاب و سنت سے سند نہ ملنے کے سبب اختلاف کرتا ہے، اسے وہ بدعتیہ، مکرر و باطنی، دیوبندی اور بدعتیہ کہتے ہیں، اسی طرح ان لوگوں نے کچھ فقہ میں اور کسین نکالی ہیں، جن کو وہ ہندوگان دین کی عقیدت و محبت کا لادنی تعاضل سمجھے ہوئے ہیں ان کے نزدیک جو کوئی ان اقوال و روایات کو برہم نہیں کرتا وہ بدعتیہ ہے اور ہندوگان دین کی توہین کرنے والا ہے۔

اس ضمن میں کتابوں سے جو اسے دئے گئے ہیں ان سے انسانہ لٹکایا جا سکتا ہے کہ کبھی ہوتی بدعات اور کسرو و شرک کی باتوں کو اہل بدعت نے دین و شریعت سمجھ لیا ہے اور جن ائمہ کے لئے کتاب و سنت اور شریعت میں کوئی سند اور نظیر نہیں ملتی ان کو یہ لوگ ہندو جان و ایمان بنائے ہوئے ہیں ایک غضب ہے کہ گمراہی، ہدایت کا اندھے دینی پروں کا ٹھہر لگا دیا گیا ہے۔ یہ کیسے عاشقانِ رسول ہیں کہ خلاف سنت افعال کا ارتکاب کرتے ہیں اور عشقِ رسول کے مدعی اور علمبردار ہیں۔

اس مسلک و روش کے علماء اپنے عقیدت مندوں کے جوہر میں اس قسم کی غلط فہمیاں پھیلانے دیتے ہیں کہ یہ دہلی اور دیوبند کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہندوگان دین کے اختیارات و کمالات کی نفی کرتے ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں بتاتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان نفوسِ تیسرے کو آخر وہ کون سے اختیارات دئے ہیں، جن کی نفی اللہ تعالیٰ کی جاتی ہے!

اس گمراہ کے علماء اہل بدعتوں کتاب و سنت، آثارِ صحابہ اور اقوالِ ائمہ سے سند اور دلیل لئے کی بجائے "جذباتی نکتے" تراشتے ہیں یہ کہ ————— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، رحمتہ العالمین ہیں، سربراہِ میریں، شیخِ المذنبین، افضل البشر، مکمل الفضل ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم و اذن سے حضور کو کمالات کا مالک و مختار بنا دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض فغانس بیان کئے گئے ہیں وہ سب حق ہیں ان میں جو کوئی کلام یا چیزیں چاہ کرے وہ زندگی، امین عبارت متذکرہ بالا کا آخری جز ————— "اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم و اذن سے حضور کو کمالات کا مالک و مختار بنا دیا ہے" ————— غلط مطلب ہے اس لئے کتاب و سنت سے دلیل چاہئے۔

کتاب اللہ میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمالات سمجھانے اور کلامِ عالم کے چلانے کے اختیارات سر پہنے ہیں اور جو کہ دنیا میں جو کچھ ملتا ہے وہ اس شان سے ملتا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کو عطا فرمایا ہے۔ یہ عقائد اساسِ مسلم کے فغانس میں دینی کے عقائد و عقیدت کے تراشے ہیں، کتاب و سنت سے ان عقائد کی تائید نہیں ہوتی، اس لئے اس قسم کے عقائد نہ تو قابلِ قبول ہیں اور نہ لائقِ تحقیر ہیں، بلکہ ان عقائد کی تائید میں قرآن کریم کی وہ آیت اور ہدیہ کی جا چکی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان و وحی ترجمان سے کہلایا گیا ہے کہ میرے پاس اللہ کے دئے ہوئے غلبے نہیں ہیں، اور خود سیرتِ رسول کے بے شمار واقعات ان عقائد کی تائید نہیں کرتے۔

جو کوئی اللہ تعالیٰ کا جتنا محبوب ہے، اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کا نسب و اہل و عیال کا حق و گمراہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا و دوسلوں جو سب سے زیادہ محبوبیت ملی ہے اس کا سبب حضور کا ————— کمالات و محبت ہے یہ کہ حضور اللہ تعالیٰ کے حکم و فرمان کے مقابل میں بالی و بڑبڑ

طریقہ کثیف کا واسطہ بھی نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کھانے کا ثواب آنکس میت کی مدد کو پہنچایا تھا۔ ایسا ہی ثواب سے اس روایت کا کوئی تعلق؟ کسی قسم کی کوئی نسبت؟ حدیث کچھ بتاتی ہے، ایسا اہل بدعت اُس سے کچھا بدعت لال کرتے ہیں!

اسی طرح ایک روایت ہے کہ حضرت عباسؓ سے گزرتے تھے، دو قبروں پر آپ نے ہر ایک شاخیں گاڑ دیں اور فرمایا ان قبروں پر عذاب ہو رہا تھا۔ یہ شاخیں جب تک پری رہیں گی اہل قبر کے لئے دُعا و مغفرت کرتی رہیں گی۔ اس حدیث سے اہل بدعت استدلال کرتے ہیں کہ قبروں پر پھول چڑھانا جائز ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن قبروں پر اظہارِ عقیدت و محبت کے لئے پھول نہیں چڑھائے تھے، بلکہ تحفیتِ عذاب کے لئے درخت کی ہر ایک شاخیں قبروں پر نصب فرما دی تھیں۔۔۔۔۔ بدعتی مسلمان بزرگوں کی قبروں پر جو پھول چڑھاتے ہیں قرآن کا یہ تصور اللہ تعالیٰ کب ہوتا ہے کہ یہ پھول جب تک نفع دے رہیں گے صاحبِ قبر کے لئے دعا و مغفرت کرتے رہیں گے ایسا صاحبِ قبر پر عذاب ہوتا ہے اُس کی تحفیت کے لئے یہ پھول چڑھانے جائز ہے ہیں۔۔۔۔۔ اس سے افسانہ کیا جاسکتا ہے کہ احادیث سے استدلال کرنے میں یہ لوگ کتنی غلطیابی سے کام لیتے ہیں بلکہ جان کر عوام کو دھوکا دیتے ہیں!

لہذا حدیث یہ ہے،

من يروح الله به خيراً ليفتقه في الدين فاما انا فاسم الله اعطى

جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا اعلان کرتے ہیں، اُس کو دین کی کج عطا فرماتا ہے اور میں تو باطنی والا ہوں

اللہ دینے والا ہے

حدیث کے الفاظ ظاہر یہ ہیں اور عبارت کا سباق و سباق بتا رہا ہے کہ یہاں "اعطى" سے مال اور دینی دولت نہیں بلکہ احکام دین و شریعت کی عطا مراد ہے، علامہ تہذیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے "عطا و لغت" سے علم و حکمت اللہ تعالیٰ فی الدین ہی مراد لیا ہے۔۔۔۔۔ گماں بدعت، اس حدیث کا صرف یہ ٹکڑا۔۔۔

فاما انا فاسم "اللہ اعطى

پڑھ کر کہ نہ در شر سے اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے تمام خزانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیے ہیں، حقیقی معنی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے رسول اللہ اس عطا کے قاسم (بانتے والے) ہیں!

اگر

اس حدیث کا یہی مفہوم ہے، تو یہ حدیث تفسیر قرآن کی اس آیت۔۔۔

"قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ"

سے نکلائی ہے اور صحیح حدیث قرآن کی مخالفت نہیں ہو سکتی، اور ہوگی تو وہ غلط اور صحیح ہوگی جسے رد کر دیا جائے گا۔ یہ حدیث صحیح ہے اس کا مفہوم بھی صحیح ہے مگر اہل بدعت نے اس سے جو مفہوم دے دیا ہے سیدھا کٹے میں، نہ سراسر غلط ہیں اس آیت قرآنی کے خلاف ہیں۔

غیر اللہ سے استعانت کے جو اہل بدعت قرآن کریم کی اس آیت۔۔۔

"ستعبدوا بالصبر والصلاة"

سے استدلال کرتے ہیں! یہ اس آیت قرآنی کے حکم کی تعمیل میں کوئی صمدان، صبر و صلوٰۃ سے استغاثہ کیا ہے کہ آئے "صبر و صلوٰۃ" تم میری کسٹنگریز اللہ سے فرماؤ! اگر اللہ جن کوئی الیا کرتا ہے، تو اس سے لیا کہ کوئی اللہ حق کوئی نہیں ہے! اس آیت کا سیدھا سادہ مفہوم یہ ہے کہ صبر و اختیار کرو گے اللہ تم پر رحم کرے گا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل فرمائے گا اللہ اس سے حق مقدم کرے گا اور کٹ کر کٹ کر شکلات ہوگی،

یہ ہے اہل بدعت کا قرآن ادا کا حدیث کیب تھ سلوک! اعلان کی تفسیر انہی احادیث کافی کے چند دوسرے نمونے!!

جی آپ کے ہاتھ پر لکھتے ہیں اور اس طرح یہ وطن ایک وسیع خاندان کو اپنے اندر جذبہ دے ہوئے ہے۔ اور اسی سبب سے اس کی صفائی ستھرائی، دیکھ بھال اور نگہداشت کا فرض بھی کسی ایک فرد کی ذمہ داری نہیں بلکہ ساری حیثیت میں ان سب لوگوں کا مشترکہ فریضہ ہے جنہوں نے اس مکان کی چار دیواری میں پناہ لے رکھی ہے۔

ایک بات اور ————— کبھی ایسا بھی ہوا ہے۔ آپ نے گھر پر معاملات کو یکسر نظر انداز کر دیا اور وہ ان سے بالکل بے تعلقی اختیار کر لی ہو یا کبھی کسی چھوٹی آہٹ پر آنکھ کھٹ جانے کے باوجود آپ نے اسے مال و اسباب سمیٹ کر لے جانے کی اجازت دیدی ہو اور اس سے کوئی باز پرس نہ کی ہو۔ آپ نے اپنے گھر میں کسی چھوٹے لکڑی کے دیکھ کر اس کے اس فعل سے چشم پوشی کی ہو؟ خدا نخواستہ آپ کے مکان یا دکان میں کسی طرح آگ لگ گئی ہو تو آپ کبھی ایک تماشا بن کر اسے دیکھتے دیکھتے ہوں اور آگ بڑھ کر اس آگ کو بجھانے کے لئے کوئی عملی قدم نہ اٹھایا ہو؟

یقیناً ان باتوں کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ گھر پر معاملات سے بے تعلقی اختیار کر لینا کسی عقلمند کا شیوہ نہیں یا کسی چودا اور بیڑے کو کسی قسم کی سزا دینے بغیر چھوڑ دینا اور زندگی سے بچہ ہوتے۔ اس طرح آگ بجھ گئی دیکھ کر اسے بجھانے کے لئے عملی کوشش نہ کرنا سفاہت کی علامت ہے۔

اگر آفتہ آپ کا بھی یہی خیال ہے اور یقیناً ایسا ہونا چاہیے تو آپ نے اپنے اس وطن عزیز کو کیوں فراموش کر رکھا ہے اور اس کے معاملات سے کیوں بے تعلقی اختیار کر رکھی ہے اپنی تہذیب و ثقافت کو کیوں مغربی گتہ سرہ کٹوں کے حوالے کر دیا ہے تو آپ کا معاشرہ مغربیت کی آگ میں جل رہا ہے اور یہ آگ روز بروز تیز سے تیز ہوتی چلی جا رہی ہے اور آپ کی اخلاقی اصولی قدروں کو خشک لکڑیوں کی طرح جلائے دے رہی ہے۔ مگر آپ اس آگ کو بجھانے کے مطلق فکر نہیں کرتے ————— کیا اس سے بڑا کوئی المیہ ہو سکتا ہے۔

آپ اپنی تمام اشیاء، اگھار، مکان و دکان اور اس میں موجود مال و اسباب وغیرہ کی حفاظت کو سب چیزوں پر مقدم سمجھتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ اپنے اس وطن عزیز کی کسی شے کا خیال نہیں رکھتے۔ اس کی تہذیب و ثقافت، اس کے آئین و اخلاق اور تعظیم و معائرت کی اپنی توجہ کا مرکز نہیں بناتے اور انہیں اپنے دین و مذہب کے مطابق ڈھالنے کی کوشش نہیں کرتے۔

اس حقیقت سے کون شخص انکار کر سکتا ہے کہ اس دیں کے حصول کے لئے جسے پاکستان کے نام سے شہرت حاصل ہے اور جس کے لینے والے اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے اور نبی احمدؐ ان جناب محمد مصطفیٰؐ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی محبت کا دم بھرتے ہیں، اپنے آبائی وطن کو چھوڑنا محض اس لئے گوارا کیا تھا اور جان و مال کی قربانیوں صرف اسی لئے پیش کی تھیں کہ وہ کسی طرح ایک ایسے خطرہ ارض کے مالک بن جائیں جہاں وہ آنا کوئی سے اپنے معبود حقیقی کے سامنے سر نہان سکیں اور اپنے خدا بڑے حیات کو اُس کے لئے ہوئے آئین کے مطابق ڈھال سکیں۔

اب اس دیں میں لینے والے ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے اور اس مکان میں رہائش رکھنے والے شخص کی طرح اس مسکن کی دیکھ بھال، نگہداشت اور گروائی کے فریضے سے حق و خوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہو۔

مقصود تعمیر سے ہٹ کر عمارت سے استفادہ کو ایک غلط اقدام سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اس دیں کے مقصد بنیاد کو نظر انداز کر دینا قوی معاد سے غدار کی مترادف نہ ہوگا؟

اس محنت و وطن کی جن لوگوں نے اپنے خون سے آب و ہری کی ہے اور جس ارض مقصد کے لئے انہوں نے جانی و مالی قربانیاں پیش کی ہیں اور جس فرض کے لئے اپنے آبائی وطن کو ترک کیا ہے ان اغراض و مقاصد کو کسی صورت میں بھی نظر انداز کرنا مناسب نہ ہوگا۔ ان کی ہجرت انسان کی شہادت کو مایہ گان جانے دیا جائے؟

آپ اپنے افسانہ خاندانی آنادی دے دیں گے کہ وہ ان اقدار سے اخراجات کر جائیں امدان بنیاد کو دیکھ کر ہم کہنا پس میں پر آپ کا گھر پر نظر م قائم ہے؟ اپنی اولاد سے آپ اپنی عزت و توقیر کی توقع رکھتے ہیں لیکن اگر وہی آپ کی عزت و ابرو کے درپے ہو جائے امدان سے مقابلے کے لئے نکل کھڑی ہو امدان خاندانی پرانے سے جب آپ کا اس کے ساتھ کیا مدبہ ہو گا؟ آپ زبردستی فروغ سے کام نہیں لیں گے اور اسے سخت علامت نہیں کریں گے؟ آپ کے اس محمد میں سے بھی جو شخص نے گواہ بھی آپ کی اولاد کو برا بھلا کہے گا اور اسے ناخلف شمار کرے گا۔ اس سے قطع نظر اگر کسی بھری شخص میں کوئی شخص آپ کے والدین کو برا بھلا کہنے لگے اور سخت علامت کرنے لگے تو آپ کی غیرت و محبت اسے برداشت کرے گی۔ ان کی زبان سے اپنے والدین کی برائیاں سننے کے باوجود پھر بھی آپ خاموشی اختیار کئے رکھیں گے؟

اگر ایسا نہیں کرنا دیر ہے کہ دین کے معاملے میں لوگوں کی اس آنادی کو برداشت کریں جاتا ہے اور اسلام کی بنیادی قدروں سے انحراف کرنے والوں کو معاف کرنے میں ابر و مندانہ مقام حاصل رہتا ہے۔ آپ اپنے والدین کی بیانی تو نہیں سن سکتے لیکن آپ کہہ سکتے ہیں رسول اللہ انسان کے احکام و فرامین کا شے نہ رکھیں بدوں خالق اٹھا جانا اور تخلیق کی جاتی ہے اور پھر بھی آپ کی غیرت و محبت کو جوش نہیں آتا۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام آپ کی نظر میں اتنا بھی نہیں جتنا آپ کے والدین کا ہے۔

میرزا بنیاد سچے دوسرے سوالوں میں بھی الجھا ہوا ہے امدان کے جوابات تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ آپ بھی اس مشکل کو حل کرنے میں میری مدد کیجئے۔ کیا کبھی آپ اس بات کو گوارا کر سکتے ہیں کہ آپ کی مملکت میں کسی دوسرے کا قانون نافذ ہو یعنی گھر آپ کا ہو اور حکم کسی باہر کے آدمی کا چلے کیا آپ اس کا تصور کر سکتے ہیں کہ آپ کی اچھی مہمی اور صحیح مسلم زبان کا ٹ وی جائے اور اس کے بجائے کسی دوسرے شخص کی زبان کا جبرندگیا دیا جائے؟ کیا آپ اس چیز کو برداشت کریں گے کہ آپ کی حیثیت محل ایک چال بھری خلیفہ میں کی ہو جائے؟ اگر آپ ان باتوں کو برداشت کرنے کی اپنے میں ہمت نہیں پاتے بلکہ ان کے نصی سے بھی دہم بھاگتے ہیں تو پھر ایسا کہہ سکتے ہیں کہ اپنا وطن چھوڑے بھی بیخودوں کے آج کے نفاذ اور اس پر عمل کرنے میں کوئی تباہت محسوس نہیں کی جاتی۔ کیا اسلامی دستور ہمارے مسائل کو حل کرنے کے لئے کافی نہیں؟ یہ کیسی غیر منطقی ہے کہ ایک نوجوان رسا کے مالک ہوتے ہوئے بھی آپ اس پر اپنا اختیار نہیں رکھتے اس میں بھی دوسروں کے خیالات بھرتے ہوئے ہیں۔ ادب اتنی گہنی کش لکھا ہی شکل ہے کہ اس میں آپ کے ذاتی رجحانات اور خیالات سما سکیں۔ کیا یہ زندگی کی یہی علامت ہے کہ اچھی جہن زبان کو حضور مصل بنا ہے پر بھی کسی قسم کا کوئی احتجاج بھی نہ کیا جائے بلکہ دوسروں کی زبان کے پیوند پر فخر کیا جائے کیا آپ کی زبان اس قابل نہیں کہ وہ انہما مطلب کے کام آئے اور اس سے کاروبار زندگی میں فائدہ اٹھا جا سکے یا وہ محض زینت کا ایک ذریعہ ہے جسے نمائی الماس میں سجا دینا ہی کافی ہے۔ اپنی زبان کو محض فرنگیوں کی بولی کے لئے استعمال کرنا امدان سے ان کے خیالات و احساسات کی ترجیح کی کام لینا غیرت علی کے مضامین پڑھنے سے کچھ کم ہے؟ فک و تدبیر سے کام لے کر سمجھیں ان سوالوں کے جواب دیجئے۔

اس دین سے اپنی الفت اور وطن سے اپنی محبت کے اظہار کی یہی ایک طریقہ ہے کہ اس وطن عزیز میں اپنے والدین و سرور اسلام کا دامن برحالت میں بٹھائے رکھیے۔ اپنی تہذیبی اور ثقافتی قدروں کو کسی صورت میں بھی فروغ نہ کرے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے زبانی دلوں سے ایک قدم آگے بڑھ کر اس غمی قوم پر بھی پیش کرے وہ اپنے مذہب اسلام کے فروغ امدان ہی زبان امدان کی ترویج کے لئے اپنی پوری زندگی وقف کرے ان لوگوں پر کوئی نظر رکھے جو اس کے بنیادی اخلاق و مقاصد میں ترمیم و تخریک کے تکلیف ہوں۔ اور اگر ایسا نہیں تو پھر اقبال کی زبان میں یہی کہاں پڑے گا۔

وہ چیز نام ہے جس کا وہ تپ محبت کی

میرے وطن میں نہیں ہے ابھی کہیں پیدا

روح انتخاب

اللہ تعالیٰ کو کسی نے دیکھا نہیں بلکہ اس ذات برحق کو اس کی نشانیوں سے پہچانا ہے ایمان چونکہ ایک قلبی کیفیت کا نام ہے اس کے فیض کی ایمانی نسبت کا فیصلہ کسی محسوس حیا کے سامنے نہ کر سکتا مگر یہ حقیقت اپنی جگہ ستر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سبلی نگاہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی محبت اس کی طبیعت سے وابستگی اور ان کی اطاعت کا جذبہ صادق یہ سب ایمانی کیفیات انسان کے طبع پر لکھ کر اور اس کے طبع و عمل میں ضرورتاً عکس ہوتی ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ کسی شخص کو اللہ کے دین سے ہمہ گیر محبت بھی ہو اور وہ جان بوجھ کر ایک گمراہ منصوبے کے تحت ایسی تدابیر اختیار کرے جن سے دین کی تخریب کا خطرہ پیدا ہو اور اسلام دشمن قوتوں کا محاسبہ کرنے اور ان کا راستہ روکنے کے بجائے ان کی تائید کرنے لگے۔

ہمارے دن اس وقت اسلام کے بارے میں حکومت نے جو رویہ اختیار کر رکھا ہے وہ کسی ایسی حکومت کو زیب نہیں دیتا جس نے اسلام کو اپنے دستور و آئین کا بنیادی پتھر قرار دیا ہو۔ اباب اختیار کے اپنے بارے میں جو جذبات اس قدر ناگہم ہیں کہ جہاں کسی نے ان کی کسی پالیسی یا طرز فکر سے اختلاف کیا ہو جیسی شکوک اور جویش اور تنقید کرنے والے کو ان کی اس بے جا حسادت کی تہذیب کے لئے لہری سرکاری مشینری حرکت میں آگئی مگر اسلام کے خلاف یہاں جس کا جو بھی چاہے کہتا ہے اس سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ اسلام کے بارے میں حکومت کی بے حس کا حال یہ ہے کہ وہ اگر خود بھی کوئی قدم صحیح سمت میں اٹھاتی ہے تو اس پر سرکاری نہیں جتنا ادا ہے کرتے ہوئے لیکن کوئی تہذیبی طریق سے عمل جاری نہ پاتا ہے اور اس کے حق میں محسوس اور واضح دلائل دے کر مخالفین کو خاموش کرنے کی سعی کرتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ بعض اوقات عوامی دباؤ سے مجبور ہو کر کوئی ایسا اعلان جاری کر دیتی ہے جس پر لوگوں کو قدسہ اطمینان ہوتا ہے اور وہ اسے ایک منید قدم سمجھ کر اس کی پیروی کرنے لگتے ہیں لیکن یہ اعلان یا قضا حاسات کی ذہنیت بنتا ہے یا گشتی مراسلوں کی صورت میں دفتری خاکوں میں دب کر رہ جاتا ہے۔ عملی زندگی میں اس کے مطابق قطعاً کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی۔ زندگی کی جوئے مساں جوں کی توں جاری رہتی ہے۔ تجدید پسند اور بے دین طبقے اس کے خلاف کھسک رہے ہیں اور ان کے ہاتھ میں حکومت ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ اور وہ ان ساری باتوں کو اس خاموشی کے ساتھ برداشت کرتے ہیں جیسے کہ وہ اس سارے ڈرامے کی خاموش تماشاگر ہے اور اس کا خواہ اپنے اس فیصلے سے کوئی آدمی کا تعلق بھی نہیں ہے ابھی چند ہی روز کا قاتل ہے کہ حکومت مغربی پاکستان نے تعلیمی اداروں میں لہجہ بولنے کی ضمانت پر پابندی عائد کی اور ملک بھر میں حکومت کے اس اقدام کا خیر مقدم کیا گیا اس اعلان کو سنتے ہی تجدید پسند اور ثقافت گریزہ عصب ہر سخت ہیم ہوئے اور انہوں نے اس کے خلاف احتجاجات میں باقاعدہ ایک ہم خور و شاکر کی میں میں پیش پیش خود حکومت کے اپنے منظر نظر اور اجازت میں ان کے کالوں میں کیوں کسی بلڈے ہوئے مسلمان بادشاہ کو بطور مثال پیش کر کے دھم دسرو کی حمایت میں مضامین لکھے گئے اور کبھی یہ بھونڈی دلیل دی جانے لگی کہ اگر مغربی پاکستان کے اسکولوں اور کالجوں میں ناچ گانے کا پرچم سرنگوں ہو گیا تو مشرقی پاکستان سے تو کیا وحدت کے شے کمزور ہو جائیں گے۔

گویا مغربی اور مشرقی پاکستان میں اگر کوئی مشترک شے کہ وہ ناچ گانے کا جنم ہے اس کے سوا ان میں اخوت کا کوئی دوسرا رشتہ موجود نہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب حکومت نے اس معاملے میں ایک تسخیر قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا تو اس کے فیصلے کو کبھی قوم کی تائید بھی حاصل ہے تو کیا اس کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ اسے جلد از جلد اسے نافذ کرنے کی کوشش کرنی اور لشت و لافحت کے سامنے نڈائی استعمال کر کے فتنے کے ان چند لوگوں کو مسکات جواب دہی حماسا معاملے میں آتش پیدا کرے جن میں دین یہاں حال یہ ہے کہ نیشنل پریس ٹرسٹ کے اجازات میں جن پر حکومت کا بڑا راست قبضہ ہے اس فیصلے کے خلاف جرمے دل آزار خطبہ اور مضامین شائع ہو رہے ہیں۔ انسان میں سے کوئی

ہماری نظریں

تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ

انڈیا کٹر اسرار احمد دایم۔ اے، صفحات ۳۵ صفحات، دہلہ، دیکھن گروپش قیمت چار روپے،
لئے کا پتہ ۱۔ دارالاشاعت الاسلامیہ، بالمقابل ڈاک خانہ کرشن منگو لاہور۔

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کی مخالفت میں متعدد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں اور یہ سلسلہ جتنا ہی دہتا ہے! ان ناقدین کا مقصد جماعت اسلامی کو عوام مسل لڑی میں نامقبول اور غیر مردود بنانا ہے، بعض کتابوں پر دافرقین خوج کی گئی ہیں، اور نہ جانے کس مصنف اور ناقد کی اس محنت و خدمت کی کس کس عزرائ سے پندیرائی ہوئی ہے۔

تھر کی مثال ہمارے سامنے ہے، جمال ناہراچے اقتدار اور آمریت کے لئے سبک زیاں خطرناک، انخوان المسلمون کو سمجھتا تھا، اس جذبہ کے تحت اس نے "انخوان" کو جس بے رحمی اور مفا کی کے ساتھ ظلم و ستم کا لٹ نہ بنا کر اپنے اقتدار کے لئے سبک بڑے خطرے کو ڈک کیا ہے، وہ انسانیت کی بہت بڑی ٹریچڈی ہے اتنی درد انگیز کہ۔۔۔

سے آسمانی مطلق بود گر خول بیار و بر زمین

پاکستان میں جماعت اسلامی - اقامت دین کی تحریک کی تبلیغ اور علمبردار ہے، اپنی بساط کے مطابق انتہائی ناسازگار ماحول میں اس عظیم و مقدس تحریک کے لئے وہ دوشادہ و حرب اور اسکا کافی جہد و جہد کرتی رہی ہے! اس لئے ہر دور حکومت میں "جماعت اسلامی" کی سر زبانی ادب ابست و کٹا و کو کھشکتی رہی ہیں اور اس قسم تحریک کی راہ میں سکا و میں پیدا کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ یہ سلسلہ زندگی و جدت کی سنگی اور قید و بند کی صورتوں سے لیکر قسم و قمر طاس کے محاذ تک پہنچتا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کو ایک دن منہ دکھانا ہے۔ جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے سے میں ہم اس قسم کی سرزنش اور ہنگامی نہیں رکھتے کہ صاحب موصوف نے جماعت اسلامی کے بعض دوسرے ناقدین کی طرح سرکار دہلیا میں رجوع اور یقین کی شفقت حاصل کرنے کی کوشش سے یہ کتاب بھی ہے ان کا معاملہ دوسرے مصنفین اور ناقدین سے مختلف ہے، ڈاکٹر صاحب نے جماعت اسلامی کے بیان کی اصلاح کی نیت سے یہ کتاب تصنیف کی ہے اور بڑی دیدہ و بینی کے ساتھ جماعت اسلامی کے سابق اور حالیہ زلف کا جائزہ لیا ہے!

مگر

اگر اس دیکھنے کے باوجود ان کی یہ کتاب بھی دوسری کتابوں کی طرح قریب قریب ہی کام انجام دے گی کہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی طرف سے عام مسلمان بدگمان ہوں، جماعت کے بارے میں یہ خیال قائم کریں کہ یہ بھی دوسری سیاسی جماعتوں کی طرح ایک سیاسی پارٹی ہے اور اپنی دنیا داری اور وقتی مصلحتوں کا غلبہ ہے، جماعت اسلامی اس طرح مسلمانی میں مناور! لہذا ہر دلفریز جنگ افتادہ نہیں کی بلکہ وہیں بدگمانی اور دین پیدا ہوں گی! دوسری، ہمدردوں اور ماحول کا آئے وہ اخلاص جو دشمنوں اور بدخواہوں کی مخالفت اور بدخواہی کے مقصد کو تقویت

اور خدا پر چلتا ہوا۔

یہاں تک جماعت اسلامی کے ارکان کا تعلق ہے، وہ پورے شعور، اخلاص اور بے لوثی کے ساتھ جماعت سے وابستہ ہیں اور کسی تہذیب میں مبتلا نہیں ہیں ان کی غالب اکثریت نے جماعت کے لیے بڑی کوششیں کرنا شروع کر دیں ہیں، آخرت کی جس جواب دہی سے بچنے کے لیے ڈاکٹر احمد صاحب نے کتاب لکھ کر، دینی خیر خواہی اور احقاق حق کا حق ادا کیا ہے، اسی جذبہ کے تحت جماعت اسلامی کے ارکان بھی جماعت سے وابستہ ہیں اور ان کا مقصد بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اور آخرت کی سرخوردگی ہے! اس کتاب کو پڑھ کر جماعت کے ارکان "آیات دین" کی تحریک سے علیحدگی اختیار نہیں کر سکتے! ڈاکٹر صاحب کی طرح وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے دینی بصیرت رکھتے ہیں اور جماعت اسلامی کے فاضل و عال سے اچھی طرح باخبر ہیں! اہل ایہ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر، دوچار ارکان ڈاکٹر صاحب جماعت سے علیحدگی اختیار کر لیں! مگر ڈاکٹر راشد العزیز ان کی اور دوسرے نامیوں کی یہ تمنا بے بسی کی ہے کہ اس قسم کی کتابوں کا مطالعہ جماعت اسلامی کی صفوں میں عام انتشار پیدا کر دے گا اور اس کے بیشتر ارکان "اصلاح" کے نام پر سرکشی اور بغاوت پر آمراں بن گئے جتنے ایسے ہیں جن کی کبھی یہ تمنا جو ان اللہ پروردگار نے ڈاکٹر صاحب کو صوفیہ مشائخہ یعنی تقیم ہند سے پہلے تک کی "جماعت اسلامی" کی بہت کچھ تعریف و تحریف کی ہے کہ وہ اپنے مقصد و جد و جاساس نگرین پر متحمس تھے یہاں تک کہ اس کے ارکان میں صحابہ کرام کے دینی جذبہ کی جھلک پیدا ہو گئی تھی۔ مگر ڈاکٹر صاحب کو اس کا علم بھی ہے کہ اس دودھ میں بھی نادین نے جماعت اسلامی کو ہدف طنز و ملامت بنایا ہے، اس کے ارکان پر "خارج" کی بھٹی جھٹ کی ہے، مولانا مودودی پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ "مجاہدیت" کے دعوے دار ہیں! بعض صحابہ ان رٹ و توہمت نے "کشف" کے ذریعے یہ دعویٰ کر لیا کہ جماعت اسلامی سے خبر کی امید نہیں رکھنی چاہئے! اس قسم کی تنقید و طنز کو ڈاکٹر صاحب یقیناً غلط سمجھتے ہوں گے! جماعت کے بعض اعضاء نادین تو ڈاکٹر صاحب اور احمد سے علم و تقویٰ اور اخلاص و دہنداری میں بہت بلند تھے، مگر ان کے اخلاص و دہنداری نے کام کیا انجام دیا! یہ حضرات جماعت اسلامی پر طنز و تنقید دین کی بہت بڑی ضرورت سمجھتے تھے، اور اپنی جگہ مطمئن تھے کہ وہ اس طرح دین کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ مگر ان کے بعد جماعت اسلامی کے موقف کا ڈاکٹر صاحب نے جو تجزیہ فرمایا ہے اور تحریک جماعت اسلامی کا تحقیقی مطالعہ کیا ہے، اس کی کینیت پر ایسی "طنز و تنقید" کا کوئی گمان کرنے لگے، تو ایسا کرنے کا اسے حق تو حاصل ہے۔ اور کیا عجب ہے کہ جس طرح جماعت اسلامی نے مسئلہ سے پہلے کے موقف کو جماعت کے نادین نے غلط سمجھنے کی غلطی کی تھی، ڈاکٹر احمد صاحب نے مسئلہ کے بعد کے موقف کا تجزیہ کرنے میں غلطی کی ہو!

ڈاکٹر صاحب کے اس تجزیہ اور تحقیقی مطالعہ کا خلاصہ انہی کے لفظوں میں یہ ہے: —

— یعنی یہی کیفیت جماعت اسلامی پاکستان کے ساتھ پیش آئی وہ ایک خالص امری اور دین الاوامی بلکہ انسانی بنیادوں پر دعوت کی علمبردار بن کر کھڑی ہوئی اور امتداد میں اس نے نسلی، لسانی، وطنی اور لونی تو متیں تو ایک طرف خود مسلم قوم پرستی جو ایک قومیت ہونے کے باوجود بین الاقوامیت کا رنگ بھر حال کھتی تھی، کی شدت کے ساتھ حق تلفی کی، لیکن اس کی یہ شان زیادہ سے زیادہ پانچ سات سال تاہم رہ سکی، اس کے بعد اس نے بھی پاکستان میں اگر مسلم قوم پرستی کا بارہا اٹھ دیا، وائے!

خوش دھندلے شدہ مستعجب بود (صلح)

اس کتاب میں جماعت کے تحریک اور خاص طور سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریروں کے اقتباسات درج کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ ان میں تضاد پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ —

مخا جو نا خوب مبتدع وہی خوب ہوا

مرلانا مودودی ہوں یا جماعت اسلامی ان میں سے کوئی بھی معصوم نہیں ہے، اس لئے فکر و رائے اور عمل کی غلطی کا قصور کوئی اپنے آپ پر نہیں ہے! انسان اور جماعتوں کے سیرت و کردار اور قول و فعل میں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ وہ کس چیز کا ہے، غیر کا یا شر کا، اور سی قیاس کے پیش نظر ان کے اچھے اور برے ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے۔

انگریز کے بعد میں متحدہ ہندوستان میں اقامت دین کے لئے جماعت نے جو طریق کار اختیار کیا تھا وہ درست تھا، اس وقت اپنی منہ اندیشہ میں کسی کے دہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آتی تھی کہ انگریز کسی مزاحمت کے بغیر اپنا بریدہ بستر بلند کر ہندوستان سے چلا جائے گا اور اس کا جانا اور ہندوستان کا تقسیم ہو کر پاکستان کا بن جانا، ایک ہی سانحہ وقوع میں آئے گا! پاکستان بن جانے کے بعد جماعت اسلامی کو بالکل نئے حالات کا سامنا کرنا پڑا، یہاں سب سے پہلا سوال یہ سامنے آیا کہ پاکستان کا کس طرح کیسا ہونا چاہئے؟ اس صورت میں جماعت اسلامی و متحدہ کے مسند کو نظر انداز کر کے دیکھ جائے وہ دینی ہو یا لادینی، صرف معاشرے کی اصلاح میں لگی رہتی کہ جب پاکستان کا معاشرہ خالص اسلامی ہو جائے گا، اور خود ارادگان جماعت تہذیب کی نفس کی مطلوبہ کیفیت کو حاصل کر لیں گے، اس وقت کس قدر مسائل اور حکومت و سیاست کے معاملات پر توجہ کی جائے گی! اگر جماعت ایسا کرتی تو وہ اپنی اس غفلت و کوتاہی اور غلط اندیشی پر اللہ تعالیٰ کی یہاں جواب دہ ہوتی!

متحدہ ہندوستان میں جماعت نے انگریز کی حکومت کو خطاب نہیں کیا، اسمبلی کے انتخابات میں حصہ نہیں لیا، کوئی جلسہ نہیں نکالا، پیس کالفرنس منعقد نہیں کیا، مگر پاکستان میں اسے ان تمام مرحلوں سے گزرنا پڑا جو حضرات اپنی سادہ لوحی کے سبب شیون و احوال کی تبدیلی اور ان کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں! انہیں مشہور ہے کہ بعد کی جماعت اسلامی پاکستان میں تو کوئی عمل میں تھا اور نظر آتا ہے! اسی قسم کے تضاد کو اس میں بحث و گفتگو بنا کر یہ کتاب لکھی گئی ہے! اگر کسی شخص نہیں اس کتاب میں بعض دلیل بھی ملے گی تو یہ جماعت کے ماضی و حال کا تجزیہ بھی بڑے سلیقہ سے کیا گیا ہے، لیکن لا اقل بھی غیب ہے، مگر عمومی طور پر یہ کتاب ذہن و فکر پر یہ نقوش چھوڑتی ہے۔

(۱) لیکن والا جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے کے بعد شدید نفسیاتی کشمکش میں مبتلا ہے اور اس کا ضمیر اپنی علیحدگی کو مسند جوازینے کے لئے بے چین ہے، یہ کتاب کہہ کر اس نے اپنے ضمیر میں اس عظیم دینی تنظیم سے علیحدہ ہونے کا - جو اواز تلاش کر لیا۔

(۲) ماضی و حال کا تقرب اسلامی جمیعت طلبہ کے کہیں تھے، اسی وقت ان کے رد و کار نے ان کے مزاج کی کیفیت معلوم کر لی تھی کہ وہ کسی تنظیم میں گنم و گن کی حیثیت سے کام کرنا اپنی "خودی" کی توہین سمجھتے ہیں اور جس تنظیم میں بھی خود ان کی شخصیت کو خاص اہمیت نہیں دی جائے گی، اس تنظیم سے وہ زیادہ دل نہ لگ دیتے ہیں۔ ان کی ذہانت اپنا اظہار اور نمود و جہرہ گری چاہتی ہے۔

(۳) صاحب موصوف کسی موقع کے حصول کے لئے اس کے ایک ہی جیسے لئے بندھے۔ طریق کار پر نگاہ رکھتے ہیں اور حالات کی تبدیلی کے سبب طریق کار کی مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے! اس نظر انداز فرما دیتے ہیں! اس کی تو انہیں مشق ہے کہ ہر مسند کی ہندی چند کی کسے رکھ دیں اور جہاں تک تحسیر و گفتگو کا تعلق ہے تجزیہ و تشریح کا حق ادا کریں مگر سب کے سب برتنے والوں کو واقعات کی دنیا میں جن مختلف حالات سے سابلہ پڑتا ہے ان مشلوں و احوال کے تعاقب و اکثر صاحب کی نگاہ سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔

۱۔ اقامت دین کا کام ہر ملک اور خطہ میں ایک ہی انداز پر کیسے ہو سکتا ہے کوئی حق ہی ہو گا جو امریکہ میں جا کر تبلیغ اسلام کا آغاز حکومت اہلیہ کے مطالبہ سے کیے گا! مگر اندونیشیا، سوڈان، اور مصر پاکستان میں حکومت اہلیہ کے لئے جدوجہد نہ کرنا، دینی نقطہ نگاہ سے بہت بڑی غفلت ہوگی! مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے متحدہ ہندوستان میں حالات کے لحاظ سے "اقامت دین کے طریق کار" سے بحث کی تھی، پاکستان بن جانے کے بعد حالات میں بدل گئے، اس لئے ان کی تقریر و تحسیر کا بالکل وہ انداز کیسے رہ سکتا تھا۔ حالات کی تبدیلی پر نگاہ نہ رکھنے کے سبب مولانا موصوف کی تحریروں میں نااندرین کو - تضاد نظر آتا ہے، بلاشبہ بعض اوقات حالات کے لحاظ سے دینی احکام میں تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ پھر

”من یقرض اللہ فزحنا حسنا“

میں کیا قرض کے لفظ سے واقعی وہی معنوں ”قرض“ مراد ہوگا، جو ایک ضرورت مند کو دیا جاتا ہے، کیا اس آیت کے بنیاد پر اللہ تعالیٰ کو ”مقروض“ کہہ سکتے ہیں (وصلاً لافہ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ”انفاق فی سبیل اللہ“ کی کمال حد تک تعریف فرمائی ہے کہ اسے ”قرض“ سے تعبیر کیا ہے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی ماہ میں مال و دولت خرچ کرنے والوں کی انتہائی تسدائی کی ہے، یا حدیث شریف میں جمیعاً یہ کہ — جس کے پاس امانت نہیں، اس کے پاس ایمان نہیں —۔ تو جو کوئی امانت میں خیانت کرتا ہے کیا اس نفل کے سبب وہ غیر مومن یا کافر ہو جاتا ہے، اس حدیث میں ”خیانت“ کی شدت مضرت کو اس پیرایہ میں بیان کیا گیا، اور یہ بھی... کہ جس وقت مسلمان خیانت کا ارتکاب کرے گا تو اس وقت اس کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے اس کے اندام ایمان کی صفت ہی باقی نہیں رہی، اگر اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہوتا تو وہ امانت میں خیانت نہ کرتا۔

مولانا مودودی نے ”نفس مسداؤں“ کو ”کافر و کب تبایا تھا، اور جب انہوں نے جماعت اسلامی کے قیام کے وقت ”مکمل شہادت“ پڑھ کر تہنیت ایمان کی تھی، تو اس وقت انہوں نے یہ کب کہا تھا کہ آج سے پہلے میں غیر مومن تھا اور کفر کی زندگی بسر کرتا تھا، انہوں نے یہ کہہ کر اسلحا و صما صہب کی ذیانت لفظ و معانی کے اس احتساب میں ”عجیب“ نظر آتی ہے، جیسے انہوں نے امدادی جذبہ کب تھے ”اعتراف بلتے اعتراف“ کی نیک نگرانی اپنے اندر سونے کی کوشش فرمائی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ”تہذیب و تمدن اسلامی“ کی ترویج و تکمیل اور دوسرے مادی وغیرہ مسائل و مسائل میں جماعت اسلامی کے بارے میں یہ تاثر اور تصور دینے کی کوشش کی ہے کہ دوسری جماعتوں کی سعی اور جدوجہد کا کریڈٹ بھی خود ہی لینا چاہتی ہے اس کے بہت کچھ لفظ و نظم میں اور اپنے نفوذ و اثر کے بارے میں بالآخر آمیزا لے رکھتی ہے ہم ان اعترافات کے ہر جہز پر تفصیل سے بحث کریں گے تو بات بہت لہجہ اور یہ تنقید خاصی ضروری ہو جائے گی، ہم اس سلسلہ میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں اسلام اور جمہوریت کے قیام کی روح و معانی جماعت اسلامی ہی ہے، دوسرے افراد اور جماعتوں کی مساعی بھی اپنی جگہ ثابت و مستحکم ہیں، مگر جماعت اسلامی کا حصہ اس عظیم ہم میں سب سے بڑھ کر ہے کہ اس کے اندر ملک کے دانشور و دانشور کا خاصہ بڑا طبقہ یہ محسوس کرتا ہے... کہ جماعت اسلامی، پاکستان میں اقامت دین کی اصل داعی ہے، اور اس حقیقت سے کوئی منصف مزاج شخص انکار نہیں کر سکتا کہ آج کی اسلامی دنیا میں ہر طرف سے یہ جو غلو بلند ہو رہا ہے کہ اسلام ایک مذہب نہیں بلکہ ایک مکمل دستور حیات ہے، جس سے زندگی کے کسی گوشہ اور شعبہ کو مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام کے اس جھوٹے بولے نہیں کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اُمت کو کیا دولا یا ہے ایمان کے صریح غاص کی بازگشت علم و فضل کے ایوانوں اور دانشوروں سے آ رہی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو کاش! اس انداز پر سوچئے کہ بھی لائق نصیب ہوتی ہے کہ خود وہ ان کے رفقاء اور تبلیغی جماعت کے حضرات راہنگی رکھتے ہیں، جس طرح صوم و صلوة اور دوسرے فرائض و سنن کی پابندی کہتے ہیں اور ہاتھوں سے منسجبت رہتے ہیں اسی طرح جماعت اسلامی کے ارکان بھی دینی احکام کو بجالاتے ہیں اور مشکلات میں مبتلا نہیں ہیں، اسلحا و صما صہب فی العمل اور کسی فرقہ کا حصن و دھن کی مانند بجالانا، تو اس کی کوئی حدود و پابندی نہیں، اور کوئی شخص اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے دینی فریضہ کی ادائیگی کا اہل حق ادا کر دیا کہ اس میں صحت و خوبی اور کمال کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کبھی دلت گزارا نہ ہو سکتا ہے، مگر لفظ پرستہ و وحی و احکام سے یہ الفاظ سننے لگتے۔

”ما عبدناک حتی صبا و تلاف“

دلوں کا حال قرآنہ ہی بہتر جانتا ہے، وہ شخص نماز پڑھ رہے ہیں اور نماز ہی انسان کو مسکن کے مطابق ادا کر دیتا ہے۔ اس کا فیصلہ ان کے اندر ہی ہے، ان کے دل میں ان کے لیے کئی کئی باتیں ہوتی ہیں، اس طرح ان کا اعتقاد دینی نقطہ نظر سے پسند نہیں ہے، ان اس شخص کو غیر مخلص اور منافق کہا جائے گا، جو ایک طرف نماز بھی پڑھتا ہے اور دوسری طرف منکر و فحش میں مبتلا ہے۔

جماعت اسلامی دلوں نے بطور بھی لگا لیا ہے، پریس کانفرنسیں بھی کی ہیں اور انتخابات بھی لڑے ہیں۔ مگر ان تمام مصروفیات میں وہ نماز سے غافل نہیں ہے، ڈاکٹر صاحب یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسلمان کے بعد جماعت اسلامی خدائے سنہ کی دین کی منکر ہو گئی ہے یا جماعت کے ارکان نماز سے بے پروا ہو گئے یا رسول اللہ ﷺ کے لئے رخصتیں ڈھونڈتے ہیں۔ اعلان کے اندر حصول و عوام کی تیز فہمی ہے! ایسی کوئی گونا گویا اور غفلت ارکان جماعت میں نہیں پائی جاتی، اگر ہوتی تو ڈاکٹر صاحب اپنی اس کتاب میں اس کی نشان دہی لازماً فرماتے اور اس کا ذکر ضرور کرتے! جماعت اسلامی کے ارکان اور معروف دینداروں اور علماء کی زندگی قریب قریب ایسی جیسی ہے، اس زندگی پر مبنی بات ان کے یہاں نیا وہ ہے کہ وہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لئے سیاست و حکومت کے مسائل سے بھی سروکار رکھتے ہیں! ادیبہ املا لیسے نہیں ہیں، مگر پڑھنا سیکھنا چاہئے، بادشاہوں، مطلق العنان حاکموں اور ارباب جاہ و دولت نے سیاست و حکومت کے معاملات کو بہت کچھ گڑبڑ اور بے نام کر دیا ہے، مگر اقامت دین کے لئے ان شعبوں سے بہت کچھ کام لیا جاسکتا ہے اور خداوند تعالیٰ کی حکمت کے بغیر جاری ہو رہی نہیں کئے! اگر حکومت کو قیام دینا یا لایعنی بات یا دینی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا سبب ہو تو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس سے احتیاج فرماتے، حالانکہ یہ بات چوتھی ہوتی دھوپ سے بھی نیا وہ روشن اور واضح ہے کہ حضور نے اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالی، اس مقدس کام کو مکمل تک پہنچایا اور خلافت راشدہ کا پرچار دیا، اس کا پیغام و ترجمہ ہے! دین کو پھر اس زمانہ میں عروج کبھی نصیب نہیں ہوا اس کا سبب غلطی و صداقت اور اہمیت کے علاوہ حکومت کے تسلیہ زندگی کے ان شعبوں پر قبضہ و اختیار ہے، جن سے صرف قائم ہوتا ہے اور مشکلات پر پابندی لگائی جاتی ہیں۔

جماعت اسلامی نے ملک میں دینی انقلاب لانے کے لئے ہر امکان کی جدوجہد کی ہے! اسمبلیوں کا انتخاب، کس قدر نئی سیاست ہے، مگر جماعت نے اس کی تعبیر کی، اس نے دنیا کو دکھا دیا کہ دل میں خوف خدا اور نیت نیک ہو، تو پھر انتخابات کو کیا کڑوا بنا یا جاسکتا ہے! جماعت کو اگر صحیح اطلاع ملی ہے کہ جماعت کے کسی کارکن یا مستحق نے انتخابات میں کوئی بے عزت نامی کی ہے تو اس پر سخت سزا دی جی احتساب کیا ہے، گراہی کے انتخابات میں یہاں کے عوام نے اس حقیقت کا مشاہدہ کیا ہے کہ جماعت نے اپنے امیدوار کی شکست گوارا کر لی ہے، مگر لوگوں و دلوں کی پیشکش کو تسلیم کیا، یہ احتیاط اور اخلاقی پابندیاں، کیا خوف خدا اور خشیت الہی سے نالی ہیں۔

مزدبھوں یا طلباء عوام ہوں یا خواص جو بھی جماعت کے لڑکچہ اور اس کے ارکان سے متاثر ہوا ہے اس کی زندگی میں دینی انقلاب پیدا ہوا ہے، ہم نے بے لالہ اسلام لے کر لے کر جو ان طلباء کو جو جماعت سے متاثر ہیں، رمضان کے مہینہ میں احتکاف کرتے دیکھا ہے، جماعت کا لڑکچہ کر دہ ساری میں اپنی مثال آپ ہے! کتنے علماء کیمرٹ، مغرب زدہ، مذہب بین اور فتن و بدعت کے مارے ہوئے تھے، جن کو جماعت اسلامی کی کتابیں پڑھ کر قلب کی توفیق نصیب ہوئی اور ان کی تاریک زندگیوں میں ایمان و اخلاق سے روشنی ہو گئی۔

جماعت کے شعبہ خدمت خلق نے لاکھوں مریضوں اور بیماروں اور مسکینوں کی خدمت کی ہے! جماعت اسلامی کے جیسوں میں جیہ سلیف اور خوش انتظامی پائی جاتی ہے وہ مغرب زدوں کی اس طنز کا بھر پور جواب ہے کہ دیندار لوگ بے سلیف ہوتے ہیں۔ اس کی تعلیم کو نہیں جدا کیے!

جماعت اسلامی کے ارکان کی قربانی اور استقامت کی شہادت پاکستان کے محل خانے دیں گے، ان خیر پسند لوگوں نے مصائب و مشکلات

کا مقابلہ میں مہر و محمل کے ساتھ کیا ہے وہ کسی قدر ایمان افروز اور حجت آئندہ ہے اس لئے میں جماعت اسلامی کا جو سالانہ اجلاس لاہور میں ہوا تھا اسی میں تنقید و تثنیٰ زنی اور بحث و مباحثہ کا وقت پیش آئے تھے، اُس وقت جماعت نے جس اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کیا تھا، اس نے پاکستان کی تاریخ میں ندینِ اہل حق کا اضافہ کیا ہے اور دنیا کے سامنے ایک ایسی مثال قائم کی ہے جو ہر جہت سے غیر معمولی اور عظیم ہے۔

دستور سازی ہو، عائلی قوانین ہوں، فیملی پلاننگ ہوں، فتنہ انگارہ حدیث ہو، کیونرزم، مغرب زدگی، وطن پرستی اور شرک و بدعات ہوں، غرض ہر جہاں پر جماعت اسلامی کے اکابر اہل علم اور بااقتدار نے نظر پڑا ہے !
دین کے خلاف جب بھی پاکستان میں کوئی فتنہ اٹھتا ہے، جماعت اسلامی اس کے خلاف آواز اٹھانے میں، ملک کی تمام پارٹیز اور گروہوں کے آگے رہتی ہے۔ اور فعال تر نظر آتی ہے۔ اُس کے موقف پر یہ خرم صادق آتا ہے۔

آگئے تھے بھیلوں کی زوہیں سب اہل چمن

میں نے اپنے آشیانے کو مقابل کر لیا

جرت ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو مولانا مروتوی کی تحسیریوں میں لفظی تضاد نظر آگیا مگر جماعت اسلامی کی اتنی نمایاں خوبیاں اور روشن اچھائیاں دکھائی نہ دیں ! جب کسی فرد اور جماعت سے کسی کرکد ہو جاتی ہے، تو پھر دل و نگاہ عیب جو اور عیب میں ہو جاتے ہیں ! محاسن اور خوبیاں سے صرف نظر نہ کرنا میل کی تلاش و جستجو !

۱۹۹۷ء تک جماعت اسلامی کا متحدہ ہندوستان میں جو دینی رول رہا ہے، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اُس کے بہت مداح ہیں، انہیں شکایت پاکستان کی جماعت اسلامی سے ہے کہ وہ اپنی بنیادی پالیسی سے ہٹ گئی ہے ! حالانکہ جماعت اسلامی جس مقصد کے لئے وجود میں آئی تھی، وہی مقصد اب بھی جماعت کے فکر و عمل کا محور ہے ! ڈاکٹر صاحب کو خدا کا واسطہ دے کر ہم عرض کرتے ہیں ! وہ بتائیں۔ کہ جماعت اسلامی نے تقسیم ہند کے بعد انخوری کس دینی قریب کو بدل دیا ہے اور کس سکر میں مبتلا ہو گئی ہے، ہمارا یقین ہے کہ وہ کسی ایسی بڑائی، غلط کاری اور بے عزتائی کی نشاندہی نہیں کر سکتے ! اب رہا "انتخابات" اور دوسرے سیاسی مسائل سے جماعت کا عملی تعلق قرآن و حدیث کی حیثیت اہل مقصد کی نہیں، تبصرہ اندہ فیصلہ کی ہے ! جماعت نے یہ نتائج اور تدبیریں اقامت دین ہی کے کیلئے اختیار کی ہیں، اُس سے تبصرہ اندہ انما ذی کے غلط ہو سکتی ہے، مگر اُس سے کوئی ایسی غلطی سزا نہیں ہوتی، جس نے جانثاروں میں مگر اہم پھیل گئی ہو یا اُس کے سبب ذہن و فکر کسی بے دینی اور فضائل کے عقیدہ سے پرہیز ہو گئے ہوں صدیقی انتخابات کے سلسلہ میں جماعت نے "اہل البیتین" کے اصولی کے تحت "محنت" کی حمایت کی تھی، اور دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ ناگزیر حالات کے تحت اس نا پسندیدہ صورت کو گوارا کیا گیا ہے، اسلامی حکومت کا سربراہ مروتوی کو ہونا چاہئے !

پاکستان کے ٹہروں، قہروں اور سبوروں میں اس حقیقت کا واضح طور پر شہادہ کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ جماعت سے متاثر ہیں وہ دینی شعرا اور اسلامی کردار کے حامل ہیں۔ جماعت سے قربت و نزدیکی، آدمی کو دین سے قریب کرتی ہے ! ضعف و ایمان و عمل کے اس دور میں جو ملک اسلامی حقیقت میں دین و اخلاق کا روشن مینار ہے ! جو لوگ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ "یہ روشنی" کسی طرح "اندھیرا" ثابت ہو جائے وہ دین و اخلاق کی کوئی مفید خدمت انجام نہیں دے سکتے ہیں !

مولانا مروتوی کا بڑے سے بڑا مخالف بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ دین و اخلاق کی کس نئی میں مولانا مروتوی کا اسلوب نگارش اور سنجیدہ استدلال انتہائی دلکش اور فہم دہ کا سا خشک اور معمر حاضر کے دل و دماغ کو مطمئن کر رہا ہے۔

— مگر دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ جس عظیم مفکر اور دانش پرور کی تخت یوں سے تبلیغ دین میں بہت مفید کام لیا جاسکتا تھا، اس کو جان کر نقصان اٹا اور DIS - CASE دیتا کیا جا رہا ہے جیسے مولانا مودودی کے معاملہ میں اس بات پر ان حضرات نے ایسا کر لیا ہوگا کہ اپنے رب کی خاطر، اور کتا بوں میں مودودی صاحب کی تحسید کا کوئی اقتباس نہ آئے دیں گے، مولانا علی میاں کے "البحث الاسلامی" سے لے کر ان کے "النبی" اور اسلام کے معنی "ملک میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی قیدیوں سے یہی سوچ کیا جا رہا ہے — جب اپنے دہرے کے دنیا کو "غریب" کی یہ صورت پیدا ہو جائے، تو پھر گزراں پھر دسرا ڈاکٹر اسرار احمد بھی اس گدہ سے نفقہ نکھتے ہیں، اس گدہ میں بعد ازیں حضرات بھی ہیں جن کے دل کی ریت بڑی لیکن جماعت اور مولانا مودودی گدہ جیاں میں نہ کر رہتی ہے اور جماعت کی مخالفت کو جنہوں نے اپنا شن بنایا ہے، جماعت کی ترقی کی خبر سے جن کو تکلیف اور جماعت کی پریشانی اور مصیبت کی اطلاع سے جن کو فحش ہوتی ہے۔

جماعت اسلامی کا لٹریچر پڑھ کر جو لوہان دین سے قریب ہو سکتے ہیں ڈاکٹر اسرار احمد کی یہ کتاب ان کو کی جگہ ہے تذبذب میں مبتلا کر دے اور جو ان دین سے قریب ہو سکتے تھے وہ دین کی طرف آنے سے ترک جائیں — یہ کارنامہ یہ کتاب انجام دے گی، جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر قصر وایمان کے علاوہ بعض دینی حقوق سے جو بے بنیاد الزام تراشی کئے ہیں اور جس جس عنوان سے بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہے اسے جماعت اور مودودی صاحب کو "مظلوم" بنا دیا ہے، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی یہ کتاب اس مظلومیت میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہی کر کے رہے گی۔

صبح الہام

۱۔ خیام الامین سید جمال الدین حیدر دہلوی — مرتب — آئندہ دہلوی، ضخامت ۸۰ صفحات قیمت چار روپے کچھ اس پیسے (علاقہ محمولہ ٹاک) ملنے کا پتہ — مکتبہ حیدری ۵ - ای ۱۲۲ ناظم آباد کراچی

حضرت حیدر دہلوی (۱۹۰۹ء - ۱۹۵۰ء) کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے انھیں ہند سے پہلے ہی موصوف ہندوستان غیر شہرت رکھتے تھے، اور اپنی مفکرانہ اور حکمت سے بلرزدہ باعمران کے سبب خیام الامین کہلاتے تھے، حیدر دہلوی کی ذات شعروادیکامستقل انٹی ٹرین سٹی، سینکڑوں نوجوان شاعروں نے ان سے استفادہ کیا، جن میں منندہ ذیل تلامذہ خاصے حروف ہیں۔

نادر حیدری، حکیم شمع جان کیف دہلوی، حکیم حبیب الشیر دہلوی، انیس جھنگری، آئندہ دہلوی، شہاب دہلوی، کارندہ دہلوی، آئندہ دہلوی، فضل دہلوی، اجروانی، فرید جاوید، رشید اجروانی، بشیر رضوی، ...

یہ بھی واقعہ ہے کہ مولانا سیاب اکبر آبادی کی طرح حیدر دہلوی کی شعری توانائیاں بہت کچھ دوسروں کے کام آئیں، انہماقی زلزلہ گو اساتذہ کے ساتھ اکثر و بیشتر یہی معاملہ پیش آتا ہے، مسخ کی کو بھی تنگی معاش کے سبب اس مرحلہ سے گزرنا پڑا۔

حضرت حیدر دہلوی شعروں کے شاعر تھے، ان کی شہرت رسالوں میں پیچھے ہوئے کلام سے ہوئی، یہ شہرت بہت باعید ہوئی ہے، دہلی میں سرسید رضا علی جیسے اکابر ان سے ملنے کے لئے جایا کرتے تھے، مگر اس کمال فن کے باوجود حیدر صاحب پریشانی مند گری رہے معاشی فراغت انہیں شاید کسی دور میں بھی مہر نہیں آئی — اپنے وطن میں ان کا کیا حال تھا، اس شعر سے ان کی پریشانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے

بہت ہی تنگ ہوں قیدہ لفافے دہلی سے — — — خدا پناہ میں رکھے بس اب یہاں سے مجھے — — — ۱۹۳۷ء میں حیدر دہلوی حیدر آباد پہنچے، وہاں ایک ماہ کے قریب قیام کی مگر ان کی قسمت نے کچھ میں بھی یا دہلی نہ کی — پاکستان بننے کے بعد مشرقی پاکستان چلے گئے، وہاں کئی سال رہنے کے بعد کراچی تشریف لائے۔ دہلیویوں اور ان کے بچوں کا پورا نمبر ساتھ تھا، یہاں کی زندگی پریشانی ہی میں گذری، اپنی لہجہ زندگی کی داستان انہوں نے ایک شعر میں بیان کر دی ہے

مع — ہم نے تمام عمر کاوش میں کی بس کہ کم ظرف تھے جو دامن ساحل میں آ گئے۔

حیدر دہلوی کے کام میں بڑی زندگی، توانائی اور حسادانی باقی جاتی ہے جس اعتماد کے ساتھ فرماتے ہیں —

ابھی، اول عرفان ہنر میں بہت ہے حیدر
یکایک ہر بلند آواز پہنچاتی نہیں جہاں

یہ واقعہ ہے کہ ان کی شاعری کی آواز بلند اور بہت بلند ہے، شعر گوئی میں ان کا اپنا خاص رنگ ہے، جس میں انفرادیت بگڑ جگڑ جھکتی ہے ؟
حیدر نے ہمیشہ بلند فضا میں مشق پر ماز کی ہے، ان کے کلام کا مجموعہ ان کے شاعرانہ جذبہ کی قریب سے کرنا ہے، جس پر
ڈاکٹر اسلم فرخی نے دیا ہر لکھا ہے !

منتخب اشعار —

تہا رہی گرمی محض کے رنگ نے اڑ کر
وہ ڈھال کر خراب ذرا مسکرا دئے
یہ سہم غم ہے اس کو بڑا طسرف چاہتے
جس قدر دود کی صورت میں سزا کم ہے
تہا رہی راہ میں مٹ تو رہے ہیں
اندازہ بہار بھی وحشت میں چلتے
جاتے مژدہ وصال دیا
الشدر سے یاد ایک سہا یا جمال کی
چمن میں تو ہے جب تک کوئی غنچہ کھن نہیں ملتا
اس قدر لطیف ہمہ رنگ کہ نیت نہ بھرے
آمشیاں اس شب تاریک میں ملنا مشکل
کبھی صبح کریں گے پھر چار تنکے
حیدر اب تذکرہ شاد بدوش کچھ بھی نہیں
نہ اذون شکرہ نہ تاب نظر، نہ قند و فنا
یہ وقت شام، یہ پیمانہ شراب طلوع
خلافت وقت یہ تشوین آوری کیسی
اک کمن سے دیا ترتیب اجرائے پریشاں کو
یہی ہوتا ہے اشک خوں گرا کرتے ہیں آنکھوں سے
کہیں ہے دام کہیں باغیاں، کہیں حصار
میرے اسلوب بیان کوئی الجھن میں نہیں

کہیں پناہ نہ پائی تو آفتاب بنا
لوا دھبھی نکھار دیا رنگ جہاں کا
لاکھوں میں کوئی دل نظر آئے گا کام کا
واقعی ہے ادبی کی کہ ترانہ نام لیا
غربت زندگی میں اندھم کیا
کتے ہیں چاک میرے گریباں میں دیکھنا
ٹائے کیا بات کہہ کے ٹال دیا
صورت بھی اپنی بھولی ہیں میں نام کیا
تری موجودگی میں کس کو دلوئی لب کشی کا
ایک ہی جلوہ اگر کیجئے سوار طلب
ہاں! اگر برق چمک جلتے گھستال کے قریب
اگر ہم سلامت نشیمن سلامت
کیا فرشتوں کے فرائض بھی ہاں لوں پر
یہی ہے بندہ نوازی تو وہ بندہ نواز
اک آفتاب غروب، ایک آفتاب طلوع
طلوع صبح سے پہلے ہی آفتاب طلوع
اک ہوتے ہوئی آخر تکین بشر پر ہم
شب غم اند کیا تارے لک کے تھکاتے ہیں
فقس کی طرح مقید ہوں آمشیاں میں
بھولی ہی بھولی ہیں کانٹے مرد میں نہیں

سہ اس شعر نے ناری کا ایک شعر یاد دلایا —

در حیرت تم کہ صبح دید آفتاب نیت

یاد ہم بہ خانہ آمد و جہاں شراب نیت

کوئی دیکھے تو یہ سمجھ میں نہیں
ایک ناموس محبت کا اگر پاس نہ ہو
مبادا ہم سے کوئی لغزش ستانہ ہو جائے
کیفیت دل وہ ہے جو دیکھی نہ شنی تھی
بس مستقل عزم پر دانا ہے

نفس پھر بھی آمادہ شک رہی ہے
اُڑا ہوں میں جہاں تک طاقت پہنچے
اُس کا کیا انجام ہو گا جس کا یہ آغاز ہے
نکسے گردش بھی چین میں میرے مقدس
سو طرح سے یاد ہے اک تیری انگڑائی مجھے
پھر نہ اس طرف کے پیہر کبھی انساں ہوں گے
وہ سستی رنگیں مرے سفر سے اڑی ہے
جب دیکھے ہونٹوں پہ منہسی آتی ہوئی ہے
بہلا کر چلی جاتی ہے دیوانہ کی نہیں جاتی
کہیں دن گزارا، کہیں رات کاٹی
شب جبر کاٹی کہ برسات کاٹی

”فیروز شاہ“ جس نظم کا عنوان ہے اس کا یہ آخری شعر کس قدر اثر آفرین ہے۔

شیراز اپنی نصرت کے خلاف

تجھ پہ بحسین دستاقل بھی معاف

اب کے اس دھنگ سے ترتیب دے ہیں تنکے
لاکھ اسباب کو سیکر دل جینے کے اصول
حرم کے طرف پراس دھجرت بھی نہیں ابھی
کچھ اندھی آثار نظر آتے ہیں اب کے
بہت روز گلشن نفسی رہی

ہزار اُن کے جسوروں سے چٹمک رہی ہے
پھر بھی چٹمکا رہا نہیں غوثا سیری سے مجھے
میتے ہی نظریں لوں پر کچھ کے دم آنے لگا
میں واماندہ توش دوست کے بھی اب نہیں قابل
مروجے، محراب کعبہ، ماو فو، فوس، قزوح
ختم کر ہم یہ ہی ایک ایک بلا سے شب بھر
تو بیا بے کہتی ہے ہسار گل و لالہ
وہ سخن شگفتہ ہے بہ ہر حال شگفتہ
چمن والوں سے مجھ کو انشیں کی بربد باش بھی
یہ کیا زندگی ہے کہ تیری طلب میں
تصور میں کیسو تھے، آنکھوں میں آنسو

نام تمام غزلوں کے منتخب اشعار ۱۔

کچھ دیر تصور بھی اے چشم پر آب اُن کا
چاہہ گر خیر تو ہے کچھ تو بتا دیکھا
ملاک غرض و کس کی طہا میں تمام پیتے ہیں
یہی اک لفظ ہے عنوان بھی، افسانہ بھی
زندگی ہے تو آسرا بھی ہے
پس ادھر آئے اور ادھر گئے
اب عشق و وف کا کوئی مفہم نہیں ہے

یہ اشک بدامانی ہر وقت نہیں ابھی
نبھن پر ہاتھ نظر سوتے نکم ہر بہ لب
جاوہری میں گروں تیرے سے آٹام لیتے ہیں
لوح نظرت پہ تجب چڑ ہے ”دیوانہ“ بھی
تجھ سے بالوں کس طرح ہوجاؤں
چلتے بادل تھے، دن جوئی
پہلے ہی وہ لفظ تھے دنیا کی حکایت

دوسرا رخ ۱۔

طبع خاموش رہی اندر نرم نشاط

”خاک میں پر لانا ملا۔ یہ ٹکڑا اس شعر میں گمزد ہے، ”پر لانا خاک ہو گیا۔ یہاں اس مفہوم کی ترجمانی کا عمل تھا۔

کہوں نہ وہ غیرتِ خورشیدِ نمایاں ہوتا
مجھ کے مشورے سے چاکِ گریباں ہوتا

مجھ کے مشورے نے شعرِیں ابھار دیے گریباں
نفسِکی پیدا ہو جاتی۔

ممكن ہے یہ کتابت کی قطعی ہر کہ معشر کی بجائے عیش و محبہ گیا ۱

منظر عام سے جب وہ کسی صفت نہ پٹے چارونا چارنا نہیں حسن پہ مسرور کیا
اس شعر میں "اہام" کے سما کیا رکھا ہے !

شب میں بچ نیک اس طرح گھٹناں میں رہا آنکھ غنچوں پہ رہی، ہاتھ گریباں میں رہا (ص ۵۵)
شب کی جگہ خام لائے تو شعر دیا وہ صحت ہو جاتا، پھر اس شعر میں وصفت کی جس کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے، وہ "فطری" سے زیادہ "معنوی" معلوم ہوتی ہے۔

یہ بیان ستم سے آج تراک و مقابل ٹوٹ گیا دل ٹوٹنے ہی کے قابل تھا اچھا ہی ہر اول ٹوٹ گیا (ص ۵۶)
"تراک و مقابل ٹوٹ گیا" یہ ٹکڑا بہت کڑوا ہے! پھر یہ کیا کوئی سلسلہ ہے کہ دل "محبوب کا مقابل ہوتا ہے، ایسے صورتوں پر آئینہ دلی" لائے تو بات بنتی !

مرہ دے جائے شاید نامشندان محبت کو کوئی چلتا ہوا فقرہ بھی افسانے میں رکھ دینا (ص ۶۲)
یعنی ایک آدھ چلتے ہوئے فقرے کے علاوہ باقی افسانہ کو "سپاٹ" اور "بے مرہ" ہی رہنے دینا —!! جناب سیما ب اکبر آبادی کی شہید غزل پر حیدر دہری نے یہ غزل کہی ہے۔ یہاں اب فرماتے ہیں ا۔
وہ جس سے سمجھ جائیں رُوداد مرے غم کی
ایسا بھی کوئی ٹکڑا افسانے میں رکھ دینا

یہ قرینہ اور لطف کی بات ہوتی !

اک شعر مشتعل جو سب کو ہر طور تھا وہ تو نہیں تھا، تیرا نزولِ عشرہ تھا (ص ۶۷)
"عشرہ ثانی و جہان کے لئے تکلیف دہ !

دیکھ چکا، سمجھ چکا دونوں میں بد معاملہ تیرا نا ادا فریب میری نظر نظر حجاب (ص ۶۹)
"بد معاملہ" تو تجارت اور لین دین کی اصطلاح ہے، یا اس صفت میں اس کا استعمال پس منہ ہونا کہ محبوب کے وعدے و وعید اور عاشق کے بھید و نا کارنگہ آتا —!!

حلقہ جگیش اُس آنکھ کے مومن بھی گبر بھی دستِ مرہ میں قسمت دینا وہیں ہے آج (ص ۸۱)
"دستِ مرہ" کی ترکیب جلی نہیں لگتی۔ پھر جب "مومن و گبر" لائے تھے تو "کفر و دین" کہنا تھا۔
نہیں بھر بھی لوثِ تجسس میں مٹ گیا اور دھر کے پاک ہو گئی چشم پر آب آج
مصرعہ اولیٰ !؟ و جہانِ نسکے کے رہ گیا۔

تمہاری انگڑائی کا یہ عالم فدا تم اپنی نظر سے دیکھو

(ص ۸۶)

چمن میں سورج شمیم صدمتے تو چرخ پر کہکشاں تصدق
"انگڑائی" کے مقابل میں "سورج شمیم" کی بجائے "شاخ گل" لانا تھا، اور "کہکشاں" کی جگہ "توس قزح"۔ "کہکشاں انگڑائی" کی صفت "فوشتر" اور "توس قزح" کے علاوہ وہ ہنیت ہو سکتی ہے جو توس قزح اور شاخ گل کی جگہ میں پائی جاتی ہے۔ تشبیہ میں "دھڑبڑ" کی مناسبت ضروری ہے !

صدمات سے دل، نالوں سے اثر برہم کچھ عشق اور ہر ہم، کچھ حسن اور ہر ہم (ص ۱۱۰)

”صدعہ کی جگہ ”صدعات“ درست ہے مگر یہ بول چال کی زبان نہیں ہے اور شعر میں بھی اس طرح ”صدعات“ بھلا نہیں لگتا۔
 ”صدعوں سے ہے دل نالاں“

ہو سکتا تھا۔

تیا مت بن گئیں اگلا انیاں عہدِ جوانی کی
 نصرتِ حسانی جیدہ دہلوی جیسے شائقِ شاعر کو کبھی طرح زیب نہیں دیتا۔
 (ص ۱۱۹)

وہ اس ادا سے تباہی پہ دل کی خوشی میں چُوب
 کہ جسے دل کوئی پہلو میں اور رکھتا ہوں (ص ۱۳۱)
 شعر میں ابنِ اسلبان کی کوئی غلطی نہیں، مگر مفہوم اور پھر وہ جسے ”لطفِ شاعری“ کہتے ہیں.....؟!

مترن بھی گلِ نارس بھی بھلا ربِ راحت کا
 کہ شب کو آنکھ کھولے، صبح کو افسانہ ہو جائے (ص ۱۳۸)
 ”بھلا ربِ راحت“ یہ الفاظ وجدان کو کھٹکتے ہیں، اول تو ”بھلا“ اس شعر میں نہیں آنا چاہئے پھر ”ربِ راحت“ کی بجائے ”موتِ درایت“ یا
 ”نارِ بقاء“ اور ”ہستی و نیستی“ جیسے الفاظ لانے چاہئے تھے!

کوئی شغف کوئی نارس قمرِ سجھتا ہے
 نری طرف سے جو موج صبا لگتی ہے (ص ۱۶۱)
 شغفِ اسلوبِ قنجد یعنی رنگ و نور سے ”موج صبا“ کو کیا نسبت، خوشنود اور اندازِ خرام کا ذکر کرنا تھا۔

احاس انہیں آئندہ ملاقات کا کب ہے
 یہ بات لوگٹ جائے گی اس بات کا کب ہے (ص ۱۶۵)
 ”احاس“ کے معنی اس سے شخص میں آخِ ک فائدہ اٹھایا گیا ہے، اور کس مفہوم کی ترجمانی کی گئی ہے۔

کیوں نرسِ خمیر سے ڈھل رہے ہو
 غلطیہ ابھی گیسوئے شب تا بہ کمر ہے (ص ۱۶۸)
 شرابِ قنات ہی میں عام طور پر پی جاتی ہے اس صورت میں بات کے وقت نرسِ خمیر سے ڈھالنے میں آخِ ک قنات ہے!

تو طہ کا بھسٹا ہوا شعلہ دمِ رفتار
 لہرائی ہوئی برقِ تری ناگزیر ہے (ص ۱۶۸)
 ”تو طہ“ پڑھتے ہیں زبانِ متاخر ”ساحس“ کرتی ہے! پھر محبوب کی رفتار کو شعلہ طور سے تشبیہ دینا بھی تکلف سے خالی نہیں!

ہر نفسا میں سے رہا ہے کروٹیںِ حقانیت
 ہر طرف بکھرا ہوا شیبہ اڑا منصرف ہے (ص ۱۷۲)
 ”شیبہ اڑا منصرف“ کی ترکیب کتنی ناگوار ہے! شعر میں مجرعی طور پر بھی دعائی اور پختگی کی خامی کئی محسوس ہوتی ہے۔

آپ کے نقشِ قدم پہ ہاتھ پڑ کر رہ گیا
 اے دریا! دستِ دامنِ گیر میں بھی خاک ہے (ص ۳۱)
 ”دستِ دامنِ گیر“ سے اس شعر میں کس مفہوم کو ادا کیا گیا ہے! کیا ”نقشِ قدم“ کے دامن بھی ہوتا ہے؟! پھر محبوب کے نقشِ قدم کی ”خاک“ کا
 اس صرحد میں ذکر بڑے الفاظ میں کیا گیا ہے! حالانکہ محبوب کے قدم یا نقشِ قدم کی خاک کا ل جانا بہت بڑی بات ہے۔

وہ ستم کیا، جو توجہ سے نہ پرسد آئے
 وہ لظہر کیا جو غلط انداز ہو کر رہ گئی (ص ۲۰۷)
 ”پرسد آئے“ سے نہ جانے کیا مراد ہے! اور اس زبان کا اب کہاں چلن ہے؟

حریفِ تسکین و مستقر مول، بلند یوں سے بلند تر ہوں

میں آج کل جس مقام پر ہوں، فردیتِ بال و پر نہیں ہے

”حریفِ مستقر“ کی تہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ میزِ اب کوئی خاص ”مستقر“ یعنی نشیمن اور مقام پر دواز نہیں ہے مگر ”حریفِ تسکین“ کی ترکیب سمجھ
 میں نہیں آتی! پھر ”فردیتِ بال و پر“ کی جگہ ”فردیتِ پر دواز“ کہنا تھا، یعنی میں اب اس بلندی پر دواز ہوں کہ پر دواز کے لئے کسی مزید بلندی کی
 ضرورت ہی باقی نہیں رہی!

عقیدہ یہ قدم اندھ اُنٹیں جانب نہیں
 دسی "ناید ہے انداس کا سبب مدلیت کی پابندی اندھجوری ہے۔ (ص ۲۲۳)

لب نہ نرنا اگر نے نہیں ہے
 تو پھر ضابطے میں کوئی لے نہیں ہے (ص ۲۲۴)

پس صحرانوردی ہڈیوں کا ڈھیر ہیں عقیدہ
 کہ میدا ہو گیا تھا جامہ ہستی آتا آئے (ص ۲۲۵)

اشجار سجده ریز صمد کے حضور میں
 ٹانوں کی نوا میں خوشبو کا ہونا عجیب و غریب مشاہدہ اور تجربہ ہے
 (ص ۲۲۶)

دنیا کے دول ہے دولت دیں سے اُٹی ہوئی
 بالکل پستیوں کی نفث تیں پٹی ہوئی
 (ص ۲۲۷)

تیسرا مصرعہ تو خاصہ ہے، باقی تینوں مصرعے کمزور ہیں، جن سے شاعر کی "نظم گوئی" کا کوئی اچھا تعارف نہیں ہوتا۔ مصرعہ اولیٰ میں زبان کی غلطی ہے۔ اٹنا، اگر دو غبار کے سے بڑھتے ہیں۔ دولت کیسا فقہ پٹی ہوئی "آنا چاہئے تھا، مصرعہ ثانی میں "نفث تیں" صحیح ہے اس لئے "پٹی ہوئی" محض غلط ہے! تیسرا مصرعہ زرا بچکانہ ہے!

اس طرح اندازہ ہے نانی کا پیچہ چاہیئے
 "دستِ مرثہ" کا مصرعہ نام ہونا۔ بس کوئی کہے بھی لڑکیا کہے! (ص ۲۲۸)

آج بھی ہے پیرہ شہ تاب ہندیں نقاب
 عوٹید ہو گیا انگشت احمد کا عتاب
 (ص ۲۲۹)

انگشت احمد کے عتاب سے شاید "معجزہ شوقِ انقر" مراد ہے۔ مگر یہ پیرایہ بیان کیا ہے!
 غالب پر جو نظم ہے اس کا ایک شعر ہے۔ (ص ۲۳۰)

تیرے اندازِ بیاں نے کھوئی رسمِ ابتذال
 رسمِ ابتذال کو ختم کر دیا، یا اس کا استیصال کر دیا۔ اس طرح اظہار خیال کرنا تھا، "کھوئی رسمِ ابتذال" یہ کہاں کی زبان ہے! پھر دوسرے مصرعہ میں "ملاں" "نیا دہ" ہے، "گرد" کہہ کر بات پوری ہو جاتی ہے۔

نثر میں بھی نظم میں بھی داد کا طالب ہے تو
 دونوں عنوان میں بہ یک نوبت تسلیم غالب ہے تو
 یہ کیا شہری ہے!!

مستجاب ملک دولت تیری ہر تعزین ہے
 بیش قیمت، بے بدل، مستثنیٰ تعزین ہے
 یہ نظم ڈیڑھ لکھ کی مدح میں ہے، "مقبول" نثر میں نہ اسکا "مستجاب" باندھ دیا، مستجاب "دعا" کے ساتھ استعمال ہوتا ہے
 (ص ۲۳۱)

"مستجاب الدعوتہ" مشہور معروف ترکیب ہے۔
 تو مقصود نہیں تھا ناثر و شاعر بھی تھا
 مرتبہ عالی ترا باطن بھی تھا، ظاہر بھی تھا
 یہ نظم عقیدہ دہری مروجہ کی روشنی کے زمانہ کی کچی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ دوسرا مصرعہ کس قدر کمزور ہے۔

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھاپیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا ————— کورا اور وہلاٹھا

لوم

ہر قسم کا دھاگا تیار ہوتا ہے

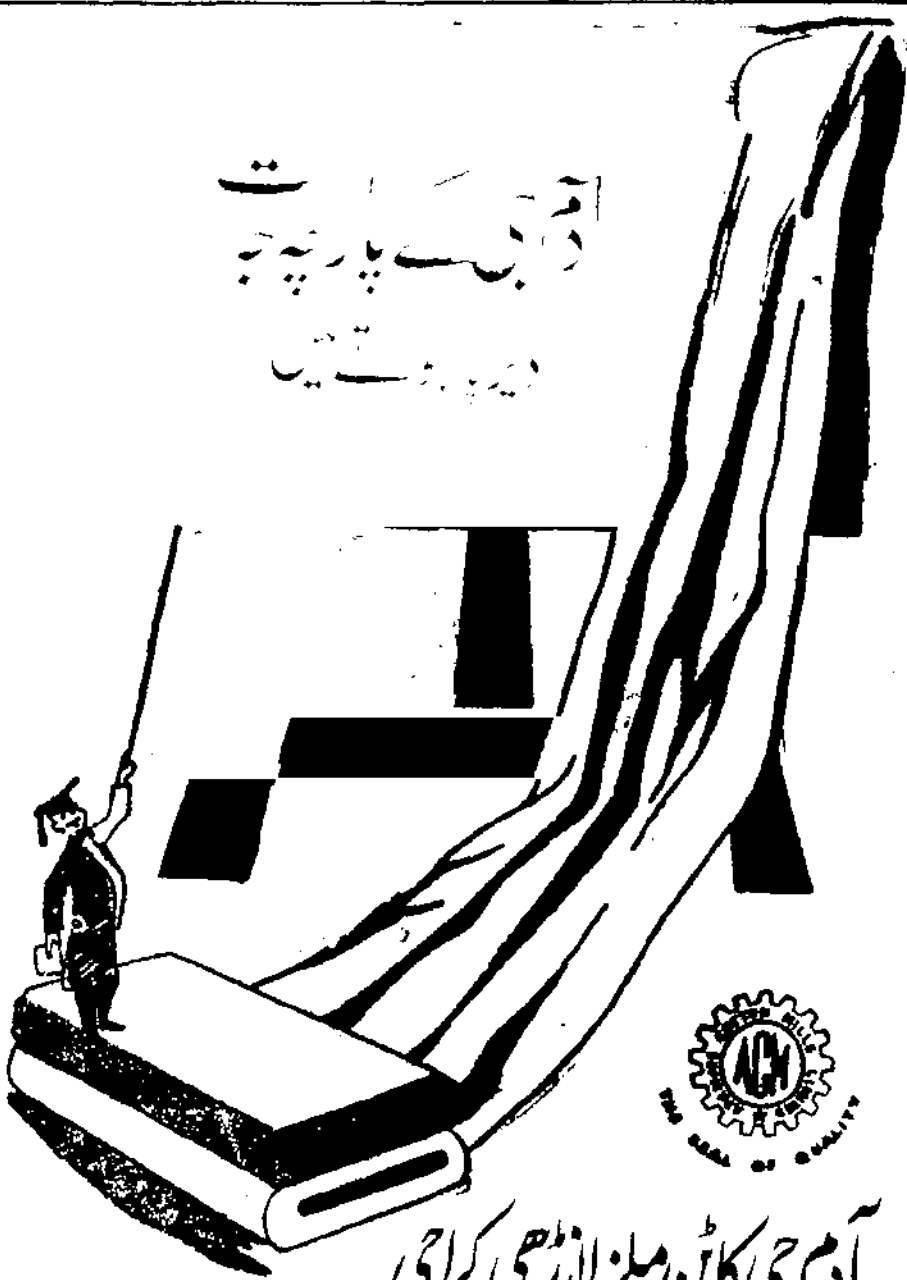
بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے

پاکستان کی صنعت کی قدر اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

آدم جی کاٹن ملز پریچر ڈیزائن



آدم جی کاٹن ملز لائڈس کراچی

فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی



اور قبض سے
نجات کے لئے اب اسٹریپ پیکنگ میں

صافی قبض کشا قرص

”صافی قبض کشا قرص“ مشہور خون صاف کرنے کی قدرتی دوا

صافی سے تیار کئے جاتے ہیں۔

صافی کے یہ قرص نہایت احتیاط و نرمی سے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچائے
قبض رفع کرتے ہیں۔ مزید برآں ان میں تمام مصفی خون صفات بھی موجود ہیں۔

ہر کیسٹ، ڈرگسٹ اور جنرل اسٹور پر دستیاب ہیں۔

بہادر دوا خانہ (دو قفٹ) پاکستان

کراچی - لاہور - ڈھاکہ - پشاور



ستمبر ۱۹۶۶ء

جلد ۱- ۱۸

شمارہ ۴

ماہنامہ قارئین

ماہر القادری

ایڈیٹر



۳
۲۲
۳۸
۴۲
۵۹
۶۰
۶۱

ماہر القادری
محمد نواز ایم اے
مولانا محمد تقی عثمانی
محمد خلیفہ اللہ چلواری
ڈاکٹر انعام احسن
ماہنامہ "ثقافت" لاہور

نقش اول
تحریک جماعتی اسلامی کا ایک تحقیقی جائزہ
دعا کیوں کی جائے
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی روحانیت
تفصیل پر بغزل ماہر القادری
روح انتخاب
ہماری نظریں

قیمت فی پرچہ ۱- ۶۲ پیسے

پبلشر : مسرور حسین

چند سالانہ : سات روپے

مقام اشاعت
دفتر ماہنامہ قارئین
اسٹریٹ گراچی

مسردین پبلشرز انٹرنیشنل پریس کراچی میں چھپا کر دفتر ماہنامہ "قارئین" میں سے سٹریٹ گراچی میں شائع کی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ اول

_____ امام الادین والآخین، افضل المرسلین، خاتم النبیین سیدنا محمد رسولی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ گرامی پر نبوت و رسالت کو ختم کر دیا گیا، اندابِ قیامت تک کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ _____ یہ وہ بنیاد کی عقیدہ ہے جس پر عہد رسالت سے آج تک تمام امت مسلمہ کا متفقہ طور پر اجماع رہا ہے، دین کا یہ وہ اساسی عقیدہ ہے، جن کی نفی "کفر" ہے؛ خلافتِ راشدہ کے عہد میں بن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا، ان سے صحابہ کرام نے نبوت کا ثبوت نہیں مانگا، اہل ان کے دعویٰ نبوت کی نہ اس انداز پر تاویل کی کہ ممکن ہے یہ لوگ بزدلی اور غلیظی نہ ہوں بلکہ اس کے برعکس اور علی الرغم ان کا ذہب مدعیانِ نبوت سے جہاد و قتال کا سلوک کیا، کتاب و سنت کی واضح ہدایت اور صحابہ کرام کے اس اسوہ کو پیش نظر رکھ کر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی سچی انداز بھی بات ہی کہ جو مسلمان کسی مدعی نبوت سے اس کے نیچے ہونے کی دین اور نبوتِ طلب کے لیے توالیا کرنے سے وہ "کافر" ہو جاتا ہے۔ _____ اس گفتگو کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ ختم نبوت کے عقیدہ کا ساتھ "امکانِ نبوت" کا عقیدہ "کفر" ہے، یہ دونوں تضاد ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے کہ کوئی شخص "امکانِ نبوت" کا بھی قائل ہو اور ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہو کہ ختم نبوت کے عقیدہ پر میرا ایمان ہے تو ایسا شخص غریب نفس اور خبیث شیطان میں مبتلا ہے، "امکانِ نبوت" کا عقیدہ رکھنے کے بعد ختم نبوت "کا عقیدہ کہاں باقی رہ سکتا ہے، آگ اندھا کی شاید ایک جگہ جمع ہو جائیں مگر "امکانِ نبوت" اور "ختم نبوت" یہ دونوں عقیدے جمع نہیں ہو سکتے!

قادیانوں کی یہ منطق سونے کی غلط، لہو، جھوٹی، بے اصل بلکہ کفر آمیز منطق ہے کہ وہ مرزا غلام احمد کی نبوت کو بھی ماننے میں اندھان سے یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ "ختم نبوت" پر ہمارا ایمان ہے اور رسولی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "خاتم النبیین" ہیں! یہ نہیں ہے کہ وہ منافستہ طور پر کسی مخالف یا غلط اندیشی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ جان بوجھ کر اس وجہ و غریب اور لغاتی و دور نگاہی سے کام لیتے ہیں۔

لابدہی جماعت کے مشعب دعوت و ارشاد سے "خوات" کا ہمارے یہاں آنا ہو گیا ہے، اس عذاب سے نجات ملی، توفیق و کثرت کے مرکزِ ربوہ سے تین رسالے ہمارے نام بھیجے گئے ہیں۔ _____ ماہنامہ "النصار والذ" ڈائریٹر مسعود احمد دہلوی کے دفتر سے اور ماہنامہ "الفرقان" (ریڈیکل انوار العظا جالندھری) کا ایک پرچہ۔ _____ ان رسالوں کو پڑھ کر جو کثرت ہوتی ہے، اس کا اظہار و نظروں میں کہاں ہو سکتا ہے، غضبِ خدا کا "جہنمِ نبوت" کو صحیح اور حق ثابت کرنے کے لئے کیسے کیسے گمراہ کن نکتے تراشے گئے ہیں اور قرآنِ کریم کی آیاتِ حکم کے مفہوم میں کس بے باکی بلکہ بے شرمی کے ساتھ تحریف کی گئی ہے!

وہ بولائی کے "خاتمان" ہیں جو اداریہ و نقشِ اول، نکتہ قادیانیت کی تردید میں شائع ہوا تھا، ربوہ کے جملہ "الفرقان" ڈاکٹر شمس الدین صاحب ذیل اقتباس کو۔۔۔

_____ "سید المرسلین، خاتم النبیین، آخر الادین والآخین حضرت سیدنا محمد رسولی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالین

اور بد مقابل مدعی نبوت کے لئے اکرام و تعظیم کا کوئی غلط چارہ زبان و قلم سے نہیں نکلی سکتا :

دیکھ گئے کے بعد حسبِ حاجت یہ مطالبہ ایضاً کوشش کی گئی ہے کہ ۔

”یہ بنیادی سراسر جھوٹ پرستی ہے، حضرت مہدی علیہ السلام وفضل کثر کثرتہ باشد ۔
لعنہ اللہ علی الجبّین (کا کچھ بھی دعویٰ ہو، وہ جھوٹا ہی ہے، ایسا ہی ہوں، مہدی ہوں، اگلی نبی ہوں، یہ ہر حال
وہ کسی مرحوم میں بھی ۔ رسولِ کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حریف اور مقابل نہیں بلکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے
غلام، تابع اور خادوم ہیں، حریف اور بد مقابل ہونے کا الزام محض بہتانِ عظیم ہے :“

اس کے بعد مرزا نے قادیان کی کتاب ”حقیقۃ الوحی“ کا ایک اقتباس دیا گیا ہے، جہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور لغت و منقبت سے لبریز ہے ۔
قادیانیوں کے آئین ”الفرقان“ نے ”فان“ کا حقیقی معنی لکھا ہے اور جس الزام کو ”بہتانِ عظیم“ بتایا ہے اس پر ہم ماہِ جون ۱۹۸۷ء کے شمارے میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کر چکے ہیں، اہم نے کسی پر بہتان لکھا ہے اور نہ غلط فہم کا کوئی الزام تراش ہے ۔ ”فان“ کے سرور و نہیں ہزاروں
صفحے اس کی شہادت دیتے ہیں کہ ہم نے آپ کا کبھی بڑے سے بڑے مخالف و معاندین پر بھی کوئی بہت نہیں لگائی اور نہ کسی کو دلیل کے بغیر ملزم ٹھہرایا
ہے، ہم نے جو بات کہی ہے کسی نبوت اور حوالہ کے ساتھ ہی ہے ۔

اول تو ”ظلی اور برہنہ نبی“ کوئی شعریں یا سائنس و طبی اصطلاح نہیں ہے، مرزا غلام احمد کا جہدیت اور مہدویت کے بعد یہ دعویٰ کہ
میں ”ظلی اور برہنہ نبی ہوں“ ذاتِ خاتم النبیین کے مقابل میں ایک عجیب و غریب قسم کی نبوت کا اعلان نہیں کر سکا کیا ہے ؟ یہ گمراہی ”ظلی نبوت“ اور
”برہنہ نبوت“ سے آگے بڑھ کر، نبی کا ذب کے زبان و قلم سے اس حد تک پہنچ جاتی ہے ۔

”چونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نبی بھی، اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے ۔ اس لئے
خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو انداس دیا کہ جو میرے اندر ہو، فک لکھ کر کتب کے نام سے مرسوم کیا ۔“
”حاشیہ اربعین ام صبیحہ معصومہ مرزا غلام احمد قادیانی“

جس ”برہنہ اور ظلی“ نبی کی تعلیم میں امر و نبی بھی ہو، اور اس نے خلیفہ جہاد کی شیعہ کا اعلان کیا ہو ۔
”آج سے الٰہی جہاد جو لوہار سے کیا جاتا تھا، خدا کے حکم کے ساتھ بند کیا گیا ۔“

اب چھوڑ دو جہاد کا اسے دوسرا خیال
دیں گئے حوام ہے اب جنگ اور قتال
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

(اعلان مرزا غلام احمد قادیانی، مندرجہ تیغ رسالت جلد نہم)

ایضہ ”نبی“ ؟ (کونسا صاحبِ نعم نبوت کا حریف اور بد مقابل کہنا الزام و بہتان ہے یا واقعہ کی صحیح ترجیح جاتی ہے ؟
اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر ”جہاد“ کو فرض ٹھہرایا ہے، خود ذاتِ رسالت مآب نے کافروں کے خلاف جہاد کیا ہے، یہاں تک کہ اس
مقدس فرائض کو ادا کرتے ہوئے، حضرت کوزخمس کھائے پڑے ہیں ۔ مگر مرزا غلام احمد قادیانی نے ”جہاد کی تیغ کا اعلان کر دیا اور اسے
”حوام“ ”منکر“ ٹھہرا دیا ؟

پھر یہ شخص اپنے ماننے والوں کو ”میری امت“ کہتا ہے، یعنی امت محمدیہ کے مقابل میں ایک جدید امت کا اعلان ۔
”میری امت کے دو حصے ہوں گے، ایک وہ جو سبکدوشی کا رنگ اختیار کریں گے اور یہ تباہ ہو جائیں گے اور دوسرے
جو جہدیت کا رنگ اختیار کریں گے ۔“
”ارشاد مرزا غلام احمد قادیانی مندرجہ اخبار الفضل ۲۶ جنوری ۱۹۹۶ء“

- چنانچہ وہ مکالمات الہیہ جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی الہیہ۔
 حوالہ دی ارسن رسول ص ۱۰۱ بالحدیثی و دین الحق لیظہر علی الدین کلام و براہین احمدیہ ص ۱۱۱
 اس میں صاف ظہور ہوا ہے کہ رسول کریمؐ کا دایہ ہے..... پھر..... اس کتاب میں اس مکالمہ کے
 قریب یہ بھی الہیہ محمد رسول اللہؐ اشد ارجی الکفار و عمار بینہ و اس دیکھ لیں یہ لوگوں
 محمدؐ کا گیا۔ (ایک غلطی کا ازالہ از مرزا غلام احمد)
 وہ و صایعین عن الموحی ان ہوا لا وہی پڑھا۔ اس سے (مرزا) اپنی طرف سے نہیں بولتا بلکہ
 جو کہ تم ملتے ہو یہ خدا کی وہی ہے (اربعین نمبر ۱ ص ۱۱۱) از مرزا غلام احمد
 اللہ نے مجھ رحمتہ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے، (حقیقت الوحی ص ۱۰۰)
 اللہ نے مجھ کو فرمایا ہے (ضمیمہ انجیل آتم ص ۳۵)

اور

- اس کے دینی نبی کریمؐ کے لئے صرف (چاند گرن کائنات کا ہر جہاں) الہیہ رحمتے چاند اور سورج و دھوپ
 کے (گرن) کا ایک کیا تو انکا نیکہ سے گا۔ (راجا زامری ملک مصنف مرزا غلام احمد قادیانی)
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اس کے تمام احکام کی تکمیل ہوئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت
 میں اس کے ہر ایک پیرو کی اشاعت کی تکمیل ہوئی اور سچ ہو کر دے وقت میں اس کے دعائی نفاذ و اسرار
 کے ظہور کی تکمیل ہوئی۔ (براہین احمدیہ حصہ چہم حاشیہ مرزا غلام احمد قادیانی)
 ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے ہر خیر میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا
 اندوہ زمانہ اس روحانیت کی تکمیل کی انتہا کا تھا، بلکہ اس کے کمالات کے معراج کے لئے پہلا
 قدم تھا، پھر اس روحانیت نے کچھ ہزار کے آخیں یعنی اس وقت کی طرح تجلی فرمائی :-
 و خطبہ الہامیہ ص ۱۰۰ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی
 مرزا نے قادیان کے ان اقتباسات سے کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مرزا کی انصافیت کا پہلو نسیا یاں طہ پر
 سامنے نہیں آتا ؟
 حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی تمام انبیاء کرام کے کمالات و ذوات کی جامع تھی، حضور کے اس شرف کے مقابلہ میں
 مرزا نے قادیان کا دعویٰ ملاحظہ ہو۔

انبیاء گریہ بودہ اند بیسے	من بعرفان نہ کمترم ز کسے
آنچہ دادست ہر نبی را جام	نا قابل جام را مرا بہ تمام
کم نیم زال ہمد بروئے یقین	ہر کہ گوید دعویت ہست لعین

(دوہین ص ۲۸۰-۲۸۸ از مرزا غلام احمد قادیانی)

مرزا غلام احمد قادیانی نے دوسرے انبیاء کرام کی مانند اپنے متفق بہت کا اعلان کیا، الیٰ نبوت کا جس میں امر و نہی بھی پایا جاتا ہے، اس نے فریضہ جہاد کو حرام قرار دیا۔ قرآن کریم میں جو کلمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی ہیں، ان کا مصداق مرزائے قادیان نے اپنی فتنہ کوٹھیر کیا۔ اپنے ماننے والوں کو "میری امت" کہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنی افضلیت کو نمایاں کیا۔ اسلام انبیاء کرام و جن میں حضرت خاتم النبیین بھی بہر حال شامل ہیں (اپنی فتنہ کوٹھیرات کو فضیلت دی۔

آپجہ داد است ہر نری ماہجام
قادیان جام سا مرابہ تمام
ان گزرات کے بعد نئی نبوت کا باقاعدہ اشیائے نبوت قائم ہوتا ہے، جس میں مرزا غلام احمد کو "علیہ السلام" کہا جاتا ہے، اس کے سامنے صحابہ کرام کے توڑ پھڑ رضی اللہ عنہم ہیں اور مرزا کی بیوی ام المومنین ہے، ان مانع اور نمایاں آثار و شہادہ امدادات کی موجودگی میں، مرزا غلام احمد قادیانی کی فتنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حریف اور مد مقابل ہی ٹھہرتی ہے! اس واقعہ کو الزام یا بہتان کہنا، اپنی جگہ خود بہت بڑا بہتان ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی تحسیر یوں کے جو اقتباسات، اوپر دئے گئے ہیں ان کے ہوتے ہوئے مرزا کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور پیغمبر ہوں اور حضرت علی کے واسطے سے مجھے سب کچھ ملا ہے۔ دجل و فریخے سنا لیا کہ ہے! ایسا غلام جو خود "آقا" بن بیٹھا ہو، اور جس نے "آقا بنیت" کے تمام لوازم اپنے سے منسوب کرنے ہوں اس کا ٹھکانہ سے یہ کہے جانا کہ میں تو اپنے آقا کا ادنیٰ غلام اور تابع ہوں اور انہی کے طفیل مجھے یہ منصب و شرف ملا ہے کھلا ہوا غریب ہے!

قادیانیوں کے اس فضائل آمیز مغالطہ کی تعلق کوٹھیر کے لئے ہم ایک سامنے کی مثال یہاں درج کرتے ہیں۔ کسی بادشاہ کی رعایا کا ایک فرد اعلان کرتا ہے کہ میں "بروزی بادشاہ" اور غلطی فرماں روا ہوں، اس کے بعد وہ حکومت کے بعض ٹیکسوں کے منسوخ کئے جانے کا اعلان بھی فرما دیتا ہے، ملک کے ایک مقام میں وہ "بروزی بادشاہ" اپنا دار الخلافہ بھی قائم کر لیتا ہے، اس غلطی بادشاہ کو کچھ ماننے والے بھی میسر آجاتے ہیں جو اس کے نام کے ساتھ "جلالت المملک" لکھتے اور بدلتے ہیں اور اس کی بیوی کو "ملکہ معظمہ" کہتے ہیں، اس بروزی بادشاہ کے بعد یوں کہنا چاہئے صلی بادشاہ کے کچھ عالی مرالی بھی ہیں، جن کو اصلی اور حقیقی بادشاہ کے وزیروں کے توڑ پھڑ عزت و تاب کہا جاتا ہے! ان دعووں کے ساتھ یہ بروزی بادشاہ اصلی بادشاہ کی مدح و ستائش بھی کرتے جانتا ہے کہ میں تو حضرت کا غلام اور تابعدار ہوں، مجھے جو کچھ شرف و عزت ملی ہے وہ سرکار والا تبار کی غلامی اور دنیا زندگی کے طغیانی میں ملی ہے، خداوند نعمت سے اس خاک کو جو نسبت غلامی حاصل ہے، اس نے مجھ کو اس مرتبہ تک پہنچایا ہے۔ انصاف سے بتائیے کہ ایسا باغی اور خود سر فرور عایا جو خود "بادشاہ" بن بیٹھا ہے، اس کو بادشاہ کا غلام اور دنیا زندہ سمجھا جائے گا یا بادشاہ کا حریف اور مد مقابل! اور اس جعلی اور بروزی بادشاہ نے بھی بادشاہ کی جرد مدح سرائی کی ہے وہ نہڑ مٹھکے اور کھلا ہوا مذاق نہیں تو ادا کیا ہے۔ کیا کوئی اصلی بادشاہ اپنے اس قسم کے فرد رعایا کو جو خود "بروزی بادشاہ" کہتا ہو، گوارا کر سکتا ہے! انداس کی تحقیر و خوارگی اور مدح سرائی سے توش ہو سکتا ہے ایہ مثال ٹھیک طور پر مرزا غلام احمد قادیانی کی فتنہ خستہ بہت پر صادق آتی ہے! انہی شراہد کی بنیاد پر ہم نے ماہ جون کے "خارون" میں یہ کہا تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا نام سن کر ہمارے دل میں جتنی نفرت پیدا ہوتی ہے، اتنی نفرت ابو جہل اور ابلیس کا نام سن کر بھی نہیں ہوتی، کیونکہ یہ دونوں کافر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید مخالف و معاند تھے مگر حضرت کے حریف اور مد مقابل نبی نہ تھے، مرزا غلام احمد کافر و مرتد ہونے کے ساتھ خصوصاً خفی بہت کا حریف اور مد مقابل بھی ہے۔

ہمارا الفرقانِ لیلہ، لاہور اقتباس اور دیا گیا ہے اس میں **آئینی** کی اصطلاح بھی نظر آتی، اھذا دیا نہیں گیا یہ وہ علم کلام ہے جس میں صرف صدی جمالت و حماقت اور غرور و فساد پایا جاتا ہے، کیا کسی آسمانی صحیفہ اور حکمت و اخلاق کی کتاب میں ایسی کوئی اصطلاح ملتی ہے کہ ایک شخص کسی نبی کا متقی سمجھی ہو اور ساتھ ہی خود بھی نبی ہو! ایک شخص کسی گھرانے کا غلام ہو اور ساتھ ہی اس گھرانے کا آقا بھی ہو، نماز کی حالت میں ایک شخص مقتدی بھی ہو اور امام بھی ہو، کیا کسی ملک کا بادشاہ، صدر فرمانروا اور حاکم اعلیٰ اس کو گوارا کر سکتے کہ اس ملک کا کوئی زمین اور لکھا پڑھا چیرائی اس کا اعلان کرے کہ میں چیرائی حاکم یا چیرائی فرمانروا اور **Peon King** سے **مستعصم** ہوں اس قسم کی مشعلن جیانتھے اور دعویٰ کرنے والے کو یا تو پائل خانہ بھیج دیا جائے گا، یا پھر اس کا صحیح مقام میں خانہ ہوگا! اسلامی حکومت اور مسلم معاشرے میں کفر کو گوارا کیا جاسکتا ہے، مگر جوئی نبوت کو گوارا نہیں کیا جاسکتا، سووی عرب میں کوئی اس قسم کی باتیں کرے تو دیکھے، وہ اپنا حشرای دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا!

مفہوم قرآنی کی تحریف قرآنِ کیم کے مفہوم میں پوری بے شرمی اور بے باکی کے ساتھ کہ نہ خدا کا خوف اور نہ بندوں کی شرم تحریف و تصرف کی بنا مرزا غلام احمد دانی نے ڈالی تھی کہ جو آیات قرآنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی ہیں، ان کا مصداق مرزا نے اپنی ذات کو قرار دیا، یہاں تک کہ "اتخذوا من مقام ابراہیم مصلیٰ" کی یہ تاویل و تفسیر کی کہ (یہ آیت) اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ جب امت محمدیہ میں فرستے ہو جائیں گے، تب آخوند خانہ میں ایک ابراہیم پیدا ہوگا اللہ ان سب فرقوں میں وہ نجات پائے گا، جو اس ابراہیم کو پیروں ہوگا۔ (ابوالحسن خیر ۳ ص ۳۳) مفہوم مرزا غلام احمد دانی (اپنے پیشوا کی اس سنت تحریف مفہوم قرآن کی قادیانی پردہ پوش عقیدت کے ساتھ طاب النسل بالنسل پیروی کر رہے ہیں) امام فردوسی کا ماہنامہ "الغسان الشہ" جو قادیانیت کے مرکز دہلہ سے نکلتا ہے ہمارے سامنے ہے اس میں "اما اعطینک الکوشہ" کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے۔

"یعنی اسے رسول ایم نے آپ کو نذر عطا کیا ہے، امام راغب اصفہانی اپنی کتاب "المفردات فی غریب القرآن" میں عدد کوثر کے اور معانی کے یہ بھی لکھے ہیں کہ

وقد يقال للرجل السخي الكوشة

یعنی کوثر سخی آدمی کو بھی کہا جاتا ہے

اس طرح لغت کی شہد کتاب اقرب المراد میں کوثر کے دوسرے معانی کے علاوہ یہ معنی بھی درج ہیں۔
السيد الكوشة الخیر یعنی اب مراد جو غیر کثیر والا ہے، اس صورت میں آیت قرآنی کے یہ معنی ہوں گے اما اعطینک وصداً کثیراً لعلھا واخیر ہم تجھے ایک ایسا آدمی دیں گے جس میں عطا اور فیض کثرت سے ملے گی جتنی بھی لانا ایسا شخص جو آپ کو دیا جائے گا وہ آپ کا دعویٰ فرزند اور غلام ہوگا، کیونکہ جو شخص کسی کو بخش جاتا ہے وہ اس کا غلام بنتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد بھی ہے، قرآنی آیت میں "ک" کی تفسیر تجھے کی ہوگی "احمد" رکھ دیں اور کوثر کی جگہ غلام، قرآنی آیت کے یہ معنی بن جائیں گے کہ ہم احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عظیم الشان

لے حضرت سیدنا صلی علیہ السلام کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے وہ نبی بن کر دنیا میں آچکے ہیں اور جب وہ بارہ تشریف لائیں گے تو تحریف محمدی کے معانی میں فرما دیں گے ان کا نام ختم نبوت کے معانی میں نہیں ہے، مرزا غلام احمد کی خود ساختہ نبوت "جدید نبوت" ہے جو "ختم نبوت" کے معنی میں عقیدہ کی نفی کرتا ہے۔

غلام احمد کی موجودہ مسیحیت جو روئے امت میں بافراق و اختلاف پیدا کر دیا، اس کے سبب ایک ایسی جہاد گزشتہ وجود میں آگئی جو اپنے سوا تمام دوسرے مسلمانوں کو کافر سمجھتی ہے اور تمام امت مسلمہ اس جماعت کو کافر جانتی ہے۔

اب رہا مرزا کا۔ دعوائے نبوت۔ تو اس بارے میں مرزا کا کیا عقیدہ ہے اسے پہلے پتہ چل جائے۔

”اب تمام احمدیوں میں میرا وہی خدشہ ہے جو دیگر اہل سنت و جماعت کا خدشہ ہے۔۔۔۔۔۔ اب میں مفصلہ ذیل اس کا مسئلہ فروع کے ساتھ صاف صاف اقرار کرتا ہوں، اس خاندان خدا (یعنی مجددی) میں کہیں جانشین قائم الایمان علی اللہ علیہ وسلم کی نعم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص نعم نبوت کا منکر ہو، اُس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔“ (مرزا غلام احمد کا تحریری بیان مسند جو تبلیغ رسالت جلد دوم ص ۷۷)

اور

”۔۔۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وہی کا نزول فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت مریمؑ میں

اور جب جو جادیں۔۔۔۔۔۔ امر میں نعم نبوت کے منافی ہے۔“ (انامہ انعام ص ۷۷) مرزا غلام احمد قادیانی

اس عقیدہ کے بعد مرزا کے قول و کسل کا تضاد ملاحظہ ہو۔

”میں کوئی نیا نبی نہیں ہوں، پہلے بھی کئی نبی گزرے ہیں، جنہیں تم لوگ سہی نبی مانتے ہو۔“

(مرزا غلام احمد قادیانی مسند جو اخبار ہند مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۰۹ء ص ۷۷)

اس دعوے کے بعد اپنے ہی قول کے مطابق کیا مرزا غلام احمد نبوت کا دعویٰ کر کے، دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو گیا۔

اور

”جو بزرگ تعلیم میں ماہر بھی ہے، اللہ ہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے

میری تعلیم کو اور اُس وحی کو جو مجھ پر ہوئی ہے، انکس لینی کنیت کے نام سے موسوم کیا۔۔۔۔۔۔“

(حاشیہ اربعین ام ص ۷۷ مسند مرزا غلام احمد قادیانی)

”انامہ انعام“ سے مرزا کی تحریر کا جو اقتباس چند سطر پہلے دیا گیا ہے اُس کی بنا پر مرزا کا یہ دعویٰ کہ ”مجھ پر“ وحی آتی ہے کیا۔ نعم نبوت کے منافی نہیں

مرزا غلام احمد کی تحسینوں میں جو شہیدیت کا تناقض اور کھلم کھلا انصاف پایا جاتا ہے وہ کسی معمولی شریف آدمی کے لئے بھی باعث ننگ اور دوجہ

دار ہے، چہ جائیکہ اسے کاذب اور فاضلہ سے ولایت، مجددیت یا نبوت منسوب کی جائے (استغفر اللہ)

مرزا غلام احمد سے پہلے اپنی ولایت اور ذاتی الرسول ہونے کا دعویٰ کرتے، پھر مجددیت، ہمدویت، اللہ سمیت موجود کا اس کے بعد

بروزی اور نقلی نبی ہونے کا۔ اور مصلحت کی یہ سچا پراختی بھی ہو جاتی ہے کہ وہ دوسرے نبیوں کی طرح دجہ بروزی تھے اور نقلی! اپنے نبی ہونے کا

دعویٰ کرتے ایسی نبوت کا اعلان جس میں امر و نہی بھی پائے جاتے ہیں اور وحی بھی! اس کے بنیانات کا یہ عالم ہے، کبھی کہتا ہے آسمان چمیرا نام

محمد احمد ہے اور محمد کی نبوت آخر نبوت ہی کوئی۔۔۔۔۔۔ کبھی یہ کہیں اس امر کا یوسف ہوں، ایسا ہی ہوں اور کرشن بھی ہوں ایسا ہی کہہ کر

اس کے وجود کی منہ۔ ”الہدیت سے جا کر مل جاتی ہے، شہود ہمارے اُس کے دعوے کی بنیاد و ثبوت نفس اور فساد باطن پر ہے اس لئے اس کے جھوٹ،

ہذیان، آوارہ و فانی کذب و افتراء اور فضائل میں درجہ بدرجہ ترقی اور پھیلاؤ پیدا ہوتا جاتا ہے“ اسے کچھ یاد نہیں رہتا کہ پہلے اُس نے کیا کہا تھا

”لے ایک دوسرے قادیانی ایک جن دشمن میرے بھی“۔ ”میں یوسف“ کا دعویٰ کیا تھا! یہ وہ کفر و ضلالت ہے جو بروز، نقل، مثیل اور اس قسم کی دھڑل

اصطلاحات کا سہارا لے کر اپنی نورو چاہتی ہے۔

اصاب کیا کہ راجہ !

”سیح مرفوعاً دعوٰی کسے کے ساتھ آئے خیال آئے کہ وہ تو ابن حریم ہوں گے، اس خوف و خیریت کا پختہ ذلت سے مغرب کسے کے لئے مرنایا تاویل گھڑتا ہے !

”حریم کی طرح بیٹا کی مدح مجھ میں نفع کی جتنی اور اسے ستارہ کے رنگ میں مجھ کا طائر یا گیا اور اس کی ہینہ کے بعد جو جس ہینہ سے ناند نہیں، ہندو اہام کے مجھے حریم سے عین بنایا گیا اس طرح سے میں ابن حریم ٹھہرا“

(گفتنی (ج ص ۷۷)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت یح و شق کے مینارہ سفید کے پاس نازل ہوئے گئے، نزل سچ کی اس علامت کی مرانے بتا دیں کی ہے، وہ بڑھنے سے شق رکھتے ہیں۔

..... دافع ہو کہ دشمن کے لفظ کی تعبیر میں میرے پر من جانب اللہ یہ ظاہر کیا ہے کہ اس جنگ ایک

تصیر کا نام رکھا گیا ہے جس میں اللہ کے لئے ہونے والی طبیعت اور نیکو پید کے عادات اور عادات کے پیر

ہوں..... خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ ظہر فرمایا کہ نصیر کا بیان جو اس کے اکثر نیکو طبیعت کو اس میں

سکونت رکھتے ہیں، دشمن سے ایک مناسب استقامت رکھتے ہیں (حاشیہ انلاذ اہام ص ۶۳ تا ۶۴)

یہ ہے خود ساختہ نبوت کا وہ ”علم کلام“ جس نے قرآن اور احادیث کا ”شہ“ کے رکھ دیا ہے، اور ”یہ“ بتیظ الشیطان“ کا معنی ہے ابن ابی بن کانت اور گاہ ہے وہی اس قسم کی فتوایں کو۔ وہی والہام“ مجھ کو قبول کر سکے ہیں، وہ جس کی کہ اس ذمہ برابر بھی عقل و فہم ہے اور جو کئی حق و انصاف کی ذمہ اسی مقدار بھی رکھتا ہے وہ اس قسم کی تاویلوں اور نکتہ آفرینوں کو ”فریب شیطان“ ہی کہے گا :

تایید میں مسلمان رہتے تھے، جنہوں نے مرزا کی خود ساختہ نبوت کو تسلیم نہیں کیا، اس جو میں مرزا نے ان کو ”نیکو طبیعت“ اور ”نیکو پید کا پیر“ کہا ہے بعض دوسری تقریروں میں بھی تائیدی مرزا نے مسلمانوں کو کتا، کجی کی اولاد اور اس قسم کی شدید گالیوں سے یاد کیا ہے، اس کی بعض تحسیروں میں انبیاء کرام کی منقصد بھی کی گئی ہے، مرزا کی ان تقریروں سے ساتھ کہ مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہے۔ ہم اگر اس مزاج و فکر اور سیرت و کردار کے آدمی کے لئے وہی الفاظ استعمال کرتے ہیں، جس کا وہ سخت ہے ”قوة دینی کیس ہیں، اضطراب پیدا ہو جاتا ہے، مگر قوت دینوں کو اس کی بھڑکتی ہوئی ہے کہ وہ ایسی کتابوں اور تحسیروں کو دھڑلے کے ساتھ چھاپتے ہیں، جن میں قرآن و حدیث کی معنی تحسیر کی گئی ہے۔ جن سے انبیاء کرام کی منقصد ہوتی ہے، جن میں مسلمانوں کو گالی دی گئی ہیں، اور ہم مجھنے کو جھوٹا کہہ دیں اور نبی کا زب کے نام کے ساتھ ”حضرت اور جنت“ کے انقباض کو نہ کریں اور اس کے نام اور ذکر کے ساتھ تعظیم و احترام کے انقباض و خطاب نہ لائیں تو ہماری تقریروں کو ”مغلطات“ اور ”دل آزارانہ“ کہا جاتا ہے ! ————— کیا سید کذاب کا ذکر اس طرح کیا جاسکتا ہے :—

”جناب سید نے جب نبوت کا دعویٰ فرمایا“

اور اس دعوٰی کے پاس میں اس انسانہ نگارش کو کوئی مسلمان اختیار کر سکتا ہے۔

”حضرت اسو بخاری ایک ایسے عرب قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے“

ہم ڈنکے کی پوٹ اعلان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی ”مدعی نبوت“ (خاص طور سے مرزا غلام احمد) کے لئے یہاں سے لیں نہ برابر بھی عزت و احترام نہیں پایا جاتا بلکہ ان کی دشمنی اور نفرت سے ہمارا دل لبریز ہے، انسان کی عداوت و نفرت اور عقارت و بیزاری ہم اپنے ایمان کا خاتمہ چاہتے ہیں ! اور اپنے اس قول و عمل پر اللہ تعالیٰ سے اجر و جزا کی امید رکھتے ہیں !

مرنا فہم احما کہ ہمارا اللہ ایزانی کی طرح نے نہ سب اور ہمید شریعت کا اعلان کر دیا تو آج اس کے امتیوں کو قرآن و حدیث کے منہم میں نہ سب کی کشت گواہ کر دیتی، مگر مرنا فہم احمد نے مسلمانوں کو گویا کہنے اور دھوکا دینے کے لئے قرآن و حدیث کے اتہاج ہی کے نام پر قرآن و حدیث کے منہم و سنی کو بگاڑ کر رکھ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و منقبت کی آٹھ گھنٹہ کی نبوت کے مقابلہ میں اپنی نبوت کا ذکر کر کے گھڑا کر دیا۔

بعض اہل بائیس کہ کا خیال ہے کہ مرنا فہم احمد کی شخصیت کے پس پردہ حکیم عبد الدین کی ذہانت کام کرتی تھی، یہ شخص ابن مسونیوں کی غیر مٹاؤ نہ تھے آفرینیوں اور شعلیات کی بنیاد پر مرنا کو طرح طرح کے دعووں کے لئے ابھارتا رہتا تھا، اس نبوت کی بے باکی اور بے بضاعتی کو کیا کہتے ہیں انہوں نے نبوت کے لئے صرف ان کے غلبہ عالی اور شعلیات کے ہمارے کی محتاج ہو۔

قاریانی علم کلام میں "خاتم النبیین" کی یہ شرح و تفسیر کہ۔

"..... نبیوں کی ہر میں یعنی انہیں انافضہ فیضان کی ہر عطا کی گئی ہے، یہ ہر اپنے اور ہی نقوش اپنی طرح کے پیدا کرے گی، (انصار اللہ بدوہ فردی مسلمان)

کس قدر انفاض و فرسیہ میز ہے اور زلفہما احمد نے دعویٰ کیا تھا۔

"وہی الہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول ہی....."

"..... اگر کوئی شخص اسی خاتم النبیین میں ایسا گم ہو کہ باعث نہایت اتقاد اور نفی غیرت اُسی کا نام پایا ہو۔

انصاف آئندہ کی طرح مجھ پر چہرہ کا اس میں اندک اس ہو گیا ہو تو وہ بغیر ہر توشہ کے نبی کہہ سائے گا۔ کیونکہ وہ محمد ہے نفی طرح....."

اور

"مجاز کی نبوت آخر محمد ہی کو ملی ہو کر وہی طہ پر....."

مرنا کے ان نفور و عوں کو سند روانہ عطا کرنے کے لئے قاریانی عمار "خاتم النبیین" کی اس تم کی مشرع و تفسیر کیا کہ میں جس کا نمبر اوپر دیا گیا

ہے حالانکہ اس لفظ کے سید سے ہے اور صاف واضح معنی یہ ہیں،

"خاتمہ" مہر ختم کرنے والا، "خاتمہ" اور "ختم"۔ "یعنی انکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی تھے

اور آپ پر نہایت ختم ہو گئی اور آپ کے بعد کوئی دنیا میں نہیں آئے والا، اس لئے قرآن مجید نے آپ کو خاتم النبیین

دہر سب نبیوں پر فرمایا یعنی تمام نبیوں کا ختم کرنے والا، کیونکہ سب کے اخیر میں ہر لگائی جاتی ہے۔

ذرات القرآن۔ جلد دوم۔ مولانا عبد الرشید نعمانی

کسی مفسر اور شارح نے "خاتم النبیین" کے یہ معنی بیان نہیں کئے کہ حضور کو اللہ تعالیٰ نے انافضہ فیضان کی ہر عطا فرمائی تھی۔ اور یہ ہر اپنے

اور ہی نقش و نگار اپنی طرح کے پیدا کیا کرے گی، فلسفہ کی بات یہ ہے کہ ہدایت و ایمان ہو یا ولایت و مجددیت یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا

کی جاتی ہیں، اسی لئے قرآن پاک میں "اولیاء اللہ" آیا ہے "اولیاء الرسول" نہیں آیا۔ اور قرآن اس پر شاہد ہے کہ عطا نبوت کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی

طرف کی ہے، اور کسی نبی نے اپنا جیسا "نفی" اور "مبتدئ" نبی بہرے نہیں کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ناموں کی لکھی ہوئی فہرست کے کاغذ

پر یا کسی برقی پر سرے، چاندی یا کسی اور دھات کی بنی ہوئی "مہر" نہیں لگا دی تھی، بلکہ یہ قرآن کا اسلوب بیان ہے جو فطرت اور شہادہ کے عین مطابق

ہے، یہ کہ بادشاہوں کے فرمان کے آخر میں ہر لگائی جاتی ہے، جس کے بعد کسی لفظ کا اضافہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح "خاتم النبیین" سے یہ مراد ہے کہ حضور

نہرت انبیاء اور گوشاہ رسول کی مہر میں کہ آپ کے بعد اس نہرت میں کسی نئے نبی کے نام کا اضافہ نہیں ہو سکتا، نہوت آپ کی ذات گرامی پر ختم کر دکھا گئی !

قادیانیوں کی یہ لغو ضلک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اضافہ فیضان کی ہر عطا کی گئی ہے اور وہ مہر اور بھی نفوذ اپنی طرح کے پیدا کرے گی، اس سے کیا یہ حجہ نہیں نکلتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہی جیسے انبیاء اور مرسن پیدا کرتے رہیں گے، اس عقیدہ کا حرب نہرت و رسالت کی اہمیت پر جا کر پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کی بعثت کی غرض و غایت اور عظمت و تقدس اس سے مجروح ہوتا ہے۔ اضافہ فیضان نہرت کی یہ مہر کیا آپ ہی آپ اپنے نقوش پیدا کر رہے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم و احکام سے ایسا ہوتا ہے؟ یہ مہر خود بخود اپنی طرح کے نقوش پیدا کر رہی ہے تو ایسی مہر کو دراصل کثیبہ، چھاپہ خانہ کی مشین جیسا سمجھنا چاہیے جو ایک ادارہ کوک دینے کے بعد ادوار و مشک حود پر چلی رہی ہے اور کاغذوں کو چھاپے جاتی ہے مگر خاتم النبیین کے واسطے میں یہ عقیدہ، یہ تصور اور اس لفظ کی ایسی تشریح عقل و فطن دلوں کے خلاف ہے! اب رہا یہ فیضان نہرت "توہ دنیا میں کتاب و سنت کے ذریعہ جاری ہے، حضور نے دینی بیات میں صحابہ کو کام کا نزدیک نفس اپنی تعلیمات اور فیضِ محبت فرمایا اور خوف و یروں کو عمل و گہر بنا دیا، دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اب فیضان نہرت کتاب و سنت اور حضور کے خلقِ عظیم کے پھر و شے ہوتے نقوش کے ذریعہ جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا، ہر ایک ستیم اور اوقات اسی شاہراہ کا نام ہے جس میں حضور کے نقش قدم نظر آتے ہیں۔

یہ مصحف بربسانِ نویش سا کہ دیں حمد اور ست

اگر یہ آؤ نہ رسیدی تمام برہم ہی است

یہ خیال سو فیصدی غیر سوا ہی ہے کہ عالم برزخ میں روحانیت کا کوئی محکمہ قائم ہے جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولایتِ مجددیت، قطبیت یا اپنے برزخ، عکس اور فطن کے مناصب اور عہدے عطا فرماتے رہتے ہیں؛ ولایت و مجددیت ہوا مجددیت ان کی عطا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، ان کا یہ ضرور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بغیر یہ عطا کسی کو نہیں مل سکتی! - اطاعت رسول " جو تمام سکرام و فضائل کا ذریعہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا واسطہ ہے اسی کا نام "فیضان نہرت" ہے !

قادیانیوں نے جھوٹی نبوت کو سندِ جہان دینے کے لئے دراصل یہ لغو نظریہ گھڑا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اضافہ فیضان کی مہر کے ذریعہ برزخِ ادنیٰ قسم کے انبیاء و مہر میں آتے رہیں گے! بعض لوگ اس سے دھوکے میں پڑ جاتے ہیں کہ اس عقیدہ سے تو ہمارے رسول کی شان اور دنیا و عظیم و بزرگ نظر آتی ہے، حالانکہ یہ عقیدہ "شرک فی النبوت" کا مظہر و ترجمان ہے اور اس سے "ختم نبوت" کی کھلے طور پر نفی ہوتی ہے !

دین میں بحث کتاب و سنت ہیں اور اس کے بعد اجماع صحابہ دین میں مستند نظریہ حیثیت رکھتا ہے، ایسی نظیر جس کی پیروی میں امت کے لئے خیر و صلاح ہے! کتاب و سنت اور اجماع صحابہ کے بعد کسی نرنگ، شیخ، صوفی یا امام کا جو کوئی قول، عمل یا رسم و طریقہ چارہ سے سامنے آئے گا، اسے کتاب و سنت کی گسوٹی پر جا چکا جائے گا، اور اُردھ کا یہ سے اس کی مطابقت کی جائے گی !

اسلامی ادب لاکھوں بلکہ کروڑوں صفحی پر پھیل چکا ہے، اس میں ہر طرح کی باتیں موجود ہیں، خاص طور سے صوفیاء کے مکاشفات و ملفوظات کا معاملہ خاصہ غورِ عمل ہے، نہ جانے انہوں نے کیا فرمایا اور سننے والوں نے کن لفظوں میں اسے مکتوب و محفوظ کیا۔ یہ زیارات یہ بزرگ کہنا چاہتے تھے، الفاظ اُس کے پورے طور پر تھمن ہوتے بھی یا نہیں! اس کے ساتھ تفننِ تصوف ہی میں سرکہ و خلیہ حالی اور شیطانی اصطلاحیں بھی ملتی ہیں، وہ سننے و دیکھنے میں جن صوفیاء کو کام کے اقوال و مکاشفات اور اقوال و مقامات سے مستند لینا اور انہیں دینی حجت سمجھنا خطرناک قسم کی غلطی ہے !

”فاماں“ میں اس قسم کے مباحث آپ کے جس شغل ایک بہت بڑے عالم اہل صاحب ارشاد و تعقوت شیخ کی اس تحریر پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستقل بالذات نبی ہیں، دوسرے انبیاء کو آپ کے فیض سے نبوت ملی ہے (مفہوم کی ترجمانی) ہم نے سخت تنقید کی تھی کہ میری اپنی جگہ مستقل بالذات نبی تھا اہل اللہ تعالیٰ کا بھی ہوا تھا، کبھی نبی کو نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے یا فیض سے نہیں لی ۱۱ اقدار ان شریف تو یہ ملک جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کے حالات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بتائے اہم اس تنقید کو ان بزرگ کے حلقہ کے حکماء اہل ارباب نظر نے پسند کیا اور ہماری تائید فرمائی ۱

ایک مذہب بزرگ کے حالات کا تذکرہ ”فاماں“ میں تبصرہ سے کئے گئے آئے، قرآن میں اس قسم کی حجابت نگاہ سے گزری کہ سپیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے ان بزرگ کی تربیت فرمائی تھی، یا روحانیت کا کوئی عہدہ دیا تھا اور الفاظ دین میں نہیں ہے ہم نے اس حجابت پر تنقید کرتے ہوئے لکھا کہ حضوت فاطمہ ہوں یا حضرت عائشہ صدیقہ یا کوئی دوسرا صحابی ان میں سے کوئی بھی قبر و مزار یا عیون سے نہ تو کسی کی تربیت فرما رہا ہے اور نہ روحانیت کے عہدہ تسلیم کرنا چاہئے نہ حقیقت کا نظم ہوا آدھی کا رخا رہے اللہ تعالیٰ کی قدرت و شہیت سے چل رہا ہے اس آئینہ کی وجہ سے نشوونما اور تربیت و ترقی کا کام نہ انجام دے دے دے ہے۔

اسلامی ادب ہی کی کتابوں میں ”انما الحق“ ————— بحالی ما اعظم شافی ————— الفرقان اتم ہوا الشاہین است اور من تو شدم تو من شدی“ جیسے بہت سی مثالیں اور قدس یریں ملتی ہیں ————— کوئی الحق اپنے ”خدا“ ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے، ان مثالوں کو سمجھنا حجت کے طور پر معنی کہہ تو کیا یہ مثالیں کسی معتزلہ آدمی کے نزدیک قابلِ توجہ ہو سکتی ہیں۔

اسی طرح نبوت کے فیضان اور حقیقت محمدی کے بیان میں بھی بعض ایسی نکتہ افروشیوں کا برہنہ ملتی ہیں، جو ”احمدیہ“ اور ”غریب“ بے عین کا مزاج رکھتی ہیں، ان میں ولایت و محمدیت کے لئے نبوت کے نقل و عکس کی اصطلاحیں بھی استعمال کی گئی ہیں، مگر آج تک کسی ولی اللہ محمد و نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں ”محمدی“ اور ”غلی“ نی“ ہوں، اور اس دعوے کے ساتھ نبوت کا لفظ انسی نبوتوں اپنے لوازم کے ساتھ جو دہیں آگیا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سادھے تیرہ رسال کی طرین مدت میں صرف مرزا غلام احمد قادیانی کی ایک مثال ایسی ملتی ہے کہ اس نے ”محمد“ و ”غلی“ کی آڑے کر اپنی مستقل نبوت کا اعلان کر دیا، اور اس کی جدا گانہ امت میں گئی، جن محمدیوں اور محمدیوں نے اپنی محمدیت اور ولایت کو نبوت و رسالت کا عکس و نقل کہا یا سمجھا، کیا انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا، اور یہ کہا کہ ہم پر وحی آتی ہے اور جو ہم کو نہیں مانا وہ مسلمان نہیں کا فر ہے! ان بزرگوں میں بہت سوں کے نام ”غلام احمد“ نہیں، ”محمد احمد“ بھی تھے اور بعض تو خالواتان اہلبیت سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔ کوئی مسلمان ہی نہیں غیر مسلم مستشرق بھی علم و فضل اور تزکیہ و تقویٰ میں حق بصری، امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، حمید اللہ ابن مبارک، امام بخاری، شیخ عبدالقادر جیلانی، امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اکابر کے مقابلہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کو کوئی درجہ نہیں دے سکتا، بلکہ یہ شخص تو ان بزرگوں کی جوتوں میں بیٹھنے کی بھی اہلیت نہیں رکھتا، جب امت مسلمہ کے سامنے ہزاروں ایسے بزرگ ہوں جو مرزا غلام احمد قادیانی سے علم و فضل اور تقویٰ میں کروڑ گنا بڑھے ہوئے ہیں تو امت مسلمہ ان نفوس قارسیہ کے جوئے ہوئے مرزائے قادیانی کو سب سے موعود یا نبی کی طرح مان سکتی ہے!

ہو سکتا ہے کہ کسی عوفی نے یہ کہہ دیا ہو کہ میری ولایت اور طبیعت نبوت کا نقل و عکس ہے اور میں الہام کے بغیر کوئی بات زبان سے نہیں نکالتا اور جب چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ سے براہ راست کسی فرشتہ کے واسطے کے بغیر ہم کلام ہو جاتا ہوں اور میں قرب کے ان معانات کی سیر کرتا ہوں، جہاں اول العزم انبیاء بھی نہیں پہنچ سکے ان فیضان نبوت کی بدولت زمین و آسمان کی کوئی شے مجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے، میں حوت کن بھی ہوں اور لغز است بھی ————— ان میں بعض باقی بہت زیادہ قابلِ گرفت شیطانیات۔

نہ دلائل قہرہم ملک من قبلہ دلائل قہرہم مہمیل ————— ہم یہ بات برسیں نثر کی کہ ہے ہیں وہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی نادر دلائل قہرہم لوقی

ہیں اور بعض جہدِ مذہبی کی بڑے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، مگر اس صوفی کے مقابلہ میں دوسرا شخص اس قسم کی شغلیات کے ساتھ اپنے "نبی" ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کے نام کے ساتھ علیہ السلام اور علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھا جاتا ہے، وہ کہتا ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے، جو میری نبوت اور میری نبوت کو نہیں مانتا وہ کافر ہے اس کے درست الدعا بھی صحابہ کہے جاتے ہیں اور اس کے نبوت کے دعوے کے بنیاد پر ایک جماعت وجود میں آجاتی ہے، یہ مدعی نبوت اور اس کے اُمتی اسی صوفی کے اقوال کو سند و حجت میں پیش کرتے ہیں کہ یہ بات فلاں صوفی بھی تو فرمایا ہے میں اس لاکھ اولیٰ تو دین و شریعت میں صوفی کا قول و عمل حجت نہیں، پھر اس صوفی کی شغلیات کا بل نظر اور کتاب و سنت کے جاننے والوں نے اس حجت کو ہی مسمیٰ و پھراٹس صوفی نے کچھ عجیب غریب باتیں کہہ دی تھیں، اس نے نبوت کا دعویٰ تو نہیں کیا تھا، اس کے ماننے والوں نے اس صوفی کو ماسد بن اللہ جان کر کوئی امت تو نہیں بنائی تھی۔

تصوف کی طرح شعر و ادب میں "خدا ہے سخن" اور "پیغمبر سخن" کے القاب و خطابات ملتے ہیں، مولانا گرامی نے علامہ اقبال کی کثرتِ عنوانِ نبیٰ میں اس طرح خواجہ عقیقت پیش کیا۔

دہدہ صاحب نظر ان حضرت اقبال پیغمبری گرد و پیغمبر تو اس گفت
پیشہ پر مصرحہ ضرب المثل بن گیا ہے

شاعری جزوِ لیت از پیغمبری

ایک شاعر نے تو یہاں تک کہہ دیا۔

ایک ایک حرفِ پیغمبر اترتا ہے عرش سے میری بیاضی شعرِ خدا کی کتاب ہے

اور

مشنری مولوی، معزی مست قرآن و مذہبان پہیلوی

کیا شعر و تصوف کے یہ "لفظت" دین و شریعت کے معاملات و مسائل میں حجت، استدلال و نظیر کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں! وہ نبوت کتنی ہلکی، بے وزن، کھوکھلی اور مفلس ہے جو شعر و تصوف کی ایسی شریعوں سے اپنے لئے ویلیس لاتی ہے۔

فقہ کے فروعی مسائل کی طرح دین کے بنیادی ارکان و عقائد میں اختلاف نہیں پایا جاتا، "فخرِ نبوت" کا عقیدہ فرعی نہیں دین کا بنیادی عقیدہ ہے، منصوص عقیدہ، ایہ عقیدہ فقر و حدیث کے ائمہ نے کتاب و سنت سے خارج بھی نہیں کیا، یعنی یہ کہ کتاب و سنت میں دروگ و داغ الفاظ تو نہ ملتے ہوں، بلکہ نص کے ایما، اشارے یا اقتضائے بنیاد پر عہدِ امت نے اس عقیدہ کو فقہیہ یا مذہبی استنباط اور استخراج کیا ہے۔ "فخرِ نبوت" کے لئے کتاب و سنت میں واضح اور محکم الفاظ ملتے ہیں، جن میں کسی قسم کا کوئی تشابہ نہیں پایا جاتا، قرآنی عقیدہ "خاتم النبیین" کی تشریح و تفسیر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا نبی بعدی" جیسے واضح الفاظ سے یہ اکراد فرمایا ہے! ہم جو کلمہ پڑھتے ہیں جس کا پہلا حرف "لا" الہ، الا اللہ ہے قاس سے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کس کے "لا" ہونے کی تفسیر نفی ہوتی ہے؟ کوئی بدعت یہ دھوکا کرے کہ حقیقی اللہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، میں تو "بروزی اللہ" ہوں، اور اس اعلان کے بعد وہ اپنی طرف سے کسی شخص کے "نبی" ہونے کا اعلان بھی کر دے کہ یہ بھی مجھ "بروزی اللہ" کا "بروزی نبی" ہے، اور میں جلا ہوں، "بروزی نبی" بھی ہو کر رہتا ہوں، یہ بھی "بروزی نبی" ہے! اس اپنے کفر و الحاد اور شرک و ضلالت کے لئے وہ دلیل یہ لاتے کہ ہاں ہر لفظ "قل اللہ" کہا ہی جاتا ہے اور اللہ صوفی نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا میں منظر لاں ہوں اور وحدت الوجود کے نظریہ کی بنا پر غیر کا وجود تو کائنات میں پایا ہی نہیں جاتا، کائنات کی عینیت واجب الوجود کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

سے خود کو زندہ و خود کو زندہ کر دے خود کو زندہ کر دے

کیرو جس کی ذات مہیانت اور مقصود کا شکم بھی فرماتے ہیں۔

سے آپ ہی مسجد، آپ ہی مکتبہ، آپ ہی بانگ پیکار

کہیں کبیر، سنہرے سادھو! ہر جیسے کو دیا

اندھا ایک صوفی شاعر نے تو یہاں تک کہ دیا ہے کہ —

من خدام من خدام من خدام

جس طرح ”بروزی اور قطعی اللہ“ کا یہ دعویٰ امدیہ دلیس سے اس کے خلاف و مخالفت میں، اسی طرح ”خاتم النبیین“ کی نص قطعی اور لایحی بعدی کی نبوی شرح و تفسیر کے بعد کسی کا یہ دعویٰ کرنا کہ میں ”بروزی یا قطعی نبی“ ہوں، مستحکم یا اگر اسی اندک فرما لگا دے! کتاب و سنت کے قطعی نعروں کے مقابل میں امام غزالی، شیخ محمد الدین عربی یا مولانا قاسم نانوتوی کی کسی بہیم تفسیر کا کوئی صوفیانہ اشارہ نہ دے گا۔ کوئی زندہ نہیں رکھتا، نص کے مقابل میں نص ہی کو لایا جا سکتا ہے! پھر ان بزرگوں یا کسی دوسرے صوفی اور عالم کے یہاں اس قسم کی عبارتیں یا اشارے ملتے بھی ہیں کہ مجددیت اور ولایت نبوت کا نقل ہوتی ہیں اور مجددین اپنی شان کے لحاظ سے گویا ”نبی وقت“ ہوتے ہیں (دولم جزا)۔ — تو یہ دعویٰ ولایت و مجددیت کے منصب اور نفیست و تکبر کے اعتراف و اظہار کا پیرایہ بیان نہ دے ان بزرگوں کے زمانہ میں کوئی شخص بروزی اور قطعی نبی ہونے کا دعویٰ کرنا، امدیہ کہنا کہ مجھ پر وحی آتی ہے انداس دعوے کی دنیا پر اُس کے ”آئینہ“ کی جماعت اندھیت کا لہذا السی ٹیوٹن دعوے میں آ جاتا، تو یہ زندگ بلاشبہ اُس مدعی نبوت کو خرد اور کافر قرار دیتے جس طرح مرزا غلام احمد کے زمانہ کے علماء نے بالاتفاق مرزا کی تکفیر کی! مرزا کے زمانہ میں متحدہ ہندوستان میں جہاں کھڑے اہل ایمان کی آبادی تھی، متحدہ ہندوستان اور اہل راند و خرد ہندو کے، حیرت ہے کہ کسی ولی کو بھی اس کا کشف و الہام نہیں ہوا کہ مرزا غلام احمد جو اپنے دعوے میں صادق ہے، لوگ اس کی تکفیر و تفسیل کا وبال اپنے سر لے رہے۔

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و ظہور کے بعد نبوت کے عہد سے ہی کو اللہ تعالیٰ نے ختم کر دیا، اہل حق کا اجمار اور تجدید، محمد دین کے دوسرے ہونگے اور یہ محمد دین مزاج شمس رسول ہوں گے، مگر اپنے تمام فضائل و کمالات اور عظمت و تقدیر کے باوجود ان میں کسی کو یہ منصب حاصل نہ ہو گا کہ کوئی مسلمان کسی جہد و جدوجہد کے بعد نہ مانے، تو اس انکار کے بعد وہ کافر ہو جائے، انسانی شخصیتوں میں صرف ”نبی“ کا انکار کفر ہے! ان محمد دین کی غالب اکثریت نے کسی دعوے کے بغیر اپنا فرض انجام دیا۔ مرزا غلام احمد کو تو دعووں کا ہر ضلع بلکہ مراق ہو گیا تھا، اُس کا مراق بڑھتا ہی چلا گیا یہاں تک کہ اُس نے ایسی شقی ”نبوت“ کا دعویٰ کر دیا، جس میں جی بھی ہے، امر و نہی بھی ہے اور دین کے مخصوص رکن اور فریضہ (جہاد) کی تیغ بھی شامل ہے، ساڑھے تیرہ سو سال کی مدت میں تنہا ہی ایسا نہ لایا ”ولی“ (؟) اور عجیب و غریب ”مجدد“ (؟) پیدا ہوا ہے، جس کی ولایت اور مجددیت بالاتفاق ”نبوت“ کا رد و مہر و حد لیتی ہے۔

بالکل سامنے کی بات یہ ہے کہ ”نبوت“ میں منصب و عہدہ کی تدبیر نہیں ہے، کسی نبی اور رسول کے، بحوالہ میں یہ نہیں ملتا کہ اُس نے پہلے ولایت کا دعویٰ کیا ہو، پھر مجددیت کا اُس کے بعد مجددیت کا، یہاں تک کہ آخر میں اُس نے کہا کہ میں اب ”نبی“ ہو گیا و دعووں کی یہ تدبیر سنو! انبیاء کے معانی اور مخالف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، زندگی اور کردار، روز و روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہے، حضور نے نبوت سے پہلے کسی دینی منصب کا دعویٰ نہیں فرمایا۔

مجاہد کرام کے نسلے میں جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا، ان کے ساتھ جدائی و قتال کا معاملہ کیا گیا، اسی کے بعد جب بھی کسی مسلمان حکومت میں کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کر اٹھا ہے، قرآن کو سخت سزا دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا ہے کہ اس نے نبی کا نسب کی جھوٹی نبوت کو ابھرنے کا موقع نہ مل سکا، ایران میں قاجاروں اور بیرونی بہادرین کے پیشتر ہوا وہ کوئی قصہ یا افسانہ نہیں تاریخ کا مستند واقعہ ہے امرنا غلام احمد علی انگریزی دور حکومت میں اپنی خود ساختہ نبوت کا اعلان کیا وہ انگریزوں کو اپنی نیا زندگی اور فطرتی کائنات کا یقین دلانے کا PROTECTION حاصل کر چکا تھا اس کی جھوٹی نبوت کو گورنمنٹ برطانیہ کی سپر پرنسپل اور حمایت حاصل ہی اعلان شکیست نہ دی اور اسلام کے دشمنوں کے سایہ حفاظت میں قادیانیت کا شبح جدید نشرو نما پاتا رہا۔

پاکستان بن جانے کے بعد یہاں کے معاشرے میں انہوں نے یہ کہ کوئی دینی انقلاب پیدا نہیں ہوا۔ انگریز ہی کے بنائے ہوئے خطوط پر یہ قائل رہا اور وہاں یہاں جہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی اس وقت قادیانیت کی حیثیت نہیں کی جاتے گی کہ ان کا کفر و انحراف کو اس سلوک کا مستحق ہے اور اسلامی حکومت میں ان کا شہری موقف کیا ہے؟

نبی کی ضرورت انگریزوں کی اہدائیاں کی تعلیمات، زندگی اور صنعت کو امت نے محفوظ نہیں رکھا، اس طرح دنیا کے سامنے حق و باطل میں تمیز کرنے کی کسوٹی ہی باقی نہ رہی اور صحیح باطل بھی غائب ہو گیا، ان حالات میں انبیاء کرام مبعوث ہوئے، مگر امت محمدیہ کے پاس اللہ کی کتاب اس طرح محفوظ ہے کہ اس کے ایک گوشہ میں بھی دینا کا کوئی انقلاب اندھا نہ کا طول اور مدت کی اعمازی تبدیلی پیدا نہ کر سکے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری زندگی کتابوں میں موجود اور محفوظ ہے، یہاں تک کہ حضور کے عہد کے حالات ان تفصیل کے ساتھ بتائے جاتے ہیں کہ نبیوں اور رسولوں کے مقدس حالات بھی ان کے امتیاز نے اس قدر داری اور خصوص و صداقت کے ساتھ ضبط و محفوظ نہیں کئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب و قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اور امت نے سنت رسول اور کسیرت بڑی حفاظت کا حق ادا کیا، ائمہ فخر نے دین جو دنیا کی حق کی عظمت سے خفیت بڑیہ کو تشکیک دے کر ہر طرح کی آسانیاں اور سہولتیں ہمارے گرد، اخلاق اور تزکیہ نفس پر مصلحت اور علماء امت کے ہزاروں لاکھوں صفحہ موجود ہیں، پھر نہ مقل کے لئے اجتہاد کا وہ فائدہ کھلا ہوا ہے، اس امت کا کوئی دوسرا ایسا نہیں گزرا جو علماء حق صلا اہد اباب اجتہاد سے خالی رہا ہو، جب یہ حالات ہوں تو امت محمدیہ کے لئے کسی جدید نبی یا کسی دوسرے قسم کے بڑی اور غلطی نبی کی ضرورت ہی کہاں باقی رہی؟ احمدیین ضرورت میں وہ کیا کوتاہی ادا کی رہے گی تھی، جس کے پورا کرنے کے لئے مہذاتے قادیان کی "بعثت" (۲) کی ضرورت پیش آئی، اس کی کتابیں موجود ہیں، ان میں تزکیہ نفس اور اخلاق کا کون سا جدید فلسفہ بیان کیا گیا ہے، جو کے بغیر امت کی دینی زندگی ناقص رہتی ہے ایسی باتوں سے جو مناظرے میں لائے گئے ہیں، اس دور کی کتابوں میں کام کی باتیں نظر آتی ہیں، مگر جسے دعویٰ کا دوسرا پریشا شروع ہوا ہے اس وقت سے اس کی تحریروں میں لیا و ہوا اپنے دعویٰ کے جواز کے لئے دلیلیں و وجہات اور تاویلین ملتی ہیں۔

سادہ دینا جاتی ہے کہ گفار قریش سے عہد رسالت میں مسلمانوں کی پہلی جنگ ہند کے میدان میں ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس غزوہ میں اسلحہ اور رسد کی کمی اور مجاہدین کی قابلیت و تعداد کے باوجود فتح و نصرت عطا فرمائی اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان لفظوں میں فرمایا۔

"لقد انقض کم اللہ بدار"

اس حکم آیت اور سیدھے سے واضح کی تفسیر مرزا غلام احمد نے یوں کی ہے۔

"اسلام ہلالی طور پر شروع ہوا اور مقدس تھا کہ انجام کار نہ ملنے میں بدد ہو جائے۔ خدا تعالیٰ کی حکمت نے چاہا کہ اسلام اس صدی میں بے شک اختیار کرنے، جو مشن اس کے دوسرے بدد کے تحت بہرہ رسانی جو دوسری صدی (۲۰) میں ہو گیا۔"

پس ان ہی معنی کی طرف اشارہ ہے، خدا تعالیٰ کے اس قول میں کہ انفسکم اللہ مبیدہ۔

صرف اپنی نفیست بتانے کے لئے جو شخص قرآن کریم کی آیاتوں کے مفہوم و معنی میں اس بے باکی اور بے حیائی سے تحریف کرتا ہو، غضب خدا کا اُس کی ذات اور تعلیمات کی طرف اہل ایمان کو آنے اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے اس علم، نا انصافی، غلط اندیشی اور مجرمانہ جسارت کو دیکھئے کہ کفر و ارتداد، ایمان و یقین کو اپنی طرف مبدلتے ہیں اور غفلت اُٹھ کر اپنا جیسا بن جانے کی دعوت دیتی ہے اور جہالت علم و خبر پر غرور کرتی ہے۔

مرزا غلام احمد دیالی نے جب نبوت کا دعویٰ کیا ہے، تو امت مسلمہ کا حال جیسا یوں اور یہودیوں جیسا نہیں تھا کہ ان امتوں نے

سوچئے اللہ کی کتابوں میں تحریف کر ڈالی تھی اور اپنے نبیوں کے اسوہ حسنہ کو گم کر دیا تھا ایک سالہ ستر سال پہلے امت محمدیہ کے پاس کتاب اللہ و احادیث رسولؐ پر ہی کی پوری موجود تھیں، اس بات کو عقل کس طرح باور کر سکتی ہے کہ وہ امت جو کتاب و سنت کے حکم کو حق مانتی ہے، اُس نے اس بات پر ایسا کر دیا تھا کہ ہم اللہ اور رسولؐ کے ہر حکم کو حق مانتیں گے، پس مرزا غلام احمد کی مسیحیت جو عوام و اہل اس کی بہت کا انکار کر رہی ہے اور چند لاکھ قادیانوں کو چھوڑ کر پوری کی پوری امت آج تک مرزا کی موجود مسیحیت اور نبوت کا انکار کئے جا رہی ہے، نہ صرف انکار بلکہ ہم رسولؐ صفحات کا لٹریچر، نبوت کی تردید میں مرتب کر دیا ہے۔ یہ کروڑوں مسلمان جن کے پاس حق و باطن میں امتیاز دکنے کی کسوٹی اصل حالت اور حقیقی ہئیت میں موجود ہے، ان کو چند لاکھ قادیانوں کے مقابلہ میں کافر و گمراہ آؤ گس ولس کی بنا پر ان میں امت مسلمہ کے پاس کتاب اللہ اور سنت رسولؐ ہے، وہ ابھی طرح جانتی ہے کہ نبیوں اور رسولوں کا کیا کردار اور کیسی سیرت ہوتی ہے، وہ کس وجہ میں خطاب فرماتے ہیں نبوت کی کیا خصوصیات اور لوازم ہیں، امت مسلمہ کی جانب سے مرزا کی امامت، مسیحیت اور نبوت کا انکار مرزا کے چھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔

آج تک کسی ایسے نبی کا وجود دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتا کہ اُس کی وفات کے بعد ہی اُس کے ماننے والوں میں دو گروہ ہو جائیں ایک گروہ کہے وہ نجد تھا، نبی نہیں تھا، دوسرا گروہ اُس کی نبوت پر جہاں ہوا، بھولتے ہی کی گمراہ امت کا قد نبوت کے بارے میں اس قسم کا اختلاف اس نبوت کے جعلی اور خود ساختہ ہونے کا سبب بڑھ جاتا ہے۔

مسلمانوں میں خال خال ایسے حضرات بھی پائے جاتے ہیں جو قادیانیوں کو گمراہ اور گمراہ حق سے جدا کرنا ہوا تو اُنہیں میں گراس خوف سے کہ امت مسلمہ کی آبادی اور تعداد میں کمی واقع ہو جائے گی، قادیانیوں کو کافر اور دین و ملت سے خارج نہیں سمجھتے اور ان کا کشادہ دل کے گمراہ فرقوں میں کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں ہمیشہ رفاہی و اداسی کی اخوت کی تلقین فرماتے رہتے ہیں، ہم ان حضرات کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ کوئی شخص جو مسلمانوں کی نفس میں پیدا ہو گیا ہو، کیا دین کے کسی بھی مخصوص رکن اور بنیادی عقیدہ کا انکار کر دے اور کیسے ہی غلیظ و صریح کفر کا ارتکاب اُس سے ہو جائے وہ نہ تو دین و ملت سے خارج ہوتا ہے اللہ نہ اُسے کافر کہا جاسکتا ہے، یہ عقیدہ اور رواداری اپنی جگہ ذہن و فکر کے شدید فساد و بلکہ گمراہی کی علامت ہے جس سے سو خاتمہ کا خطرہ ہے، مرزا غلام احمد نہ تو کوئی صوفی تھا، جس پر فلیتہ حال طاری ہو گیا تھا، اور نہ وہ مجذوب تھا جس پر تقصیر یا ساری عمر جذب طاری ہوا، اُس کی کتابیں اس کی شاہد ہیں کہ اُس نے پوری ہوشیاری اور چالاک کے ساتھ اپنے چھوٹے دعووں کی تاویل میں کی ہیں اور بہ صحت ہوش و دماغ ہوا اُسے نفس کے ہمارے کفر و ارتداد کی پس پتی تک پہنچا ہے اُس کے ماننے والے بھی کسی فلسفیانہ مغالطہ میں مبتلا نہیں ہیں اور نہ بعض تعبیر کی غلطی کا شکار ہیں، وہ تو پوری طرح جھوٹا ہے، جھوٹی نبوت، پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے سوا ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں!

اس فضیلت اور کفر و ارتداد و ہرق ربانی جماعت کے دعوے اور خود ساختہ قیامی غلط کیجئے۔

فتنہ و انتشار

آج روئے زمین پر جماعت احمدیہ وہ واحد جماعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عنایت کی عظیم الشان نعمت سے منور و فرمایا ہے اور تمام وقت کی اطاعت کی اہمیت کو خوب سمجھتی ہے، اسی لئے اسے اول دن سے صحیح منزل میں اعمالِ صالحہ

بجالاتے کی توفیق ملتا چلی آ رہی ہے، یہ ایک ایسا شرف امتیاز ہے، جو بجز جماعت احمدیہ کے اور کسی جماعت کو حاصل نہیں رہا ہوتا۔ انشاء اللہ، بارہا وہ جون مسلمان

نا اقلہ سیرگرمیاں کر اسے کیا کچھ

درازد کسکی، اس کو نہ آستیاں میں

ہمارے پاس اعلیٰ میں پہنچی ہیں کہ تقسیم یا دو سال سے قادیانی اپنے سن کی تبلیغ میں بڑی سرگرمی دکھا رہے ہیں مسلمانوں کے پاس ڈاک کے ذریعہ اپنا لٹریچر بھیجتے ہیں انھیں افسردہ اور قاتلانہ کے ذریعہ بھی مسک قادیانیت کی تبلیغ اور اپنی کن بول کی اشاعت کرتے ہیں؛ مسلمانوں کو قادیانیوں کے دام ترمذ سے بچانے کے لئے ہم نے ہر اہت کے ساتھ تین شماروں میں قادیانیت کو بے نقاب کیا ہے قادیانیت کی جب بھی تردید ہوگی ان کے مسک کو کفر و ارتداد سے نسبت دی جائے گی اور مرزا غلام احمد قادیانی کی ذات اور اس کے دھوسے کو بھٹکا ہی کہا جائے گا اور مرزا نے غیر قادیانیوں یعنی تمام مسلمانوں کو مغلط گالیاں دی ہیں اللہ انہیں و کرام ملک کی شفقت کی ہے! اگر نہ انداز راہ راست سنگ است!

ختم نبوت کا مسئلہ نہ تو نزاعی مسئلہ ہے اور نہ کوئی تحقیق طلب نظریہ ہے یہ دین و شرعیت کا مستقیم مسئلہ ہے اس باب میں دو رائیں ہمیں نہیں سکتیں، اس لئے قادیانیوں کا لٹریچر ڈاک کے ذریعہ کسی مسلمان کے یہاں آئے تو اسے بے دریغ چاک کر دیں، وہ بھلاں سے آئے وہیں حدیثت الفاظ میں خط بھیج دیں کہ آئندہ ان خرافات کا بھیجنا بند کر دیا چلتے، دست بدست کوئی قادیانی پنا کا بچہ یا پھنڈا دے یا اپنے مسک کی تبلیغ کرے تو اسے سختی کے ساتھ دارنگ دے دی جائے تاکہ وہ آئندہ ایسی جرأت نہ کر سکے!

قادیانیت کا جو جماعت مسلمہ کے لئے سب سے بڑا انتشار ہے اس کی ہر کتاب نذر و نسا کی جڑ ہے اور اس مسک فساد کی تبلیغ و اشاعت ملک و ملت کو انتشار دیتی ہے، کاش! حکومت تدبیر و حکمت کے ساتھ اس فتنہ کی روک تھام کر سکتی!

محمد رفیع قادری

۲۴ مئی ۱۹۶۲ء

فتنہ قادیانیت

ماہ جولائی کے "فاران" میں جو ادیب (نقش اول) فتنہ قادیانیت کی تردید میں لکھا گیا ہے اسے عام طور پر پسند کیا گیا، اس قسم الخروٹ کے پاس متحدہ خطوط آئے ہیں جن میں اس مضمون کو کتنا ہی صورت میں چھاپنے کا مشورہ دیا گیا ہے، ایک خط فواد کینٹ سے آیا ہے جس میں لکھا ہے کہ ایک صاحب جو قادیانیوں کی لاہری جماعت سے متاثر تھے، وہ رو قادیانیت کے سلسلہ میں "فاران" کے موقوف سے متفق اور مطمئن ہو گئے !

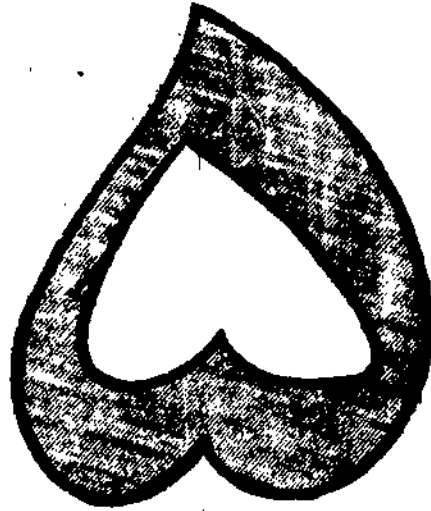
یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان و کرم ہے کہ نجد، حیدرآباد، گنڈاپور کے قلم سے اتنا دلائل قادیانیت شکن مضمون معروض تحریر میں آگیا۔ الحمد للہ علی احسانہ !

اس زمانے میں جب کہ قادیانیت کے مسلک کفر و ضلالت کی کھلے بندوں تبلیغ کی جا رہی ہے اس قسم کے مضامین کی عام اشاعت کی بیش از بیش ضرورت ہے، میں افادہ عام کی خاطر اپنے اس مقالہ کی اشاعت کی اجازت دیتا ہوں۔ بس اتنی گزارش ہے کہ مقالہ کو جاذب نظر انداز نہ کیا جائے۔ کتابت کی غلطیاں کم سے کم رہیں بلکہ نہ رہیں، اور اس کتابچہ کا ایک نسخہ مجھے بھیج دیا جائے۔

محمد رفیع دہلوی سیدہ فاران

ختم نبوت زندہ باد

بھوئی نبوت مردہ باد



آزمودہ دواؤں کا مرکب

انلجین



سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے
یقیناً زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Spaelit

طریق کار کا یہی واسطہ ہے جو آپ نے انبیاء کے اسوہ سے بعد از محنت باہر اخذ کیا ہے کہ خدا پرستوں اور غلامکے دین کے خدمت میں اسوں کی چند واقعی یا غیر واقعی بشری کمزوریوں کو بنیاد بنا کر ان پر قوم پرستی، عوام پرستی اور اسائن الوتھی کی پھبتیاں نہایت موثری سے چسبے گاویں کی گئی ہیں وہ خدمت دین کا عظیم کارنامہ ہے جو آپ نے سلسلہ سے لے کر مارچ سلاسل تک انجام دینے کا نام کوشش فرمائی ہے اگر صورت حالی یہ ہے تو فرما کرنا پڑے گا کہ نظر شادوم از زندگی نویسی کہ کار سے کروم ۱۱

کیا سلطان مودودی، جماعت اسلامی پر اپنے نظریات سے بخون کرنے کا الزام لگانے والی اور ان کے ماضی و حال میں تضاد تلاش کرنے والی یہ مقدس اور محترم مہنتیاں اپنے فکر و عمل کے تضادات پر بھی نگاہ ڈالیں گی ؟

زیر تھوڑے کچھ مصنف نے لانا تھا، دیکھی گویا ہے لیکن ای کی اس تبرک ساز حیا کے راقی میں اس دوز کا نشان نہیں ملتا جو اسلامی جمیت طلبہ کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ لیکن اس کی ذات پر مبنی اور جس کے نتیجہ میں ایک وجہ سے نامدار کارکن جمیت کو رکیزت ترک کر دین پڑی تھی۔ سارو جس میں اپنے کردار کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے انہوں نے ایک طریقہ۔ مثال بھی تعذیف فرمایا تھا۔ یہ واقعہ بھی جماعت کی رکیزت اختیار کرنے سے غالباً ایک سال قبل کا ہے ہارڈ اکثر صاحب اپنے قارئین اس پر بھی روشنی ڈال دیتے تو بھی مجھ ایسے دوسرا انداز دیہاتی قسم کے قارئین کو ان کی شخصیت کے مجھ میں کچھ مدخل جاتی ؟

آپ کی رواداری اور عالی ظرفی سے ڈاکٹر صاحب کی قسم کے لوگوں کے علمی پسند اور کارنامہ شہرتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب ایم بی بی ایس ہیں، حالی ہیں، انہوں نے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی ہے۔ بلاشبہ وہ ایک ذہین انسان ہیں لیکن ان کا دینی علم مولانا مودودی اور اکابرین جماعت اور ملت کے دوسرے سرکردہ ہندو گروں کی تعانیف تک ہی محدود ہے۔ ان کے فکر کو نظر کو بنانے اور ان کی شخصیت کو اچھانے اور نگھانے میں خود مولانا مودودی، جمیت اور جماعت کو بہت بڑا دخل حاصل ہے۔ مولانا مودودی بھی بلاشبہ ایک غیر معصوم انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں شخصیت ساز قسم کی جن بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے اس سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مولانا محرم ڈاکٹر صاحب موصوف کے لئے ایک شفیق، مہربان استاد کا وجہ رکھتے ہیں، زندگی کا اور زندگی کے مقصد کا شعور انہیں ابتداء مولانا مودودی ہی کے واسطے سے نصیب ہوا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب اپنے اس قابل احترام مہربان، شفیق اور محسن زندگی کے بارے میں جو انداز گفتگو اور جس طرح کا لب و لہجہ استعمال کرتے ہیں اور جس مقام بلند سے انہیں خطاب فرماتے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

یہاں مولانا نے اس بات سے کئی کترا کر بات بنانے کی کوشش فرمائی ہے اور اس مفروضے کے دامن میں پناہ

لی ہے جو خط کشیدہ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے "صفحہ ۳۳"

ایک اور مقام پر مولانا محترم کو "علیٰ بذلی" کے مہذب خطاب سے نوازتے ہیں :

"چنانچہ تم ایک کامسند اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے سخیل میں جماعت اسلامی کی سب سے بڑی اہل علم اور اہل فہم مستی نے "علیٰ بذلی" کا مین ثبوت فراہم کیا۔ اول اذلی جب یہ سلسلہ جھڑا تو جواب دینے میں مولانا مودودی

صاحب تشریف لائے اور ایچ پیج کے ذریعہ جواب دینے کی کوشش کی۔" صفحہ ۱۹

اختلاف کن ہرگز عدم نہیں لیکن اگر دیکھیں علم و تقویٰ بھی "بازی بازی باریش بابا ہم بازی کا طیرہ اختیار کر لیں تو پھر کچھ جنت "تاخیر سے رنگ کھانے کا کیا گہ" جب سونا - خودی رنگ قبول کن اس شہر کا کوسہ علم کی نا پختگی کے ساتھ ہمہ جانی کے پندار کا جب جو رنگ جلتے تو ہر شہر و خود کی بے بصیری ہی گل کھلاتی ہے !!

اگرچہ سری مسعود صاحب خاص طریق پر گئی ہیں تاہم اگر میں نہ بحث کتاب کی چند فکری خامیوں کی نشاندہی نہ کروں تو بات نامکمل رہ جائے گی

اس لئے مندرجہ ذیل چند بنیادی باتوں کا ذکر کہے اپنے اس خط کو ختم کرتا ہوں۔

۱۔ جماعت اسلامی کی پالیسی اور طریق کار پر اعتراض کہے والوں کی یہ ضرورت کی جا رہی ہے کہ وہ اس بات پر غور فرمیں کہ کتنے کو آپ مختلف حالات میں ان کے لئے طریق کار کی ایک ہی پیمائش یا حالات کی رعایت سے مختلف پیمائشیں ہو سکتی ہیں۔ کیا سو فیصدی غیر مسلم معاشرہ میں جماعت اسلامی حکومت ہر دو دن اقامت دین کا طریق کار یا حکومت و تبلیغ کا طریقہ عمل وہی ہوگا جس کی مستحکمیت پسند سیاست میں ہوگا؟ کیا طریقہ جو کسی مسلمان ملک پر غیر اسلامی مطلق العنان طاقت مسلط ہو جائے تو کیا اس میں بھی طبعی حد و حدود وہی ہوگا جو کسی ایسے ملک میں اختیار کیا جائے گا جس نے کوسریہ لبنان میں اسلام کا اقرار بھی کر لیا ہو۔ جس کی حکومت کا ڈھانچہ بھی جمہوری ہو، لیکن اس کے اندر بھی اصل وعدہ مطلق دین سے انحراف کی فکر میں ہوں اور انہیں انحراف اور استبداد کی راہ سے روکنے کے لئے بجز راتے حاسبہ کے اور کوئی طاقت نہ ہو۔۔۔۔۔ ان مختلف حالات میں اقامت دین کے لئے طریقہ کار اور عملی تدابیر ایک ہی رہیں گی یا حالات کے تغیر کے ساتھ ان میں بھی تبدیلی کا امکان موجود ہے؟ اس مسئلہ میں انبیاء علیہم السلام کا اس سے کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہدایات دی ہیں؟ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پیغمبر اللہ کے کیا عملی نمائندگیاں کیں ہیں؟ ان مختلف مسائل کے پاس میں منصف و معروض کے ذہن میں ہرگز صحیح جواب موجود نہیں۔ ان کی کتاب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک اقامت دین کا وہ طریق کار جو اصل ازلیہ تعلیم تحریر کیا گیا تھا بس وہی حرف آخر تھا۔ اس میں تبدیلی اور حالات کے مطابق اس میں تغیر ان کے نزدیک اصولی انحراف کے مترادف ہے حالانکہ اگر وہ خود کرتے تو یقیناً اس بات سے اتفاق کر لیتے کہ اقامت دین کی عملی حدود کے خطوط متعین کر دینے میں حالات کا بیک وقت بہت اہم ردی ادا کرتا ہے جس طرح ایک مکان کی تعمیر میں مومی حالات اور سبب و سبب و غیرہ کا خیال رکھنا پڑتا ہے بعینہ اسی طرح اقامت دین کی عملی حدود کی عملی رہنمائی کرنے کے لئے بھی کسی ملک کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور شرعی اوضاع اور تاریخی عوامل کا بہت حد تک غور کرنا پڑتا ہے بعض اوقات یہ عوامل اقامت دین کی تحریک کو ایک ایسی ہمیز دھندلیں کہ ایک داخلی حق کو اپنے کام کے آغا دی ہیں آخر کیا اس انتہائی قدم اٹھانا پڑتا ہے اور بعض اوقات یہ عوامل ایسے سنگ بادل ثابت ہوتے ہیں کہ داخلی حق کو مدت العزیز کے ابتدائی منزل سے آگے بڑھنے نہیں دیتے۔ اس بات کو انبیاء علیہم السلام کا انصاف و انصاف و انصاف حضرت لور، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگیوں میں پامانی دیکھا جا سکتا ہے۔ بدلتے اقامت دین کے عملی طریقوں میں حالات کی رعایت سے تفاوت رہا ہے اور یہی انبیاء علیہم السلام کا اس سے ہے۔ لیکن چند اصولی استنباطی باتیں ایسی بھی ہیں جو کسی صورت میں تبدیل نہیں ہو سکتیں۔ خواہ حالات میں کتنی ہی بڑا انقلاب کیوں نہ آ جائے اور عملی تدابیر میں خواہ کتنی بڑی تبدیلی کیوں نہ واقع ہو، مندرجہ ذیل چند بنیادی باتوں کا ذکر کہے اپنے اس خط کو ختم کرتا ہوں۔

۲۔ انبیاء علیہم السلام جب اپنے ماحول کے منکر سے نمکڑے ہیں تو منکرات کے قبیلے کے ہر چہرے بڑے بڑے فرسے نہیں نکالتے، بلکہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے دور کا منکر اظہار کیا ہے؟ آیا وہ وقت کا سیاسی نظام ہے یا بیچارہ ہر اندیشہ طبقہ، قبیلے اور دیوبند کی عصبیت ہے یا علوم و فنون وغیرہ۔ وقت کا جو بھی طاقتور شخص ہو جائے وہ سب پہلے اسی سے نمکڑا آواز مانی کہتے ہیں۔ منکرات کے خاندان کے ہر فرد سے انہیں رض کرنا ہوتا ہے حکمت عملی کے خلاف ہوتا ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام اپنے دور کے سب سے بڑے منکر، انکسار منکرات۔۔۔۔۔ یعنی بائیسوں کے پیچھے سر چھپنے کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (ب) منکر اعظم کو شک کی غلبہ رکھنے کے ذہن کو قائم کرنے کے لئے وہ ہرگز اس بات کا انشاء نہیں کرتے کہ جب تک معاشرے کے اصلاحات نہ ہو جائیں اس وقت تک طاقت کے خلاف کوئی عملی اقدام نہ کیا جائے۔ وہ تمنا نہیں فرمیں کہ وہی دور کا کام کر رہے ہیں انسان ان کے ساتھ صحابہ کرام کی جھوٹی بازی جو صحت پر توڑی ہے ان کے کام کو سرانجام دیتے ہیں اور ان کے خوف و امید کوئی ایک لمحہ بھی متاثر نہ کرتے وہ اپنا کام کئے چلے جاتے ہیں۔ کسی وقت وہ اپنے کام کا آغاز اصلاح معاشرہ کی راہ سے کرتے ہیں، کبھی سیاسی طاقت کو دین کی تقریر اور معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بنا دیتے ہیں اور کبھی اصلاح معاشرہ انقلاب آواز اور اصلاح حکومت کے کام کو ایک وقت ایک لمحہ میں قوانین کے ساتھ کرتے چلے جاتے ہیں اور قصور و حرف کو قائم ان کے کام اور ان کے ختم کرتا ہوتا ہے۔

(د)۔ انبیاء علیہم السلام مشترکے عظیم منبع کو بند کرنے کی جب کسی کوشش کرتے ہیں تو وہ بڑی کا جواب بڑی سے برگزینے پر ملے بلکہ نکرات یا عقائد کے لئے ہتھیارِ حشرات ہی کے اسلحہ خانہ سے حاصل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ علیہ طریق اختیار کرتے ہیں جن سے خدا کی زمین میں امن قائم نہ ہو لیکن وہ خدا سے بھر جائے۔

(د)۔ وہ اپنے نصیب الین کو کسی بڑی سے بڑی قیمت پر برگزینا نہیں کرتے، چند چھوٹے گمراہیوں کی نگاہ میں مقصود ان کی نگاہ میں کھانے رہتا ہے یہ انداس طرح کی چند بنیادی باتوں کے علاوہ تمام دوسری تفصیلات میں اقامت دین کا طریق کار حالات کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے اور انداز سبھی مختلف حالات کی رعایت سے بدلتا رہے گا اور یہی انبیاء کی سنت ہے۔ اسی لئے امت کے جنس البعد مجددین کے تجدید کار ناموں میں بھی چند اصولی باتوں کے سوا عملی طریقوں اور تفصیلی تدابیر میں کافی تفاوت موجود ہے۔ حضرت حسین، انصاری، امام ابوحنیفہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام غزالی، امام ابن تیمیہ، محمد بن عبدالوہاب، محمد والد ثانی، شاہ ولی اللہ، سید احمد بریلوی رحمہم اللہ تعالیٰ انھیں کی چند چھوٹے گمراہیوں اور تدابیر میں نمایاں فرق کی بڑی وجہ بھی ان بزرگان دین وقت کے اپنے اپنے وقتوں کے سیاسی، مذہبی اور معاشی حالات کا اختلاف ہے۔

جماعت اسلامی کی تدابیر اور پالیسیوں میں بھی انبیاء کی یہی سنت ایک رہنما اصول کا دہرہ رکھتی ہے اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ جماعت اسلامی نے انبیاء کے طریقے کو چھوڑ دیا ہے تو اس کے ساتھ اس شخص پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ یہ بھی بتائے کہ جماعت اسلامی انبیاء کے طریقوں میں سے کس طریقے کو چھوڑ چکی ہے کیا اس نے اپنے وقت کے منکر اعظم سے مصالحت کر لی ہے اور اسے اس بات کا یقین دلادیا ہے کہ وہ نبی تان کر سکتا ہے یہ بات تو مختلف فیہ ہو سکتی ہے کہ جماعت اپنے منکر اور اپنے دوسرے منکر اعظم کے پچھانے میں غلطی کر جائے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جس کو منکر اعظم قرار دے رہی ہے وہ فی الحقیقت "منکر اصغر" ہو۔ اس اختلاف کی گہرائی نہ صرف موجود ہے اگر اقامت دین کا کام کرنے والوں کے دماغ میں صرف "منکر اعظم" کے تعین کرنے میں اختلاف ہو جسی تو کئی لحاظ سے یہ باعث رحمت و برکت ہے لیکن اس اختلاف کو بنیاد بنا کر کسی شخص کو اس بات کے کہنے کا برگزین نہیں ہو چکا کہ جماعت انبیاء کی راہ سے بھٹک گئی ہے۔ اگر جماعت نے منکرات کے سرچشمہ کے خلاف کام کرنا بند کر دیا ہو، یا کام تو کر رہی ہو لیکن اس کشمکش میں دوسرے اور مختلف غمروں کو فروغ دینا مستحسن لگے تو وہ فی الواقع اس کے جرم کی حرکت پر رہی ہو، یا اس سے ایسی بدعنوانی اور ضلالت دین ہو کہ ان کا عقیدہ بدلا ہو۔ جس سے اس کی دنیاوی رحمت اور دنیاوی کام کے جس طرح ہونے کا احتمال پیدا ہو گیا ہو تو واقعہ جماعت اسلامی کے معاملے میں یہ ایک نشتر لٹکانا صریح حال ہوگی۔ لیکن اس بات کے ثابت کرنے کے لئے نہایت قوی دلائل دیکھ رہے صرف یہ کہنا ہرگز کافی نہیں کہ غیر منظم ہندوستان میں جو طریق کار اختیار کیا اپنے طریق کار میں تبدیلی نہ کرتی نہ صرف اس کا یہ اقدام شریعت کی واضح نصوص کے خلاف ہوتا بلکہ حکمت و دانائی کے بھی خلاف ہوتا۔ آخر وہ پالیسی جو سہم کروڑ غیر مسلم اکثریت کے ملک میں ایک کافرانہ نظام حکومت کے سامنے اس وقت پرستی کی لادینی تحریکوں کے مقابلے میں تقسیم سے قبل طے کی گئی تھی وہ تقسیم کے بعد جوئی کی قوت تقسیم اور فیصدی مسلم معاشرہ اور اسلام کے غرض اور دنیاوی مقاصد کے لئے جوئی کی دلائل کی دلائل سے ناراض ہیں، انہیں اس بات کی شکایت ہے کہ جماعت نے قرآن و سنت کی عطا کردہ بصیرت کی روشنی میں طریق کار کے لئے خطوط آخر کیوں متعین کئے ہیں اور اس نے "منکر ایک دیم دم نہ کریم" دلی پالیسی یا نوکرینوں میں نہیں کیا۔

؟

۲۔ کتاب زیادہ بعد کے مصنف کے ذہن میں دوسرا اثر اخلاطہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے غیر خودی طرز پر مولانا محمد دودی کو محض "ریسرچ اسکالر" اور جماعت اسلامی کو صرف "ریسرچ اکیڈمی" فرض کر لیا ہے اور وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مولانا محترم اور جماعت دونوں معاشرہ اور اس کے حالات سے اعلیٰ ترین اسلامی قوانین و نصوص اور انقباضات کے اثرات سے بالکل بے نیاز ہو کر تحقیق اور ریسرچ کا کام کر رہے ہیں اور وہ تو ان وقت اپنا تحقیقی مواد ایک میں تھیکہ کیلئے لاتے ہیں۔

یہ مولانا نے اوردہ مذکورہ اصطلاحات کی ضد۔ اس معنی میں لفظ ”قوم“ کا استعمال بھی ہرگز ممنوع نہیں۔ ان معنوں میں اس لفظ کو مولانا نے تقسیم سے قبل بھی استعمال کیا ہے۔ آپ بھی استعمال کرتے ہیں اداً منہ بھی ہوتا رہا ہے اس کے استعمال میں ہرگز کوئی قیادت نہیں قرآن اوردہ حدیث میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے

اگر انتہا سادات کی بات چل نکلے تو اس سلسلے میں کچھ آخری گزارشات بھی سن لیجئے :-

● اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے مولانا مودودی کو ”قوم پرست“ ثابت کرنے کے لئے کہاں اوردہ بہت سے اقتباسات دئے ہیں وہاں ”تفصیل فلسطین“ والا ذکوردہ اقتباس بھی نقل کیا ہے لیکن اس طرح کہ مولانا محترم کا بھی لفظ ”فلسطین“ کا صحیح نہ ہونے کا پائے اگر یہ صحیح نقل کیا جاتا تو ڈاکٹر صاحب کو اپنی کتاب کے کئی حصے تبدیل کرنے پڑتے۔ اس کے تفصیلی ذکر کے لئے چونکہ دو تین صفحے مزید لکھنے پڑتے ہیں لہذا اتنا اشارہ کافی ہے جسے تحقیق کرنی ہر وہ اصل سے موازنہ کر کے خود دیکھ لے۔

● اس سلسلے کی دوسری بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے مولانا مودودی کی پیش کردہ دعوت کے تین نکات میں سے دو کا ذکر اصراراً اداً اشاراً تو مقدمہ بالکلیا ہے لیکن اس دعوت کے تیسرے نکتے کی کتاب کو کچھ انگ لگتے نہیں دی حالانکہ یہ ”نکتہ“ بھی قبل از تقسیم دعوت ہی کا اہم ترین جز تھا۔ ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟ اس کی سبب بڑی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف مولانا محترم اور جماعت اسلامی کی پالیسی ”انقلاب قیادت“ اور اصلاح حکمت“ کو زیر بحث لا کر جماعت کے اعلیٰ و اعلیٰ میں ”تلفظاً“ ثابت کرنے کے جوش میں تھے۔ اور یہ بحث اس کتاب کی ”جان“ ہے اگر دعوت کا یہ تیسرا نکتہ نشان کرکھا جاتا تو اس کتاب کی ساری ”جان“ ہی نکل جاتی اس لئے ڈاکٹر صاحب نے سرے سے اس کا ذکر کرتا ہرگز مناسب ہی نہیں سمجھا حالانکہ انصاف کی دوسری انہیں اس نکتے پر بھی گفتگو کرنی چاہئے تھی۔

● اس سلسلے کی تیسری ادا اہم ترین بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے مولانا موصوف کی ایک ہی عبارت کو اپنی کتاب کے متن مختلف مقامات پر نقل فرمایا ہے اور یہ کتاب کو معلوم ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے یہ کتاب ”دو قسطوں“ میں تصنیف فرمائی ہے یعنی اس کا ایک حصہ تو وہ ہے جو دس سال قبل لکھا گیا تھا اور دوسرا حصہ جو صفحہ ۲۰۰ سے شروع ہوتا ہے غالباً پہلے حصہ کے دس سال بعد تحریر کیا گیا ہے۔ جن اقتباسات کا میں نے ذکر کرنے والا ہوں ان میں سے دو انہوں نے پہلے حصہ میں درج فرمائے ہیں جہاں ان کی ناقص، محدود و نامکمل اور حیرت انگیز حد تک مغالطہ آمیز ہیں۔ مولانا موصوف کی اسی تحریر کا تیسرا اقتباس موصوف نے اپنی کتاب کے دس سال بعد والی تحرییر کے صفحہ ۱۱۰ پر دیا ہے جہاں ناقص اور نامکمل تو نہیں البتہ اسے سماجی و سیاسی سے الگ کر کے اس کے اندر مغربی تحریف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

● ڈاکٹر صاحب موصوف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳ پر مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے ”طریق کار“ میں تضاد ثابت کرنے کیلئے فرماتے ہیں :-

”لیکن اب — اپنے آپ کو اصولاً تحریک پاکستان میں نشان کر لیا گیا اور امید یہ باندھی گئی کہ تیسیم پاکستان کے فوراً ہی، (آگے مولانا کا اقتباس نقل کرتے ہیں)

”اسلامی نظام کے نصیب العین ملک پر چنے کے لئے ایک پس ترین اور قریب ترین راستہ ہمارے ہاتھ میں لیا گیا ہے“

ملاحظہ ہو یہ تمام اسلامی کی صحیح ترتیب

اس اقتباس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا کی ذات سے جو فقرے منسوب کئے گئے ہیں وہ سیاق و سباق سے بری طرح الگ کر کے پیش کئے گئے ہیں اگر اس مطالعہ کریں تو پاکستان کی قیادت سے کئی قسم کی ”اسید باندھنے“ کا سہ سے کوئی نشان ہی نہیں ملتا۔ اس میں دوسری بات قابل غور یہ بھی ہے کہ موصوف نے اس اقتباس کا ہر حال وہ دیا ہے وہ سخت مغالطہ آمیز ہے کیونکہ ”تمام نظام اسلامی کی صحیح ترتیب“ نام کی کوئی کتاب جماعت اسلامی کے کئی کئی برس سے موجود ہی نہیں

(PREREQUISITE) کی تردید بھی موجود ہے، انہوں نے خود بھی اپنی کتاب کے متعدد مقامات پر اس بات کی شکایت کی ہے کہ پوسر اقتدار طبقہ پر جو تنقید جماعت کی طرف سے کی جاتی رہی ہے وہ سخت استدلال سے مستحضر تھی۔ اندیشہ یہ تھا کہ یہ تنقید بھی مولانا کی ذیل کی اس قرینہ کے نہ کرنے کی غرض سے اخذ فرمایا جا رہا ہے جس میں مولانا فرماتے ہیں۔

”مسئلہ کا سیاسی انقلاب ہمارا لگاہ میں مصلحتی انقلاب تھا۔ اور پھر اختیارات ناقص لیتے ہی ہماری قوم کے قائدوں نے جواب قائل ہی نہیں حاکم بھی تھے ملک کے مذہب نظام کے متعلق جیسی الجھی الجھی باتیں کرنی شروع کیں اور قوم میں طرح ابتدائی چند مہینوں میں ٹھنڈے دل سے شقی رہی اسے دیکھ کر تو صاف معلوم ہو گیا کہ اس وقت ایک بے شعور قوم کی ہاں ایک بے سارگرہ کے ناقص ہیں اور یہ وقت خاموشی بیچ کر تعمیری کام میں لگے رہنے کا نہیں ہے اب اگر ایک لمحہ بھی ضائع کیا گیا تو بعید نہیں کہ جو لوگ منزل کا تین گئے بغیر بے سرچے سمجھے چل پڑے تھے، وہ کیا ایک کسی غلط نظریے کو اس ملک کی بنیاد قرار دے بیٹھیں اور پھر اس فیصلے کو برواں موجودہ حالت کی بہ نسبت ہزار گنا زیادہ قریبوں کے بغیر ممکن نہ رہے۔“

یہ تو تھی۔ امیریں باندھنے والا لازمی PREREQUISITE کی حیثیت لیکن مولانا نے جوابات اس اقتباس میں کہی ہے اس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب تحریر کرتے ہیں۔

”ایک غیر اسلامی دستور کے نفاذ کی صورت میں سمجھیں نہیں آتا کہ الیہ کون سا پہلو تھا جو فوراً ٹوٹ پڑنے کو تیار رکھا تھا۔ اس صورت میں ہماری پوزیشن انگریزی دور حکومت میں متحدہ جماعت اسلامی اور ہندوستان میں آج کی جماعت اسلامی کی پوزیشن سے آؤں گے دیکھ میں مختلف ہوتی۔ آپ اس کی کو اسلامی دستور کی طرح قبول کرنے میں طرہ انگریزی حکومت آپ کو تسلیم تھی اور ہندوستان کا سیکولر دستور جماعت اسلامی ہند نے قبول کیا ہے۔“

کتنا خوبصورت استدلال ہے! ذرا ت کا اس قدر حسین شاہ کا ہے؟ مولانا مودودی کے استدلال کا کیا اچھا رد ہے۔

اس کتاب کے صفحہ ۲۰۶ اور ۲۱۱ کی ساری بحث پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے اگر کسی صاحب کو اس مسئلے سے دلچسپی ہو اور وہ حقیقت حال سے واقف ہونا چاہتے ہوں تو وہ ضرور ان مقامات کا مطالعہ کریں۔ اس میں انہیں بڑی دلچسپ باتیں پڑھنے کا اتفاق ہو گا، کہیں بنیادی دعوت اور تعلیمین کو طریق کار کے مترادف سمجھا گیا ہے، کسی مقام پر تدبیراً عمل اقدامات کو۔ امور کو کے جو معنی فرض کر لیا گیا ہے کسی جگہ ”راہ“ کو ”راہ پر چلنے“ کے مترادف خیال کیا گیا ہے، کہیں اس طرح کا انداز فکر طے ہوا کہ اصلاح معاشرہ کے کام کے وقت اگر گھر کو آگ لگ جائے تو اس کے بجائے کی مٹی کرنا اعتقاد، اور اصول سے انحراف کم معنی ہو گا، اور مسجد کو شراب گھر میں تبدیل کرنے والوں کی راہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش کرنا گویا قوم پرستی، عوام پرستی، اور محبت پسندی جیسی شیطانی تحریکوں کا نتیجہ ہو گا اور جہاں آپیں استدلال کہ ہے چار گئی محسوس ہوتی ہے تو وہاں یہ کہہ کر بات ٹال دیتی ہے کہ بغیر تمام کی تمام رد لیں، اس قدر ہوشی میں کہ ان پر کلام کرنے کو کبھی نہیں چاہتا؟

مگر صاف سب کے ذہن ان میں۔ ان کی ذات سے ان کے دوستوں کو ابھی توقعات تھیں لیکن ان کے منفی انداز فکر نے انہیں ایک ایسی راہ پر ڈال دیا ہے اور بعد کے پچھلے پڑاؤ نے انہیں ایک ایسے جوہر میں پھنسا دیا ہے کہ جن کی وجہ سے دس سال کا ایک طویل عرصہ گزر جائے گا وہ بھی وہ دین و ملت کے لئے کوئی قابل ذکر کام نہیں کر سکے اور اب جماعت اسلامی کے غیر معصوم رہنماؤں کے فکر و کردار میں تضاد تلاش کرنے کا انہوں نے جو بیڑا اٹھایا ہے وہ انہیں کسی بھی کام کے قابل نہیں سمجھو گے گا۔ یہ عرصہ حقیقتہً انہی پر صادق آتا ہے:

خوش و غمشید وے شعلہ مستقیم بود

کاش انہیں اس بات کے جائزہ لینے کی توفیق ہوتی کہ "مجلت ہندی" کے جس عیب کی نشاندہی انہوں نے جماعت اسلامی میں کی ہے۔ کہیں اس کا ظہور ان سے تو نہیں ہوا۔ ان کی پختگی سے قبل وہ علم و مطالعہ کی کمی کے باوجود اقامتِ دین کے ہر سبق کا دلکھ صبیحِ رویت کا شعور حاصل کئے بغیر اندوخت سے بچھڑے آپ کو مفکرِ اند مجتہد کے ایک مقام بلند پر بٹھا کر جماعتِ اسلامی پر تنقید کرنے ادا سے چھڑنے میں ان سے کہیں "مجلت" تو نہیں ہوتی۔ ۱۱

میرے گذشتہ اشاعتِ ادا سے توفیق سے نیا وہ طریق ہو گئی ہیں اس لئے اب انہیں ختم کرتا ہوں۔ اگرچہ یہ آپ کے لئے ہیں لیکن قارئینِ مہلتانِ کمان کے مطالعہ میں شریک نہ ہوں تو مرنے بھی رہوں گا۔ اور مجھوں گا کہ میری محنتِ دانگاہ نہیں گئی۔ ۱۱ والہم

(بقیہ روحِ انتخاب) ڈاکٹر میکا ریوس کی سلسلہ بدعہدیاں اور اسلام اور مسلمانوں سے اس کی کھلی ہوئی دشمنی کے بعد کوئی چارہ باقی نہیں رہا، سوائے اس کے کہ قریب کے مسلمان اپنی قسمت کے خود مالک بنیں۔ ادبِ جہاں ان کی اکثریت ہے وہاں کا نظم و نسق ان کے اپنے ہاتھوں میں ہو۔ قریب مسلمان اس اقدام پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ حکومتِ ترکیہ بھی مبارکباد کی مستحق ہے کیونکہ اس نے براہِ دین کو اپنی عملی امداد کا حق وادہ سمجھا اور بعض تقسیمِ دین ادبیاتوں میں سے ان کا پیٹ بھرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ وہ مسلمانوں کی امداد کو ہر گز ادا اس کے بعد قریب مسلمان اس قابل ہوتے کہ وہ میکا ریوس کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہیں۔

کاش کہ مسلمان ہر جگہ اپنے منظم جماعتوں کی اسی طرح امداد و اعانت کریں۔ اکی صحت میں غلطیوں کو خیر سے مٹا کر برکتیں ہیں۔

(بہ شکر یہ ماہنامہ "ثقافت" لاہور)

اشرف الیبارٹریز

ڈاکٹر نوزاد شریٹنٹ ادویات -

ڈاکٹر خاص اجزاء سے تیار شدہ قریب دینی مرکبات -

ڈاکٹر ماہرانہ لٹیفین -

ڈاکٹر ہمدانہ علاج کا عظیم اور قابلِ اعتماد مرکز

خدا نخواستہ مریض ہوں

خواہ جلیب ہوں یا ڈاکٹر

آپ اپنی طبی ضروریات

اسے ادا کریں

آپ
ایسی مریض کمر پرست

اسی طرح قابلِ اعتماد آپ کے جس طرح ڈاکٹر فرماں ادا کی خدمات سے مطمئن ہیں۔ بہانہ ادا اس کا ٹھیکہ تجویز مفت طلب فرمائیں

اشرف الیبارٹریز جناب کالونی - لال پور

ترجمہ و تفسیر
مولانا محمد تقی عثمانی
(مدظلہ العالی کراچی)

دعا کیوں کی جائے؟ امام رازیؒ کی تفسیر کبیر سے ایک اقتباس

امام فخر الدین رازیؒ کی تفسیر کبیر علوم و معارف کا ایک خزانہ ہے، اس میں دین کے اسرار و حکم، قرآن حکیم کے معارف و لطائف، اہل عقائد و کلام سے متعلق نہایت قیمتی مضامین ملتے ہیں، خاص طور سے عقل پرستوں کی تسکین و تسلی کا اس میں بڑا مواد ہے اس کے مطالعہ کے دوران مساوات الہی بخش نظر سے گذرتی ہیں جنہیں دیکھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ امام رازیؒ بیسویں صدی کے تشکیک زدہ ذہن کو پیش نظر رکھ کر یہ سب کچھ لکھ رہے ہیں، ایسے مواقع پر ہمیشہ دل یہ چاہتا ہے کہ ان مضامین کا اسلوب میں ترجمہ کر دیا جائے، مگر پھر ہمیشہ یہ خواہش معروضات کے انہار میں دفن ہو جاتی ہے، اتفاق سے حالیؒ میں جب محترم جناب عارف آستان نے فاران کے لئے کوئی مضمون بھیجنے کے لئے فرمایا تو اس دعا سے متعلق امام رازیؒ کی ایک بحث پڑھ کر غار مغنا ہوا تھا، دل چاہا کہ آج اپنی دیرینہ خواہش کی ایک قسط پوری کر دی جائے، اس طرح یہ مضمون آپ کے سامنے ہے۔

اس مضمون کا پورا مفہوم امام رازیؒ ہی کا ہے، البتہ اسے عام فہم بنانے کے لئے میں نے نہ صرف یہ کہ اس کے اسلوب بیان کو بدلا ہے، بلکہ اس کی ترتیب میں بھی بہت تبدیلیاں کی ہیں، اس لئے کہ اس کے بغیر اسے اسلوب کے موجودہ مزارع میں ڈھالنا ممکن نہ تھا۔
تقی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، —

أَجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَا (البقرہ)
جب کوئی پکارنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔

دعا کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے پروردگار سے عنایت اللہ ہو، دعا کا طلبگار ہو، بعض جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ دعا ایک بے نامہ چیز ہے اس سلسلے میں ان کے دل میں جو شبہات پیدا ہوتے ہیں، ہم یہاں ان کا جواب نہ کر سکتے ہیں۔

(۱) دعا کے بارے میں پہلا شبہ تو بعض عقل پرستوں کو یہ ہوتا ہے کہ جو بات دعا میں طلب کی جا رہی ہے یا تو فائدہ دینے میں اس کا واقع ہونا لگتا جا چکا ہے، یا واقعہ نہ ہونا، اگر تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ وہ ضرور واقع ہوگی، تب تو دعا کر لے سے کوئی غائب نہیں۔ اس لئے کہ اس کو تو واقع ہونا ہی ہے

اس اگر تقدیر میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ وہ واقع نہیں ہوگی، تو انسان خواہ کتنی دعا کرے وہ ہرگز واقع نہیں ہو سکتی، اس حدیث میں بھی دعا سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

جن عقل پرستوں کے دل میں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے، ان کا جواب دو طریقے سے دیا جاسکتا ہے، ایک طریقہ تو یہ ہے کہ خدائے عز و جل نے سوال کر لیا جائے کہ جن لوگوں کے بارے میں تقدیر میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ یہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے فریاد دعا کریں گے اور آخر کار دعا کر کے رہیں گے، خواہ آپ ان کے سامنے دعا کے بیچارہ ہونے کی کتنی ہی دلیلیں پیش کرتے رہیں پھر آپ دعا کے خلاف یہ دلیل کریں پیش کرتے ہیں؟ اور جن لوگوں کے بارے میں تقدیر میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ وہ اپنی مقصد پر آدمی کے لئے دعا نہیں کریں گے، وہ تو پہلے ہی دعا نہیں کر رہے ان کے سامنے بھی آپ کی یہ دلیل سے فائدہ ہوگی۔

یہ تو اجماعی جواب تھا، مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ قیامت تک پیش آنے والے مروجہ واقعہ ہے اور جو بات تقدیر الہی میں لکھی جا چکی ہے اس کے خلاف کوئی واقعہ پیش نہیں آسکتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی اس تقدیر کو علم و فہم سے پوشیدہ رکھا ہے اس لئے کہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ امید اور خوف کے طے پائے جذبات کے ساتھ زندگی گزارے، اگر تقدیر الہی کو ہر خاص و عام پر ظاہر کر دیا جائے تو ہر شخص اپنا انجام پہلے ہی معلوم ہو جائے گا اور اس کی وجہ سے جہد و عمل کی تمام راہیں بند ہو جائیں گی، ہر شخص یہ سمجھے گا کہ جب مجھے جنت میں پہنچانی ہے تو خدا و خواہ ان عبادتوں کی رحمت سے کیا فائدہ؟

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے بندوں کو امید اور خوف کے درمیان قائم رکھنے کے لئے اپنی تقدیر کو ہر آدمی نگاہوں سے پوشیدہ رکھا ہے ای امید اور خوف کی کشش پر نظام عالم کا یہ پورا کارخانہ قائم ہے اور اس دنیا میں انسان کی ساری سرگرمیاں "امید" کو حاصل کرنے اور "خوف" سے بچنے کے لئے ہوتی ہیں، چونکہ انسان کو یہ امید ہوتی ہے کہ اس کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ اس لئے وہ اسے حاصل کرنے کی ہنگامہ داری کرتا ہے اور چونکہ اسے یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں اس مقصد سے محروم نہ ہو جائے اس لئے وہ ان سب باتوں کو ٹھکراتا ہے جو مقصد کے راستے میں پیش آسکتی ہیں۔

لہذا جس طرح تقدیر کے معین ہونے کے باوجود ایک شخص کا اپنی زندگی کے حصول کی کوشش کرنا بے فائدہ نہیں ہے اسی طرح زندگی کے حصول کے لئے دعا کرنا بھی بے فائدہ نہیں۔

صحابہ کرامؓ نے بھی ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی قسم کا ایک سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ! ہم دنیا میں جو عمل کرتے ہیں کیا ان کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے؟ یا ہمارے عمل کرنے کے بعد ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تمام اعمال کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ پھر ہمارے عمل سے کیا فائدہ؟ تو آپ نے فرمایا:-

اعملوا فانکم ملیتوا ما خلقکم
عمل کرتے رہو، اس لئے کہ ہر شخص کے لئے وہ کام آسان کر دیا جائے گا جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔

اس حدیث کے لحاظ سے ہر فرد سمجھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ بھی بتا دیا کہ تمام اعمال کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ لیکن ساتھ ہی عمل کی تاکید بھی فرمائی اور واضح فرمادیا کہ انسان کے جہد و عمل کا فائدہ یہ ہے کہ وہ تقدیر الہی کے لئے ظاہری سبب بنتا ہے۔

خاصہ یہ ہے کہ تمام واقعات کے مقصد ہونے کے باوجود ہمیں عمل کرنے کی اس لئے تاکید کی گئی ہے کہ ہمیں تقدیر کے فیصلوں کو علم نہیں، اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہے کہ تقدیر کے تمام فیصلے ہمارے عمل کے ظاہری اسباب ہی کے واسطے سے رو بہ عمل ہوں گے، اس لئے ہر فرد کو چاہئے کہ وہ ایسے اعمال اختیار کرے جو اس مقصد کے حصول کا ذریعہ بن سکتے ہوں، ہو سکتا ہے کہ تقدیر میں اس کے انہی اعمال کی وجہ سے مقصد حاصل کرنا مقصد کیا

جا چکا ہے۔

اس دنیا میں مختلف مقاصد کے حصول کے لئے ہماری تمام دغدغہ و محنت اسی لئے ہے اور اسی وجہ سے ہم اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے دعائیں بھی کرتے ہیں۔

(۶) بعض لوگ دعا پیر اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو ہر انسان کی ہر چھٹی چیز سے واقف ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ انسان کو کیا حاجت پیش ہے؟ اور اس کے دل میں کون سی خواہش پیدا ہو رہی ہے؟ پھر دعا کے نتیجے میں اسے اپنی حاجت یا خواہش ظاہر کرنے سے کیا فائدہ؟ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ دعا کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی حاجت اور خواہش سے واقف کرایا جائے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ بندہ اپنی حاجت کو حاصل کرنے کے لئے اپنے پروردگار کے سامنے ہجرت اور سکنت کا اظہار کرے اور اپنے عمل سے یہ واضح کر دے کہ وہ ہر معاملہ میں اپنے آپ کو خدا کا محتاج سمجھتا ہے اور اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تمام حاجتوں کو پورا کرنے پر توفیق دے اور وہی اس لائق ہے کہ اپنی ہر ضرورت کے لئے اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

دوسرے بعض لوگ دعا کے اوپر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندے پر بہت مہربان ہے لہذا جس چیز کو بندہ طلب کر رہا ہے اگر اس میں بندے کی مصیبت ہے تب تو اللہ تعالیٰ دعا کے بغیر ہی اپنی مہربانی سے اُسے عطا فرما دے گا۔ اور اگر وہ بندے کے لئے عطا فرمادے گا تو اسے طلب کرنا فضول ہے۔

اس اعتراض کا جواب (ماتقبل کی تصریحات کے علاوہ) یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا کے نتیجے میں ایک خلافِ مصیبت چیز کو بندے کے لئے مصیبت بنا دے اس لئے دعا مانگنے سے خالی نہیں۔

(۷) بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بندگی کا اعلیٰ مقام تو یہ ہے کہ انسان بلا بھی برضا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ اس کے ہاں ہے فیصلہ فرما دے اسے ہنسی خوشی قبول کرے۔ اس کے برعکس دعا سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بندہ خدا کے فیصلوں پر راضی ہونے کے بجائے اپنی خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بندہ ابتداء دعا و مناجات اور الحاج و زاری کے ذریعہ خدا کے سامنے اپنی احتیاج ظاہر کرے اپنے عمل سے اپنی بے چارگی کو تسلیم کرے، اور یہ واضح کر دے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کی رحمت سے بے نیاز نہیں سمجھتا، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کے لئے جو فیصلہ فرما دے اس پر راضی ہو جائے، تو یہ بندگی کا نیا وہ بلند مقام ہے اس کے برخلاف اگر شروع سے دعا ہی نہ کرے تو اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ بندہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے۔

نقلی دلائل مندرجہ بالا بحث کو خالص عقلی حقی، یوں دعا کے فائدہ مند ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں اس کی بڑی تفصیلات ملتی ہیں۔ **امام دہرلی** ہیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

ادعولی استجب لکم۔ تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

اور صریحاً نہیں، بلکہ ایک دوسری جگہ یہ بھی واضح فرمایا گیا کہ دعا سے اعراض اللہ بے پروائی اللہ کے غضب کا موجب ہو سکتی ہے، مگر تو مومن پر عذاب نازل کیا گیا ان کے بارے میں ارشاد ہے:۔

فلولا اذ جاء هم بأسمائنا تغفروا ولكن تستقلوهم۔ ویرین لهم الشیطان ما کانوا یعملون۔

جب ان پر ہمارا عذاب آیا تھا تو وہ کیوں نہ گڑ گڑائے؟ بلکہ ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کی نگاہوں میں ان کے اعمال کو مڑن بنا دیا۔

اس کی دعا قبول کرنے کے لئے مجھے کسی واسطے کی ضرورت نہیں، بالفاظ دیگر بندہ مقام دعا کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی تعالیٰ سے ہمکلام
نہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کا محتاج ہے لیکن جب دعا کا مقام آتا ہے تو وہاں اللہ و بندہ کے درمیان کوئی واسطہ
نہیں۔ تاہم یہ بڑا راز و رازت خلا سے ہمکلام ہو سکتا ہے اور بلا واسطہ اس کی دعا مستجاب ہو سکتا ہے۔

اس سے دعا کی تفصیلات اور اس کی عظمت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ اسی آیت میں دعا کی عظمتوں کی طرف ایک اشارہ ملتا ہے
اور یہ کہ باری تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ میں بندے سے قریب ہوں یہ نہیں فرمایا کہ "بندہ مجھ سے قریب ہے" وجہ ظاہر ہے کہ بندہ اپنی تمام
موقی آلائشوں کے ساتھ اس لائق نہیں ہے کہ وہ پروردگار سے قرب کا مقام حاصل کر سکے، اس کے برعکس باری تعالیٰ کی فضل و رحمت کا بندہ سے
قریب ہونا بالکل ممکن ہے۔

ان آیات کے علاوہ احادیث میں بھی دعا کے احکام اور فضائل کثرت سے ملتے ہیں، ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے —

و دعا عبادت کا مغز ہے۔

الدعاء مفت العبادۃ

حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں :

و دعا ہی عبادت ہے۔

الدعاء هو العبادۃ

طلب یہ ہے کہ دعا افضل ترین عبادتوں میں سے ہے۔

دعا کی قبولیت کے بارے میں ایک شہر عام طرہ سے لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوا کرتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ :

تم مجھ سے دعا کرو، میں قبول کر دوں گا۔

ادعونی استجب لکم

نبولیت دعا کے بارے میں
ایک مشہور اشکال ؟

یہ بحث آیت میں بھی ارشاد ہے کہ :

أجیب دعوة الداع إذا دعان

جب دعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول

کرتا ہوں۔

قرآن کریم کی اور بھی بعض آیاتوں میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے — مگر ہم بہ کثرت دیکھتے ہیں کہ ایک شخص بعض مرتبہ

بہت عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعائیں کرتا ہے، مگر دعا قبول نہیں ہوتی، اس کی کیا وجہ ہے ؟

اس اعتراض کا اصولی جواب تو یہ ہے کہ یہاں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے قبولیت دعا کا وعدہ علی الاطلاق ذکر فرمایا ہے، مگر دوسری جگہ اس

وعدے کے ساتھ ایک قید لگی ہوئی ہے، ارشاد ہے۔

ایاکم دعون فیکشف ما تدعون الیہ وان شاء

تم اسی سے دعا کرتے ہو پھر اگر وہ چاہتا ہے تو اس چیز کو کھول

دیتا ہے جس کی تم دعا کرتے ہو۔

خدا واضح رہے کہ یہاں امام رازی صرف اس صورت سے بحث کر رہے ہیں جس میں دعا کرنے والے نے دعا کے تمام آداب و شرائط کا لحاظ رکھا کہ دعا کی ہر ایک چیز
قبول نہ ہوتی ہوا اگر کسی نے ان آداب کی رعایت نہیں کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے تو دعا کے قبول نہ ہونے کی وجہ اس میں نہیں، بالکل ظاہر ہے
تاکہ دعا کے آداب و شرائط کیا ہیں ؟ اگر اس سوال کا تفصیلی جواب طلب ہو تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے صاحبِ کرم کا یہ حالہ احکام دعا کا حفظ فرمایا جائے۔ — تعقی

ہذا اصول فقہ کے قاعدہ کے تحت سے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا

اصلی اعتبار سے اگرچہ یہ جواب کافی ہے لیکن اطمینان قلب کے لئے اقنایات کافی نہیں، اس کے لئے مسئلے کی پہلی حقیقت کو سمجھنا ہوگا، وہ حقیقت اس اعتراض کے جواب کے لئے کچھ طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں :

۱۔ واقعہ یہ ہے کہ دعا کرنے والے کو اپنی دعا کا عوض کسی نہ کسی صورت میں فرو مل جاتا ہے، بعض اوقات تو اس طرح کہ اس کی وہی ضرورت پوری ہو جاتی ہے جس کی وہ دعا کر رہا تھا، لیکن اگر اس کی دعا کسی انفسی یا اجتماعی مصیحت کے خلاف ہوتی ہے، تو اس کی درخواست جوں کی توں قبول نہیں ہوتی، جس سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ میری درخواست کد کر دیا گیا لیکن وہ حقیقت اس کی دعا سے اُسے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اس کے دل میں ان شرار اور سکون و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح اس کے مقصد میں کوئی تکلیف یا مصیبت ہے تو اس کی پر غرض دعاؤں کی بدولت تکلیفوں پر صبر کرنے کی قوتیں ہوتی ہیں اس سے اس کے معتبر کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس دعا پر ہے کہ یہ چیز بھی قرابت ہی کی ایک شکل ہے۔

(۲) علامہ تھال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارنشا و فرمایا :

دعوت المسلم لا ترقى الا لأحدی ثلاث عالم	مسلمان کی دعا کبھی بدل نہیں ہوتی، بلکہ تین صورتوں میں سے کوئی صورت پیدا کرتی ہے، بشرطیکہ اس نے کسی گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کی ہو، یا تو دنیا ہی میں اس کی حاجت پوری ہو جاتی ہے یا اس کی وہ دعا اس کے لئے آخرت کا ذخیرہ بن جاتی ہے، یا جس قدر اس نے دعا کی ہے اسی قدر اس سے کسی تکلیف کو دور کر دیا جائے۔
یباغ با شصا و قطیعة رحمہ اما ان یجعل	
لہ فی الدنیا و اما ان یدخلہ فی الآخرة و اما	
ان یحرف عنہ من السوء لبقا مہاد۔ ا۔	

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس سان کا پورا پورا جواب ہے اس لئے کہ اختلافاتی سے ہی تو فرمایا ہے کہ میں تمہاری دعا قبول کروں گا یہ تو نہیں فرماتا کہ دعا قبول کروں گا۔ لہذا اگر اس کی دعا کی بدولت دنیا کے معاملے سے آخرت میں فائدہ پہونچے تب بھی یہ وعدہ بالکل پورا ہے۔

(۳) تیسرے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن کریم میں مسلمان کی دعا کے قبول ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت و مصلحت سے خالی نہیں، وہ جانتا ہے کہ میرے سامنے صرف اپنی ضرورت اور مصلحت ہے اور ہدایتی تعالیٰ ہر اسی کائنات کا خالق و مالک ہے اس کے سامنے اس عالم کے ہر فرد سے کی مصلحتیں ہیں، عین ممکن ہے کہ جس چیز کو میں مفید اور بہتر سمجھتا ہوں وہ میرے لئے مفید ہی نہیں ہو سکتا ہے تو مفید ہو مگر میری کائنات کی اجتماعی مصلحت کے خلاف ہو لہذا اگر دعا کرنا مسلمان ہے اور ان حقانی پیرایمان رکھتا ہے تو اس کی دعا اس کے خواست کا مطابق ہو کر نہیں ہو سکتا کہ اس کی درخواست کو ہر حال میں قبول کیا جائے خواہ وہ متحمل ہو یا نہ ہو اس لئے وہ حقیقت ہر مسلمان کی دعا کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اگر میری یہ درخواست آپ کی رضا و اتفاق کے مطابق ہے تو اسے قبول کر لیجئے اگرچہ ہر شخص یہ الفاظ استعمال نہیں کرتا مگر مسلمان کے دل کو قبول کرنا کچھ تو معلوم ہوگا کہ اس کے دل میں یہ بات ہوگی کہ جب خدا کا ارادہ ہے تو اپنی دعا کو راقی حکمت پر مبنی شرط کیا ہے شرط کیا ہے کہ اگر اس کی درخواست ناموزن یا خلاف مصلحت ہو تو کیا با پسند کر دی جائے تو یہ

سے اہم لفظ قرآن ہی، اس لئے کہ نزدیک مطلق کو مقید پر محمول ہونا ہی چاہیے، حنفیہ کے نزدیک بھی جب واقعہ ایک ہی ہو تو مطلق مقید پر محمول ہوتا ہے، اس لئے یہ جواب بھی اصول فقہ کے دوسرے بھی درست ہے۔

تقی

حضرت اورنگ زیب عالمگیر کی رواداری

شہنشاہ ابراہیم خضر علی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں پچاس سال تک حکمرانی کی اور امن و امان اور عدل انصاف کی مثال قائم کر دی۔ اس کے خلاف جتنی سازشیں اور بغاوتیں آئیں، اس نے اپنی جنگی قابلیت سے ختم کر دیں۔

اورنگ زیب کا دور حکومت آمدنی اور خوش حالی کے اعتبار سے بھی اکبر اور شاہ جہان کے دور حکومت سے بہتر تھا۔ عالمگیر کے دور حکومت میں ساتھ کوٹھ روپے سالانہ مالیر وصول ہوتا تھا اور محصولات اور تجارت نے بھی بڑی ترقی کی تھی۔ بقول الکبریٰ بن سلیمان اس کے زمانہ میں ہندوستان کی تجارت کا مقابلہ یورپ کے پورے بڑے ممالک بھی نہیں کر سکتے تھے، یہاں کا ایک تاجروں کا لانا پھیلایا مالابار سے یورپ سلطان کی جاتی تھیں اور سیکڑوں جہازیں پورٹ کے مال کی برآمد کے لئے ہندوستان کی بندرگاہوں میں مال سے لدے ہوئے کھڑے رہتے تھے، دارالخلافت دہلی بقول ڈاکٹر منٹو اپنی عظمت و شان میں دوسرے زمین کے طلا خلافتوں سے عہد عالمگیری میں گئے سبقت لے گیا تھا۔

ہندوستان کا مشہور مورخ سر جہد ناتھ سرکار اپنی کتاب "تاریخ اورنگ زیب" میں لکھتا ہے :-

"اورنگ زیب کی تاریخ عملاً ہندوستان کی ساٹھ سالہ تاریخ ہے۔ خوراس کا جو حکومت (۱۶۵۷ء-۱۷۰۷ء) سرحدیں صدی کے نصف آخری پر جاری ہے اور ہمارے ملک کا اہم ترین تاریخی نقطہ ہے یہ اس کا عہد ہے۔ سحر و جادو جو حکومت مغلیہ اپنے انتہائی دور عروج کو پہنچی ادب اس کے عہد تاریخ سے برطانوی حکومت کے قیام تک کے زمانہ میں شاید اور حکومت بھی جس نے اتنی وسعت حاصل کی۔

"غزنی سے لے کر چانگام اور کشمیر سے لے کر کننگ ننگ تک تمام ملک ایک ہی فرماں بردار کے زیر نگیں تھا اور لاؤک مالابار کے دور دراز مقامات پر بھی اسی بادشاہ کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اسلام کی آخری سب سے بڑی ترقی کا پہلی گام تھا۔" اسی طرح جو حکومت قائم ہوئی تھی، ایک سیاسی وحدت تھی۔ اس کے مختلف نفعات پر ماتحت حکمرانوں کا تسلط نہ تھا، بلکہ ملامت بادشاہ کے ماتحت تھے اور اس حیثیت سے اورنگ زیب کی ہندوستانی حکومت اور شاہ جہان کی حکومت یا شہرمد و حق کی حکومت سے وسیع تر تھی۔ اس وقت تک کسی صوبہ کے گورنر نے سزا اٹھایا تھا۔ اگرچہ کہیں کہیں ہم نجات بلند نہ تھا، لیکن اس صورت میں بھی کوئی شخص ایسا پیدا نہیں ہوا جو شہنشاہ دہلی کے حکم سے سرکشی کر سکتا۔"

سلم شان ہند میں اورنگ زیب عالمگیر کو جی طرح بدنام کیا گیا ہے اس طرح طرح کے جھوٹے الزامات عائد کئے گئے ہیں۔ اورنگ زیب کو مسلمان بادشاہ تو ضرور تھا لیکن اس نے کبھی کسی ہندو کو باجبر مسلمان نہیں بنایا اور نہ اس کی حالت میں کبھی ہندو کی راہ اس کے خلاف اس قدر ہراساں کی گئی ہے کہ وہ ظلم و استبداد کا پتہ معلوم ہوتا ہے۔ اورنگ زیب کی بھی پوزیشن مشہور ہندو مورخ ایشوری پرشاد کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔ صریح موصوفہ اپنی مشہور کتاب ”تاریخ ہند“ میں لکھتے ہیں،

”ہر اتر کی شان ہے کہ اورنگ زیب جتنا اپنی رعایا کا غیر خواہ تھا اتنا ہی قدرت نے اُسے بدنام کیا، کوئی اُسے ظالم کہتا ہے، کوئی اُسے فوجی کہتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ ”عالمگیر“ کے لقب کا مستحق ہے۔

”اُس کے محاصرہ ہندو واقعے لگادوں کا بیان ہے کہ ۱۔ اورنگ زیب ایک نیک الہی تھا اس کا یہ معمول تھا کہ صبح صادق سے پہلے خواب شیریں سے بیدار ہوتا، غسل کرتا، پھر اپنے مالک کی عبادت کرتا۔ اس کے بعد ناشترے فاضل ہو کر حکومت گاہ میں جاتا۔ پہلی امر خاص حاضر ہوتے، دیوار کے نقیب دادخواہوں کو ایک ایک کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر کرتے ان میں سے زیادہ تعداد ان کی ہوتی جو دوسرے مقامات سے آئے ہوتے ہوتے وہ خدا کی درخواستیں پڑھتا، انسان پر حکم صادر کرتا۔ اس کے حضور میں کبھی سفارش کا مایاب نہیں ہوتی تھی۔ وہ غریبوں کی زیادتی کی طرح سنتا تھا۔ جس طرح امیروں کی درخواستیں، اکثر معاملات کی وہ خود تحقیقات کرتا تھا اور غریبوں کو سزا دیتا تھا۔ اس کے دیوار میں کوئی دھوک لگوئی نہیں تھی، جو چاہتا تھا حاضر ہو سکتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ عالمگیر ایک انصاف پسند لگداس دھوک کے معاملہ میں رک سخت مزاج حکمران تھا۔ اس کا طرز عمل سب کے ساتھ یک طرح کا تھا، اس کے چہرہ ایک ہندو صریح لکھتا ہے۔

”اورنگ زیب ایک سخت مزاج آدمی تھا، لیکن اس کا تہر و جل صرف ہندوؤں کے لئے مخصوص نہیں تھا۔ اس نے اگر ہندوؤں کے ساتھ کبھی بھی کبھی تو سیاسی وجہ کی بنا پر اور اس معاملہ میں وہ مسلمانوں پر بھی سختی کرتا تھا۔ سیاسی معاملات سے قطع نظر وہ ہندوؤں کے ساتھ انصاف کرتا تھا، اس کے عہد میں ہندو شاہی عمارتوں میں شامل ہوئے۔ اس نے ہندوؤں کو فارسی زبان کی تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دی اور حکمرانوں میں ان کو داخل کیا۔ اسی کے زمانہ میں ہندو ادب کی کتابوں کے فارسی میں ترجمے ہوئے۔ علاوہ انہیں کا سنی پرہیگ اور دوسرے ہندوؤں کیلئے اس نے باگری دی ہیں اور ہندو پیشواؤں کے ساتھ جو رعایتیں کی ہیں، ان سے اس کی انصاف پسندی ظاہر ہوتی ہے۔“ (تاریخ ہند) پروفیسر گھوسل کے قول کے مطابق عدل اورنگ زیب اپنے نزدیک سے بدلتے گئے اور مشہور انگریز مورخ اسٹینلی لین پول (جس نے اورنگ زیب کی حمایت کے رنگ میں اسے بدنام کرنے کی کوشش کی ہے) کے بیان کے مطابق پچاس برس کی مدت و انہیں ایک بھی ظلم اس کا ثابت نہیں ہوا، اور اب کو تقسیم کر کے کوئی قس یا جسمانی تکلیف رسائی پیش نہیں آتی۔

لیکن پول عالمگیر کے عدل و انصاف کے بارے میں لکھتا ہے،

”مثلاً اعظم کا عدل دیکھئے اعظم ہے، نیچے تلے انصاف سے وہ عوام کو جزیرہ دیتا ہے کیونکہ شہنشاہ کے حضور میں سفارت، امارت اور منصب کی کچھ نہیں چلتی، بلکہ اوئی سے اوئی آدمی کی اورنگ زیب اس سمتی سے بات سنتا ہے جس طرح بڑے بڑے امیر کی۔ سیاحوں کی خالفا نہ نکتہ چینی اورنگ زیب کی چال چلن پر ایسی نہایت ملکی ہے جب تک کہ وہ شہزادہ تھا، لیکن وہ سیاح جس وقت اس کے نہایت شہنشاہی کا حال دیکھتے ہیں تو سوائے کلیات تحقیر کا کچھ نہیں کہتے۔

ڈاکٹر علی کبری جس نے ۶۸ برس کی عمر میں اندنگ زیب کو دیکھا تھا، بیان کرتا ہے،

”وہ صرف ممبئی کی دہشک پیٹنے ہوئے ہونے والے پیری کے ہمارے مایروں کے بھروسے میں کھڑا ہوا تھا وہ داد خواہوں کی عرفیاں لیتا جلتا تھا اور بلا عینک پڑھ کر پتے یا نقشہ کو جانتا تھا اور اس کے ہوش اسطش بٹش پھر سے سے صاف مترشح تھا کہ وہ اپنی مصروفیت سے نہایت شادان و فرحان ہے؟“ (تاریخ اعلیٰ سن ۱۹۵۷ء)

اندنگ زیب کا بہنری کو تو ان تھا۔ اس کے بیٹے نے ایک ہندوہن کا ڈولابامات جاتے ہوئے اپنے آدمیوں سے اٹھرائنگایا۔ خنہ پرچہ زبیروں نے باوشاہ کو اس کی اطلاع دی تو اس نے فوراً اپنے جیلنگ کو گنار کے قید خانے میں ڈال دیا۔ اندنگ زیب کی کرسچن جلالی کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا تو اس نے ملنے سے انکار کر دیا۔ بہن نے عرض بھی کیا کہ ”آپ میرے بھائی ہیں، آپ نے میرا کوئی خیال نہیں کیا، اور آپ نے اپنے بھائی کو قید میں ڈال دیا میں اپنے لڑکے کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی گی، اندنگ زیب کے اپنی بہن کی گریہ زاری اور منت والہا کا کوئی خیال نہیں کیا اور عرضی پاپنے قسم سے لکھا۔

”اگر عہدہ م کی مال اپنے بیٹے کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی تو اسے بھی بیٹے کے پاس قید خانے میں بھیج دیا جائے؟“

۱۹۵۷ء میں شہنشاہ اندنگ زیب نے یہ فرمان جاری کیا کہ ہر ضلع میں سرکاری وکیل مقرر کیا جائے کہ جس کی کو بادشاہ پر کوئی دعویٰ پیش کرنا ہو تو سرکاری وکیل اس کی جواب دی کہ گاہا انداس کا کافی ثبوت ہو تو سرکاری وکیل سے مطالبہ وصول کرے، چنانچہ وکیل شرع مقرر کئے گئے جو عیا کی طرف سے تالون کے مطابق بادشاہ کی نا انصافیوں کا تذکرہ کرتے تھے۔

ایک غیر مسلم تاق اسلام قبول کر کے موت سے بچنا چاہتا تھا، مگر اندنگ زیب نے اس کی ہندوہن کی شدت کے باوجود تاقی کے فیصلہ کو ناپا ہی مقرر دیا اندنگ زیب عالم گیر کے ایک دیندارسلان بادشاہ ہونے کے باوجود اس کے عہد کی ایسی مثال پیش نہیں کی جاسکتی کہ اس نے کسی ہندو کو زیر دوقی مسلمان بنایا ہو، یا مذہبی معاملات میں کسی پرکھ کی ہو۔

انگریزوں اور وفاق کی کتاب ”تاریخ ہند میں لکھتا ہے۔

”اندنگ زیب نے ترقی دین کے جوش میں نو مسلموں کے ساتھ فیاضی کی لیکن اس نے غیر مذہبی لوگوں پر مذہبی معاشا میں سختیاں نہیں کیں۔“

سرخ اعلیٰ سن کا بیان ہے۔

”اندنگ زیب کے ہندو دور حکومت پر نظر ڈالنے کے بعد یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس نے کبھی کسی ایک ہندو کو کسی شخص اختلاف مذہب کی بنا پر قید کیا ہو یا اس کی جائداد پر ٹیکس لگایا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے اپنی ساری زندگی میں کسی فرد سے بھی کبھی اس کے آباؤ اجداد کے بارے میں باز پرس نہیں کی، بلکہ شخص اپنے مذہب کے معاملہ میں آزاد تھا۔ ہندوئیسراؤ ننداپانی کتاب ”پری پرنگ آف اسلام“ میں اندنگ زیب کی حکمت عملی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”اندنگ زیب کے عہد کی کتب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس نے کبھی کسی غیر مسلم کو باوجود مسلمان نہیں کیا بلکہ اس نے غیر مسلموں کی دلدادگی کی انتہائی کوشش کی ہے تاکہ اس کے مذہبی جوش کی بنا پر کوئی غلط فہمی غیر مسلموں میں اس کے بارے میں نہ پیدا ہو سکے۔“

ڈاکٹر اجندہ پرشاد دربارن صند حکومت بھارت، لکھتے ہیں :-

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اورنگ زیب نے نہایت ہی ہندوؤں کو مسلمان بنایا، لیکن یہاں ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس سے اس کی طبیعت کا رنگ ظاہر ہو سکتا ہے۔ شاہ جہاں نے فخرآرا کے راجہ اورنگ آباد کو متواتر حکم دیا کہ اس کے الزام میں قید کر دیا تھا۔ جب اورنگ زیب دکن کا صوبہ دار ہو کر گیا تو اس نے شاہ جہاں سے اورنگ آباد کی رانی کے لئے بہت نذر کے ساتھ سفارش کی تھی، لیکن شاہ جہاں کچھ ایسا نافرمان تھا کہ اس نے اورنگ زیب کی سفارش واپس کر دی اور لکھ بھجوا کہ اورنگ زیب نے بامدولت کو سخت ناراض کیا ہے تاہم اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اسے رانی مل سکتی ہے، اورنگ زیب نے اس حکم کے خلاف بہت سختی کی کہ تھا احتجاج کیا اور شاہ جہاں کو لکھا کہ اس شرط پر عمل درآمد نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اخلاق کے بالکل خلاف اورنگ زیب کی نظری پر مبنی ہے اور پھر لکھا اگر اسے رانی دینی ہے تو اس کی یہی شرطوں پر رانی دی جائے جو کہ خود اس نے پیش کی ہیں۔

(ہندوستان کا مستقبل)

بہت ہی مختصر کی جلد ۲۲ میں تحریر ہے :-

”خاندان مغلیہ اورنگ زیب پادشاہ جنوبی ہند میں حید علی اور شیو سلطان پرندہ کی تختی اور ہندوؤں کو جبراً مسلمان کرنے کے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ یہ فیصلہ آئندہ لکھنا چاہیے کہ کتاب ”پری جنگ آف اسلام“ میں اس کے متعلق تین چار مقامی روایتیں بیان کر کے لکھا ہے کہ ”ان باتوں کے پڑھنے کے وقت یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کی شہادت میں صرف مقامی اور خاندانی روایتیں ہیں، لیکن اورنگ زیب کے عہد کی کتب تاریخی میں جہاں تک مجھ کو پتہ چلا ہے یہ ہر مسلمان کرنے کا کہیں ذکر نہیں اور قرن تیسرا یہ ہے کہ چونکہ اورنگ زیب کی طبیعت میں مذہب کا بڑا جوش تھا اس لئے شمالی ہند کی نسبت ہندوؤں کو اس بات کا موقع ملا کہ وہ ہندوؤں کے مسلمان ہونے کی وجہ

اس کا ظلم قرار دے اور یہ دیکھ رہی ہے جس کے بتائے ہیں کچھ وقت نہیں ہوتی۔“

مستعجب اورنگ زیب کی غیر مسلم ترغیب اور اسلام قبول کرنے اورنگ زیب کا لگ کر نہایت متعصب عالم اور ہندوؤں کا بہت بڑا دشمن مشہور لکھا ہے، عام طور سے یہ مشہور ہے کہ اس نے لاکھوں ہندوؤں کو زبردستی مسلمان کر لیا اور ہزاروں ہندوؤں کو قتل ہونے کی وجہ سے تہ تیغ کر دیا۔ ہندوؤں کے ساتھ نہایت سختی کا برتاؤ کرتا اور انہیں اعلیٰ عہدوں پر فائز نہ کرتا۔ یہ الزامات اس کے سرھٹ اس لئے قہر پائے گئے کہ وہ ایک مذہبی آدمی تھا۔

لیکن سہی۔ پی مائے کے بیان کے مطابق شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد میں ہندوؤں کو حکومت میں بڑے بڑے عہدے تفویض کئے اور پروفیسر آرنلڈ کے بیان کے مطابق اورنگ زیب کے عہد میں ہندوؤں کو نہایت بڑے بڑے عہدوں پر فائز کرتے، اور اس کے عہد میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے حقوق میں کسی طرح کا فرق نہ تھا۔

اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور عالمگیر کے عہد کے ہندوؤں کی بہت دیکھی جلتے تو عالمگیر کے دور حکومت کے مقابلے میں ہندوؤں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور انہیں ہندوؤں کی بہت سی عہدوں کا بیٹا ہوا، سیراجی کا پوتا سیراجی، سیراجی کے دادا اورنگ زیب اور شہر، اور دوسرے رشتہ دار بھی تھے۔ اورنگ زیب کا دادا رام ایک ہندو راجہ رہا تھا۔ سیراجی کا بیٹا عالمگیر کے عہد میں مسلمان ہو گیا اور وہ ایک راجہ بن گیا۔

ان خطبات کے کردار کے امیوں میں شامل کر لیا۔

ان خطبات کے کردار کے امیوں میں شامل کر لیا۔

پنہشت کلب لائے نامی ایک برہمن اورنگ زیب کا مستند خاص تھا۔

اورنگ زیب کو اپنے بندہ سپہ سالار داجر جے سنگھ پر اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ اعتماد تھا۔ سواہی کے مقابلے کے لئے اورنگ زیب نے جو فرج بھیجی تھی اس کا سپہ سالار اسی کر بتایا تھا۔

داجر جے سنگھ نے وفات پائی تو اورنگ زیب نے اس کے فرزند کنہ داس سنگھ کو جوان روزی محسوب تھا، قصہ معارف فرما کر داجر کا خطاب عطا فرمایا اور اس پر یہ حد درجہ فخر فرمائی۔

جے سنگھ کے بیٹے مان سنگھ، ہما سنگھ، الپ سنگھ اپنے باپ کی وفات کے بعد آستانہ شاہی پر حاضر ہوئے تو مرزا شاہ کو خلعت مرحمت ہوا۔

(ماثر عالمگیری)

کابل میں گرجہ مرثیہ سمن لوی کی آبادی تھی، مگر اورنگ زیب نے وہاں ایک ہندو گورنمنٹ رکھا اس کا نام جسوت سنگھ تھا۔ کوئی جسوت سنگھ؟ وہ جس نے دانا شکوہ کی حمایت میں اورنگ زیب کا مقابلہ کیا تھا جو وہ ہزارہا جسوت لے کر شجاع کے مقابلے کے لئے گیا لیکن عین لڑائی کی شب میں اپنی ساری فوج کے ساتھ شاہی خزانہ پر حملہ کرتے ہوئے شجاع سے جا ملا اور جس نے سیراچی کے مقابلے میں اورنگ زیب کے ساتھ غلامی کی۔ داجر جسوت سنگھ باریا دار اورنگ زیب بد عہدی اور غلامی کرتا لیکن اورنگ زیب ہر بار اسے معاف کر دیتا، اور اس کے بعد سے ہر وقت کہہ دیتا۔

اورنگ زیب کی اس فراخ دلی اور غلامی پر کوئی انصاف پسند ہو گا جو مر جانہ کہے ؟

ہما داجر اور دوسے چور نے دوسرے راجاؤں کے ساتھ مل کر اورنگ زیب کے خلاف بغاوت کی، لیکن شکست کھانے کے بعد اورنگ زیب سے معافی مانگی تو اورنگ زیب نے اسے گلے لگا لیا۔ ۱۶۸۳ء میں ہما داجر نے دیا رشاہی میں حاضر ہوا تو اورنگ زیب نے اسے بیش بہا خلعت، خطاب اور پنج ہزاری منسوب عطا کیا۔

۱۶۸۵ء میں دوسرے چور کے ہزارہ اندر سنگھ کو دوسری اور ہما داجر کو ایک ہزاری و بانہدی کا منصب عطا کیا۔

سرتھان تلہ ستارہ کا نگہبان تھا۔ تلہ ستارہ کی فتح کے بعد ہزارہ محمد اعظم نے اس کے ہاتھ اور گردن باندھ کر اورنگ زیب کی خدمت میں پیش کیا تو حکم ہوا کہ اس کے بند کھول دئے جائیں۔ سرتھان کو منصب پنج ہزاری، دہنڑا سادہ خلعت و کٹارہ اسپ دین، علم و طرز و نقارہ اور بیس ہزار نقد عطا فرما کر سر بلند دھما ن فرمایا۔ سرتھان نے بکمال حقیقت اپنی زبان سے عرض کیا۔

دیا من بخت بخند از سر ترا نہ شکر

(ماثر عالمگیری)

کر نقش سجده ام آخر کو بے شاہ نشست

ان آٹھ بادشاہوں کی حیرت انگیز اعتماد کا دینا ہمیشہ تعجب اور حیرت سے مشاہدہ کرتی رہی، سخت سے سخت دشمن گرفتار کر کے لایا گیا، جس پر قابو پانے کے لئے کر دے دیے اور لاکھوں جانیں ضائع کی جا چکی تھیں، لیکن جب وہ مغلوب ہو کر سامنے آیا تو فوج کا ستانہ نفسہ یہ ہوتا تھا۔

در عفو لذتے ست کہ دسا مقام نیست

اگر وہ دوبارہ بغاوت کرتا اور پھر شاہی تشرن تہرہ سے مغلوب ہو کر مذمت کا اظہار کرتا تو نطفہ میں نہایت تکلیف سے کہہ دیا جلتا۔

اب دنگہ مادنگہ نا امید نیست

جب کہ جب شیرا جی نے دوسری مرتبہ عالمگیر کے سامنے مذمت کا اظہار کیا تو عالمگیر نے ہی جواب دیا تھا۔

(دعلا مہن کا شاعر لاساھی)

پندہ جی شانہ دار پہرے پانچ عازن سیراجی کا چنانہ بجائی، و نیز پانچ صدی، و پانچ صدی ساک ایرتھا، پانچ صدی اضافہ ہم چشمن
 من سر ملندہ گا۔ (دماثر عالمگیر)

۱۷۷۷ء میں عالمگیر نے شاہ ذوالنورین کو راجہ جرنل شاہ کے ہمراہ دکن کی صوبہ داری پر مامور کیا تو سیلا آج نے جرنل شاہ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں اپنے بیٹے سنبھا کو بھیجتا ہوں اس کو فوج میں کوئی عہدہ و حمایت کی جلتے۔

جسرت سنگھ خلیہ و فخرات منظور کی سیوا جی نے سبجا کو ایک ہزار روپے کے ساتھ ہزارہ معظم کی خدمت میں بھیجا۔

باد جو کہ سنبھلا جی پہلے بچہ ہزار کی منصب پر دیا سنا لگایا میں فائز تھا اے پھر باپ کے بعد خود بھی فراہم کہ باپ کی شہر ش و گشت میں شریک ہو گیا تھا گشت این نصف و کرم کا تھا نظریہ یہی تھا کہ

۵۰ این درگاہ درگاہ لومبیدی نیست

چنانچہ سنجابی کو پنج ہزاری منصب راجائی کا خطاب اہمیت پرانہ بطور جائیداد عطا ہوا۔

سیدراجی کے انتقال کے بعد سنبھاجی اس کا جانشین ہوا لیکن وہ اپنی آزمائشی اعتبار کارکردگی کے باعث اپنی قوم کو خوش نہیں رکھ سکا علاوہ
زیں اس کے استقبال حاصل کئے ہی ہوئے اور پھر وقتاً حوالہ کے نہایت مہنگی آمدید دی سے لڑا اور آگ لگا دی ۔۔۔۔ عالمگیر نے مسئلہ ۹
میں مقرب خان کو سنبھاجی کے سرکوبی پر مامور کیا، جس نے سنبھاجی کو فتح الہ وصال گرفتار کر لیا۔ جب وہ پابہ زنجیر عالمگیر کے دربار میں حاضر کیا گیا
تو اس نے ملائمت کے بجائے عالمگیر کو زور و دھمکیاں دیں۔ اس صورت میں غزوہ درگند کے کام لینا و تدارک سلطنت کو برباد کر دینا تھا۔
مجبوراً عالمگیر کو وہ معاملہ کرنا پڑا جو اس نے اپنے بیس سالہ دور حکومت میں کسی بھی کی کے ساتھ نہ کیا تھا یعنی زبان اور آنکھیں نکال کر اس کو
قتل کر دیا لیکن پھر فوراً بعد حکم کے فطری جذبہ نے عالمگیر کو مغرب کیا اور اس مغربیت میں اس نے وہ کیا جو حرم و احاطہ طے تھا مخالف
تھا در علماء و مہندکار کا شکار ماضی (یعنی سنبھاجی) مان درونگ زیب کے سب سے بڑے دشمن کی مری (اور دوسرے متعین کے متفق حکم سے) دہرا
کہ ان کے لئے ضرورت کے لحاظ سے نیچے لٹکا کر ان امیروں کو عزت و احترام کے ساتھ اتارا جائے۔ عمدۃ الملک کے ڈیرے کے قریب رانی کے
بازار کا ڈیرا بھی نصب کیا گیا تاکہ اس مکان میں اس کے خاتم اعتبار و مقیم ہوں اور اس نماز کے بعد ہر ایک کے لئے عب ضرورت سالانہ
مقدس کیا گیا جس کی تفصیل جنت میں ہے۔

ساہوچی ہستی کا فوہالہ فرزند اکبر، ہفت ہزاری، ہفت ہزار سو اڑکانہ منصب خطاب راہگی و خلعت و جہاں مرصع دادی واسطہ
نس و افتادہ و علم، حاصل کر کے سنہ ۱۱۷۰ھ کے دیر میں داخل ہوا۔

ماں سنگھ اور ادا کو سنگھ سے سہی کے چھوٹے بھائی، حب لیاقت منغیب دعوغیات سے بہرہ مند ہوئے اور ان کے لئے علم ہوا کہ اپنی مال اور عادی کے پاس ہیں۔

ان میں سے ہر ایک کے علاقہ کے لیے بادشاہی عمال و کارپرداز مقرر ہوئے تاکہ ان کے امیر خانگی انجام دیتے ہیں۔

در علماء هند کاشاندا ماضی آمد مآثر عالمگیری

اننگ زریب عالمگیر کا سلوک سا آہر ہی کے ساتھ ہمیشہ مرہانہ رہا۔ اننگ نے اپنے اس کشادہ فہم و بہادر و سچی مرہم کی زندگی سے کہی۔

سات سال کی عمر تک سیراج کا یہ لہٹا اسنگ نیپ عالمگیر کی زیرنگاری میں رہتا تھا۔ اس کثرتِ دلی بھی کلاتا ہے، لیکن کسی مسلمان ہونے کیلئے

نہیں کہتا ہے۔۔۔ یہ تھانہ سفل کے بہت بڑے دفین کا بلند کردار! اکیا تاریخ عالم ایسے عالی و صلی اور نیاضی کی مثالی پیش کی سکتی ہے؟

مباراجہر مجسومت سنگھ نے داراشکوہ کی حمایت میں اور گنڈیپ کا سخت مقابلہ کرتا ہے۔ دارا کو شکست ہوئی ہے مجسومت سنگھ کی مات کا اظہار

کرتا ہے۔ عالمگیر نہایت فراخ دلی سے معاف کرتا ہے۔

شجاع اگر آباد ہو کر نہ کھڑے ہوئے آتا ہے۔ جس وقت ننگہ عالمگیری کی حمایت میں مجدد ہزارہا ہجرت فرمے کہ پہنچتا ہے۔ ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی ہے کہ شب کو جبکہ عالمگیر تعجب کی نماز میں مشغول ہے، خبر پڑتی ہے کہ جس وقت ننگہ اپنی کل راجپوت فرج کے ساتھ شجاع ہی فرج کو تباہ کرتا ہوا شجاع کے ساتھ ملا۔ شجاع کو شکست ہوئی ہے اور جس وقت ننگہ اپنے وطن کو واپس جاتا ہے، وہاں سے عالمگیری کی خدمت میں درخواست بھیجتا ہے کہ وہاں سے فرج نہ معاف ہی نہیں کرتا ہے بلکہ منصب ہی معزلات وغیرہ بھائی کر کے گوسفٹ بنا کر احمد آباد بھیجتا ہے۔

نیوا کی جے کے مقابلہ کے لئے جس وقت ننگہ دکن بھیجا جاتا ہے، یہاں بھی غدار کی کرتا ہے اور شیراجی سے مل جاتا ہے، ریاست بونڈی کا راجہ راجہ پھانسی لگے کہ جو میں ہمیں جس وقت ننگہ کے ساتھ تھا لغو وقت بڑا مہ کرنے کی کوشش کرتا ہے جس میں اُسے کامیابی نہیں ہوتی ہے۔
بیم تین کا لشکر ہی ممانعت میں بندیلہ کے حاکم کی قہر منسک تھا۔ دکن کی لڑائیوں میں بہت ہی کامیاب تھا۔ ہوا تو عالمگیری نے "راؤ" کے خطاب کے ساتھ فرج ہزارہ فرج کا افسر بنایا پھر لالہ لک کا قلعہ واپس ہوا۔ دلکش کے نام سے مجدد عالمگیری کی ایک تاریخ لکھی جو بہت اہم سمجھی جاتی ہے۔ (زیر ترمیم)

راجہ بہادر پتہ تاریخ آف پٹنہ یو نے ۲۰ مارچ ۱۹۲۹ء کے پٹنہ میں ایک تقریر کی تھی جو رسالہ "فرق" میں "تاریخ کا نشان" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ میرے بزرگ منور کے ہاں توپ خانہ میں دو ہزار توپ تھیں، لیکن شہنشاہ اورنگ زیب میرے بزرگوں کی بے حد عزت و محبت افزائی کی۔ چنانچہ رائے احمد نادر رائے شیوہ کی خدمات سے خوش ہو کر وہ مواضع کی جاگیر عطا فرمائی۔ دراصل وہ کو شکست دینے کے بعد شہنشاہ عالمگیر نے دیکھا اور بہادر خاں جیسے سپہ سالاروں کو شہنشاہ کے گورنر کے عہدہ پر مقرر کیا تھا جسے بعد میں گورنر بنایا گیا۔ فرج آباد ضلع کے تفرج کے پاس مکن لنگھان ہی کاں یا جاوے جس کے بارے میں پندرہویں پرشاد مصنف تاریخ فرج آباد نے صفحہ ۴۷ پر لکھا ہے۔

"بھرت پور اور لکھنؤ کے مشہور قلعے جو بالترتیب چاند من جاٹ اور اس کے لاکے ملک ننگہ نے بنوائے تھے، شہنشاہ عالمگیر نے ۱۶۵۷ء میں لکھنؤ کا منظمہ علی ایک مرتبہ ہزارہ تاجی جو کو مقدر کیا تھا۔ شہنشاہ نے دیکھا کہ چند کی خدمات سے خوش ہو کر بہت بڑی جاگیر اجین کے قریب منظمہ میں عطا کی تھی۔"

یہ ہے اس شہنشاہ اورنگ زیب کی وسیع نظری کا عالم جسے بہت بڑا منصب کہا جاتا ہے۔

مجدد عالمگیری کے چند خاص خاص بندہ امرار اور منصب داروں کے نام لکھ کر عوام کو یہ بتانا مقصود ہے کہ عالمگیری عہد میں قوی اتحاد و

مضبوط اور قابل تعریف تھا۔ ان افراد اور مجدد داروں کے نام یہ ہیں۔

سیراجی سلطانہ جلوس میں پانچ ہزاری اور پانچ ہزار سواروں کا افسر تھا۔

مہاشاں رائے سلطانہ جلوس میں پانچ ہزاری سواروں کا افسر تھا۔

نجا گول پانچ ہزاری اور چار ہزار سواروں کا افسر تھا۔

اسی طرح آجادی مرہ، لہوت رائے دکنی، تراجی، راجہ بھیم، ڈوگا داس ماموڑ، مکت رائے، راجہ ادوت سنگھ، البشہری دکنی، بکرم سنگھ، منکرجی، دھندے رائے، راجہ کھلیان داس بھواریہ، راجہ داس بھالا، پرمتی سنگھ، چھتریل، راجہ عالم سنگھ، گوردہ سنگھ، مرہویہ، رائے لال چند، رائے مکت رائے، راجہ مانڈھانا، مرہویہ، برہانہ، کنہ داس سنگھ، راجہ کشن سنگھ، لشن سنگھ، جے سنگھ، رائے سنگھ، رائے سنگھ، ازودھ سنگھ،

جگت سنگھ باڈا، ماجر کرن سنگھ، ساڈسروپ سنگھ، شخبہ کرن سنگھ، وغیرہ سینکڑوں کی تعداد میں تھے۔

(دعا خذ از دین دنیا جولائی ۱۹۶۳ء)

۱۰۔ ارب جہنم کے ایک عالمگیری فرمان میں بالذات یہ (جس کو شتر بچے بھی کہتے ہیں) کے منہ گاڑوں اور پہاڑی پاتھوں کے شاتی و اس جہنم کے قبضے کی تصدیق کی گئی ہے۔ اور جو ان کے منہ گڑا س کی پہاڑیوں اور سروہ کی آج بھی اسی پر دہت کر عطا کر دئے گئے ہیں۔ گویا (آسام میں اومانہ کے مقام پر شیرو جی کا منہ ہے جس کے دلائی (یعنی گدی نشین) کے نام عطاے اراضی کی ایک سند بھی اورنگ زیب کی عطا کی ہوئی ہے۔ ۱۶۹۸ء اور ۱۶۹۹ء میں بھگرت اور رام جیون گپ میں کے مقروضیات وقف کی تصدیق کی گئی اور انہیں ہر قسم کی مداخلت سے محفوظ قرار دیا گیا ہے۔ یہ فرمان بھی عالمگیری کے ہیں۔

(آرکائیو آف دی نیشنل ایسٹرن باب جہازم بحوالہ ثقافت اسلام علیہ)

ڈاکٹر جہنم پر شاؤتخسیر فرماتے ہیں۔

۱۱۔ اورنگ زیب نے بہت سے قابل ہندوؤں کی سفارش شاہ جہاں اور اس کے وزراء سے ملازمت کیلئے کی مثالی کے طور پر یہ واقعہ ملاحظہ ہو کہ جب ایچ پور میں دیوانی کی جگہ خالی ہوئی، اورنگ زیب نے ایک صاحبزادے افرمائے گن کی پرزور سفارش کی، لیکن کسی دہم سے شاہ جہاں نے وہ سفارش قبول نہ کی۔ اورنگ زیب نے دوبارہ لکھا کہ اس سے بہتر آدمی نہیں مل سکا ہے (واقعات عالمگیری جلد اول ص ۱۱۱) اسی قسم کی بہت سی مثالیں عالمگیری اور اس داب عالمگیری میں موجود ہیں (ہندوستان کا مستقبل)

(انڈیا ڈیلیٹیوڈ مطبوعہ ۱۹۵۹ء ص ۲۵)

بنگال کا ایک اہل قسم عجب پرنسلا چند رائے لکھتا ہے کہ۔

”شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد میں بھی سلطنت کے اندر بڑی بڑی ذمہ داری کے عہدے ہندوؤں کو ملے ہوئے تھے۔ بنگال میں مرشد علی خان اورنگ زیب کا دائرے تھا۔ چنانچہ مرشد علی خان کے تحت مسک دیوانی کے تمام بڑے بڑے عہدے صرف ہندوؤں ہی کے ماتحتوں میں تھے۔ ہندوؤں کا ان پر کامل قبضہ تھا۔ بڑے بڑے فوجی عہدے بھی ہندوؤں کو ملے ہوئے تھے۔ اگر مغل شہنشاہ کے دل و دماغ میں ہندوؤں کے خلاف نفرت ہوتی تو وہ اپنے دائرے کو اس سے روک دیتا بلکہ ایب کرنے پاس سے جواب طلب کر لیتا لیکن کبھی ایسا نہیں کیا“

(روح دنیا دہلی)

عالمگیر کے عہد کا ہندو سرحد منشی بھان رائے۔ خلاصۃ التواریخ میں لکھتا ہے کہ۔

”یہاں تہال جو کلاؤں کے پاس واقع ہے شاہ شمس دین دیوانی کا مزار ہے، ہندوؤں اور مسلموں دونوں کو ان سے عقیدت تھی، لیکن ایک ہندو کی عقیدت ان سے اتنی تھی کہ ان کی وفات کے بعد ایسی ہندو کوسلوں اور ہندوؤں نے مگر ان کے مزار کا متولی بنایا۔ چند سال کے بعد کچھ مسلموں نے خورشید کے مذہبی بہانے سے ہندو کو قریت سے غروم کر دیا چنانچہ عالمگیری حکومت نے اس خورشید کو کامیاب نہ ہونے دیا اور جب یہ کتاب خلاصۃ التواریخ لکھی جا رہی ہے، عالمگیری حکومت کا قیام سال ہے لیکن اس مزار کی قریت بدست ہندوؤں کے ماتحت ہیں۔“

اورنگ زیب کے بعد حکومت میں چودھری، اودے پور، کوچ بہار وغیرہ کی ہندوستانی تھیں۔ اورنگ زیب نے کبھی انہیں اپنی حکومت میں شامل کرنے کا خیال ہی نہیں کیا، حالانکہ جیسا کہ آئندہ ذکر کرتے ہیں، مگر انہیں جب تک اورنگ زیب اپنی حکومت میں شامل نہیں کر لیا، وہ نہیں لیا۔

دکن میں جہاں اورنگ زیب تھیں برس تک رہا، ہزاروں سندھ تھے، اور اسے ایک سینکڑوں بت تھے، اس نے کسی بت کو نہیں ٹوڑا۔ یہ سندھ ادبیت آج تک موجود ہیں، خواہ اورنگ زیب کی قبر بھی اسی قرب و جوار میں ہے۔

اس کے علاوہ ہندوستان میں بے شمار بت تھے۔ اگر واقعی اورنگ زیب عالمگیر نے دکن کا دشمن ہوتا تو ان سندھوں کو ایک ایک کر کے سماد کر دیتا مگر اس نے یہ نہیں کیا۔ ہاں وہ سندھوں کو ہمارے کئے گئے جہاں اس کے خلاف سازش کی جاتی تھیں۔

ڈاکٹر پرماتما سر نے ہسٹری کا گزیر کے اجلاس پیشہ رہا۔ منعقدہ دسمبر ۱۹۳۲ء میں جو خطبہ پڑھا، اس میں کہا تھا:۔

”بعض اہل قسم کی طرف سے چند حقیقتیں ابھی روشنی میں لائی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ چند اہم مرکز جیسے

بنارس کے سندھ تھے، ہندوؤں کی طرف سے مسلمانانہ سازشوں کے آڈوں کے طور پر استعمال کئے جاتے تھے، جن

کے خلاف شہادت ہونے پر استعمال میں عملی اقدام کیا اور اس کو اب اس کے تعصب کی شہادت میں پیش کیا جاتا ہے۔“

ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ”بت شکن“ اورنگ زیب عالمگیر نے ہندوؤں اور سندھوں کو جاگیریں عطا کیں اور ان کی خدمت (الہ آباد)

کے بیان کے مطابق آج تک متعدد سندھوں کے چاروں لک کے پاس اورنگ زیب کے دستخطی فرمان موجود ہیں جن میں غیرت اور جاگیروں کے عطا کئے جانے کا ذکر ہے۔

شری بالو نرائن، راجن سینگر یا ست رام سنگھ دھڑی، ضلع ہاڑہ جلی (بھارت)، نے شہنشاہ اورنگ زیب کی بے قصصی کے متعلق

موجودہ ایک معنوں میں لکھا تھا۔ جس میں لکھتے ہیں کہ ”سلطان محمد اورنگ زیب عالمگیر نے شاہی بادشاہ کو عام طور پر مستعجب کا خطاب دیا جاتا

ہے اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ہندوؤں کے عبادت گاہوں کو تباہ کر دیے اور طرح طرح سے ہندوؤں کو تکلیف پہنچائی، مگر یہ امر غلط ہے کہ یہ افواہیں

کس حد تک صحیح اور درست ہیں اور کس حد تک تاریخی آمیزش ہے، جس کا جو بعض قیاسات یا بائبلوں پر پایا جاتا ہے۔ میری سمجھ میں ہندو

سندھوں کی تباہی یا بربادی نہ ہی تعصب پر نہیں بلکہ اگر کوئی ایسا واقعہ ہوا بھی تو وہ بالکل مضبوط اور اس وقت کے واقعات سے تعلق ہیں۔

بادشاہ ممدوح اشراف کے غیر متعصب ہونے یا ملوث ثابت ممکن نہ ہونے کے بوجھ میں ہیں۔

۱) ضلع سیتا پور، مہارکھ ہندوؤں کا ایک شہر ہے۔ مہارکھ کے مہنت کے پاس بادشاہ عالمگیر کی عطا کی

ہوئی شاہی سند موجود ہے جس کے ذریعہ بہت سے مواضع ہندو مہنتوں کو مصارف خیرہی کے لئے عطا کئے

گئے تھے، ان میں سے مواضع اب تک مہنتوں کے قبضہ میں موجود ہیں۔

۲) مواضع تھڑ کے چندین کے فاصلہ پر ایک مقام بلا پور ہے یہاں بلدیہ کی کا سند ہے اور اس سند

کے مصارف کے لئے بادشاہ اورنگ زیب نے بہت سے مواضع عطا کئے، جواب تک سندھ کوٹ کے قبضہ میں ہیں۔

۳) دیبا سے جونا آباد کا قلعہ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں تعمیر ہوا تھا۔ اس قلعہ کے اندر ہندوؤں کی ایک عبادت گاہ

ایک کوچہ ترخانہ کے اندر ایک موجود ہے، ایک بگڑ کا درخت ہے اور ہزاروں کی تعداد میں ہندوؤں کی مرقبات

ہیں۔ ہندو پنڈت اور پجاری اس کے اندر اپنے عقائد اور پوجا کے مراسم ادا کرتے ہیں۔

چودھری چو رام سابق وزیر حکومت متحدہ پنجاب تحسیر فرماتے ہیں۔

”اونگ زیبک دتخی نس مان جاگیر دارا جو دھیا کے متعلق ایک نہایت شہر مند کے پجاریوں کے پاس ایک نیک دیکھا جاسکتا ہے اوندگ زیبک نروان جس کی دوسرے اس نے بنارس کے مندروں کے پجاریوں کے حقوق محفوظ کئے۔ ناریس باب مک لندن میں موجود ہے۔“

جناب ڈاکٹر راجندر پرشاد و تحریر فرماتے ہیں :-

”اونگ زیبک نے گرو دھرو ولد جاک جیون ساکن موضع لہتی ضلع بنارس اور جدو مہرا کن مہیش پور پرگنہ جوہلی کو ادب پنڈت بال جند مہر کو جو تینوں مہنت تھے، جاگیر دیں۔“

”اونگ زیبک نے بصورت نقد مہر کھان داس کو ملتان کے ستالی کے لئے سروسپیہ کا عطیہ دیا تھا، جو اس وقت تک جاری ہے (حوالہ ضلع ملتان کے جند بلسن کی رپورٹ تیار کردہ محکمہ عہدہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر) (ہندوستان کا مستقبل)

ترجما پٹی میں کئی ہزار سال کا ایک مند ہے اس کو ۳۲ مراعات مسلمان اسلام نے دئے تھے ان میں سات اوندگ ریرب کے عطیہ کردہ تھے، یہ علاقہ مسلمان قبیلوں کے زیر حکم رہا۔ مند کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔

۱۵ جمادی الثانی ۱۱۹۹ء کو اوندگ زیبک عالمگیر نے بنارس کے ناظم الاموال حسن کے نام حربی تل نروان جاری کیا تھا :-

”شریعت غرا کے مقدس قانون کے مطابق گرنے مند نہیں بنائے جاسکتے، مگر پرانے مندروں کو توڑا بھی نہیں جاسکتا ہمارے گوش گزار یہ خبر ہوئی ہے کہ بعض علی اندازہ جبر و تعدی تقبہ بنارس اوداس کے آس پاس کے دوسرے مقامات کے مندروں اور بدھمنوں پر جو قدیم بت خاں کے پر وہت ہیں، تشدد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بدھمنوں کو ان کی پر وہت سے علیحدہ کریں، جس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ بے چارے پریشان ہو کر مہیش میں مبتلا ہو جائیں۔ اس لئے تم (الوالحسن) کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس فرمان کے پورے پورے ایسا انتظام کر دو کہ کوئی شخص ہتھارے علاقے کے بدھمنوں اور دوسرے ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ کرے اور ان کی تشویش کا باعث نہ ہو تاکہ یہ جماعت بہ دستور بن اپنی اپنی جگہ اور اپنے منصوبوں پر قائم رہ کر اطمینان قلب کے ساتھ ہماری دولت خدا داد کے حق میں مصروف و عار ہے۔ اس باب میں تاکید مزید جالو۔“

یہ فرمان ہے ہندوؤں کے سب سے بڑے دشمن کا جس پر بہت سے الزامات عفریے جاتے ہیں۔

مہن ہندو مصنف جناب پنڈت سندھو لالی الدیادری تحریر فرماتے ہیں کہ :-

”..... ہر بادشاہ کی طرف سے بے شمار ہندو مندروں کو جاگیریں اور عطا فیاد دی گئیں۔ آج تک ہندوستان میں متعدد ہندو مندروں کے پجاریوں کے پاس اوندگ زیبک کے دتخی فرمان موجود ہیں، جن میں نیرات الد جاگیروں کے عطیہ کئے جانے کا تذکرہ ہے۔“

”اسی قسم کے دوفران اب تک الدیادری موجود ہیں، جن میں سے ایک اربل میں مصر میں شہر ناتھ کے شہر مند پجاریوں کے پاس ہے :-
دوا خفانا جہار استقل دیو ہندو منظم راجہ ۱۹۳۷ء

حال ہی میں ایک تازہ انکشاف اس سلسلہ میں ہماری ہے۔ یہ انکشاف تجریر کے ایک کانگریسی ایڈیٹری نے کیا شکر مہرا سربابہ ”بانی صد کانگریس کمیٹی کے ایڈیٹر اس سے ہوا ہے جو لکھنؤ کے ہندی روزنامہ ”سرمتر بھارت“ کی ایک شاعریت شائع ہوا ہے، مہرا کی اس مراسلہ کا پورٹریٹ راجہ دیو ہے۔“

سے اس کی بار بار شکایت کی تھی کہ اس میں دکن کے مسلمان کمانڈر مسلمان سرداران (راجہ جے سنگھ) کی امداد نہیں کرتے :

کیا کوئی سلیم العقل ایک لمحہ کے لئے بھی تسلیم کر سکتا ہے کہ سیواچی کے ساتھ لڑائیاں مذہبی یا فرقہ وارانہ محرکہ آرائی تھی ؟ یہ محض سیاسی جنگ تھی اور منجملہ دو لڑنے والوں کے ایک بغاوت تھی :

ڈاکٹر راجندر پرشاد تحسیر فرماتے ہیں :-

”اگر اورنگ زیب نے اپنی فوج میں ہندو سپہ سالار رکھے تھے تو اُدھر سیواچی نے بھی مسلمان سرداروں کے حکم اپنی فوج دے رکھی تھی۔ ان میں بعض بہت زبرداری کے عہدوں پر مامور تھے۔ مثلاً سیدی جمال اور نونقان سیواچی کی بخشی فوج میں بھی کم سے کم تین مسلمان ایذا لگے ہوئے، ریٹنیل، ریڈھری اور دولت خاں : (ہندوستان کا مستقبل)

۳۔ م مارچ میں ۱۶۹۵ء کو صوبہ بہار (بھارت) کے دارالسلطنت پٹنہ میں بہار سٹیٹ اردو کنونشن منعقد ہوئی تھی، اس کی صدارت انوار کے شہر صنعت پنڈت منلال نے کی تھی۔ اس خطبہ میں ایک جگہ مذمت بھی تحریر فرماتے ہیں :-

”اورنگ زیب کے زمانے میں آرم کی بڑھیا تمہیں لگاؤ کی گیس پٹنہ لگنے والے والی نے اورنگ زیب کی درخواست کی کہ ان دو نڈھالوں کے احوال کے لئے نام تجویز کیے اورنگ زیب نے فدا سراج کی ایک قسم کے آرم کا نام ”دستاویس“ اور دوسرے کا نام ”دستھارس“ تجویز کیا۔ اورنگ زیب نے اپنی کچھ توپوں کے نام اگنی بان، بڑھیا، مال اورنگ زیب کے رکھ رکھتے :

اورنگ زیب عالمگیر کی ایک بار بھر ملی کر کسی راجہ نے کوئی مسجد شہید کرا دی۔ اورنگ زیب نے راجہ کو اپنے بہاں دیا ماسی راجہ شہر کے باہر ہی تھا کہ شہنشاہ اپنی فوج کے ساتھ پہونچا اور راجہ کی اپنے ساتھ لٹاکر کو پھٹے کے لئے کہا اورنگ زیب اورنگ زیب دو لوگوں بہت دندنہ لگے اور بادشاہ کی فوج پیچھے رہ گئی اگر وہ کا زمانہ تھا، دھوپ تیز تھی۔ دونوں بہت تنگ تھے اس لئے ایک درخت کے سایہ میں آرام کرنے کی غرض سے بٹھ گئے۔ اورنگ زیب نے اپنے اچن کی گھنڈی کو خوب کس کیا نہایت تھی۔ گھنڈہ کھلی نہیں تو اورنگ زیب نے راجہ کی اپنی تلواری کو اس سے گھنڈی کاٹ دے، راجہ نے تلوار دیکھ کر گھنڈی کاٹنے کے لئے اٹھ بڑھایا اورنگ زیب کا رعب راجہ پر اس قدر طاری تھا کہ اس کا ہاتھ کا پٹھن لگا۔ اورنگ زیب نے راجہ کے زور سے ایک ہاتھ پیر رسید کیا اور کہا کہ جب تم میں اتنی بھی ہمت نہیں کہ میرے سامنے تلوار اٹھا کے تو تو نے مسجد کو شہید کرنے کی کس طرح ہمت کی۔

اس درمیان میں مولانا محمد دوسرے لوگ پہونچ گئے اور جب ونڈر کو فوج کی خبر ہوئی تو انہوں نے راجہ پر طاعت کی۔

اورنگ زیب نے کہا میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میرا کونٹ یا بڑا یا نہ تو مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا اور کونٹ اور نہیں ہے تو ایسی زبردگی سے کا رہے۔

اورنگ زیب اگر واقعی ہندوؤں کا دشمن ہوتا تو راجہ کو نہایت آسانی سے قتل کر دیتا لیکن اس نے صرف تنبیہ کے لئے چھوڑ دیا۔

یہ تھا اورنگ زیب کا سلوک ایک ہندو راجہ کے ساتھ جس نے مسجد شہید کر ڈالی تھی۔

(تاریخ اشاعت اسلام)

نا انصاف و تعصب کا شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر کس قدر بے جا الزام ہے کہ وہ ہندوؤں اور ان کے مذہب و دلچسپ کا دشمن تھا اور انہیں انتظام سلطنت میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس کا حال اور رعایا پروردار بادشاہ نے نیز مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ رعاداری برتی اور مسلمان اور ہندوؤں کے حقوق میں کسی طرح کا فرق روا نہیں رکھا۔ افسوس ایسا صنعت اور پابند شرع شہنشاہ آج غلط فہموں کا شکار ہو رہا ہے۔

اوساں پر طبع طرح کے جوئے المزاجات عائد کئے جا رہے ہیں۔

سندھ جہ بالا واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ٹنٹھہ اورنگ زیب عالمگیر کا کردار کس قدر بلند تھا اوساں نے دوستوں ہی کے ساتھ نہیں بلکہ دشمنوں کے ساتھ بھی کیسا شریفانہ سلوک کیا۔ اس کے باوجود اگر اورنگ زیب کو سوا الزام قرار دیا جائے تو یہ کھلی ہوئی تاریخی بددیانتی نہیں تھا کیا ہے۔

مرہٹے مسزین ہمارے مشرقی خوب کے حرف و کن تک پہنچے ہیں اور سب کچھ کر دکھاتے ہیں جو دنیا میں ایک ظالم ترین قوم کر سکتی ہے لیکن اورنگ زیب عالمگیر جیسا انصاف پسند، رحم دل اور ملکہ بادشاہ آج متعصب اور تنگدلی مصنفین کی بدولت بدنام ہے اور اس کی "ہندو دشمنی اور بدتمیزی" کے افسانے ہر جگہ کی زبان پر ہیں اور مسلمان عورتوں کی ذرا بردہ پڑی یا تو سر زخمیوں کے ہاتھوں سر زخمیوں اور جن کی یادوں کی تقریباً ہر سب کی تاریخ کے ساتھ دہلیست ہے، کسی کو نہیں معلوم !

اورنگ زیب کوئی خشک نہیں سخت و پندار مسلمان تھا مگر ساتھ ہی دعا دار انسان دوست فرمانبردار تھا، اُس کی حکومت میں عدلی و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ اور عدل و انصاف کی نگاہ میں نہ انارکسج میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔

اعلان

سیماب اور دبستان سیماب پر تحقیق

میں پُرندہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے علامہ سیماب اکبر آبادی مرحوم پر سیماب اور دبستان سیماب کے عنوان سے کام کر رہا ہوں اساتذہ متاخرین میں علامہ مرحوم کے تلامذہ کی فہرست بہت طول طویل ہے جن میں میر جعفر کے بہت سے شاگرد اور شاہین شاہ میں میر جعفر کا جگہ بہت وسیع اور اہم ہے، اس لئے اخیراً دو دوستوں اور علامہ سیماب کے تلامذہ کی مدد سے کام پائیگیل کو نہیں پہنچ سکتا یہیں دبستان سیماب کے تمام تلامذہ سیماب اور دو دوستوں سے تعاون کی درخواست ہے۔ (۱) ہندوستان سیماب کے موجودہ تلامذہ سیماب اپنے مختصر حالات زندگی وسیع تاریخ تلمذ مغزوں کے پیش منتخب اشعار، دو بہترین نغلیں اپنی تصانیف و تالیفات کی فہرست اسلئے اولی مقام سے متعلق حوالوں اور دوسروں کی آثار سے مطلع فرمائیں۔

(۲) اپنی ایک غزل پر اساتذہ کی اصلاح کی لغت راہی اصل غزل کے ہمراہ

(۳) مرحوم تلامذہ سیماب کے متعلق جن حضرات کو علم ہو وہ ان کا تذکرہ اس کلام عنایت فرمائیں۔

(۴) اپنی تازہ ترین تصویر بھی بھیجیں علاوہ انہیں مولانا سے متعلق ہر قسم کا مواد اور معلومات میر سے لئے عمدہ مواد ان ثابت ہو سکتی ہے۔ تاریخ اور ادب نماز حضرات سے استعانت کی پر زور دیا ہے۔

پروفیسر افتخار احمد خیر زہد دہلوی ایم اے

(شعبہ اردو فارسی) ایم جے کالج جلیگاؤں مشرقی خاندلیس

(بہار مشرق)

Bhayat

تضمین برغزلِ مہر القادری

- (۱) باتے رہے ارتقا، کیا سے کیا بن گیا
ایک ٹھوکر بڑی، تھبیکا بن گیا
بھسکسی کی حیلہ کا تو بن گیا
حسن اور عشق میں وارطان گیا
لوٹ کر دل بڑے کام کا بن گیا
خود ستا، خود مگر، خود نما بن گیا
- (۲) ماہوش، مہ جیں، مہ لقا بن گیا
دل نشیں، دل ستاں، دل بیا بن گیا
خوش نفس، خوش نظر، خوش ادا بن گیا
کیا خیر عشق میں کون کیا بن گیا
لوں کی کھاتا ہوا آم گزرا تھا میں
جھومتا صورتِ تمام گزرا تھا میں
چھوڑ کر شاربِ عام گزرا تھا میں
اُن کے کوچے سے اک شام گزرا تھا میں
پھر وہی روز کا مشغلا بن گیا
آگے بڑھتے ہوئے، سجدہ کرتے رہے
سجدہ کرتے ہوئے گھاس چرتے رہے
گھاس چرتے ہوئے گل کترتے رہے
لوگ جلتے رہے، نقش ابھرتے رہے
بس اسی طرح اک رات بن گیا
- (۳) یہ نیا سانحہ، تازہ مُفتاد ہے
وصل کی شب کا ہر لطف برباد ہے
دل پہ خوب سحر کی جو بیداد ہے
اسے مہرے مہرباں دوست فریاد ہے
قرب تو آمد بھی نہ صلا بن گیا
میں نے دیکھی ہے دنیا نے مرید و حرم
اس طرف آنجھیں، اُس طرف رخ و ضم
پھر بھی اتنا تو ہر کسی گیا کم سے کم
میں تو گمراہ تھا، میرا نقش قدم
دوسروں کے لئے رہنما بن گیا
نیچی نیچی، جھبکتی ہوئی مختصر
یعنی، عندِ عرفان سے بوجھل نظر
تازیانہ سا ہے تو سن شوق پر
حسن والوں کے لطفِ دکر دیکھ کر
سوچتا ہوں میں کیوں پارسا بن گیا
اس تعلق کے پردے میں اک اذیت
جس پہ حیراں حریف نظر بانہ ہے
یہ تعلق محبت کا اعجاز
اس تعلق پہ مآثرِ عجیب
اُن کا انکار بھی آسرا بن گیا

روح انتخاب قبرص کے آشفۃ بخت مسلمان

قبرص کی مسرین قبرصی مسلمانوں کے واسطے اپنے اندر ہم آہنی سے نئی معیشت کا سامان لئے ہوئے ہے۔ صدر میکاریوس کی شکل میں ایک ظالم و سفاک فرد ابھی سے خودستی سے نیست و نابود کرنے پر تیار بیٹھا ہے۔ ملک کے اندر لاقانونیت، تشدد اور خونریزی روضہ رو کی بات بن چکی ہے؛ یونان کی حکومت اس پادری صلیبی پشت پناہی کر رہی ہے۔ اگرچہ یونان خود اس وقت خانہ جنگی کے زمانے پر کھڑا ہے (اور جو عیسے کی اقلیت پر مظالم کے بہانہ لٹوئے جا رہے ہیں، گذشتہ معاہدات کو کھینچاٹا کر تسلیاں بنا کر کھینچا گیا ہے۔ آئین میں مافی تبدیلیاں کی جاتی ہیں خواہ مسلمان اقلیت کتنے ہی احتجاج کرے اس کی شنوائی نہیں ہوتی۔

حال ہی میں صلیبی ایک نئی طرز تمام ایجاد کیا ہے اس سلسلے کے لئے ان مسلمان طلباء کو جو غیر موافک تعلیم پاس ہیں وہیں مگر ان کی تعلیم کو قبرص آکر اپنے والدین کے پاس چھپا دیں گے اور انہیں پرانے پرانے لگا دیے ہیں۔ چنگیز خانی حکم، آئین، قانون، اخلاق، انسانیت غرضیکہ کسی بنیاد پر بھی پوز نہیں آتا۔ ملک کے آئین اپنے کسی باشندے پر پابندی عائد نہیں کرتا کہ اسے نہ ہر مذہب کے باہر نکال دیا جائے یا باہر سے اس کی آمد کو ہی جائے لیکن میکاریوس کو تو قبرص ترک کر کے تانے پور ڈرا آتا ہے اور وہ ہر ممکن طریقے سے انہیں تنگ کرنا چاہتا ہے۔

اس حکم کا نتیجہ بھی ہر ملک کی ہر جماعت میں دہائیوں میں دیکھا گیا ہے۔ وہاں انہیں آتش اور خون کا خاص انتظام کرنا پڑے گا تو تعلیمات میں یونیورسٹیز اور کالجوں کے پچیس فیصد بند ہو جائیں، طلباء گھروں کو واپس نہ جانا چاہیں انہیں کھانے اور پینے کا پائریٹ بندوبست کرنا ہوگا جو خاصا ہنگامہ ہوگا۔ اور اگر ان کے والدین چاہتے ہیں کہ ان کی صحت میں دیکھنے کی توقع رکھتے بیٹھے تھے ان کی ملاقات سے محروم رہ جائیں گے۔

اس ظالمانہ حکم کی وجہ سے میکاریوس نے یہ بتائی ہے کہ ترک طلباء ترکہ میں فوجی تربیت حاصل کر لیں۔ وہ قبرص آکر بغاوت پھیلائیں گے اور یہ کہ یہ بات اس شخص کی زبان سے نکل رہی ہے جس نے کم کم قوم پرست پسند تنظیم بن کر ملک میں فساد پھیلایا ہے ان سے یونانیوں سے تو ملک کو کوئی خطرہ نہیں لیکن چند بے ہتھیار طلباء سے فساد ہے کہ وہ بغاوت پھیلا دیں گے۔ درحقیقت میکاریوس کی خواہش ہے کہ یہ ہلے نہیں اڑیں۔

دنیا اس کی اس قسم کی کارروائی پر حیران ہو رہی ہے۔ یونان، اہل کے نمائندوں نے جب قبرص کے وزیر داخلہ کو توجہ دلائی کہ عالمی رائے عامر ان کی ایسی کارروائی کو پسند نہیں کرتی تو اس نے کہا کہ اسے اس وقت سے جواب دیا کہ ہماری حکومت اس حکم پر عملدرآمد کرانے کے لئے کافی مضبوط ہے۔

میکاریوس حکومت کا ایک اندازہ نامہ یہ ہے کہ اس نے یونانی میملز آج کی اکثریت کے لیے ایک فیصد کیا ہے جس کی مدد سے صلیبی میکاریوس کا مقصد اور یونانی نمائندگان میں یونانی مجبوروں کی رکنیت کی معاد ایک سال تک بڑھا دی گئی ہے۔

اصلی کے اس اجلاس کا ترکہ یونان نے کیا کیا تھا۔ انہوں نے اپنی عیسیت اپنی جاتی اور اس میں شامل ہونے والے ملک کے لئے ایک ہی صورت کی حکومت کے تمام کا اعلان کر دیا جو ان علاقوں کا نظم و نسق بنائے گی جہاں ترک آباد ہیں۔ ترکوں کی اس پہلی سفیر میکاریوس کی حکومت کے بعد ملک کا سب سے بڑا اختلاف علاقہ ہرنگی، مدونان جاری ہے جسے ایک کے اندر قبرص کے انتخابات کے قواعد بیان کئے گئے ہیں اور دوسرے کے اندر یونانی نمائندگان میں ترکہ قبرصی رائے کی رکنیت اور نائب ہندو اکثریت کا حق کو چھلکے کے بعد سے کی معاد بنیاد رکھی گئی ہے۔

قبرصی ترکوں کی جانب سے یہ اعلان بڑا جرات مندانہ ہے اور اس سے ان کی بہت کٹکٹات آسان ہو جائیں گی (بقیہ صفحہ ۳۴)

وائٹن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ

کراچی

ہر قسم کا
سوتلی اور

اودی گپڑا
کورا اور دھلا لٹھا اور

ہر قسم کا
دھاگہ

تیار ہوتا ہے

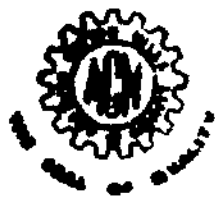
باوانی وائٹن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے پاکستان کی صنعت کی ترقی اور حوصلہ افزائی

اپنا کا قومی فریضہ ہے

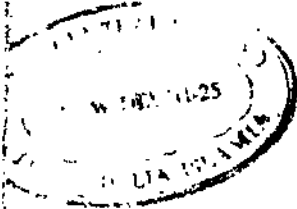
ادبی لپاریچا

دوسرے تین



آدم جی کاٹن ملز لاندھی - کراچی

فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی



اور قبض سے
نجات کے لئے اب اسٹریپ پیکنگ میں

صافی قبض کشا قرص

”صافی قبض کشا قرص“ مشہور خون صاف کرنے کی قدرتی دوا

صافی سے تیار کئے جاتے ہیں۔

صافی کے یہ قرص نہایت اہمیت و نرمی سے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچائے
قبض رفع کرتے ہیں۔ مزید برآں ان میں تمام مصفی خون صفات بھی موجود ہیں۔

ہر کیسٹ، ڈرگسٹ اور جنرل اسٹور پر دستیاب ہیں۔

بہار دوا خانہ (وقت) پاکستان
کراچی - لاہور - ڈھاکہ - چٹاگانگ



اکتوبر ۱۹۶۶ء

جلد ۱۸ -
شمارہ ۶

کراچی

فاران

ایڈیٹر: مآثر القادری

ترتیب

۳	مآثر القادری	نقشِ ازل
۱۵	مآثر القادری	جموں نیرت کا جھوٹا علم کلام
۲۹	محمد اکرم طاہر	حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ
۳۳	محمد حفیظ الشاذلی	مسلمانوں کا علمی ضعف
۳۸	ایک قادیانی کا قبول اسلام
۳۹	مآثر القادری	یاد رفتگان
۴۵	مفت شعراء	غزلیں
۴۷	ہمدانی نظمیں

قیمت فی پرچہ ۶۲ پیسے

پبلشر: مسرور حسین

چندہ سالہ سات روپے

مقام اشاعت
دفتر مآثر القادری و اشاعتیں
اسٹریٹ گراچی

مسرد حسین پبلشر شائزہ بیٹن پریس کراچی میں چھپا کر دفتر ماہنامہ فاران - کمپن اسٹریٹ کراچی سے شائع کیا

گیا، اس طرح دس کرینوں نے ۳۰ افراد کو فضا میں حلق کر دیا، یہ کرین پانچ قطاروں میں تھیں، اس کے بعد دوسرے نظر بندوں کو لاکر کرینوں سے کچھ فاصلے پر کھڑا کر دیا گیا اور ام کلثوم کے کانوں کے ریکارڈنگ کرنے لگے، جن میں یہ گانا خاص طہر پروڈیوگرام کیا۔

”یا جمال! یا جمال الوطنیہ“

اخوان کو حکم دیا گیا، وہ بھی اس گانے کو دہرائیں، ایک گھنٹہ تک یہ گانا دہرایا جاتا رہا۔ اس کے بعد درودہ جیل بستوں اور اس کے اسٹنٹ جین سوئے اللہ دوسرے فوجی افسرانے ان کے آگے من البغی اور سید قطب کو اسٹریکچر پر ڈال کر لایا گیا یہ دونوں تہمیدہ حالت میں تھے اور جل نہیں سکتے تھے، کرینوں پر نشے لٹکے ہوئے انھان سے پوچھا۔ ”کیا تجھے اپنا بیان یاد ہے؟“ اس نے جواب دیا ہاں، پھر پوچھا جو باتیں تجھے لکھ کر دی گئی ہیں وہ اچھی طرح یاد ہیں، سنا سنی نے کہا۔ ہاں خوب یاد ہے، ہر شخص سے یہی سوالات کئے گئے، پھر پوچھا گی۔ ”کیا تم عدالت میں ان بیانات کو بدل دو گے؟“ ساتھیوں نے جواب دیا نہیں، سوال جواب میں تمہارے ساتھ کیسا بات و کیا گیا ہے؟“ جواب ملا ”بڑا شریفانہ اور شفقانہ برتاؤ ہوا ہے“ فوجی افسرانے من البغی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا، یہ کون ہے؟ ساتھی نے کہا، جناب مرشد ہیں (اخوان اپنی تنظیم کے صدر کو مرشد کہتے ہیں) فوجی افسرانے کہا ”مرشد کافر“ کہو، ساتھی نے کہا ”مرشد کافر“ یہ قطب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا گیا ”یہ کون ہے؟“ رفیق نے جواب دیا ”سید قطب“ حکم دیا گیا، اسے مخاطب کر کے یوں کہو ”تو بڑا ظالم اور احمق ہے، ساتھی نے ان الفاظ کو دہرایا، یہ سوال جواب کرینوں سے بندھے ہوئے، ہوا میں حلق پر سنا سنی کے لئے گئے، ایسا بھی ہوا ایک ساتھی نے جواب نہ دیا اور خاموشی اختیار کر لی، مگر فوجی افسرانے جلتا سگریٹ اس کے نازک اعصاب پر دگایا اور وہ بے اختیار پکڑا لڑھا۔ یہ مرشد کافر ہے اور وہ ظالم و فاسق ہے“

”اس کارروائی کے بعد دو دفعہ جیل محرمہ لیسوئی نے تقسیم شدہ روح کی اور کہا ہم پہلے سن دیتے ہیں اور پھر سنیں“ یا نہ کرے یا یاد کرے اس کو بھلا دے اس کو کرینوں سے چیر ڈالا جائے گا اور ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہوں گے، یہ کرین کھڑے ہیں، جو چون و چرا کرے گا، اس کو دونوں کرینوں کے ساتھ بانٹ دیں گے اور مخالف سمتوں میں حرکت دیں گے، اس طرح اس کی ٹانگیں الگ الگ کر دیں گے، ہم تمہیں مرنے نہیں دیں گے، ہم جانتے ہیں کہ تمہیں مرنے کی بڑی لذت ہے لیکن ہم اس آرزو کو بھی نہیں کریں گے۔ (دوسرے محرمہ لیسوئی کے واقعات)

اس جیل میں پانچ خواتین دفاعی حادثہ کا شکار ہو گئیں، تقریباً ایک ہفتہ سے وہ خاص باختم ہیں، ایک فوجی افسر آیا انسان خاتون سے کہنے لگا۔ ”کی تمہاری دفاعی حالت خراب ہو گئی ہے میں اسے ہاں نہیں کرتا، ابھی تمہاری دفاعی خرابی دھوکے دیتا ہوں، یہ کہہ کر وہ ان بے چاروں کو شدید اذیت دینے لگا اور انہیں اس تندہ کو کہ کیا کر وہ آج تک جاس باختم ہیں (واقعہ محرمہ لیسوئی مطابق ۳۴ دسمبر ۱۹۶۱ء)

”ایک خاتون جو شری صاحب علم و نفس ہیں اور تبلیغ کے میدان میں بڑی سرگرم رہی ہیں، ان کے بھائی کو اس جیل میں لایا گیا ہے اور وہ مذہب کے مسئلہ نہیں اذیت دیتی گئی ہے انسان نہیں سمجھ کیا گیا ہے کہ وہ یہ غصہ لکھ دیں کہ ان کی بہن جو اس وقت نظر بند ہے، بدکار و محنت ہے اور پیشہ کرتی ہے مگر وہ یہ فقرہ لکھنے سے انکار کر رہیں ہیں ان کی حالت ابتر ہو

انہوں نے اس سمن کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا، یہاں تک کہ اس تعلیم کے دفتروں کی عمارت کو بیچوں سے تباہ کر دیا گیا، ہزاروں انجان گرفتار کر لئے گئے، اندھ خان کے چھاکا بھینسا پھانسی پر لٹکا دے گئے۔ ان میں علامہ عبدالقادر عروہ بھی شامل تھے، علم و فضل اور ذاتی سیرت و کردار کے اعتبار سے عبدالقادر عروہ کی شخصیت اس دہائی میں مثالی شخصیت تھی، یہ عظیم کبریا اپنی ذات سے جامعیت کے لحاظ سے فروغ و احسان ہیں بلکہ ایک "امت" تھا۔ اتنے اونچے درجے کے فخر اور صاحب عزیمت تقریباً شخاص، صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں، عبدالقادر عروہ شہید کے مقرر کی عدالت کو کس عزیمت نے اندھوستانہ لکھنؤ فرارست کے ساتھ خطاب کیا :-

"کیا۔۔۔ ایک بیج کے لئے ممکن ہے کہ وہ ایسی دنیا میں بے تعلق ہو کر رہ سکے، جہاں قانون ختم کر دیا گیا ہو اور جس کی لاشی اس کی بھینس کا اصول کا رفرما ہو، جہاں قانون لوٹ کھسوٹ اور مظالم کے جواز کا آلہ کار بن کر رہ گیا ہو، اور جہاں حکومت کے صاحب اور ہر طرح کے فائدے صرف وہ لوگ مستحق ہو سکتے ہوں جو حکمرانی کی ان میں مانے و مانے ہوں اور جہاں نفاق کامیابی کا واحد ذریعہ خیال کیا جاتا ہو اور ابا جیت و بد اخلاقی کو جاہ و منزلت کی اولین شرط سمجھا جاتا ہو۔"

"کیا۔۔۔ ایک بیج اس بات کو ٹھنڈے دل سے برداشت کر سکتا ہے کہ اس کے وطن میں عہد جاہلیت کے سے حالات کا دور و دورہ ہو، زیر دست اپنا خون پسینہ لیک کر کے کامیں اور بندت اسے چین اور مزے سے بھر کر رکھیں گزروں کو اپنے جسم اور روح کا رابطہ قائم رکھنے کے لئے، سوکھا فالہ اور سیلا جیتھڑا، بھی میسر نہ ہو اور طاقت ور سونے اور چاندی سے گھیس رہا ہو۔ اور اگر گزروں شکایت کہے، تو قانون اس کے خلاف حرکت میں آجائے۔"

"پھر کیا ایک بیج اس بات کو خنڈ سے پٹیوں بھٹاشت کر سکتا ہے کہ ایک ملک کے دستور میں توبہ و دفعہ درج ہو، کہ یہ راست کا دین اسلام ہے، لیکن اس کی حکومت اور حکمران اسلام کی حکمت کھلا خلاف و دزیاں کریں اور خدا و ان اسلام کے قانون کے پیاسے بن جائیں، تعاون علی البیروا التقویٰ کی خواہش رکھنے والوں کو لٹ نہ تہمنا ہیں اور تعاون علی الاثم و العداۃ کے سر تکبیر کی سرپرستی کریں :-

"تب کیا ایک بیج ایسے حالات میں ناظر ہمارہ سکھتا ہے، جب کہ ہمارا ملک اخلاقی فضا میں وحاش سے جاری ہوتا جا رہا ہو، دیانت اور حسن اخلاق کا نام و نشان مٹ سا ہو اور لوگ موجودہ لیڈروں کو اپنے لئے اسوہ اور نمونہ قرار دینے لگے ہوں۔۔۔۔۔"

— — — — —

چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھ لیا کہ یہ مرد کا بد و ابھار نہ انداز میں رقص کرتا ہوا، تختہ دار کی طرف سلطان ہوا اور اس طرح اس نے اللہ کی راہ میں شہادت پاکر، حضرت حبیب انصاری رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کی یاد تازہ کر دی۔

اس کے بعد اب تک "انہوں" ظلم و ستم کے شکنجوں میں کسے جا رہے ہیں۔ کوئی ظلم و ستم ہے جس سے ان کو دو چار ہونا نہیں پڑا، مقرر کے جے آہ و گہاہ دیکھتا لوں کی ہولناکیاں اذیتوں سے لے کر شہری قید خانوں اور پھانسی کے تختوں تک، ہر ہوشیاری کے لئے انہیں گھسیٹا پٹا ہے ہزاروں "انہوں" ان اذیتوں اور تہذیبوں کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو گئے، جو فائدہ سب سے ان پر معاش اور زندگی کی راہیں بند کر گئیں حکومت کے دفاتر میں ان کی طاعت منسوخ، تجارت و صنعت کے کاروبار میں ان کے لئے قدم قدم پر رکاوٹیں، مشکلیں اور پیراں بنائیں، ذلیل منصوبہ یہ کہ پیر کی کمر بستی ہوتی ہے، فقر و فاقہ میں مبتلا ہو کر یہ لوگ اپنے ملک کو غیر آباد کر جائیں اور پھر انہیں امریت کا کمر پڑھنے لگیں گے، مگر

افغان کو ہزار سالوں سے، ان کے سر پر نیامیں ٹوٹ گئیں، مگر ان کی استقامت میں ذمہ ہر فرقہ نہیں آیا، ان خدا شاہوں اور سچے پتھروں کا یہی نصب العین رہا کہ —

اللہ عزوجل

والس رسول فی عیننا

اللہ ہی را مقصود ہے
رسول ہمارے قائد ہیں

اللہ

قرآن ہمارا دستر ہے

واللہ کان دستورنا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ آج تک اسی مسلک پر اور جاری عزیمت و استقامت پر گامزن ہیں۔

مرد پرگئی سنگ لگی اور ہے سچی کی کہ مقرر کے وہ لوگ جنہوں نے "افغان" کی جنگ حالی اللہ معاشی شکایت سے متاثر ہر ملک کی مدد کی رہے ہمارے کی حکومت کے اعتبار سے نہ بچ سکے! "افغان" کے ہر مدد کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ستا یا اور پلٹن کیا گیا۔

دیکھو فلسفہ تک جماعتات ملی ہیں ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پالیسی بنیاد سے ملندہ "افغان" گفتار کیے گئے ہیں، جو طرح کی حق توہمیت مبتلا ہیں ان میں مرد پر نہیں ہر حق بھی ہیں، دنیا میں شاید ہی کسی تنظیم اور جماعت کی اتنی عمدتیں گرفتار کی گئی ہوں، امتیہ ہندوستان میں انگریزی استبداد کی مثال ہمارے سامنے ہے، آزاد کی کے لئے جدوجہد کرنے والوں میں، جن کو قید و بندیں رکھا گیا، وہ سب سیر مردتھے، مرد قتل سے کسی قسم کی پرچہ چھٹک نہیں کی گئی، ہزاروں اور لاکھوں گرفتار ہونے والوں میں بس دوچار ہزار مرد تھے، نظریہ آئین، جن کا تناسب میں نہیں شاید ایک سو نہ تھا، مگر جہاں آہر کے دودھ آہریت میں مرد قتل ہر بھی مظالم ڈھائے گئے، یہ قطب کی کہن امین قطب تعزیت کی شدت سے شہادت پا چکیں، سید قطب شہید کے لئے بھائی محمد قطب بھی قید خانہ کی کشتیوں کی تاب نہ لا کر لاش کو پیادہ ہو گئے!

حسن انجیل البغیتی بھائی افغان کے صمد و مرشد عام ہیں، ان کو سکھار میں گرفتار کیا گیا اور انیس مہینے کی سزا سنائی گئی پھر اس سزا کو مرتد میں تبدیل کر دیا گیا، قید خانہ میں ان پر ایسی بے رحمانہ سختیاں کی گئیں کہ چھ مہینے، مہینوں کے اس ہوش سے رہی تا نہ کی محنت ہی بالکل برباد دے گئی، حکومت نے ان کو مرنے دیکھ کر، رہا کر دیا وہ برسوں سے اپنے گھر میں نظر بندی کے دن گزار رہے تھے، اسباب انہیں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا، اور تین سال قید با مشقت کی سزا دی گئی!

"افغان" کے بعض اکابر کی برکات اور بینیں قید خانوں میں مصائب آلام کا شکار ہیں، ان کا جوہم اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ یہ ایک بیسیاں اللہ تعالیٰ کے دین اور کام کا غلبہ چاہتی ہیں اور اس بے یاری کے قدم میں ان کی زندگی ان عصمت و عظمت کا قابل قدر نمونہ ہیں (اللہم کنزناہم!) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مظلوم و مظلوم زبان وادب میں مدبر و اجتہاد رکھتے ہیں اور عرب و مالک میں جن کی عربی و الفارسی کی دہم بھی ہوتی ہے انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ —

ہر سید قطب نہ صرف مقرر کے، نہ صرف عالم عربی کے بلکہ دنیا کے اسلام کے ان پیہ و برگزیدہ، اہل فکر، اہل علم اور صاحب طرز دانش پندانوں کی صف اول میں ہیں جو طویل عرصہ کے بعد پیدا ہو کر تھیں، ان کا دین کا دھڑلہ اور اسلام کی ولایت و ترجیح کرنے والوں کی صف میں شامل ہونا، اسلامی فتوحات کی ایک کڑی اور اسلام کے لئے ایک قابل قدر تحفہ اور ایک وقیح اضافہ تھا۔ وہ مقرر کے اس شہدادی و تنقیدی حلقہ کے ہم رنگ اور وکیل تھے، جو اس محمود العقاد کا حصہ یا دبستان کہلاتا ہے، ان کا سارا انداز و انداز اپنی ادبی، اعتقاد، جدید ادب اور فن تنقید کی فائز پر تھا، ان کی تنقیدی کتابیں — اعتقاد عالم — وغیرہ بری تصدیق و تصدیق کی نظر سے گئی جاتی

جمال ناہر یہ مثل پر ہی اترتی ہے۔ لیکن ہرگز جمال ناہر کی چاہیں بھی سب سے قطب کی عظیم شخصیت کی تلافی نہیں کر سکتیں! اس وقت قطب جیسے صاحبِ عزمیت دینی مفکر اور صاحبِ کمال و مہارت کے سامنے جمال ناہر جیسے حاکمِ اندرونِ دربار و خداتِ اعلیٰ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے! اس قسم کے دو ناک و ناکات میں ایک سلمان کے لئے سب سے زیادہ تسلی دہنہ جزا اور ادا ختم کے عقیدہ سے ہوتی ہے کہ اُس دن ظالموں کو ان کے کافروں کی پوری پس منظر اٹھائی اور جن کی غلطی و وسطوت اور گہرائی کے جھنڈے آج دنیا میں اڑ رہے ہیں، قیامت کے دن فہ و ذیل بحر میں کی طرح ساری دنیا کے روبرو گھسیٹے جائیں گے! جو دواستبداد اور طاقت کے ذریعہ جس نے اس دنیا میں جمہور کی عزت حاصل کی، قیامت کے دن اس کو ذلت کے سوا اور کچھ باقی نہ آئے گا!

آمریت نے کیا کیا؟ شاہ فاروق کو اگرچہ فوجی طاقت کے دندے سے ہٹا گیا، مگر اہل مصر خوش تھے کہ انہیں ملوکیت سے نجات ملی! ملوکیت ہو یا آمریت، عوام ان دونوں میں سے کسی ایک قسم کی حکومت کو بھی پسند نہیں کرتے، کیونکہ یہ دونوں جمہوریت اور عوام کے حقوق کو ہمالیہ کے اپنے اقتدار و کبریا کی تخت بھاتی ہیں۔ جنرل نجیب کو مہر طرٹ اور نظریہ برد کرنے کے بعد مصر میں آئینی کا بورڈ مارک بٹھایا گیا، اور جمہوریت کے نام پر جس طرز کی حکومت قائم کی گئی، جس نے مصری عوام کو بالکل بے دست دیا بنا کر رکھ دیا، اس قسم کے جہازانہ قوانین وضع کئے گئے جو آمریت یعنی "ایک شخص کی مطلق العنان حکومت" کی بڑی مضبوط کرتے ہوئے مثلاً یہ کہ صدر مملکت کسی شخص کو بھی سیاسی وجوہ کی بنا پر مقدمہ چلائے بغیر گرفتار کر سکتا ہے اور کسی عدالت میں اس گرفتاری کے خلاف حرا نہیں ہو سکتا! یہ تو مرثیہ از خود اربے ہے، ان قوانین کی فہرست خمی طویل ہے!

جمال ناہر کی حکومت نے مصر کے پرس پر تہ بند کیا، جو اہل قسمل اور سماوی حریت پسند فکر رکھتے ہیں انہیں نظریہ برد اور سماوی دنیا میں گنہ گار اصبہ اثر کر کے رکھ دیا۔ مصر میں شاید ایک بھی ایسا اخبار باقی نہیں رہا بلکہ نہیں رہنے دیا گیا جو عوام کی صحیح طور پر جمہورانی کی تہا، آج کی مصر کی صحافت جمال ناہر کی نصیبہ قوانین کی طرح ہے کہ عظیم اندرونِ اقلی کے خلاف کوئی احتجاج اور صوتِ تنقید نہیں! اخبارات کے کفیلین اس قسم کی نفاذ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جمال ناہر مصر کا نجات دہندہ اور مصر کے وجود و بقا کا امین ہے، اُس کے ماتھے مضبوط کرنے کی ہے مقرر قائم رہ سکتا ہے، تنہا اُس کی فائز اس سفید کی ناخدا ہے، جمال ناہر کی پالیسی اور طرز حکومت پر تنقید کرنے والا داخل مصر کا دشمن ہے اور مصر کی دشمنی کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

آج مصر کی صحافت پر کیڑوں کا قبضہ اور تسلط ہے، انہی کے اخبارات اور رسالوں کو ملک کے طول و عرض میں پھیلنے کے مواقع دئے جاتے ہیں۔ اسلام کی جگہ سوشلزم کو نظریہ حیات کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے، قاہرہ کا ریڈیو سوشلزم کے پروپیگنڈے کے لئے وقف ہے، کوشش کی جا رہی ہے کہ مصری عوام کے ذہن و فکر پر "اسلام" کی بجائے سوشلزم کا رنگ چڑھ جائے، اسلام کی طرف دعوت دینے والے مصری حکومت کے نزدیک رجعت پسند ہیں! ان کے رجعت پسندوں کو تباہ کرنے کے لئے صدر ناہر کی قتل کی سازش کے شکار بنائے گئے دن مصری اخباراتیں چھٹتے رہتے ہیں وہ مصر جو اسلامی تمدن و تہذیب کا گہوارہ رہ چکا ہے آج وہاں خروغی تہذیب کو زندہ کرنے کی بجائے رجعت پسندوں کے کوشش جاری ہیں! "محسنِ انسانہ افضل عندہ" پر مہر طرٹ کی انقلابی کے نعروں کی گدی قاہرہ میں سنائی دے رہی ہے، رمیس اول کا جسر ہے فر کے ساتھ نصیب کر دیا گیا ہے، مصر کے پراسیروں کو ان کے مذہب کے نکروں پر مہر طرٹ کی تعریف نظر آتی ہے! اسلام کے خلاف اتنی بڑی سازش شاید کبھی بڑے سے بڑے شائق نے بھی نہیں کی! اسکیم یہ ہے کہ مصر کی پوری نسل کو اسلامی دعایات اور بدعتی انداز سے بیگانہ بنا دیا جائے، تاکہ ان کی نگاہ میں "قیامت کے لئے نصیحت" نمونہ الہی ہدایت، معرفتِ حق، عثمان ذی النہین، علی مرتضیٰ، سیدان و قاص، خالد بن ولید اور عمران عبد العزیز (رضی اللہ عنہم) جیسے شخصیتیں نہ رہیں کیونکہ جب تک یہ مقدس ہستیوں مسلمانوں کی نگاہ میں محترم اور معزز نہ رہتی ہوتی ہیں، اگر باب اقتدار کی غلطیوں اور غیر اسلامی

زندگیوں پر احتساب کیا جائے گا، یا کم سے کم دونوں میں انہیں ناپسندیدہ سمجھا جائے گا، ان اعلیٰ نمونوں پر فخر کرنے کی شغفیتیں غالب آئیں تو پھر سپریم صدمہ کے غمگینوں کو قوم، بطل جلیل اللہ ملک و ملت کے ذہیم و فائدہ کی حیثیت سے قبول کرے گی، ایشام تین سال تک صدمہ ناظر کی آمریت و دنیاوت کے تلخ کراہتا رہا، آخر کار جیسے جیسے دامن کے گھامنے اس بدگو نالا اداس پھندے سے نجات حاصل کی، ایمین جہاں ناظر نے فون کی جو بولی کھینچی ہے اس پر ملت کے لئے لغت میں الفاظ نہیں مل سکتے۔ ”عرب اتحاد کا ٹھکانہ لگا کر بے شمار عربوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، ایمین کی تباہی پر مصری حکومت نے جو اردوں و سپر ہرن کہا ہے اور جتنے مصری سپاہیوں کی جانوں کی بھینٹ دی ہے اگر اس بلخار کا رخ اسرائیل کی طرف موڑ دیا جاتا، تو صیہونیت کی جان کے لئے پڑ جاتے !

ایسرائیل یا اردو سوتالیہ کے مسلمانوں پر جو مظالم کئے جا رہے ہیں وہ اب ڈھکے چھپے نہیں رہے مگر جمال ناظر نے ان مصیبت زدہ اہل ایمان سے بڑی کرنے کی بجائے دشمن اسلام میلہ سلاسی شاہ جیش سے دوشی کی پیٹگیں بڑھا دی ہیں، قبر میں ترک مسلمانوں کے قاتل میکائیوں کو جمال ناظر کی حکومت نے مالی امداد دی ہے، اداس اذیت و غم کا تو لفظوں میں اظہار ہی نہیں سکتا کہ اس شخص نے سعودی حکومت کو مجازیر میں مکہ اور مدینہ بھی شامل ہے، حمد کرنے اور عجم پرسلنے کی دھمکی دی، نہ جانے اس قسم کا یہ تبلیغ دیتے وقت جمال ناظر کا ایمان کس نصائین معلق تھا۔ کثیر کے مظالم مسلمانوں کی ہمدردی میں ایک لفظ بھی نام نہاد جمہوریہ عرب کے اس صدمہ کی زبان سے نہیں نکلا۔

شاہ فیصل نے کس جوش و خروش کے ساتھ مسلم حکومتوں کو اتحاد کی دعوت دی ہے، مگر اس دعویت کا دیکھنے والے کے مقابلہ میں جمال ناظر نے جو معائنہ روشنی اختیار کی ہے وہ ریسرچر لائن نقیب الدین آبی کی سند کو کتنا عظیم الشان مژدہ اور کس قدر مستر خیز نیرید و تہنیت ہے !

اسرائیلی حکومت میدان جنگ میں اخوان المسلمون کے جوش و جہاد، ایمانی قوت اور عزیمت و استقامت کا تجزیہ کر چکی تھی، ادوا افغان سے بہت خائف تھی، جمال ناظر نے ”اخوان“ کو تباہ کر کے، یہودیوں کو فکس و فکس سے آنا دکر دیا، مصر میں افغان کی تباہی و مبادی ٹھیک اسرائیلیوں کی مرضی، تمنا اور پلاننگ کے مطابق ہوئی ہے !

جمال ناظر کی نگاہ میں اسرائیلی حکومت کا مسئلہ کوئی ایسا شدید مسئلہ (GRAVE PROBLEM) نہیں ہے جس کے لئے کوئی ٹنگ و دو کی جائے، عبدالحکیم علوان نے جب فرانس کا وعدہ کیا تو اس نے واضح لفظوں میں کہہ دیا۔
”جمہوریہ عرب اسرائیل سے نہ جنگ کی خواہش رکھتی ہے اور نہ امداد“

یہ اعلان دراصل جمال ناظر کی حکومت کی پالیسی کا اعلان ہے۔ جب تک جمال ناظر کی آمریت باقی اور سلطنت ہے یہودیوں کو اطمینان ہے کہ ان سے چیز بچھاؤ نہیں ہو سکتی، عرب ممالک کے مسائل کے متصر بننا یہ خلیل حاوی کے معنوں کا ایک اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے۔
”مصری حکومت ان ممالک سے درستانہ تعلقات قائم کئے ہوئے ہے، محمد عرف اسرائیل کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ اسرائیل کے تنظیم مضبوط کرتے ہیں، دوسری طرف جو ملک اسرائیل کو کچلنے کے لئے مدد دے سکتے تھے، ان سے مصری حکام نے سر و ہری کا رویہ اختیار کر رکھا ہے بلکہ کھلی کھلی حمایت تک اور تہم پہنچا دی ہے، مسئلہ فلسطین کے بارے میں مصری سیاست کی نمایاں غلطیاں یہ ہیں کہ اس نے غزوہ پر بین الاقوامی ایمر جنسی فوس کا تسلط تسلیم کر کے اس علاقہ کو عملاً اسرائیل کی ٹنگ و تازہ کئے کھل دیا ہے، یہی وہ علاقہ تھا، جہاں سے عرب رضا کار اسرائیل میں گھس کر گوریلا جنگ جاری رکھ سکتے تھے، اب بین الاقوامی پولیس عرب رضا کاروں کو اس علاقہ میں داخل نہیں ہونے دیتی اور اسرائیل فلسطین کے کساندھاس علاقہ میں اپنے انتہادی منصوبے پر مشتمل کا سارا ہے اسی طرح خلیج حقیر پر بھی بین الاقوامی کنٹرول ہے، پہچان ہو رہی ہے اس خلیج میں گھسنے کی برأت نہیں ہو سکتی تھی، مگر اب اس نے سلطنت کے مقام پر عظیم الشان بندہ گاہ تعمیر کر لی، جہاں اس کے

جہاں بڑے طبقے کے ساتھ افریقی ممالک میں آج رہتے ہیں، اس طبقے کے کھل جانے سے وہ ناکہ بندی ختم ہو گئی ہے جس کی وجہ سے اسرائیل سخت پریشانی میں مبتلا تھا، اور اس کی اقتصادی حالت شدید بحران کا شکار ہو رہی تھی، اب وہ بے پیکھ افریقی ممالک میں اپنی تجارتی منڈیاں قائم کر رہا ہے اور افریقی ممالک کی کثیر تعداد بھی اس کے دام فریب میں مبتلا ہوتی جا رہی ہے۔

اس صورت حال سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صدائے امریکی پالیسی سے اسرائیل کو کس قدر فائدہ پہنچ رہا ہے! اور اسرائیلی حکومت کی کیسی کیسی مشینوں کے بندھن کھٹتے جا رہے ہیں۔

شاہ فاروق بادشاہ تھا اور پربادشاہ تھا، اس کی جلا وطنی پر مصری عوام نے خوشیاں منائیں کہ ملکیت کی دنیا دہوں اور بیانیوں سے انہیں نجات ملی، مگر صدائے امریکی چارہ آفریت کا انہیں جو تفسیر پہنچا، تو وہ شاہ فاروق کے دور ملکیت کو یاد کرتے ہیں! اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے بھی شاہ فاروق کا زمانہ امریکا دوسرے بہتر تھا۔

دوسرے اور امریکی نظریہ اور عمل کے لحاظ سے ایک دوسرے کے کٹنے مخالف ہیں، اسلام کے دیہان کس قدر شدید دشمن ہے، مگر جہاں ملک انوکھا لہجہ کی مخالفت اور انتہائی دیہادی کا قلع ہے، دوسرے اور امریکی نہیں، انگلستان، اسرائیل اور دوسری مغربی طاقتیں بھی جہاں تاہر کی ہم نوا اور مرید ہیں کہ اس طرح اسلامی اختلاف اور مذہبی تفرق اور نظریوں کو نقصان پہنچ رہا ہے! اسلام کے خلیفہ منافع مسلول کے ساتھ تمام قانونہ طاقتیں متحد ہو جاتی ہیں انسان کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی جب وہ یہ دیکھتی ہیں کہ جو کام انہیں کرنا تھا اسے خود غرض مسلمان "خدا دہوتی" کے نام پر انجام دے رہے ہیں۔

آمریت آزاد جمہوریت میں اصل طاقت عوام کے ہاتھ میں ہوتی ہے، وہ چاہیں تو آئینی جدوجہد کے ذریعہ ملک میں انقلاب لایسکتے ہیں۔ جمہوری حکومتوں میں اسباب اقتدار کو اس کا خوف لگے رہتا ہے کہ عوام ان سے بدول ہو گئے تو ان کو کرسیوں سے بے دخل کیا جاسکتا ہے، اس لئے وہ عوام کے جذبات، احساسات اور مطالبات کا نیا دھسے لیا دھ خیال رکھتے ہیں، اور عوام کے احتجاج کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ جمہوری انداز میں انقلاب میں خون خرابہ کی قربت نہیں آنے پاتی، وہاں حکومت اور رافض نہیں، الفاظ اور اصول اپنا کام انجام دیتے ہیں۔ جمہوری حکومتوں میں وہی شخص اقتدار کی کڑی پرف توڑ دے سکتا ہے جس سے عوام مطمئن ہوں، وہاں کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی قانون سے بلند وبالا اللہ مستثنیٰ نہیں ہوتا! جمہوری حکومت میں حکومت کی بڑی سے بڑی شخصیت کی ذاتی زندگی پر بھی عوام تنقید و احتساب کا حق رکھتے ہیں، وہاں فرد واحد کی مائے سے نہیں، بلکہ باہمی مشورہ سے امور مملکت طے ہوتے ہیں۔ جمہوری سیاست میں حاکموں کو عالی ظرف، صاحب صبر و تحمل اور بڑا دلگیر بن کے رہنا پڑتا ہے، یہاں تک کہ بعض نازک اور اہم معاملات میں "سائرس" "فلوری" اور "بدیعائی" جیسے الزامات بھی عوام کی زبان سے سننے پڑتے ہیں! اسلام جو شریعت کا قائل ہے، اس کے لئے جمہوریت کی نفسانیا وہ سازگار قافی ہے۔

بادشاہت میں حکومت کے امور اور معاملات فرد واحد کے اور گرد و گھومتے ہیں، وہاں بادشاہ کو بدھنے کے لئے انقلاب لانے کی جدوجہد قانون جرم ہوتی ہے، حکومت کے خزانہ سے بادشاہ اور اس کے خاندان والے اور متعلقین جس طرح چاہتے ہیں فائدہ اٹھا لیتے ہیں، وصالوں اور خوشیوں کا ایک جرم بادشاہ کو گھیرے رہتا ہے اور جہاں پناہ کو یہ تک باور رکھ دیا جاتا ہے کہ آپ "عل اللہ" میں! ایک بادشاہ مرنا ہے تو اس کی جگہ اسی خاندان کا کوئی فرد اس کی بجائے بادشاہ بنتا ہے، اب بادشاہ ایک ہی جیسے نہیں ہوتے، تاریخ شاہد ہے کہ بعض نیک نفس اور خدا ترس بادشاہوں کو عوام نے پسند کیا ہے! ان کی ذات کو برکت و محبت سمجھا ہے، بڑے سے بڑے بادشاہ نے بھی جمہوریت اور عوامی حکومت کا نام لے کر لوگوں کو دھوکا نہیں دیا، بادشاہ جمہوریت اور شریعت کے دھرم داری نہیں ہوتے، ان کی پالیسی واضح ہے، کہ جس قسمت کی طرف سے لوگوں پر بادشاہت کرنے کا حق ملتا ہے، سمجھوں میں ان کے نام کے خلیفے بیٹھے جاتے ہیں، جن میں بادشاہوں کو

”تہ قدت“ اور ”مالک مقاب اُم“ تک کہا جاتا ہے۔

”آمرت“ اسی سیموی صدی کے مشہور مصنف اصطلاح ہے اس سے پہلے کی تاریخ میں قدیم زمانہ کو شان کرتے ہوئے (مخلفاء مالی بسلطین، ملوک لاجے، ہمالیہ اور شہنشاہ ہمارے تھے، انغور چین، زاروں، فرعون مصر، کرائے ایمان، قیصر روم، ملوک ہیرہ وستان، پنجین، سلطان ترکی، اور بھارت کے ہمالیہ اور اراج کے لقب بہت مشہور تھے !

جس طرح بادشاہ اپنے کو بادشاہ کہتا ہے اسی طرح دنیا کا کوئی دیکھ کر اپنی ذات سے اس لقب کو منسوب کرنا پسند نہیں کرتا۔ جمال ناہر کی زندگی مثال ہمارے سامنے ہے۔ وہ تھر کا مطلق العنان حاکم ہے، اُس کے حکم اور مرضی کے بغیر مقرر کے حدود و مملکت میں کوئی دم نہیں مار سکتا اور چوں نہیں کر سکتا، مگر اُس نے اپنا لقب ”صدیق جمہوریہ عرب“ تجویز کیا ہے، اُس نے انتخابات کا ڈھونگ رچا یا اور پھر رفتہ رفتہ عوام کی آنادی اور حقوق کے دائرے کو تنگ کرنا کیا، اُس نے ملک میں ایسے قانون بنائے جو اُس کی اپنی مرضی اور پسند کے تھے۔ اپنی ذات کو وہ ممتاز حیثیت دے دی جو قانون کی گرفت سے بالاتر ہے، فوج سے لے کر عدلیہ اور انتظامیہ تک حکومت کے تمام شعبے جمال ناہر کے ہر خواہ میں یکساں کے چشم دایرہ کے اندر سے پرورش کرتے ہیں، اردو، پشاور اور پھر سے کالچ، حکومت کی طاقت کا دیا و غرض جو کوئی جس وجہ سے بھی شکار کیا جاسکتا تھا اُسے جمال ناہر کی ڈیوٹی میں نے پھیرنا کر چھوڑا۔ وہاں کے پولیس پر حکومت کا پوری طرح قبضہ ہے، عوام کی آنادی کو اس طرح شکنجے میں کس گیا ہے کہ حکومت کی کسی بڑی سی بڑی نیادتی کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں ہو سکتی، اُنہر کے پولیس، ریڈیو اور اخبار سے اس کا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ جمال ناہر صاحب مقرر کے بجائے دھند اور بظاہر قوم کے زعم کبیر میں۔

جامعہ الانہر کی تقدیس کو ایک ہزار سال کے بعد دہر ناہر میں اس حادثہ سے دوچار ہونا پڑا کہ وہاں کی تعلیم کو مفلوط کر دیا گیا، آج کا مصر اپنے دینی شاہیر اور ہمارے بچے عبدالباق ربیہ تھلا اور شہزادہ خلیفہ اُم کلثوم پر غصہ کرتا ہے، مصر کے بڑے بڑے شہر میں فسق و فجور کی گرم بانٹا رہی ہے، دینی اخلاق و اقدار کے نشانات دھند سے بڑھنے بلکہ مٹنے اور معدوم ہونے چلے جا رہے ہیں، حکومت کو بعض ایسے جاہ پرست اور زمانہ ساز علماء رہیں ہاتھ لگ گئے ہیں، جو اسلام کی بجائے سوشلزم کی تلقین و تبلیغ کرتے ہیں، جمال ناہر نے اپنی تشہیر میں مدین فرمایا تھا۔

”اے قوموت اور رئیسین کے فرزند!..... دہر ابدال کے بعد آج مصر پر پہلی مرتبہ خود اہل مصر کو حکومت کرنے کا موقع ملا ہے“

ان دنوں دہر کے سایہ میں جو معاشرہ نفسیں پائے گا اور جو نس اُبھرے گی اُس میں اسلام و اخلاق کی کوئی خصوصیت بچا باقی ہو سکتی ہے! دنیا کے جس ملک میں بھی جھوٹے یا بڑے جمانے پر ”ناہر امرت“ کو فروغ دیا جاتا ہے، وہ اسلام اور جمہوریت کا دغا نگیز المیہ ہے! اللہ تعالیٰ ہم سب کو، چاہے وہ خاص ہوں یا عام، دین پر چلنے، دین کو سر بلند کرنے اور دین کے لئے مرنے اور جینے کی فوجین عطا فرمائے (آمین)

جائزہ

سید قطب اور ان کے ساتھیوں کے پچاسی پائے انشہید ہونے پر ہم نے پاکستان اور ہندوستان کے دینی حلقوں کی مدد کی کامی تجویز کر کے دیکھ لیا، اگر نہ فلم کے خلاف احتجاج، مظلوموں کے ساتھ ہمدردی اور اعلان حق کا فریضہ انجام دیا، کون خاموش رہا، اور کون مظلوموں میں مسرت کے انما میں سرگوشیاں ہوتی رہیں! مسرت اس بات کی کہ ان ”انوان“ کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا ہے۔ دین کی سرکے نیاہ ہمیں دواہ قدس شانس جماعت اسلامی ہے انسان کی دینی فکر و دعوت کو حق سمجھتی ہے کسی کسی نے دینی زبان سے دینی اخوت کے اس عام مسئلہ کو مصر کے داخلی معاملات سے تعبیر کیا، سرگودھا کے زندان ”وفاق“ نے اس انتہائی حسد کا سناخ کی خبر واطلاع پر جو ”ہیٹلین“ قائم کیا، اسے ٹھہ کر علی پور ہو کر رہ گیا، اس زندان کی وہ اشاعت سامنے نہیں ہے مگر اصل سترخی کا یہ مفہم تھا۔

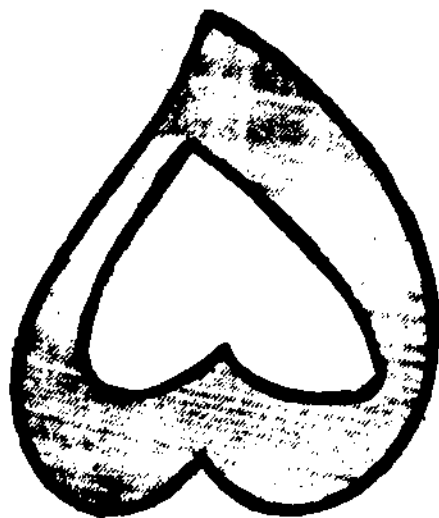
”مصر کی خلافت قانون جماعت کے لیڈروں کو منترائے موت“

نکدہ بالا اعتراض نے اس المیہ اور تعزیر کی اہمیت کو بڑی طرح مجسود کر دیا، مقصود یہ کہ پڑھنے والے یہ تاثر قبول کریں کہ یہ تنظیم
 ————— افران المسکون ————— اپنی غیر فنی حرکتوں کے سبب مصر میں پہلے ہی سے ’خلافت قانون‘ قرار دی جا چکی تھی، ایسی سرکش جماعت کے
 لیڈروں کو یوں ہی منترائے موت نہیں دے دی گئی، بلکہ !

مولانا عبد الماجد دبیادہ مدیہ صدق جدید جنہوں نے کئی سال پہلے اپنے اخبار میں ’افران‘ کی مظلومیت پر طنز فرمائی تھی، جس کے
 بارے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے لکھا تھا کہ کاش (مولانا دبیادہ) کے لکھے ہوئے ان لفظوں کو میں اپنے خون دل سے مٹا
 سکتا، انہی نے سید قطب کی شہادت پر وفات کا عنوان قائم کیا ہے، شاید مولانا موصوف کا یہ عقیدہ ہو کہ شہادت کا فرد کے ہاتھ سے لے
 جانے ہی سے حبيب ہوتی ہے، مسلمان حکومتیں اور ان کے فرماندار کسی مسلمان کو ظالمانہ طور پر قتل کر دیں، تو وہ قتل وفات ہوتی ہے، شہادت
 نہیں ہوتی، اس صورت میں حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی شہادتیں عمل خود ہو جاتی ہیں؛ حالانکہ یہ نفوس قدسہ شہید ہوئے
 ہیں اور ان کے قتل کرنے والے اگرچہ مسلمان تھے مگر ظالم تھے، اپنے اس مشورہ میں مولانا دبیادہ نے سید قطب شہید کی مدح و ستائش کی
 ہے، مگر مجال تاہر کے بارے میں ایک حرف نہیں لکھا، مظلوم کی تعریف و ستائش اور ظالم کے خلاف احتجاج اور اظہار خیال سے گریز اور سکوت
 یہ ’تعزیت‘ کی آخر کوئی قسم ہے؟ مولانا موصوف کے اس شندہ کو پڑھ کر قاری یہ تاثر قبول کرے گا کہ سید قطب طبعی موت سے مرے ہیں، یا کسی
 ناگہانی بلا نے آسمانی کاشکار جوڑے ہیں، اس صورت میں ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پر تو حرف گیری نہیں کی جا سکتی کیونکہ وفات اور موت تو
 ہر جان کے ساتھ ملی ہوئی ہے، ایک نہ ایک دن ہر جاندار کو مرنا ہے !

اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر شخص کا ریکارڈ محفوظ ہے، اور اللہ تعالیٰ سب کی نیکی کا حال بھی جانتا ہے، قیامت کے دن یہ ریکارڈ ہر
 شخص کے سامنے کھلی کتاب کی طرح آئے گا، اللہ تعالیٰ اس دن کی رسائی سے ہمیں محفوظ رکھے، ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت اور حضور
 شفیقہ المذنبین کی شفاعت کے آ رہے و مند ہیں (آمین)

بائبر نقادری ۲۶ ستمبر ۱۹۶۶ء



آزمودہ دواؤں کا مرکب

انساجین



سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد گھٹانے
یقینی نفع داتا اور بے ضرر علاج ہے

مہار القادی

جھوٹی نبوت کا جھوٹا علمِ کلام

فلسفہ قادیانیت کی تعریف و تہذیب احمد اُس کے بطلان کی ضرورت سمجھنے اس لئے محسوس کی کہ لاہور احمدیہ سے اس مسلک کی تعلیمات و کفر کی تبلیغ کے لئے ہمارے پاس لٹریچر بھرا دیا گیا، دوسرے نسلے سے بھی ہمیں اطلاع ملی کہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے قادیانیت بڑی سرگرمی کے ساتھ اپنے سونی صدی غلط عقیدہ اور سہا کفر و باطل مسلک کی تبلیغ کر رہے ہیں! اس صورت میں ہمارا کیا فریضہ تھا؟ یہ کہ ہم سچا دھ بیٹے اور خاموش بیٹے رہتے، اگر ہم رد و کار کی اس دہم میں مبتلا ہوتے، قریباً مت کے دہم سے شدید باز پرس ہوتی کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت اور اسلام کے دفاع اور جھوٹی نبوت کی تردید کی قوت و استعداد دی تھی تو تم نے اس سے کام لیا نہیں لیا، اور معاد لدی کا جو ہم شیطان نے پیدا کیا تھا، اُس میں تم کیجیے مبتلا ہو گئے؟

آخر تک اس جواب دہی سے بچنے کے لئے، حق کی حمایت اور باطل کی تردید میں، ہم نے "خاموشان" کے تین شماروں میں "قادیانیت اور مسک" کا پوسٹ مارٹم کر کے دکھا دیا کہ یہ مسک کفر و ضلالت کا مسک ہے، اس مذہب کی بنیاد کذب و افتراء اور دجل و فریب پر ہے، اسلام کے خوف یہ سب بڑی ساری شے ہے، اس مسک کو قبول کرنے کے بعد آدمی ایمان و اسلام سے عاری اور محروم ہو جاتا ہے، قادیانیت انگریزوں کا لگایا ہوا پودا ہے، اس کے پھل شواہد — مرزا غلام احمد — کی زندگی کا بہت بڑا حصہ انگریز کی وفاداری، نیا مذہبی اندکاسہ لیبی میں بسر ہوا ہے، جس شخص نے انگریزی حکومت کی وفاداری اور نیا مذہبی کی لوگوں کو تعلقین کی ہو اور جس نے انگریزوں کی خوشنودی کے لئے فریضہ جہاد کی تبلیغ کا اسلام کیا ہوا کیا اس کی ذات سے ولایت، مجددیت، مجددیت، مسیحیت اور کسی قسم کی بھی نبوت منسوب کی جاسکتی ہے؟ کیا کسی ولی اللہ کی دلچ فرامش ایسی ہو سکتا ہے کہ انگریزوں کی کافر حکومت کو قرآن کریم کے "اولی الامر" کا مصداق ٹھیکر لایا جائے؟ اللہ اور رسول کی اطاعت کے بعد جس "اولی الامر" کی اطاعت کا قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے، کیا وہ "اولی الامر" کافر بھی ہو سکتا ہے؟ صرف یہی ایک چیز یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ مرزا غلام احمد کس غلط فکرو مزاج اور کس پست سیرت و کردار کا انسان تھا!

"تفریق پیدا کرو اور حکومت کرو" (Divide and Rule) یہ انگریزی حکومت کی پالیسی تھی، مرزا غلام احمد کی جھوٹی نبوت کے دعوے نے اہل مسلم میں کھلی ہوئی تفریق پیدا کر دی اور یہ "تفریق" انگریز کو مطلوب اور محبوب تھی، اسی لئے انگریز کے خلقِ عاقلیت میں یہ خاندان ساز "خلقِ نبوت" پر جان چڑھی! — "امت کے اندر ایک امت" یا "امت کے عقائد میں دو مری امت" اور "نبوت کے دو عقائد میں جسد نبوت" — اس افتراق کی خدمت کے لئے جتنے سخت سے سخت افلاطونی استعمالات کئے جائیں، وہ حقیقت کی واقعی ترجمانی کے لئے کم ہی ٹھہریں گے، امت مسلمہ کا یہ "افتراق" انگریزوں کی پالیسی کے عین مطابق تھا، اچھے لئے تو مرزا غلام احمد نے کہا تھا —

"میں اپنے کام کو نہ منکر میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں، نہ مذہب میں نہ روم" — "میں نہ شام میں، نہ ایران میں نہ کابل میں، مگر اگر گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لئے اللہ سے دعا کرتا ہوں...."

خدا کے لئے انصاف سے بتاؤ کہ امت مسلمہ مرزا غلام احمد کو کس دلیل کی بنا پر خلقِ اللہ ہی کا مان لیتی، جب کہ کتاب و سنت، آثار و صحابہ

— "مردی شہادت میری زندگی میں فوت نہ ہوا، قریم و جلال اللہ کا ذب ہوں۔"

(شاہد مرزا، ۱۰ اپریل ۱۹۶۶ء)

— "ذاکر عہد الحکم میری آنکھوں کے دوبرہ اصحاب نبیل کی طرح نیست و نابود ہو جائے گا۔"

(تبصرہ محمد، ۱۰ نومبر ۱۹۶۶ء)

— "دو تین خاقان مبارک تیرے نکاح میں آئیں گی، جن کو تو نصرت جہان کے بدل پائے گا، اعلان ہے تیری

نس بکثرت ہوگی۔"

(شاہد مرزا، ۲۰ فروری ۱۹۶۶ء)

مگر

ان پیشین گوئیوں کے وقوع میں آنے سے قبل ۲۶ مئی ۱۹۶۶ء کو مرزا غلام احمد مرچا: — جس نے نبی کی جھوٹی پیش گوئیوں کا یہی منہ پرنا تھا لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں شیطان نے اس جھوٹی نبوت کی عقیدت کا بیج بو دیا ہے، وہ کذب و افتراء کی ان کھلی ہوئی نشانوں کو دیکھتے ہیں مگر ان کی عقیدت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے، آخر وہ سب کئے لے لے انسانوں کا ایندھن بھی لے رہا ہے! اُنٹ مسلمہ کے سامنے "فصلہ احمدیہ" بھی تھے، جن میں — اہل سنت و الجماعت کے علماء کو اس قسم کی گالیاں دی ہیں: "خبیث، شیطانی، مفسد، کذاب، ناری، غوی، اجہل، احمق، شقی، ذیب، طاعین، اشرار، اثم، فتن،

دجال، مشرعی، اوباش، بے ایمان، بے حیا، کلیب،"

یہ ہے قس دیانی تبصرہ نگاری کا اسلوب اس کی زبان اور ادب! جس کا ایمان بڑھتا ہے اس کی زبان بھی بڑھ جاتی ہے، افسوس! قلم بھی بڑھتا ہے انہار لگتا چلا جاتا ہے اور جھوٹی نبی کے اسی قسم کے "ہدایات" کو "دی" سمجھتے ہیں! (استغفر اللہ)

الافوں کو خبیث اور بے ایمان بھی کہا جاسکتا ہے، ان القاب کے لئے کوئی سبب ہونا چاہئے، مگر علماء ملت اسلامیہ آخر کس جرم میں ان القاب کے مستحق سمجھائے گئے! انہوں نے کسی مخصوص عقیدہ کو بدل دیا تھا، دین کے کسی رکن کو منسوخ کر دیا تھا، کتاب و سنت سے ثابت شدہ کس مسئلہ کو نہیں مانا تھا؟ ان بے ہاروں کا اس کے سوا اور کیا تصور تھا کہ نبی کا ذب کے دعویٰ نبوت کی انہوں نے پوری جہالت کے ساتھ تکذیب: تردید کی؟ اور اس طرح امت کو کفر و ضلالت سے بچالیا! علماء کا یہ کارنامہ قرآن کے احکامات کا سب سے زیادہ روشن و تابناک و دقیق ہے! اس پر جتنا بھی تذکرین کم ہے!

مرزائے قادیان کی تحسیر کا اقتباس اوپر دیا جا چکا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ مرزا اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ مسلمانوں کے کسی ایک نبوت کے دعوے کو انکار اگر انہیں کیا جاسکتا، اس کے سامنے خلافت راشدہ کے "مدعیان نبوت" کا حشر تھا! اسی لئے اس نے انگریز حکومت اپنے کام کے لئے منتخب کیا، ایس۔ "دعویٰ" اور اس قسم کا مشن جس سے امت اسلامیہ میں بغاوت پیدا ہو رہی ہو، انگریز کی مرضی کے عین مطابق تھا، انگریز اور کیا چاہتے تھے، ایک ڈھاگو، نیا زندہ، وفادار، نبی! اس کو تھک آگیا، اور ایک ایسی امت مل گئی، جو انگریز کی کافرانہ حکومت کو "اولیٰ الامر" جاننے لگی، جس امت کے نبی کی فکر کا زیادہ حصہ انگریز کی غیر خواہی اور دھاگوئی میں بسر ہوا تھا۔

— "جہاد کا مفہوم جنگ کہتا ہے، اور اس میں جہاد نفس سے لے کر جہاد باسیف تک شامل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس و غزوات اقصیٰ یا اس جنگ سے تعلق رکھتے ہیں، جو جنگیں میدانوں میں تلوار سے (لڑی گئی ہیں)۔" جہاد باسیف منسوخ نہیں ہو گیا، یہ حکم اللہ تعالیٰ علیٰ عالمہ باقی ہے، مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ کافروں سے وقتاً فوقتاً "جہاد باسیف" ہوتا رہا ہے، صلیبی کادہات میں مسلمانوں کا رازہ، مجاہدین کو درنا ہے اور صلاح الدین ایوبی کے کارنامے مقدس جہاد کے عملی نمونے ہیں، مگر کہ باکوت بھی "جہاد" کی عملی تفسیر ہے، اسی طرح جو کچھ

ہم آئے ہیں وہ خبیث ہیں !

بتا کر دے خوش رہے ہر خاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایم عاشقانِ پاک طینت ما

عیسائی دنیا - صلاح الدین ایوبی کی زیر قیادت مسلمانوں کے ہوش جہاد کا تجربہ رکھتی تھی، مجاہدین نے نصرانی سوراؤں کو ہر گناہ پر رگید ڈالا تھا، جہاد کی اس اسپرٹ سے عیسائی دنیا خوف کھاتی تھی، مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریز کے اس خوف اور اندیشہ کو دودھ کرنے کے لئے فریضہ جہاد کی تیئج کا اعلان کر دیا۔

"یہ وہ فرقہ ہے جو احمدیہ کے نام سے شہر ہے اور پنجاب اور ہندوستان اور دیگر متفرق مقامات پر پھیلا ہوا ہے، یہی وہ فرقہ ہے جو دن رات کوشش کر رہا ہے کہ مسلمانوں کے خیالات سے جہاد کی یہودہ رسم کو اٹھا دے۔"

جہاد کے مقدس و مخصوص فریضہ کو جو شخص یہودہ رسم کہتا ہو، کیا وہ ولی، مجدد اور مسیح موعود ہو سکتا ہے؟ غلام احمد قادیانی نے انوکھ منصب کی بنا پر فریضہ جہاد کی تیئج کا اعلان کیا، جو احکام و فرائض لغوی قطع سے ثابت ہیں ان کو نص قطعی ہی منسوخ کر سکتی ہے،

اگر

اُمّ کے خبط و زلم کے مطابق اُس پالیسی دہی آتی تھی، جس میں "امرو نہی" بھی ہوتا تھا، تو اس صمدت میں وہ بروزی اور قطعی ہی نہیں مستحق بالذات نبی قرار پاتا ہے، ادا اس قول و عمل ادا اعلان کے بعد اُس کا زبان سے یہ کہے جانا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں "خاتم النبیین" ماننا ہوں، نہ وہ برابر حق نہیں رکھتا، یہ کھلا جہاد ہو گا اور واضح دلیل و فریب ہے !

مرزا غلام احمد قادیانی کے تمام "دعوے" ایک جگہ جمع کر دے جائیں تو رہ اُس کو کاؤب و خدا صمد مغتری ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں، اتنا کھلا ہوا تھا تو بھاری دلوں کے قول و عمل میں بھی نہیں پایا جاتا، ایک لپٹا ریا احمدیہ گوہر ہے، کہ جو جی میں آتا ہے، بکے چلا جاتا ہے، اُسے کچھ یاد نہیں رہتا کہ اس سے پہلے کیا کہا تھا؟

مرزا نے دو ٹوک لفظوں میں اعلان کیا -

"اس سے انسانی جہاد، جو تلوار سے کیا جاتا تھا خدا کے حکم کے ساتھ بند کیا گیا۔"

سوال یہ ہے کہ خدا کا حکم یہ ہے کہ جہاد باسیف کو بند کیا جائے، مرزا نے قادیان کو اس کا کس طرح علم ہو گیا، کیا اُس پر وحی آتی تھی؟ اور وہ بھی ایسی وحی نہیں جس طرح خبیث کہی کہ اللہ تعالیٰ ایک بات سمجھاتا ہے یا اُمّ سوئی کو کوئی کی گئی تھی، یہ وحی تو نبوت کی وحی ہے، خدا کا حکم کہ کہ مخصوص فریضہ اور حکم کو منسوخ کرنے کا اعلان، یہ مستحق بالذات نبی کا منصب ہے، اس صمدت میں مرزا غلام احمد کے قول کے مطابق کہ -

"... ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں ..."

خود مرزا کی کیا پوزیشن ہو جاتی ہے، نبوت کے آثار ادا کیا خدا تعالیٰ و خدا تعالیٰ، یہاں کہ ایک شخص اس کا اعلان کرتا ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے، پھر وہ کہتا ہے میں دوسرے نبیوں اور رسولوں کی طرح نبی اور رسول ہوں، پھر وہ یہ حکم خداوندی مخصوص حکم (فریضہ جہاد) کی تیئج کا اعلان کرتا ہے۔ اُس کے نام کے ساتھ "ہدایہ السیاح" لکھا جاتا ہے، اس کے ساتھ صحابہ کہتے ہیں انسان کا نام "رضی اللہ عنہم" کے ساتھ لیا جاتا ہے، وہ مدعی نبوت، اپنے ماننے والوں "میری بات" کہتا ہے، کیا اس مستحق بالذات احمد صمد امرو نہی نبوت کے دعوے ادا اعلان کے بعد بھی "تم نبوت" نہیں لائق اچھے حق ہوئی دھوپ سے زیادہ روشِ حقائق و شہادت کے حق ہے، مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے اس غلط بات کی رٹ لگانا کہ مرزا احمد حق نبوت کا قائل تھا، کتنا خوفناک کذب

ادھما جھوٹ ہے۔

کذب و افتراء کے سیاہ نامے

تادیبا نزل کی دو کتابیں، ایک پمفلٹ اور ماہنامہ الفرقان کا جہاد نمبر۔ یہ لڑیچہ پیاسے پاس بھجوا گیا ہے
تادیبا نزل کے ہر قول پر پمفلٹ اور ہر کتاب کی ہر تردید کریں تو اس کے لئے برسوں کی فرصت چاہئے، ہزاروں صفحات
بھی اس کی تردید کے لئے شہید کافی نہ ہوں گے، کیونکہ اس گمراہ جماعت کا صرف صرف تردید و تکذیب کا متعلق ہے !

ان کی کتابوں پر ہم تنقید کریں بھی تو کیا کریں جب کہ ہمارا ایمان ہے کہ قادیان میں جھوٹی نبوت کا دعویدار پیدا ہوا تھا، ادھما کتاب میں دیکھ جھوٹے نبی
کی جھوٹی عظمت کا مہر ہے جھوٹی نبوت اور مفسدہ و فساد اور خود ساختہ سرحد سیمت کی تائید میں جو مضمون ادھما کتاب بھی لکھی جائے گی وہ کذب
افتراء کا دھڑبھڑ مٹتی ہوگی، اب بے دلائل، تو جو لوگ خدا کا انکار کرتے ہیں وہ بھی اپنے مسلک دہریت کی تائید میں دوچار دیلیں ایسی لے آتے ہیں
جو بظاہر قابل غور و توجہ معلوم ہوتی ہیں، اگر کیا ان کی بنا پر انکار خدا اور نفی وجود باری تعالیٰ کے مسلک کو کوئی صاحب ایمان اور اہل عقل فہم
برا برا سمجھ سکتا ہے۔ کچھ ہونے کفر و شرک کی جانب بھی دوگ ظاہری طور پر کچھ نہ کچھ مقبولیت دیکھ کر ہی رجوع ہوتے ہیں، شیطان نے بھی
آدم کو کبیدہ کرنے سے انکار، دیس ہی کی بنا پر کیا تھا اور فضیلت کے دعوات کو اپنی دلیل کی بنیاد بنایا تھا، کوئی شخص شیطان کے اس باطل مسلک کی تائید
کرنے کا بیڑا اٹھائے تو وہ ردایت و دہایت اور غش و نقس کے ہر سیرے کچھ ایسی باتیں کہہ سکتا ہے جو بظاہر مقبول نظر آئیں گی ! اور اس موضوع پر ہرگز
صفحوں کی کتاب سے تہ کے دنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔ لفظ برہمن کی تاویلات میں بڑی پیچیدگیاں، نزاکتیں اور ظاہر فریبیاں پائی جاتی ہیں،
زبان کی تیزی و طراری اور تسلیم کی شرمی کذب و افتراء و ضلالت کو کسی نہ کسی حد تک صین بنا کر منظر عام پر لا سکتی ہے ! انہوں نے اپنی خدائی کے
ثبوت کے لئے عقلی دیس ہی کو بنیاد بنایا تھا اور وہ دیس ظاہری طور پر فریب آمیز تھی ! حضرت ابن تیمیہؒ نے اس کے جواب میں استدلال کا مدغہ ہی بدل
دیا اور اللہ کے سچے رسول کی دیس من گڑ، کفر و حیران رہ گیا !

• القول المبین میں البرافضہ جالندھری نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مشہور رسالہ ختم نبوت کا جواب دیا ہے اور فریادیں
تاویلات کا انبار لگا دیا ہے ! مولانا مودودی نے اس مسئلہ میں اسی عقیدہ کو بیان کیا ہے جس عقیدہ پر امت مسلمہ کا اجماع رہا ہے، جھوٹی نبوت کے
ضلاف مولانا مودودی کا یہ رسالہ قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے ! مولانا مودودی صرف یہی حق پر ہیں اس لئے ان کی حق بات کی تردید کے لئے
مصنف کو "کذب و باطل" کی ترجمانی کا پورا حق اور اگرنا چاہے روزنامہ الفضل کا ایڈیٹر اس دفتر خرافات اور ناموسیہ کو "انسائییکلو پیڈیا
ادھما جھوٹ" کہہ دے تو یہ دراصل اس کتاب کی ضلالت کا مستند سائیکلکٹ ہے !

دوسری کتاب کا نام ہے "نبیوں کا چاند" مولانا فضل الرحمن نعیم م اس میں مرزا غلام احمد کے بیٹے اور جانشین مرزا بشیر احمد کی زندگی
کے حالات بیان کئے گئے ہیں، مرزا کے نام کے ساتھ "حضرت" اور "علیہ السلام" اور بشیر احمد کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" پڑھ کر جو دل کو کوفت
اور روحانی آذیت ہوتی ہے اس کا اظہار لفظوں میں نہیں ہو سکتا ! باپ بھی گمراہ اور بیٹا بھی گمراہ، ان گمراہوں کی زندگی کیا، ادھما سیرت کیا ؟
اب یہاں کو ان کی زندگیوں پر براہمن ہیں، جن کی پرچھا نہیں سے بھی مسلمانوں کو دودھنا چاہئے ! مرزا غلام احمد پر یا اس کے جانشین "یہ قادیانی اہل
تقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ان کی ذات سے منسوب کر کے اہل ایمان کو دھوکا دیتے ہیں ! لعنتہ اللہ علی الذین ! حضور خیر ترین
کی نبوت کے مقابلہ میں جھوٹی نبوت کا عظیم قائم کرنے کے بعد حضور کی ذات گرامی سے عشق و محبت کا دعویٰ گناہ بڑا "فراڈ" ہے !

جو مختار رسالہ محمد احمد شاہد زایم لے گا لکھا ہوا ہے جس کا عنوان اور سہ نامہ ہے ۔

جواب میں

"ماہر لفظی صاحب مدیر ماہنامہ "فرقان" کراچی

سے پانچ سوالات

اس کتاب میں مسلمانوں کو عرب عادت اور عرب مسلک رکھ کر دینے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے کہ قادیانی جماعت "ختم نبوت" عقیدہ میں عام مسلمانوں جیسا عقیدہ رکھتی ہے۔۔۔۔۔ اگر قادیانیوں کا یہ "بحرث" صحیح ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ پوری امت مسلمہ اس مسئلہ میں بالکل اور مطلقاً ہوش سے یکسر غافل رہ گئی ہے کہ قادیانیوں پر نفی ختم نبوت کی اہمیت لگاتی ہے اس لئے ہم عقیدہ لوگوں سے غلط الزام منسوب کرتے ہیں: آخر کس کے موقف اور دعویٰ کو صحیح جانیں اور کسے مانیں؟

حقیقت یہ نہیں ہے جسے قادیانی بیان کرتے ہیں، حقیقت دعاۃ اور اصلیت یہ ہے کہ امت مسلمہ قادیانیوں کو اس بنیاد پر کافرو رتد اور اسلام سے خارج سمجھتی ہے کہ مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس دعوے کی بنا پر وہ مرتد و کافر ہو گیا، اُس کی جمہوری نبوت کو جو کوئی بھی درست مانتا ہے، ناجائز کاذب کو سمجھتا ہے، احمد احمدی یا مسیح موعود مانتا ہے وہ بھی کافر ہے، اندہ جمہوری نبوت اور خود ساختہ "سیحیت" و عروج کی تائید میں جو کچھ اب تک لکھا گیا ہے، وہ کفر و ارتداد اور کذب و افترا کا دفتر ہے یعنی ہے! اس صورت میں قادیانیوں کی یہ رٹ لگائے جانا کہ "ختم نبوت کا جو عقیدہ تمام مسلمانوں کا ہے" وہی ہمارا عقیدہ ہے۔ کتنی بے حیائی کی بات! اللہ کس قدر شرمناک سمجھتا ہے۔

قادیانی "خاتم النبیین" کے جو مفہوم و معنی اپنے ذہن و خیال میں رکھتے ہیں اور اس لفظ کی جس طرح کی پُر فریب تاویل کرتے ہیں، اُسے امت مسلمہ نے رد کر دیا، قبول نہیں کیا، اور اس باب میں امت مسلمہ کا فیصلہ ہی صحیح ہے، امت مسلمہ کی ایمانی فراموشی اس دھوکے کا شکار نہ ہو سکی اُس نے قادیانیوں کی جھوٹی منطق کو اُسی طرح جانا اور سمجھا، جس طرح وہ واقعی ہوئی ہے۔

اس کتابچہ کا پہلا سوال یہ ہے۔

(۱) کیا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کو اُزدائے قرآن و سنت ثابت کر سکتے ہیں، کیونکہ جب تک وہ حضرت مسیح کی حیات کو دلائل کے ساتھ ثابت نہ کر سکیں، تو یقیناً اُن کا دعوای جسم کے ساتھ نزول محض اُسی پر مبنی ہے، آج سے چند سال قبل قادیانی صاحب کے پیر و مرشد مولوی مودودی صاحب کو تحریک طردِ وفات و حیات مسیح علیہ السلام پر تبادلہ افکار کی دعوت دی گئی تھی، مگر آج تک وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوئے، یہ قادیانی صاحب میں یہ ہمت ہے کہ اس علمی دعوت کو قبول فرما لیں!

اس سوال کے جواب میں عرض ہے کہ "قرآن کہتا ہے۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ

وَالَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَقِيَ ثَمُذٌ مِّنْهُمْ وَمَا لَمْ يَمْدُ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعُ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ

يَقِينًا ۚ بَلْ مَرَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ مُصَوِّرًا حَكِيمًا ۝

بَلْ قِيلَ مَوْتُهُ ۚ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُنْفِثُهُمْ رَبُّهُمْ فَيَسْأَلُهُمْ أَلَمْ يَعْلَمُوا ۚ

(اور اُن کے اس کچھ نہ کہہنے سے تنقید مسیح عیسیٰ ابن مریم کو جو رسول تھا اللہ کا، اور انہوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ سولی

پر چڑھایا، لیکن وہی صورت بن گئی اُن کے آگے اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ اس جگہ اس شبہ میں

پڑے ہوئے ہیں، کچھ نہیں اُن کو اس کی خبر، صرف شکل پر چلے ہیں اس کو قتل نہیں کیا، بیشک بلکہ اُس کو اٹھایا اللہ نے

اپنی طرف اور اللہ ہے نہ ہدایت حکمت والا، اور جتنے فرشتے ہیں اہل کتاب کے جو عیسیٰ پر یقین لائے گئے، اس کی موت سے

بچے اور اہل قیامت کے دن ہوگا اُن پر گواہ)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ نے ان آیتوں کی تفسیر یوں کی ہے۔

"اللہ تعالیٰ اُن کے قول کی تکذیب فرماتا ہے کہ یہودیوں نے نہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا، نہ سولی پر چڑھایا، یہودیوں

مختلف ہاتھ اس بارے میں کہتے ہیں، اپنی اپنی شکل سے کہتے ہیں اللہ نے انہیں شبہ میں ڈال دیا، خبر کسی کو بھی نہیں، ناطق ہاتھ یہ ہے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا، اود الشہید جزوہ پر قائم ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت ہے، قصہ یہ ہمارا کہ جب یہودیوں نے حضرت مسیح کے قتل کا عزم کیا تو پہلے ایک آدمی اُن کے گھر میں داخل ہوا، حق تعالیٰ نے اُن کو تو آسمان پر اٹھایا اور اس شخص کی صورت حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت کے مشابہ کر دی، جب باقی لوگ گھر میں گھسے تو اس کو مسیح سمجھ کر قتل کر دیا، پھر خیال آیا تو کھنگلے کہ اس کا چہرہ تو مسیح کے چہرے کے مشابہ ہے اور باقی بدن ہمارے سامعی کا معلوم ہوتا ہے کسی نے کہا یہ مقتول مسیح ہے اور ہمارا آدمی کہاں گیا اور یہ ہمارا آدمی ہے تو مسیح کہاں ہے؟ مرنے لٹک سے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا، حکم کسی کو بھی نہیں، حتیٰ یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ ہرگز مقتول نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر اُٹھ کر اُن کے اٹھایا اور یہودیوں کو مشہ میں ڈال دیا۔

”حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ موجود ہیں، آسمان پر جب رجوع کیا ہوگا، تب اس جہان میں تشریف لاکر اُسے قتل کریں گے اور یہودیوں کو نصاریٰ اُن پر ایمان لائیں گے، کہ بیشک عیسیٰ زندہ ہیں، مرے نہ تھے اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن کے حالات اور اعمال کو ظاہر کریں گے کہ یہودیوں نے مسیحی تکذیب کی اور نصاریٰ نے مجھے خدا کا بیٹا کہا!“

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نے ان آیات کی جو تفسیر چند سطروں میں کی ہے، تفسیر ابن کثیر میں وہ کئی صفحوں میں چھپی ہوئی ہے، علامہ عثمانی نے اس مسئلہ میں مستند تفسیر کا خلاصہ اور لب لباب پیش کر دیا ہے اور ان تفسیر کی اساس و اساس احادیث الہیہ و صحابیہ ہیں! میں نے اپنے کئی مضمون میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کی بحث ہی کو نہیں چھیڑا، اس لئے مجھ سے اس کے ثبوت کا مطالبہ کرنا ہی درست نہیں ہے۔

مگر

علامہ دکرام اور مفسرین عظام نے اس مسئلہ کو اپنی کتابوں میں تحقیق کے ساتھ لکھا ہے اُسے ہر کوئی دیکھ سکتا ہے، اب رہا قادیانیوں سے اس قسم کے مسائل پر مناظرہ تو اس کے لئے اہل ایمان ہر وقت تیار ہیں! مگر نہ جانے کتنے مقامات پر قادیانی مناظروں میں شکست کھا چکے ہیں، اس شکست کے بعد بھی وہ پرستندہ کفر و استداد پر دمچھے رہے! اُن کا حال عیسائیوں اور یاروں جیسا ہے، جنہوں نے مسلمانوں سے ہر مناظرے میں شکست کھا کر دوبارہ مناظرے کے لئے چیلنج دیا ہے! اور اپنی بارگاہیت ہی بتاتے رہے ہیں! قادیانیوں میں اگر ذمہ ہر باطن پسندی کا مادہ ہوتا اور اعدائے دین پر ہر نہنگی ہوئی اعدائے کی آنکھوں پر جہالت و بے خبری کے پردے نہ ہوتے تو ہر نو فیسر محمدی اس برائی مرحوم کی تالیف ”قادیانی مذہب“ کے مطالعہ سے اُن کو ہدایت مل سکتی تھی، اس کتاب میں خود مرزا غلام احمد اپنے ہی اقوال سے ایک حاشیہ لکھی اور اسی سے رجوع کا مادہ گواہی دیا ہے ثابت ہوتا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس کی ایک روایت (محدث بن مصنف لسانی ابن ابی حاتم اور ابن مرددہ کے حوالہ کے ساتھ) درج ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے۔

”جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو ایک شخص کو حضرت عیسیٰ کے مشابہ بنا دیا، یہود نے اس کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا۔“ اور حق تعالیٰ نے۔

مرفع عیسیٰ من روفینہ فی البیت الی السماء

(حضرت عیسیٰ کو مکان کی دیچی سے آسمان کی طرف اُٹھا لیا)

اس روایت کے سبب مادی علیٰ شرط البخاری میں اہمیر روایت حدیث کی متعدد کتابوں میں موجود ہے۔

ام قرطبی نے بھی حضرت عبداللہ ابن عباس کے قول کے مطابق یہی کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو موت اور زندگی بغیر زندہ آسمان پر اٹھایا۔ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مرسل ایسی روایت آئی ہے، حضور نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ ابھی نہیں مرے اور قیامت کے قریب فرود لوٹ کر آئیں گے۔

یہی حضرت ابن عباس کی وہ روایت جس میں "توفی" کی تفسیر موت سے کی گئی ہے، نہایت ضعیف روایت ہے اگر اس روایت کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس کی تفسیر یوں ہوگی۔

انی حمتک بعد النزل

یعنی اس وقت تو آسمان پر زندہ اٹھا لوں گا اور بھرتیامت کے قریب نازل کروں گا اور پھر تجھ کو وفات دلاؤ گا۔ چنانچہ معاملہ التنزیل میں یہی توجیہ کی گئی ہے۔

والاخر ما قال ضحاک ان فی الآیہ تقدیم ما و
تاخیراً والمعنی انی متوفیک بعد انزلت
من السماء

"رفع" اور "توفی" کی تفسیر میں راسخون فی العلم کی اکثریت کا یہی قول ہے کہ حضرت عیسیٰ جسم و روح کے ساتھ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور قیامت کے قریب وہ دوبارہ دنیا میں آئیں گے! "یوحنا موعود" کوئی دوسرا شخص نہیں ہوگا یہی عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) ہوں گے! احادیث میں یہ نہیں کہا گیا کہ مسیح مشین کا دنیا میں ظہور ہوگا۔ مشین کا اضافہ قادیانوں کی کارستانی ہے!

احادیث میں مندرجہ مسیح کی جو علامتیں اور اس زمانہ کی جو نزولی مسیح کا زمانہ ہے ان نیاں بیان کی گئی ہیں، مرزا غلام احمد کی ذات اور اس کے زمانہ پر ان علامت و آثار اور نشانیوں کا کسی عنوان انطباق نہیں ہوتا اسی لئے امت مسلمہ نے مرزا کی "سیمت موعود" کے دعوے کو رد کر دیا، ٹھکرادیا بلکہ اس کے منہ پر مار دیا۔

برسبب تنزیل ایک مفسر وفد کے طہر پر پھوڑی دیر کے لئے اس بات کو مان لیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے اور اب جو مسیح دنیا میں آئے گا وہ عیسیٰ ابن مریم نہیں بلکہ کوئی دوسرا شخص "ان تلتا جلتا" (مشین مسیح) ہوگا۔ اس مفروضہ کے بعد بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی جو زندگی ہمارے سامنے آتی ہے وہ مسیح کے مشین کی زندگی ہرگز ہرگز نہیں ہے! حضرت مسیح کے خصائص و فضائل سے مرزا کو دور کا بھی واسطہ نہیں!

سے چہ نسبت خاک را با عالم پاک

مرزا غلام احمد کی وجہ سے بھی حضرت مسیح سے کوئی نسبت، مشابہت اور مماثلت نہیں رکھتا۔

سوال ۱۔ کیا وجہ ہے کہ کئی اسرائیل کا ایک مستحق نبی بھصقرآن میں واضح طور پر رسولاً بنی اسرائیل کہا گیا ہے، اس کے راست میں آیت خاتم النبیین مدک نہیں بنتی، لیکن سیدنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خادم اور خدام آپ کے ہی زندہ روحانی فیضان سے ایک تمام حاصل کر لے، تو یہ آیت اس کے راستہ میں مدک ہے۔

جواب ۱۔ بنی اسرائیل کا نبی دنیا میں آیا اور دنیا سے چلا گیا وہ دوبارہ دنیا میں "جہیز نبی" کی حیثیت سے نہیں آئے گا اس لئے اس کا نزول آیت خاتم النبیین کی غایت اور مفہوم کو محسوس نہیں کرتا اور نہ یہ آیت اس کی ماہ میں مدک بنتی ہے، پھر وہ نبی شریعت محمدی کے مطابق عمل کریگا۔

امداس کے دعوے کی بنیاد پر ایک جہاگن امت اور جدید نبوت کا باقاعدہ الٹی ٹریشن موجود ہیں آجائے لڑیہ کفر و استلا وہے، خدا رسول سے بغاوت ہے، کھلی ہوتی فضلات ہے! ان جہاگن دین کے زمانہ میں مرزا غلام احمد کی طرح کوئی مدعی نبوت پیدا ہوتا تو یہ بزرگ مدعی نبوت کی اسی طرح تکفیر کرتے، جس طرح غلام احمد کے زمانہ کے علماء و صلحا اور صوفیاء نے اس کی تکفیر کی ہے اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے۔

سوال ۷۔ ماہر القادی صاحب — حضرت بانی جماعت احمدیہ کے کتب و انتہامات میں سے کوئی ایسا حوالہ پیش کریں، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے سے انکار کیا گیا ہو یا لکھا ہو کہ ہم آپ کو خاتم النبیین نہیں مانتے، مگر ماہر القادی ہرگز کوئی ایسا حوالہ پیش نہیں کریں گے، امدان کے غمزے سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ انہوں نے جماعت احمدیہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین کے منکرہ نے کا الزام محض اپنے پیر و مرشد مولوی مودودی صاحب کے اس سلسلہ نظریہ کے ماتحت لگایا ہے کہ —

”جھوٹ کا استعمال بعض اوقات شرفاً واجب ہو جاتا ہے“

جواب ۱۔ میں نے اپنے تمام مضامین میں جو تا دیانت کے رویے لکھے ہیں، مولانا سید ابوالاعلیٰ کی کسی تفسیر کا کوئی حوالہ نہیں دیا اور نہ مودودی صاحب کا کہیں نام لگا یا سچرا س بحث میں مولانا مودودی پطعن و طنز کی آخو کی تک مٹی! تا دیانت کی تکفیر و استلا وہے امت مسلمہ کا یہ متفقہ طور پر عقیدہ ہے وہی عقیدہ مولانا مودودی کا ہے! مولانا مودودی نے مرزا غلام احمد سے کوئی ایسی بات منسوب نہیں کی، جسے ”جھوٹ“ کہا جاسکے! مرزا غلام احمد کی گواہ امت مولانا مودودی سے اس لئے خفا ہے کہ اپنے رسالہ ”تا دیانتی مسند“ میں انہوں نے تا دیانت کو پوری طرح بے نقاب و عریاں کر دیا ہے، اس غضب و دفعہ کی آگ میں تا دیانتی دنیا میں بھی جلتے رہیں گے اور آخرت میں بھی جہنم کے شعلے ان کی پڑیلیں اور تواضع کرتے رہیں گے! اب رہا جھوٹ کا بعض اوقات شرعاً واجب ہونا، تو وہ ایک نفی مسئلہ ہے مثلاً — ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ جاری ہے، پاکستانی فوج کا ایک دستہ پہاڑ کے کسی شیلہ کے پیچھے چھپا ہوا ہے، پاک ہند کی سرحد پر پاکستانی فوج کا کوئی سپاہی جیسے اپنے لشکر کی کین گاہ کا حکم ہے، ہندوستان کی فوج کے ماتھے آ جاتا ہے، ہندوستانی فوج اس سے پاکستانی لشکر کے بارے میں پوچھ گچھ کرتی ہے! اس صورت میں اس پاکستانی سپاہی پر کیا واجب ہے، پوچھنا یا جھوٹ بولنا! اسی ایک مثال سے مولانا مودودی کے قول کی شرعی حیثیت سمجھ میں آسکتی ہے! بہتان طسرا نہ تو یہ تا دیانتی ہیں کہ شریعت کے صحیح مسئلہ کو طنز و تفریق کے اس انداز میں پیش کیا ہے کہ لوگ اس دھوکے میں پڑ جائیں کہ مولانا مودودی جیسے ”جھوٹ بولنے“ کو مستند سمجھائے ہیں۔ تاہم اطراف نے اپنی کسی تفسیر میں مرزا غلام احمد یا کسی دوسرے تا دیانتی لیڈر کا کوئی ایسا قول پیش نہیں کیا جس میں یہ لکھا ہو کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہ تھے، یا ختم نبوت کا عقیدہ غلط ہے“ — اس قسم کے الفاظ بیشک تا دیانتی لٹریچر میں نہیں ملتے، اگر میں نے جو بات بتا کر رکھی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تا دیانتی اور ان کا پیشوا، قلم و زبان سے تو یہی کہتے جاتے ہیں کہ رسول اللہ خاتم النبیین تھے، مگر جو ان کا عمل ہے اس عمل سے ”ختم نبوت“ کی پوری طرح نفی ہوتی ہے، بلکہ مرزا غلام احمد تا دیانت کی ذات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حریت اور مابین مقابل قرار پاتی ہے!

مرزا غلام احمد نے اتباع رسول اور خاتم النبیین کے عقیدہ کو اڑبنا گاہی ”نبوت“ کا اعلان کیا ہے، اس سے بلاشبہ ”ختم نبوت“ کی نفی ہوتی ہے وہ کہتا ہے —

”میرا منکر کا قرعہ“ — (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۳)

کچھ صحابی، حمد اور دلی کا انکار کفر نہیں ہے، مگر ”نبی“ کا انکار ہے، اس صورت میں مرزا غلام احمد کیا ایسے ”نبی“ ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا

جس کے انکار سے کفر لازم آتا ہے، اس دعوے کے بعد ”ختم نبوت“ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ پھر مرزا کے اس دعوے کی بنا پر تمام غیر تقویانی جس کی نبوت کے منکر میں کافر قرار پاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار ان بے چاروں کے کچھ کام نہیں آتا۔

میری امت کے دو صحیح ہوں گے، ایک وہ جو مسیحیت کا رنگ اختیار کریں گے اور تباہ ہو جائیں گے دوسرے وہ جو ہندویت کا رنگ اختیار کریں گے۔۔۔۔۔ (امام احمد رضا غلام احمد قادیانی مسند ج ۲۶ صفحہ ۱۶۱)۔
 ”امت“ کس کی ہوتی ہے ”بی“ کی! مرزا نے قادیان کا ”میری امت“ کہنا، کیا اپنی مستقل نبوت کا دعویٰ نہیں ہے! اور مرزا کی امت۔۔۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے مقابل میں کیا حریف اور مقابل نہیں قرار پاتی؟
 ”آج سے اسی فی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا، خدا کے حکم کیساتھ ہند کیا گیا۔۔۔۔۔“

اب چھوڑ دو جہاد کا اسے دکنسوا خیال دیں کہ لٹے حرام ہے اب جنگ اور قتال دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد منکر فی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد
 (اعلان مرزا غلام احمد قادیانی، مسند ج ۲۶ صفحہ ۱۶۱)
 ”فریضہ جہاد کو جو مخصوص ہے، مستقل بائانات ہی منسوخ کر سکتا ہے، اس موقع کے بعد مرزا کا یہ کہے جانا کہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور تابع ہوں، کس قدر غلط اور جھوٹ بات ہے! کیا حضور کی نبوت کے ساتھ میں یہ مستقل جہاد نبوت کا اعلان نہیں ہے! جس شخص پر اس قسم کی ”وحی“ آتی ہو، جو دین کے مخصوص رکن کی تشریح کا اعلان کر دے، وہ مطلق مستقل نبی“ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

اور منجئے

”سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا“ (دافع البلاء صفحہ ۱۱)

اور

”میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر اور جس طرح میں قرآن کریم کو یقینی اور قطعی طود پر خدا کا کلام جانتا ہوں اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوا ہے۔“ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۱)

اس اعلان کے بعد ”خاتم النبیین“ کے عقیدہ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے!

”ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نازل فرما دیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبریل علیہ السلام پہنچا ہو جو اویں یہ امر بھی ختم نبوت کے منافی ہے“ (انزالہ اورام ص ۱۱۱ مرزا غلام احمد قادیانی)

مذاہک اس عبارت کے بعد، اس کی تفسیر میں کہ وہ اقتباس پر چھوڑ دے گئے ہیں، جن میں اس نے وحی کا ادنیٰ ایسا الہام کا دعویٰ کیا ہے جو بالکل قرآن کی طرح ہے! یہ اعلان خود اُمّی کی تفسیر کے مطابق، کیا ”ختم نبوت“ کے منافی نہیں ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا حامی مسلمانوں کی طرح یہ عقیدہ تھا۔

”میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو، اس کو بدینہ اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں“ (مرزا غلام احمد قادیانی، بیان مسند ج ۲۶ صفحہ ۱۶۱)

مگر

پھر وہ اس قسم کے دعوے کر کے کہ -

”میں کوئی یا نبی نہیں ہوں، پہلے بھی کوئی نبی نہ آئے گا، میں تم لوگ سچائی ماننے ہوں۔“

اور

”میرا منکر کافر ہے۔“

اپنے ہی قول و عقیدہ کے مطابق فاترۃ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

سہ ماہی وہ جو سب پر چڑھ کر بولے

کا ذہن اور انفرادیت کی مسوائی کے سایہ میں دنیا میں بھی ہو جاتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے بدوزی اخلاقی کے بعد اپنی مستقل نبوت کا اعلان کیا انبیاء کرام کی نبوت کے مانند ایسی نبوت جس میں امر و نہی بھی پایا جاتا ہے، مرزا نے (بہرہ غم) اللہ کے حکم سے فریضہ بجا و کھسارام قرار دیا۔ قرآن کریم میں جو آیتیں حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں نازل ہوئی ہیں، ان کا مصداق مرزا غلام احمد نے اپنی ذات کو ٹھہرایا۔ اپنے ماننے والوں کو ”میری امت“ کہا۔ تمام انبیاء پر اپنی ذات کو ترجیح دی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنی فضیلت کا اظہار کیا۔ اور پھر یہ ضلالت اس پستی تک پہنچ گئی۔

”میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ہر نبی رسول اللہ ہو گیا ہوں، اُن میں نے یقین کر لیا کہ میں اللہ ہی ہوں اور پھر میں نے

زمین و آسمان کو سینا لیا۔“ (آئینہ کمالات اسلام)

مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا باقاعدہ الٹی ٹریشن قائم ہے، مرزا کو نبی نہ ماننے کے سبب قادیانی تمام غیر قادیانی مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں اسی عقیدہ کی بنا پر سلفہ طوائف نے قادیانیت کے خلاف عظیم جدوجہد کی، ان واقعات و شراہٹوں کو جو دلیلیں مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرنا اور ”ختم نبوت“ اور ”خاتم النبیین“ کے لفظوں کو دہرائے جانا کتنا بڑا دھوکا ہے!

مرزا نے قادیان کی ”جھوٹی نبوت“ کا تانا بانا جھوٹی تاویلات ہیں، یہ پورا کارخانہ دجل و فریب کے سہارے قائم ہے! قرآن کریم کی آیتوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں مرزا نے کس بے حیائی کے ساتھ تحریف کی ہے! تعذبات و بیانی، جھوٹی تاویلات، آیات و احادیث کے منہدم و مسمیٰ میں تحریف اور سب سے بڑا دھوکہ، یہ کردار کسی شریف آدمی کا نہیں ہو سکتا! مرزا غلام احمد کو مجدد، مسیح موعود و نبی ماننا قلیک طرف مبالغہ کوئی اس سیرت و کردار کے آدمی کو شریف آدمی تسلیم کرتا ہے وہ خود ذلیل اور کمینہ ہے۔ اللہ یہ بات ہم اس بنیاد پر کہہ رہے ہیں کہ مرزا غلام احمد نے انبیاء کرام کی تعقیص کی ہے، حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں وہ لکھتا ہے -

”خدا نے اسی امت میں مسیح موعود کو بھیجا، جو اُس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بڑھ کر ہے، مجھے قسم ہے اُس ذات کی

جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانے میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں وہ ہرگز نہیں کر سکتا

اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو چکا ہے، ہرگز نہ دکھلا سکتا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۳۸)

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبی کے مقابلہ میں اپنی فضیلت کے اعلان کے بعد گستاخی اس حد تک پہنچ جاتی ہے۔

”آپ کا لفظی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا (خاندان ہی نہایت پاک اور مظهر ہے، میں وادیان الدنیا آپ کی

زنا کار اور کسی عورت میں نہیں، جن کے ذہن سے آپ کا وجود مظهرِ نبیہ نہ رہا۔“ (حاشیہ نمبر ۱۱ انجامِ اتم)

جس شخص نے غیر قادیانی مسلمانوں کو ”نبیہ پلید“ سے تشبیہ و تکار، علماء ملت کو کلاہین، امثالہ، اداہی اُنسانی کہا ہو، حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کی دایلیں اُنسانی نہیں کو کسی انسان کا استیلا ہو (روح اللہ) خود اس کی سفاہت اور صفات میں کون خشک کر سکتا ہے۔

کیوی

دنیا کی مقبول ترین پالش

KIWI BLACK
کیوی بلیک
اس کیلئے استعمال کریں جو درختوں کی
لکڑی کی سطح پر لکڑی کی پالش کے طور پر

KIWI WAX
کیوی واکس
درختوں کی لکڑی کی سطح پر لکڑی کی پالش کے طور پر

KIWI Car Polish
کیوی کار پولش
اس کیلئے استعمال کریں جو گاڑیوں کی
لکڑی کی سطح پر لکڑی کی پالش کے طور پر

KIWI Metal Polish
کیوی میٹل پولش
اس کیلئے استعمال کریں جو
لکڑی کی سطح پر لکڑی کی پالش کے طور پر

KIWI Neutral
کیوی نیوٹرل
اس کیلئے استعمال کریں جو
لکڑی کی سطح پر لکڑی کی پالش کے طور پر

KIWI Cleanser
کیوی کلیئنسر
اس کیلئے استعمال کریں جو
لکڑی کی سطح پر لکڑی کی پالش کے طور پر

KIWI Shoe Polish
کیوی شو پولش
اس کیلئے استعمال کریں جو
لکڑی کی سطح پر لکڑی کی پالش کے طور پر

چمکاتی ہے اور حفاظت کرتی ہے

محمد اکرم طاہر

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ

اسلامی تہذیب و ثقافت نے عالمی ثقافتی ورثہ میں جواہر مذکور کیا ہے وہ کسی صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہیں، اگر ہم تہذیبِ انسانی میں "دینِ مبین" کے دائمی کردار کو متشخص کرنا چاہیں تو بلاشبہ ان نفوسِ قدسیہ کا اسلام کے ثقافتی پیکر کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے۔ جنہوں نے اپنی شخصیتوں میں اسلامی اصولوں کو تشکل کر کے دکھا دیا، گویا اسلامی تہذیب کے مظاہر خود خالی کو ملاحظہ کرنے کے لئے ہمیں ان عظیم شخصیتوں کے سیرت و کردار کا مطالعہ کرنا ہوگا جو ہماری درخشاں و تاباں تاریخ کے امین ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ ہمارے ایک ایسے ہی معمارِ تہذیب ہیں بلکہ اسلام کے اجتماعی ذہن کی ایک ایسی تخلیقی پینٹنگس ہیں جن کے افعال و کردار اہل اقوال و ارشادات سے اسلامی اصول و اخلاق، اصولِ حکومت اور اصولِ معاشرت متین بنائے جاسکتے ہیں۔ چند جملوں میں۔

● ایک دفعہ مکرزی بیت المال میں مالِ غنیمت کے ساتھ کچھ مشک بھی آیا۔ آپ اس کے معائنہ کے لئے تشریف لے گئے اور ناک پر دو مال چڑھالیا، خدام نے تعجب سے اس کی وجہ پوچھی۔ آپؓ نے فرمایا کہ مشک کا استغفار ہی تو ہے کہ انسانی ناک کو راحت پہنچتی ہے۔ اس لئے میں ایسے استحصال کو مسلمانوں کے اس مال میں خیانت سمجھتا ہوں جس کا مجھے محافظ بنایا گیا ہے۔ آپؓ کے اس طرزِ عمل میں اُس حدیثِ قدسہ کے آثار نظر آتے ہیں کہ "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک متفقین کے بلند مقام پر نہ پہنچتا ہو سکتا جب تک کہ وہ ناجائز میں مبتلا ہونے کے وقت سے بہت سی جائز باتوں کو بھی نہ چھوڑ دے" (ابن ماجہ)

● جب سلیمان بن عبد الملک کی وصیت پر خلافت کے لئے آپؓ کا نام لیا گیا تو بے اختیار آپؓ نے انا للہ وانا الیہ مرجعون پڑھا اور گریزِ رسی کرتے ہوئے تشریف لائے، اہلیہ نے اس اضطراب کی وجہ پوچھی تو فرمایا "مشرق سے غروب میں امتِ محمدیہؐ کا ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کا حق میرے ذمہ نہ ہو کہ بغیر اس کے مطالبہ کئے اس کا حق دلانا میرا فرض نہ ہو" ایک موقع پر یہاں تک فرمایا کہ "اگر دوسرے قزاق کے کدو سے ایک کدو دیکھتا ہوں تو اس کو اس کا بھی صاحب نہ بنا ہوا ہوتا" ان اقوال میں اُس حدیثِ پاک کی معنوی جھلک ملتی ہے جس میں حکام کے احسانِ ذمہ داری کو اُجھار لیا گیا ہے: "کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب نبھائے، پھر اس کی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے تو وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا۔" (مسلم، کتاب الامارہ)

● سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ خلیفہ وقت نماز پڑھانے کے لئے آئے، آپؓ کی قیاس میں جا بجا سجدہ لگے ہوئے تھے یہ دیکھ کر ایک شخص نے کہا "اے امیر المؤمنین! اللہ نے آپؓ کو سب کچھ دیلے۔ آپؓ لباسِ تہجد کو ایلچھے۔ یہ سن کر آپؓ

کافی دیر تک سرنگریاں رہے اور پھر سر اٹھا کر فرمایا : مالدار کی ولنگری کے وقت میانہ روی اور قنوت و قوت کے وقت سعادت کو دنیا زیادہ افضل ہے : شائد امامت کے اس عہد سے پر فائز ہونے کے باوجود دینار و درہم سے آپ کا استغنا اس حدیث کے انتہائی تاثر کا نتیجہ تھا کہ ۔
- میں میں بات سے تم ہمارے بعد تمہارا ہوں وہ دنیا کی سسکری و شادابی اور آسائش کے دو غفلوں کا تم پر کھل جاتا ہے ۔

— خلیفہ ہونے پر آپ نے ان اسامی کی بازیافت کی طرف توجہ کی جو خلفاء بنی امیہ نے ناجائز طور پر غصب کر رکھے تھے یا عقیداروں کو نہیں پہنچے تھے ، اس ہمہ گیر تطہیر کا آغاز آپ نے پہلے اپنے گھر سے کیا کہ کئی ہزار سالانہ کی جائداد میں سے صرف چار سو دینار کی جائداد اپنے پاس رکھی جو جائز طور پر آپ کی ملکیت تھی آپ کی اطاعت شاریہ میں نے آپ ہی کی ایماء پر اپنے قیمتی زیورات وغیرہ بیت المال میں داخل کرادئے ۔ شام کے علاوہ دوسرے صوبوں کے گورنروں کے پاس آپ نے غصب شدہ مال کی واپسی کے لئے شاہی احکام جاری کئے ، چنانچہ عراق میں اس کثرت سے مال واپس کیا گیا کہ صوبہ کی حکومت کا خزانہ خالی ہو گیا اور عمر بن عبدالعزیزؒ کو وہاں کے اغواہات کے لئے دمشق سے بھیجا پڑا ۔ سب سے بڑی دقت بارغ ذک کے معاملے میں پیش آئی جو اہل بیت کی اقتصادی کفالت کے لئے مخصوص تھا مگر مران بن الحکم (خلیفہ بنو امیہ) نے اسے اپنے حق میں ناجائز طور پر محفوظ کر رکھا تھا یہ اصلاحی اور تطہیری اقدامات کتاب اللہ کے اس حکم کی پیروی کا نتیجہ تھے کہ ان اللہ یا مہر کہ ان قومن والامانت الی اہلہا و اذا حکمتہم بنی الناس ان تحکموا بالعدل ۔ (سورۃ نساء ۵) اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو جو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو ۔

— حجاج بن یوسف کے خلاف شریعت کا افعال میں اس کا یہ فعل بھی شامل تھا کہ وہ بیت المال کی آمدنی بڑھانے کے لئے نو مسلموں سے بھی جزیہ لے کر ٹیکس وصول کرتا تھا ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان کا جزیہ موقوف کر دیا جائے اس حکم پر اتنے آدمی مسلمان ہوئے کہ خزانہ کی آمدنی میں معتد بہ کمی واقع ہو گئی اور جب ایک عامل نے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا : ” رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے ، محصل خراج بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے ۔ ایک اٹھ عہدہ دار کو لکھا کہ مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی کہ سب غیر مسلم مسلمان ہو جائیں اور جزیہ کی آمدنی بند ہو جائے کی وجہ سے ہم تم دونوں کھیتی کے اہل چلا کر اپنا پیٹ بھریں “ اس اقدام کے پس منظر میں یہ حدیث ” مسلمان پر جزیہ عائد نہیں کیا جاسکتا “

ان چند شرائط کی روشنی میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اسلامی احکام کی بجا آوری میں کتنے سرگرم واقع ہوئے تھے ۔ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ جب اموی احرار نے آپ کے ہاتھوں پر دے دیے اپنے طبقاتی مفادات غارت ہوتے دیکھے اور آپ کو ان معصنانہ ادب سے پاک اقدامات کا مزا کھانے کے لئے آپ کے غلام کو رشوت دے کر کھانے میں نہر ملا دینے پر آمادہ کر لیا تو اسلامی اصولوں پر آپ کے معافی تعامل ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ لوٹ بزرگ آپ کی زبان پر قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ جاری تھی : تلافی الدار الاخرۃ بنجلہا للذین لا یؤیدون علوا فی الارض ولا مساوا ۔ والعاقبت للمتقین لی

صدد و مملکت میں اجتناعی ڈھانچے کو صحیح بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے آپ نے جو عزائم منشاء اقدامات کئے اس سے ایک بار پھر یوم ہو گیا کہ ایک اسلامی حکومت سماجی اور معاشی ناہمواریوں کو دیکھنے کے لئے کیا کر سکتی ہے؟ ہر قسم کے شاہی امتیازات ختم کر دئے گئے، ان سلطنت کی عبادت کرنے سے حکماً روک دیا گیا اور بیگار کو قائم کر لیا، ممنوع ٹھیکر دیا۔ آپ نے بیت المال سے نہ صرف مقروض کا قرض ادا کرنے کے لئے طریقہ مدین قائم فرمایا بلکہ غیر شاہی شدہ غریب افراد کی شادی کے لئے مالی امداد کی فراہمی کا حکم بھی دیا۔ معتمد اعدا باج افراد کے نام بطور میں وجہ کئے گئے، جنہیں سرکاری خزانہ سے وظیفہ دیا جاتا تھا۔ حکام کو تحفے کی مخالفت قبول کرنے کی سختی سے مخالفت کر دی اور اعلان کیا کہ ولایت علی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخالفت کی حیثیت بدیدہ کی تھی لیکن اب ہمارے لئے یہ رحمت میں شمار ہوں گے۔

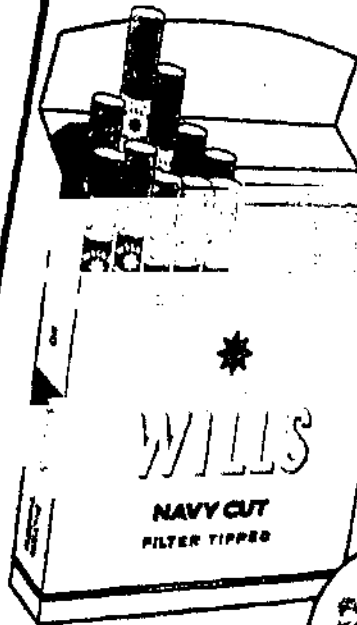
اپنی پہلی تقریر میں لوگوں کو مخاطب کیا کہ میں اپنی جانب سے کسی معاملے میں کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض احکام الہی کو نافذ کرنے والا ہوں، میں تو ایک پیروی کرنے والا ہوں جو خود کو کوئی نئی بات شروع کرنے کا داعیہ نہیں رکھتا اور اگر مجھ میں ایسے آثار پائے جائیں تو جان بیکہ کسی فساد کے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ خطائی نافذانی میں اس کی اطاعت کی جائے، میں تمہیں سے بہتر آدمی بھی نہیں ہوں البتہ خدا نے مجھے تم سب کے نایاب میں نبیادہ گزارا کر دیا ہے۔

ایک عامل کو لکھا۔ مسلمانوں کی حقیقی برتری ان کا اخلاقی تقویٰ ہے، اگر ہم دشمن پر اپنی اخلاقی عظمت کی بنا پر غلبہ نہیں آسکتے، تو مادی برتری کوئی ایسی پائیدار بنیاد نہیں جو ہمارے لئے فتح و نصرت کی حمایت ہو۔ نیز۔۔۔۔۔ دشمن کو اس بنا پر کمزور سمجھنا کہ اگرچہ ہم گنہگار ہیں لیکن ہمارا دشمن مگراہ ہے، اس لئے ان پر ہمارا حتمی غلبہ ایک مسئلہ امر ہے، انتہائی خطرناک ہے کیونکہ بہت سی قومیں ایسی ہیں جن پر ان کے گنہگاروں کی پاداش میں اسے ہتھ دنگوں کو مسلط کر دیا گیا۔

مرض الموت میں آپ کی توجہ اس بات کی طرف دلائی گئی کہ آپ نے اولاد کو ہمیشہ دنیاوی مال و دولت سے محروم رکھا ہے۔ اس لئے ان بہ متعلق کچھ وصیت کروائیے۔ انفسہ یا میرادھی صرف خدا ہے، میرے لئے اگر خدا سے ڈیں گے تو خدا ان کے لئے کوئی صورت پیدا کرے گا اور گنہ گناہ میں مبتلا ہوں گے تو میں ان کو گناہ کرنے کے لئے قوی نہیں بناؤں گا۔

یہ ہیں اسلام کے بایہ ناذ بطل جلیل۔۔۔۔۔ نون عبد الحزیز۔۔۔۔۔ مسلمانوں کے مدد طلبہ اسے تقویٰ فرمانے لگے۔۔۔۔۔ آپ کے فیصلہ ہونے کے بعد بکریوں کے گلے پان کہا کرنے لگے، ہم پہلی شخص حکومت کرنا ہے کہ بھیڑیے بھی بکریوں کو نہ دھما کہ پہنچانا بھول گئے، اند کوئی شاعرانہ لفظ نہیں ہے۔ موسیٰ ابن اعلیٰ کا بیان ہے کہ عمر بن عبد العزیز کے عہد خلافت میں جس مقام پر ہیں بکریاں چراتا تھا وہاں پر ری بکریاں اور بھیڑیا ایک ساتھ ڈال دیتے تھے، ایک مات بھیڑیا میری بکری کو اٹھائے گیا تو میں نے سوچا، شاید خلیفہ وفات پاگئے ہیں، چنانچہ لحد و دیانت کیا تو معلوم ہوا کہ اس مات خلیفہ صالح۔۔۔۔۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کا انتقال ہو چکا تھا۔

ویلز فلیٹ ٹپڈ



آپ کے لئے مفت ڈارسی
 ویلز فلیٹ ٹپڈ
 دنیا میں سب سے بہتر
 پڑا کرتے ہیں۔ ڈارسی ٹپڈ
 اور ڈارسی ٹپڈ اور ڈارسی
 ٹپڈ اور ڈارسی ٹپڈ اور ڈارسی
 ٹپڈ اور ڈارسی ٹپڈ اور ڈارسی
 ٹپڈ اور ڈارسی ٹپڈ اور ڈارسی

پاکستان ٹوباکو کمپنی
 لیمیٹڈ، لاہور

PAKISTAN TOBACCO COMPANY LIMITED, SUGARWALL TO W.A. & H.B. WILLS, BRISTOL & LONDON

محمد حنیف اللہ بھٹلوی

مسلمانوں کا علمی شغف

پروفیسر گھوشال ایم اے سابق ناظم کتب خانہ سابق میاست بھوپالی کے الفاظ ہیں "مسلمان سلفین عمر علمی ذوق کا اندازہ ان تاریخی واقعات سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ بڑے بڑے اساتذہ کی مجالس احادیث چالیس بلکہ ستر ہزار اور کبھی سو اٹھ طیارہ کا ہجوم ہوتا تھا۔ تیسری صدی ہجری کے مسلمانوں کا قول و افعال صحیح کے شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک مجلس میں دس ہزار دعا تیں رکھی جاتی تھیں۔ علی ابن عاصم واسطی کے حلقہ درس میں تیس تیس ہزار آدمی جمع ہوتے تھے۔ خلیفہ متوکل نے حدیث کے دوس کے لئے ابوبکر بن شیبہؓ کو جامع بغداد میں اصناف کے بھائی عثمانؓ کو جامع مصر میں جمع کیا ان کے دربار میں ہزار آدمی جمع ہوتے تھے۔ امام ابن تیمیہؒ کے درس میں ایک ایک لاکھ کا مجمع ہوتا تھا۔ ابو حامد اسفرائینیؒ سات سات سو طالب علموں کو ہر روز اہل فقہ کے کسی نئے مسئلہ پر درس دیا کرتے تھے۔ ایک بار ابوسعیدؒ نے بغداد میں حدیث کا اعلیٰ کلاس تیار کر دیا۔ سات سو تیسری صدی ہجری میں ایک مدرسہ کی رعایت پہنچاتے تھے، ہر لوگ کھڑے کھڑے حدیث لکھنے میں مصروف تھے، انہیں شاہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ چالیس ہزار سے زیادہ دعا تیں تھیں۔ قرآن پانے بغداد میں اعلیٰ حدیث کیا تو حاضرین کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی، مزید بن ۲۰۰۰۰ سے جب بغداد میں درس حدیث کی مجلس منعقد کی تو حاضرین مجلس کا تخمینہ ستر ہزار لگایا گیا، ایک مرتبہ سیحان ابن حربؒ نے اعلیٰ حدیث کی قرآن کی مجلس میں خلیفہ رافضی الرشید اور تمام امراء خلافت حاضر تھے، جو لفظ امام محمدؒ کی زبان سے نکلتا تھا اس کو خود خلیفہ اپنے قلم سے لکھتا جاتا تھا۔ جب تک حاضرین کی تعداد کا تخمینہ کیا گیا تو تقریباً چالیس ہزار نفوس وہاں موجود تھے انہم عاصمؒ ابن علی اعلیٰ حدیث کے واسطے بغداد سے باہر غلستان میں ایک بلند چمن زمین پر بیٹھتے تھے، مستحق باللہ نے ایک باسا پانا ایک معتبر شرا لائے مجلس کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا تو معتبر نے حاضرین کی تعداد ایک لاکھ میں نزدیک بتائی۔ حضرت امام بخاریؒ جب تیسری صدی ہجری کے زمانے میں بغداد میں تھے، انہما، حفاظا دعا علی منظرہ موجود ہوتے تھے۔ بغداد میں محدثین کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ مسلم بن ابی اسیمؒ فرماتے ہیں میں نے اپنے شوہر شیعہ سے حدیث حاصل کیا۔ حالانکہ میں جب کے پڑے اس کو نہیں گیا۔ امام بخاریؒ کے شاگرد فرماتے ہیں میں نے اپنے شوہر سے حدیث حاصل کی۔ حوام میں تعلیم کا یہ عالم تھا کہ شہر میں سیاح و مدعا ابن تونس جب افغانستان کے خجور سے گزر رہا تھا تو دو روز دوسل کے علمی بحث کی تم ہوئے سنا وہ لکھتا ہے کہ میں نے ایک حمال در خدمت کو گرا دیا تو مجھے دیکھا کہ اس کے سر پر بھاری بوجھ لدا ہوا تھا اس وقت حال بھی اس کے ساتھ تھا جیسا تھا اس وقت حال انہوں نے دیکھ کر قرائت آیات کی تفسیر اور علم کلام کے حقائق و مسائل پر بحث کرتے جاسے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان دونوں پر جو بوجھ لگا ہوا ہے اس سے انہیں کیا شوق؟

کتاب بینی کا شوق۔

انہوں نے میں عربوں کے ذوق و شوق علم اور علمی چوچوں کا نہایت درخشاں پسلی ہے کہ اس وقت ہم عربی ممالک میں کتابوں کا شوق پڑھنے پڑھتے

ایک ایسا زبردست مخزن تھی کہ اس سے تمام دنیا سیر ہو گئی اور ہمارے پاس اس امر کی کافی شہادت موجود ہے کہ بہت سے مسلمان علماء نے علم کی تلاش میں ایک ایسے زمانہ کے اندر طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کیں جو کہ بہت کم خطر تھیں۔ مسلمان تا جو بھی سیر و سیاحت کرتے، ان کے ذہن پر بھی بڑی حد تک اسلام کی اشاعت ہوئی۔ جوئی سنہ شرقی ۱۰۸۰ کو زید بن علی لکھتا ہے کہ علمائے دنیا نے اصحاب رسول کی اطاعت و حشر کو حاصل کرنے کے لئے سلطنت کا ایک ایک گوشہ چھان مارتے تھے۔ علماء و سائنات ہزار ہا خطرات کے درمیان و سطوح کے بدووں سے آؤں اور دشمن شہر اور کی زبان کا ہم حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح جس شخص کو جس شعبہ سے دلچسپی تھی وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا تھا جب تک کہ وہ اس موضوع پر شہر و معرفت و فاضل و ادبا پرین فن کے خطبات کو سن نہ لیتا اگرچہ وہ عالم اسلامی کے دوسرے گوشے ہی میں کیوں نہ رہتے ہوں؟

امام بخاریؒ نے چودہ بیس کی عمر میں سیر و سیاحت شروع کی اور اپنی کتاب التریب کے سلسلے میں اٹھارہ برس صرف کئے اور خراسان، حجاز، مصر و شام و غیرہ کا سفر کیا۔ دوسرے تیرہ سال، چار مرتبہ بصرہ، اور پھر مرتبہ حجاز گئے۔ امام مسلمؒ نے چار سال، مصر، حجاز، شام، یمن اور نجد کا سفر کیا۔ امام ابی داؤدؒ خراسان، بصرہ، کوفہ، شام، مصر اور جزیرہ بلاد اسلامیہ کا زمانہ تک سفر کرتے رہے۔ امام حاکمؒ نے طلب حدیث میں حرمین، خراسان، عراق، شام اور مصر کا طویل سفر کیا۔ امام ابو یوسفؒ نے تین ہزار افریقہ سے نیا دہ سافٹ پایا دھڑے کی (ایک فرخ تین میں کا ہوتا ہے) امام نسائیؒ نے تین ہزار سال سفر میں گزرا۔ شیخ الاسلام بخاریؒ نے دوسو اسی شہر سے حدیث لے لی تھی۔ جس طرح کے پاس گئے پایادہ گئے۔ ابن جریرؒ محدث اندلس، عراق اور حجاز کے شہر کی صنعت میں حاضر ہوئے۔ ابن السمریؒ نے چار مرتبہ ممالک الاشیاء، افریقہ، اندلس، چین کا سفر کیا۔ دس بار بیت المقدس گئے۔ صرف ایک لکھ درجن فقہاء کے حاصل کرنے کے لئے ستر ستر سال کا سفر کیا، امام حنفیؒ نے چالیس برس مختلف تباہی کی بناؤں کی تحقیقات کے لئے پچاس سال عرب میں بسر کئے۔ ابن عدیہ (حلیب اندلس) نے نباتات کے حالات و کیفیات کرنے کے لئے مصر، شام و عراق کا سفر کیا۔ ضیاء الدین ابن بیطار نے نباتات کی تحقیقات کے لئے یونان اور اسپین کے ملکوں کا سفر کیا۔ محمد اسماعیل ترمذیؒ نے بیت المقدس، بغداد، شام، عراق، ایران، ہندوستان کا سفر کیا اور ہندوستان کا سفر کیا، یہاں وہ کہ سنہ ۱۰۸۰ء میں ایک مسیحی اور ہندو کے علوم و فنون کا برسوں مطالعہ کر کے کتاب التہذیب کے نام سے ایک بڑے نظمیہ تصنیف یا دگر چھوڑ دی۔ المقدسیؒ نے تقریباً تمام ممالک اسلامیہ کا سفر کیا اور اپنی مشہور کتاب "معجم البلدان" میں ان تمام ممالک کا تفصیلی بیان کیا۔ حافظ الحدیث ابوالعباس بلاذریؒ نے جو اردو زمانہ بیان کیا ہے، بلخ، بخارا، نیشاپور، اور بلخ و دلاؤ کا سفر کیا امام ابو زکریاؒ نے بخارا سے سفر شروع کیا اور قیروان (افریقہ) میں انتقال کیا۔ حافظ ابن ہاشم مقدسیؒ نے طلب حدیث کے لئے کتب و غیرہ پیشہ پڑھتے ہوئے پایادہ لکھنؤ، مصر، دمشق، حلب، اصفہان، نیشاپور، بصرہ، وغیرہ کا سفر کیا۔ حافظ ابو عبد اللہ اصفہانیؒ نے حدیث حاصل کرنے کے لئے ہرات، بلخ، بخارا، مصر، قندھار، نیشاپور وغیرہ ایک سو بیس مقامات کا سفر کیا۔ کوئی ایک مہری خادم نے تمام حجاز، عراق، اندلس، شام کا سفر کیا اس لئے کہ مال غنیمت کی تعلیم کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صحیح حدیث معلوم کریں اور آٹھ بار بار وہ بن ہارثہ التیمی سے انہیں ایک حدیث ایسی دستیاب ہوئی جو حبیب بن سلمہ الغبریؒ ہی سے روایت کی گئی تھی۔ حافظ ابو الخطاب اندلس نے تفسیل علم کے سلسلے میں سارے اندلس کا سفر کیا، پھر قرطبہ، جلیلی، مصر، شام، عراق، خراسان کی سیاحت کی۔ یحییٰ بن عیسیٰ البیہقیؒ (متوفی ۱۰۸۰ء) قرطبہ سے مدائن منورہ تک۔ یحییٰ بن عبد اللہ التیمیؒ تیرہ سال کی عمر میں بصرہ گئے پھر باذان، جہاں حمزہ بن ابی عبد اللہ سے دوسرا ملازم حاصل کرتے رہے۔ حسین بن عیسیٰ نے فلسطیہ کی کتابیں پڑھنے اور علم طلب میں امانہ کے خیال سے مختلف مقامات کے بار بار سفر کیا یہاں تک کہ وہ سلطنت برطانیہ کے سرحدی شہروں تک جا پہنچے۔ پرفیور لکس کا بیان ہے کہ علم کے متناہی تین بلا عظمتوں میں گھوم کر اپنے وطن کو اس طرح لوٹے جیسے شہر کی کھیاں شہر سے

خلیفہ مستنصر باللہ فاطمی کا وزیر اعظم بدیع زماں بڑا عالم و درست تھا۔ علماء و اہل ادب اسباب فتن کی سرپرستی کرتے تھے۔ اس کے دہسار سے بڑے بڑے شعراء و اہل بیت تھے۔ اموائے دیار میں وزیر محمد بن عبدالملک الزبایہ کا نام بھی بہت مشہور ہے، مترجموں اور کاتبوں پر جو وہ فوج کرتا تھا اس کا اعزاز و دوزخا شریک مانا نہ تھا۔ اس کے عہد میں ہی کتب میں ترجمہ کی نگین وہ ان لوگوں میں محسوب جاتا جن کے واسطے یونانی زبان کی کتب میں عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ اس کے نام سے اکابر اہل علم کی ایک جماعت مثلاً ابو حسان ماموہ اور جبریل بن بخت خوجہ نے کتب میں ترجمہ کیں۔ علامہ رشید الدین فضل اللہ بادشاہ غانان تبریز کا وزیر تھا۔ علامہ نے علماء و فضلاء اور حکماء کی قسم دہانی اور بہت افزائی کی۔ آپ کے حوالہ کرم نے دو۔ دو کے علماء و فضلاء اور شعراء کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ ہر فن کے استاد و کمال اس کے فضل ادب میں جمع ہو گئے تھے، اُس زمانہ کے اکثر اہل قلم اور مصنفین نے علامہ کے نام سے بڑی بڑی کتبیں لکھیں۔ سلطان قیث الدین بلبن کے دہسار کے ایک علم نواز امیر ملک علاء الدین نے خضر الدین کے متقدم بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے یہاں بادشاہ و وزیر خوار کلام پاک پڑھنے کے لئے مقسم تھے، جو ہر روز ایک ہزار بار کلام پاک غم کرتے تھے سلطان بہمن کے جتیبی کے علاوہ الدین گھنٹی خاں کے متعلق ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ وہ سخاوت میں اپنے وقت کا حاکم تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ مصر، شام، روم، بغداد، خراسان، ترکستان، ماوراء النہر وغیرہ مشہور مقامات سے علماء اور شعراء اس کی بخشش کا حال سن کر اس کے یہاں آتے اور انعام و اکرام سے مالا مال ہو کر اپنے وطن واپس جاتے۔ اپنی بخشش اور سخاوت کی وجہ سے وہ ہر خبر اور ہر ملک میں مشہور تھا۔ خواجہ شمس الدین نے ایک بار گشتی خاں کی شان میں مدح پڑھی تو اس نے خواجہ کو اپنے یہاں بلا کر مجلس لاف و لعل کا تمام قیمتی سامان اس کو دے دیا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ اگر ایسا ہر اک گشتی خاں اپنا عمل سامان، انعام و اکرام میں لٹا دیتا تھا، یہاں تک کہ اس کے پاس بدن کے کپڑے کے سوا کچھ نہ رہتا۔ سلطان سکندروہی کے بعد حکومت میں ایک امیر مسند علی خاں کی نیاضی کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی صاحب علم ہو اس کی ایک رقم دینا یا ہوتا۔ انتقال کر جاتا تو وہ خلیفہ اس کے پس ماندگان کی طرف مستقل کر دیا جاتا اور اگر وہ صرف جوئی پھرتا جاتا تو اس خاتون سے کہا جاتا کہ کسی کو متبھی کرے پھر اس مہینے کو اپنے فوج سے تعلیم دلانا۔ ناب مرشد علی خاں صوبہ ہندوستان کے ہاں ڈھائی ہزار مقامی ملازم تھے۔

حافظ الملک کے جدید میں دو ہی کھنڈیں باقی ہزار علماء اور فضلاء مساجد اور سرکاری مدارس میں درس و تدریس میں مشغول تھے۔ ہر ایک

عالم اور فاضل کی اس کے علم و فضل کے موافق تنخواہ مقسم تھی۔

سہ گاہے گاہے باز خواں اس قصہ پر آمیزہ را

”فاران“ کا توحید منبر

دور حاضر کی۔ عظیمہ دینی اور علمی پیشکش

حصہ کاہمہ ۱۔ مکتبہ فاران کیمیل اسٹریٹ کراچی

ایک قادیانی کا قبول اسلام انڈھیر سے روشنی کی طرف

موقف ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۹ء

(انجن خدام الاسلام ہیرا پور آباد دہلی پاکستان)

خدمت جناب مکرمی میر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بعد اسلام کے واضح ہو کر ایک اعلان اہل خدمت کر رہا ہوں براہ کرم اس کو اپنے موقر مجریہ میں مناسب جگہ عنایت فرما دیں، راقم الحروف نے آپ کا مقالہ قادیانیت کے متعلق ملاحظہ کیا انشاء اللہ انجن کے تحت شائع کرنے کی کوشش کروں گا۔

آپ فخرات کو یہ پتہ کمرسرت حاصل ہوگی کہ حیدر آباد میں جناب مسعود احمد صاحب مولانا عبدالمبین صاحب اذکار لکھنؤ کے ہاتھ پر برضا و رغبت اسلام قبول کیا۔ موصوف بڑی تحقیق و جستجو کے بعد اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے ہیں موصوف کا یہ اعلان ہے کہ مجھے آئندہ سے احمد کا نہ کہا جائے بلکہ مجھے اہل حدیث کہا جائے اور میں آج سے اہل حدیث ہوں، موصوف کی تحریر راقم الحروف کے پاس موجود ہے، انشاء اللہ دوسرے خط میں ہمیں تفصیل سے آگاہ کروں گا۔ اس اعلان کتاب جلد از جلد شائع فرما دیں۔ نقطہ والسلام

خود شہداء احمد السلفی، ناظم اعلیٰ

”فارمان کے مضامین جو قادیانیت کی تردید میں شائع ہوتے رہے ہیں غالباً انہوں نے قادیانیوں کی صفوں میں پھیل پیدا کر دیا ہے یہی سبب ہے کہ ماہنامہ الفرقان (جلد ۱) کا پورا شمارہ ”فارمان کے معنوں کی تردید کے لئے وقف ہے! اور اصل و فوج لبریز ہے! قادیانیوں کو دلائل کے ساتھ سمجھایا جائے، تو ان میں نہ جانے کتنے ایسے لوگ ہوں گے جو مسعود احمد صاحب کی طرح ہانقہ حق پسند ہیں، مگر وہ حق سے بے خبر ہیں، حق واضح ہونے کے بعد وہ قادیانیت کے کیس میں نہیں رہ سکتے، ان کو ذہن کی توفیق انشاء اللہ میسر آئے گی۔ اور ایمان و اسلام سے بہرہ ور ہو جائیں گے۔“

ماہان لڑکی

ماہنامہ ادبی

یاد رفتگان

علامہ محمد خلیل عرب مرحوم۔

علامہ محمد خلیل عرب کا نام تو سنا تھا مگر انہیں دیکھنے کا اتفاق سیرت النبی کے ایک جلسہ میں ہوا، یہ اب سے کوئی تیرہ چودہ سال پہلے کی بات ہے اس جلسہ میں علامہ کی تقریر بھی سنی، مگر گفتگو کا موقع نہ مل سکا، میں اپنی تہنیت نظم پڑھنے کے بعد چلا آیا۔ اس کے بعد دو تین بار اُن سے تعارف و ملاقات کا شرف حاصل ہوا، ایک ملاقات میں درس نظامی سے ہٹ کر نئے انداز پر عربی پڑھنے پڑ جانے کا ذکر آیا اور اس کے بعد علامہ خود مغرب خانہ پر تشریف لے آئے، عربی نصاب کی کتاب بھی اُن کے ساتھ تھی، ہاتھ کے ہاتھ پڑھائی شروع ہو گئی! چند دن کے بعد جناب ظفر احمد انصاری صاحب کے مکان پر صاحب موصوف، سید حسن ریاض صاحب اور لائق اطروف کا جماعہ ہونے لگا، بلکہ یوں سمجھئے پھر ٹاسا۔ مکتب قائم ہو گیا، علامہ پڑسی شفقت کے ساتھ درس دیتے، اس میں اُن کی پوری عمر گزری تھی، طلباء میں عربی زبان و ادب کی استعداد پیدا کرنے کا انہیں بڑا ملکہ اور تجربہ تھا، طلباء کی کمزوریوں سے بھی وہ باخبر تھے، تقریباً ڈیڑھ سال یہ سلسلہ جاری رہا، جو آخر زمانے میں یکیدہ دستہ، مقدمہ ابن خلدون اور ریاض الصالحین تک پہنچ گیا، پھر وہ اپنی پیرائے سال کے باعث آنے جانے میں بڑی راحت محسوس کرنے لگے، بڑھاپا ان کے ساتھ بہت سے اراض، اس حالت میں کراچی کی بسوں میں سفر، یہ مرحلہ بڑا سخت تھا، ہر مقررہ فاصلہ کی فوج آنے لگی، یہاں تک کہ یہ سلسلہ بند ہو گیا، ان کے سجادہ کو مولانا سعید انصاری صاحب ندوی نے سنبھالا، مگر علامہ مرحوم کا وہ عالم صحو اور مولانا کا یہ شکر اندیمہ جزدیبت! تقریباً ایک لاکھ سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔ اور مقامات بدیع الزماں ہمدانی اور عربی کے قصائد و کس میں ہے۔

کراچی کی زندگی مشینی زندگی بنتی جا رہی ہے اور بقول علامہ اقبال —

مہ احس محروم کو کچل دیتے ہیں آلات

ہر شخص اپنے معاملات میں الجھا ہوا ہے، وقت و راز کے فاصلے کام زیادہ، فرصت کم، راقم اطروف ہی کی بدترغیبی ہے کہ عقلمندی خدمت میں بہت دلوں سے حاضر نہ ہو سکا، اُن کی حکالت کی خبریں ملتی رہیں، اور ساتھ ہی یہ مشورہ بھی کہ وہ اب اچھے ہیں۔

ایک دن جمعہ کی نماز کے بعد گھر آیا، تو ایسی فون پر آیا ہوا یہ پیام ملا کہ علامہ خلیل عرب کا انتقال ہو گیا، پیر الہی بخش لا الہ الا انت سبحانہ میں ایک بچہ نماز جنازہ ہو گی، جس میں گھر پہنچا ہوں تو تین بج چکے تھے، اور اُس وقت علامہ آسودہ لحد ہو چکے تھے!

علامہ مرحوم تین کے علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، متحدہ ہندوستان میں ریاست بھوپال علامہ کے ہمدونوں کا دایلافہ رہا ہے، علامہ خلیل عرب نے ندوہ دکن کو شہرہ درگاہ میں بھی علمی کے فرائض انجام دے دیے، مولانا سعید ابوالحسن ندوی مدظلہ کا اسم گرامی بھی اُن کے شاگردوں کی فہرست میں آتا ہے! لکھنؤ یونیورسٹی میں بھی علامہ شیعہ عربی کے استاد رہے ہیں۔

علامہ خلیل عرب عربی زبان و ادب کے مستند عالم تھے، جن کی زبان و ادبی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، اُن کی بڑی صاحبزادی رفیعہ بیگم نے صرف عالم بین ہیں بلکہ فن حدیث میں، اختصاص کا درجہ رکھتی ہیں، جو عربی و ترکی و عربیہ کلمہ بھی عربی وال ہیں اور آئندہ کی اچھی مصنفین نگاہیں علامہ سلمی المنہب تھے

توحید کے معاملہ میں بڑے غیر متند انداز سے کہ پاکستان میں ان کی تہذیبیں برقی، سماجی حالات ایسے تھے کہ انکی تہذیب سے گزیر کر ہی تھی، مگر اس شخص کے کے باوجود غلطی میں مشتبہ نہیں ہوئی، اُن کے زندہ دلی کو دیکھ کر اُنہم اطراف - مزار - کی جڑات بھی کر بیٹھا، امداد اس میں لطف لیتے ان کے ساتھ مشرقی وضع سازی، عربی شرافت امداد علی و دینی وجاہت کا ایک انداز میں ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ عنقریب فرمائے (آمین)

نواب ناظر یار جنگ بہادر مرحوم -

نواب ناظر یار جنگ بہادر، مولوی نظام الدین حسن کے فرزند تھے، مولوی صاحب مرحوم ریاست جوبال میں مشیر المہام امداد بہادر دکن میں رکن عدالت عالیہ (رائی کورٹ) کے جج (جج) تھے، جن تعزیم میں بدولتی حاصل تھا، ان کی حرب کی برقی سند سالہ تعزیم صمد آباد دکن میں قائم انھوں نے نگاہ سے گزری ہے، مولوی نظام الدین حسن بڑے وضع ساز، اصول امداد وقت کے انتہائی پابند تھے، اُن کی پابندی وقت، اصول پر ہی امداد وضع سازی کے بہت لطیف شہر میں، شکیہ کہ جب وہ کھڑے آنی ہوئے جسٹریٹ تھے، امداد تہذیب میں بیٹھ کر کھڑے تھے، تو ناگزیر اسے کو کرایہ کی منظوری کے لئے وضع ساز دینی پڑتی تھی، اس جگہ میں تاہم دے کا خاصہ وقت صرف ہو جاتا، اس لئے تاہم دے انہیں پیدل آتے جلتے دیکھ کر کھڑے امداد کئی کائنات کی کوشش کرتے، ایک بار لکھنؤ کی کسی انجن کے کارکن مولوی صاحب کے پاس اُن انجن کے اشتہار کے لئے امداد تہذیب کی گڈیاں رکھ کر کھانے لگے، انہوں نے ہزار اشتہارات ہیں، مولوی صاحب نے جو اس انجن کے غالباً سکریٹری تھے فرمایا کہ یہ قوم کا معاملہ ہے، اشتہارات کے بغیر آپ کو نہیں جانتے، دنگا، چانچہ اُس غریب کو مولوی صاحب کے ساتھ دس ہزار اشتہارات لکھنے پڑے :

یہ لطیفہ حاضر ساز بھی ہو سکتے ہیں ادب اللہ آمیز بھی، مگر یہ بھی عقیدہ ہے :-

صدا نہ باشد چیز کے، مردم نہ گویند چیزا

مولوی صاحب کی اصول پر ہی امداد پابندی وقت، غرضت سے نیا وہی محسوس کی جاتی تھی، انہی کے صاحبزادے نواب ناظر یار جنگ بہادر تھے :

نواب صاحب مرحوم نے ہوا کے زمانہ میں قومی کاموں میں بھی حصہ لیا، چودھری خلیق اللہ زمان کی طرح قومی قسروں میں بھی لگے رہے، تو بکاش اُن کا شمار بڑے لیڈروں میں ہوتا، امتداد ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ولایت گئے امداد ان سے قانون کی سب سے بڑی ڈگری حاصل کی، ریاست حیدر آباد دکن کے محکمہ عدالت میں ملازمت کا آغاز ہوا، برسوں سن پنج رہے چھوڑائی کھٹ کے پچ ہو گئے، پچھن سالہ مدت ملازمت کے بعد کئی سالی قریب بھی ہوئی ۔

مرحوم کی چھٹی ملازمت کا زمانہ نیک نامی میں گزرا، کسی کی مدد رعایت نہیں، کوئی دباؤ امداد سفارش اُن کو تفرہ نہیں کر سکتی تھی، اُن کے علم و فضل امداد قانون دانی کی کوئی خاص شہرت نہ تھی مگر ان کی ریاستداری، فرض شناسی امداد اصناف پابندی کا عالم شہر تھا، انگلستان کے ایل۔ ایل۔ ڈی، لیکن چہرے پڑا بھی، صوم و صلوٰۃ کے انتہائی پابند، محتاط امداد پاکیزہ زندگی کے سبب بڑھاپے میں بھی کمزوری طرح سیدھی رہتی، بلکہ صمد آباد میں دفاتر میں کے پہنچنے کی بڑی شہرت تھی، ایک سراج الملن تہذیب دیکھ امداد دھڑلے نواب ناظر یار جنگ مرحوم، کیسی ہی صوم و صلوٰۃ کیوں نہ ہو، گری ہو، جاڑا ہو، آندھی چل رہی ہو، ہونڈا باندھی ہو رہی ہو، دونوں صاحبان مطلقاً پابندی کے ساتھ پانچ پچھن سالہ قریب میں بسر کر دے لیتے :

عدالت عالیہ میں مولانا عبد القادر بدایونی مرحوم کا مفتی کے عہدہ پر پیش ہی فسادانگہ کے ذریعہ تقصد ہوا، تو دفتر افتاء کا اہل کار کہہ لیجئے، یا حقیقہ دار امداد پیش کار، قائم اطراف ہی تھا، نواب ناظر یار جنگ بہادر مرحوم کے حکم امداد ہوا سے عدالت عالیہ کے کتب خانہ کی تنظیم و تہذیب کا فریضہ بھی، صاحب الباسط صاحب مدو گارہ متہ عدالت عالیہ (اسسٹنٹ جسٹریٹ) کی کھٹ (کی) نگاہی امداد حق میں انجام پاتا، ملا علی بابا صاحب

محمد آباد دکن کے مشہور عیت پسند مفکر، علامہ عبدالقیوم صاحب کے فرزند تھے، بطن عیت علامہ جمال الدین اعجازی نے حیدر آباد میں اپنی کئی بیٹیاں قیام فرمایا تھیں، سرسوجی ٹائیڈ کے والد پر وندیسرا گھنٹا تھالی مشکلات میں مبتلا ہوئے تو علامہ عبدالقیوم صاحب نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ ان کی مالی امداد کی !

غیب ناظر یار جنگ سے الٹی گھنٹ میں دغول آمد جلسوں میں ملاقاتیں ہوتی رہتیں، کہاں ذاتی گھنٹ کا برج ادھکاں دفتر کا ایک اہل کار، مگر ملاقات، گفتگو اسٹے چھنے میں اتنی ساعات آمد بے تکلفی کہ عہد سے کی بلنگہ الہ پستی کا احساس ہی پیدا نہیں ہوا، میرے ایک عزیز میرٹھ میں کانت کرتے تھے، اسی زمانہ میں غیب صاحب مرحوم کے بہنوئی خان بہادر بکیر حسین دلاں کے کسٹن پنج تھے، خان بہادر صاحب کی انعام پسندی اصاصول وقتی ضرب المثل تھی، میرے اُن عزیز نے مجھے لکھا کہ عدالتوں میں صداقت ناموں کی تصدیق وغیرہ کا کام، سیخن پنج صاحب کے حکم سے سن سکتا ہے آپ ان کے بلاکسیتی غلاب ناظر یار جنگ سے سفارشی خط بھجوا دیں !

میں نے بعض اصحاب کے ذکر کیا تو وہ کانوں پر ہاتھ دھرے لگے کہ ہم میں سے تو کوئی ایسی جرأت کر ہی نہیں سکتا، غلاب صاحب بڑے با اصول آدمی ہیں اور ان کے بہنوئی ان سے بھی زیادہ سخت ہیں ! ایک دن میں عیت کے غلاب ناظر یار جنگ مرحوم کے چیمبر میں پہنچا، جب عادت بڑے تہاک سے ملے، کچھ دیر دھار دھار کھڑکی باتیں ہوتی رہیں، پھر میں نے اس تہیک کے ساتھ کہ کسی کا حق متاثر نہ ہوتا ہو، تو جارتز سفارشی کارڈ غلاب سے اپنی عرض کا اظہار کیا، غلاب صاحب نے کچھ دیر سوچا اور اُس کے بعد سفارشی خط لکھ کر میرے حوالے کر دیا، اصحاب کو معلوم ہوا تو انہوں نے بڑی حیرت کا اظہار کیا، کچھ لگے غلاب ناظر یار جنگ سے سفارشی خط حاصل کر لینا بس تمہارا ہی کام تھا۔

غلاب صاحب مرحوم کے بات کرنے کا خاص انداز تھا، رک رک کر بلکہ چپا چپا کر الفاظ ادا کرتے اور ہاتھ کی حرکت سے علامت لسانی کی کہ کوئی بات کرنے کی کوشش فرماتے، ہم اپنی بے تکلف محبتوں میں کبھی کبھار ان کی گفتگو کی نقس کر کے لکھ لیا کرتے تھے۔

ذوال حیدر آباد کے بعد دلاں کے مسلمانوں کو بڑے سخت درد سے گزرتا پڑا، کچھ بہت سے کوئی نیشن، خاک نشین ہو گئے، مسلمانوں کی اقبال مندی کی براطھی الش گئی، ————— حیدر آباد، آہ ! مرحوم حیدر آباد، —

ہمیں امت دہ سے سرائے فریب

گئے ہر نراز و گئے ہر نشیب

کی مہربان تصویر !

حیدر آباد آنے جانے والوں کی زبان سننے میں آیا کہ اس عزیز دوزنگ اقتدار کے بعد بھی غلاب ناظر یار جنگ مرحوم کی مشور میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی اور اُن کی رہنمائی اور اسلام دوستی نے کسی دباؤ اور اثر کو قبول نہیں کیا، نئے حاکموں نے بھی اُن کے ساتھ احترام کا سلوک کیا ! مولانا عبداللہ مجددی اوی مدیہ صدق حیدر " جو غلاب صاحب کے ہم ناز ہیں اُن کے عہدہ میں غلاب صاحب کے انتقال کی خبر پر بلند حیدر آباد کے اخبارات میں ضرور تعزیتی ادارے لکھے گئے ہوں گے، لڑائی کے صوفی، ہندوستانی کیا پاکستان کی کسی بعض ناہن ذکر شخصیتوں کے بارے میں بے خبراں، انجان لکھ مارنے والے کو اللہ تعالیٰ کی حضرت نصیب ہو (آمین)

خان بہادر پندہ الدین مرحوم۔

شاہد حیدر سان ہوئے ہوں گے، انجن ترقی ادو کے ایک جلسہ میں ایک نہایت ہی دُبلے پٹے شخص نے سننے میں خود ہی پہل کی اور اپنی تعارف کر لیا، کہ میرا نام پندہ الدین ہے، آپ کے "خاندان" کو بڑے حقوق و تحفظ سے بڑھتا ہوں، پھر انہوں نے لڑائی سے دس میل دُور مار کا پلہ کے فوجی علاقے میں ہائے پر بٹایا، مجھے کوئی ضرورت کام نکل آیا، اُن کی دعوت میں نہ جاسکا، دوبارہ ملاقات ہوئی تو اس انداز میں لے کہ مجھے سعادت

کامرقد ہی نہیں دیا، اُن کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو شکوہ و شکایت کا دفتر کھول دیتا اس کے بعد پھر دعوت کا دن مقصد ہوا، اُن کے کھانچے زادے یا داماد پاکستان نے فغانیہ میں اُن دونوں فسادات گھنٹے تھے، اُن کے غلیظ میں شام کو چائے نوشی ہوئی اور ٹی پڑھ دو گھنٹے خان بہادری صاحب سے ملے۔

دعا کا شریار۔ ہوتے تھے، اپنی فرازش اور محبت سے فادان کے دفتر میں بھی دو تین بار تشریف لائے، اندر سے منزلہ محبت پر چڑھنے کی زحمت بہت کی سات آٹھ برس سے وہ اپنے ذاتی مکان مابق ناظم آباد میں منتقل ہو گئے تھے، مکان کا نام "الصف" رکھا تھا، وہاں میں کئی بار گیا، ایک بابیہ کی خبر پر کمر بوجہ پرسی کے لئے پہنچا، تو اس حالت میں دیکھا کہ سہری پر نیم بیوٹی کی حالت میں بیٹھ تھے اور ڈاکٹر انجیلنگ لگنے کے لئے رنگ تلاش کر رہا تھا پھر وہ اچھے ہو گئے !

اور وہاں کے شہیدانی تھے، دینداروں میں اُسی آپ مثال : توحید کے معاملہ میں بڑے عیسائی اور غیرت مند اُفراتے تھے، کہ علماء و علما و بزرگ و بزرگ بدعت کے شانہ و شامے ہیں، اُن کے یہاں بھی غلبہ تصوف کے سبب توحید پر غلبہ نہیں رہی ! "تصوف" کے بہت مخالف تھے، انہوں نے ساتھ ساتھ شیعہ قادری اور سہروردی کی نسبتیں بھی انہیں پسند نہ تھیں ! میں تصوف کی کسی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے نرمی سے کام لیتا، تو سخت احتساب کرتے اور کئی صفحے کے غلط لکھنے ! اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مولانا مودودی کی تحسیروں میں بے غبار توحید ملتی ہے، مگر ان کے نام پر اعتراض تھا، میں نے صفائی پہنا کہتے ہوئے عرض کیا کہ جس طرح مولانا آزاد کا نام توحی الدین تھا "الحی الکلام" اُن کی کفایت انہوں نے خود لکھی ہے "یہ معاملہ" الاملا علی "کا نہیں ہے یہ ان کے والد کا رکھا ہوا نام ہے مولانا مودودی کے دو بھائیوں کے نام ابو محمد و ابو الخیر ہیں ۔

"فادان" کے بڑے تصدعان تھے، اپنے کسی عزیز کو جو ڈھاکہ لائی کوٹ کے گچے تھے "فادان" کا خریدار بنایا، اور اپنے داماد حبیب احمد صاحب کو جو روپے میں گھر تھے، "فادان" کے پرچے بھجوائے !

خان بہادری بدال الدین صاحب انگریزی دور کے نیکال میں فکر و تعبیر کے انسپکٹر تھے، پھر وہ ڈھاکہ لائی کوٹ کے رجسٹرار ہو گئے، ان کی کارکردگی، قابلیت، ایمان داری اور فرض شناسی کے انگریز حکام تک معترف تھے، آئندہ انگریزی دفتروں نے ان کے اچھے اٹا پر دانے تھے، انگریزوں میں ایک کتاب "فتح مضبوط" لکھی، میں پریشاں ہونے پر بڑے اچھے تبصرے کئے، اور اگر آدہ آبادی، علامہ اقبال، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خان، مولانا عبدالحق مولانا رفیع رحمانی اور مولانا ساجد جی جی نامور شخصیتوں نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور تحریک و تحسین کی !

مجھے یاد ہے کہ وہ مرحوم نے ٹیلی فون پر آخری بابا سے حیرت اب سے سال سراسالی پہلے ہوئی تھی، اُس کے بعد ان کی کوئی خبر نہیں ملی، نوی زبان کے "ہائے آندو نمبر" (۱۹۷۱ء) میں اُن پر ایک مضمون پڑھ کر اُن کے انتقال کا علم ہوا، یہاں کے اخبارات میں ایک سطر بھی اُن کے بارے میں بڑی نظر سے نہیں لگی، حالانکہ وہ اس کے سق تھے کہ اُن پر چند سطر کسی شہر سے نہیں مضمین اور مقالے لکھے جاتے ! ہماری صحافت بھی زیادہ تر "نظم زندہ" ہو کر رہ گئی ہے !

خان بہادری بدال الدین جیسے لوگوں کو دیکھنے کے لئے، آئندہ نسلوں کی آنکھیں ترسا کریں گی ! اللہ تعالیٰ اُن کی قبر کو سنوارے اور ثوابت کو فروغ دے سے ہمکنار رہنے کے (آمین)

دردِ سعیدی مرحوم ۔

صاحبِ ہدی مرحوم سے واقف اطراف کی انتہائی بے تکلفی کی وجہ سے تھی، یہ شخص بڑا باغ و بہار تھا، صابر کے ساتھ زیادہ وقت نہیں ہنسانے اور طیفروں اور مشکوں ہی میں گزرتا، میں من و نون وکی میں رہتا تھا، اُسی زمانے میں (غالباً ۱۹۶۰ء) تھا، صابر نے مجھے کہا کہ آغا شاعر ہدی کے فرزند آغا شاعر غفران کی کتابوں کی دکان (نگارستان) پر ٹونک کا ایک نوجوان نیا نیا ظلم ہوا ہے، یہ اس کا حلیہ ہے، خوشن کرمیں انداز میں وہ داد دیتا

ہے، اس وہ دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتی ہے، انہیں لطف آجائے گا! چنانچہ ہم دونوں - نگارستان - پہنچے، نائل شعر خوان ہوئی، سند صاحب کی مالانہ انسانی دلوں سے خوب لطف لیا۔ اُن سے میرا پہلا تعارف تھا، دلی میں وہ جب ٹک ہے اُن کی زبان سے اُن کا کوئی شعر نہیں سنا، غالباً سند صاحب اپنی سلیقگی اور انکسار کے سبب شعر سنانے سے بچتے رہے۔

لاٹری میں ٹک کے شہد شاعر جناب بسمل سعیدی کے ذریعہ ہم خاھے بڑے پیمانے پر مشعر ہوا، جناب شعری بھپالی کی وہ جو شہر غزل ہے۔ کہ وہ ساحل پہ ہوتے اور شتی ڈوبتی اپنی

پچھی مصرعہ طرح قصا پایا، بڑی سخت سرودی پڑی تھی، مگر مشعر کا وہ میں حاضرین کی کثرت نے سرودی کے علی الرغم خاصی گئی پیدا کردی، سات کو نو بجے آجوش مشعر ہوا ہمارے قلوب میں دس بجے تک یہ سلسلہ چلتا رہا، جس کے بعد میں ہزاریاں نسل غلاب سعادت علی خاں مرحوم دالئی ٹک بھی شریف لائے! اس مشعرے میں اس نفسیاتی حقیقت کا احساس ہوا کہ شاعر اپنی شہد اور منتخب غزل پر دوسری غزل کہے کہ تو وہ اُس کے بڑی نہیں چھٹی، شرکی صاحب کو اپنی وہی شہد غزل مشعرے میں پڑھتی تھی، مگر انہوں نے دوسری غزل بھی، جو اُن کی شہد و مقبول پرانی غزل کے مقابلہ میں بہت پھیل رہی!

بسمل سعیدی صاحب سے میرے بڑے مفصلا تعلقات تھے ادب اب بھی ہیں۔ اگرچہ تقسیم ہند سے سینکڑوں میل کا بعد مکانی پیدا کر دیا ہے: مشعرے کے بعد دعوتوں اور شعری نشستوں کا سلسلہ مشعر ہوا گیا، بسمل صاحب مجھے سے فرمایا کہ ریاست کے مفتی صاحب نے میری ایک نظم پر کفر کا فتویٰ دیا ہے وہ تمہیں اپنے بہاں دعوت میں بلائیں، تو وہاں نہ جانا، چنانچہ ایک صاحب ٹک کے مفتی اعظم کی دعوت کا پیغام لے کر آئے، مگر میں مال گیا انہوں نے بہت اصرار کیا، لیکن میں نے مفتی صاحب کے یہاں جانے کی نائی نہیں بھری، جب وہ یلوس ہو گئے تو فرمانے لگے رات کے مشعرے میں آپ کی غزل کا مطلع،

یہی ہے زندگی اپنی ہی ہے زندگی اپنی
کہ تیرا نام آیا اور گردن جھک گئی اپنی

مجھے تھا نہیں، مگر مشعرے کے لئے - ہم کا گورنر - ثابت ہوا، میں اُن صاحب کی اس طنز پر شکر اکر رہ گیا۔ جو دابھی تھی ادبیلاد بھی! ہاں! قوامی مشعرے میں سند سعیدی صاحب کی غزل پہل بار اُن کی زبان سے سنی، اُن کی غزل کے تین چار شعر مشعرے میں خاھے پسند لے گئے، اور بسمل صاحب کے اشدہ کہنے پر سند صاحب جلدی سے مطلع پڑھ کر اسٹیج سے اتر آئے! پھر — گراچی میں پاکستان چلنے کے بعد ان سے ملاقات ہوئی!

سند سعیدی نے پاکستان آنے کے بعد سندھ کے ایک معروف شاعر آرم کو اپنا مستقر بنایا، اس نام کو سن کر پہچان سکا آیا کی تھی۔ مگر رفتہ رفتہ ابا ہو گیا، جمید لاہوری مرحوم نے کیا خوب کہا۔

سہ جانے والے! شند آدم بھی اسی منزل میں ہے

مگر جسے ایک ریوے اسٹیشن پر "لشون ساند" کا بورد نظر سے گزرا تو "شند آدم" بہت حیف معلوم ہونے لگا۔

"شند آدم" خاصہ شاعر تھا سندھ اُس نواح میں تبارتی مرکز ہے، آبادی چالیس ہزار سے کچھ زیادہ ہی ہوگی، سند سعیدی مرحوم کی بدولت وہاں خرد ادب کا ذوق پیدا ہوا، خاھے بڑے پیمانے پر پندیاں مشعرے ہوتے رہے ہیں، جن کے کہ دھرتا سند مرحوم ہی ہوتے تھے، ایک مشعرے میں حضرت عارف آبادی، تھانہ کھنڑی اسی وقت صدیقی نے بھی شرکت فرمائی، سند صاحب خاکسار کو بڑے اہم کے ساتھ مشعوں میں بلائے، دعوت نامہ میں اکثر لکھتے کہ بچے زیادہ رسم آپ ہی کو دیا جا رہا ہے، اسی کے حالات کے لحاظ سے یہ - بڑی انگشت - رہا کہ - آؤ! گا!

مخبریں

شفا گوالیاری :

صبح کا نشا نہیں رات بھی گزر گئی
زخمِ دل تھے مہمے، آنکھ ترسکے ہوئے
ذکرِ رفتہ چھوٹے، سادِ بزم نہ پھیرے
کچھ نہ نہ دل سکا، راز کچھ نہ کھن سکا
ماہِ جلوہ گاہ میں بات معنی نگاہ کی
آج پھر تھا امتحانِ شعلہ زارِ عشق میں
دار کی حدوں پہ بھی ہنسی نہ ترک سکا

کیا عاشِ آستان، کیا غمِ جبین شفا
درمِ بندگی سے اب بندگی گزر گئی

خان زادہ مسیح الدی :

صحنِ جن میں آج نہ جانے کوی ہیں یہ دیوانے سے
موسمِ گل میں بھی یہ گلشن لگتے ہیں دیوانے سے
کس کس کے غمِ قدو کریں ہم کس کس کے غمِ خوار بنیں
سب کے جہرے ہیں بے رونق رکے دل غم خانے سے
کون ہے اپنا کون پرایا یہ کہنا آسان نہیں
لوں تو میں سب لوگ ہمارے جانے اور پہچانے سے
ہوش و خود کی بات نہ کرنا عاقل یہ میخانہ ہے
اور بگڑ جاتے ہیں اکثر لوگ یہاں سمجھانے سے
بیگانوں کی اس تسبی میں کس کو ہم اپنا کہیں
کل جن کو اپنا سمجھا تھا آج ہیں وہ بیگانے سے

غلمتوں کی آڑ سے روشنی گزر گئی
بے کھلے بہار سے ہر کلی گزر گئی
جو گھڑی گزر گئی، وہ گھڑی گزر گئی
زندگی کی کھوج میں زندگی گزر گئی
جور کی، رکی رہی جو بڑھی گزر گئی
پھر خدی جھک گئی بے خودی گزر گئی
موت دیکھتی رہی، زندگی گزر گئی

ماہرِ اقل ادبی :

حسن کے حمدِ تینا فل کا گلہ ہوتا ہے
اُن کے اب لطفِ ہم سے بھی کیا ہوتا ہے
ہر نفسِ معرکہ کرب و بلا ہوتا ہے
آؤ مظلوم سے ڈرِ ظلم پہ مضبور نہ ہو
ایک افسانہ کو دہرائے چلے جاتے ہیں
بزمِ ساقی میں گزرائی ہیں بہت سی راتیں
نہ کوئی جلوہ نہ پردہ نہ حقیقت نہ بھانڈ

کیا یہی شیوہ ادبِ بابِ وفا ہوتا ہے
ایسی باتوں سے تو ظلم اور سوا ہوتا ہے
عشقِ سرِ حال میں راضی بہ رضا ہوتا ہے
یہ وہ ناک ہے جو شاید ہی خطا ہوتا ہے
صرف ہر درد میں عنوانِ نیا ہوتا ہے
اسی امیدِ مہتابِ جامِ عطا ہوتا ہے
آؤ دی اپنے تصور میں گھرا ہوتا ہے

اپنے گلشن میں کہاں فصلِ بہار اے ماہر
چند کلیوں کے چمک جانے سے کیا ہوتا ہے



ابے! تیز ترین پرواز! ٹرائیڈنٹ سے ا-ای کے ذریعے

۹۵ منٹ میں
کراچی - لاہور
روزانہ ۳ پروازیں

۱۰۵ منٹ میں
کراچی - راولپنڈی
روزانہ ۲ پروازیں

ملک کے اندر پروازوں میں تیز رفتاری اور آرام کا نیا معیار



پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز

بالافتاح مونت ہے،

”دیئے ہیں اور جیل مقطم“ (صفحہ ۳۶۸) یہ کتابت کی غلطی ہے۔ جیل مقطم (یعنی کے بغیر) صحیح الفاظ ہے، اسی طرح صفحہ ۳۶۹ پر ”سبہ“ کی جگہ ”زبدہ“ چھپ گیا۔ تشریح پڑھ کر بھی دل میں کھٹک پیدا ہوئی کہ یہ غالباً ”تشریح“ ہوگا؛ تاریخ ابن خلدون کے اس ترجمہ نے کوئی شک نہیں اُردو ادیبوں قابل قلمدانہ کیا ہے۔

از جناب وحید الدین خاں درکن مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ، ضخامت ۳۰ صفحات، کتابت و طباعت عیسویہ زریب۔ خط کا پتہ۔ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

علم جدید کا پینچ

اس کتاب کے ابواب کی فہرست حسبِ ذیل ہے۔

تفہیم مذہب کے مقدمہ — تبصرہ — استدلال کا طریقہ — کائنات خدا کی گواہی دیتی ہے — دلیلِ آخوت — اثبات رسالت — قرآنِ خدا کی آواز — مذاہب اور مقدس مسائل — جس زندگی کی ہمیں تشریح ہے — آخری بات —
مخترم وحید الدین خاں صاحب بلند پایہ دینی مفکر ہیں، ان کا مطالعہ بھی بہت وسیع ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے علم و مطالعہ کے ساتھ ان کی زندگی بھی دینی ہے جو حقیقت و امانت سے لبریز ہے، ایک بکری تھپس میں پہول نے لکھا ہے۔

”یہ عجیب مثنیٰ اتفاقی ہے کہ اس کتاب کے ساتھ دو ایسے شخصیتوں کے نام وابستہ ہیں جو پچھلی پوچھائی صدی سے ہندو پاکس دین کا نمایاں ترین نشان سمجھے جاتے رہے ہیں، میری مراد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے ہے؛ یہ بالواسطہ طور پر مولانا مودودی کی کا فیض ہے کہ پندرہ سال پہلے، اپنی زندگی کے ایک ناگزیر ترین مرحلے میں، میرے دل میں اس احساس نے غلبہ پایا کہ میں اپنی زندگی کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دوں، جس کا پایا کا وہ منظر یہ کتاب ہے۔“ اور محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ اس آواز کا حسن انجام ہیں، کیونکہ یہ انہی کی ذات والا صفات کا فیض ہے جس کی وجہ سے یہ کام اپنی موجودہ شکل میں تکمیل کو پہنچا۔“

اس قدر شرحِ مسئلہ کے ساتھ واضح طور پر اعتراف یہ دین ہے لکھنے والے کی شرافت نفس اور غرض و حق پسندی کی! وندہ آج کی دنیا میں تو شاگرد اپنے استاد سے اخراجات کرتے ہیں، اسی لئے محضوں اور تربیت کرنے والوں کو کوئی کیڑا دینا نہیں چاہئے۔

معارفِ کتاب میں ناضل مصنف لکھتے ہیں۔

”موجودہ دور میں فسکراتِ لال کا انداز بالکل بدل گیا ہے اس لئے موجودہ دور کا علم کلام بھی پہلے کے مقابل میں بہت

کچھ مختلف ہوگا، اگر یہ بات زمین میں ہو تو کتاب کے مباحث کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہو سکتی۔“

اس کتاب کا آغاز مذہب کے خلاف مخالفین مذہب کے مقدمہ سے ہوتا ہے، یعنی وہ مذہب کے بارے میں کیا بدگمانیاں، اداام، شکوک اور اعتراضات رکھتے ہیں اس کے بعد لائقِ مصنف نے مخالفین مذہب کے اس ”مقدمہ“ پر تبصرہ فرمایا ہے اور ان کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔

ناضل مصنف نے دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ سائنس دانوں اور فلسفیوں کے استدلال کے طریقہ میں کیا نقص پایا جاتا ہے اور یہ لوگ بے شعوری طور پر غلط اور دین سے قریب تر رہتے ہیں، اس لئے کہ اس طرح بہک جاتے ہیں! اس کتاب میں عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ کائنات خدا کی گواہی دیتی ہے اور بتاتی ہے کہ میں اتفاقی طور پر وجود میں نہیں آئی میرا کوئی خالق اور بنانے والا ہے جو مجھے بنا کر مجھ سے بغیر متعلق نہیں ہو گیا بلکہ اس کی راجحیت نظام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے!

”آخرت“ کا موضوع خالص مابعد الطبیعیاتی ہے، اور مادہ پرست ذہن اس موضوع کو کٹھن خلجان میں مبتلا ہو جاتا ہے مگر اس کتاب میں آخرت پر ایسی روشنی ہے، مقولہ نظریہ دیلینس کی گئی ہے کہ طبیعت میں خدا کا بھیجی ہوئی پسند کا جوہر موجود ہے، تو اسے قائل اللہ مطمئن ہو جانا چاہئے۔ اس کے بعد بعض دلائل سے اثبات رسالت کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کریم خدا کی آواز ہے، انہیں اللہ تعالیٰ کے واسطے سے بھیجے گئے ہیں۔ اس حقیقت کو ثابت کیا گیا ہے کہ خدا کا قانون ہی ان مسائل کا صحیح اور فطری حل ہے۔

”آخری بات“ کتنی حقیقت آفرین اور دماغ افروز ہے۔

”لاکھوں ایسے لوگ ہوں گے جنہیں اللہ پرستش کو بے معنی چیز سمجھتے ہیں وہ اپنے غور و ملاحظہ سے اس کے آگے جھک کر اپنے اندرونی جذبہ عبور دین کو تسکین دیتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ ”اللہ“ انسان کی ایک فطری ضرورت ہے، اللہ ہی اس کا ثبوت ہے کہ وہ حقیقی ہے، انسان اگر خدا کے سامنے نہ جھکے تو اس کو دوسرے اہلوں کے سامنے جھکنا پڑے گا، کیونکہ ”اللہ“ کے بغیر اس کی فطرت اپنے خدا کو نہیں کر سکتی؟ (ص ۲۷۸)

اللہ

”مگر بات صرف اتنی نہیں ہے، اس سے آگے بڑھ کر میں کہتا ہوں کہ جو لوگ خدا کے سوا کسی اور کو اپنا معبود بناتے ہیں، وہ شکیک اسی طرح حقیقی سکون سے محروم رہتے ہیں جیسے کوئی بے چارہ کی مال بلا شاک کی گڑیا خرید کر بغل میں دبا لے، اور اس سے تسکین حاصل کرنا چاہے، ایک عہد انسان خواہ وہ کتنا ہی کامیاب کیوں نہ ہو اس کی زندگی میں ایسے حالات آتے ہیں، جب وہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ حقیقت اس کے سوا کچھ اور ہے جو حقیقی ہے۔“

نفس و حقیقت کے اس قسم کے تضاد و جدوجہد پر یہ فریاد دین و دانش روشن و تابناک ہے، کتاب ان جملوں پر ختم ہوتی ہے۔

”انسان آج ہی سُن کے، کیونکہ کل تو سُنے کا، مگر اس وقت تیرا سُننا بے کام ہو گا، آج ہی سوچ لے کیوں کہ موت کے بعد تیرے چہرے کا گراس دنت کا سر چڑھ جائے گا، نہ کہ تیرے گراس کا دانت تیرے سامنے کھل جائے گا۔“

”کتاب کو اپنی زندگی کا دستار دینا، آخرت کے دن کے لئے تیاری کرنا، یہی تمہاری کامیابی کا راستہ ہے، اس میں زندگی بھیجی ہوئی ہے جس کی نیچے تلاش ہے۔“

ڈاکٹر انجم ہریا، ڈاکٹر ستم ویا، سائنس دانوں اور فلسفیوں کے دوسرے مکاتیب، مگر اس کتاب میں ان غلط اندیش و دانش ورانہ کے انکار کی بنیاد پر فلسفیانہ تجزیہ کر کے بتایا گیا ہے کہ ان کی گمراہی کا اصل سبب کیا ہے؟ یہ عظیم کتاب مثبت انداز میں خدا، رسالت اور آخرت کی تائید اور ان کے احوال و مادہ پرستی اور بے خدا فکر کی تردید کرتی ہے، مسائل کی تجزیہ و تحلیل کا انداز کس قدر عالمانہ ہے، کتنے بڑے بڑے علماء اور خدا شناس انہیں اس کتاب کے دلائل کی روشنی میں غلط اندیش نظر آئے ہیں۔

فاضل مصنف نے جو بات کہی ہے، عقل و استدلال کی پوری قوت کے ساتھ کہی ہے، خدا شناس غلوئین کے نظریوں اور دسیلوں کو کس قدر مطمئن کرنے والے انداز میں لکھا ہے، اسامی ذہن میں کیا غلو ہے، اس کا حال مصنف کی زبان سے سنئے۔

”اگر یہ استدلال فلسفیانہ اور عقائد کو حقیقت قرار دینے کے لئے کافی ہے تو یہی استدلال بد مذہبوں اور مذہبوں کے ساتھ مذہب کے حق میں ہو جائے، ایسی حالت میں نظریہ اور عقائد کو سائنسی حقیقت قرار دینا اور مذہب کو سائنسی ذہن کے لئے ناقابلِ تہل و تھیل قرار دینا، اس بات کا مظاہرہ ہے کہ آپ کا مقدمہ اصل ”عقل و استدلال“ کا مقدمہ نہیں ہے بلکہ وہ نتیجہ سے متعلق ہے، ایک ہی طریق استدلال سے اگر کوئی خاص طبیعتی نوعیت کا واقعہ ثابت ہو تو آپ خدا آئے

بول کر اس نے اہل انکسالی البیانی کو نصیحت کی چیز ثابت ہو تو آپ اسے مدد دیں گے، کیونکہ یہ نتیجہ آپ کو ملے نہیں۔
اللہ

”اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کہا جیسے نہیں کہ مذہب ایمان بالغیب کا نام ہے اور سائنس ایمان بالغیب کا۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب ایمان بالغیب پر عمل کرتے ہیں، مذہب دراصل ایمان کی اصلی اور حقیقت متعین کرنے کا دائرہ ہے سائنس کسی وقت تک شہدائی علم ہے، جب تک وہ ابتدائی اور خارجی مظاہر پر کلام کر رہی ہو جہاں وہ اشیاء کی آخری اور حقیقی حیثیت متعین کرنے کے میدان میں آتی ہے، جو مذہب کا اصلی میدان ہے تو وہ بھی ٹھیک اسی طرح ”ایمان بالغیب کا طریقہ اعتقاد کرتی ہے جس کا مذہب کو الزام دیا جاتا ہے۔“

یہ کتاب بتاتی ہے بلکہ اس کی شہادت دیتی ہے کہ فاضل معنی کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور انہوں نے سائنس دانوں اور فلسفیوں کی اصل کتابوں کو پڑھا ہے۔ کتاب کی زبان سنجھی ہوئی اور اسلوب نگارش سادہ و پُرکار ہے، نازک سے نازک بات سلیجھا کر کہی ہے ایک دو جگہ زبان کی غلط محسوس ہوتی مثلاً صفحہ ۳۱۱ پر ”سینک“ کو غزلت لکھا ہے اور صفحہ ۲۹۸ پر ”اس جلد میں۔“ اس وقت کا سوچنا تجھے کچھ کام نہ آئے گا۔“
”تجھے کی جگہ“ تیرے“ لکھنا چاہئے تھا۔

”علم جدید کا صحیح“ بلندی پر یہ کتاب اور اس کا ادب کا قابل قدس سرمایہ ہے اس کے مطالعہ سے ایک طرف معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور دوسری طرف علم و فکر میں کافی اور عقلی مقابلہ کرنے کے لئے اس کے مطالعہ سے دلیلیں ملتا آتی ہیں یہ کتاب زیادہ سے زیادہ اشاعت کی مستحق ہے دوسری زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہونا چاہئے!

مقام غالب محمد موسیٰ خاں کلیم، پرنسپل گورنمنٹ کالج نوشہرہ، صفحات ۲۵۶ (دو نمبر جلد) قیمت چھ روپیہ چاس پیسے،
شے کا پتہ - اسلام آباد - نئی تحریریں بیرون مشنت ٹریڈنگ پشاور۔

غالب پر سب سے پہلی کتاب (یا دیگر غالب) مولانا الطاف حسین حالی نے لکھی اور اس کے بعد سے غالب پر جو کتابیں کا سند شروع ہوا ہے تو یہ اچانک جاری ہے! اور مولانا غالب کی فالت اور اس کے فن سے محبت کرتی ہے اس محبت اور تعین خاطر کی بدولت غالب پر ہر کتاب شوق و دلچسپی کے ساتھ پڑھی جاتی ہے! مولانا محمد حسین آزاد نے اب حیات میں غالب کو وہ مقام نہیں دیا جس کا وہ مستحق ہے یا دیگر غالب کے بعد غالب کی شاعری پر سب سے بلند کتاب ڈاکٹر عبدالرحمن بخاری کا مقدمہ ہے، جس کا یہ سہارا محمد علی ضرب المثل بن کر رہ گیا کہ۔۔۔

”ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں، وید مقدس اور دیوان غالب۔“

گر شہزادہ بریل صدی میں دو شخصیتیں غالب پرست نہ تھیں مگر جی جی جی جنہوں نے غالب سے متعلق بلندی پر کتابیں لکھی ہیں اور ایلیٹ کی ہیں، یہ دو شخصیتیں راکلہ لام ایم۔ اے اور مولانا امتیاز علی خاں عسکری رام پوری) ”غالبیات“ پر ”گائڈ“ کا دہرہ لکھتی ہیں! اب غالب کی شخصیت کی تمجید اور اس کے فن و فن پر جناب محمد موسیٰ خاں کلیم کی یہ کتاب منظر عام پر آئی ہے جو اپنی جگہ اس موضوع پر کوئی شک نہیں ایک منفرد کتاب ہے! فاضل ناقد نے انتہائی دل نشین انداز میں غالب کے آئٹ کی تشریح کی ہے اور ایسے ایسے شاعرانہ نکتے بیان کئے ہیں جو وجدان کو چرنا لے لے گا، فنی و طبیعت کو فرحت و انبساط بخشنے ہیں! پوری کتاب انتہائی دلچسپ ہے جیسے پڑھ کر۔۔۔
سے محسوس یہ ہوا کہ گلستاں میں آگئے

مرث ایک اقتباس : —

”اگر خود سے دیکھا جائے تو غالب کا نظریہ عبادت ایک مجرور افساد ہے اس میں خود سپردگی اور خود دار کی عقل کی آمیزش ہے، وہ خدا تعالیٰ کو اپنے اندہ جذب تو کرنا چاہتا ہے، مگر اپنے بشری خصائص کو کھودینا گوارا نہیں کرتا اُسے قوت حاصل کرنے کا جوش ہے اور خدا تعالیٰ کا عیش ! وہ جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ قوت کا خزانہ میں، انہیں اپنا کر وہ قوت کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے اور پہنچنا چاہتا ہے، لیکن وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس کی قوت کے حصول میں کہیں اپنے وجود سے دست بردار نہ ہونا پڑے، چنانچہ دیر کعبہ و اندھ ہوا تو وہ اٹھا پھرتا ہے کوئی اور“

ان چند جملوں سے فاضل ناقد کی رفعت و فکر اور دیدہ وری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

کتاب کی زبان خوب نہیں، بہت خوب ہے اور نظر نگار خوش تر، یہ ایک جملہ، —

”ایسے جو اس پر اسول سے اُسے چسپے ہیں“ (صفحہ ۲۶)

کھٹکا، ”پتے ٹپے ہیں، کھٹکا تھا،“ انشا“ گرو غلام کے لئے بولا جاتا ہے، اسی طرح، —

”میرا اندر کسبیاں گرو سے اٹ گئیں“

صفحہ ۵۲ پر غالب کے جن ہم عصر شاعر کو ذکر کیا ہے ان میں مولانا صدیق الدین آندوہ کا نام آنے سے رو گیا۔

”اگرچہ مولانا فضل حق خیر آبادی کے اصرار پر غالب نے اس تحریک کے خلاف ایک مثنوی بھی لکھ ڈالی تھی، لیکن واقعات اس امر کے شہید ہیں کہ خود غالب کا مسک دی تھا جس کی اس تحریک میں تلقین کی گئی تھی۔ یعنی تقلید کے خلاف جہاد“

شاہ اسماعیل شہید عتہ اللہ علیہ کی تحریک دھماں ”شُرک و بدعت“ کے خلاف جہاد تھا، اس تحریک سے غالب کا اندازہ عقائد نے کوئی اثر قبول کیا ہو اُس کی زندگی اور تحریکوں سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، جو شخص یہ کہتا ہو۔

مشغول حق ہوں بندگی بوتراب میں

اُس کے پاس میں یہ بات کیسے مانی جاسکتی ہے کہ وہ شاہ اسماعیل شہید کی غیر تقلیدیت اور ”توسیدی افکار“ سے متاثر تھا !

مرزا غالب پر تقلیدیت بلکہ ایک حد تک ”شیعیت“ کا اثر کم غلبہ رہا، شیعیت کا مسلک بہر حال تقلیدی مسلک ہے اور جب مرزا غالب

یہ کہتے ہیں : —

سہ شیعہ کیونکر ہو ماوراء النہری

تو وہ ”تقلید جاہل“ کا اعلان کرتے ہیں، کیونکہ علماء ماوراء النہر تو حنفی مذہب کی تقلید میں بہت متشدد تھے۔

مولانا فضل حق کا اس کتاب میں کئی جگہ دیکھا جاتا ہے، حیرت ہے کہ لائق مصنف عثمان کی اصل شخصیت سمجھانے کے فلسفی ہونے کا ذکر نہیں کیا !

”معاصرین غالب میں سے بڑی شخصیت سر سید احمد خاں کی ہے اگرچہ وہ بھی اس ماحولی کی پیداوار ہے

جس نے غالب اور اس کے رفقاء کی تربیت کی“ (ص ۶۸)

سر سید احمد خاں مرزا غالب سے کم از کم بیس بائیس سال چھوٹے تھے۔ اُن کا شمار غالب کے کہیں ہم عصروں اور خود دعوں میں کیا جاسکتا ہے۔

”غالب یہ عمر کا پہلا مرقع تھا، جب کہ غالب کو ادبی مہممت کے باعث اس تند تلخ کام میں پڑا، اس تلخی

کو اخراج نہ ہو سکا۔ ۱۸۷۰ء کی فطرت نہ تھی۔ ۱۸۷۰ء کا اندھ ہوا، ۱۸۷۰ء کا ناگوار تھا۔“

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشین اکثر میرے سینہ میں مارا کہ ہائے اپنے (صفحہ ۱۰۲)
 یہ وہ قطعہ ہے جو غالب نے کلکتہ کی سیر و تعویج اور وہاں کی رنگین محبتوں کی یادیں کہہ کر اس میں کئی تلخی کا ہر ذکر نہیں ہے؛ فاضل، تاملے اس
 قطعہ کے پہلے شعر کو دوسرے اشارے پر منسل ہیں، عجب دہ کر کے پڑھا انداس کے ہاں میں غلط طے قائم کی۔
 "غالب نہ تجھ کی کھو کاروں میں کھو جاتا ہے اور نہ عقل کی رعنائیوں پر مرستا ہے" (دس ۲۵۶)
 یہ عبارت لفظی طور پر تو ممکن ہے مگر معنوی لحاظ سے الجھی ہوئی سی ہے "پھر" عقل کی رعنائی "خاص طور سے عقل غم ہے کہ" رعنائی "عقل کی صفت نہیں ہے"
 "رطب کی بجائے" رتب دیا ہے " (دس ۶۷)۔ "فصوص الحکم" کی جگہ "خصوص الحکم" پڑھ کر طبیعت نے وحشت محسوس کی یہ کبریت کی
 ضلعیاں معلوم ہوتی ہیں۔ کوئی شک نہیں "مقام غالب" اونچے درجہ کی تنقید کی کتاب ہے!

حضرت اکبر کے شب و روز
 مرتبہ: محمد رحیم دہلوی، صفحات ۲۷۶، صفحہ ۱ (مجدد، ناگین گروپش) قیمت پانچ روپے
 لکھنے کا پتہ: مکتبہ رضیہ، جناح ہاؤس لائسنس، لاہور

جناب محمد رحیم دہلوی اٹھارہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ سال دسالیں ان کی ایک نہ ایک کتاب آتی رہتی ہے اس کتاب میں انہوں نے حضرت اکبر اللہ آبادی
 کی تفسیر کے اقتباسات سے ان کے شب و روز جمع کر دیے ہیں ان کی سیرت کو مرتب فرمایا ہے۔
 اس کتاب سے حضرت اکبر کی زبانی معلوم ہوا کہ "ان العصر کا خطاب میر غلام بیگ نے اکبر کے لئے تجویز کیا، جسے عوام و خواص کی تائید
 اور قبولیت حاصل ہوئی، سرسید احمد خان کے بارے میں اکبر لکھتے ہیں:۔

"معلوم نہیں پرانی نظموں کو تہذیب نسواں صاحب کیلئے بیٹھے، اب کو معلوم ہے کہ سرسید احمد خان صاحب مرحوم نہ
 صرف ہندو کے حامی تھے، بلکہ دیوبند کو مر کا سی اسکول میں جانے اور جدید کلاس پڑھنے کے خلاف تھے، وہ اپنے انتظام
 سے مذہبی تعلیم ہی کو مناسب سمجھتے تھے۔"

لاش: اس سے جدید تعلیم یافتہ نوجوان اور خاص طور سے ان کے سرپرست اور ارباب ص و عقدا اس حقیقت پر غور کرنے کہ اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم و تربیت
 نے مسلمانوں کی سیرت و کردار پر کتنا غلط اثر ڈالا ہے: اور یہ "ملفوظ تعلیم" تو اخلاق و شرافت اور عصمت و پاکیزگی کے لئے شہید نظر ہو گیا ہے!
 سرسید احمد خان اب سے ستراتی (۸۰-۷۰) سال پہلے ان شخصوں کو محسوس فرما چکے تھے۔

ان کے معاشرے کے عشرت میں مرحوم کی زبان سے اکبر اللہ آبادی کے آخری کلمات میں موصوف کے دینی نعت کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے۔
 "خواجہ صاحب کے پونچنے سے دو دن پہلے غشی طاری ہو گئی تھی، لیکن جمہور اور جمعہ کی حدیثی ملت میں ایک ایک پیش
 آگیا، بیٹھ گئے اور کہا قرآن شریف اور عینک لاؤ، بتایا گیا ملت ہے، نگاہ پند حضرت ڈالے، بولے خلاوت اور ہجرت
 ناظمہ کر دوں، یہ جملہ غم کہ نہ ہی بے ہوش ہو گئے۔"

اس زمانہ میں تو ایسی باتیں کلام معلوم ہوتی ہیں! یہ ہمارے وہ اسلاف اور مشاہیر ہیں، جن کی زندگیوں میں ہمارے لئے اچھا نمونہ ہے۔
 طبیعت اس قدر بے بہت یائیں ہوتی ہے کہ بے ادب و خدا بھی نہ ہند محسوس ہوتی ہے
 پچ کہا اکبر اللہ آبادی نے، جس زندگی میں "یا خدا" نہ ہو نہ موت سے ہند ہے۔

ملہ کن پتہ: کلکتہ "لکھا ہے، اہمتر ہی ہے کہ" عینہ "کہ" کلکتہ "مانہو" دتا ہے "یعنی PROPER NOUNS (اسما معرفہ)
 میں اصل نام کے اظہار میں ہوتا ہے، وہ کسی حالت میں واقع ہر، تبدیلی نہ کی جائے مگر تلفظ "ے" کے صرفی اظہار کیا تھا کہا جائے!

اکتوبر ۱۹۶۶

حضرت اکبر معہی حیثیت سے سکن بھی بلکہ کہتا ہے، "مافی کوٹ کی بھی تفسیر ہو چکے تھے" (صفحہ ۱۲)

یہ بات غلط ہے، اکبری کوٹ کے کتبے ہیں، اسیشن بھی ہی سے ان کی پیش ہوئی اور اس زمانہ میں ایک ہندوستانی کے لئے یہ بہت بڑا عہدہ تھا۔

"ہزارہ کو سلام کے لئے اگر کیا تو بڑی خوش ہو گئی"

نٹ ٹوٹیں، نا ضل مرتب نے "ہزارہ" کو ——— انجیل مسٹر آڈرین ای، ایس آئی، چیف سکرٹری صوبہ متحدہ ——— بتایا ہے: حالانکہ اس زمانہ میں

"ہزارہ" کا لقب لفٹنٹ گورنر کے نام اور عہدے کے ساتھ استعمال ہوتا تھا۔

اس کتاب کے چند منتخب اشعار: —

وقت کا طوفان اسی صدمت سے بڑھتا جائے گا
 غم کی دھوپ سے رکے تجھے خدا محفوظ
 ہونٹوں کے اک جسم لعین کی مویہ سے
 مویوں کے بچہ و تاب کو میں سوچتا رہا
 اک جسم ہے کنارہ متناہیں ڈوب کر
 میرا نام بھی تیری رسوائی
 کاراں ہنستے چلیں، یا قاتلے ہوں اشکبار
 نغموں سے جو دھوپ چل نہ سکے
 افق کا منہ اجلا دھوا تھا
 سیاہی نلک پہنچتی ہوئی جال
 جھلکتے چمن پھولوں کی لہر سے
 نلک پر میکہ سے پر تو لے رہی ہیں
 بادل آئے کلیں چلیں، بھول کھل مر جانے
 ڈگر ڈگر سب ساتھی چھوٹے کوئی رنگ نہ آئے
 برکھارت پھر چھپر رہی ہے بھولے بستر لاک
 رواں دواں تھی زبیں پر مسرتوں کی برسات
 یہ تلاطم ساحلوں کی سمت چڑھتا جائے گا
 غبار وقت سے سیلا تماشا باب نہ ہو
 بے لفظ و صوت نغمے سناقت چلی گئی
 وہ ساحلوں کے خواب دکھاتی چلی گئی
 مجھ کو بھی اپنے ساتھ بہاتی چلی گئی
 میرا لہجہ بھی درد کا غناز
 تپتے محرواؤں کے سینوں سے تو اسٹیں گے غبار
 آنسوؤں سے جھلکیا گئے ہم تم
 خلا میں جہانہ کر نیں بولنا تھا
 نموشی وقت کو دیتی ہوئی نال
 بڑھی کیا تیرگی سودج کی صوت
 فرشتے کھڑکیں ہی کھولتے ہیں
 تیری لگی سے ہم جو نکل پھر نہ پلٹ کر آئے
 اس مہو میں جو بھی جس کے نلک چلے پھرتا ہے
 من مند میں آگ لگی ہے ہاگ و باگن، ہاگ
 بنی ہوئی تھی زبیں، رویتِ بلال کی رات

رضاء آدمؒ ایک نظم کا عنوان ہے اس کے چند بند لکھتے ہیں —

کھانا ہے ہر جہوس میں ملک و وطن کا خضم
 چلتا ہے لے کے دین و مساوات کا علم
 لیکن جملہ کے دین و مساوات کا چولہا

گھر خود بھی آدمی کا جھلانا ہے آدمی

گرداب سے بھی ربط ہوا ہے بھی ہے تیز
 کشتی سے بھی رگ و بہ، ساحل سے بھی گریز
 کشتی کا ناخدا ہے مگر اس کے باوجود

طوفان بھی ساحلوں سے اٹھاتا ہے آدمی

مریخ زہر دام، قمر پر بھی ہے کسند
 نعت میں کہکشاں کی بندی سے بھی بلند
 لیکن جہاں دکھاتا ہے پستی ضمیر کی

تحت اثری میں ڈوب بھی جاتا ہے آدمی

نظم - ہمدان کے دو شعر :-

کھڑے ہوئے شہر میں سید پوش گھٹ تیں
ہراتی ہے اس طرح شب تار میں جیسی

یا برسر ہر ماں میں شاعر کے خیالات
جیسے کسی چمن سے نکلتا ہو کوئی بات

(خوبصہاگ) یہ کون دشت ہے جس کے سیاہ است غزال
خبر بھی ہے کہ ترے سبکدے سے کتنی بار
(دشت بنام ایٹ) حال میں انفق پا، مانجی مرے مہر کی خاک
میں کلیسا کی نوا میں نغمہ دید و حرم
قد سیدوں کی ہندگی نعت نشینوں کا قصو
میرا اک پر تو آنہ حیرا، ایک پر تو آفتاب
انتقام حسن چہروں سے جمال لیتا ہوں میں
(صبح جہد) پردے درخ جاگیر و دہشت سے اٹھا کر
یا بچہ کینٹک و کبوتر بھی ہو اُڑاؤ
(یقین محکم) اگر دو چار غنچوں کو ہنسی آئی تو کیا آئی
گہر کا ذکر کیا، اس بحر پایاں کے سینے میں
(ایک دوسرا قافہ دوست کے نام م)

خنگ ہوا ہے بھی ہیں دل نگارے ساتی
گنہ چکا ہوں میں بیگادہ دارے ساتی
آخرت میری تبا دینا مرے دامن کا چاک
میں مسیحا کی شریعت میں ہیں گوتم کا دھرم
جہد و ستار کے آئس، تقدس کے سجد
میری اک کروٹ بڑھا پامیری اک کروٹ شب
زیگیوں کے ہاتھ میں آئینہ دیدیتا ہوں میں
تو بات زندگی سم کے بالوں کو بدل دیں
یا دشت تمدن کے عقابوں کو بدل دیں
ہر اس گلشن کے سر نیچے کو خنداں کے کچھڑے نیچے
خون دیندوں کو بھی بھلی بھائی کے کچھڑے نیچے

دامن ہو چاک چاک تو پھر دھجیاں نہ دیکھ
رستے میں چل تو سایہ امیر دواں نہ دیکھ
ساحل پہ قد جتی ہیں کہاں کشتیاں نہ دیکھ
اُڑتے ہوئے ہوا میں فقط بادباں نہ دیکھ
تاریک ہونے میں تو سوئے آسمان نہ دیکھ
گہریں کا سوگ، شہر کی دیوایاں نہ دیکھ
یہ آسمان یہ دیوائے نیل کے دھامے
دلوں میں برقی و شمد کی چمک چھپا ہوئے
کہ ملتوں میں مقام فلام کچھ بھی نہیں

پوشی جنوں میں عالم سود و نیاں نہ دیکھ
منزل ہوسا نے تو کڑی دھوپ سے نہ ڈر
عرواقی جسد ہو تو کسی موج کو پکار
طوفان سے کہ کلام، ہوا کا مزاج پوچھ
جسوسے میں آفتاب سے کچھ تو بھی کم نہیں
رک جاکسی حبیب کی دیوار کے قریب
یہ بلیوں کے نشین، ہوا کے گہواں
سروں پہ بارہہ و کبکشان اٹھائے ہوئے
یہ کہ ہے ہی ترے صبح و شام کچھ بھی نہیں

(زادول)

اسیر ہوں تو امیر و امام کچھ بھی نہیں
جہاں میں حلقہ بگوشوں کا نام کچھ بھی نہیں

عصر میں جس کے ستاروں نے غلغلہ کیا (نورِ جہاں)
 یہ بے چراغ تری قبر، یہ نغمہ سنسان
 زمیں کو جس کی جیس نے سوا و طود کیا
 یہ تیرے سینہ نازک پہ ظلمتوں کی چٹان
 کسی کینز کو بستر سے اٹھ کے دسے آواز
 کہ اک چراغ تو ہر تری سات کا دم ساز

ابھی تو خود ہی اندھیرا ہے بگڑا دل پر

ابھی تو نور کا دھوکا ہے چاندنا دل پر

اگر خیال ہو آواز تو نفس بھی چمن (ایک دم نہیں ہے)
 حلیہ برق بھی میں خالق بہار بھی میں
 یہ دم و دم کو سمجھتا ہے ظلمتوں کا غبار
 زلف کا سایہ جس کی صبح پر تلتا ہوا (ملکہِ زمان)
 وہ بھرے ہاتھ وہ سنگی تباہے درنگار
 جو گھٹنا میں ڈوب جاتا ہے وہ بد منیر
 آنسوؤں سے دیدہ و جمہورِ عجب ہوتا ہے غم (خاموشیِ محرم)
 زندہ باد! اے ابرنیساں! اے بہادرِ دل کے رسول
 ادھر کچھ غور کی سی شبنم ادھر کچھ غور سے بھول

میرنگوں ہو کے نہ کر عظمت آدم کو زلیں (وقت کی آواز)
 ظلمتوں کے جگر چاک ہونے لگے (شکستِ پیاد)
 جس کو سجدہ ہو سنا واد وہ سر پہ پا کر
 بھر ویر نہ آجائے سے دھونے لگے
 دشت بوسے ہیں دادی طود میں
 وقت کو کھٹ پہ کھٹ بدلتا رہا

شبم بھی ہے آوازِ شکر تو بھی صدا ہے (دلگاہ و بادِ باب)
 ہر شام سیرِ پوش ہے پیغمبرِ انوار
 خود میری نگاہوں سے روشنی ہے میری ہمت
 جس سے نہ ڈھلے سینہ آدم کی سیاہی
 کسی عارض پہ تابانی نہیں ہے

تجسس ہے کہ طغیانِ شب تار (خفاش)
 خطا میری تجسلی کی نہیں ہے
 جہاں لغو ہے بہرے خندہ زنی ہوں
 جہاں سینوں میں ہو قروں کی تسلی
 جہاں بے کوئی پیشانی نہیں ہے
 ہے آئینہ کہ آئینے کا نہ نگار

نظر تری ہی ظلمتِ آفریں ہے (خود شہید)
 جہاں تو گئے حکیمِ احسن ہوں
 جہاں جھپٹے ہوں آئینوں پہ زنجی
 جہاں تنکوں سے شرمندہ ہوں ہمار
 لغزہ بار پد تیشہ کو پہن
 میرا عصر و سخن میرا اندازِ فن (عرفانِ ذات)

پیری آواز، آواز کون مکان
تیرا نفس، فقط نفس انجمن
تجہ کونائے کا دکھ مجھ کا غم کا غم
تو ہلاک نفس، میں ہلاک چمن

پودہ چوکشتم زرخ معنی ادراک
باتیر و شبان، نیرتیاں چہ فروشم
نغمہ چہ سرایم بہ حریفان گراں گوش
نور مد و خورشید بکمدان چہ فروشم
باتیر ہنسداں چہ کنم غالب گفتار
باریک دغاں گوہر غلغلہ چہ فروشم

ہر نفس چنگ و تار کا عالم
ہر نظر اک سرو و پے آواز

ہر قبلی کے لئے ظرف نظر ہے دکھار
جلوہ انداز گراں قندازان بھی نہیں
آئینہ ایسے میں پھلک جائے تو بھر کیا ہوگا
اُس کا دماغ بھی نہیں پناہ گریاں بھی نہیں
تاملے ہیں کہ گزرتے ہی چلے جاتے ہیں
منزلتیں ہیں کہ کسی سمت نمایاں بھی نہیں
عمل کا کیا ذکر کرے دوست مرگ و امن پر
ایک مدت سے کسی خار کا اسیان بھی نہیں

تو نے مرے درد کا دماغ کیا
اد بھی کچھ درد سوا ہو گیا
دل کو اپنی تباہی کا کچھ غم نہ تھا
اُس کی آنکھوں کا ارشاد مبہم نہ تھا
اس سے پہلے بھی سرباد دھڑکا تھا دل
دل دھڑکنے کا لیکن یہ عالم نہ تھا
غنجہ اپنے تبسم پہ مجبور تھا
غنجہ کب محرم مایہ تبسم نہ تھا
ٹوٹ چکا تھا ناہد مری آنکھ سے
سرج کوثر نہ تھی آب نغم نہ تھا

چلتے چلتے جہاں شور ہم دگ گئے

اپنا رخ مسادٹوں کو بدلتا پڑا

دوسرا رخ

نغمہ کی کیا وادی ایام میں روپوش ہیں
کتے جلوسے گرد صبح بزم میں روپوش ہیں (ص ۱۵)
نغمہ سازیں پرشیدہ یا خوابیدہ ہیں، اس طرح تو بولتے، کہتے اور شعر میں بھی نظم کرتے ہیں، مگر وادی ایام میں نغموں کا روپوش ہونا اس
میں بڑا تکلف پایا جاتا ہے!

یہ بادلوں کا تنفس یہ سرو و سر دھوا
یہ سنتاتی ہوائیں یہ بولتے ہوئے ساز (ص ۱۷)
”بادلوں کا تنفس نئی ترکیب بلکہ یوں کہئے۔ نئی دریافت ہے، مگر کب کو نہیں لگتی! بھر یاد دل نہ ہوں تو بھی سرو ہوا چلتی ہے گراں شعر میں سجد ہوا
کو بادلوں کا تنفس کہا گیا ہے، اگر بادلوں کے تنفس سے بادلوں کی گیت مراد ہے تو بھی بات کچھ ہی نہیں۔ پھر ایک ہی میں مصرع ہیں ”ہوا“ اور
دوسرے مصرع ہیں ”ہواؤں کی تکرار“۔۔۔۔۔ ۱۱

کسے خبر تھی کہ تجھ کو پکار تے اے دوست
انہی نغماؤں میں کھو جائے گی مری آواز
شعر میں کوئی خاص لطف نہیں !

تھپک کے جن کسلائے گی مات بھر شبنم
وہ غنچے صبح کی لوسے بھی لپکا پائیں گے
تھپکے کے نعل کی مڑاؤں سے تو مناسب درست ہے مگر "شبنم" سے یہ نسبت کہ وہ غنچوں کو مات بھر تھپک تھپک کر سلائے گی، مشابہ اور
قرینہ کے خلاف ہے۔ "صبح کی لوس" بھی محل غلط ہے۔

تجھے بھی یاد ہے ان بدلیوں کے سلائے میں
تڑی نگاہ نے توڑے ہیں کتنے پیمانے (ص ۱۸)
"پیمانوں سے غالباً" دل کے پیمانے، مراد ہیں، ایسے تو قول پر محذوفات جس طرح اس شعر میں "دل کے" محذوف ہے، مگر وہاں کو کھینچے ہیں !
اگر شاہ کے پیمانے مراد ہیں تو ان کو وہ نگاہ توڑ سکتی ہے، جس نے سمر زم کی مشق کی ہو کہ کسی کا پنج یا شیشہ کی بنی ہوئی چیز پر غصہ ڈالی اور اُسے
چین سے توڑ دیا۔

مری نگاہ میں رقصاں ہیں سینکڑوں طوفان
مگر ضلالت کرے کوئی سورج تجھ کو جگائے (ص ۱۹)
کس چیز کے طوفان؟ اندھانوں کے، امید و شوق کے، اس کی طرف اشارہ کرنا ضروری تھا، پھر ان طوفانوں کی موج مجھ کو جگا کر کس طرح سکتی ہے !
غمازی نگاہ سے دل کو اچھل کر
طوفان ساحلوں سے اٹھاتی چلی گئی (ص ۲۲)
"غمازی نگاہ سے اس شعر میں شاعر نے کس مفہوم کی ترجیح کی ہے؟ پھر "غمازی نگاہ" سے دل کا اچھلنا اس پرسترازا "ساحلوں سے شاید
دل مراد ہیں جو پہلے خاموش تھے، محبوب کی "غمازی نگاہ" سے وہ حرکت و جوش میں آ گئے !

دہکاکے ہر نفس میں غم آرزو کی آگ
پھولوں سے گلگدے کو جلاتی چلی گئی
"پھولوں سے شاعر کی کیا مراد ہے؟ پھول، جن کی انگریزی میں "FLOWER" اور فارسی میں "گل" کہتے ہیں اگر یہ معنی سمجھ جائیں، تو پھر "پھولوں" میں
شدید ابہام پایا جاتا ہے شاید "پھولوں" سے شاعر اسے اندھنئے مراد ہیں ! اس صورت میں "پھول کی جمع" "پھولوں" نا، "لوس" ہی لگتی ہے۔ اس کے
سامنے "گلگدے" سے آؤ کس طرت اشارہ ہے !

ناکردہ کاری، نگہ انصاف سے
پہرہ بیک جڑوں کا اٹھاتی چلی گئی
نگہ انصاف کی "ناکردہ کاری" کیا بات ہوئی؟ "ناکردہ کاری" سے شاید "ناخبرہ کاری" مراد ہو ! پھر "جڑوں کا پہرہ اٹھانا" اور زیادہ
ہنس بات ہے۔

جن کی خراب تند میں گھلتا سا سرود
آن نغموں سے مجھ کو رلاتی چلی گئی
شعر میں کس قدر آدرا اور تکلف پایا جاتا ہے !

دوشن نظر پہ ہے جبرؤ ماہ
یا سگتا ہے خمیہ شب باز (ص ۲۵)
"خمیہ شب باز" ممکن ہے فارسی کی کوئی خاص ترکیب ہو، مگر فطرت کے دوش پر "جبرؤ ماہ" ہے، تو "خمیہ شب باز" کے ٹکینے کی کیا تک ہے !
نیت مر مر سے تھراتی رہے شمع حیات
شب کی وادی سے توڑ دی گئی آج ادنیٰ برات (صفحہ ۲۹)
"نیت مر مر" کی ترکیب اکھڑی اکھڑی لگتی ہے، پھر "شمع حیات" کہا تھا، تو اُس کے ساتھ "مر مر فنا" یا "مر مر حادث" لانا ضروری تھا !
"مر مر فنا" بڑی اچھی نظم ہے جس کا پہلا شعر ہے۔

ہمت کدے ساکت و بہوت، غلوات خاموش
نہ ہجوم سر باندا نہ کوچوں کا خودش

— مگر —

انہیں ہے کہ انہیں جس شعر پر ختم ہوتی ہے وہ دوسرے شعر کے مقابلہ میں کمزور ہے، حالانکہ اس شعر کو سب سے زیادہ بلند اور بلند ہونا چاہیے۔
شہسبکی سات پر الزام نہ آنے پائے
کوئی رستوں میں سرشام نہ آنے پائے
”بجئے عزیزے“ میں خاص تاثر پایا جاتا ہے، مگر یہ شعر ۱۔

(ص ۳۴)

جنوں کو آئینہ دکھلا ہے میں مری آنکھوں میں آنسو آئے ہیں
کھٹکا، آنکھوں میں آنسو آنے اور جنوں کو آئینہ دکھلانے کے مابین آخر کی ربط اور مناسبت ہے۔
پھر اندھیروں کو آئینہ دکھاتے ہوئے شہسبکی
”ابو“ اندھ میں عام طور پر سمجھ نہیں ہوتا جاتا ۱ ”ابو بارہ“ کی جمع البتہ آتی ہے۔
”کینہ ساز“ کی جگہ کوئی اور لفظ لانا چاہیے تھا ۱
کچھ برہمن ہوئے شہر کے کینہ ساز
کچھ مسلمان خدا سے ڈانے لگے

(ص ۴۲)

کالے کالے بادل میں یا بحر میں کاہر آگ
”بیراگ“ خلوت نشینی، ترک لذات، نفس کشی اور جوگ اور فقیری لینے کو کہتے ہیں؛ یہاں اس شعر میں اس لفظ سے انوکھی کام لیا گیا ہے۔
شاعر شاید یہ کہنا چاہتا ہو کہ کالے بادل میں گویا کہ زندگی نے فقیری کا ہمیں بدل لیا ہے۔
زہرہ کا تو نیم انسان تھا سو بوج کا نیم مست تھا
”جب رستہ اپنا رستہ تھا“ اس ٹکڑے نے شعر کا سادہ لطف غارت کر دیا۔
طوفان میں سفید آہی گئی خلعت کا اجالا کوئی نہیں
”خلعت کا اجالا“ سمجھ میں نہیں آیا ۱
کس ماہ میں تھوکر کھاتا ہوں یہ پوچھنے والا کوئی نہیں

(ص ۵۰)

وقت کے ماتھے پر ہے صدیوں کی دھول
”بھول“ کس زبان کا لفظ ہے جو بھول یا بھوت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔
اور کچھ سائے، شجر سوتے ہوئے
تھر سوتے، بام و در سوتے ہوئے
دوسرا مصرعہ یوں ہوتا،

(ص ۶۱)

”تھر دایاں بام و در سوتے ہوئے“

”تھر سوتے“ کی تکرار کا عجیب باقی نہ رہتا ۱

صبح کی کرنوں سے بھر کر اپنا عجیب
”اندھیرے“ کا گویا تو نہیں ہو سکتا، ناں اچھے کے ساتھ گریبان کو مناسبت ہے، اس شعر میں ”عجیب“ گریبان نہیں بلکہ ”پاکت“ کے معنی میں
استعمال ہوا ہے اور ہونا چاہیے، اس صفت میں ”عجیب“ کو مرثیہ نظم کا تھا اور وہ غالی میں خاصہ تکلف پایا جاتا ہے۔
لوٹ لوٹ کے گئی ہے کسی پڑ پڑ پر جھبیلی
جیسے کسی بھوکے کی سزا مرگ معافیات
بھوکے کی سزا ”مرگ معافیات“ ہے جو بڑی بات ہے، ناں اخلاص اور کذب کی سزا مرگ معافیات ہوتی ہے ۱

(ص ۶۲)

بیم فہم کے دہتا ہوں یا تقدیر کے امیں پتے ہیں میرے بچوں میں خدا یا تو زمین (ص ۸۱)
 مشکفوں میں کوئی چیز کسی ہاتھ ہے۔ "پیسے" نہیں ہاتی !
 جہاں ہر شے کی آنکھ سے شک ہے فوں برسوں داناں پر زندگوستی میں مصال کے کچھ نہیں گئے (ص ۸۹)
 جس جگہ بچوں کی آنکھوں سے ہر سون خون چکا ہو، وہ مقام، نفا اور اس حال پر ہی خدا انگیز اور ہمدی اور محبت کے قابل ہونا چاہئے۔
 نہ کہ وہاں زندگی کوستی میں مصال کے، قنوت قلبی کا ثبوت دیا جائے۔
 یہ موتیوں کے لیے سے یہ فہم کے مدفن یہ آفتاب کی تربت یہ چاندنی کے کفن (ص ۹۲)
 "بادل" کی یہ قریب۔۔۔ کہ آفتاب کی تربت پر چاندنی کا کفن۔۔۔ ہے ہمارے تو پچھلے ہی نہیں !
 یہ کھیتوں کا بادل یہ مسکدوں کی شراب گرجنے والے جنم، برسنے والے عتاب
 "بادل" تو کھیتوں کے لئے "امرت" ہوتا ہے اس نظم میں "ایری اور غریب" کے فرق کو دکھانا مقصود ہے تو "بادل" کی اس تعریف کو کیا کہئے گا۔

یہ آسمان یہ دیا نئے نیل کے دھارے
 نظم کے "موتیوں" دروضہ "اور پھر نظم کے" PROCESS میں ہم آہنگی اور معنی رابطہ الجملہ ہونا چاہئے۔
 "موتیوں"۔۔۔ مادہ کی "موتیوں" ہے !
 بدل چکا ہے زمانہ ریشہ جارت بدل طلائف کی بھڑوں کو دیکھتا ہوا چوں (ص ۹۶)
 بن انگور ٹیل کے ہوتے مہیا آہران تار فضا کو پھرنک گیا، جس کا شعلہ رخسار (ص ۹۷)
 "نور جہاں" کے شعلہ فضا سے گزرتا تھا، یہ بے جا مبالغہ بھی ہے اور غلاب واقعہ بھی ہے۔
 بجھا ہے جس کی ہمارے جہاز دیر و حرم وہی تبسم تھا، وہی غم آدم
 کس کی ہمارے "جہاز دیر و حرم" بھگ گیا تھا۔۔۔ "غم آدم" سے کیا ملا ہے؟ "نور جہاں" کی شخصیت سے اس کیفیت اور غم کا آخر کیا فہم ہے !

سیاہ پڑی ہوں جس سے عبادتیں وہ شباب فرشتے سمجھ کر جس کو دیکھ کر وہ شراب (ص ۹۸)
 "شراب اور فرشتوں کے سمجھ کر گئے مابین آؤ کیا معنی رابطہ ہے؟ شراب کو کتن سمجھ کیا کتنا ہے !
 ٹوٹا کھانے کے طے فہم کوئی معصوم دہن کشش تلوں پر کسی بنت حرم کی گردن (ص ۱۰۰)
 دھول اور مٹی کا انداز بیان، ہر صاحب ذوق کو کھٹکے گا۔
 ہمیں خدا کی تقدیر یہاں ہیں ہر لوگ آفتاب ہیں فہم کے آٹھ ہیں، گلگلدل سے اپنے کاشانے (ص ۱۰۳)
 معروفانی کے صفت ہیں، فہم لوگ ہی گلگلدل سے اپنے کاشانوں کو لے کر آئے ہیں۔۔۔ یا۔۔۔ ہمارے اپنے کاشانے، ہم لوگ کو گلگلدل
 سے لے کر ہزار گئے ہیں۔۔۔ مگر دھول اور مٹی ہاں بات ہی یہ رہ جاتی ہے، یوں دیکھنے میں شرم، غفلت کی بڑی مینا کاری جگہ شادی
 باقی جاتی ہے۔

بہرہ کی سماعت میں بھی اجہاز کے تیرہ اندھوں کے شادی میں کلمات کا عالم (ص ۱۰۳)
 "اجہاز کے تیرہ اندھ" شادی میں کلمات کا عالم یہ دھول اور مٹی کے جھپٹے جھپٹے ہیں! اشعار کا مفہم ان غزلوں سے یہی طرح واضح نہیں ہوتا۔

لاٹ دنیا کی سنت سا آفتاب جال کروں گے بتا رہا آفتاب (حصہ ۱۳۶)
آخوندیہ آفتاب کے سامنے کیا کئی بھکاری ہے جس کا اظہارِ صبرِ اولیٰ میں کیا گیا ہے پھر لاف نکستا "یا" لات کر یا کب "آخوندیہ" حاتم طہ
پرستیں نہیں ہے۔

اک کی پس ہے غم عشق کی نظرت ہے خاک بسراب بھی زلیخا مرے آگے (حصہ ۱۳۷)
غم عشق کی نظرت کو زلیخا کے خاکِ بزمِ سوسے سے آخر کیا ربط ہے ؟

تو بھر گئے چراغوں میں سہما ہوا سنسکتی ہواؤں میں بھی خندہ زن (حصہ ۱۳۸)
سنسکتی ہوئی چٹائی میں "خندہ زن" ہونا تو کون سی فز کی بات ہے ! سنسکتی ہوا کی جگہ طوفانِ باد و باران اور شدید جھکڑ لگے، تو اس صورت میں
"خندہ زن" ہونا ادا کا کوئی اثر قبول نہ کرنا عرصہِ مراگئی اور عالی ظرفی کی بات تھی۔

چلتے ہم سے بدگمان ہیں (حصہ ۱۳۹)
مصرعہ ثانی لکھا ہوا ہے !

خفاش پر داند تب دنا بانی خود بخند کالے بزمِ بادِ صوداں چہ فروشم (حصہ ۱۴۰)
"مردوں کی جگہ" سقیان "ہونا تو مصری اعتبار سے شرفِ زیادہ پر ت ہوجاتا۔

کو فرم رازی کہ بداند تپش جاں (حصہ ۱۴۱)
یہ شعر بھرتی کا ہے جسے انتخاب میں چھانٹ دینا چاہئے تھا۔

محبت کے کشی سرسری نہ گئی (حصہ ۱۴۲)
"محبت سرسری نہ گئی"۔ اس طرح کن برتا ہے۔

آوی کا خدا بن گیا آدمی (حصہ ۱۴۳)
"آوی حشر کی" "آوی" کے دن معلوم ہوگی اس دن غلط کاموں اور شکروں کو مستعار لے گی۔

آکھیں جھلائی جاتی ہے اک شیش (حصہ ۱۴۴)
نظر واد کے جادو سے بھی گھٹے ناکام رہا ہے جو تے میں

آخر یہ بات کیا ہوئی ؟ (حصہ ۱۴۵)
غزل کا مطلع "دو لخت" ہے !

مالِ شب بخوان سحر کنایہ پڑا (حصہ ۱۴۶)
"غزل کا مطلع" دو لخت ہے !

شاید اس لئے کہ دعا قبول نہیں کی (حصہ ۱۴۷)
"شاید اس لئے کہ دعا قبول نہیں کی"۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ "میرے دل میں کئی لفظ"۔

اس غزل کا مطلع بہت خوب ہے۔ (حصہ ۱۴۸)
"اس غزل کا مطلع بہت خوب ہے۔"

جناں غم نے غائب نظر ثانی میں کیا وہ وقت نظری حکام نہیں لیا، مدد بھرتی کے اشعار ان کے مجموعہ میں شامل نہ ہوتے اور

سنت شعروں کو چھت کر دیا جاتا! عمری طود پر - ویار ابد - لائق مطالعہ ہے، قابل ذکر ہے! - عادیستائش کی مستحق ہے!

پسندہ روزہ "ساغر" کا - مہر - فہم - ساقی - شمشیر ایڈیشن کی قیمت تیس پیسے، اور آزادی ایڈیشن کی قیمت بھی تیس پیسے، شمشیر ایڈیشن اور آزادی ایڈیشن - لئے کا پتہ - ساغر - پوسٹ بکس نمبر ۳۳۳، کراچی -

پسندہ روزہ "ساغر" برسوں سے ہندی کے ساتھ شائع ہوتا ہے اس کے مضامین عام طور پر دین و اخلاق کے ترجمان اور ملک و ملت کے لئے مفید ہوتے ہیں! اس کی یہ دونوں خاص اہمیتیں آزادی ایڈیشن اور شمشیر ایڈیشن م مضامین کی تنوع اور ترتیب کے اعتبار سے خوب ہیں، جن کے مطالعہ سے طبیعت کو جوش اور دھولہ ملتا ہے اور ساتھ ہی دعوتِ محمدیہ بھی!

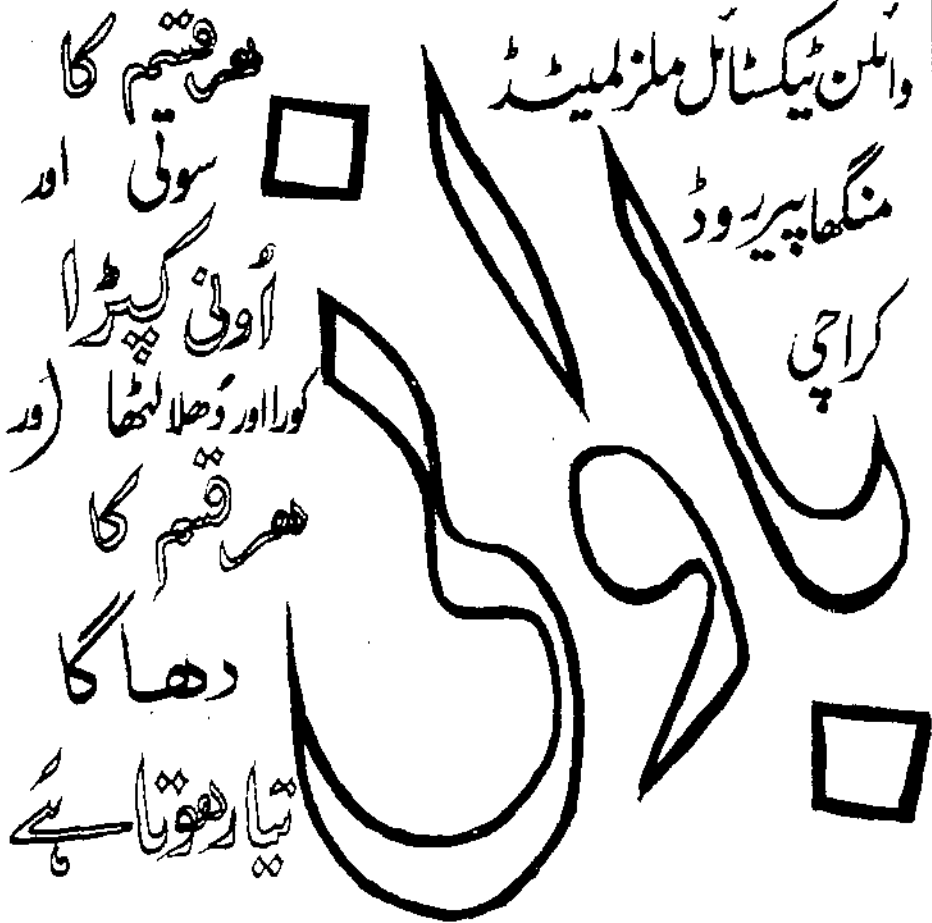
قرآن مجید کے ساغر کے خصوصی شمارے قبول عام حاصل کریں گے، جناب ساقی کی کوششیں تحسین و ستائش کے لائق ہیں -

اشرف لیبارٹریز

ملکہ نوداشر پینٹ ادویات - ملک خالص اجزاء سے تیار شدہ قرابادینی مرکبات -
 ملک ماہرانہ تشخیص - ملک ہمدردانہ علاج کا عظیم اور قابل اعتماد مرکز
 آپ - خواہ طبیب ہوں یا ڈاکٹر - خدا نخواستہ مریض ہوں -
 - یا کسی مریض کے سر پرست - آپ اپنی طبی ضروریات - کے لئے -
 اس ادارہ کو -

اس طرح قابل اعتماد پائیں گے جس طرح لاکھوں افراد اس ادارہ کی خدمات سے مطمئن ہیں
 بہنائے شفا - اور - سالانہ تشخیص و تجویز مفت طلب فرمائیں

اشرف لیبارٹریز جت ساج کالونی - لائل پور



باوانی والمن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا
 ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے پاکستان کی صنعت کی ترقی اور حوصلہ افزائی
 آپ کا قومی فریضہ ہے

آدم جی کے پارچہ جاتا میں سے تیر



آدم جی کاٹن ملز لائڈس - کراچی

فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی

اور قبض سے نجات کے لئے اب اسٹریپ پکینگ میں صافی قبض کشا قرص

~ صافی قبض کشا قرص ~ مشہور خون صاف کرنے کی قدرتی دوا
صافی سے تیار کئے جاتے ہیں۔
صافی کے قرص نہایت احتیاط و نرمی سے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچائے
قبض رفع کرتے ہیں۔ مزید برآں ان میں تمام معنی خون صفات بھی موجود ہیں۔
ہر کیسٹ ۱۰ ڈرگسٹ اور جیزل اسٹور پر دستیاب ہیں۔

بہار دوا خانہ (دو قعت) پاکستان
کراچی - لاہور - ڈھاکہ - پشاور

نومبر ۱۹۶۶ء

جلد ۱-۱۸

شمارہ ۸

ماہنامہ فاران کراچی

ایڈیٹر ————— ماہر القادری

ترتیب

۳	ماہر القادری	نقشِ اول
۱۰	مولانا محمد مصطفیٰ رحمانی گڑھ ۲	تفسیر
۱۴	سید عرف شاہ وایم۔ اے ۲	قرآن مجید کی خصوصیات
۲۰	ماہر القادری	صحابہ کرام اور مولانا موعود
۲۴	مولانا شمس تبریز خاں آردی	عالمگیر اور انگریز مورخین
۲۸	سید احسان ندوی	روح انتخاب
۳۲	مختلف شعراء	سند و ساز
۳۸	ہماری نظریں

قیمت فی پرچہ ۶۲ پیسے

پبلشر: مسٹر وحید

چند سالانہ: سات روپے

مقام اشاعت

دفترِ مہاشاہ فاران کیمپل اسٹریٹ کراچی

مسٹر وحید پبلشر نے انٹرنیشنل پریس کراچی میں چھپوا کر دفترِ مہاشاہ فاران کیمپل اسٹریٹ کراچی سے شائع کیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نقشہ اول

پاکستان ایک آزاد مملکت اور غیر مختار حکومت ہے، وہ اپنے داخلی معاملات ہی میں نہایت خود مختار پالیسی میں بھی آزاد ہے یہ اس کی اپنی صوابدید پر منحصر ہے کہ پاکستان دوسری حکومتوں سے کس طور کے روابط اور تعلقات رکھتا ہے، خارجی مسائل میں غیر حکومتوں سے دوسرے دفتروں کا انفرادی پاکستان کی اپنی مرضی اور حالات پر ہے، اس پر کسی دوسری حکومت کا مداخلت نہیں کی جا سکتی۔ اس حق اور فریضہ نہیں جس کا اگر پاکستان پر واجب ہو!

پاکستان ایک نظم و انضباط کی سیاست ہے، جو اسلام کے نام پر وجود میں آئی ہے، اس لئے اس کی داخلی اور خارجی پالیسی کو اسلام اور دین و اخلاق کا مظہر اور عکاس بننا ضروری ہے، اسلامی قدروں کو نظم و انضاط کے اگر پاکستان کو کوئی مادی نفع حاصل ہوتا ہے، تو بہ۔

چنانچہ ایسی تجاوت میں مسلمان کا خسارہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے کافر قوموں سے بھی معاہدے کیے ہیں اور ان کو طیف بنایا ہے، اسی سونے پامی کے تحت پاکستان بھی غیر اسلامی حکومتوں اور لادینی ریاستوں سے روابط قائم رکھ سکتا ہے؛ لیکن بھی، ہر کی دنیا میں کوئی حکومت بالکل الگ تصدق ہے۔ دابوں کی طرح دنیا سے کٹ کر ابدی تعلقی ہو کر نہیں رہ سکتی۔

حکومتیں ضرورت کے وقت ایک دوسرے سے قرض اور مالی اعادہ بھی لیا کرتی ہیں، مگر قرض و امداد کا مسئلہ بڑا نازک اور دُعا کا مسئلہ ہے۔ اعلیٰ نوکسی سے قرض وام لینا کوئی تعریف کی بات نہیں ہے، کوشش اس بات کی کرنی چاہئے کہ کسی کے سامنے دصت سوائے دانا کرنے کی دصت ہی نہ آئے کیونکہ تمام مفرد قدر داری و تمکین کے باوجود دصت سوال بہر حال دصت عطا شدہ نیچا ہوتا ہے۔ اس پسپائی سے بھراؤنگ نہ ممکن ہو سکے، اپنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور یہ اس دصت میں ممکن ہے کہ ذمہ دار افراد و اپنی ذات اور خاندان کی شرافت کے لئے کوئی لاچار نہ ہو، اور مالی استفادہ اور رکتہ ب دصت کے باپ میں ان کے موائفہ بالکل صاف ہو، اس پر غرضی اور بے نفسی کی صحت میں حکومت کی دصت دئی جاسی تمام نواخلاصہ بلکہ ایشاد پرستی ہوگی، حکومت کے ہر مشرب میں کفایت شعاری اور بجز دصی کا لحاظ نہ رکھا جائے گا، تجارت اور صنعت و دصت کی ہر پالیسی کسی غریب یا تجارتی ادارہ کے نفع و نقصان کے تصور سے بے نیاز ہو کر مشرب ہوگی اس اس طرح مالی معاملات میں تو قانون قائم ہو جائے گا !

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین اپنی ذات پر کم سے کم خرچ کرتے تھے۔ حکومت کی نظری شان (Pomp and Show) پر اس وقت اتنی دیر کی کوئی مادی سرے سے موجود نہ تھی۔ پھر سب بڑی بات یہ تھی کہ حکومت کی آمدنی کے ذخایں حاصل تھے، جس کی بدولت رعایا کے نفس و مہر پر ہنس گوشت پرست میں کراہی رہ جاتی تھی، اسی لئے وہاں کے فریبکاروں کے زوال نعمت کی آمد و رفتیں رکھتے تھے اور بالادلوں میں

اتفاق فی سبب اللہ کی اس بات جاتی تھی، اسلامی معاشرہ طبقاتی تقسیم سے نا آشنا تھا، وہاں غریب و امیر اور حاکم و مظلوم سب کا ایک ہی مقصد تھا، ان کے دیمیان نفسریاتی کشمکش نہیں تھی، سب لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلبگار تھے اور دنیا سے دنیا نہ آخرت کی سرخوشی کے لئے جدوجہد کرتے تھے !

ان کمالات یہاں سے چلی تھی کہ دوسری حکومتوں سے قرض اور مالی امداد لینے کی ضرورت بھی پیش آ جاتی ہے اس سادہ میں بڑے رکھ رکھاؤ فراست اور تدبیر و خود داری کی ضرورت ہے، ایسی صورت ہرگز پیدا ہونی نہیں چاہئے کہ جس حکومت سے قرض اور مالی امداد لی جاتی ہے وہ قرض حکومت کے سیاسی اور انتظامی حالات میں نہیں ہر جائے، اس قسم کا قرض اور مالی امداد رفتہ رفتہ ملک و ملت کے فساد و نظم و نسق کے لئے خود کشی بن جاتی ہے۔

ہم اس حقیقت اور نظری صورت حال سے بے خبر نہیں ہیں کہ سائل اور مقروض کو یہ ہر حال قرض خواہ اور امداد دینے والے سے کچھ نہ کچھ دینا ضرور پڑتا ہے، مگر یہ دباؤ اس حد تک پہنچ جائے کہ قرض و امداد دینے والی حکومت مقروض ملک کی سیاست پر اثر انداز ہونے لگے تو اس قسم کا قرض اور امداد بہت بڑی مہیبت اور آنت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

دوسری حکومتیں کسی حکومت سے معاہدے کرتی ہیں، تو وہ یہ بھی دیکھتی ہیں کہ وہ اس ملک کے کیا حالات ہیں؟ کیا امداد پر سبب اور اعتبار کے دیمیان نفسریاتی کشمکش تو نہیں پائی جاتی، ملک کے عوام تقسیم اور بے ایمانی کی طرح ایک دفعہ کے دست و بازو دینے سے ہیں اقوام غلام دل سے حکمرانی کی خواہ ہیں اور اپنے دلی میں ان کے خلاف کوئی جذبہ اور داعیہ نہیں رکھتے، اسی طرح اسباب اقتدار عوام کے انتہائی درد مند ہیں، اور خاص عوام کے سود و زانی کے پیالے ایک جیسے ہیں، تو بہت اختلاف تو باپ بیٹے اور بھائی بھائی کے دیمیان بھی ہوتا ہے، لہذا یہ ہے کہ ملک میں مجموعی طور پر اتحاد و اتفاق کی فضا پائی جاتی ہے، عوام ہر یا خواص ان میں سے کسی کو خرید نہیں جاسکتا، جس ملک میں اتحاد و خلوص کی یہ کیفیت ہو، اس کو بین الاقوامی دنیا میں مذاہم حس کیا جا رہا ہے چاہے اس کے مادی اور مالی وسائل کتنے ہی محدود کیوں نہ ہوں !

مقصود گزارش یہ ہے کہ ہر ملک کو پہلے اپنے داخلی حالات کو درست اور ضبط کرنا چاہئے، خود مختاریت میں وحدت، اخوت، امن و اطمینان اور باہمی اعتماد کی فضا، حاکم اور محکوم اور اداکار و ماضی غریب کا ایک ہی رنگ، پسوی قوم و دیار کی مانند استقامت و حکم، جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کی تھ سے رہتی ہے اور یہ اسی وحدت میں ممکن ہے جب کہ ادارہ کے طبقہ کے اندر ملک کے نظم و نسق کی ذمہ داری کو خدمت اور غرض سمجھ کر سمجھائے ہوئے ہوں، ان کے سامنے اچے کرسیاں نہیں جگہ ملک و قوم کی صلاح و بہر و جہ، ان کا دامن - ماہ الا حفاظت سے آلودہ نہ ہو اور ملک کے معاشرے میں اخلاق و پاکیزگی کی تسلسلہ رواں دواں ہو، ایسے ملک کی روح اور جذبہ بغیرت کو دنیا کی تمام طاقتیں مل کر بھی مغلوب اور خرب نہیں کر سکتیں !

جس ملک کے بھی بڑے لوگوں کو تمام تر دلچسپی اچے کرسیوں اور پھولوں سے ہوگی جن کے اندر سال - دولت کا لالچ پایا جائے گا اور وہاں کے عوام اوپر دانوں کی دیکھا دیکھی جائزہ اور جائزہ برطریقہ سے مال و دولت کرانے کی ہر میں مبتلا ہوں گے، وہاں بیرونی طاقتوں کو گمان و شیراز کرنے کے موقع آسانی کے ساتھ مل سکتے ہیں، وہ خواص سے ان کی کرسیوں کی حفاظت کے نام پر سدا کر سکتے ہیں اور عوام کے جاہل و سدا و لالچی بیڈسل کو انقلاب تبادلت کی شہ دے کر خرید لے لیتے ہیں، بیرونی طاقتیں اپنے ہارسوں اور سفیراں بھٹیوں کے ذریعہ نصر و ایران سے لے کر جھڑپوں تک کے غلط فہمی سے واقف ہوتی ہیں وہ ابھی طرح جانتی ہیں کہ کسی فرد میں کیا کمزوری پائی جاتی ہے اور اس کمزوری سے کیا، کس طرح اور کب فائدہ اٹھانا چاہئے !

ملک کی اس حالت عوام میں ان کو زیادہ سے زیادہ طاقت و راستہ، نیرسپنا اور صاحب عزیمت ہونا چاہئے، وہ ملک کو خود اور غیر مستحکم ہے بلکہ کے عوام بے فائز ہوں اور اپنے ہمارے شہری حقوق سے محروم ہوں !

تجزیہ اور پوچھنا کہ کیا ہے وہ ایک عام اصول گفتگو تھی، اب ہم پاکستان اور بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں مقصود واقعات

اور صحت حال کا صحیح تجزیہ ہے !

ہندوستان کی تقسیم بڑی ناسازگار نعمتیں ہوئی، کانگریسی نیتوں نے باہل نافرمانی اس تقسیم کو ایک حادثہ کے طور پر نگاہ کیا۔ ہندوؤں کا اتحاد ہندو جماعتیں اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ پاکستان کی تقسیم عارضی ہے، یہ نئی حکومتیں چلیں گی، بھارت کو بہر حال ایک نہ ایک دن "انڈیا" بن کر رہنا ہے ! انگیزے چلتے چلتے کشمیر کا تفسیر کھڑا کریں گے، جس نے دونوں ملکوں کے درمیان مستقل وطن کی طرح ڈال دی ! جب تک مسئلہ کشمیر کا منصفانہ فیصلہ نہیں ہو جاتا پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات خوش گام نہیں ہو سکتے !

اگر کہ ہندوؤں چاہتے تو کشمیر کا مسئلہ حل ہو سکتا تھا مگر ان کے اپنے معیار کا یہی تقاضا ہے کہ مسئلہ کشمیر کشمیریوں میں پڑا ہے۔ اس کا پاکستان اور ہندوستان میں تباہی ہے بلکہ ہمیشہ طغی ہے۔ روس کا یہ موقف دیکھ کر اس نے کئی بار سوچیں کی کوششیں کی ہیں۔ "دیپ" کا قیام استعمال کے لئے کشمیر پر نگاہ کر رہی ہے، روس کی اس روش کے نتیجہ میں ہندوستان استعمار پرانے عمارت کے دھبے سے پھوٹ رہی ہے، اسے یہ کہنے کا حوصلہ پیدا ہو اگر کشمیر کا مسئلہ تو بھارت کا داخلی مسئلہ ہے۔ اور پھر یہ لے "اٹوٹ الگ" تلک جا پھوٹی، یعنی یہ کہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں اور ملکوں کی طرح کشمیر بھی بھارت کا ایک حصہ ہے، جیسے بھارت سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا !

روس کی اس روش کے بعد اس سے کیا توقع ہو سکتی تھی کہ معاہدہ تاشقند کی جدوجہد کے مسئلہ میں اس کی ہمدردیاں پاکستان کے ساتھ ہوگی۔

من جرب الخیر، حلت بہ اللہ امر

یہ غریب المثل بھدی ہو کر دی "آئینی اور دستوری جدوجہد کو پاکستان نے اختیار کر لیا، اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اس مسئلہ کے تفسیر کی آخری صورت برنگ ہی ہو سکتی تھی، جنگ کر کے بھی دیکھی، جس "فتح مبین" کے شہر سے درود لوار کر رہے تھے، اس کا چلن معاہدہ تاشقند کی صورت میں ملا۔

سہ تن ہمد داغ داغ شہد چہ کجا کجا نیم

تاہم ان اور قریبوں سے ہوئی بات ان ہوتی نہیں ہو سکتی، اس معاہدہ کے بعد ہندوستان اس مسئلہ پر بات چیت کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہے ! بھارت کے وزیر برسرِ تخت نے دو ٹوک لفظوں میں کہہ دیا کہ معاہدہ تاشقند کے لئے کشمیر کا مسئلہ دوسرے سے باقی نہیں رہا۔

پاکستان اور ہندوستان کی جنگ میں روس کی ہمدردیاں پوری طرح ہندوستان کے ساتھ رہیں، وہ جنگ کے زمانہ سے اب تک ہندوستان کو اسلحہ دے رہا ہے !

اوپر کے پاکستان کو خارج پاکستان کے اندر ہی سے مالی امداد بھی دی ہے اور سوئی قرضہ بھی ! مگر اس کی سیاست اور چشمِ تبر کا زیادہ بھوکا و ہندوستان کی طرف ہے جنگ کے زمانہ میں اس کا دست امداد و خطا بھارت کے لئے کھلی ہوا راہ بین الاقوامی دنیا میں امریکہ کا سب سے زیادہ قریبی دوست اور حلیف، بھارت ہے۔

چین کے ہم شکر گزرا ہیں کہ اس کی دوستی، عزائم اور سیاسی موقف کا اندازہ کرنے کے بعد بھارت مشرقی پاکستان میں محاذ جنگ کھینے کی بہت نہ کر سکی، چین کی تمام تر ہمدردیاں پاکستان کے ساتھ تھیں۔

ہم اور تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ امریکہ پر یا روس چین جو کوئی دوسری طاقت ان سے تعلقات و روابط قائم کئے جاسکتے ہیں، ان سے سیاسی اور تجارتی معاہدے بھی ہو سکتے ہیں، مگر ان روابط و تعلقات اور معاہدوں میں ملک کی سالمیت، وقار اور سب سے بڑھ کر اس نظر سے کی حفاظت ضروری ہے جس کی بنا پر پاکستان وجود میں آیا ہے۔ ————— خاص طور سے چین اور روس سے تعلقات کا معاملہ بڑا ہی نازک بلکہ لوں کہنے والی ہے، نہ وہ باریک انداز سے زیادہ تیز ہے اور اس سلسلہ میں کمال و دہر کی فراست اور احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ دونوں حکومتیں عقیدہ و عمل کے اعتبار سے کمیونسٹ ہیں اور کمیونسٹوں کی اولین شرط خدا کا انکار ہے ! اور پاکستان کے وجود و بقا کا سارا دار و مدار خدا کے اقرار پر ہے، کمیونسٹوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا کو

تحت ساءد مدحا لادند خدا کو عرض سے تار دینا چاہتا ہے۔ دین و اخلاق اور خدا اور رسول اور شہنشاہ کیونکر ہم کے غیر میں ملے ہو تو شخص دنیا کو اور خدا کی ذات کو فریب دیتا ہے جو یہ کہہ کر میں کیونٹ بھی ہوں اور دیندار بھی ہوں !

میں اٹا تو ای دنیا میں کیونٹ ہم کا اصل مقام بد عیسائیت، ہندومت اور دوسرے روایتی مذاہب نہیں، بلکہ اسلام سے ہے (کیونٹ ہم کا سب سے بڑا حریف اسلام ہے) اس کا سبب یہ ہے کہ دوسرے مذاہب پر چاہا ہوا ہے کہ چند سسول اور عقائد سے اور زندگی کے بعض گوشوں سے تعلق رکھتے ہیں، اسلام مکمل ترین حفاظت عیادت ہے جو زندگی کے ہر گوشہ کو پوشی دیتا ہے، اسلام ہی تنہا وہ دین اور ستر عیادت ہے جو ہر کاہن کیونٹ ہم کا مقابلہ کر سکتا ہے، اسلام دین لغوت ہے اس کے ہر نظریہ قانون، ضابطہ اور عمل میں توازن پایا جاتا ہے، وہ قانون جو لغوت کے عین مطابق ہے کیونٹ ہم کا حال اس کے برعکس ہے وہاں انتہا پسندی اور عدم توازن کے سبب قدم قدم پر فطرت سے جنگ کر رہی ہے، کیونٹ ہم کی عیادت اور بے غریب کا یہ عالم ہے کہ روس کا ہمازا جب چاند کے قریب پہنچ کر زمین پر دایس آتا ہے تو زمین انداز میں کہتا ہے کہ مجھے تو چاند کی نظر میں نہیں آتا، اس سحر سے کہ کوئی پوچھے کہ مذہب کی طرف سے کیا اس کا دعویٰ کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ چاند یا سورج میں بیٹھا ہوا ہے اور کوئی چاند اور سورج میں پہنچ جائے گا وہ خدا کو دیکھ لے گا !

کسی ملک میں کیسا ہی اچھا نظام حکومت کیوں نہ پایا جاتا ہو، یہاں تک کہ وہاں مزدوروں کی حکومت قائم ہو، کیونٹ وہاں بھی چین سے نہیں بیٹھ سکتے ان کا طبع نظر تو کیونٹ حکومت قائم کرنا ہے، ادا اس کے لئے وہ ہر حصہ سے کام لے سکتے ہیں، مثلاً کسی ملک میں انتشار پسید نے کتنے سفاروں سے بھری ہوئی بریل گاڑی کو وہ پٹری سے اتار سکتے ہیں اور ہم سے اڑا سکتے ہیں، زبان، رنگ، لہجہ اور تقریرت غرض میں ذلیلہ سے بھی کسی ملک کی وحدت اور اسالیب کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور طبقاتی تعصبات کو شعلہ میں کٹی ہے، ایسا بھارنے اور بھڑکانے کا کوئی ٹیپوٹوں کو آتا ہے۔

پاکستان میں حکومتوں اور عوام کے درمیان خاصی کشمکش رہی ہے، بعض برا بھلا عوام کے احتجاج نے بڑی شدت اختیار کر لی تھی اور اس لئے اتحاد بھی حکومت کے حکم سے گولی بھی چلی، عوام بھی جلی، اگر پاکستان کی انیس سالہ تاریخ میں یہ امتیاز صرف کیونٹ ہم کو حاصل رہا ہے کہ شہید ملت یا ملت علی خاں مرحوم کے دور حکومت میں کیونٹ ہم نے سطح طاقت کے ذریعہ حکومت کا تختہ الٹنے کا منصوبہ بنایا وہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہوا کہ اس سازش کا بڑھتہ حلیم ہو گیا، نہ یہ سازش کہیں کامیاب ہوئی تو نہ جانے پاکستان کا کیا حشر ہوتا !

کیونٹ ہم جس مقام پر بھی جوتا ہے، اپنے دشمن کے لئے کام کرتا رہتا ہے وہ کسی حال میں بھی اپنے مقصد اور دشمن سے فاضل نہیں رہتا، اسے اپنے مقصد سے بڑی لگن ہوتی ہے !

واقعات و حقائق برسوں سے ہم نے "خان" میں کیونٹ ہم کی فتنس و حرکت اور ان کی سرگرمیوں پر کوئی ترقی نہیں کی، ناں، مشرق پاکستان کے حالات کا جب تجربہ کیا گیا ہے تو کسی بھاد بھاد بری طہ پر ان کا ذکر کیا ہے، ہم یہاں انڈیشی اور دیم داشتہ کی بنیاد پر کی، خصوصاً پگھت گرو کا پسند نہیں کرتے، اور کوئی فرد نا گروہ چاہے وہ ہمارا مخالف ہی کیوں نہ ہو، اس سے بلا وجہ کی پھیر چھاڑ، ہم شرافت و اسالیب کی توہین سمجھتے ہیں ! آج جس مروجہ پیٹ پگھت گرو ہے اس میں جو کچھ ہم نے تسلیم کیا ہے وہ کوئی خیالی مفروضہ اور دیم داشتہ کی بات نہیں ہے بلکہ کچھ واقعات ہمارے علم میں آئے ہیں جو اس تحسیر و فکوشش کا سبب بنے ہیں۔

پاکستان کے بعض اداروں میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہر دیم داشتہ کا کہن مزدوروں میں کام کر کے آئے ان کو مشکلات و مسائل کا پڑا، یہ صورت حال خاصی تشویش کا ہے، ایک طرف اشتراکیوں کے دیم داشتہ ہیں اور دیم داشتہ ہیں، دوسری طرف ان کی دے اور دوسرے کا اثر و نفوذ ! یہ اکاؤنٹ واقعات ریاضی کے قاعدے کے مطابق مفروضہ ہوتے چلے گئے، تو اس کے نتائج کتنے دوسرے اور خطرناک ہوں گے !

پاکستان میں کیونٹ کیا کہہ ہیں ! اس کی زندگی مثالی، پلی آئی، اسے ایرونا میسٹریز دین کا آرگن "مشیر" ہے، جس کے گھر نامہ پر

حیات و کائنات کا تمہی ن -

مردم ہے۔

”منشور کے تحت اشاعتیں ہمارے سامنے ہیں، فوجی اور مدد کے مسئلہ کے مشترکہ نمائندوں میں انڈونیشیا پر جو مضمون ہے اس کا عنوان ہے۔“ امریکی محکمہ سازش کا بیانیہ شکار۔۔۔۔۔ انڈونیشیا۔“

تاکم کیا گیا ہے، یہ پوسٹ کا پورا مضمون کیونٹ انکار کا ترجمان ہے، ایک دو اقتباسات،

● ”بڑی فوج کی کمان سامراج دوست ناموشن کے سپرد کی گئی اور پھر آہستہ آہستہ انہیں فوجی و فوجی بھی بنادیا گیا۔ سامراج دوست ناموشن اور سامراج دشمن ایٹم کی سوئیا کا رزکی مجلس مشاورت میں شمولیت۔۔۔۔۔“

● ”یہ بات بالکل طے شدہ ہے کہ اول اول بری فوج کے سامراج نواز انڈونیشیائی دشمن حلقوں نے کیونٹ پاسنی کی رودبرداری پر بھی ہوئی مقبولیت کے پیش نظر، فوجی بغاوت کرنے اور مدد سوتیکا کی حکومت کا تختہ الٹنے کی ناپاک سازش کی تھی۔“

کیونٹ فوجی مہدی کے خلیفہ انقلاب نے کیونٹ کی کوشش کریں قودہ پاک اور اس انقلاب ہوتا ہے، مگر کیونٹسٹ کے خلاف جو تحریک چلائی جاتی ہے وہ ناپاک سازش ”ہوتی ہے“ اور انہیں کیونٹسٹ کے علاوہ حکومت کا تختہ الٹا جاسکتا ہے اور اسے الٹا جانا بھی چاہئے، کیونٹ کیونٹسٹ کا تختہ الٹنا چاہتا ہے وہ سامراج دوست ہے اور گردن لڑتی ہے۔

● ”انڈونیشیا کے مختلف قائم شدہ محاذوں کو زد کرنے والا، سامراج دشمن محاذ کی متحدہ طاقت کو زد کرنے والا سامراج دوست۔۔۔۔۔ انڈونیشیائی فوجی و فوجی ناموشن زندہ نہ رہ جاتا۔۔۔۔۔ یہ امریکی پٹھانچ گیا اور اس نے ساری صورت حال بدل ڈالی۔۔۔۔۔“

مئی ۱۹۶۶ء کے ”منشور“ میں دنیا نے عرب کی سب سے زیادہ فعال دینی تنظیم ”افغان المسلمون“ کو ”رجعت پسند“ کا خطاب دیا گیا ہے۔

● ”مقبول رجعت پسند مذہبی جماعت افغان المسلمون کی نظریہ فاعل مشرک اور کیونٹ ہے اور تعریف یہ ہے کہ کیونٹسٹ کی نظریہ وہ بددعا انقلابی ہے۔۔۔۔۔ اس کے لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس کا تختہ الٹ دیں۔۔۔۔۔“
 وہ اصل یہ رجعت پسند مذہبی جماعت ہے گھناؤنے معاہدہ کوہاگے کے لئے مذہب کا متدین نام استعمال کرنے سے بھی نہیں شرماتے، حالانکہ وہ ”اسلام“ کے نام پر دینی کھچا نظام دالیں ملا جلتے ہیں، جس میں زمینداروں کو کسانوں پر ظلم کی آزادی ہو۔۔۔۔۔ (صفحہ ۱۲)

● ”اول کر یہ بات فریضہ غلط ہے کہ جماعتی نام کو افغان ”مشرک“ سمجھتے ہیں، جماعتی نام ہر اپنے تمام نظام کے باوجود مشرک اور کافر نہیں ہے، اگر مظلوم ”افغان“ پہ گھناؤنے مقاصد پیدا کرنے کا ہوا نظام لگایا گیا ہے وہ بددعا کا نتیجہ ہے، کیا ”افغان“ مصر میں شراب، فحاشی، سہوکاری، رشوت اور کاسم کی رودبرداری کا رواج دینا چاہتے ہیں؟ حالانکہ وہ ان باتوں پر ایروں کے مٹانے کے دسپے ہیں؟ ”افغان“ جیسے مظلوم و سنجیدہ انسان دوست مظلوم جماعت پر کیونٹسٹ کی ظلم و ملامت دھماکنے، ”مشرقی“ کے سنگسار ہونے اور اسلام و اخلاق سے کھلی ہوئی دشمنی کی دلیل ہے، اور عجیب قدامت ہے کہ امریکہ کے مشہور جریدہ ”نام“ اور نیوزویک نے بھی کیونٹسٹ کی بے نیلے غلامی پر اعزاز اور ان کو رجعت پسند قرار دیا ہے، جب تک اسلام دشمنی کا تعلق ہے روس اور امریکہ ایک جہتی ہو جاتے ہیں، جیسے اسلام ان طاقتوں کا ”مشرک دشمن“ ہے۔“

● ”جب تک مزدوروں اور کسانوں کی حکومت قائم نہیں ہوگی اس وقت تک معاشی استحصال، صوبائی تھیب قومی امتیاز

کی جھڑوں اور تہذیب کی ناکامیچ اطمینان بخش اور منطقی حل ناممکن ہے (منشور مارجون صفحہ ۱۲)

گیرنٹ جب ضروریوں اور اسکی نوکی حکومت" بریتے ہیں تو اس سے ان کی مراد کیسے لٹ حکومت ہوتی ہے! انہوں نے کھوکھلا پنڈت اور احمک خانہ بدوش کے ہاتھ میں پاکستان کے جس شخص، حکمران اور اسے سے بھی تعلق رکھتے ہیں، کان دہلا دیا۔ "گیرنٹ نظام حکومت" قائم کرنے کے لئے زمین ہموار کریں گے!

● "ہمارے دیکھائی فرمانروا جو ہمارے تیس کے مطابق، چین کے بے دین لوگوں کو کٹر پڑھانے لگے تھے، خود بھی بے دین لوگوں کا کچھ پڑھتے ہوئے واپس لوٹے۔"

● "چین کے خلاف امریکہ میں جتنا اثر عیسائی چھپتا ہے، حکمرانوں کی جانب سے منکر اگر فری بانٹا جائے، نماز پڑھنے والوں کو دھم دیا جائے، پاکستانی عوام کے ایمان کو تازہ رکھنے کے لئے، سال میں کم از کم دو بار پابان عربین کو بلوایا جائے، اسلامی ہلاک بنانے کی عملی تیاریاں شروع کر دی جائیں، عالم اسلام کی مشترکہ فوج بنائی جائے، خلافت کو دوبارہ واپس لیا جائے، پاکستان کی جماعت صلیب کے تبلیغی مشن تہن پیچھے جائیں اور چین اور اسلام کے خلاف روپوشا کرنے والے دوست ممالک کو بچہ پرورش پڑی انہیں عطا کی جائیں اعلیٰ زبان عربی قلمرو دی جائے۔" (منظر - ۱۹ - پاکستان سلسلہ - صفحہ ۱۹)

جلالت الملک شاہ فیصل نے اسلامی اتحاد کا جو منصوبہ بنایا ہے، یہ اس منصوبے کے خلاف دل کی بیڑاں لگائی گئی ہے، اسلامی اتحاد کی تحریک کے گیرنٹ کو طرح پرستہ کر سکتے ہیں، وہ تو مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اور پانگ لگی چاہتے ہیں، مسلمانوں کے طبقہ میں ان کا نام نہ سہاں نہ امر ہے، جس نے اسلامی اتحاد کے منصوبے کو سبوتاژ سازش قلمرو دیا ہے۔

سچہ نظر کی نا سلفانی سے فساد

گیرنٹوں کی جراتیں رفتہ رفتہ اتنی بڑھ گئی ہیں کہ وہ پاکستان میں وہ گھڑا کا مذاق اڑاتے ہیں، اسی سلسلہ "منظر" کی منظر کی شامت میں

صفحہ ۲ پر یہ عبارت نظر آتی -

"تبی (یہ) چلاتا ہے، عوام تقدیر میں، عوام بے خطا ہیں۔

پہرہ دار - آوی بے خطا ہے

قیدی - خدا مجرم ہے

صلوات با لگشت (بہت دور سے) مجرم، مجرم، مجرم

پہرہ دار - خدا تم میں ہے

قیدی - اس خدا پر ہم قدرت حاصل کریں گے

پہرہ دار - کیرے! تم خدا کے خلاف کہتے ہو

قیدی - کیا خدا کے خلاف میں کہہ رہا ہوں، یا خدا ان کے خلاف کہہ رہا ہے

یہ قانون، یہ بھینک تہر، یہ ناگزیر جرم، آوی کو آوی سے لڑانے والا، خدا کا انصاف

کی عدالت میں پیش کر دیں، اسے مجرم قرار دیتا ہوں۔۔۔۔۔"

پی آئی اے کے انڈران اعلیٰ اسٹس کے کتا و حتر ان الشعلانی کے فضل سے ملان ہیں، اور کوئی مسلمان کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی توہین نہیں نہیں کر سکتا، کیا یہ مضمون پی آئی اے کے اسباب میں دفعہ کی نگاہ سے نہیں گزرا، اگر نہیں گزرا تو اس بے خبری کو آخر کیا نام دیا جائے، اگر گزرا ہے تو پھر اس مضمون پر شدید ترین تیش لیتا چاہئے، خدا کوئی خریف آدمی اپنے دل ہاپ کے بارے میں کوئی ہلکا لفظ بھی سن گوارا نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ کی شامت میں

مولانا محمد مصطفیٰ (علی گڑھ)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا
وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِآزَنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا

اول یہ کہ آپ کی ذات ہمارے آپ کا وجود باوجود ایک جزو ہے، ایک نمبر ہے، اس لئے فرمایا۔
سراسر ایک روشن کھنڈہ بنا دیا۔

ایضاً۔ اسیہ ظاہر ہے کہ جب چورنگ ستیڑی نہیں بلکہ میڑی ہو تو اپنے مائل کو روشن کر دے گا، اس کا ظل و سایہ بھی نہ ہوگا، سایات میں بھی ہے کہ کان لا ظل و شخصہ فی الشمس ولا قسور اندہ کان ذرا (اشفاقہ بین حقوق المصطفیٰ للعیاض) یعنی حضور کا سایہ نہ تھا نہ آفتاب میں نہ ہاتھ میں، آپ کو نہ تھے، اس سے ذوقاً طور پر مستحب ہوا کہ نبوت میں بھی آپ کا کوئی ظل نہیں ہو سکتا وہ تو لطیف سے لطیف تر ہے۔

دویم، شب حواریہ میں خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ اور ماں سے عزرائیل اور فوق عزرائیل تک ملت قلیل میں، آپ کے گنگشت علی ارض، سراج جسمانی اور ہمارے روحانی کی بین دیں نہیں لوگیا ہے۔

سوم، آپ کے ایک انشا سے سے قریش ہو گیا اور چونکہ قریش کا مزاج بار در طلب اپنی سرور ہے اس لئے اس احتمال کی بھی گنجائش کسی مخالف کو نہ رہی کہ وہ خود جو دشمن ہو گیا ہوگا کیونکہ سرور چیز غیر قسمہ قاسم کے نہیں ہو سکتی، آفتاب پر جو گرم و خشک ہے اگر یہ جزو واقع ہوتا تو خشک و مائی ایسا دم میا کر سستی مائی میں حضرت جابر سے دعایت ہے کہ یہ کیم خطر پڑھتے وقت مدفن خرا کے ایک تنے سے لٹکا لٹکتے تھے جو مسجد نبوی کے ستونوں میں سے ایک ستون تھا۔ جب حضور کے لئے منبر تیار ہو گیا تو اس پر جلد افروز رہنے کا کیا تھا، لگادہ کھوکھلا ستون فرمایا کہ نہ اندر قریب تھا کہ شتم ہو جائے کہ حضور منبر سے اتر آئے اور اس کو چٹا لیا، پس وہ اس بچے کی طرح جس کو روکنے سے عاجز ہو کر شتم کیا جانے لگا یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا گیا، مرابطہ لہزیہ میں اس حدیث کو کثرتاً اور فتح الباری میں اسے مفید یقین کہا ہے اور صاحب شارق نے اس کے قاتل کا اقرار کیا ہے۔

لہذا وقت لہ المیزاج القدیم تختسرا فان فراق الحب ادھی المصائب

(قصیدہ ہانیہ انشاہ الملک الدردی)

ماں تو آپ شاہد ہیں، خدائے قدس کی وحدانیت کی، اس کی عظمت و جبروت کی، اس کی صفات کاملہ کی، اس کی قدرت وسیع اور عظیم کی، شاہد رہتے ہیں اور اپنی حمیت و رسالت کا اقرار کرتے ہیں اشدھان لا الہ الا اللہ واشھدان محمداً عبداً و رسولاً اور یہی نہیں کہ آپ محض شاہد ہوں، آپ محبت شریعہ بھی ہیں یعنی خدائے عظیم و کریم کی امتوں کی لٹ رت دیتے ہیں کہ جس کی اطاعت کرے گا جس کو یہاں بھی حیات طیبہ برکت و نصرت، فوز و سعادت، سکون و طمانینت اور فداں بھی جنت اور جنت میں دائمی عزت کے ساتھ رفعت اعلیٰ کی قربت۔

اندن بر بھی ہیں یعنی خدائے ذوالجلال کے قہر و غضب اور اس کے عذاب و دیوباد و غوری سے ڈرانے والے کہ جو اس کی خیریت کے احکام کو خاطر میں نہ لائے گا اور اس کی محبت کو دل میں جگہ نہ دے گا یہاں بھی ذلیل اور ذوال بھی قرار نہیں ملتا دنیا و آخرت۔

خلاصہ یہ کہ آپ خالق کائنات کے وہ ہے اور عباد اس کے بندوں کو سمجھا دیتے ہیں تاکہ غلبہ نصرت اور دفع مغرت کا مستحکم و جمیع لوگوں کو برائی سے ڈکے اللہ نیکی پر لکادہ کرے اور اہستہ اہستہ سب کی نعمتیں بھی کی رضا اور عباد اس کے طالب ہو جائیں۔

بظاہر مذکورہ پیشتر پر قدم ہونا چاہئے کیونکہ دفع مغرت اہم ہے جب نصرت سے لیکن چنانکہ رحمت الہی غضب الہی پر سبقت لے گئی ہے اس لئے بیشتر کہ مقدم کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اہمیت کا انحصار اعلیٰ نعمت و کثرت ہے۔ اور یہی جبر و جنت ہے۔ یہی سزا و عذاب، وہ بدبختانے حکمت ہے ہر جہت انتقامت ناسانہ اتمام ماست

وہ تعریف تو یہاں لائے کس کو تاہ نیست

لہذا آپ کی وجہ سے تین کتب بہت مدعا ہوتی ہیں کہ مجرب کا فوق سب سے بڑی حمیت ہے۔ (مصحف)

بلکہ میرزا کہا ہے کہ اس مستشرق نے خود روشن ہوتا ہے اور دوسرے کو بھی روشن کرتا ہے۔

۱۔ بیان ایک اشکال ہے کہ عالم اہرام میں جو چیزیں زیادہ روشن تھیں انہیں آفتاب اصدا ت میں ہوتا ہے جو کہ یہ کہ حضور پورہ کرشمہ پانچواں، وہ میرزا شمس المصطفیٰ کا والد کی ہے قیصر نہیں فرمایا، مذکور کی باتیں تو خطای جانے والی تھیں اس سبب انہیں ان کے فضائل و عظمیٰ افعال کا حالہ ایضاً لکھ کر پڑھنے میں آسان ہے اور یہ ہے۔

۲۔ اس طرح کا اطلاق شمس پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ قمری میں ہے سراج معروف الشمس انصرف ان پاک میں بھی تبارک الذی جعل فی السماء بروجاً تہ منہا سراجاً کا اطلاق شمس پر بھی ہوتا ہے اس طرح سراج و سراجا میں آفتاب ہی ملتا ہے، اگرچہ اس کی کوئی مثال نہیں ملے، اور اگر سراج حق تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اس کا جواب یہ ہے۔

۳۔ (۱) نظم شمس میں ہوتا ہے آفتاب کا دست نگر ہے اس لئے بات سے استفادہ تو مناسب ہی نہ تھا اور ضرور اس لئے کہ یہ استفادہ حسن و جمال کی بنا پر ہوتا ہے اور یہی یہ قصور ہے نہیں بلکہ بات روا نہ تھی ہے پھر اسے حضرت بھی ہوتا ہے، حق بھی ہوتا ہے اور جو کہ بعد از نزل بھی ہوتا ہے، یہ غلطی اس کی طرف سے علم لا حقیقت عند حقیقہ ہے اور آپ کا کمال اس میں ہے جس کو مثال نہیں۔

(۲) اب نہ آفتاب اس سے استفادہ جلیل الرحمن پر شدت کی بنا پر ہو گیا ہے اور یہ دونوں بھی بہانہ تھے ہیں، غریب و بیکار ۱۔ آفتاب کو گرفت بھی ہوتا ہے کمال کے بعد زوال اور ظلمت کے بعد انوار بھی ہوتا ہے، حالانکہ حضور بڑا نورانی اور نورانی عالم تھے مستغنی ہیں، یہاں تو عروج ہی عروج ہے، نفاذ کا احتمال بھی نہیں، اسی واسطے تو نہایت میں مذکور ہوا ہے، اسی واسطے کہ وہ ایک دن تھمت علیک کہ نعمتی نے کمال پانچواں پر ہوا مگر گادی۔

۲۔ آفتاب کے متواتر تہ سے کہ گاہ سوخت ہو جاتی ہے اور چلنا کی روشنی سے اس میں سب روشن ہو کر اکثر نگاہ وقت حاصل کرتی ہے۔ ۳۔ آفتاب کی ہائیکر روشنی باوجود اس قدر وسعت کے کہ کوئی غرض نہیں محسوس ہوتی حتیٰ کہ تاریک رات میں روشنی پیدا کرنے والے چورخ کے مقابل میں ایک خاص خاصے کے بعد تاریکی کا بھی مشاہدہ ہوتا ہے، اسیہ ظاہر ہے کہ مشاہدہ اپنے احوال سے زیادہ روشن اور زیادہ جازبِ نظر ہو جاتی ہیں۔

۴۔ حضور کفر و جہالت کی ظلمت شب کو کفر فرماتے ہیں جس طرح چورخ ظلمت شب کو دھوکا ہے آفتاب تو رات کو آتی نہیں وہ چچہ ظلمت شب کو کیا دھوکا ہے گا۔

۵۔ آفتاب کی روشنی سے برض شمع ہوتا ہے، طالب ہیں یا غیر طالب لیکن چورخ سے طالب روشنی ہی فائدہ اٹھاتا ہے، حضور سے بھی وہی لوگ مستغنی ہو گئے ہیں جو طالب ہدایت ہیں۔

۶۔ آفتاب آفتاب روشن نہیں ہوتا لیکن چورخ سے چورخ جلتا ہے اسی طرح بیان شکرانہ بہت سے احوال صحابہ کے قلب روشن ہوتے ہیں، پھر ترجیح باعین کے، اسی طرح قیامت تک عمارتیں باقی احوال و معانی کا سلسلہ جاری رہے گا جو حضور کے اقوال و افعال اور سیرت و احوال سے استفادہ حاصل کرنے میں ہے۔

قرآن مجید کی خصوصیات

اسلام فرقہ پرکشات ہے تو قرآن اس کا منشور ہے اور یہ وہ منشور جس نے امت مسلمہ کے ذریعہ انسانیت کو خداوند تعالیٰ کا آخری پیغام اہم آخری پسندیدہ نظام حیات عطا کیا، امت مسلمہ کو اسی پیغام کا حامل بنا کر ابدی زندگی اللہ سے فرازی عطا کی وہ یہ کہتا ہے جس نے تاریخ کے دھاروں کو موڑا اور اقوام و ملوک کی قوت پر یں بدل ڈالیں۔

۱۔ قرآن کی تعلیمات آفاقی ہیں۔ قرآن کریم کی سب سے اولین خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تعلیمات آفاقی ہی ان میں کسی ایک رنگ، کسی پختہ نسل، کسی تہذیب گروہ، انسانی ایک گروہ یا کسی خاص قومیت کو دیکھ کر نہیں رکھا گیا بلکہ تمام انسانیت انسان کے فساد و

بہبود کے لئے ہدایت دی گئی ہیں قرآن مجید میں بار بار یا ایہا اناس، مملکت اناس، ایہا اناس، کافۃ الناس وغیرہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ مثلاً کافۃ الناس بشر اور انڈیا پر (تمام لوگوں کے لئے خوشخبری دینے والی اور ڈرنا سے ڈالی) اھدی للناس (تمام لوگوں کے لئے ہدایت ہے) ایسی ہی الفاظ اور طرز خطاب سے تمام انسانیت کو یہ کتاب ہدایت دیتی ہے اور کسی آیت کا شان نزول کسی مخصوص واقعہ سے متعلق ہے تو اس میں بھی عمومییت کا رنگ جھلکتا ہے؛ قرآن کریم کی تمام تعلیمات خواہ وہ اصل میں ہوں یا فروعی، کلیات ہوں یا جزئیات، اعمال ہوں یا عقائد، ایسی ہیں کہ وہ تمام انسانوں کے لئے ایک وقت تمام انسانوں کے لئے یکساں لازم ہو کر ایک وقت کے لئے ایک ہی طرح مناسب مفید اور قابل عمل ہیں، انسانی علم کے سرور میں اللہ کی سچ ہوتے جائیں گے اور انسانی معاشرہ جس تہذیب کی رہا جائے گا اور انسانی زندگی کے دائرے جس تہذیب کی رہا ہوں گے قرآنی تعلیمات کی انادیت اللہ تعالیٰ کے احکام سے ہوتی جائے گی۔ قرآن کریم ہر دھار اور زمانہ کی طلب و ترقی کے لئے مشعل راہ اور چراغ ہدایت ہے۔

بعض نااہل، معاندین اور مستشرقین قرآن مجید کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ محض عربوں کے لئے، نہ صرف ہدایت تو ہر گز ہے لیکن ابدی کائنات کے لئے اس کو کتاب ہدایت قرار دینا محض تکلف ہے یہ اعتراض اس لئے اٹھایا جاتا ہے کہ قرآن کریم محض عربوں کے لئے نہیں سائن، عقائد و اعمال کی زیر بحث آئے ہیں جو کائنات کا تعلق نہ تھا وہ عربوں کی قوم ہی سے تھا۔ مثلاً مشرک انسان کے متعلق استعمال۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے اللہ جو عربوں کی طرف سے استعمال ہے وہ بھی عربوں کی نسل ہی کی کتاب ہے۔ جنت اور جہنم کا تصور بھی عربوں کی زبان سے تھا۔ اللہ عربوں کی فخر ہے۔ عربوں کے مصلحت کے لئے یہ تعلیمات صادر ہوئی ہیں۔

یہ اعتراض اس لئے درست نہیں ہے کہ قرآن کریم نے تعلیمات دہیں جن میں سائن پر بحث کی ہے وہ یا ان کے مصلحت سائن اور اللہ تعالیٰ آج بھی موجود ہیں اس نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے لئے جو مصلحت دے، آج بھی ہر معاشرے اور شرک کے خلاف دہی مصلحت دیتے جا سکتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ قرآن مجید نے جو اسلوب بیان اور طرز انجذاب اختیار کیا ہے۔ اس کے انداز اور سبب انجذاب کے قرآن کی ہے تو وہ اس لئے ہے کہ وہ قرآن کے اولین مخاطب تھے مسلمانوں ہے کہ قرآن مجید نے انھیں کا جو اسلوب اختیار کیا ہے اس کے ساتھ کوئی اور طرز بیان کو آپ کی سر زمین کے لئے کسی طرح مفید ہو سکتا تھا۔ حکومت خداوندی کا تقاضا ہے تو اس کے لئے قرآن کی تہذیب جو۔ دلائل اس کو کامیاب اللہ تعالیٰ میرا ہے اس سے چھوڑ سکے انھیں پہلے چھوڑ کر حکومت خداوندی کا تقاضا ہے بھی تاکہ قرآن مجید جو خدا نے دے دیا اور مجھ سے ہے

مستحق جزا مقدر کر دیا ہے۔ تہیاً نا بدکی شیعہ - یہ روزِ ننگ کی ہر ضرورت چہیز کی یہاں (یعنی صلہ) پیش کرتے ہیں۔ مصلحت سے کہ دین اسلام کو ایک مکمل نظم نہ کر دین کے طور پر سمجھا گیا ہے اس کی تعلیمات کے بعد انسان کی حسی و حسی تعلیم کا محتاج نہیں ہے۔ دوسرے کا قرآن کریم ہے، اپنے دامن میں صحت اور دین کی وہ بنیادی تعلیمات بھی محفوظ کر لی ہیں جن کی انسانیت کو ہمیشہ ضرورت ہے گی۔ اس نکتہ کی تفصیل میں مناسب مقام پر آئے گی۔

۴۔ اس کی تعلیمات ٹھوس حقائق ہیں
قرآنی تعلیمات نہایت ٹھوس اور پائیدار ہیں۔ وہاں پیدائش و حیات کے حقائق ہیں، جن کو چونکہ صدیوں میں کوئی فلسفہ رو نہیں کر سکا اور نہ وہ مسائل کی گزروں کے ساتھ کوئی نظریہ نظر انسان کو کھانا دنا تا بن میں ثابت کر سکا

ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ان هذا القرآن یسرہ لی للذی یشئ** اقوم۔ یہ کتاب ایسی ہادی کی طرف ماہمانی کرتی ہے جو نہایت ہی مضبوط اور ٹھوس ہیں۔ یہ ایسے حقائق پر مشتمل ہے کہ نواز کی کریش، علوم طبعی کے کثافات، ذہنی ارتقاء اور معاشرتی تبدیلیاں غرض کوئی بھی علم و ان تعلیمات کو کسی پسو سے کھنڈ نہیں ثابت کر سکتا بلکہ ہمارے علوم میں جس قدر اعداد و ارقام ہیں وہی ارقام میں جس قدر وسعت پیدا ہوگی اس قدر قرآن مجید کی تعلیمات کی حقانیت اور پائیداری ہم پر واضح ہوتی چلی جائے گی لا ایتہاد انہا حل من بین ید یدہ ومن خلفہ۔ باطل ذوق اس کے سامنے سے اور اس کے پیچھے سے آگے۔ یعنی قرآن کے اندر کچھ ہے وہ حق چاہے اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل ہے لہذا وہ اس پر حملہ نہ نہیں ہو سکتا۔ اگر بن ید یدہ سے لے کر مستقبل تک لیا جائے اور من خلفہ سے نواز ایسی لیا جائے تو یہ نکتہ اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی غور رہنی چاہئے کہ قرآنی تعلیمات کو اقوم ثابت کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان کو کچھ زمانہ کر سنی اکتافات کے مطابق ثابت کیا جائے۔ وجہ یہ ہے کہ طبعی اکتافات یا ان اکتافات کے ذرائع، انسانی خواص اور مشاہدہ یا سب چیزیں ابدیت اور مخلوق کا حق نہیں ہیں، ان کو ثابت کرنا بھی حقیقت کے بعد قرآن سے اس کی مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، وہ اپنے اندر کوئی حقیقت ہی نہ رکھتا ہو اکتافات کے تجربات اس کو باطل قرار دے دیں گزشتہ ایک صدی میں سائنس و سیاسیات اور دوسرے علوم کے بعض ایسے نظریوں کو قرآن کے مطابق قرار دینے کی کوششیں کی گئیں، جن کو مقبول عام ہونا نظر آیا، مگر کچھ مدت کے بعد ہی نظریے کھوئے گئے ثابت ہوئے اندرونی حقائق کی روشنی اور بڑھتی اس لئے ضروری ہے حق و باطل کا صحیح قرآن کو قوی کر دیا جائے اور جو نظریہ اس میں پھنسا ہوا ہے اسے اُس کے کسی بھی کچھ بغیر رو کر دیا جائے۔

اس کا ایک پہلو یہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ اگر ہم قرآن کی صداقت کو ثابت کرتے وقت اس کو جدید نظریات کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کریں گے تو قرآن تو صحیحاً صداقت نہ رہے گا، صحیحاً صداقت وہ نظریات ہوں گے جنہیں کو "اقوم" مانا جائے گا۔ حالانکہ بات درست نہیں ہے۔

۴۔ آخری ہدایت
قرآن مجید اللہ کی آخری کتاب ہے، نئی کتاب کے سلسلہ کو ختم کرنے کا غرض بھی قرآن مجید ہی کو حاصل ہے۔ اس کتاب کو لائے کی آخری کتاب اور ضرور سرور کائنات کی اللہ کا آخری ہی ماننے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسانیت کو ہر طرح پرورج حاصل ہو گیا ہے

ادب اس کے کسی نئی ہدایت کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔** لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم کو ختم کرنے والے ہیں۔ ختمِ نبوت کا مفہوم اس معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور مقررہ مسند ہے قرآن و سنت کی پہلی شہادہات اس کی نفاذ کرتی ہیں، دین اسلام کی تعلیمات کا مزاج کسی دوسرے نئے نبی یا کسی دوسری کتاب کے نئے کے ارکان کا وہ وہاں خلق طرہ پر نہ ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں کہیں کوئی اللہ کے حکم نہیں دتا بلکہ یہ شہادہات جاریاتِ نفع میں ملتی ہیں۔ تفسیر شریف کی حدیث ہے: **ان المرسلات والنبوت قد انقطع فلا رسول بعد ولا نبی۔** رسالت اور نبوت کا دھڑا بند ہو چکا ہے لہذا میرے بعد کوئی نئی ہوگا اور کوئی رسول نہ ہوگا۔

۵۔ قرآن کریم نسخ کتب و شرائع
قرآن کریم دوسری آسمانی شہادہات اور کتبوں کا نسخہ ہے جو کہ اس کی تعلیمات تمام ان لوگوں کے لئے ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہیں اور زندگی پر شیعہ کے لئے ہیں۔ اس لئے اس کی مروجہ میں کسی ایسی آسمانی تعلیم پر عمل کرنا صحت نہ ہوگا جو کسی گذشتہ زمانے کے لئے ضرور طرہ یا کسی خاص علاقہ کے لئے ضرور طرہ یا تاریخی کسی قرآن مجید اس سے پہلی آسمانی کتبوں کی اس حیثیت سے

تصدیق کرتا ہے کہ وہ ایک خاص وقت کے لئے نازل کی گئی تھیں اور ان کی اس حیثیت پر ایمان لانا تو اسلام کی شرط ہے لیکن ان کے نہ جاننے کتنے نفسی احکام ہمارے لئے واجب الصل نہیں ہیں۔ مسلموں کا یہ اجتماعی عقیدہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے انصاف و انصاف کے ساتھ انبیائے سابقہ کی طرف سے پر عین کرنا موجب نجات نہیں ہے۔ قرآن و حدیث کے کھرے نصوص کے خلاف ہرگز اگر ہم اس معاملہ میں بہت کر کے نام نہاد و کج المشرقی کا ثبوت دیں۔ مسلمان کریم انسانیت کا آخری نمونہ ہے یہ تمام صحیفہ مسیحی کی مرکزی اور بنیادی تعلیمات کا جامع ہے، قرآن کے ہر سطر کے ابجدی سمیٹنے کی ضرورت نہیں رہی۔

۱۰۔ تحریف سے محفوظ رہا
سابقہ کتب سماوی میں مسلسل تحریف ہوتی رہی انسان کی تعلیمات کو بدل کر کے دیا گیا نہ صرف سنہری تحریف پر انکشاف کیا گیا بلکہ نفسی تحریف بھی کی گئی۔ سابقہ آسمانوں نے تعلیمات الہی کے اس تمام حصے کو بھٹکانا جو انہیں بار بار یاد دلایا گیا تھا۔ انہوں نے اسے بے اعتنائی سے نظر انداز کر دیا اور انہوں نے ان تمام تعلیمات کو بھٹکا دیا جس کی انہیں یاد دہانی کی گئی تھی اور جو باقی رہ گیا تھا اس میں انہوں نے عقلی اور سنہری تحریف کی۔ یحییٰ بنون ابیہلہ من موصاعہ زروہ بات کو اپنی جگہ سے بدل دیتے ہیں (خود بخوبی آسمانوں کے علماء اور فضلہ) کی اس سے انکار نہیں ہے کہ ان کے پاس آسمانی کتاب میں اپنی اصل شکل میں موجود نہیں ہیں ان میں بہت کچھ کتریزت کی گئی ہے۔

لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن ہوائی نیت کا آخری نمونہ ہے اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا۔ اس کا ایک ایک حرف، اس کے کچھ والے کے حکم و وعدہ کے مطابق محفوظ ہے۔ حرف و آیات اور سورت و کلمات اس کی تعداد و مستطیل ہے آج تک قرآن کریم کے ہزارہا ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں اور ہر دورہ رسالہ کے طریق و موصوے میں لاکھوں ہاتھوں نے اس کی کاپیاں تیار کی ہیں لیکن اس کے ایک کپی یا نسخہ میں بھی فرق نہیں آئے۔ یہاں کا غدی جبکہ حلالہ قرآن کریم ایک روشن تہذیب کی طرح ہر دور میں ان گنت حفاظت کے سینوں میں محفوظ رہا، اور سب سے زیادہ دلداروں انسان اس کی طوالت کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

۱۱۔ قرآن الفرقان ہے۔
قرآن کریم حق و حقائق کا معیار ہے، کیونکہ وہ حق تعالیٰ کا کلام ہے اس کے مقابلے میں آئے والی اس سے نکلنے والی تمام چیزیں باطل ہیں، اگرچہ وہ انسانوں کو نڈل اور حقیقت پسندانہ معلوم ہوں، اس لئے ہم اپنے انکار و نظریات اطمینان علوم و

مشاہدات کو اور قرآن سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کو بھی قرآن کی محکم کسری پر رکھیں گے، ہم اپنے انکار کی قرآن کے مطابق تشکیل کریں گے، قرآنی تعلیمات کو طبیعت انکشافات کے مطابق ثابت کرنے کے بجائے طبیعت علوم کی ایسی توجہ کریں گے جو قرآن کے مزاج اور مقصد کے مطابق ہو، ہمیں اس کا بھی جائزہ لینا ہو گا کہ طبیعت معلوم کے مخالف کیا ہیں کسی حد تک وہ قابل اعتماد ہیں اگر کسی حد تک عقلی کا امکان ہے۔ تاریخ سے قرآن کو مطابق کرنے کے بجائے ہم مایہ دینے پرنا چاہتے ہیں کہ تاریخ طبعی کا جائزہ لے کر قرآن کی روشنی میں مرتب کریں قرآن کو کتب سماوی کے مطابق ثابت کرنے کے بجائے کتب سماوی کو قرآن کی روشنی میں جانیں۔ کیونکہ ہماری محمد و مصل اور انصاف کو حق تعالیٰ معیار نہیں ہیں، تاریخ الہی قرآن کی طرح مستند نہیں ہے، ہمارے انکار و انکار و انکار قرآن کی طرف ازلی وابدی اذیت بل تحریف نہیں ہیں اور کتب سماوی اور قرآن کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے یہ وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو "قول فیصل" کہا۔ "انہ یفصل ما ہو با العزائم" بیشک یہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر دینے والا کلام ہے کوئی لغو چیز نہیں ہے۔ (۱۱۷، ۱۱۸) اسی کے ساتھ ساتھ قرآن ہی کو سب سے کتب کا نگہبان کہا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ اس نے ان کی تعلیمات کے جوہر کو محفوظ کر دیا ہے جسے اس سابقہ نے گم کر دیا تھا، "ما نزلنا و ایلک الکتاب با لغو مصیبت" لہذا بین میں یہ بین الکتاب کو مصیبت نہ اعلیہ۔ اور ہم نے قریب جانب حق پر شتم ایک کتاب اتاری، جو سابقہ کتب کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر نگہبان ہے" (۱۱۵، ۱۱۶)

۱۲۔ قرآن مجید ایک معجزہ
قرآن مجید کی ایک نہایت امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خدا کی دلی آپ ہے۔ یہ قرآن کریم کا بہت بڑا سبب ہے۔

سند و مقامات پر قرآن مجید نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے، اولاً یہ بے غمسم انا انزلنا علیک الکتاب سنی علیہم وکیان لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جہاں پر آپ جاتی ہے (وہیکرت) بے شائبہ ہرگز قرآن کریم کو مجسمہ و تہذیبی اور قانون کو پہنچے دیا گیا ہے کہ اگر وہ اسے کام لاتی اور کتاب ہی کی نہیں سمجھ کر کہے تو وہ اس جی کوئی کتاب ہے آمین۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے کسی پہلو اس طرح واضح کیا ہے:

دنیا میں ہر نبی کو کچھ نہ کچھ معجزات دئے گئے جن کی وجہ سے لوگ ان پر ایمان لائے لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے جو معجزہ دیا وہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے محمد پر اتاری۔ لہذا مجھے محمدؐ سے کو تمام امتیاز سے قیامت کے دن میرے متبعین زیادہ ہوں گے۔

ما بین الانبیاء نبی الا اعطی من الآیات
ما مثله اومن اومن علیہ البشر
وہما کان الذی اوتیت دھیا او صاہ اللہ
الی ما جرائی اکثرھم تابعاً فی القیامۃ
دریج بخاری باب الاعتصام

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید خود معجزہ ہے قرآن مجید نے یہ تمہاری کہ کوئی اس جیسی کتاب لائے فاقوا بسورۃ من مشملہ اس جیسی کوئی سورت لاؤ۔ ہر سورۃ مشملہ وادعو من استطعتتم من ذون الہام۔ قرآن جیسی کوئی سورت لاؤ لہذا اللہ کے سوا اس کام کے لئے تم میں کو بھی بلا سکتے ہو بلاؤ۔ ۱۱۰۳۸ آج تک کوئی اس چیز پر کجا جواب نہ دے سکا اللہ نہ دے سکے گا۔ اسلام اللہ کا آخری اور مکمل ترین پسندیدہ نظام ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے آخری نبی اور مکمل بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کی اس حیثیت کا تقاضا یہ تھا کہ آپ کے ہم ترین معجزے اور وحال کی گزشتوں اور زمانہ کے تقاضات سے بلند و برتر اور محفوظ رہیں اور وہ معجزے میں مقنون حکیم ادبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ !

۹۔ قرآن راز فطرت ہے۔ اس سے پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم نے دین کا بنی بنی کیا ہے جو تمام زمانوں کے لئے اور تمام اقسام کے لئے پسندیدہ دین ہے اس کے اصول ناقابل تغیر ہیں وہ "قوم" ہے اور "معجزہ" ہے، وہ ایسے معانی اور ایسی عبارات پر مشتمل ہے کہ اس جیسی کوئی کتاب پیش نہیں کی جاسکتی۔۔۔۔۔ لیکن قرآنی تعلیمات کا ایک وصف نیا پہلو یہ بھی ہے کہ وہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں۔ کوئی اصول ایسا نہیں ہے جو ناقابل عمل ہو، قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس نے فطری تعلیمات چلی کی ہیں۔ اس نے جو احکامات دیئے ہیں وہ نہایت مترادف، قابل عمل اور عام انسانوں کی صلاحیتوں کے مطابق ہیں لا یدکلف اللہ نفساً الا وسعہا اللہ تعالیٰ ہر نفس کو اس کی استطاعت اور بدانت کے مطابق ہی تکلیف دیتا ہے۔ بڑے بڑے مانا غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قرآن مجید کا کوئی حکم ایسا نہیں جو مستعمل نہ ہو یا حکمت سے خالی ہو۔ انسانی علم و تجربہ کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ، قرآنی احکام کی حکمت، گہرائی اور انسانی معاشرے کے لئے ان کی افادیت واضح تر ہوتی جاتی ہے۔



آزمودہ دواؤں کا مرکب انسجائین



Spacie

سردرد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے
یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

01/05

صحابہ کرام للہ مولانا مودودی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مقالہ ۱۔

”خلافت راشدہ سے ملکیت تک“

پہ حضرت مولانا طیف احمد عثمانی نے ”برہان عثمانی“ کے عنوان سے تنقید فرمائی تھی، یہ کتاب جیسا ”فاصلان“ میں تبصرے کے لئے آئی تو اس پر تمام اطراف نے تبصرہ کیا، جیسے ”لہان“ کے دینی ادارے ”فرینڈز پبلیکیشنز“ نے کتابی صورت میں چھاپا اور ایک دو جلدوں میں بھی اس کو نقل کیا گیا، اس طرح اس تبصرے کی خاموشی انتہائی ہی عجیب معلول علمی و دینی حلقوں میں اسے ڈیڑھ کے ساتھ پڑھا گیا۔

”فاصلان“ کے ہر اس صفحہات اس کے گماہ میں کہ ہم نے نقد تبصرہ میں اپنی دانست اور ذوق و معلومات کی حد تک کسی کے ساتھ فرمایا دتی نہیں کی، کتاب کی کھان اور ان کی کمر دیاں یہ دونوں سخت ہم پیش کر دیتے ہیں، وہ جسکی شاعر نے کہا ہے۔

”آئینہ اپنی لطافت کی سنسنا پاتا ہے“

تو اپنے ذوق تنقید کی بدولت ہمیں بھی بعض اہل قسم اشتاعروں کے عقاب و غضب کا نشانہ بننا پڑا ہے، مگر ہمیں اپنے کسی نادار سے شکایت نہیں ہے، جب ہم دوسروں پر تنقید کرتے ہیں، تو خود ہماری تنقید و احتساب سے کس طرح محفوظ رہ سکتی ہے۔

”برہان عثمانی“ پر ”فاصلان“ میں جو خاص طریق تبصرہ ہوا تھا اس پر اس کتاب کے فاضل حضرت مولانا طیف احمد عثمانی (کے صاحبزادے جناب قمر احمد عثمانی نے غنی فرمائی جو بہت روزہ ”شہاب“ کی تین اناختوں (ردہ، رگت، لم، رتیر، اور اکثر تمبر لکھنے) میں چھپ کر منظر عام پر آئی ہے۔

قمر احمد عثمانی صاحب کی شخصیت کا اس اعتبار سے تعارف ضروری ہے کہ صاحب موصوف نے عائی قوانین کی تائید میں سرکاری نقطہ نگاہ کی تمجید اور تخریق کرتے ہوئے، ایک کتاب لکھی جسے ان کی ایک خاتون عزیزہ کھانم سے چھپوایا گیا، تموجاب کے لئے بھالی عمر احمد صاحب عثمانی بیرون سے فتنہ، اکام، سنت کے دست و پاؤں سے ہم سے ہیں، بقریہ پانچ سال پہلے حضرت مولانا طیف احمد عثمانی نے خاک روک لکھا تھا کہ... بیوی عمر احمد عثمانی کا غلام احمد پور سے اختلاف ہو گیا ہے اب ان کے وہ خیالات نہیں ہیں، آپ اپنے رسالہ میں اس واقعہ کا ذکر فرمادیں۔ میں نے مولانا مودودی کی خدمت میں عرض کیا کہ اس اختلاف کی مجھے بھی اطلاع ملی ہے، مگر سنایا ہے کہ یہ اختلاف تنظیمی اور مالی معاملات سے تعلق رکھتا ہے اگر عمر احمد صاحب کے عقائد و خیالات میں تبدیلی آگئی ہے تو ان کی تفسیر چھوڑیے، ”فاصلان“ میں اسے شائع کر دیا جائے گا اس کے جواب میں مولانا مخترم نے کثرت احتیاط سے ایک قمر احمد عثمانی صاحب کی تنقید کا تیسرا پرکٹ مندرجہ ذیل ہے۔

”کچھ دن ہوئے مہما سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے مصلحہ ”تجلی القرآن“ میں ایک طویل مقالہ مذہب سے حریت تک لکھا تھا، جس میں دینی حلقوں میں کافی سانس بڑی، اس مضمون کے اندر تقریر اور طے زبانیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مودودی بھی دوسرے غیر ذمہ دار اسلام پسند کی طرح ”مست حلمات صبا“ کے مروج کی طہارت کو تسلیم نہیں رکھ سکے، لہذا ان کے رشتہات قسم سے ان لوگوں کی تصدیق و انور پر تہذیب و طاعت کے لیے بھی چھینٹے پڑ گئے ہیں، جنہیں دکھانے والے سید داغ بنا کر بھی دکھا سکے ہیں۔“

مودودی نے اس موضوع پر جو مضامین لکھے ہیں، اُسے دیانت و ادراک و دانش و دلوں اور اہل قلم و قلموں کے سامنے پیش کیا جاسکتا ہے، غالباً ان میں کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے گا کہ مولانا مودودی اس موضوع کی طہارت کو تسلیم نہیں رکھ سکے، یا انہوں نے صحابہ کرام پر (معاذ اللہ) طاعت کی ہے، اب یہ ہے یا اہل لوگ جو مسلمان ہیں، چھینٹ کر سید داغ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں، سارے لوگوں کی پیدائشی اور حق پسندی کے خوف سے حقائق کو نہیں چھپایا جا سکتا، اس مزاج و ذہنیت کے افراد نے لکھا ہے اللہ اور ادا پر یہی ایک مصلحت کی اشاعت کا کام لیا ہے۔

مودودی نے حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دربارِ نبوت کے بعض اہم خطبات کو نیز ایک موضوع گفتگو کیا ہے، مگر ان کے جذبہ احترام کا یہ حال ہے کہ لکھتے ہیں:۔

”سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اقربا کے صحابہ میں جو طرز عمل اختیار فرمایا، اس کے متعلق میرے دہم گمان میں بھی یہ شبہ نہیں آیا کہ معاذ اللہ کسی بدینیق پر مبنی تھا ایمان لانے سے ان کی شہادت تک ان کی ہر زندگی اس کی گواہی دیتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفسِ قرین صحابیوں میں سے تھے، دین حق کے لئے ان کی قربانیاں، ان کی نہایت پاکیزہ اخلاق، انسان کے تقویٰ و طہارت کو دیکھ کر آفریوں صاحبِ عافیت گمان کر سکتا ہے کہ اس سیرت و کردار کا ان کی بدینیق کے ساتھ وہ طرزِ عمل اختیار کر سکتا ہے جیسے آج کل کی یہی اصطلاح میں ”نوپس لوارسی“ (NEPOTISM) کہا جاتا ہے، دراصل ان کے طرزِ عمل کی بنیاد ہی حق و انبیا نے خود بیان فرمائی ہے، وہ یہ کہ انہیں صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے، اس کا تقاضا اسی طرح پورا ہو سکتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کرنا، بھی آدمی کے اختیار میں ہو، وہ اس سے دریغ نہ کرے، یہ نیت کی نہیں رائے کی غلطی ہے، یا بالفاظِ دیگر اجتنابِ غلطی غلطی۔“

مولانا مودودی کی تحسین کا یہ اقتباس پڑھ کر جو کوئی ان پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امانت یا ان کو مجروح کرنے کا الزام لگاتا ہے، وہ یا تو پورے دہرے کا کوئل ہے یا مولانا مودودی کی ذات سے شہید گدھ رکھتا ہے، اور انہیں بدنام کرنے کے لئے اس قسم کی غلط ہمیاں لوگوں میں پھیلاتا ہے۔

کچھ صحابی بلکہ خلیفہ راشد تک کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی غلطی کا ظہار، اور اس کی نشان دہی، دینی لفظِ دگاہ سے بے دینی یا گمراہی کی بات نہیں ہے، کوئی ابنِ قسطنطنیہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس امانت میں اظہارِ بدعت کر سکتا ہے کہ کبھی کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خیر خدا کی حق پسندی و حکمت و مصلحت اور تدبیرِ خدا کے گامِ پست پر غالب آجاتی تھی، اس قسم کی غلط طرزِ تعبیر جو عوامی تاہم دینی حقائق و شواہد رکھتی ہے، امانت کا لازم نہیں لگایا جاسکتا۔

یہ تو ناہمیدوں خارجوں اور لافانیوں کا عقیدہ اور مسلک ہے کہ یہ لوگ صحابہ کرام کی ان خیرات اور غلطیوں سے کفر و ضلالت منسوب کرتے ہیں، مولانا مودودی ان میں سے کسی گروہ سے دلدار بھی کوئی تعلق اور ممانعت نہیں رکھتے، انہوں نے اپنی کتابوں میں متعدد صحابہ کرام کے مسلک اور اقوال سے مستند دیکھا ہے اور ان کی تعصبات اور تحسین پر پڑھ کر کوئی شخص صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بدگمان نہیں ہو سکتا، بلکہ ان کی کتاب میں صحابہ کرام کے بارے میں معینیت و محبت اور مسلمانانِ کلمہ پیدائشی میں۔

فائل ناقد نے مولانا مودودی کی تحسیر کا اقتباس درج کر کے لکھا ہے :-

”نہ معلوم آپ جس سال کے بعد کیا انقلاب مدعا ہوا کہ خود مولانا مودودی کا قلم تاریخ کی اسی سیاحت سے حضرت عثمانؓ کی سیاحت کو داغ دینا ہمارے لئے بے باک ہو گیا ہے اور مدعیہ فاسان بھی اسی مسلک کی تائید ہمنوائی میں ایک مدت سے خود تسلیم صرف کر رہے ہیں۔“

مولانا مودودی پر یہ تہمت ہے کہ حضرت عثمانؓ کی سیرت کو داغ دینا ہمارے لئے بے باک ہو گیا ہے، حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے دو صفات کے چنانچہ اضطرابات کے ذکر کر دینے کے پیش پرگز نہیں ہیں کہ ان کی سیرت ہی سرے سے داغ دلا ہو گئی، مولانا مودودی نے جس سال پہلے تاریخی معاتیل کے ضمن میں صحابہ کرام کے بارے میں جو اصولی بات بیان کی ہے، وہ اس پر آپ جو عمل پایا ہیں یعنی مولانا عثمانی کے بعض اضطرابات کی واقعیت تسلیم کر لینے کے بعد بھی انہوں نے بعض مودرن اہل تشیعہ نگاروں کی حیثیت سے حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کی نیت پر کسی شبہ تک کا اظہار نہیں کیا، بلکہ آپ کی سیرت اہل تشیعہ میں اتنی دھارت کا اعتراف کیا ہے!

مولانا مودودی نے مولانا عثمانی کی بعض تاریخی روایات کو نقل کر دینے کے بعد بھی بے باک مودعین کی طرح حضرت عثمانؓ کی نیت اوصیت و کلمہ پر صریح شک نہیں کیا، بلکہ ان سے قطعی و قطعی کو منسوب کیا ہے، یہ دلیل ہے اس احترام و عقیدت کی جو مولانا مودودی تمام صحابہ کرام سے اور خاص طور سے کہ صحابہ سے رکھتے ہیں، تاہم ان کی تحریر کا جو اقتباس تمام صاحب غلبہ مقام میں درج فرمایا ہے اس کی یہ حیثیت ہے، جیسے کوئی کہے کہ تفسیر و تفسیر بعض انبیاء کرام کے بارے میں جو غلط و ضعیف روایات ملتا ہے، صرف اس کو ماننے سے رکھ کر انبیاء کرام کی مقدس سیرتوں کے باب میں کوئی رائے قائم نہیں کرنی چاہئے۔

”صحابہ سے اظہار اختلاف اور ان پر حرف گیری کا حق صرف حضرات صحابہ کو حاصل ہے کسی غیر صحابی کو یہ جانت نہیں کرنی چاہئے“
مولانا عثمانی صاحب نے یہ بات ٹھیک کہی ہے، ہم تو یہاں تک عرض کر رہے ہیں کہ صحابہ کرام پر حرف گیری اور ان کی رائے سے خواہ خواہ اختلاف، یہ مزاج ہی کسی مسلمان کا نہیں ہونا چاہئے، مگر جس مسئلہ میں خود صحابہ کرام کے مابین اختلاف ہو، اس صورت میں غیر صحابی بھی حکم خدا اور اس اندر کے کسی ایک یا چند صحابی کے اقرب الی الخ قول کو اسے سنا ہے اور دوسرے یا چند صحابہ کے قول کو شک کیا جاسکتا ہے، اہم صحابیت کے موضوع پر آگے میں گفتگو کریں گے۔

”صحابی نہیں ہے۔“

اگر اس کی عدالت اور حفظ و ضبط میں شبہ نہ ہو، لیکن تقدیر نہ ہو، جیسے ابوہریرہؓ، انس بن مالکؓ، قرآن اور

ان کی حدیث تیس کے مطابق ہو تو تب اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر مخالفت ہو تو فرضاً (حدیث) چھوڑ دی جائے گی۔

اب اگر کسی پر اعتراض وارد کرے کہ غیر صحابی کو صحابی کے بارے میں یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ ان صحابی ”فقہ“ ہیں نہ تہمت یا دوسرے کہ صحابہ کی طرح تفقہ نہیں رکھتا۔ یہ اعتراض بڑے اعتراض ہے، صحابہ کرام کے کیا وجوہات ہیں، اس کا تین کتاب دست اور خود ان ائوال صحابہ کی روشنی میں غیر صحابی (اہل تشیعہ) اور ابابہؓ رائے نہ کیا ہے، اعلیٰ الی ان صحابہ کے مقابل میں ناسط جانت نہیں ہے۔

مال غنیمت کی قسم کہ گفت بعض انصار نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محمدؐ مہکھا، حالانکہ ہماری تمام دولتوں سے اب تک ترسینے کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں، بعض بڑے مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت (اور دل کو ملتی ہے)۔ (سیرت النبی جلد اول)
انصار جہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے، ان کے اس فعل پر غیر صحابی بھی اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے اور کہنا چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں ان کا یہ اعتراض کی طرح درست نہ تھا اور اس میں ہمارے نفس شامل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عزت و شہادت کو یاد کیا، مگر یہ الفاظ غضب الہی کا سبب بن سکتے تھے؟

واقعہ انکس میں حضرت سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پرنا فقین نے جو تہمت لگا دی تھی، اوداس میں بعض صحابی ایک جگہ بتا چکے تھے، ان کے اس خاص فعل کو ہر غیر صحابی ناپسندیدہ ہی سمجھے گا، یہ تو اہل بیعت کا وہ علم کلام ہے کہ مثلاً قرآن پاک میں حضرت آدم علیہ السلام کے ہر و لغزش کا جو ذکر آیا ہے اس کے بارے میں اہل بدعت نے "عصمت و عظمیت انبیاء" کا یہ عقیدہ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو کہہ سکتا ہے کہ حضرت آدم سے لغزش ہوئی و مگر اہل بیعت کہہ سکتے: یا اللہ تعالیٰ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جانتا تھا کہ اسے نبی! در تمام منافقین کا پورا علم ہم رکھتے ہیں، ہم نہیں رکھتے، مگر یہ بات ایسی نہیں کہ بے گناہ فقین کا دلچسپا لہذا علم اللہ تعالیٰ کو تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گنہ تھا۔

باقسم اطراف نے اپنے مضمون میں لکھا تھا:۔

"حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے نزدیک محترم و مکرم ہیں، ان کے تدموی کی دھول بھی ہم جیسوں پر پڑ جاتے تو ہم پاک ہو جاتیں، لیکن جب ان کی سیرت کا ذکر ہوگا تو مال و اسباب ائمہ دینی و صلوات اللہ علیہم جو وہ نفسیہ رکھتے تھے، اس پر ضرور تنقید کی جائے گی کہ اس سلسلے میں وہ بہت زیادہ شدید و انتہا پسند تھے اودان کے اس نظریہ کے ساتھ دنیا کا کاروبار چلنا مشکل ہے۔"

اس پر محترم احمد رضا فی صا حب نقد جرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"مدام ابوذر غفاری جانتے تھے کہ عام مسلمان بالخصوص حضرات صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اختیار کرنا نہ کوئی فرض نہیں کی لو بہت ہی بے آئے انداز و حد سے زیادہ جو بھی ہوا اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں، ان کے برخلاف دوسرے صحابہ کا خیال تھا کہ کوئی ادا کرتے ہوئے مال جو کہنے میں کوئی قیامت نہیں، جو ہر راست نے اس فقری کو اختیار کیا مگر ضرور نے حضرت ابوذر غفاری کے مسلک کو اپنا ادا دین صحابہ نے مسلک اللہ کو اختیار نہیں کیا وہ صحابہ کی عظمت کے قائل تھے۔"

حالانکہ سنیائے کرام میں خاصاً تو ایسی حضرات کی گزری ہے جو ترفہ کی زندگی بسر کرتے تھے شہنشاہیوں کے یہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تھے! قیمتی لباس زیب تن فرماتے تھے!

اس سلسلے میں تھمہ انشا عشریہ (صفحہ ۱۵) کا اقتباس زیر میں دیکھ کر دیکھتے ہیں:۔

"ای انہ میں عبدالرحمن بن عوف نے رحلت فرمائی، جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے، اصہبت سال مال ترک میں چھڑا، یہاں تک کہ قرض دینیوں و عقیقہ جاری کرنے کے بعد جب ان کا ترکہ تقسیم ہوا تو ان کے مال کا آٹھواں حصہ ان چار عہدوں کو پہنچا تو ان میں ایک عہد کے حصہ میں نہ ہوا، نہ ہوا دیکھتے تھے... مضحکہ باز لوگوں نے اللہ سے ان عبدالرحمن کا حال بیان کیا، ان کی گزارش میں اس معاملہ میں چونکہ سختی گھر کر چکی تھی، اس لئے پیغمبر علیہ السلام کی بات سے سخت برکت ہوئے ان کے دوزخی ہونے کا حکم لگا بیٹھے، جو ان کے صاف مخالفت تھا، کوئی احوال... ان سے کہنے لگے کہ اسے ابوذر! بالاحوال ثابت ہے کہ ملت ضعیفہ آسان ترین گناہ ترین گناہ ہے اور جب مال خرچ کرنا مذہبی ہوتا ہے تو اسے ضعیفہ میں کس طرح واجب ہوگا و ماباات سمجھ کر، البتہ اپنی حدت مزاج کے باعث غصہ سے لال پھیلے ہوئے، اور لڑنے اسے بھڑکی، تھوکر ان سے لے کر کیا واسطہ! اٹھی اٹھا دی اور کعبہ چار کرنا چاہا، کعبہ یہاں سے بھاگ نکلے یہاں تک کہ عثمان کی شہادت تک پہنچے اور کعبہ اسرار نے حضرت عثمان کی پیٹھ کے پیچھے پناہ لی، ابوذر نے کوئی پہلا نہ کی اور لہذا دارالافتی

چونکہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بھی لاشعری کی چھٹ آئی، جب حضرت عثمانؓ غنیہ حالتِ دیکھی تو اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ کتاب کو اہلحد سے بچائیں، کیونکہ وہ یہاں اس لیے قدم رکھے ہیں، یہاں اپنے جگہ ضرب لگائیں اور وہ ان کی موت کا سبب بن جائے۔ (انسداد ترجمہ جلد ۵)

وہ ہذا قسم الحرف نے عرض کیا تھا کہ اس مسئلہ میں حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ شدید اور اہلحد تھا پس لکھتے ہیں۔ اس لیے کہ یہودی تائید مندرجہ بالا آیت سے ہوتی ہے، ہماری بالکل جھوٹا کہنے کا قصہ ہے، چونکہ یہ بات پر بھی، قرآن مجید صریحاً تنبیہ کر چکا ہے۔
تھنا شاعر عشریہ میں حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ کی اس خاص مسئلہ میں شدتِ مزاج پر تنبیہ بھی کی گئی ہے اور حضرت ابوہریرہؓ نے جو اٹھا کہ اب عبادہؓ اور حضرت حماد بن ابی عوفؓ کے بارے میں استعمال کئے ہیں اس کا سبب وہ بشری زہلی ہے جس میں بھی کہا کہ کوئی صحابی رسول بھی بد نہ ہو جاتا تھا لیکن اس کے باوجود صحابہ کرامؓ تابعی احترام میں اور ہمارے عقیدہ میں۔

باقی الحرف نے حضرت مولانا غلام احمد عثمانیؒ کی کتاب "برکۃ عثمان" پر جو تبصرہ کیا تھا اس میں لکھا تھا کہ حضرت سعد بن عبادہؓ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت نہیں کی..... !

اس پر قرآن عثمانی صاحب نے جن کے نام کے ساتھ "شہادت میں" مولانا لکھا گیا ہے، گفت فرمائی ہے لکھتے ہیں۔
"میرے نادان کی تعلیمات کے لئے عرض ہے کہ یہاں حضرت عمرؓ سے بیعت نہ کرنے کا ذکر مراسر غلط ہے، کیونکہ حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کا ہمد خلافت پایا ہی نہیں، وہ فوجی حکمران کی خلافت ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔ (مگر جو بدولت انسداد ترجمہ کے ذریعہ حاصل کئے جاتے ہیں، ان کے ساتھ یہ بھی ہمارے ہیں)....."

حیرت ہے کہ قلم صاحب نے عربی و فارسی کے ترجمہ کے اور ہندوستانی غلط بات کو طرح پر کہ دی انہیں اس کا خیال بھی نہیں آیا کہ ان کی تنبیہ کے بعد اہل عربی کی اصل تاریخ میں اس واقعہ کو یکھیں گے تو ان کی تنقید کی تسلی کھل جائے گی، پھر اصل بحث یہ تھی کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے تہا حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت نہیں کی یا حضرت صدیق اکبرؓ عرف رسول اللہؐ کی بیعت سے انحراف کیا یہ ہر سوال بن کا یہ فیصلہ ناپسندیدہ سمجھا گیا۔
مجھے پہلے۔ اس لیے یہاں بیعت منصفۃ الامامہ کا آئینہ اس کا ملاحظہ فرمائیے۔

"وختلف سعد ابن عبادہ عن بیعتہ ابی بکر المصطفیٰ رضی اللہ عنہ وخرج من المدینۃ ولم یصلحت الیہ ابی ان مات بحمدان من رضی الشام سنین ولفظ مصداق خلافتہ عمرؓ وذلک منہ خمس عشق وقیل منہ اس پر عشق اقیل بل مات سعد ابن عبادہ فی خلافتہ ابی بکر رضی اللہ عنہ منہ احدی عشق (مشہور جلد دوم)

ترجمہ:- اور سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بیعت نہیں کی اور وہ مدینہ سے چلے گئے اور پھر مدینہ میں آئے یہاں تک کہ عثمانؓ میں ہواض شام میں واقع ہے وفات پا گئے۔ یعنی حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں سال گزرنے کے بعد اس پر خلافت کا واقعہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ سترہ سو کا واقعہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سعد بن عبادہؓ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں مسلمہ میں وفات پائی اس کے بعد اس کا واقعہ اس پر ہے۔

- فلہذا یصح سعد ابی بکر وولایہ عن ومار ابی ان مات منہ خمس عشق وقیل مات منہ احدی عشق (جہاد دوم صفحہ ۲۸۸)

ترجمہ:- اس کے بعد ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور نہ عمرؓ کی بیعت کی اور نہ عثمانؓ کی طرف چلے گئے اس کے بعد ابوبکرؓ میں تمام کیا یہیں تک کہ مسلمہ میں وفات پائی اور کہا جاتا ہے کہ سترہ سو میں اس کا واقعہ ہے۔

تاریخ کی دونوں کتابیں یہ بتاتی ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمرو بن العاص سے بیعت نہیں کی، اسناد الغابہ کے مصنف نے تاریخی حقائق سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "قلصیبہ بن سعد ابابکر ولاحمر" یعنی سعد نے نہ ابوبکر کی بیعت کی اور نہ عمرو کی ۱۲ دونوں نے حضرت سعد کی وفات کا سنہ ۵ ہجری لکھا ہے، اسی قیل و قال کے ساتھ ساتھ ۱۱ ہجری جو لکھا گیا ہے وہ بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا چھ خفانت ہے، ان اواخر میں "قیل و قال" کے ساتھ ۱۲ ہجری لکھا ہوا ہے، انوار عثمانی صاحب کی دیانت کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے "قیل و قال" کے جہول اور کمزور انداز بیان کا اپنی تنقید پر ہاتھ نہ لایا ہے۔ ہر مضمون نگار کو حقیقی کے ساتھ ہی بات لکھنی چاہئے، کسی مضمون نگار سے کسی ناقص حالہ یا سرور حافظ کے سبب لکھنے میں کوتاہی بھی ہو سکتی ہے مگر جب اس پر کوئی شخص نقد و احتساب کرے گا ادیب کہے گا، غلامِ واقعہ مضمون نگار نے غلط لکھا ہے تو اس تنقید کو برا اعتبار سے مستند اور ذرا ہی ہونا چاہئے انہوں نے کہ انوار عثمانی صاحب نے غیر مستند اور بے وزن بات کہی اُن کو چاہئے کہ اس سلسلہ پر کسی ذمہ داری اور تحقیق کے ساتھ نقیبات کہا کریں، اللہ اہل علم اُن کی تحسیروں کو ہلکا کر دے وزن نبھیں گے۔

خاک رنے تبصرے میں لکھا تھا۔

تحکیم کے مسلمان حضرت ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ حضرت عمرو بن العاص نے جو معاملہ کیا، اس کی جو کوئی تردید کرے گا مریخی غلطی کا ارتکاب کرے گا۔

انوار عثمانی صاحب اس پر تنقید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"... اس تمام واقعہ میں قابل غم بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے وعدہ نہیں کیا تھا اگر وہ حضرت علی کو معزول کر دیں گے تو جواب میں وہ بھی امیر معاویہ کو بطرف کرنے پر آمادہ ہیں اس کے علاوہ دونوں کی معزولی کا مشورہ بھی انہوں نے پیش نہیں کیا تھا، یہ تجویز ابو موسیٰ اشعری کی طرف سے پیش کی گئی تھی اور انہوں نے عمرو بن العاص کے عرض یہ کہ "دینے سے تو پھر آپ اس کا اعلان کریں" اور خود یہ یاد کر لیا کہ عمرو بن العاص بھی حضرت معاویہ کو معزول کرنے پر آمادہ ہیں، ان کی اس غلط فہمی یا سادہ لوحی کا الزام عمرو بن العاص پر عائد نہیں کیا جاسکتا۔"

ناقص ناقص اس تحریر میں سب سے زیادہ قابل غم بات یہ ہے کہ انہوں نے صحابی رسول حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے "سادہ لوحی اور غلط فہمی منسوب کی ہے حالانکہ وہ خود ہی یہ اصول اور عقیدہ بیان کر چکے ہیں کہ غیر صحابی، صحابی رسول پر تنقید کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

واقعہ تحکیم کے مسلمان "الکامل ابن اثیر (جلد دوم ص ۱۱۱) کے متن کا اردو ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"پھر عمرو بن العاص نے ابو موسیٰ اشعری سے پوچھا بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے، انہوں نے جواب دیا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم ان دونوں کو معزول کر دیں اور پھر اس بات کو مشورہ پر رکھیں کہ مسلمان جس کو چاہیں گے خود اپنا خلیفہ منتخب کر لیں گے، تو عمرو بن العاص نے کہا جو تمہاری رائے ہے وہی میری رائے ہے، تم ان دونوں کو لوگوں کے سامنے پیش کرو جو اس وقت جمع ہیں، پھر عمرو بن العاص نے کہا اسے ابو موسیٰ ان لوگوں کو بتاؤ کہ ہمارا اس بات پر اتفاق ہو چکا ہے تو ابو موسیٰ نے لوگوں کو بتایا کہ ہماری رائے اس پر متفق ہے، اجماع خط سے امیر رکھتے ہیں کہ وہ اس میں اُمت کے لئے بہتری کی صورت نکالے، اس کی عمر وہ بھی تصدیق کر دی اور پھر کہا ابو موسیٰ اپنی بات شروع کرو، ابو موسیٰ آگے بڑھے تو عبد اللہ بن عباس نے ان سے کہا: ارے! مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ تمہیں دھوکہ دیا گیا ہے، کیونکہ اگر تم دونوں کا اس بات پر اتفاق ہو چکا ہے تو پھر عمرو کو تم مقدم کر لو کہ وہ تم سے پہلے معزول کرنے کے مسلمان اعلان کریں، ان کے بعد پھر تم اعلان کرو، کیونکہ وہ دھوکہ باز آدمی ہے لہذا مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ رحمان بنا ہو جائے کیونکہ جب تم گھڑے

ہوئے راہداستان کرونگے تو وہ تمہاری مخالفت کرے گا، اور ابو موسیٰ سادہ لوح (مغفل) تھے۔ اس پر ابو موسیٰ نے کہا کہ ہم نے اس پر اتفاق رائے کر لیا ہے۔ سادہ پر لوگوں کے سامنے اعلان کر دیا، کہ لوگو! ہم خلافت کے اس مسئلہ میں بہت غور و فکر کیا، اس امت کے لئے مسیحی دنیا وہ بہتر مفید اور اس امت کی بہت فائدہ مند عمل بھی ہے جس پر میری اور عمرو کی رائے متفق ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم علیہ السلام و دونوں کو معزول کر دیں اور پھر عوام میں کو چاہیں اپنی پسند سے خلیفہ منتخب کر لیں۔ چنانچہ میں علی اور سادہ دونوں کو معزول کر دیوں اب تم اپنے اس مسئلہ کو خود سمجھا لو اور میں کو بھی اپنی بھروسہ سے اپنا خلیفہ بنا لو۔ اس کے بعد ابو موسیٰ پیچھے ہٹ گئے، اور عمرو نے اندکھڑے ہو کر فرمایا، انہوں نے جو کچھ کہا آپ لوگوں نے سننا انہوں نے اپنے آدمی (یعنی علی) کو معزول کر دیا ہے اور میں بھی ان کے گواہی کو معزول کرنا ہوں جیسا کہ انہوں نے معزول کیا ہے اور اب میں اپنا آدمی معاویہ کو خلیفہ سادہ کھتا ہوں، اس لئے کہ ابن عفان نے ان کو دالی بنا یا تھا اور وہ ان کے خون کے قطرہ بارش اور ان کے سینے نے زیادہ حق و باطل قائم مقام ہیں۔ اس پر سادہ نے کہا اے ابو موسیٰ! تم عمرو کے گروہ میں کیسے گئے، اور اُس کے مقابلہ میں کڑی کیسے گئے، ابو موسیٰ نے (جواب میں) کہا میں کیا کرنا انہوں نے ایک بات مجھ سے اتفاق کر لیا اور مجھ سے پیچھے گئے۔۔۔۔۔

قرآن صاحب نے واقعہ تنگی کے مسئلہ میں حضرت عمرو بن العاص کی تعین و ممانعت کی جو کوشش کی تھی وہ کتنی بے اصل ثابت ہوئی اور اہل طوط نے اس مسئلہ میں جو کچھ عرض کیا تھا اس کی تصدیق ہو گئی۔

میں نے اپنے تجربے میں لکھا تھا۔۔۔

حضرت عثمان کے وقت کی تعین کرنے اور فاضل حضرت دروہا ظفر اور عثمانی ان رہائیوں کو درج کر لیتے ہیں جن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اند حضرت علی کریم اللہ وجہ کا مرتبہ بروج ہوتا ہے۔

اس کے جواب میں عثمانی صاحب نے "رباع عثمان" کی یہ عبارت نقل کی ہے۔

"اگر حضرت علی ان ہوائیوں کی پوزیشن کو مضبوط نہ کرتے ہوتے تھے عثمان کے ہائی تھے، بلکہ خلافت کا منصب سنبھالتے ہی مسلمانوں سے اپس کرتے کہ ان ہوائیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہئے تو حضرت طلحہ و زبیر اور حضرت معاویہ کو مطالبہ دم عثمان کے لئے ناست اقدام کی قربت نہ آتی تھی۔"

معاہدات کو درج کرنے کے بعد، صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ۔

"ہمدی مجھ میں نہیں آتا کہ اس پندی جہالت میں کون سی بات غلط ہے اور کس جگہ سے حضرت علی کی تعین کا پہلو نکلتا ہے۔"

مولانا ظفر احمد عثمانی کے اس جملہ سے۔

"اگر حضرت علی، ان ہوائیوں کی پوزیشن مضبوط نہ کرتے، ہوتے تھے عثمان کے ہائی تھے۔۔۔"

رت علی کے "موت" پر کوئی حرف نہیں آتا!

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے اپنی کتاب "رباع عثمان" میں یہ لکھا تھا۔۔۔
ابن عباس کہ: "و غیرہ نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے، حضرت عمر کی وفات اُس وقت تک نہیں ہوئی

جب تک قریش ان سے اگت نہ گئے، انہوں نے قریش کے (مجاہدین) کو مدینہ میں محصور کر دیا تھا۔ اس کی تعدیل و مداخلت یا تاویل کی جوت قراحمہ صاحب ہیں کہ کہے! ہم نے اپنے بھروسے یہ کیا تھا کہ۔

”حضرت عثمان غنیؓ کے دربار خلافت کے سند میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی رعایتوں کو نقل کیا ہے، اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کیساتھ مولانا خطراحمہ عثمانی نے بھی رعایتوں کو دہرایا ہے اس صورت میں مدایات کے نقل و اعادہ سے۔“ نقد و جرح کی بوجہ صحت پٹنی آتی ہے اس میں دلائل بزرگوں کا ایک ہی موقف ہے۔

”یہ بات اپنی جگہ ثابت ہے کہ مولانا خطراحمہ عثمانی ایسی رعایتوں کو اپنی کتاب میں دہرایا ہے جو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے موقف کے باسیں۔“ نقد و جرح کی کیفیت پتلی کرتی ہیں اگر کیا کرنا گاہ ہے، تو۔

سہ اس گناہیت کہ دہرہر شمشاد نیر کشند۔ اگر یہ جرم ہے۔

تو اس طرح حضرت مولانا خطراحمہ عثمانی اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ایک ہی جیسے جرم کے جرم ثابت ہوتے ہیں!

قراحمہ عثمانی صاحب کی تنقید ان جملوں پر ختم ہوتی ہے۔

حق و باطل

”مضمر خاصہ جو میں ہو گیا ہے، اب ہم اس کو اس ڈھار فہم کے ہم ہیں کہ کاش! مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، صاحب نامہ القادری انسان کے ہم نہیں بلکہ حضرات ائمہ خیرین کے مطالعہ سے اس حیثیت کو سمجھ سکیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان پیش آنے والے واقعات و اختلافات میں نسبت حق و باطل کی نہیں مابعد و مر جرح کی ہے اور یہ کہ منہاجات صحابہ کا موضوع جرح کے بجائے تعدیل کا مستحق ہے۔“

یہ تو عجیب و غریب الگائے ہے کہ جس وقت وہ مصنفین کی بگلیں ”مابعد و مر جرح“ موقوف ہو جاتی ہیں! ان بگلوں میں صحابہ و انصار و اہل بیت علیہم السلام اور صحیح اہل حق و باطل کی سرے سے کوئی نسبت ہی نہ تھی! حالانکہ اہل سنت و الجماعت کے عہد کا مسلک یہ ہے کہ اصل و معین اہل حق و باطل و معین اہل حق و باطل (رضی اللہ عنہما) کے درمیان آویزش ہے۔ حق علیٰ کریم اللہ وجہ کے ساتھ تھا۔ اور اپنے معنایں میں ہی موقف مولانا مودودی نے ختم کیا ہے۔

نقد حنفی کی معروف ترین کتاب ”ہدایہ“ میں مابعد و مر جرح لکھا ہے۔

در بحر جواز التقلید من السلفان ایچا تو۔ کما یجوز من العادل، لان الصحابة یقلدوا من معاویہ

الحق کان پیدا علی فی قوتہ۔

دیگر جائز ہے، قاضی بنانا سلطان جائز کی طرف سے، جس طرح جائز ہے، عادل کی طرف سے، کیونکہ صحابہ و انصار کی طرف سے قاضی مستند ہوتے اور حق حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا۔

علامہ مرغینانی صاحب ہدایہ نے اس عبارت میں حضرت امیر معاویہؓ کو ”سلطان جائز“ کہا ہے اور حضرت علیؓ کو ”حق پرستان“ یا ”خاطر ہے کو علی حق پرستے“ تو ان کا مخالف ”نافع“ پر تھا۔ ہمدانی نظر سے آج تک کوئی ایسی تحریف نظر نہیں آئی کہ جس میں صاحب ہدایہ پر توہم صحابہ کا التزام لگایا گیا ہو یہ کتاب (مدایہ) اس عبارت کے ساتھ مصرعوں سے نقلی ہے اس کے۔ درمیان پر جانی جا رہی ہے، اگر صاحبی رسولؐ کے کسی شخص پر تنقید گناہ ہوتی تو نقد حنفی کے ساتھ بڑے امام اس میں غلط نہ ہو جاتے اس کا ان سے یہ نفس سستہ ہو گیا تھا تو دوسرے علماء مابعد و مر جرح نہ کرتے۔

قراحمہ عثمانی صاحب نے اپنی تنقید میں صاحب ہدایہ کے قول سے اختلاف کرتے ہوئے یہ بھی بات لکھی ہے کہ امیر معاویہؓ کے باسیں، امام اعظم کا یہ مسلک نہ تھا انہیں امام موصوف کا قول نقل کرنا تھا، پھر انہوں نے اس سے زیادہ یہ بھی بحث۔ ”ارجاع“ کی پھیل دیا ہے، حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما عمل صالح کو اسلام کی مدد سمجھتے ہیں مگر عمل کو ایمان کی لازمی شرط قرار نہیں دیتے، اس سے قطعاً ان کا یہ کہہ کر دھوکا ہوا کہ ”موجزہ“ مسلک کہتے تھے، حالانکہ نقد حنفی

اور اس مسلک کی تردید کی تھی ہے۔ امیر مہین کا مسلک توفیق و توفیق پر ہادی کو دیر بنا ہے، حضرت علی اور امیر معاویہ کے باہم جدال و نزاع کے سلسلہ
 ارجاء کی بحث کا ذکر سمجھ میں نہیں آیا۔ کاش، فاضل تہذیب و تمدن، طبع و ادب، اہل اربعہ فرمایا نہ فرماتے۔
 صاحب ہدیہ کے قول کے بعد المسامرہ شرح المسامرہ (جلد ۳) کی عبارت ملاحظہ فرمائیے :-

”واعلم انما قد رافق اهل الحق و هذا اهل السنة والجماعة رضي الله عنهم على ان معاوية
 و امام خلافة (علی رضی اللہ عنہ) ومن الملوك لام من الخلفاء واختلاف مشاغلنا في امامة
 اى امامة معاوية (بعد وفاة علی رضی اللہ عنہ) فقتل صاماً صاماً (العتق للابن عبد
 روقيل) الام اي له يص اماماً (بقوله عليه الصلوة والسلام ۱۲) خلافة بعدى ثلاثون
 شهراً يص ملكاً عضوضاً“

اردو ترجمہ: اہل حق بھی اہل سنت والجماعت نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ معاویہ حضرت علی کی خلافت کے زمانہ میں باوثاقوں میں سے تھے، خلفاء
 میں سے نہیں تھے، اور ہمارے مشائخ نے ان کی امامت کے بارے میں اختلاف کیا ہے، حضرت علی کی وفات کے بعد بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ امام بن
 گئے لیکن اسان سے معیت لی گئی تھی اور بعض کہتے ہیں نہیں وہ امام نہیں تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے بعد نہیں
 سالی خلافت رہے گی، پھر لوگ عرض فرماتے ہیں امام

اس پہلی عبارت میں حضرت امیر معاویہ پر نفرت و رجحان ہی کی پہلو نکلتا ہے اور اس عبارت کی بناء پر صاحب المسامرہ پر صحابہ کرام کی امانت یا
 کا ہٹاؤ نہیں لگایا گیا!

حاشی پر صاحب نے اپنی تنقید میں کسی حد تک بغیر زہد و عمارت کے بارے میں ایک عبارت لکھ دی ہے، حالانکہ جامع ترمذی کے صحیح الفاظ یہ ہیں :-
 ”من ابی حربیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابش یا عمار تعلقک الفتنۃ الباقیہ
 (من السطور میں لکھا ہے :- مثلاً اصحاب معاویہ)“

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حضرت علی سے جنگ کرنے والے باغی تھے
 اور امامت مولانا احمد علی محدث بہار نے اپنی اس حدیث کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ”الفتنۃ الباقیہ“ سے مراد معاویہ اور ان کی جماعت ہے۔

فیض الباری میں حضرت مولانا اور شاہ صاحب اس حدیث پر طویل تبصرو فرماتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں کہ :-

”علمائے ہما ہے کہ یہ حدیث بالکل کھلم کھلا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ علی حق و صواب پر تھے، اور دوسرا گدہ
 باخیر کا تھا، لیکن وہ مجتہد تھے اس لئے ان پر کوئی فتنا نہیں“

جہرہ ہے کہ خلیفہ راشد کے مقابلہ میں بغاوت کو اور حق و باطل کے موقوفہ و موقوفہ عثمانی صاحب فقہی بیانات کی طرح راجع و مرجوز صبیحہ بنی
 سمجھتے ہیں، اور ان کی رائے کو اگر خدمت مان لیا جائے تو صحابہ کرام کی کتنی تباہی ہے کہ وہ راجع و مرجوز سب ہیں، ایک دوسرے سے فوجیں جگلیں کیا کرتے تھے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوہریرہ کے باہم ایک مکالمہ کو نقل فرمایا ہے جس کے آخری الفاظ

ہے :-

”معاویہ کا شرعی میں کیا وزن، وہ تو ظلمات میں سے ہیں، جن کے لئے خلافت ہو ہی نہیں سکتی، وہ اور ان کے والد

سروا مالہ الخراب میں سے تھے“ (مقصد دوم صفحہ ۲۴۴ - ۲۴۹)

جمع الخواص من جامع الاصول و مجمع الزوائد، امام محمد بن محمد سلیمان (رحمۃ اللہ علیہ) میں ہے کہ جہرہ صفین میں حضرت عمار نے خدا پانی نبال سے یہ حدیث

حضرت عمرو بن العاص سے بیان کی، تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، جب حضرت عمارؓ شہید ہو گئے تو :-

”عمر بن العاص رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا، کیا آپ نے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبویہ سے تھوڑے فاصلے پر نماز پڑھتا تھا، تم جہاد پر جلیس ہو، تم جلیس ہو، تمہیں باقی کچھ تفقہ کے گا، معاویہ نے کہا ہاں، ابھی نے سنا تھا تو عمرو بن العاص نے کہا آپ لوگوں نے انہیں قتل کیوں کر ڈالا اس کے جواب میں معاویہ نے کہا :-

”ہم نے کہاں قتل کیا ہے، انہیں تو اس نے قتل کیا ہے جو انہیں میدان جنگ میں لے آیا۔“

حضرت معاویہ کے اس عجیب و غریب جواب پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر معاویہ کی یہ دلیل درست مان لی جاسے تو پھر اس کے یہ جہنی ہونے کے بغیر وہ احدیں امیر عمرہ رضی اللہ عنہ کو معاذا اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا تھا۔

اس سلسلہ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کیا فرماتے ہیں :-

بالجہد اصل میں امت کو دے دینی معاویہ مرام رنگب
کیسہ باید دانست و زہن اذلعن وطن بند باید نمود
والا ما یقالی فی من زنی و من زنی من شرب من العصاب
رضی اللہ عنہم اجمعین و در ہر جائے خطائے جہاد وی را
دفع و اونی خالی از مساحت نیست -
الغرض درست یہ ہے کہ انہیں رضی معاویہ کو کبیرہ کا مرتکب
جاننا چاہئے اور بدین معنی وطن بند رکھنا چاہئے ورنہ ان
صحابہ کے پاس سے یہ کہا جائے گا جن سے نسا اور شراب نوشی
سزا دہنی اور ہر جگہ خطائے جہاد کی کو دفع دینا کوئی تعزیر
کی بات نہیں ہے -

رضاد فی عزیزی ص ۱۳۴

اس کتاب رضاد فی عزیزی ص ۱۳۴ میں یہ تک ملتا ہے :-

”ابن مسعودؓ اور عائشہؓ نے انسانی نفسانی نہ کہو“

انما لہ الخلفا میں شاہ ولی اللہ دہلوی نے المستدک کی بعض روایتیں نقل کی ہیں، جن میں بنو امیہ کی مذمت وارد ہوئی ہے مگر ہم ان حدیثوں اور روایتوں کی یہاں جان کر نقل نہیں کرتے کہ صاحب المستدک دھاکم پر تشبیہ کی جانب خاصے میزان کا التزام لگایا گیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو خدا نخواستہ دفع و خروج کی طرف مائل نہیں ہیں، وہ ملازم الشریعت ہیں لکھتے ہیں :-

”گفتہ اند محمدان کہ ثابت شدہ است و فضل معاویہ بیج حدیث (ص ۵۴)

”محدثین نے کہا ہے کہ فضل معاویہ میں ایک حدیث بھی ثابت نہیں ہوتی“

علامہ ابن عبد البر نے ”الاستیعاب“ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اس کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے :-

”ابو ہریرہؓ نے کہا میں نے امیر المؤمنین سے روایت کی ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا :- کہ وہ کچھ لکھیں اس

نسا کہ اگر کہا کہ وہ کھا کھا رہے ہیں، تو میری رضعت معاویہ کی طرف سے یہی جواب آیا کہ وہ کھا کھا رہے

ہیں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- لا شیئ اللہ بطنہ“ اس کا یہ کچھ نہ بھرے“

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب ”اشعۃ المعانی“ میں اہم نسا کے واقعہ کو بیان کرتے ہیں :-

”مصریہ شق آمد“ و اہل ناحیہ لوقی لہ مسجد باؤ گفتند چہ کی گوئی در حق معاویہ و چہ جزہ فضل آورد و شہد آورد

جواب میں گفت :-

اما رضی معاویہ ان یخس جہا لیسہا ہر اس حق بفضل

مصلحتاً کہ گفت نمی شناسم هیچ فضیلتی الا لا اشیع اللہ بطنہ میں مردم بغا مستند وہ دوسے پیچیدہ،
وہ جو میتہا کہند وہ چنداں زندگی کرتا از مسجد بیرون آوے زندہ و او را بہ درگاہ بردند و اذ آنجا بہت بیمار
شد و دہائی بیمار کی برقت از دنیا رخصتی ۱۰۸

”معرے وقت آئے اندوشت والوں نے ایک ہاتھ میں امام نسائی سے دینا نہ کیا کہ آپ معاویہ کے ہاتھ میں کیا
کہتے ہیں امدان کی فضیلت میں کون سی بات آئی ہے انہوں نے ساقی کے جواب میں کہا کہ معاویہ ہمسہ ماہی نہیں کہ ہمسہ
سراہی چھوٹ جاتی ہیں چہ جائیکہ ان کی فضیلت میں کوئی چیز وارد ہوگی ہوا ایک روایت میں ہے کہ میں نے ان کی فضیلت
میں اس حدیث کے امدان کوئی حدیث نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”الانسان کا پیٹ کبھی نہ
بھرے“ میں اس پر لوگ ہنسنے لگے امدان نے پہلٹ گئے انسان کی بڑی بے حیائی کی انسان کو مارنا شروع کر دیا،
پھر انہیں مسجد سے باہر کر دیا گیا اور عمدہ پہنچا دیا گیا وہ اسی رخصت سے بھیجا ہوا ہے اور اسی بیماری میں دینا سے
کوچ کر گئے ہیں

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد ہم نے احادیث کے بعض مجموعوں کو دیکھا، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
نہاں مبارک سچند دعائیں امیر معاویہ کے حق میں ہیں۔ یہ کہ اسے اللہ انہیں حساب و کتاب دے گا، لکھا کہ ان کا حساب (مکھا)۔ اور عذاب سے
بچا، حیرت ہے کہ کتنا اعمال میں وہ روایت نہیں ملی، جس میں امیر معاویہ کے ”بڑی دھمکی بنائے جانے“ کی دعا کی گئی ہے، انبالہ رسالت کسی کے لئے
دعا یہ بھی فضیلت و شرف کا باعث ہے، مگر دعائیں روایتوں کے علاوہ دوسرے صحابہ کے نفاذ والی احادیث کی طرح کوئی حدیث، امیر معاویہ کی
شان میں نہیں ملی۔ جس طرح حضرت زبیر ابن العوام کو حضور نے اپنا ”جوانی“ کہا ہے یا خلفائے راشدین کی فضیلت میں صرف دعائیں نہیں
احادیث بھی وارد ہوئی ہیں، البتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ کے ٹھٹھا ہاٹ دیکھ کر انہیں ”کڑے عیب“ کہا تھا۔
دینی خدمات میں زہد و ورع میں، علم و عقل میں امدان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ترقوت و معیت میں حضرت علی اور حضرت معاویہ کا کیا

مقابلہ، دینی جذبہ کے تحت ہی جمہور علماء نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تعدیل اور مصلحت کی ہے!
گوئی ترک نہیں حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ”ندامت“ لکھا نہیں رجوع کا موقع دیا امدان کا معاملہ صاف ہو گیا مگر امیر
معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے، خلیفہ راشد علی کرم اللہ وجہہ نے انہیں گد زخمی سے فرماست کیا، امیر معاویہ نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی
اور خلافت راشدہ کے معاملہ میں اپنی امانت کو بڑھسا رکھا، خلیفہ راشد سے جنگوں میں امیر معاویہ کی حیثیت ”باقی کی سعی“ انہوں نے اپنے بیٹے
فرید کی ولیمہ جہدی کے لئے بیعت کے کرا سلام میں ”مناکرت“ کی بناؤں مل ہی، ان کھلے ہوئے واقعات کی مدنی میں نرم سے نرم الفاظ میں بھی طرہ پر کہا جا سکتا
ہے کہ امیر معاویہ کو حکومت امدان کی لڑائی سے ذاتی طور پر دلچسپی تھی، ان غصیوں کے باوجود حضرت امیر معاویہ کا شرف حمایت اپنی جگہ ثابت ہے بلکہ
ان کے نام کے ساتھ ”رضی اللہ عنہ“ لکھتے ہیں اور کہتے ہیں۔

لہ ہم نے اپنے اس مضمون میں جناب محمد نواز دایم نے کے سمدے سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اس سمدے کی بعض روایتوں کا اصل کتابوں سے
ہم نے مقابلہ بھی کر کے دیکھا ہے، کتنی ہی دعائیں اصل کتابوں میں مل گئیں۔ مگر بعض کتابیں دستیاب نہ ہونے کے سبب، بعض روایتوں
مقابلہ نہ ہو سکا۔ لیکن صاحب موصوف پر ہمیں اعتماد ہے کہ خدا انہوں نے امدان کے رفیق و معاون اہل علم نے اصل کتاب یا اس کا
لہ و اقتباس دیکھ بغیر کوئی دعا بت نقل نہیں کرے گی۔ لہ یہ کہ کسی کتاب ہی میں کسی شریہ نے تحریر کر دی ہو۔

دم۔ قی۔ م

امیر معاویہ کے چھپتے بیٹے زید کے بارے میں ہم خود کیا کہیں، اس کی ناپسندیدگی پر ساری امت کا اجماع ہے اس کے منہ میں، مگر وہ اور۔۔۔ ناپسندیدہ ہونے کا معاملہ اس حد تک پہنچا ہے کہ امام احمد رضا نے تو اسے کافر تک کہہ دیا ہے۔ (المعارف صفحہ ۳۱) اور خراج عقائد نفسی میں بھی اسی خیال کی تصریح کی گئی ہے!

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

۱۔ علامہ نوویؒ کی اس عبارت کے مطالعہ کے بعد مقدمات گزشتہ کی تصدیق ہو جاتی ہے، پس اہل سنت کے

اصول پر زیدؓ کی سابق حالت بدل گئی، بعض کے نزدیک کافر ہو گیا اور بعض لوگوں کے نزدیک اس کا کفر

ثابت نہیں ہوا، بلکہ سابق اسلام، نفس سے محفوظ ہو گیا، اگر امام موصوف نے زیدؓ کو کافر سمجھا تو اس پر خود

کرا نہیں کیا غلطی فرمائی، امام احمد کو بھی بات پسند آئی (بحوالہ کتابات مولانا حسین احمد علی فرح)

مگر یہی بات یہ ہے کہ زیدؓ کی تکفیر کا فتویٰ عقیدہ اہل سنت کے درست نہیں ہے، ان! وہ امت کے لئے ہر لمحہ ہے، ان علماء کو کیا کہنے جو دیوبند سے شرف

نسبت رکھتے ہوئے زیدؓ کو حضرت اور رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، اور اس طرح ظالم حاکموں کی بہت افزائی کا سبب بنتے ہیں!

امیر معاویہ کو حضرت معمر بن ابی شیبہؓ کی طرف سے ہتھیاروں کی پیشکش کی گئی تھی، اس کو بھی پسندیدہ نہیں سمجھا گیا،

ابو ایوبؓ کے لئے راست حضرت عمرو بن العاصؓ کی سیاسی حکمت عملی پر چاریر معاویہ کی حمایت میں تھی، اگر تہی ہی کی جائے گی۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا ان واقعات و معاملات میں وہی موقف ساجے جو محمدؐ کا برائے اس لئے ان پر توہین صحابہ اور رفق و

خارجیت کی طعنہ عدل و انصاف کا خلاف ہے!

خلافت عثمانؓ حضرت صدیق اکبرؓ نے رضی اللہ عنہ کی نیکی، زہد و ورع، بے نفسی و پاکیزگی اور بارگاہ رسالت میں آپ کو جو محبوبیت اور تقرب

حاصل تھا اس کا اعتراف مولانا مودودیؒ نے اپنے مضمون میں کسی تشابہ و ایہام کے بغیر واضح لفظوں میں کیا ہے۔۔۔ اس کے

ساتھ وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں بعض ایسے اضطرابات نمایاں ہوئے، جن کا خلافت فطین میں وجود نہیں ملتا اور

حضرت فطین کے دور خلافت کا طرز عمل پوری شانِ نبی کے ساتھ خلافت عثمانؓ میں اس طرز سے عکس نہ ہو سکا کہ کوئی انگلی اٹھانے کی جرأت نہ کر سکے۔

مثلاً تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۸ میں لکھا ہے:۔

وكان كثير ما يروى عن امية من لم يكن له مع رسول الله صلى الله عليه وسلم مكان يجلس من امرائه

ما ينكحها صحابہ محمد وكان عثمان يستعذب فيمسه فلا يذير لهم قولك في سنة خمس وثلاثين سنة

كان في الست الا اذا حض استأذن في عهد فولا هم وما اشرك محمد و امر يتقوى الله

اور حضرت عثمانؓ کا زہنی امیہ سے والی بنایا کرتے تھے جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہ اٹھائی تھی، وہ امراء ایسے کام

کرتے تھے جو امراء صحابہؓ کو پسند نہ تھے، اور عثمانؓ سے ان کے بارے میں مواخذہ ہوتا تھا اور یہی آپؐ ان کو معزول نہ فرماتے تھے

یہ شہدہ مجری کا واقعہ ہے لیکن آخری پھر سب اہل عثمانؓ نے اپنے ہی علم کو ترجیح دینا شروع کر دی اور اپنے ہی علم کو والی بنایا

انسان کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کیا، اور ان کو تقویٰ کا حکم دیا۔۔۔

مولانا غلام حسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:۔

”مگر اس کے ساتھ یہ کہنا چاہیے کہ آپؐ (یعنی حضرت عثمانؓ) کی یہ نرم مزاجی اور نرمی طبیعت نے لوگوں کی ہمتیں بلند

کر رکھیں اور انہی حد تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت کے متعلق جو کچھ وہ کر سکتے تھے، کرتے رہے، لیکن

عقرب علم ہوا کہ " حدیث " میں نقد کی ابتداء جن لوگوں کی راہ سے ہوئی، یہ وہی تھے جن کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرم حکومت نے بد بختانہ جباروں کے ارتکاب کے مواقع فراہم کر دیے (دعوتِ حدیث ص ۱۳۲) دیوبند سے جلد دارالعلوم حضرت مولانا قادی محمد طیب صاحب کی نگرانی اندر پستی میں شائع ہوتا ہے حضرت مولانا الانشاء صاحب کے صاحبزادے اس کے ایڈیٹر ہیں، دسمبر ۱۹۶۹ء میں ایک مضمون مولانا محمد میاں — عرف مولانا منصور انصاری صاحب مرحوم کا شائع ہوا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں — " یہ سائنس بھی ہم کو تاریخ صحیح کے صفحات پر چھپا ہوا ملتا ہے کہ حضراتِ حقین رضی اللہ عنہما کی مضبوط قیادت کے بعد عالم اسلام کے شہرِ عسکروان اموی نے حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ کے ضعفِ پیری اندھا سے استفادہ کر کے ہمت و دلیری پر دستِ تعریف ہاکر اپنی قوم بنی امیہ کے احساسِ قوی کو نہ کہ جگا یا بلکہ اس کو بنی ہاشم سے دستِ دگیاں کرنے کے لئے میدان میں بھی لے آیا "۔

اسی مضمون میں چند سطروں کے بعد مولانا محمد میاں نے جو دیوبند کے اکابر میں شمار کیے جاتے ہیں اور حضرت شیخ الہند کے بیتِ یانہ تھے وہ حضرات عثمانی کو "مہذبہ ضیافت عثمانی"۔

لکھا ہے، کیا خلافت عثمانی پر تنقید کے اس جہم میں مولانا مردودی کی طرح ان بزدلوں کو بھی مورد لعن و طعن قرار دیا جائے گا !

یہی وہ مروان ہے جس کی تصدیق خوانی، مولانا طغیہ احمد عثمانی نے اپنی کتاب "دبرۃ عثمان" میں کی ہے۔ مگر مولانا محمد میاں منصور انصاری لکھے "مشہدِ غصہ" کا لقب دیتے ہیں، لیکن مولانا طغیہ احمد عثمانی کے صحیفہ حقیقت میں وہ حضرت اور رضی اللہ عنہ ہے۔

رام مروان کی صحابیت کا معاملہ تو اس کے بارے میں حافظ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں مروان کے صحابی ہونے سے انکار کیا ہے اور علامہ ابن خلدون تک مروان کو صحابی نہیں تاہم ابنِ عیینہ کے طبقہ اولیٰ میں شمار کرتے ہیں۔ — کیونکہ — توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہو ابنِ عثمان سینین اور نحوھا وسلم ہوا لانه خرج ابی الطائف طغیلا لا یعقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رحلت فرمائی تہ وہ مروان آٹھ سال یا اس کے قریب تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ کیوں کہ جب وہ لا یعقل بچہ تھا تو طائف کو چلا گیا تھا (مروان کے بارے میں شاہ عبدالعزیز کی فرمائش ہے)۔

مروان علیہ اللعنة را بدگفتن و بدل از وزیر بد برون
 خضر صا در سلو کہ با حضرت حسین را بن بیت می نمودند
 و عداوت مستقره از بدگرمی دل و فاشست از لوازم
 سنت و محبت اہل بیت است
 رفتا دی عزیزی صحت ()

مروان علیہ اللعنة کو برا کہنا اصول سے بڑا برا
 ہونا خاص طرہ سے اس سلوک کی وجہ سے جو اس نے حضرت
 امام حسین اور اہل بیت کے ساتھ روا رکھا اور اس پختہ
 دشمنی کی وجہ سے جو وہ ان بزرگوں سے دل میں رکھتا تھا
 سنت اور محبت اہل بیت کے لحاظ میں ہے۔ . . .

حاکم اس کے بارے میں "المستدرک" میں ایک روایت درج کرتے ہیں۔

"عن عبد اللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ ان

مرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن الحکمہ

ورولد

یہ حدیث "المستدرک" جلد دوم ص ۱۸۱ صحیح الاسناد ہے اور علامہ زبیری نے اس کو صحیح قرار دیا ہے !

مروان کو ہینہ بنی "ابن الطبری یعنی چھٹا کسم ہوتے شخص کا بیٹا بھی کہتے تھے، کیونکہ اس کے باپ حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہینہ سے نکال

اسی مضمون میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جیسے بڑے درجہ کے صحابی کے متعلق ایک روایت مذکور کی جلی ہے، جس میں حضرت ابوذر نے حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ اور حضرت کعب احمدؓ کے بارے میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ پسندیدہ نہیں ہیں، اسی طرح حضرت عباسؓ نے ایک بار حضرت علیؓ کو ام اللہ وجہ کے متعلق جو الفاظ کہے، ان پر نا پسندیدہ کی تنقید کو جو کوئی "الانت صمدیہ سے تعبیر کرتا ہے وہ دینی فراست نہیں رکھتا، اس قسم کا بشری قبول کسی بھادر انسان نفوس قدسیہ پر بھی طاری ہو جاتا تھا، جس کی نشاندہی کہ اس پر نفوذ بقدر کہنے پر خرف صحابیت کو بھروسہ کرنے کی خطرناکی جگہ ہے جاہلہ غیر عادلانہ خطر ہے۔

عادت میں صحابہ کرام ایک دوسرے کے فراق بھی ہوتے تھے، امدان میں طوفان میں ایک جہتی چہرہ تھا، اس قسم کے بعض واقعات کی بیان دفعہ سے اہمیت بھی پرست نہیں کی جا سکتی، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ثقیف کی بیعت سے جو ترکیب اس پر بعض ادبا بیان کرنے سخت تنقید کی ہے، بال غنیت کے سلسلہ میں انصار نے جو اعتراض وارد کیا تھا، جس کی رد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر پڑتی تھی، اس فعل کی مذمت ہی کی جائے گی۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے دو خلافت میں آپ کی پردی نیکی نیتی اور بے نفی کے باوجود جو بعض اضطرابات طے ہیں، ان کا اظہار یا یہ کہنا کہ حضرت عثمانؓ کے دور میں خلافت کی مشنری میں کچھ ڈھیس پیدا ہوئی یا بنی امیہ کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔ اس قسم کی تنقید کو "مغیص" سمجھنا، فہم و فراست کی کوتاہی ہے، اس سلسلہ میں ولید مرثان اور حکم کی شخصیتوں کا ذکر آئے گا تو مورخ مدح و منہبیت کا رنگ قائم نہیں رکھ سکتا؛ حضرت علیؓ و معاویہؓ رضی اللہ عنہما کے مابین نزاع میں امیر معاویہ پر تنقید دینی، اخلاقی اور علمی و تاریخی اعتبار سے ناجائز اور نامعادا بات نہیں ہے؛ دونوں میں سے ایک کو حق پر ماننا چاہئے گا، جو حضرات امیر معاویہ کی ملائت کرتے ہیں ان کے قسم سے حضرت علیؓ کی شخصیت تنقید سے محفوظ نہیں رہتی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اس سلسلہ میں جو باتیں کہی ہیں دوسرے اکابر امت کی بیان بھی اسی انداز کے اقوال اور فقہاء اعتبار سے غلط ہے۔ اگر ایسا کرنا جو ہم سے تو مودودی صاحب ہی کو نہیں، تمام ادبا بے فکر کو مجرم ٹھہرائیے، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ دوسرے لوگ دینی بات کہتے ہیں تو ان پر کوئی گرفت نہیں ہوتی، مولانا مودودی کو اتنا ہی صاف ملائت بنایا جاتا ہے اور ہزارہ کے ایک بروی صاحب نے تو مولانا مودودی پر کفر کا فتویٰ تک صادر دیا، اس غلام چوہو حضرات توں ہوتے ہیں وہ بھی اس غلام میں شریک ہیں۔

بعض حضرات کو یہ کہنے بھی مستی لگ چکی ہے کہ ساتھ سے تیرہ سو سال بعد ان مباحث کو اس زمانہ میں پھیرنے کی کیا ضرورت تھی؛ ان حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ انہیں اس قسم کی بات حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بارے میں بھی کہنی چاہئے کہ انہوں نے بارہ سو سال کے بعد پانی کن پوں میں ان مباحث کا کبرن ذکر فرمایا، اگر ان سے اس قسم کے سوالات کئے گئے تھے، تو وہ یہ فرما سکتے تھے کہ اسے سوال کرنے والا ان بحثوں سے تمہاری کون سی دینی اور دنیوی ضرورت وابستہ ہے؛ پھر اسی بار سے دو میں مولانا مودودی صاحب نے مولانا محمد امجد علیؒ اور دوسرے اکابر نے اپنے مضامین میں ان مباحث کو پھیرا ہے۔

پھر یہ موضوعات و مباحث ایسے نہیں ہیں جو تاریخی طب میں دبیے پڑے ہوں اور لوگوں کے کانوں میں جھلک تک نہ پہنچی ہو، اسلامی تاریخ کی کوئی کتاب بھی میں خلوت لاشہ کا ذکر ہے ان بحثوں سے خالی ہیں ہے اسی حدی کے مورخ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی ہوں یا دارالمصنفین کے ابو تقسم باصرہ کے تاریخ والے تو تاریخ و قسم حضرات ان میں ان مباحث میں حصہ لیا ہے؛ پھر اسلامی تاریخ کے طالب علموں کے ذہنوں میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ خلافت لاشہ ملکیت میں اس طرح تبدیل ہو گئی یہ سائنس کیوں اندک طرح پیش آیا، مولانا مودودی نے اپنے مقالہ میں اس کی نشاندہی کی ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا ان مباحث میں دینی مسلک ہے، جو اہل سنت کے کامیاب کار ہے، قابل اعتبار تو ان لوگوں کی روش ہے جو بنیامیہ کے وکیل، تنقید خوان اور نقیب بنے ہوئے ہیں۔ دوسرے حضرات مرثان ہی نہیں تہذیب کی تعویل و توصیف کرتے ہیں۔ امت کے

ضمیمہ وفق مزاج نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ اس حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دودھ حکومت کے داپس آنے کی منکر کرتی ہے
مگر حکومت معاویہ کی داپس کے لئے نہ تیار رکھتی ہے اور نہ دعا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق پسندی، حق شنائی اور حق گوئی کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو اس کام میں لگا دے جو اللہ تعالیٰ کی رضا ہوگی
کاسب بن سکے۔ ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم۔

سرماھی

سپ

ایک رسالہ - ایک تحریر یکسر بار بار پڑھنے اور نئے ناموں کے ساتھ معیاری اور اچھی تحریریں پیش کرتا ہے
آٹھواں شمارہ شائع ہو گیا ہے۔ قیمت ۳ روپے

سرماہی سپ ۳۹ گارڈن آفیسینر کراچی ۳

موسم سرما
قدرت کا ہلکانے موسم سرما کو۔
انسانی جسم کی حفاظت۔ زائل شدہ قوت کی بحالی۔ دماغی، قلبی اور جسمی طاقت
کی استواری کے لئے مخصوص کیا ہے۔

اگر آپ کسی قسم کی کمزوری محسوس کرتے ہیں تو، اس موسم میں مقویات، مفرحات، اور اکیسری دواؤں سے
فائدہ اٹھائیں۔

طب اشرف کی
اگر آپ باقاعدہ علاج کرانا چاہیں تو۔

جانب رجوع فرمائیں۔ جس کی نگرانی براہ راست پاکستان کے نامور طبیب مولانا محکم عبدالرحیم اشرف خود کرتے ہیں۔
بیرونجات کے مریض بغیر مخصص حال بلکہ گرفت مشورہ میں کریں یا سوالنامہ طلب فرمائیں۔

مطب اشرف، اشرف منزل نزد جامع مسجد جناح کالونی لائل پور

مروا شمس تبریز نیاں آہوی

عالمگیر اور انگریز مورخین

تمہیں نے دیکھے ساری داستانیں یاد ہے اتنا کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، استغمر تھا (رشیدی)
عالمگیر کی عظمت کی گماہ خود اس کی شاہ زاد زندگی اور ۵۰ سالہ دودھ کھاتا ہے۔ انگریز سازگار حالات اور خوشگوار ماحول میں
اگر ۵ سال حکومت کی تو کوئی تعجب کی بات نہیں، عالمگیر کا دودھ جیڑتا کہ ہم جس نے مخالفین کے طرفان میں نزل کی طرف مسلسل پیش رفت کی،
اس کا نہ جھول میں اپنا چراغ جلاتا رہا۔

شہر و صفت جس کند جھائے خدایاں نصرت سدرم کہ میں قدم دارو
غیرت کے بیان مختلف ہر کہے میں میرے بعد عظمت پہنچا اس طرف پر اکتاہٹ ہے کہ اس کے قتل و قتل میں تضاد نہ تھا، اس نے اسلام کی عظمت پہچانی اور میں
پڑیں گا میں نہ جھوٹا تھا اسے حکومت کے جھولیوں اور فرمانروائی کے شظیروں میں بھی فراخ روش نہیں کیا۔ اس نے حکومت کو امانت املاش کی عظمت
میں اس نے اپنے آپ کو اللہ کی زمین پر خلیفہ سمجھا اور آمر مطلق (DICTATOR) یا سلطان جہاڑ نہیں تھا ایک ذمہ دار املا بدھ
حاکم والی تھا، وہ احتساب نفس، جدیدیت، امانت، نشیت، غلبہ خدا، سکراخت، رعایا پروردی، امن و امان کا راستہ اختیار کر کے عہد میں
عبد العزیز، فدا الدین زرنگی، صلاح الدین ایوبی، کی صف میں جا کھڑا ہوا اور اپنے عہد میں شہرت اسلامی کا نشان اور شریعت اسلامیہ کا پاسبان
نہ گیا۔ اس کا یہ امتیاز تھا جس نے فلسفہ مسیح اسلامی شراعت ان اسے خراج عقیدت وصول کیا۔

شاہ عالمگیر گدولی آستان	اعتبار دودمان گورگاہ
پایہ اسلامیاں برقرار	اضرام مشرق پیغمبر راز
دہلیان کارنا کفر و دی	میرکشی داسا خد گلب آفرین
خشم الحی دے کہ اگر پرورد	باندا ند فطرت دانا دید
نفع دل نصیب بارکشن بڑ	لمت ما از فساد ایمین ہرود
حق گوید اندہ ہند عالمگیر را	آن فقیر صاحب غفر را
ادبے اچا سنے دیں مامو گد	بہر توبہ بد یقین مامو گد
برق تیش نورین لقا دوات	شع دیں مدھل مامو گد
گد زوقاں داستا نہال منت	دھت ادلاک اونٹ خنت

جامعہ از مظلومی ادبی تنید
شعلہ نور حیدر پر دانا بود
اشک نوری انعمیہ دلی چکید
چوں بلہیم اندھیں تجمائے بود
وصف شاہنشاہان کیا تھے
نغز او از ترنش پیدائے

(درمختہ خودی)

انگریز مومنین نے کچھ توسیع اچی کے اندر سے وحدت مندوں کی غلط بیانیوں پر اعتماد کر کے اندلیا دے تراپنے فطری تعصب اور مسلم دشمنی کی وجہ سے عالمگیر اور دوسرے مسلم بادشاہوں کو بدنام کرنے کی تاریخی ہم شدہ کی، اندھیمہ آج کے "مومنین" ہندوستانی خوشی قبول کر لیتے ہیں ہم سرسری طور پر انگریز مومنین کی تاریخی غلط بیانیوں کی وجہ بتاتے ہیں ۱۷ صلیبی جہاد کی اس ابدی شکست کا انتقامی جذبہ جالب تک پہنچیں موجود ہے، فریخ ہزول کا ستر و سنگہ میں دشمن کے انتقام کے مقدمہ کو کہتا ہے۔

"ہم صلیبی جہاد پرین کے پوتے ہیں جیسے ہماری حکومت نے پہلے نہ ہو وہ پرانے سنگھل جائے" (اسلام کا نظام عدل) سید قطب شہیدؒ ص ۲۴۷

اسی طرح گذشتہ جنگ عظیم میں ایک انگریز کانٹری "ALLENBY" نے بیت المقدس میں داخل ہوتے ہوئے کہا :-

"صلیبی جنگیں وحیقت آج ختم ہوتی ہیں" (ص ۲۴۷) محرکہ صلیب و ہلال کی بازگشت، صدیاں گزرجانے پر بھی یہودی میں سانی دینی رہتی ہے پھر عربی کی ترکوں کے باقتول یہودی کی مسلسل اپنی اور سلطان محمد فاتح مسططنیہ کی کاپی ہی ان کے دل میں بڑھ چکی تھی۔ (ص ۲۷) مضن بادشاہوں میں عالمگیری پہلا بادشاہ ہے جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ناجائز اندھا مانہ طریقوں پر سختی سے ٹوکا۔ حتیٰ کہ اس کا دندہ مشکیں بالندہ کر اور غیبہ پشت اس کے دبار میں حاضر کیا گیا اور اس نے اپنی عالی و صلیب اصفا مانہ نیا حق سے اس میں معاف کر کے غوث ویم کا کچ کا علاقہ بخش دیا۔ پنڈیز یوں اور دوسرے مغربی فاتحوں نے جسیرہند کو اپنی جھنڈا گاہ بنا لیا۔ عالمگیری کا بکسری بیڑہ اس پر بھی گاہ گاہ حملہ آور ہوتا جو انیس تحت ناگوار تھا (ص ۳۷) چھٹ فدا اور حکومت کر کے پالیسی جس نے ہندو مسلم منافرت پیدا کرنے میں نہ بدست حصہ لیا اور اب یہ کام کبھی ہوتی تاریخیں کر رہی ہیں۔

(۷) ایک بنیاد سبب ان کی ہل انکامی اور دوا اعتمادی ہے، انگریز اسے قائم کرنے اور تجربہ کرنے میں بہت جلد باز ہوتے ہیں اور چندا زقوق میں ہند پر کر بہت سی افواہوں اور ہوائی باتوں پر معتبر خبروں کی طرح یقین کر لیتے ہیں اور پھر انہیں تاریخ کا ماخذ بنا لیتے ہیں، ان کی تاریخ دانی کا یہ عالم ہے کہ انھیں کے اگم گامی کا صحیح اطلاع تک وہ نہیں لکھ سکے اور بعض کے مافوق العادت اور صیرت انگریز میرانہ کا رنامہ میں کو فرماں روائی اور کشمکش کی جگہ ہے۔ اللہ سنان کے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ محمد کے بت کو مسجدوں میں پوجتے ہیں! (انھو بالند) یہ چند سرسری وجہ ہیں جن سے شرمی اور غیر خودی طوطیا انگریز مومنین نے عالمگیری پر تاریخی ظلم کیا۔ وسیع علم الدین ظلم اور ای متقلب یتقلبوں! اب ہم چندا انگریز مومنین کے وہ اعترافات لکھیں جو "افضل ما شہدت بہ الاعصار" کا نمونہ ہیں۔

انگریز جنٹلمن محلہ میں مہند عالمگیری ہندوستان کی کسی کے لئے آیا اور ۲۵ سال رہ کر وہاں گیا ایک بادا سے دبار عالمگیری میں بھی باسیا بی نصیب ہوتی تھی، ایسٹ انڈیا کمپنی سے وہ متعلق نہ تھا اس لئے اس "حیاد یوں پر مغفرت بھی کی ہے، اس کے سفر نامے کا دوسرا ایڈیشن ۱۷۹۸ء میں چھپا تھا جس کا انتخاب ہرنز مسیح الشیخ چیونہج حیدر بادا نے ۱۹۲۷ء میں کیا تھا ہم اس سے حصہ حصہ انتخاب پیش کرتے ہیں :-

"شعہ (سندھ) علوم فقرہ و فلسفہ و سیاسیات کے لئے شہد ہے ان علوم میں لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے نغز سنا... ہ کا بڑے یہیں ہیں" (سفر نامہ ملکن ۱۷۹۶ء)

کے متعلق لکھتا ہے "دیانت کا مسلمہ مذہب اسلام ہے لیکن تھلہ میں ۱۰ ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ ہندی مذہبی رواداری دوا داری پس علم سے برقی جاتی ہے وہ اپنے بہت لکھتے ہیں اور تہو اعدل کو ای طرح سے مندر میں جیسے لکھنے دانا میں دوا پش مردوں کو جلاتے ہیں لیکن عورتوں کو سستی ہونے کی اجازت نہیں" (۱۷۹۶-۸ء)

• صرف بیرون میں ۵۵ فرقہ ہیں، اندھا ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھاتے لیکن آپس میں مل کر رہتے ہیں، بہرین بیٹاؤں کے لئے بڑی باغیچہ کو وقت کرتے ہیں۔

• پارک اپنے صوم مذہب مذہب کے مطابق ادا کرتے ہیں، عیسائیوں کو پوری اجازت ہے کہ اپنے گرجے بنائیں، اور اپنے مذہب کی تبلیغ کریں اور بعض رقبہ اس میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں لیکن جو لوگ عیسائی ہو جاتے ہیں ان کے اخلاقی چہرے تمام لوگوں کے اخلاق سے عموماً بدتر ہوتے ہیں۔

• اس پھر (فرسٹ) میں تقریباً سو مذاہب کے لوگ رہتے ہیں لیکن ان میں کسی کوئی سخت بھگوان کے اعتقادات و عادات کے متعلق نہیں ہوتا، اختلاف مذہب تو تکلیف دینا اور اندھا پوچھنا ان لوگوں میں مقنود ہے۔ (۱۶۲/۱)

• بعد انھوں نے ایک سوداگر دست میں رہتے ہیں کہ تجارتی سربراہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے کل سربراہ کے برابر ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ایک سال میں مال کے تقریباً ۲۰۰ ہزار روپے بھر کر بھیجتا ہے ہر ایک ہزار ۳۰۰ سے ۸۰۰ ٹن کا تھا اور ایک میں صرف

تجارت اور خوشحال

ایک مال، اور انڈیا کے بعض میں پچیس ہزار کا ہوتا، اس وجہ سے مال باہر روانہ ہو جاتا ہے اس سے سنیا دہ مال اس کے پاس رہتا۔ (۱۶۵/۱)
• ہندوستان کے پاس جسے جسے تسلیم ہوتا ہے یہ ہندوستانی انگریزوں کو بڑھتی تھی اس سے کہہ کر میرٹ کپتان اور بیٹ خانم رکھتے ہیں۔ (۲۳۳/۱)

• ملا کے لوگ ایک کچھ لیاں بھیجتے، لانا، چنا اور ترقی جہازات بھی باہر جاتے، ہندوستان کا کچھ لایا جاتا تھا کہ اس کی ملک ولایت پیگور سسٹما ڈیویو میں بھی تھی۔ (۲۵۰/۱)

• گائے کا گوشت ۳۰ فاسٹنگ لپنی کچھ کوڑیوں میں نصف سیر ملتا تھا۔ (۱۶۱/۱)

• ایک ٹن مک ایک کلوں میں فروخت ہوتا تھا جو ۲، ۲، ۲ روپیہ کے برابر تھا۔ (۲۵۵/۱)

• شہر ایک میں لیکن ایک آئین میں ایک لپنی (نصف سیر) ملتا تھا۔ (۳۹۲/۱)

• ڈھاکہ میں ۵۰۰ لپنی چاول ایک روپیہ میں ملتا ہے۔ (۲۵/۲)

• مالگیر کے نام میں ٹاک کا انتخاب اس حد تک کیا گیا تھا کہ ہندوستان کے دور دور مقام سے دہلی تک خط پر پڑنے میں صرف ۵ دن صرف ہوتے تھے اور وہ میں ہر کار سے بدل دے جاتے تھے۔ (۱۶۹/۱)

انصاف اور امن

• سیاہ فام ہندوستان میں دشمن اتنی نہیں جتنی گودل میں ہے۔ (۱۸/۱)

• اس ملک کا رہا یا فراہم کی اس قدر پابندی کرتی ہے کہ ڈاکہ اس قدر کی خبریں بہت کم تھی جاتی ہیں ایک غیر ملک باشندہ اس ملک میں چاہے جہنم چلا جائے کوئی یہ بھی تو نہیں پوچھتا کہ وہ کہاں جاتا ہے اکیلے جاتا ہے؟ (۲۶۹/۱)

• ہندوستان میں عرصہ سے عرصہ کو کمزورتی لیا ملتا تھا جس کی مثال دوسرے میں ملتی تھی اور تھی، یہاں سو فی کا پڑا بہت بار ایک دھکم دھماکا ہوتا ہے، اس سے قسما قسما کہ میں نے اپنی زندگی میں نہیں پایا۔ (۱۷۵/۱)

صنعت و حرفت

• مرزا صاحب کہتے ہیں "خانہ" یہ ڈھاکہ کی مشہور محل ہوگی، اس کے علاوہ کتاب، پچھنٹ اور اس کے لیے بنانے والے اس کثرت سے تھے کہ صرف ایک کچھ ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ پاس پڑا پڑا بنانے والے جلابے لازم۔ کچھ سے لوگ پوچھیں گے کہ پھر یہ صنعت کہاں غائب ہو گئی؟

• جن لوگوں کو اس کی جستجو ہو وہ پیش چند دلت آئی ہی، ایس۔ سی۔ آئی کی کتاب "INDIAN ECONOMIC HISTORY"

عاطف فرمائیں (میں میں تہریج ہے کہ یہ نخواستہ انگریزوں کی تھی)

لین پول

مولانا مصلحتی لکھتے ہیں: ۱۔ عالمگیر کے دوستوں میں ایک صاحبین پول ہیں۔ انہوں نے عالمگیر کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اور اپنی دانست میں عالمگیر کے تمام الزامات کا جواب دینا اور عالمگیر کو ثابت کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ عالمگیر کی جہنم کی برائیاں یعنی دارا شکوہ وغیرہ کا کٹش، ہندوستانیوں سے لگا کر لڑکے بنیا اور سلطنت کا متزلزل کر دینا، بہت خالوں کا توڑنا، ہندوؤں کو علامت سے مروت کن، دکن کی مسیحی سلطنت کا برباد کرنا، مرہٹوں کے پیچھے فوج، ملک اور سلطنت کو غارت کرنا وغیرہ وغیرہ ثابت کی ہیں اور لکھا ہے کہ عالمگیر چونکہ ایک نہایت دیندار، پکا ماسخ العقیدہ مسلمان تھا، اس لئے فرائض مذہبی کے لحاظ سے اس کا فرض مذہبی تھا۔ چنانچہ بخود اور بہت سے مقامات کے ایک جگہ آپ قسم پر غواتے ہیں۔

”منوں کی تاریخ میں یہ سب پہلا بادشاہ ہے جو پکا مسلمان تھا۔ جو ممنوعات سے خود پرہیز کرتا تھا۔ اور دوسروں کو یہ اس کے گردے ہانکنا تھا۔ وہ بادشاہ ہوا جس نے محض مذہبی بدعات اپنے تخت کو معرض خطر میں ڈال دیا، وہ اچھو طرح جانتا تھا کہ اس جوں سب سے زیادہ محفوظ طریقہ تھا جو مختلف قوموں اور مذاہن اقلیہ کی برائی سلطنت کے دائم رکھنے میں اختیار کیا جاسکتا تھا وہ ضرور اس پر مقرر راستہ سے وقت ہر گز جس پر وہ کام فرمایا کرتا تھا۔

اور ادا جانا ہوگا ہندوؤں کے مرگ خیال سے عید کی اور ادا دانی سترسوں کو اس کی فوج اور اس کے دیوار میں بٹھے بڑے سرور سے علانیہ مخالفت کر کے دشمن بنا کر لیا اور عقاب کو خوب لڑا تھا، تاہم اس نے یہی راستہ اختیار کیا اور بڑے استقلال سے اپنی پیاس جس کی عظیم المانی فرما دینی میں اس پر چمکی۔ یہ جسد کا مدعا یاں اور انگریزوں نے کسی گہری حکمت علمی کی وجہ سے نہ کی تھیں بلکہ ان کو قطعی حق سمجھا جاتا تھا؟ (ص ۶۴، ۶۵)

ایک اور مروت پر فرماتے ہیں: ۱۔

”اننگ نیک جو حکمران میں نہ کامی ہوئی تو، لیکن یہ نا کامی بڑی رنج انسان نا کامی تھی، دینا کا لاستراس نے اپنی قوت ایمان پر بند کر رکھا تھا۔ اس لئے اپنے اسے عرض کا لاستہ منتخب کر لیا تھا۔ اور باوجودیکہ وہ قطعی ناممکن العمل تھا پھر بھی وہ بڑے استقلال سے اسی پر چل گیا۔ اور اننگ نیک ایک دینا دانشمندی ہوتا تو اس کو دستہ فوجیوں سے ڈمکا جاتا لیکن اس کی شان کاہراتی تو اسی میں ہے کہ اس نے اپنی دعوت کو جو نہیں کیا اور علم عقائد کو پیچھے رکھنے کی جرأت نہیں کی۔ ہندوستان کو یہ وید اور اظہم ایسے اور کا شخص تھا کہ ر نے تاج شہنشاہیت لیا (صفحہ ۱۰۱)

مولانا مصلحتی لکھتے ہیں: لین پول صاحب کی یہ پیرائی ”چند قابل تعجب نہیں وہ اید میں رہتے ہیں اور ان کو یہی کرنا چاہئے تھا لیکن محبت کا یہ مقام ہے کہ جیسے عظیم یافتہ گروہ لین پول صاحب کی کتاب کو عالمگیر کی حمایت خیال کرتا ہے سے زیادہ فی راہ و کروہ ہمدم کارن ضائع ہو چکے ہیں اور بہت سی باتیں داند

دعایں عالمگیر ص ۱۱۹

اس تہمید کے بعد ہم لین پول کی تاریخ سے جستہ جستہ اقتباسات پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ اس کے بدترین دشمن بھی اس کے فیض و کمال کا

احتراف کئے بغیر نہیں رو سکے ہیں!

دینداری

”اعجب انہوں نے یہ بات مذہب دی کہ انہوں کی سخت جنگ میں نماز کا وقت آجائے سے عالمگیر یا استقلال گھر سے بیچے اترا اور دینداری کی پوچھا ان میں نماز ادا کی تو انہوں نے اس کی ہمت کو چھوڑا۔ اس وقت سے ہندوستان کے سرسبز پنچا اور دینداری کو معلوم ہوا کہ سلطنت کے آئندہ حالات میں کیا ہی وقت کیوں نہ آئے اور انگریزوں کو یہی خبر ہو چکی تھی جس کا شمار ہم ”دینداری“ (ص ۲۱)

شیخاوت

”وایمانے دکن کے بادشاہوں پر اپنی ترکش خیال کے قبضہ شمشیر پر تھڑا لٹا اور صحت بدست لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ اور انگریزوں کی صفیں ٹوٹنا اور جہاں شروع ہو گئیں ہنگامی حالت نازک ہو گئی تھی اور فریب تھا کہ عالمگیر کو ہر گز یہ خبر نہ پہنچتا تھا اور مشکل سے

ایک ہزار آدمی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اس سے نیا دم متعلق و تمام شجاعت کی کچھ پہلچ نہ ہوئی ہوگی لیکن عالمگیر کے ہاتھ میں جانتے بیٹوں کے زور کا نہ دے اس نے آواز بلند کہا - "وہی عالمگیر" اسے یاد ہوئی باندھو م خدا ہمارے ساتھ ہے، پہلچ میں کیلکھ رہے ہیں، اکیس کرو نہیں معلوم کہ سارا دن گفتگو و مسخرے؟ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ کیپروں میں بڑیاں ڈال دی جائیں کہ بھاگتا ہو نہ بھاگتا ہو اسے ایک ایک بیک کا اتنا کتا نوحہ کی گئی ہو کہ بہت مالیں لائے کہ لٹکے کی ہمارا" (ص ۱۰)

شہنشاہان کے ساتھ اس کے منسلک کی یاد دیتا ہوا لکھتا ہے -

فرمان برداری - برسرِ جوار لگے گناہ پند کرتا تھا لکھتا ہے وہ رعایت جوار لگیش شہنشاہ کے ساتھ خط و کتابت تھا تا ایشیاں ہے دوش شہنشاہ کے مشورہ کو کلام غیبی سمجھتا تھا اور سرائے آٹا کی کے اندر دنیا کی کوئی ایسی شے نہیں جوشہنشاہان کو اس نے نہ ہی ہر دونوں میں کچھ نہیں بھی ہر گیا تھا اس شہنشاہان نے عالمگیر کو دھاری اور غلامان کر دی لیکن ہاں ملاقات کبھی نہیں ہوئی۔ (ص ۱۱)

سادگی - دوسری سپاہیوں کی کسی اندکی بسیر کرنا تھا صرف سادہ کھانا کھاتا تھا، خواب پالی پت اور منگنی زمین پر لیتا تھا، اس کی بھانجی سے اس کے ہر ہر لکھنے۔ (ص ۱۲)

بینداری اور عدل گستری - سیراج میں وقت اس کے ساتھ شہنشاہ کا حال لکھتے ہیں تو سوائے کلمات تحسین کے کچھ اور نہیں لکھتا اس کی ہاں برس کی دوا تیر ہر حکومت میں ایک ظالمانہ فعل بھی اس کے خلاف ثابت نہیں (سیراج میں قتل ایک بہت شش

فصل ہے لیکن اس کا ذکر دوسرے باب میں کیا گیا ہے عالمگیر کے ظلم کے خلاف لکھتے ہیں لیکن ان ظلم کی کوئی مثال نہیں دیتا ہے۔
 سنی کہ نہ عدل کے لئے نہیں جی اس کی بینداری کا ایک نونہا سب کر تسلیم ہے کہ کوئی قتل یا جسمانی تکلیف عدا کی نہیں پیش آئی،
 بادشاہ کو اس کو کیا کا رہتا ہے تاہم کوئی فعل خلاف شریعت اس مذہب کے جس کا وہ پیرو تھا پیش نہیں کرتے ہیں اور کہیں اس کا ثبوت ہے کہ اس نے اپنے ایمان پر عہد دیا اس نے اپنے گناہ و خطا میں لگا دیا تھا کہ خلق خدا کی نفع رسانی کا ایک ادنیٰ فعل ہے۔
 دوسرے سے آختر لکھتا ہے کہ اس نے اصول اسلام کے مقابل میں اس کے کسی چیز کی کسی ایک لمحہ کے لئے نہ۔ نہ کی ایسی نہ تخت منبری کی نہ عرش و عجمت کی، نہ آرام و آسائش کی اور حال تمام مکرر.....

غیب نے ہی اس کو توجہ دیا کہ غفلت دنیا و خواہشات نفس سے گناہ کی کوسے اور غیر زندگی بسر کرے۔
 تہذیب کہتا ہے وہ خفیہ و زنا ہمہ گیر تھا اور اس لافانی میں اس کی دندہ واری نے اسے اس کا فرمایا تھا..... اور ایک غیب قلم اس کا پانی دیتا اور جلد کی ایک ٹکلی کھاتا تھا اس سے اس کی صحت پر اب اثر نہ تھا کہ دھڑلے کے قریب ہو گیا تھا..... وہ نکل زمین پر لیٹا اور فقط شیر کی کھال اس کے جسم پر لپی رہتی اس کے بعد تمام مکرر ہی نہ لکھتا اس کو کچھ مہر نہیں ہوتی۔ (سفر نامہ میر تقی میر جلد ۱ - جلد ۱ - ص ۱۳)

ادب و تقویٰ - ایک مہر مرنے لکھتا ہے - اپنے نظریہ بیان میں ہے۔ بادشاہ میر تقی کی حیات میں معروف و مبہوت ہے اور اپنی محنت پر بندگی شریعت کے لئے مشہور ہے وہ خفیہ مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ کے لکت کا قلم ہے اور لکھنے کے عہد ہادی عقائد مذہب پر قائم ہے۔
 بادشاہ اپنے اوقات کے لئے صحت کو بھارت الہی میں شرف کرتا ہے اور مولیٰ نماز میں بڑے خضر و خضر سے پہلے تو مسجد میں حیات سے اور مسجد میں پڑھتا ہے اور شہنشاہ کے مقدمہ میں شب بیدار کرتا ہے اور لکھتے ہیں الہی سے جملہ غیب کے کمرانی کو روشن کرتا ہے اپنے بڑے زہد و تقویٰ سے دلوں کو دھیر میں جلاں کے محل کے اللہ ہے جاگتا رہتا ہے اور آواز کی صحبت میں بیٹھتا ہے۔ تہذیبی مردہ کبھی وقت نہیں بیٹھتا اپنا تخت نشینی سے پہلے وہ اپنی مقررہ جائزہ خوراک و لباس میں سے خیرات کو دیا کرتا تھا۔ اور رمضان میں وہ سب سے

لکھتا ہے امتداد و یوحنا ہے اللہ ہمارا کی جماعت میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے بن کے ساتھ کسی تو وہ چھ گھنٹے اور کبھی نو گھنٹے شنب میں بیٹھتا ہے ایسا و صیام کتا قرعہ شرو میں وہ مسجد میں متکلف ہے سب سے انداز پر بوجہ چند در چند وہ بچ کو نہیں جاسکتا ہے لیکن حاجیوں کی آسائش کے لئے وہ جس قدر اہتمام کرتا ہے قراب بچ کے برابر ہے۔ وہ بھی خلاف قرآن لباس نہیں پہنتا اللہ بھی سونے چاند کے برتنوں میں کھانا ہے ملے اس کے دیبا میں کسی قسم کی گفتگو کے ناشائستہ غیبت اور کذب کی اجازت نہیں وہ ہر دفعہ دیا تین مرتبہ خفقہ پیشانی اہر علیہ السلام وضع سے فرمایا دیوں کا انصاف کرنے کو دیا میں آتا ہے یہ فرمایا دی بلا روک ٹوک کثرت میں ہوتے ہیں اور چونکہ وہ بڑی قویہ شان کی باتیں مستاتا ہے وہ بے خوف وراس اپنا حال عرض کرتے ہیں ایسا و شاہ کی روح و ہایت داؤگ ترقی سے بہرہ مند ہوتے ہیں اگر کوئی شخص آتی نیا وہ باتیں کہتا ہے جتنی نہ کرتی چاہئے تو وہ کسی ناخوش نہیں ہوتا اللہ جس سے جس میں ہوتا ہے۔

وہ نہایت اعلیٰ و درجہ کا شرفیوس ہے اور اچھی مہارت کا ناظم ہے لیکن حکم خدا عز و جل کی تعمیل میں کہ۔۔۔ (تذکرہ علی کل افانک اشیم لا یلقون السبح والکثر ھم کل دیوان والانشاء یتبعہم الغادون) کبھی شاعری کی شوق میں کرتا وہ ایسے اشعار سننے سے بھی جاتا ہے میں کوئی نتیجہ اخلاق نہ ہو۔ رمضان ہی ہر دو گار کی جوت میں ناس نے کبھی خوشامدی کی یا توں پر کان لگا ہوا ورنہ غور کے مضمون پر توجہ کی: (صفحہ ۶۳)

بھئی اور دوست کے تاہم نے اوگنن سے کہا تھا کہ منہ اعظم حل کا بحر اعظم ہے بچے تھے انصاف سے کام لیتا ہے اس کے حضور سفاکش منصب اہماری کی کچھ پیش نہیں جاتی بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی بات اس قدر سے سناتا

جس طرح بڑے سے بڑے ایری، احرار اپنی حرکات کے بارہ میں چوکنا رہتے ہیں اور وقت مقررہ پسند بھی ادا کر دیتے ہیں؟ (صفحہ ۶۴)

جس کے بارہ میں ہونا ناشی نہیں ہے اس سے بڑھ کر عالمگیر کوئی دشمن نہیں گنا وہ بھی یہ کہ بغیر وہ سے کہہ کہ وہ خود تنہا اپنی حکومت کی ہر شاخ کی کارکنڈا کی کرتا رہا۔ لشکر کشیوں کے نقشے سوچتا اللہ ہایت جاری کرتا اس کے قیوں میں چٹانوں کے نامہار ملکوں میں مسکروں کے ہا رہی کرانے اللہ ملان آگے کے خدا دل کو ڈھلنے بلکہ قہار کو دوبارہ حاصل کرنے کی تدبیریں سازج جاتی ہیں۔ سارے کارندوں کی تجویزیں جاسوسوں اور سافروں سے کرتا تھا اس سے طبیعت کی آگاہی اللہ نہایت گرم جوشی ایسی معلوم ہوتی ہے جو ہر زمانہ میں بڑی کجیب و غریب بھی جاتی ہے: (ذاتیہ ہذا الغشن صفحہ ۱۱۳) بحوالہ مضامین عالمگیر صفحہ ۳۲

تذکرہ ص ۱۰۲ کے سال کی عمر کے عالمگیر کو دیکھا تھا وہ بیان کرتا ہے کہ:۔

مردہ صاف منہ میں کی ہشاک کچھ عرصہ سیر کے ہمارے امیوں کے بھروسے میں کھڑا تھا اور اس کی پگڑی میں بنا لکھا زمر کا منکا ہوا تھا وادھا ہوں کی عرضیاں لیتا جاتا تھا اور بلا نیٹک پڑھ کر غماص اپنے اقد سے دستخط کرتا جاتا تھا اور اس کے ہمشاش بلش شاپر سے صاف مترشح تھا کہ وہ اپنی مصروفیت سے نہایت شادان و فرحان ہے: (الغشن ۱۱۴) بحوالہ مضامین عالمگیر صفحہ ۳۳

علیہ السلام میں کہ:

الغشن صاحب کی زبان سے عالمگیر کی تعریفیں ایک لفظ عالمگیر کی تمت کی یاد بھی ہے تاہم صاحب جو صرف نے عالمگیر کے استقبال

کا ایک بٹا اسرار قائم کیا ہے جن میں تفصیل سے واقعات لکھے ہیں اور ان پر کثرت حیرت ظاہر کی ہے: (مضامین صفحہ ۱۱)

ایک عجیب و غریب انگریزی اندھندی مریض کے ہاں یہ دیکھنے میں آتی ہے کہ وہ عالمگیر کے بعض ایسے خطوط کو جن میں کسے نفی اور تلافی سے کام لیا گیا ہے جن میں عہدیت انابت اور صبر و بردباری کا اظہار کیا گیا ہے اسے حقیقت پر عمل کر لیا جاتا ہے اور اس سے استمداد کیا جاتا ہے کہ دیکھ عالمگیر خود اپنے فہم و فہم کا نام لکھا کا اختلاف کرتا ہے! چنانچہ لین پول نے بھی شاہزادہ اعظم کے نام کا یہ خط لکھ لیا ہے اور یہی نام لکھا دیا ہے:۔

روح انتخاب

متنبی کی خوبیوں کی مبالغہ نہ کرتے ہوئے جو حقیقی نقطہ نظر میں کہ شاعری علوم عرب میں ایک ایسا علم ہے جس میں انسانی فطرت، رعایت اور ذوق
 اگر کیاں میں حیثیت حاصل ہے مشق و ممارست اس کا ایک خاص عنصر و مادہ ہے جس سے قوت پیدا ہوتی ہے، جس میں عموماً نکتہٴ باکلاصت و جود ہوں،
 وہ یقیناً ایک علم اور امتداد شاعر ہوتا ہے ان ہی صفات کے لحاظ سے شاعری کی عظمت کا تین بھی ہوتا ہے، میں جاہلی، عمری، جسید و قدیم، اعزالی اور مولد
 کے ساتھ سے قطع نظر کہ کے کہتا ہوں کہ بحث کر دیت کی ضرورت نسبتاً زیادہ شدید ہے اسی طرح اس کو حفظ کرنے کی بھی زیادہ احتیاج ہے جب
 اس معاملہ میں ہم تحقیق کریں گے تو معلوم ہوگا کہ فطری اور ذہنی شاعر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ بغیر رعایت کے طویل کے الفاظ پر قادر ہو سکے، عرب
 لفظ قدیم سے رعایت اور حفظ کے قائل رہے ہیں۔ اور ایک شعر دوسرے کا مادہ ہوتا آیا ہے، عربی کی زبان تو مشترک تھی۔ مگر قہاق میں فصاحت کی
 بڑی اہمیت تھی عرب میں ایک شاعر کو دوسرے شاعر اور ایک خطیب کو دوسرے خطیب کی فصاحت کی وجہ سے فضیلت دی جاتی تھی۔

زبان اور شاعرانہ ذوق کی تبدیلی بھی جو حقیقی بڑی گہرائی سے بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عرب نہانہ قدیم سے الفاظ کی شوکت کے قائل تھے، اور
 عربی کلام کے ایسے شائق تھے، کہ دوسروں کے یہاں شاید اس کی مثالی نہ مل سکے وہ اپنا شاعرانہ خاص تو جو وسیعہ اور اس کی پوری کوشش کرنے کی زبان میں
 سخن پیدا ہو رہا ہو، تنگ کہ چست ترکیبیں اور پرشکوہ الفاظ ان کی زبان کے خاص امتیازات ہو گئے، فطری برہان اور شعری کوشش نے زبان کے مسئلہ
 میں ان کو دوسروں پر برتری عطا کی۔ بدینیت کی وجہ سے شکل الفاظ و تراکیب ظہور پذیر ہوئیں، جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس
 نے ہدایت کا اظہار کیا اس نے زیادتی کی، عدی کے اشعار جو جاہلی ثقافت سے زیادہ سلیس ہیں، وقت ہمیشہ ایسے شعراء کے اشعار میں پائی جاتی ہے جو
 عاشق اور صاحب دل ہوتے یا ان کی طبیعت میں شاعرانہ جذبہ بھر پور ہو تو وقت انکوشش پر شعری طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔

جب اسلام کا ظہور ہوا اور دیہاتوں کے لوگ شہروں کی جانب آنے لگے تو لوگوں نے عام اور آسان زبان کو زیادہ پسند کیا جن اشیاء کے بہت
 سے اسماء تھے، ان میں آسان اور خوب صورت ناموں کو جن لیا، شذ۔ طویل ایک لفظ ہے اس کے لئے ۶۰ الفاظ اور بھی عربی کی زبان میں تھے، مگر
 انہوں نے اس لفظ کے اچھے ہونے کی وجہ سے باقی الفاظ کو مشترک قرار دیا اور ایسے معانی و الفاظ اختیار کئے جو حسین اور آسان ہوں، جن شعراء نے بعد میں
 قدام کے مشکل اسماء و الفاظ کی پیروی کرتے جاہلی وہ بیت جگہ پھل گئے اور جادہ صحاب سے بحث گئے جیسے کہ ابو تمام۔

یہ تجزیہ جو حقیقی ہے اس کا کیا ہے، ابو تمام کے بعض عرب کا ذکر بھی انہوں نے اس انداز سے کیا ہے کہ ابو تمام نے بھی غلبہ کی تھیں اور متنبی
 نے بھی ان کا ارتکاب کیا، اس نے متنبی ہی پر کیوں الزام رکھا ہے۔

تاہی جو حقیقی کہتے ہیں کہ اگر ہم کہ لفظ کا صحیح استعمال معلوم کرنا ہو اور عمدہ شاعری کا نمونہ دیکھنا ہو تو قدام میں جویر اور ذوالرمتہ کا کلام دیکھو
 اصمت خوین بن بکری کا، تغزل میں اہل حجاز کا کلام قابل مطالعہ ہے، شذ، کثیر، جسین شینہ اور نصیب کا، فیصد کا طرغزیہ ہے کہ وہ شعر بہتر ہے جس پر
 فطری شاعرانہ کیفیت نمایاں ہو اور تکلف و سختی کا نام بھی نہ ہو انہوں نے یہاں کہ الفاظ کا حسن پہلے متذکر ہے اور معانی بدیں، فطری شاعری کی زیادہ
 شاہیں ہم کو بختری کے یہاں ملتی ہیں۔

عربوں کے نزدیک شہر دار میں مخالفت کے اصول جو بنائے گئے تھے کہ معافی وعدہ اور کپکشتی ہوں اور صحت پر ولایت کریں، اس کے طرح الف
اچھے ہوں، صحیح ہوں، وصف وعدہ اور سرخو، تشبیہ سنی کو داخل کرتی ہو، جس کو نہ سوال مقبولیت خطا ہوئی اور جس کے اشتباہ کثرت سے غریب الامت
ہو گئے، وہ مطابقت، تجنیس، استعارہ اور بدیعی کے چکر میں نہیں پڑا، محفلین نے دیکھا کہ تشبیہ، استعارہ اور مطابقت وغیرہ سے سن پیدا ہوا ہے
قرآن میں نے تکلف سے شعری طرز پر اشعار میں ان اشیاء کو جو ناشرود کر دیا، اس صفت کا نام "الہدیج" رکھا، جسے تو قافیہ اس کشتی میں کامیاب
اور بعض دامن ناکام رہے یا ایک ہی شاو کو بھی کامیاب اور کبھی ناکام رہا۔

اور تمام کی طرح متبنی پر ہے دینی کا التزام تھا۔ جو تائی بچتے ہیں کہ دین ملک ہے اور شاعری ملک، دونوں میں کوئی تعلق نہیں اور نہ کوئی تضاد ہے
حضرت نے خود بھی شعر گو حسن قرار دیا ہے۔

سرفات کے سلسلہ پر جہاں نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ مشترک معانی میں سرودہ کاسلام پیدا نہیں ہوتا اور جو لوگ مشترک معانی میں کبھی شعر گو
سابق کہتے ہیں وہ ناچھ ہیں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ متبنی کی شاعری میں بہت سے محراب ہیں، جن کی موافقت جہاں نے نہ کی ہے، مگر تنقید کے نقطہ نظر سے ان کی تمام بھڑوں سے
عربی تنقید کو بہت فائدہ پہونچا اور عمل تنقید میں آمدی کے بعد ایک دوسری مثال قائم ہو گئی، ان کی ناقضہ بحثیں فسر و فطرت کا سرمایہ فراہم کرتی ہیں احساس
فطرت۔ ایسا خطہ سولہ تنقید کی ایک اہم کتاب ہے۔

(سید احسان شاہ)

ہممہ کی سنیری کا سامان

جی آئی پائپ - سی آئی پائپ - آر سی سی پائپ - بیسن
ڈبلیو سی - ملکی (غیر ملکی) کی خریداری کیلئے
پتہ ذیل پر تشریف لائیں

سلمان برادر سنیری اسٹور عظیم اکبر روڈ (دبلیو ایگل سینما) صدکراچی

سوز و ساز

زکی ناز کا فی

دل سوا باغِ الفت کے سوا کچھ بھی نہیں
نام تیرا ہی مرے در و زباں رہتا ہے
نیف ساقی سے کبھی شکر سراپا تھی زباں
حسن کو رہتی ہے خود دیدہ دنیا کی تلاش
میں سمجھتا ہوں کہ محض کا یہ اندازِ نشاط
دل میں ایک آگ سی ہر غلط لگی رہتی ہے
حسن ہی حسن جو ہر عزیز میں آتا ہے نظر
چھٹ گیا دل سے عیشِ فریاد کا لہار
بیرسہ شاد میں بے غم وہ لذت کی تلاش
سخن حق میں صداقت کے سوا کچھ بھی نہیں

نازش پر تاب گزھی

یہ ظلمتیں کہاں، وہ لگاؤ کس کہاں
کیا جانے کم ہوا ہے مذاقِ نظر کہاں
پہلی کرن کے ساتھ اٹھو اور بے چلو
شغف کے واسطے ہے غم و بال و پر کہاں
وہ تو میری طرف سے تھا زمانہ بہار
صحنِ چمن میں میں نے بنایا تھا گھر کہاں
ہر عیب بھی ہنس رہے سیتے سے ہوا اگر
رسا ہوا ہے پھول کا چاک جگر کہاں
اس قتل کاو عشق میں بستی بزمِ زندگی
پھیلے آئے آتھ آئی ہے لے رت ادھو کہاں

دعا مری

جب چلتے ہیں عزائمِ دلِ انسان کے قریب
اب ہوا آہیں سکتی گلِ خندان کے قریب
بجلیاں ٹوٹ پڑیں صحنِ گلستاں کے قریب
تیرے دیوانے ہیں اب منزلِ عرفان کے قریب
اس قدم آؤ نہ تم دیدہ حیراں کے قریب
رک گئے خودی قدم منزلِ جانان کے قریب
غصہ جانان بھی ہے اے دلِ غم دہا کے قریب

اے وفا رحمتِ یزداں پہ بھروسہ ہے جنہیں
حشر میں ہوں گے وہی رحمتِ یزداں کے قریب

خود بخود اٹھتے ہیں اسرار کے پردے جیسے
اب ہر اپنی حقیقت سے ہوئی ہے واقف
جب بھی رکھی ہے بنائیں نے نشیمن کی کبھی
اٹھ گئے وحدت و کثرت کے عجائبِ لطیف
نور و ظلمت میں کوئی فسق ہی باقی نہ رہے
جنہ عشق نے خود ڈھونڈ لی اپنی منزل
ان حوادث میں بھی کر صحن و بخت کی تلاش

ماہِ الفت ادبی

جانتے جانتے بھی مجھے ایک نظر دیکھ لیا

چلتے چلتے بھی وہ دیتے گئے الفت کا قریب

وائٹ ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ

کراچی

ہر قسم کا
سوتی اور



اُونی کپڑا

کورا اور دھلا لٹھا اور

ہر قسم کا

دھاگہ

تیار ہوتا ہے



باوانی وائٹ ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

برا اعتبار سے قابل اعتماد ہے پاکستان کی صنعت کی قدر اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

ہماری نظریں

QADIAN: SM از سید ابوالحسن علی ندوی، فضائل، صفات، و جمہور پر روش یک قدم اور سے ترجمہ۔ خطرات الحقی
CRITICAL STUDY انصاری دایم۔ اے حقیقت پانچ روپے ۵۰ پیسے لکھنے کا پتہ۔ وکی کی آن اسکا کٹیرج فرق العلماء لکھو (انڈیا)
جانبہ ان سید ابوالحسن علی ندوی کا نام اسلامی دنیا کی کسی تعارف کا صحیح نہیں ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ صاحب بصورت بن ابراہیم لکھتے ہیں
اُن کے صاحب اور مجدد ہے۔

۱۔ میریست امام العلم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۳۲ مکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۳۳ م صدر امامۃ اسلامی تحقیقات و نشریات لکھنؤ ۔
 ۲۔ ۳۴ مکن مجلس انتظامیہ دارالمصنفین و مشعل ایشیاء اعظم لکھنؤ ۳۵ مکن مجلس قائمہ رابطہ عالم اسلامی ، کراچی ۳۶ مکن مجلس شہادت میرزا یحییٰ کاشانی
 دہلی ۳۷ مکن امامۃ علم و فن ، بوشن (ضام ۴)

مرسلان علی میاں دختر احمد مدینہ کی پونہ میڈیکل کالج VISTING پر ڈیپارٹ ہوئی ہے میں عربی اعداد کی ایک دین سے سفید و
کتابوں کے مصنف ہیں عرب دنیا میں آن کر عربی الٹ پروانہ کی حرم ہے اقامت و عرف سے حق کے بعض اہل مسلم اور غلو کلام اور سفر نامہ کا مرسلان علی میاں
طرح عربی گفتگو ہیں صاحب معرفت حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خاں اور اسکے چشم و چراغ ہیں، آن کے بعد مرسلان علی میاں مرحوم عربی اعداد و دولی
دنیائی کے نامہ نواز الفارسی زبان سے لہذا خاں علم و فضل اعداد خاں دختر امت میں آپ اپنی مثال آپ ہے (اللهم کنزنا ابراہیم)

حضرت مولانا عبدالقادر دانا نے یہی رشتہ الخلیل علیہ السلام سے مولانا علی ہادی کو نسبت اہل بیت سے حضرت موصوف نے مولانا کو حکم دیا کہ وہ فتنہ قادیانیت کا ترمیم میں عربی زبان میں کتاب لکھیں۔ چنانچہ مولانا علی ہادی نے پہلے قادیانی الطریقہ کا مطالعہ کیا اس کے بعد قادیانیان میں بڑے محرک کی کتاب مرتب فرمادی، جسے عرب دنیا میں خاصی قبولیت حاصل ہوئی، پھر اس کا اردو ترجمہ چھپا، اور اس کے بعد انگریزی ترجمہ، جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے۔

اس کتاب کا اجمالی خلاصہ اور باب باب تین میں میں پیش کرتے ہیں۔

مرزا غلام احمد نے اپنے حالات میں خود لکھا ہے کہ میں ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں جو ہمیشہ لائبریری اور گزٹ کا دانا دانا ہے غلط فہم کے غصہ میں میرے والد نے اسی طاقت اور وصیت سے مجھ کو جڑ سے کرٹا تو ہی حکومت کی امداد کی!

اے اسی طاقت اور رحمت سے بڑھ چڑھ کر ہر ایک کو حکومت کی ممانی !
 مرزا غلام احمد کو سزا بخوانی ہوئی کہ تیرا یہ ملکوتی پیغامِ خلافت مل گئی، خلافت کے دوران میں اس نے ایک یا دو انگریز یا کاتبین پر چھ لیں اسے قتل کر دیا۔ ہتھیان بھی دیا، مگر..... !

[illegible]

مرزا غلام احمد اپنی جوانی میں ہسپتال کا مریض تھا اس کے بعض اوقات اتنے شدید درد سہاگتے تھے کہ وہ بے ہوش ہو جاتا تھا وہ نیا بیس مریض تھا مرنے والا تھا یہ حالات کو دیکھا کہ جس کو وہ دیکھا اس کے سر پر خالی امداد کی دھڑکن کے درد سے بھر پڑے تھے اس نے نیا بیس کے سبب میرے جسم کا اس میں تاثر ہو گیا تھا، دن رات میں اکثر و بیشتر سرسودا پیشاب کرنے کی فزیت آتی۔

مرزا غلام احمد کی زندگی کا آغاز ہماری حالت دوسری کر سافندہ ہوا یہ بھی اس عجز کی زندگی تھی، لیکن جیسے جیسے اس کا سن بڑھتا گیا اس کا ایک تندرست و کی جیسا کہ اسے حاصل ہو گئی وہ خوشحال بن گیا اور امام دہاسوگی کی زندگی گزارنے لگا، اُسے اپنی زندگی کے اس تندرست و انداز کا خود بھی اچھی اس میں خاص شکر ہے، میں اس نے خواہ مخواہ کیا۔

پہلی گز بسر والد کا حقیر و ناکافی کمائی ہم ہمتی تھی، ہمارے لوگوں میں کوئی مجھے جانتا نہ تھا: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے مطابق ساری دنیا کو میری طرف متوجہ کر دیا اور مجھے اس قدر مسلسل فتوحات پر توفیق کی کہ میرے پاس شک و کا کرنے کے لئے کھانا ملا نہیں رہا، اپنی حالت کو دیکھتے بہتے میں ہوس کی بھی توقع نہیں کرتا تھا کہ مجھے ایک جہیز میں دیں وہ یہ بھی مل گئے ہیں..... لیکن اللہ تعالیٰ نے میری اس قدر مدد کی کہ اب ملکہ میں لاکھ ہو سکتا ہوں اس سے بھی کچھ زیادہ روپے ملے لے چکے ہیں! (حقیقت اللہ)

مرزا غلام احمد نے ۱۸۹۵ء میں - موعود مسیح - کا دعویٰ کیا، اُس کے بعد اس نے دعویٰ کیا کہ میں خدا کا نبی ہوں، مسلمان علماء نے اس کے ان دعوؤں کی تردید و مخالفت کی، ان مخالفت کرنے والے علماء و دین میں سے زیادہ مشہور و ممتاز عالم مولانا شاہ رائف الدین تھیں، اُنہوں نے ۱۵ مارچ ۱۸۹۵ء کو فرمایا جو نے ایک اعلان شائع کیا جس میں مولانا موصوف کو خطاب کرتے ہوئے لکھا:۔

اگر میں آج بھی تباہ ہوتا ہوں، جیسا آپ اپنے ہرچ کی پرورش میں ظاہر کرتے رہتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں حریفوں کا اور اگر میں کافہ اللہ و غایا نہیں ہوں اور مجھے خدا کی مابعدہ خطاب الہی سے سرفراز کیا گیا ہے اللہ - میں مسیح موعود ہوں، تو میں آپ کا ہوں کہ تو میں الہی اور اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق آپ منکرین حق کی سزا (عذاب) میں نہیں پہنچ سکتے، اللہ عذاب و آدمی کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے - یہ کہ اگر میری زندگی میں آپ طاعون یا بیضہ جیسے امراض میں مبتلا نہ ہوتے تو میں مامورین اللہ نہیں۔ (تبلیغ رسالت)

اعلان کی انتہا کے ایک سال بعد ۲۵ مئی ۱۸۹۵ء کو مرزا غلام احمد لاہور میں اسپتال کے عرص میں مبتلا ہوا، دستوں کے علاوہ اُسے تے بھی ہونے لگی، اُس راجہ جی معاذ کیا گیا، مگر لقا بہت بڑھتی چلی گئی، اور اُس کی حالت نازک ہو گئی، یہاں تک کہ دوسرے دن ۲۶ مئی کو وہ مر گیا، اُس کی موت سے میں اُس کے خسر شہزادہ مرزا فاطمہ نے بیان کیا - مرزا نے مجھ سے کہا کہ میرا صاحب! مجھے بیضہ ہو گیا ہے! بڑا بین احمد کی تیسری اور چوتھی جلد میں مرزا غلام احمد نے برطانوی حکومت کی کھل کر نفرت اور مدح سرائی کی ہے اُس نے ان خدمات کا بھی ذکر و اعادہ ہے، جو اس کے زمانہ انداز میں سرکاری لئے انجام دی ہیں!

مرزا نے ۱۸۹۵ء سے ۱۸۹۸ء تک اس کتاب پر کام کیا، مگر چوتھی جلد کے بعد اس کی اشاعت کا کام ترک کیا، پانچویں (۵) یعنی آخری جلد ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی۔ یعنی کام شروع کرنے کے بعد چھ سال کے بعد اس مدت میں جن لوگوں نے پانچویں جلدوں کی پیشگی قیمت ادا کی تھی، انہیں صرف چار - برسوں، مر کھپ گئے، دوسرے لوگ جو بیٹھنی رستم دے چکے تھے، اس وقت پر خامے خدا اللہ بکیدہ خاطر ہوئے، جس کے لئے مرزا نے پانچویں جلد میں تعانی، اس جلد میں اُس نے اس کا بھی اعلان کیا کہ اس نے اسلام کی حق دین ثابت کرنے کے لئے تین مہینوں میں دینے کا ارادہ کیا تھا، مگر پھر اس خیال کو ترک کر دیا، اس طرح پانچ جلدوں کی جگہ اب صرف پانچ جلدیں آئیں گی، مادہ کی اس تبدیلی کی مرزا نے (کتاب مغرب بلکہ مضحکہ خیز) توضیح کی کہ ان دونوں

مرزا بشیر الدین محمود نے اسے تکمیل کو پہنچایا۔

جن تین کتابوں کا اس پر حالہ دیا گیا ہے وہ مرزا غلام احمد کی بد مزاجی کی خمازی کرتی ہیں، ان کتابوں میں مرزا نے اپنے مخالفین پر جو طعن و طنز کیا ہے اس کا کیا نشانہ ملتا ہے؟ وہ کسی سنجیدہ مشن کی کتابوں میں غلط ہونے کے قابل نہیں ہیں! ان کتابوں میں جو انسانی بیان اسلوب اختیار اختیار کیا گیا ہے وہ کسی باوقار اہل قلم کے بھی شایان شان نہیں ہے، چہ جائیکہ اُسے شیروں اسیابی مصیبتوں سے منسوب کیا جائے! حدیث شریف میں جو قرآن ہے کہ حضرت سید خضر کو قتل کر دیں گے، اس کا مرزا غلام احمد ان نظروں میں افاق اُڑتا ہے۔

”سچے ماذلی کے بعد جو سچے بنا کا نامہ انجام دین گئے وہ صوفیہ ہے کہ کتوں کا غریل ساتھ ہے کہ رسول کا شکار کرنے کے لئے وہ دہ کر رہ گئے، اگر وہ بات صحیح ہے تو کسکوں، چھاروں، سالہوں.... کے لئے غرور و صرورت کا مقام ہے، جو خود کے شکاک کو پسند کرتے ہیں....“

اس زمانہ میں مرزا غلام احمد نے جو کتابیں لکھی ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ سائنس کی ترقیوں سے وہ بہت زیادہ نا آشنا تھا، اگرچہ مرزا کا علم سائنس کے بارے میں بہت زیادہ سطحی اور سطحی کنڈ نیڈ تھا، یہی وجہ ہے کہ رحمت سچ کا عقیدہ چونکہ ڈولن سائنس سے مل گیا ہے اُس سے مرزا نے اُسے رد کر دیا، اس کا خیال تھا کہ اس قسم کا عقیدہ تعلیم یافتہ لوگوں کی نگاہ میں دین کو مفکر بنا کر دکھ دے گا، چنانچہ انڈیا اور امیر مرزا نے لکھا ہے کہ اس قسم کی تعلیمات کی ہم اتاحت نہیں کر سکتے، بودیل و عقل، تجربہ اور تجربہ سائنس اور فلسفہ کے بالکل برخلاف ہیں..... ۱

اس قسم کی عبادت پر مدد کوئی شخص مشکل ہی سے یقین کر سکتا ہے، مگر یہ عبادت حق کی اسی مصنف کی لکھی ہوئی ہیں جس نے ”سُر مسابیح“ جیسی کتاب تصنیف کی ہے، جس میں مصنف نے پوری قوت کیا تہ مجازات کے ذریعہ کے امکانات چھو لیں، وہی ہیں اس بات کی تردید کی ہے کہ اہل طبیعت اور نظریوں کو انسانی ہیود و جسم اور عقل و دین کی بنا پر رد کر دیا جائے۔

اس زمانہ میں مرزا داؤد طوسی کو نبوت کا دعویٰ نہیں کرتا، بلکہ اپنی تحسین علی میں نبوت کے لوازم و لوازم سے بحث کرتا ہے اور اس بات کو ثابت کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے کہ نبی کے کسی کو اُمت کو اتنا چاہی کے طیف میں نبوت کے یہ خاص عطیہ کئے جا سکتے ہیں! اس زمانہ میں وہ دعویٰ نبوت کئے لئے زمین ہموار کر رہتا ہے اور اس بات کا پتہ لگانا ہے کہ اُس کے متبعین کی عظمت اس درجہ تک پہنچ چکی ہے کہ اُس نے ایسا دعویٰ کر دیا، تو وہ کسی چٹان چٹری کے بغیر اُسے مان لیں گے، جس طرح کہ اب تک کے تمام دعویوں پر وہ آمنا و صدقنا کہتے چلے آئے ہیں۔

آخر کار یہ سانحہ وقوع پذیر ہو چکا گیا، مسئلہ میں مولوی عبدالحکیم جو جوہر خطبہ دیا کرتا تھا اُس نے خطبہ دیا جس میں مرزا کے لئے نئی اور اصل کے اخطاب استعمال کئے، اس چیز نے مولوی سید محمد حسن امروہوی کے جذبات میں پُر اشتعال پیدا کیا اور مولوی عبدالحکیم کو جب اس کا علم ہوا تو اُس نے دوسرے جوہر کے خطبہ میں مرزا غلام احمد کو مخاطب کر کے اس سے مدافعت کی کہ مجھ سے آپ کے نبی اور منزل من اللہ ہونے کا عقیدہ بیان کرنے میں غلطی ہوئی ہے قرآن فطری کو دست کر دیں! جوہر کی تلامذہ بعد مولوی عبدالحکیم نے مرزا کے کہنے کا سامنہ پکڑ کر کہا کہ اگر میرے عقائد غلط ہیں تو اُن کی اصلاح فرمادی جائے، اس پر مرزا نے پلٹ کر کہا کہ میری ہی عقیدہ ہے، مرزا کی زبان سے یہ بات سُن کر مولوی محمد حسن امروہوی غصہ کے مارے مال صبر کا پر گیا اور غصہ کی حالت میں مسجد میں بیٹھ لگا اور مولوی عبدالحکیم کے آئے پر اُس سے لڑنے لگا جب دونوں کی آواز میں بہت بلند ہو گئیں اور شد و شرمونے لگا تو مرزا اپنے مکان سے نکل کر آیا اور قرآن کی یہ آیت پڑھی۔

”لا تروندوا اصواتکم فوق صوت النبی....“

مسئلہ میں مرزا غلام احمد نے کھن کر اپنے اس دعوے کا اعلان کیا، تحفۃ اللہ میں وہ لکھتا ہے۔

”میں نے یہ بات بار بار کہی ہے کہ جو چیز میں تمہارے سامنے قیادت کتابوں و قطعی طور پر لائے کا کلام ہے اسی طرح

سحر مرزا اور بیت اللہ تعالیٰ کے کلمات میں میں خدا کا ظلی اندر و ذریعہ نبی ہوں اور مسلمان کے لئے لازم ہے کہ دینی معاملات میں میرا اتباع کرے اور جس کی ننگ بھی میرے بار سے ہیں اطاعت و خضوع، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ مجھے اپنے معاملات میں حکم نہیں مانتا نہ مجھے سچ موعود تسلیم کرتا ہے اور نہ میرے اہامات کو من جانب اللہ سمجھتا ہے، اُس کو آنسو میں اس انکار کی سزا ملے گی۔۔۔۔ میں صرف یہ بھی نہیں کہتا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھے موت آجائے بلکہ یہی کہتے ہیں کہ موتی، عیسیٰ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں طرح عداوت تھی، اُنہی کی طرح میں بھی عداوت ہوں اور اللہ تعالیٰ نے دس ہزار سے زیادہ نشانیاں میری تصدیق کے لئے ظاہر کی ہیں۔ انبیاء و مہسبتے میرے ظہور کے زمانہ کو بتاتا ہے، اور وہی زمانہ ہے، قرآن نے بھی میرے ظہور کے زمانہ کی نشان دہی کی ہے اور وہی زمانہ ہے، آسمان و زمین نے میرے ظہور کی تصدیق کی ہے اور کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس نے میرے ظہور کی تصدیق نہ کی ہو۔

مرزا غلام احمد کی تحریروں سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ وہ خود مستقل بالذات نبی اور صاحب شریعت سمجھتا تھا، اپنی تصنیف اربعین میں اُس نے خود کہا ایسا نبی کہا ہے جو شریعت کے گزرا ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ مجھے پہنچی آئی ہے کہ جو اتباع نہیں کرے گا اور میرے حلقہ اہلاد میں داخل نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ لہذا اور رسول کا یہ فرمان دوزخ میں رہے گا۔

مرزا کی تحریر کا ایک اور اقتباس —

”اللہ تعالیٰ نے مجھے انکشاف کیا ہے کہ جس کو کسی ننگ میرا پہنچا اور اُس نے اس کو قبول نہیں کیا تو وہ مسلمان نہیں ہے۔“

غلام احمد دیوانی کے لیکچر مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی ایک تقریر میں کہا۔۔۔۔۔ کہ کوئی احمدی اپنی لڑکی غیر احمدی کے نکاح میں نہ دے۔

”الغرض خلعت“ میں ہے کہ ایک شخص نے مرزا غلام احمد دیوانی سے بار بار دریافت کیا کہ ”لہذا لڑکی کے نکاح کے مسئلہ میں بہت ہی دشواریوں کا ذکر کیا اس پر مرزا نے اُس کو ہدایت کی، کہ چاہے کچھ ہو جائے، اُس و احمدی کو اپنی لڑکی خواہ ساری عمر گھر ہی میں رکھنی پڑے مگر غیر احمدی کے نکاح میں ہرگز نہ دی جائے۔ جب مرزا کے مرنے کے بعد، اُن شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح غیر احمدی سے کر دیا تو مرزا کے خلیفہ اعلیٰ حکیم نور الدین نے احمدیوں کی امامت کے بارے سے اُس کو ہٹا دیا اور احمدیوں کی جماعت تک سے خارج کر دیا۔۔۔۔۔“

قادیانہ کی آراکین اور تاجران اعلیٰ کے بیان کے مطابق مرزا غلام احمد نے اپنے بیٹے فضل احمد کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی کیونکہ وہ احمدی نہیں تھا۔۔۔۔۔

ہم مرزا غلام احمد دیوانی کے حالات زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے۔۔۔۔۔ کہ اُس کی زندگی کے دور رخ میں پہلا رخ اُس کی ابتدائی زندگی کا افساس اور غربت کا درد ہے اور بعد کا رخ اور دور یہ ہے کہ اُس کے ماننے والوں کی عقیدت اُسے حاصل ہو گئی، اور انہوں نے اُسے ملامت کر دیا۔ مرزا کی زندگی میں صوفیوں اور پستروں اور وہابوں کی زندگیوں سے مشابہت کی بجائے دنیا پرست مسیحی لیڈروں اور غیر مذہبی تحریکوں کے بائبل کی زندگیوں سے مشابہت نظر آتی ہے، اس مسئلہ اس تمام بحث اختیار کرنی کہ خود مرزا کے خلع عقیدت مسئلہ میں میں نے چینی پیدا ہو گئی۔

مرزا غلام احمد کے گھر والے جس طرح کی عیش و ترفند کی زندگی گزارتے تھے، اُس کے بارے میں مرزا کے ماننے والوں میں خاص طور سے خواجہ کمال الدین سے زیادہ غیر مطمئن اور متشکک تھا، خواجہ نے جواب سے اس کا اظہار بھی کر دیا کہ اُس کے خاندان کی عورتیں یہ دیکھ کر کہ مرزا کے گھر والے کی عورتوں کا معیار زندگی بہت اونچی ہے، اس لئے کہ وہ خود زندگی بسر کرنے اور تفریک کے لئے سو پریس انداز کرنے کے لئے رخصت نہیں آتیں۔

خواجہ کمال الدین نے ایک بار مولوی محمد علی (ابو جبرائیل) احمدی لاہور اور مولوی سرور شاہ قادیانی سے ہوتا دیا تو ان کا تامل ذکر عالم تھا، کہ یہی ڈنڈا،

مرزا نے اس بات کا اعلان کیا — کہ میرا غم سب میں کی میں، ماسواہت شہر کہ چکا ہوں یہ ہے کہ اسلام کے دوا ابراہیم، جس نے ایک یہ کہ اسلام کی کی
اطاعت اور دوسرا اس حکومت کی اطاعت برائے نام کیا ہے اس میرا غم سے بچانے کے لئے برفل عاطفت ہے۔ اسی حکومت — برطانوی حکومت — ہے۔
مرزا نے دوسری بات پر بھی وہ یہ کہ میں اپنی زندگی کے آغاز ہی سے ملک جب کہ میں ساڑھے سال کا ہوں، اپنے بیان و تعلیم کو ایک عظیم مقصد میں صرف
کیا ہوں اور وہ مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے قلب کو دیکھا زنی حکومت کی اہمیت، غیر خرابی اور ہمدردی کی طرف پھیر دوں، اور ان کے دلوں سے چھاد کے
تصور کے مٹا دوں۔ — اس میں یہ کہ ہرگز دنیا چاہتا ہوں کہ میری قوم پرست مسلمانوں کے دلوں پر بہت بڑا اثر ڈالے، اسلئے کہ ان کو آدمی تبدیل ہو گئے ہیں، امرزا
نے اعلان کیا کہ اس کی ذات برطانوی حکومت کی حفاظت کے لئے تادم اور تھیں کی حیثیت رکھتی ہے۔

مرزا صاحب اللہیت نام کے ایک پرورش قادیانی صیغہ زنا غنائے ن میں جا کر نصف چار کے خلاف تلقین و تعلیم کا آغاز کیا، اور پھر زنا غنائے ن خود بھی جہاں
کی قوت سے اپنی آندہ کو سنبھالنے کا حکم کرتے ہوئے تھے اور برطانوی حکومت کے لئے دوسرے ہوئے تھے، عبد اللطیف قادیانی کی اس تعلیم غنائے ن کے اندر اس شخص
کے خلاف اس قدر نفرت اور برسی پیدا ہو گئی، کہ حکومت افغانستان نے اسے چھاپسی پر لٹکا دیا۔

دعوتِ اعلیٰ کا طائر علی قادیانی کے ساتھ بھی افغانستان میں یہی صورت پیش آئی، اُن کے خلاف اس بات کا اثر تلگیا کہ وہ حکومت افغانستان
کے دفا نامی ہیں اور برطانوی حکومت کے ایک کٹ اے جاسوس ہیں اور اسلئے قادیانی عقائد پھیلا کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

مرزا بشیر الدین محمد نے پرنس آف ولز کی خدمت میں ۱۹ جنوری ۱۸۸۷ء کو پوسٹات نہ غیر مقدم پیش کیا تھا، اس میں ان حادثات کا ذکر سے فرمے
ساتھ ذکر کیا گیا کہ اس بات کو مانج کر کیا گیا کہ یہ قربانیاں اس امر کو ثابت کرتی ہیں کہ وہ (یعنی قادیانی) برطانوی حکومت کے دفا داری ہیں۔

مرزا کے مزاج و سیرت کا اس سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنی تحسیہ و بی گویاں، بل میں اور بولناشتا، رائے امرتسری کے لئے بار بار دہر
تکرار و لغت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

محمدی بیگم سے شادی کا سند اس سے کہ سلسلہ میں مرزا غلام احمد کی پیش گوئیوں نے اس کی بہت کی پس منظر طبعی محو دی، مرزا نے کہا کہ ہماری
پیش گوئیوں کی صداقت و کذب کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار اس ملک سے شادی کا سند ہے اور زنا کی یہ عادت تھی کہ وہ بدتر ہی آنا وہی کے ساتھ پیش گوئیاں
کی کہ تھا، محمدی بیگم سے اپنے نکاح کو نہ آسمانی لٹا فی حق اوت الہی قریباً اس سے اس پیش گوئی کو صرف اپنی صداقت ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ یہاں
تک کہ دیا کہ یہ حاصل اسلام کی شکست اور ختم کا معالجہ ہے۔ مرزا نے کہا کہ محمدی بیگم کے ساتھ اس کی شادی طے شدہ سند ہے اس لئے کہ آسمان ہی یہ بات طے کر
ہی گئی ہے اور اس پیش گوئی میں تبدیلی کا کوئی سالی ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مرزا غلام احمد نے ایک طرف تو اس جرم و تقین کے ساتھ پیمبرانہ انداز میں شادی کی پیش گوئی کی، دوسری طرف اس نے ملک کے باپ مرزا احمد علی کو

طاغی کیا۔

جو کہ میں بہت ہوں، اگر آپ نے استعزلی فرمایا تو میرے حق میں یہ ہر بات اور کریم النفسی کا سلوک ہوگا اور میں خدائے
کریم و رحیم کی ہارگا، میں آپ کی دماغی عمر کے لئے دعا کروں گا اور یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنی جائنا و اسعدلت کا تادی
محمد آپ کو پیش کر دوں گا، میں ایمانداروں کے ساتھ اس کا اعلان کرتا ہوں کہ جو چیز بھی آپ طلب فرمائیں گے، میں
آپ کو دے دوں گا۔

لیکن اس پیش گوئی کا یہ انجام ہوا کہ محمدی بیگم کی شادی مرزا سلطان محمد کے ساتھ، مارچ ۱۸۸۷ء کو ہو گئی اس پر بھی مرزا غلام احمد نے افسوس بھرا اس
پہ یہ کہنا شروع کیا کہ بالآخر زلی اس کے جہانِ حق میں آکر رہے گی، اس نے حلفِ شری کے ساتھ اس کا اعلان کیا — کہ —

یہ بات سچ ہے کہ اس خالوں کی میرے ساتھ شادی نہیں ہوئی لیکن جس طرح پیش گوئی میں واضح کر دیا گیا ہے اس کی

۱۔ رہا ہے اسلام - احمدیت کے بغیر یعنی وہ مسلمان جو حضرت مرزا صاحب کے بغیر ہے، روکھا
 پھینکا (D.R.Y) اسلام ہے، پس اسی طرح کہ کچھ بھی اس پر یعنی زیادت یا دین کے بغیر روکھا پھینکا
 کچھ ہے کہ نہ کچھ کے جو اعتراض و مقاصد ہیں وہ اس زمانے میں یہاں درج دیاں ہیں، پھر سے ہو جائیں گے۔
 تیار یا نہیں نہ مذہب کا جو تاریخ متعین کیا ہے، اس کا ہندوستان کے قوم پرستوں نے بڑے عوش و خروش کے ساتھ بغیر مقدم کیا، ایک ہندو
 اہل قسم کا کٹر مشنر ہوا دہرائے پڑی قابلیت کے ساتھ اس نقطہ نگاہ کی ترجمانی کی ہے، ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

• ملک کے سامنے یہ نیا وہ اہم سوالیہ یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں کس طرح توئی جذبات پیدا کیے جائیں مسلمانوں
 کے ساتھ حکومت بعض اوقات معاہدے کرتی ہے کبھی ہم ان کے ساتھ مدد سے بازی کرتے ہیں اور کبھی ان کو اتحاد کی دعوت
 دی جاتی ہے مگر یہ تمام جو بے نتیجہ ثابت ہوئے، مسلمان اب بھی اپنے کو جلا کا نہ قوم سمجھتے ہیں اور دین ملت عرب کے
 گیت گاتے ہیں اگر ان کا بس چلے تو وہ ہندوستان کو "مغرب" بنا دیں، اس اندھیرے اندھا آمیدی کی فضا میں۔
 ہندوستان کے قوم پرستوں اور وطن دوستوں کو آمید کی صرف ایک ہی شمع نظر آتی ہے اندھی آمید کی شمع
 • احمدیوں کی تحریک ہے، مسلمان جس قدر تعداد میں بھی احمدیت کی طرف مائل اور مائل ہوں گے وہ تباہی کو
 اپنا کہ سمجھیں گے اسی نام کا وہ ہندوستان سے محبت کرنے والے اور سچے نیشنلسٹ بن جائیں گے۔
 • مسلمانوں میں احمدیت کی اشاعت رفتاری ہی پان اسلامزم اور عربی ثقافت، ہمت کی ضرب لگا سکتی ہے جس
 توئی نقطہ نگاہ سے احمدیت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

ڈاکٹر مشنر کا دہرائے یہ بھی لکھا۔

• یہی وجہ ہے کہ مسلمان احمدی تحریک کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ احمدیت
 عربی تمدن و ثقافت اور اسلام کی مخالفت ہے، تحریک خلافت میں احمدیوں نے مسلمانوں کے ساتھ اتفاق و اتحاد نہیں
 کیا، ترکی اور عرب کی بجائے وہ یعنی احمدی / تاربان میں خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں یہ چیز عوام مسلمانوں کے لئے
 جو ہمیشہ پان اسلامزم اور عربی وحدت کے خواب دیکھتے رہتے ہیں خواہ کتنی ہی داپوس کرنے والی کیوں نہ ہو، مگر
 نیشنلسٹوں کے لئے تو فوری مسرت ہے۔

جس زمانہ مرزا خدام احمد کے ظہور پر؟ کا ہے، اس زمانہ میں مسلمانوں کے اندہ جو شش بھارا مہار نے کی خاص طور سے ضرورت تھی، کیونکہ مغربی حکومتیں
 جنگی طاقت کے ندر سے مسلمانوں کی حکومتوں کو دباؤ اور ان پر غالب ہوتی چلی جاتی تھیں۔ دوسری چیز مسلمانوں میں قاسم اصلاح یہ تھی کہ
 غلط قسم کے توجہات اور بغیر پستی کہ میں وہ مبتلا ہو گئے تھے، اور کثرت الہ اور مشرک کا نہ بدعت و رسوم کا فلسفہ ان بلا شام آواز پر مٹا تھا، یہ وقت
 ایک بہرہ اور مصلح کے لئے۔ "توحید و مسرت" کی اشاعت کے فروغ کو ادا کرنے کا تھا۔

ان مسائل کے علاوہ بیرونی اقوام اور مادی پرستانہ تمدن سے جو مسلمانوں کا واسطہ پڑا، تو ان میں معاشرتی اور اخلاقی طور پر بڑی پستی پیدا ہو گئی
 اندھیہ اخلاقی پستی اس منہ بگ بگ کئی کہ گناہوں پر ملامت کا احساس دلوں سے نکل گیا، عیش و عشرت کی زندگی سے محبت ہو گئی، ذہنی طور پر بیرونی
 حکمرانوں کی غلامی نے خود داری کے جذبہ کو فنا کر دیا، اور مغربی تمدن کی نفی اور بدعنوانی / قاذوں کے طرز زندگی کی تقلید کر کے اسلامی تعلیمات
 کی مخالفت تھی وجہ غشہ اور ترقی کی نشانی سمجھا گیا۔ یہ موقف واضح طور پر اس کا مطالعہ کرتا تھا کہ مسلمانوں میں ایک ایسا "بچاؤ پیدا ہو،
 جو اس سبب کا مقابلہ کر سکے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں میں دین کے بارے میں بے خبری پائی جاتی تھی، جس کا سبب یہ تھا کہ انگریزی دہ میں عوام کی جدید تہذیب پر تعلیم و تربیت پوری تھی، مسلمان اسلام کی تعلیمات و تاریخ اور عقیدے سے بیگانہ پڑتے جا رہے تھے، یہ صورت حال اس کی مقتضی تھی کہ مسلم سرسائی میں دینی تعلیمات کی بہت طاقتور تحریک پیدا کی جائے جس کے نتیجے میں مسلمانوں میں اسلام سے گہری عقیدت اور وابستگی پیدا ہو جائے۔

ایک اسلام جم تفرصت اس زمانہ کی مسلم دنیا کی یہ تھی کہ انبیاء کلام کے زائد وضع پر مسلمانوں کو ایسی زندگی بسر کرنے کی دعوت دی جائے جو اپنی پشت پر ایمان و یقین اور اصلاحی و خیر کی قوت رکھتی ہو، یہ واقعہ یہ کہ مسلمانوں کو نہ اس زمانے میں اللہ کسی اللہ نے جس کسی نے مذہب اپنے نئی کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ ضرورت اس کی تھی کہ مسلمانوں کے یقین، ایمان کو تازگی دی جائے، اور ابدی صداقتوں کے لئے تازہ عروج پیدا کیا جائے اور حضرت خاتم الانبیاء و محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے جس ہدایت اور تعلیمات کو نازل فرمایا تھا، اُن کو تازہ کیا جائے!

مسلم دنیا کی من ضرورتوں کا ادھر، ترک کیا گیا ہے، اُن کو برقرار کرنے کے لئے ایسے متعدد درویشانِ خدا پرست اور جاہل کا پرہیزا ہونے جنہوں نے بڑے بڑے درویشوں کے ساتھ نہ تو کوئی نئی امت بنائی، نہ انہوں نے کسی نئے نئی کی طرف مسلمانوں کی دعوت دی اور نہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کیا! ایسی شخصیتیں اور ان کی جدوجہد مسلم دنیا کے لئے محنت و محنت ثابت ہوئیں، اُن کا مشن اسلام پر قسم کے مشرب سے بالا تھا اس کا کوئی انکار اور اندیشہ ہی نہیں کہ ان کے گئی عمل سے امت اسلام کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے کسی چیز کو ضائع کرنے بغیر مسلمانوں نے ان سے ناگوار تھا یا مسلمان ان کے احسان مند اور شکرگزار ہیں!

ایسے نازک زمانہ میں جو مسلم دنیا کے لئے بڑا ہی اہم زمانہ تھا، ہندوستان جو ذہنی اور سیاسی کشمکش کا آماجگاہ بنا رہا تھا، وہاں رہنا فہم اور نہ بے اور ایک نئی تحریک کا آغاز کرتا ہے، اس زمانہ میں مسلمانوں کے سامنے کچھ کیسا ہمارا اور عجیب مل تھے، ان سب کو فطرتاً انسان کے مرنے فہم اور نہ زنا ب مسیح کے مسئلہ کو تھا یا اور اس کا دعویٰ کیا کہ میں مسیح موعود ہوں، جو کچھ قوت اللہ تعالیٰ اور قوت اس دعوے کی تائید و توثیق سے باقی رہی اس امر کی امانت میں صرف کیا گیا کہ جو اہل موعود ہے اور بطوری حکمت کی اطلاع دینی فریضہ ہے، تقریباً نصف صدی تک انہی سب پر کشمکش ہوتی رہی۔

مرزا فہم اور نہ مسیح کے موعود پر جو کچھ لکھا ہے اگلا ہے اُس کی کتابوں سے خارج کر دیا جائے تو پھر ان کتابوں میں مشکل ہی سے کوئی کتاب ذکر کی دے گی!

مجھے زیادہ دیکھنے اور سنانے کی بات یہ ہے کہ مرزا نے اپنی نبوت کا ایک حیدر قائم کر دیا کہ جس پر ایمان نہیں لانے اور اللہ اے قبل نہیں کہتے وہ اسلام دنیا کی وحدت کی پادہ پادہ کرنے کی تدبیر! الیا کرنے سے مرزا فہم احمد نے اپنے اور مسلمانوں کے درمیان ایک آہنی دیوار کھڑی کی یہ صورت حال پیدا ہو گئی، اس دیوار کے ایک جانب مرزا کے چند ہزار ماننے والے تھے اور دوسری طرف دنیا کے باقی مسلمان تھے، جو کرکٹ بین تلک پھیلے ہوئے تھے، جن کے یہاں عظیم شخصیتیں تھیں، بہت سی مفید تحریکیں اور بہت سے علمی و دینی اُردو سے تھے اور علم و اخلاق کی تربیت کا سینہ تھیں اس طرح مرزا فہم احمد نے بلا وجہ اور کسی ضرورت کے بغیر مسلمانوں کی مشکلات میں بیٹھے بٹھائے اور ان کو کیا اللہ بن مسائل سے وہ بے چارے ان میں اس نئی آہن کو بڑھا دیا۔

مرزا فہم احمد نے مسلمانوں کے ذہنی ترک میں کسی ایسے مفید چیز کا اضافہ نہیں کیا، جس کی بنا پر اُس کی شخصیت کا اعتراف کیا جائے اور جس کے کی کو مجاہد نسل اُس کا احسان ماننے مرزا نے فحاشانے نہ تو کوئی ایسی تحریک شروع کی جس سے اسلام کا احیاء ہو سکتا اور جس سے مسلمانوں کا فائدہ پہنچ سکتا تھا، اُس نے مسلمانوں کے عظیم اور اہم مسائل میں کسی مسئلہ کے حل کر نہیں کوئی مدد کی، اور نہ اُس کی تحریک ہم عصر تمدن کیلئے تھی جسے جو صورت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے اور اُس کو ہندوستان یا یورپ میں اسلام کی تاحات کے لئے دلچسپی کرکٹ دیا جا سکتا ہے

خدا کا نام لے کر پڑھنا اور اللہ کے فضل سے کام لینا۔ اس کا مقابلہ آفاقی انسان کے اسلاف سے کیا جاسکتا ہے۔

فاضل مصنف آخوئیں لکھتے ہیں کہ جب میں احوال النساء کی باطنیت، ایران کی بہائیت اور ہندستان کی قادیانیت کی تادیغ کو پرکھتا ہوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ ان تو حکموں کے ناموں نے اسلام اور حضور قائم النہیں کی سوانح حیات کو مٹا دیا ہے، تو ان کے ذہن میں یہ بات آتی جب کہ ایک تبار اور کوا کوا بہت پر تو بال و دھلت ہے اور نہ اس کی حد کے لئے کرتی فوج ہے، اگرچہ بھی وہ لوگوں کو ایک مسلک اور ایک مذہب کی طرف دعوت دیتا ہے اور زیادہ زمانہ نہیں گزرنے پاتا کہ ایک نئی امت ایک جدید دنیا ست اور ایک نیا تمدن وجود میں آجاتا ہے انہوں نے یہ بھی سوچا کہ تنہا شخص واحد ان کی تادیغ کے مرتکب کو بدل دیتا ہے اور واقعات کے دھارے کی ایک منفرد وسیع میں بچھ کے لئے محمد کے دیتا ہے اس غور و فکر کے بعد ان کو گورنگر بس مزید راجہ نظرت نکلان کر یہ سمجھایا کہ تم خود کوشش کر کے کیوں نہیں دیکھتے؟ — یہ لوگ جانتے تھے کہ ان کے پاس دلالت ہے اور نہ ہی ظنی قابلیت ہے انہوں نے سوچا کہ ان کے معاملے میں بھی ممکن ہے کہ تاریخ اپنے کو دہرا دے۔ ان ہوں پرست قسمت آناؤں نے اپنی جدوجہد کے لئے اسی قسم کی معجزانہ کامیابی کی توقعات قائم کیں، جس طرح چشتی صدی عیسوی میں نبی امی (رضا و روحی و مالی و دینی) کو سپہانہ کا بیابان الشقاق کی فی نصرت زمانہ سے حاصل ہوئی تھیں، یہ لوگ اس دہم و فانی میں مبتلا تھے کہ ان کی نظرت ہمیشہ دیکھ ہی رہی ہے، جب ان کی نظرت نے زمانہ ماضی میں جھڑکے ہوئے ایک کوئی دہر نہیں ہے کہ وہ ان کو — دیکھ نہ کیے !

ان لوگوں کی نگاہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی سرسری جھلکی تھیں، یہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ انہوں نے حضور کو نعمتِ انبی حاصل تھی جو حضرة کی اصل عظمت تھی، اور شہادتِ انبی بھی، جس پر حضور کی غایت واسطہ اور آئینہ تھی۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑی سی مدت کے لئے ان برس پرست شخصیتوں کی کوششوں کو قدر سے کام لیا یہ نصیب ہوئی، ان کے جیسے کچھ جیسے وہ |
اکتھ برس گئے جن کی تعداد کسی کوئی لاکھ بھی ہو گئی، ان میں بعض لوگ درشتا باطنی اپنی ایک حکومت قائم کر لیں جی کامیاب ہو گئے، اور کچھ دن
لئے یہ حکومت سونے سے موکش تک وسیع ہو گئی، لیکن یہ بات بس اسی وقت تک باقی رہی جب تک وہ اپنی تعلیم کو قائم رکھ سکے اور ان کی خفیہ تحریک
کام کوئی دبی لیکن جب یہ غیر برصغیر ہو گئیں تو ان کی طاقت و سطوت اور شوکت و اقبال اس طرح رخصت ہوئے کہ وہ ماضی کی ایک تلخ یاد بن کر
رہ گئے۔

مگر اس کے برخلاف حقیقی اسلام جس کو نبیؐ آفرنے پیش فرمایا تھا۔ آج بھی اسی طرح قائم رہا ہے اور زندہ و پائندہ ہے جس طرح کہ خداوند عظیم روحانی طاقت ہے اور اس کی ہدایت و رہنمائی کے لئے روشن تارہ اور روحانی نیشن و ناسیروں کا محرک بنا ہوا ہے۔ اللہ اب تک خدا سلطنتوں اور مملکتوں کا دین ہے۔ محمد عربیؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا قیام آج بھی درخش رہا ہے اور تاریخ اس کی آواز دہی نہیں کر سکتی کہ اس پر محمد عربیؐ اب کو بھی عین گلاب اور انار اللہ اب بھی مرگا۔

[illegible]

میرزا سلیمان نے کاہنہ ۱۔ مرتب ہے ۱۰۹۰ھ یلیک روڈ، شرف آباد، کراچی۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے عظیم فضل و کرامت دے کر ہمارے دلہنری خوبوں کے ساتھ شہر ۱۹۰۱ء ۱۲۰۱ھ میں

یہ نقشہ خیر نظم اور جزوی شریعت کے انبارِ ندیم میں چھپ کر عام ہوئی، اس کو پڑھ کر حضرت علامہ میں گئے
 اور فوراً اس کا حقائق فی الہدیہ جواب نظم فرما دیا، انداسی دن اسی انبار کو بھیج دیا۔
 یہ دسین ہے علامہ سید سلیمان ندوی کی پرگوئی کی، طریت ایمانی نے اس میں اضافہ فرمائی اور آندھ میں پبلش کر دیا۔
 علامہ مرحوم کی شاعرانہ طبیعت کے برسرِ غزل کے مقابلہ میں نظم میں تیار نہ کھتے ہیں، علامہ شریعی نعمانی ہمارے میں ہر نظم کی ہے اس کے چہرے
 پڑھتے اور غور نظر ہو جئے۔

بیابانے قہرِ خوان جاوے فریدی و گیند
 نہ الہا نے نہ دیانے نہ دیکھے نہ اورنگے
 دشتِ سجدہ گاہِ قہر و ابرائی نہشت ہی
 ان شعور کے شہابی نعمانی کی شاعری کا آہنگ سخاوت دینا ہے
 نازی نصیدہ کے اس شعر میں۔

کبن دستارِ اوبلا ترا از اکلبِ سلطانی
 صیر کبریا بش بہتر ز اورنگِ سلیمانی
 اورنگِ سلیمانی مکھشکا، غالب سندھ شاعر تھا اس نے قریب پرغائی کے ساتھ کہہ دیا۔
 اک کھیں ہے اورنگِ سلیمان مرے نیک
 اک بات ہے اجمار سیما مرے آگے

مگر اورنگِ سلیمانی کو چونکہ اللہ کے مقدس نبی حضرت سلیمان علیہ السلام سے نسبت ہے اس لئے مولانا سید سلیمان ندوی کو عام شعرا کی تقصید میں
 یہ تشبیہ نہیں دینا چاہتے تھے۔
 کتاب کے دوسرے حصہ کے منتخب اشعار۔

طوبی غنم کے لئے منظور مجھے عسکر دواز
 بات ہے ہنس اور مشکل بھی
 یار کی زلف کا قہر ہے یہ کوتاہ نہ ہو
 صاف گھل کر کہا نہیں جاتا
 بت پرستی بھی کروں ادبیت شکن بھی توں
 آنکھ میں قید کے آنسو دل میں اُس بت کی ہوس
 شکستِ رونی بتِ خفا نہ ہو نہیں مکتی
 حلفا نے اپنی پہلی البیہ کی زفات پر مرتبہ کہا ہے جس کا یہ شاعر کس قدر اندکشیہ ہے۔
 تیرے چاہے یہ گسان تھا کہ ہر محشر ہر پا
 تو گھیا ادب بجا دہر میں محشر نہ ہوا
 نظریں میں۔ متاوج حق گوئی۔۔۔ اور۔۔۔ دس مسامحت۔ بلند پایہ نظمیں ہیں۔
 دوسرے آدھ۔

آتا ہے خدا بھی ترے صفتے میں مجھے یاد
 گویا کہ بظاہر میں خدا بھول گیا ہوں (ص ۱۵)
 مگر لانا ضروری تھا، خدا کو بھول گیا ہوں
 ہر عبادتِ نظرتِ خدا ہوئی
 دل میں گریٹھا بتِ خود کام ہے (ص ۱۸)

ہزار بار مجھے مل گیا ہے مقتل میں وہ ایک قطرہ خون جو رگ نگاہیں ہے

ڈاکٹر اقبال نے ان نظموں میں داد دی —

”آپ کی یہ غزل لا جواب ہے بالخصوص یہ شعر مجھے بڑا پسند آیا“

علامہ سید سلیمان ندوی کے لئے شعر گوئی نا لوی چیز تھی، اگر ان کو علمی کاموں سے فراغت ملتی اور وہ شاعری پر پوری توجہ دیتے، تو ان کا شمار نابل ذکر شاعروں میں ہوتا، شعر گوئی کا جو ہر بالقہ ان میں موجود تھا مگر اس پتہ بالغفل کی پوری طرح حقیقت نہ ہو سکی! مرید نے بہر حال اپنے لائق احترام شیخ کی حقیقت کا اس طرح حق ادا کر دیا۔

ذکر الشہد

انصاف مولانا مفتی محمد شفیع مدظلہ

ضخامت ۱۰۰ صفحات درمیان خوشنما قیمت ۵ روپے

افادہ درود و سلام کے فضائل و مسائل

مفتی کا پتہ ۱۔ دارالعلوم کراچی

اس کتاب میں حضرت مولانا محمد شفیع نے ذکر الہی کے طریقے، مسائل، فضائل اور سنون دعائیں بڑے سلیقہ سے سب سے اعلیٰ درجہ کے ساتھ ترتیب کی ہیں، اور دوسرے باب میں درود شریف کے فضائل و مسائل درج فرمائے ہیں! درود شریف کے ضمن میں یہ بھی لکھنا چاہئے تھا کہ مسلمانوں نے سجدوں اور سیرت النبی کی محفلوں میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا جو طریقہ ایجاد کیا ہے اس کے لئے کوئی سند کتاب و سنت، آقا صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام میں نہیں ملتی، لہذا یہ ”بدعت“ ہے! شرک و بدعت کی تردید میں کلام اللہ مجید کی نامائلی کا قطف نہیں کرنا چاہئے!

”عالم بیداری میں زیارت“ — اس عنوان کے لئے صحابہ کرام کے حالات یا تابعین کے واقعات سے سند قطعی ضروری تھی، شیخ عبدالوہاب نوافی اور علامہ سید قطی کی اسناد اس باب میں حجت نہیں ہیں! اس قسم کی دعائیوں سے ذہنوں میں خلجان پیدا ہو سکتا ہے اور ان روایتوں سے اپنی بدعت قائمہ اٹھا لیتے ہیں۔

اچھے موضوع پر یہ کتاب خوب نہیں، بہت خوب ہے، ذکر الہ اور درود شریف سے نہایت کاتر ہونا، بہت بڑی سعادت اور شرف و کرامت ہے!

فاران کیمبر لوحیہ

شائقین کے لیے حاضریہ پریسری بارشائع ہوا ہے جو اب ختم ہونے والا ہے قیمت فی کاپی : چھپے ۷ پیسے
(علاقہ مصر لٹاک)

میلے کا پتہ ۶۸۸

مکتبہ فاران کیمبر اسٹریٹ کراچی ۷

طاقت و توانائی کا مکمل کورس

مستقل فائدہ - قابل اہمیت و توانائی - فرحت بخش تشہدستی
دل، دماغ و معدہ اور جگر کے لئے کیریجے منشی اشاکے میلا، مادہ حیات کا محفوظ اور طبعی رکاوٹ پیدا کرنے والا
ایک ماہ - ۵ دن روپے
میراثی کمزوریوں کے لئے بے ضرر مرکب
ایک ماہ - ۵ دن روپے
طالبانہ شباب خاص

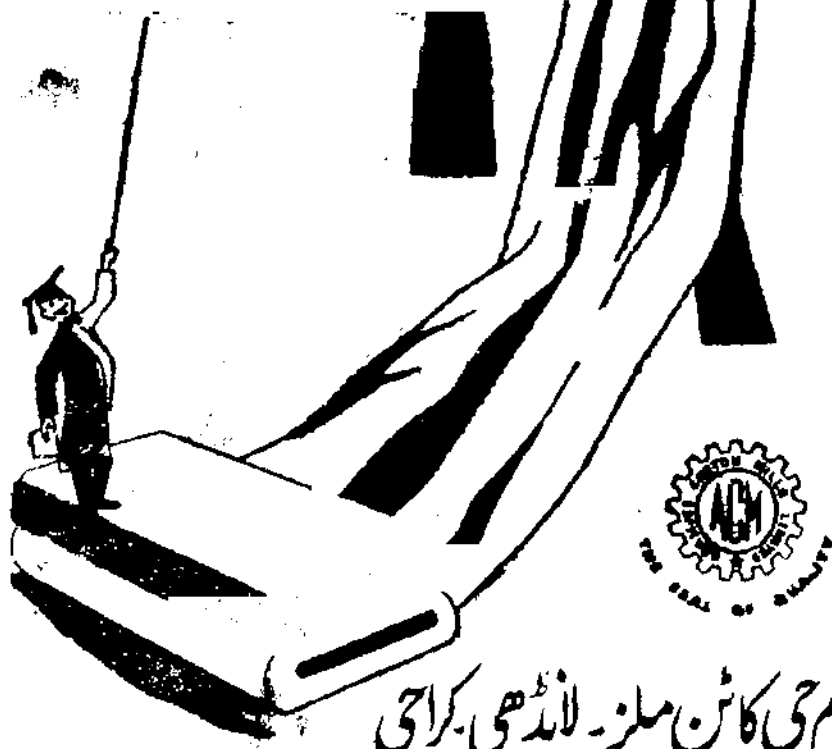
اعضائے ریسہ اور جنسی قوت کو بڑھانے والا کیمسٹری اجنبی مغز کو ٹھیک - ضرور - طاقت و فیورہ -
کشتہ چاندی کشتہ سہ دھاتہ وغیرہ کا مرکب
ایک ماہ - ۵ دن روپے
بہوب کیمیا خاص الخاص

(نوٹ) ہر سہ ادویات کا مکمل کورس - ۳۶ روپے

نصف کوری - ۱۹/۵۰ روپے - مکمل کورس ملتا ہے پھر لٹاک عات

میلے کا پتہ - اشرف لیبارٹریز، لائل پور، فون نمبر ۳۰۶۱

آدم جی کاٹن ملز
لاڈھی کراچی



آدم جی کاٹن ملز - لاڈھی کراچی

آپ وقت سے پہلے کیوں مڑ جائیں!

درجہ سے نو آدمیوں میں قبل از وقت پہلے کے آثار نظر آتے
 تھے ہیں اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ان کا فیضان ہوتا ہے
 اس غیر طبعی حالت سے بچنے کے لئے ہمیں درکار ہوا اہم و فائدہ
 استعمال کیجئے۔ یہ صحت و شباب کا امر، کھانسی، سرفہرہ، سردی
 جلدی، حقیقت کی سند ہے، ہمارے اہم کے خواص اور ترقی کو کمال تک
 پہنچانے والا ہے اور آپ سے ہر لحاظ سے ایک ایسا مکمل ماوراء

ہمیں یہ سب سے بڑا سبب ہے جو ہمارے اعصاب کو قوت بخشتا ہے اور
 ہمارے نظام جسمانی کو چاق و چوبند کر کے سال بھر کے لئے
 ضروری بناتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی تاثیر کو آنا چاہیے ہیں

حاجۃ الاسلام

جاڑوں میں قوت اور صحت حاصل کرنے کے لئے ایک مکمل اور موثر تاج



پورے دروازہ (دفعہ) پاکستان
 کراچی - لاہور - دہلی - ممبئی - چنائی

شماره ۹

جلد ۱۸

ماہنامہ فاران کراچی

ماہ دسمبر ۱۹۶۶ء

ایڈیٹر ————— ماہر القادری

ترتیب

۳	ماہر القادری	نقشِ اول
۱۵	انوار عالم	زہنی الجماعہ اور اسلامی تفکر
۲۱	محمد اقبال سہیل دعبہ	عالم اسلام میں علماء و دانش کی حالتِ نادر
۲۶	پروفیسر افتخار احمد مخدوم وھابوری (ایم اے)	جگر مراد آبادی، فن، شخصیت اور شاعری
۳۳	مولانا عبداللہ عیاس ندوی	جمال ناہری حکومت سے بیزار کی کہیں
۴۰	دعید الدین خاں	روپہ انتخاب
۴۱	ہماری نظر میں

چند سالانہ	پبلشر : مسٹر وحید	قیمت فی پرچہ
سات روپے	مقام اشاعت	۶۲ پیسے
	دفتر ماہنامہ فاران کیمپبل اسٹریٹ کراچی	

مسٹر وحید پبلشر نے انٹرنیشنل پریس کراچی میں طبع کرا کر دفتر ماہنامہ فاران کیمپبل اسٹریٹ کراچی سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ اول

حکاماتِ آئینہ جیسے سے یہ اصطلاحیں ہم تک تو اتم کے ساتھ پہنچ رہی ہیں کہ قادیانی اپنے لٹریچر اور شخصی ملاقاتوں کے ذریعہ مسلکِ قادیانیت کی دعوت دے رہے ہیں، ان کی سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں، اسی عرصہ میں خود ہمارے پاس قادیانیوں کی دھمکی جملہ کے دفتر سے اندر پھر قادیانیوں کے مرکزِ دہلہ سے امان کی کتابیں آئیں۔ اس طرح ان اصطلاحوں کی پیدائی کی طرح..... تصدیق ہو گئی، حیرت ہے انگریز کے دور میں قادیانی اپنے کفر بہ من کی تبلیغ کرتے ہوئے جھوک محسوس کرتے تھے، مگر پاکستان میں ان کی ہوا میں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ وہ اہل ایمان کو گمراہ کرنے اور انہیں بے ایمان بنانے کے لئے کھلے بندوں قادیانیت کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اور اس فتنہ کے خواب سے بالکل بے پروا ہیں۔

قادیانیوں کی ترویج میں بیسیوں کتابیں متعدد زبانوں میں لکھی گئی ہیں، لیکن وہ ہر کسی کو آسانی سے نہیں دے سکتیں، پروفیسر محمد الیا برنی مرحوم کی تالیف ”قادیانی مذہب“ تک بائبل میں ناپید ہے، اس صورت حال کا افسانہ کرنے کے بعد ہم نے اس کی شدید ضرورت محسوس کی، عوامِ مسلمہ کو اس فتنہ سے بچانے کے لئے قادیانیت کی ترویج میں ایسے دلائل و مضامین کے ساتھ ہی غورانی کی کتابوں کے مقالات جمع کر دیں گے مطالعہ کے بعد چھٹی نبوت سے مسلمانوں کی نفرت و بیزاری اور یہاں تک کہ وہ شدید ہو جائے، اور وہ اس مسلکِ فتنہ کے بانی اور دعوت دہ والوں کو سمجھتی بلکہ دشمنی کے ساتھ دھتکار دیں، تاکہ وہ پھر ایسا کرنے کی ہمت نہ کر سکیں اور انہیں اچھی طرح اس بات کا احساس ہو جائے کہ کسی جدید جہت اور مفروضہ سمیت موجودہ کے بارے میں ایک حرف بھی سننے کے لئے تیار نہیں ہیں اور قادیانیت سے نفرت و بیزاری کو سب سے اسلام و ایمان کا تقاضا اور دلیل سمجھتے ہیں

جب پاکستان میں فتنہ قادیانیت کی تبلیغ پر کوئی موک ٹوک نہیں ہے۔ تو مسلمانوں کو اس گمراہ مسلک کی ترویج کا بھی حق حاصل فتنہ قادیانیت کی ترویج پر کوئی ”فرقہ واریت“ سمجھتا ہے وہ رواداری کے آس و ہم میں مبتلا ہے، جس کا نام دینی بے غورگی اور بے سمجھی ہے۔ شخص دین کے معاملہ میں بالکل گمراہ اور اسلام و ایمان سے قطعاً بے خبر ہے، جو قادیانی مذہب کو مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھتا ہے، قادیانیوں اسلام اور مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ گمراہ امت محمدیہ کی مخالفت جدید امت (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کی امت) میں شامل ہے قادیانی امت محمدیہ سے بالکل جدا گانہ، جدید اور مختلف امت ہیں، اور یہ گمراہ مسلمان فرقوں میں شامل نہیں ہے، مسلمانوں کا کسی قسم کا کوئی دینی رشتہ نہیں ہے، اپنے اس موقف کا خود قادیانیوں کو بھی احساس ہے، اس کے لئے بالکل سامنے کا ثبوت یہ ہے کہ ہندوستان میں ہندوستان گیر ہمانے پر مسلمانوں کی جو تحریکیں اٹھی ہیں چاہے وہ خدامِ کعبہ کی تنظیم ہو، تحریکِ خلافت ہو یا قیامِ پاکستان کے لئے جدوجہد:

قادیانیوں کا ان سے کوئی واسطہ اور کسی قسم کا ربط و تعلق نہیں رہا، مسلمانوں کی ان تحریکوں اور تنظیموں میں نہ تو خود قادیانیوں کا شامل ہونے کی جرات اور خواہش کی اس قدر مسلمانوں نے ان کو دعوتِ شرکت دی؛ دنیا کے دوسرے مسلم ممالک پر کیسے کیسے نازک انداخت وقت آئے مہینا قادیانیوں نے ان کیسے نکل اور مشکلات و مصائب سے کسی قسم کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں رکھا !

مرزا غلام احمد قادیانی کو خود بھی اس کا احساس تھا کہ وہ ممالکِ چین مسلمانوں کی حکومتیں ہیں وہاں اُس کے پیش کئے ہوئے مذہب کا کاروبار نہیں چل سکتا، اُس نے خود اس کا اعتراف کیا۔

- کیونکہ میرے اعلیٰ معاصر جو بن بقیہ ہند کی حکومت کے ساتھ کے نیچے انجام پذیر ہو رہے ہیں، ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ کسی اور گورنمنٹ کے زیرِ سایہ انجام پذیر ہو سکتے، اگرچہ وہ کوئی اسلامی گورنمنٹ ہی ہوتی۔

(تحفہِ تبصرہ - مصنفہ مرزا غلام احمد ۱۸۹۶ء)

دل کا چھرا اندھ ہی اندھ کہ رہا تھا کہ مسلمان حکومتیں نئے نئی اور جدیدیت کی تبلیغ کی اجازت کس طرح دے سکتی ہیں اور وہ کسی سیاسی مصلحت کی بنا پر چشم پوشی بھی کر جاتیں تو ان حکمران مسلمان عوام اس بے حسیتی اور بے غیری کو کس طرح گوارا کر سکتے ہیں۔ جتنا نچر افغانستان میں قادیانی مبلغین کا جو منظم مادہ سب کو معلوم ہے؛ ارضِ مقدسہ تہذیب قادیانیوں کا داخلہ آج تک ممنوع ہے، اگر کبھی کسی قادیانی کے تہذیب میں موجود ہونے کی اطلاع مل گئی ہے تو اُسے گرفتار کر کے ایک مینی و دو گولش ملک بند کر دیا گیا ہے؛ البتہ سب کچھ اس عقیدہ کی بنا پر ہے کہ قادیانیوں کا تہذیبی امتِ محمدیہ میں شامل نہیں ہیں، نہ یہ مسلمانوں کا کوئی فرقہ ہے اور نہ ایمان و اسلام سے اس گروہ کا کوئی تعلق ہے !

مسلمانوں کے تمام فرقے اللہ و رسول، کتاب اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اس لئے وہ مومن اور مسلم ہیں، انہوں نے کلامِ خداوندہ کو اپنا اصول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب نہ کسی شخصیت پر قیامت تک کوئی آسانی بھیجید نازل ہوگا اور نہ کتاب اُترے گی، وہی نبوت کا بھی کوئی امکان باقی نہیں رہا، اس وحدت میں مسلمان کسی ایسی شخصیت کو سچا اور صادق القول کس طرح سمجھ سکتے ہیں جو اپنے منکر کو کافر کہتا ہو اور خود اسی کے قول کے مطابق دوسرے نبیوں کی طرح اُس کا ماننا ایمان کی لازمی شرط اور جس کے انکار کو کفر سمجھا جائے !

اللہ تعالیٰ کی کتاب بہ حرف بہ حرف موجود اور محفوظ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اذکار کے ایک ایک لفظ کو امت نے حذر جان بنا کر رکھا ہے، صحابہ کرام کے آثار بھی کتابوں میں لکھ لئے گئے ہیں، اُس کے بعد صلواتِ اُمت اور اسخونِ العلم کے لاکھوں صحابہ اُمت کو بدعتی دے رہے ہیں، حکمت و موعظت، ظہارت و تقویٰ اور ہدایت و نجات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو تشنہ اندا دھو رہا نہ گیا ہو، اُمت نے کسی دھن میں بھی بعثت خاتم النبیین کے بعد وہی نبوت اور صالح وہی نبوت کی ضرورت محسوس نہیں کی، اللہ تعالیٰ کی کتاب اُسا سوا رسول کو اللہ کی ہدایت کے لئے ہر اعتبار اور ہر جہت سے کافی و کافی سمجھا گیا، اللہ تعالیٰ نے ختمِ نبوت کے ساتھ دین کا اتمام بھی فرمادیا، اس میں اب کوئی اضافہ نہیں کر سکتا؛ پھر اُمت کا کوئی دفعہ صلوات اور اہل علم و تقویٰ سے خالی نہیں رہا، دین کی تجدید و احیاء کے لئے عظیم شخصیتیں پیدا ہوتی رہی ہیں، مگر انہیں سے کسی شخصیت کو بھی وہی عظمت اور شرف و کرامت کے باوجود نبی کے حاشیہ و ہمسر یا اُس کا ایک نفل و برکت نہیں مانا گیا، جس کا ماننا ایمان کی لازمی شرط ہے، اور جس کے انکار سے مسلمان کافر ہو جاتے ہیں، ان میں سے کوئی عظیم و مقدس شخصیت نہ تھی امتِ مسلمہ سے کٹ کر نہ تو کوئی جماعت بنائی نہ کوئی مسنود و سلسلہ قائم کیا، ایسا سلسلہ کہ جس میں داخل نہیں ہے، وہ کافر ہے ! اور نہ کسی مجدد نے صرف اپنی طرف دعوت دی اور نہ کسی شخص نے کسی مجدد کو معیار حق ادا ایسے منصب پر فائز سمجھا، جس کا انکار کفر کے مترادف ہو !

مؤمنین اللہ تعالیٰ کے فضل سے ساتھ گروہ مسلمان موجود ہیں، وہ ایک سب اللہ و رسول، کتاب اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، اس قول و اعتقاد کے بعد ان کو ایمان و اسلام میں آنے کی کوئی عذر نہیں ہے اور وہ آخر کس دلیل کی بنا پر اس بات کو درست و صحیح مان سکتے ہیں کہ خدا و رسول و کتاب و

قومِ زراعت اور جس کی جوانی کا آغاز مسلم دشمن حکومتِ برطانیہ کی دغا داری اور نیا مذہبی سے ہوا ہے، اُس کے بارے میں شروع ہی سے کلامت ہے۔
پیدا ہو جاتی ہے اور نکلے۔۱۔

”اے قیصر و ملکِ معظمہ! ہمارے دل تیرے لئے دعا کرتے ہوئے جنابِ الہی میں جھکتے ہیں اور ہماری سوجھیں

تیسرے اقبال و سلامتی کے لئے حضرت احدیت میں سجدہ کرتی ہیں (تحفہ قیصرہ - ۱۸۹۷ء)

دیکھتے ہیں بچ موعیز اور نبی ملک و کشمیریہ کی اقبال، بساطی کے لئے ہار گاؤ خاندانی میں روح و ملی کے ساتھ بچہ رہ رہتا ہے !

زیر

... دیکھیں ایک حکم لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں، وہ یہ ہے اب سے تمہارے جہاد کا خاتمہ ہے مگر اپنے

نفسوں کے پاک کرنے کا جہاد باقی ہے۔ (گدگشت انگریزی ادیب جہاد انڈر مرزا غلام احمد رشتہ)

فرز قاسم احمد نے ہریت انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جہاد داسیف کے خاتمہ پر اعلان کر کے، قرآنی حکم احمدی نزل فیہ پر خط تیرخ کھینچ دیا اور اپنے اس کارنامے کی انگریزی حکومت سے داد چاہی۔

”اب میں مناسب نہیں دیکھتا کہ اس عرصہ نیاز کو طویل یوں گزیر جاتا ہوں کہ جس میرے دل میں یہ جوش تھا

کہ میں اپنے اخلاص و اطاعت اور خوش گزاری کو حضور قیصر ہند و ام حکما میں عرض کروں، پورے طور پر میں اسی

جوش کو ادا نہیں کر سکا، ناچار دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جو زمین و آسمان کا مالک اور نیک کاموں کی بخا دینا

ہے وہ آسمان پر ہے اس لئے قیصر و ہند دامن ملک کو ہماری طرف سے نیک خواہ سے اور وہ فضل اس کے شان حال

کرے، چونکہ صرف دنیا تک محدود ہیں، بلکہ کبھی ابد دائمی خوش حالی جزا غایت کو ہرگز دہ بھی عطا فرمائے :-

(رستمیه قیصره انزلی از غلام احمد شاه)

کوئی مسلمان جو دین و فریضت کا ذرا سا بھی علم رکھتا ہے کیا کسی عیسائی کے لئے آخرت میں ابدی مسرت اور دائمی خوشی دئے جانے کی اللہ تعالیٰ کی

ہر گناہ میں دعا کر سکتا ہے !

۱۰۰ امیہ مولف — تاج عزت جاب مکہ معظمہ قیصرہ ہند و ام قبا لہا کا واسطہ ڈالی کہ بخدمت گورنمنٹ عالیہ

انگلشیہ کے اعلیٰ افسروں اور محضرا حکام کے ہاؤس میں گزارش کرتا ہے کہ براہِ غریب پر دسی اور کریم گستری اس سالہ

کو اول سے آخر تک ٹیڑھا جائے یا س لیا جائے (کشف العطاء)۔ از مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۹۹ء

”براہِ غریب پر دینی“ یہ میاں دہلوانہ جیڑا کی زبان اور لب و لہجہ ہے، کیا اس مزاج و ذہنیت رکھنے والے کو کوئی صاحبِ عقل، مجدد، مسیح موعود یا نبی

مان سکتا ہے، یہ تمنا، اندوخت اور عرض و معروض تو دیکھتے کہ کسی طرح مرزا غلام احمد کی تحریریں انگریزی کا مکمل کون کی نگاہ سے گزرتے جائیں، صاحب بہادر دلی

کوئی جھٹکی فرصت نہ ہو تو ان تھکے سرور کا خلاصہ ہی ان کے گوش گزار کر دیا جائے اور دوسرے کا رد و بار سے خوشنودی کا یہ دوا نہ مرزا کو مل جائے !

مرزا غلام محمد قادیانی برطانوی حکومت کی نیلام مندی، خیر خواہی اور دفا داری پر جس انسان میں فخر کرتا ہے اس بار بار جتنا تہہ کہیں تو انگریزی

گدھنٹ کا پستیق نیانہند اصرمانبرادہ امد دھاگوگول، اور میری توساری جوانی انگریز کی نیانہند امد غیر خواہی میں بسر مری ہے۔ اگر اس کی زندگی

۱۹۲۲ء میں یس آف ولز کے حضور شیخ الدین محمد دیاپری

غیر مقدم پیش کر کے۔۔۔ قاریانیوں کی وفاداری کا یقین دلاتا ہے۔

اور سیرتِ محمدیہ میں کوئی دوسری حوالی نہ ہوتی، تو تنبیہ ہی عیب (انگریزی دعا گوئی) احیاءِ زندگی (اس کے علاوہ ہونے کی دلیل ہے۔

مرتاے قادیان کا پہلا تقاریر صبری جرائد کی نیا زندگی نہ دیتا ہے۔ کس قدر کہ وہ سرِ دین میں مبتلا کرنے والا ہے اس کے بعد دوسرا تقاریر مرزا کی صحت جسمانی کا مسئلہ ہے کہ وہ بریل مراقبہ، مصنف باہ اندک شربتِ بول جیسے امراض میں مبتلا رہا ہے، جس کا اظہار اس نے اپنی تحریروں میں ہدایہ کیا ہے، ان امراض کی شدت انسان کا طولِ یکساں دیکھ کر اس تاہن کیاں رکھتا ہے کہ وہ کوئی کارِ نمایاں انجام دے سکے، ہاں! دوسروں کا اس پر غلبہ ہو سکتا ہے انسانِ ناصواب کو اگر اپنے ضعفِ دماغی کے سبب وہ شخصاً من چاہا اللہ اور وہی والہام سمجھ لے، تو پھر اس سے اسی قسم کے مشکلہ خیر دعوے اور انصاف دینا یاں سرزد ہوں گی۔ جس قسم کی تعاد و بیانی اللہ دعوے مرزا کے یہاں ملتے ہیں۔

دجی کے بارے میں مرزا غلام احمد کا پہلے یہ عقیدہ تھا۔

۔ ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ نزولِ فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ جبریل لادیں اور پچھ ہوجاویں، یہ امر بھی

ختمِ نبوت کے معافی ہے: (انصارِ اسلام ص ۵۹)۔ مرزا غلام احمد

مگر پھر وہ یہ کہتا ہے۔

۔ چونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نبی بھی ہے اور شریعت کے فردی احکام کی تجدید سے اس لئے خدا تعالیٰ نے میری

تعلیم کو اس دینی کو جو مجھ پر ہوئی ہے، نکلے بھی کسب کے نام سے مروج کیا ہے (حاشیہ اربعین)

ختمِ نبوت کے بارے میں مرزا کا پہلے یہ عقیدہ تھا۔

۔ ان تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔ اب میں مفصل ذیل اسرار مسلمانوں کے سامنے صاف اقرار کرتا ہوں، اس خاندانِ خدائی میں میری اس میں کہیں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختمِ نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور کافر اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔

(مرزا غلام احمد کا تحریری بیان۔۔۔ سندِ تبلیغ رسالت جلد دوم۔ ص ۱۲)

۔ ختمِ نبوت کے معنی اس کے سوا دوسرے کوئی نہیں سکتے کہ نبوت کا عہدہ توڑ دیا گیا، اور انبیاءِ کرام کے مندرجہ بالا ہی مہر لگا دی گئی کہ اب

قیامت تک کسی نے نبی کا اظہار اور نزول نہیں ہوگا مگر اس اپنے پیسے عقیدہ کے علی الرغم مرزا غلام احمد نے اعلان کیا۔

۔ میں کوئی نیا نبی نہیں ہوں، پہلے بھی نبی ہی گزرے ہیں، ہمیں تم سچا مانتے ہو۔

خود اپنے ہی قول اور سابقہ عقیدہ کی سوسے، اپنی نبوت کا دعویٰ کر کے، کیا مرزا غلام احمد دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا، اس دعوے کے بعد کبھی اعلان ہوتا ہے کہ دینی الہی میں میرا نام محمد اور احمد رکھا گیا ہے، کبھی یہ دعویٰ کہ میں ابراہیم اور یوسف ہی ہوں اللہ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ میں کرشن بھی ہوں!

قرآن کریم میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ امداد و فضیلت میں نازل ہوتی ہیں اور جن کے بارے میں دوام نہیں ہو سکتیں، ان کا مصطفیٰ مرزا نے قادیان نے اپنی ذات کو پھیرا یا ہے، اور اس انطباق کے لئے مرزا کا قلم قرآنی آیات کی کھلی ہوئی معترضی تحریف کا کارنامہ انجام دیتا ہے۔

قادیانی اہل علم، سنیانِ علم کو تو کسی معاملہ میں حکم ماننے سے پہلے مستشرقین و معربین زبان و ادب میں ہمارے تمام ادب پر رکھتے ہیں، ان سے دریافت کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کی کس کس آیت میں کیا مرزا غلام احمد قادیانی نام کسی شخص کی مدح و فضیلت کا کوئی پہلو لکھتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی ابتدائی زندگی انصاف و حریت کی زندگی تھی مگر جب اسے مذہبی پیشوائی حاصل ہوئی تو مرزا کی زندگی میں ایسا نہ

ترنہ پیدا ہو گیا۔ اس کے کھوکھے لوگوں کو پرہیزگار عیش و عشرت اور دلچسپی، مرزا کے متفقہ خاص خواجہ کمال الدین نے صاف کہہ دیا کہ ہماری عورتیں، مرزا کے گھر کی عورتوں کے شحات باٹ دیکھ کر جگمگان ہو گئی ہیں، اور وہ قادیان بھیجے جانے کے لئے ایک جہد بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ خاص طور سے مرزا کے باورپی خانہ کے مصارف کا جھکا میرا نہ تھے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی موت اور محمدی بیگم کی شادی کے بارے میں مرزا غلام احمد نے جو پیش گوئیاں کی تھیں وہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ ثابت ہوئیں۔ ان غلط پیش گوئیوں کی مرزا اور اس کے متعین نے جو تاویل کی کہ ان کی رسالت کی کوئی حدواتہا نہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے پیش کئے ہوئے مذہب نے کیا کام نہ انجام دیا، اور کابل ایک ہندو اہل مسلم ڈاکٹر شکر پرشا دہرا کی خریدیں لگے۔ ہندوستان کے قوم پرستوں اور وطن دوستوں کو اُنہی کی طرف ہی شخاعت نظر آتی ہے، اور یہ امید کی شخاعت احمدیوں کی تحریک ہے؛ لیکن ان میں سے قتل و قتل و قتل کی طرف، ان اور صاحب ہوں گے، وہ قادیان کو اپنا مکہ سمجھیں اسی انجام کا وہ ہندوستان سے کھٹ کرنے والے اور پیچھے چلنے بن جائیں گے۔ مسلمانوں میں احمدیت کی اشاعت و ترقی ہی پان اسلام مزمل اور عربی ثقافت پر موت کی ضرب لگا سکتی ہے، ہمیں قومی نقطہ لگا ہے احمدیت کا مطلقہ کرنا چاہئے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان احمدی تحریک کو تنگ و مضرب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ احمدیت عربی تمدن و ثقافت اور اسلام کی مخالف ہے، تحریک خلافت میں احمدیوں نے مسلمانوں کے ساتھ تعاون نہیں کیا، ترکی اور عرب کی جگہ قادیان میں خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں یہ چیز عوام مسلمانوں کیلئے جو ہمیشہ پان اسلام مزمل اور عربی وحدت کا خواب دیکھتے رہتے ہیں خواہ کتنی ہی مایوس کرنے والی کیوں نہ ہو گمراہی منسلکوں کے لئے زبردست ہے۔ دیا دینیت۔ ایک مطالعہ۔ اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ڈاکٹر شکر پرشا دہرا نے قادیانیت کا صحیح تجزیہ کیا ہے یہ تحریک اسلامی اتحاد اور ملت اسلامیہ کی وحدت و سالمیت کو بارہ بارہ کرنے

والی ہے !

مرزا غلام احمد قادیانی نے انبیاء کرام پر اپنی ذات کو نصیحت دیا۔

آنچه داداوست ہر نبی را جہام داداں جام را مرا بہ تمام

اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ بذریعہ دشمنان عطا فرمایا تھا اس کو اس طرح ہتھیار لینے کی بخشش کی۔

”اللہ نے مجھے رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے“ (مستفیضہ الریح ص ۱۰۷)

”اللہ نے مجھے کوڑھ لگا دیا“ (ضمیمہ انجام اہم ص ۳۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ہنسی کے بعد ہنری کا دعویٰ بھی کہہ دیا۔

● اس کے دینی نبی کریم کے لئے دھرم چاند گرہن کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں گرہن کا اب کیا توازن کار کرے گا۔ (انکا زاحمی ص ۷)

● ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا اور وہ نام نہ اس روحانیت کی ترقیات کی انتہا کا نشان تھا بلکہ اس کے کمالات کے معراج۔۔۔ کے لئے پہلا قدم تھا

پھر اس روحانیت نے چھپے ہزار کے آخر میں، یعنی اس وقت درنا غلام احمد کے غلط فہمی میں، ایک طرح کی جھلک دکھائی۔
حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو مراد علی اصابہ کو مرنا سے قادیان نے تشدد دیا، حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ پر اس طرح طعن کیا۔
صدقین است مدگر یا نم

اور

”میں خدا کا کشتہ ہوں، لیکن تمہارا حسین دشمنوں کا کشتہ ہے بس فرق کھلا کھلا اور ظاہر ہے“ (ابن کثیر ص ۳۱۱)
اس شاعرانہ خیال کو مرنا نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی سبائی کے ایک شعر سے اخذ کیا ہے۔

سہ اوکشتہ دشمن است و این کشتہ دوست

یہ ”سے“ بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئی کہ مرزا غلام احمد نے حضرت علیؓ علیہ السلام کے خاندان کی تقیص کی اور خاک و پتھر گشتہ آپ کی وادیوں اور
نازیوں کو نسا کا رانہ کی کہا دعاشیہ تمہیر انجام آتھم

یہ چہ مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی، سیرت و کردار اور اس کی تعلیمات اور دعویٰ کا اجمالی خلاصہ! اس غلط اندیشی کی جھلک کوئی انتہا
کہ ایسی ناپسندیدہ شخصیت پر ایمان لانے کی مسلمانوں کو دعوت دی جاتی ہے، اور جو کوئی مرزا غلام احمد کو کسی موعود اور نبی نہیں مانتا اس کو گمراہ
اور کفر سمجھا جاتا ہے، جس شخص کی مت ماری گئی ہوگی، وہی اس جھوٹی نبوت کو مان کر اپنے دین و ایمان اور اسلام کی تباہی کو گوارا کر سکتا ہے، کوئی
پرستش مسلمان تو دین و ایمان کی اس خود کشی کے لئے کسی قیمت پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔

دجل و فریب

”خاندان“ میں جو مضامین رو قادیانیت کے سلسلہ میں شائع ہوئے ہیں ان کے باریسیں قادیانیوں کے رسالوں نے یہ تاثر پیدا
کرنے کی کوشش کی ہے، جیسے ہم نے مرزا غلام احمد سے بے سرو پا باقی منسوب کر دی ہیں اور مسلک قادیانیت پر غلط تبسم
کے الزام لگائے ہیں حالانکہ ہم نے ہر بات ثبوت، دلائل اور کتابوں کے حوالوں کے ساتھ کہی ہے، اور کوئی بے اصل بات قادیانیت اور اس کے مؤجد سے منسوب
نہیں کی!

مرزا غلام احمد اور قادیانیت کے بارے میں ہم نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، مغرب و علم کے تمام سوں کی یہی خیالات ہیں، مرزا کے دعویٰ
نبوت کے کذب پر تمام عالم اسلام متفق ہے! مستند زبانوں میں درجنوں کتابیں رو قادیانیت کے موضوع پر لکھی گئی ہیں، اور اس تعداد میں ہمیشہ
اضافہ ہوتا رہتا ہے، مسلمانوں کے ان خیالات اور رسالوں میں ایسے مضامین جن میں قادیانیت کی تردید کی جاتی ہے، آتے رہتے ہیں! اگر رو قادیانیت
جو ہم ہے تو یہی ملت اسلامیہ اس جوہ میں شریک ہے!

مسلمانوں کے کسی عالم، اہل فہم، مفکر، دانشور اور دانشور نے اس طرح کے قادیانیوں کے ساتھ ذہن پرانا انصاف نہیں کیا، انہوں نے
قادیانیت کے بارے میں وہی باتیں کہی ہیں جو قادیانیوں کی کتابوں میں لکھی ہوئی تھیں، مگر قادیانیوں کے رسالے حقائق کو کسے اور واقعات کو کسے اور ذکر و پیش
کر تے ہیں، مثلاً ہم نے ”خاندان“ میں یہ لکھا تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ تو نہیں کہا کہ میں ختم نبوت کے عقیدہ کا منکر ہوں، مگر اس کی دوسری تقریروں اور
اقوال و افعال سے ختم نبوت کی پوری طرح نفی ہوتی ہے۔۔۔۔۔ قادیانیوں کے آرگن ماہنامہ ”الفرقان“ (دربارہ) نے ہمارے قول کا ایک جزو تو نقل کر لیا
مگر دوسرے حصہ کو جو اس بحث کا مرکزی نقطہ ہے، دانستہ نقل نہیں کیا!

مسلمانوں کو یہی دھوکا دیا جاتا ہے کہ مرزا غلام احمد ”ختم نبوت“ کا قائل تھا اور ضرر کہ ”خاتم النبیین“ مانتا تھا، بیشک اس نے یہ الفاظ کہے
ہیں، اور یہ نہیں کہا کہ ”نبوت ختم نہیں ہوئی“۔۔۔۔۔ مگر اس کا تو دل دھس گیا ہے، یہ کہ ”میل منکر کا فریب“۔۔۔۔۔ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور
بھی بھی ہے اور شریعت کے فردی احکام کی تجدید ہے، اس لئے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اور اس دلی کو جو میرے اوپر ہوئی، فلک ایمن کشتی کے نام سے

موسوم کیا۔

انبیاء و مرسلین بودہ اند بے
آئینہ وادست ہر نبی ما جسام
من بحرناں نہ کمترم ذکے
نا دآں جام ما مرابہ تمام
ہر کہ گوید دروغ بہت لعین
کم نیم ناں بہر بردے یقین

اور

”میری امت کے دو حصہ ہوں گے، ایک وہ جو سچیت کا رنگ اختیار کریں گے اور بہت تباہ ہو جائیں گے اور دوسرے وہ بہر دین کا رنگ اختیار کریں گے، میں کوئی نیابتی نہیں ہوں، پہلے بھی کوئی نبی گزرا ہے وہی جنہیں تم لوگ سچا نبی مانتے ہو۔“

مرزا کے ان دعووں کے ساتھ ایک جہاد کا نامت اور نبوت کے تمام لوازم لئے ہوئے پورا انسٹی ٹیوشن وجود میں آتا ہے جس میں مرزا غلام احمد کے نام کے ساتھ ”علیہ السلام“ لکھا جاتا ہے اور اس کے کاتبین کو ”رضی اللہ عنہم“ کہا جاتا ہے، غیر زبان و لسانی مسلمانوں سے یہاں شادی کرنے اور ان کے ہاں شہ کی نماز تک پڑھنے کی ممانعت کی جاتی ہے، مرزا غلام احمد اپنے منکر کو کافر قرار دیتا ہے، خدا کے لئے انصاف سے بتائیے کہ یہ مصدقہٴ حال اور امر واقعہ کیا ”مختبر نبوت“ کی مکمل طور پر نفی نہیں کرتا:

”انما ادنام“ میں ”مختبر نبوت“ کی غرور مرزا غلام احمد دہلوی نے یہ تعریف کی تھی۔

”ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وہی کا نزول فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبریلؑ لائیں اور پچھلے ہو جائیں، یہ امر بھی مختبر نبوت کے منافی ہے۔“

لیکن ”حاشیہ الرعین“ میں مرزا نے اعلان کیا،

”جو کچھ میری تعلیم میں امر ہے اور میری بھی اور شریعت کے مفروضہ احکام کی تفسیر ہے، اس لئے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اس واسطے دیا کہ جو کچھ ہوتی ہے، فلک بھی کشتی کے نام سے موسوم کیا۔“

مرزا نے قادیان کا یہ اعلان کیا عقیدہ ”مختبر نبوت“ کے منافی نہیں ہے، مرزا غلام احمد کا خود وجود اس دعوے کے ساتھ کہ میں نبی ہوں میرا منکر کافر ہے، میری ایک امت ہے، مجھ پر وحی آتی ہے، اپنی جگہ ”خاتم النبیین“ کے عقیدے کی تجدید، نفی اور تکذیب ہے۔

دہرہ کے ”الفرقان“ نے راجم الحروف کو ”حیات سجہ“ پر مناظرہ کی دعوت دیکر صلیح دیا تھا، میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ میں نے روح قادیانیت کے مسئلہ میں اس بحث ہی کو نہیں چھیڑا، لہذا مجھ سے اس مسئلہ پر بحث دینا ظور کہنے کا مطالبہ کہیں کیا جاتا ہے! اس میری تحریر کو ”الفرقان“ میں اس انداز سے پیش کیا گیا کہ جیسے میں نے اس مسئلہ میں شکست مان لی ہے۔ حالانکہ میں نے اس عبارت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانی پر اٹھانے جانے، متعلق قرآنی آیات اور تفسیری اعتبارات بھی درج کر دیے تھے۔

حیات سجہ اور نزول کی یہ کہ مسئلہ میں میرے یا کسی دوسرے مادہ کے بحث دینا ظور نہ کرنے سے یہ مطلب تو اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ نفس مسلمان ہی کا عدم ہو گیا، مسلم اور باہیہ سک، اہل علم اور دانشوروں نے اس مسئلہ پر مبادیوں صفحات لکھے ہیں اور حیات سجہ کے منکرین کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔ کلام انصیح فی یقین اربعہ۔ کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ۔ القول الملکم فی نزول عیسیٰ ابن مریم۔ نزول عیسیٰ۔ التبریع بہا قرآن نزول الیس۔ یہ وہ چند معرکہ آرا کتابیں ہیں جو حضرت سجہ کی حیات اور نزول پر سکست و تیلیس پیش کرتی ہیں۔

ایک مفروضہ کے طور پر بحسب نازل ہونے والے احادیث میں مسیح صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلے گھر اس سے مراد غلام احمد قادیانی کی "موجودہ مسیحیت" تو کسی عنوان بھی ثابت نہیں ہوئی، نازل مسیح کی جو واضح علامتیں احادیث میں ملتی ہیں، ان میں سے ایک علامت بھی مرزا نہیں پائی گئی؛ اور امت مسلمہ نے متفقہ طور پر مرزا کے اس دعوے کو رد کر دیا۔

جس طرح دوسرے سلسلوں کی طرح مرزا غلام احمد کا یہی عقیدہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، اب نہ کسی پر وہی آئے گی اور نہ کوئی نیا نبی بعوث ہوگا مگر پھر اس نے اس عقیدہ کے برخلاف اپنی نبوت کا دعویٰ بھی کیا، اور یہ بھی کہا کہ مجھ پر وہی آتی ہے، اسی طرح "مسیح موعود" کے سندیں بھی وہ امت مسلمہ کا ہم عقیدہ تھا، مگر پھر اپنے اس عقیدہ کی خود ہی نفی اور تردید کر ڈالی، مرزائے قادیان لکھتا ہے:۔
 "میں نے قسماً بارہ برس تک جو ایک زمانہ دراز ہے، بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شدت سے ہر امن میں مسیح موعود قرار دیا ہے اور میں حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کے یہی عقیدہ پر جمنا رہا، جب بارہ برس گزرنے کے وقت آگے کی سرپرست پر اصل حقیقت کھل دی جائے تب تو اسے اس بارے میں اہل امت شروع ہونے کے میں مسیح موعود ہوں" (راجمزاحم) مرزا غلام احمد کے قول و فعل میں اس قسم کے تضاد کے متعدد نمونے ملتے ہیں:۔

سچ چون نہ دیدند حقیقت رو افشا نہ زدند

اس سلسلے میں انہیں کے واقعات سات ملاحظہ فرمائیے:۔

● "اور جب وہ متبرک کے پہاڑ پر بیٹھا تھا، اُس کے شاگردوں نے اس کی خدمت میں آکر کہا کہ یہ کب ہوگا، اور تیرے آنے کا اور زمانہ کے آخر ہونے کا کیا نشان ہے؟ تب یہود نے جواب دیں، ان سے کہا خبردار کوئی تمہیں گمراہ نہ کرے کیونکہ بہتیرے میرے نام پر آئیں گے، اور کہیں گے میں مسیح ہوں اور کہیں گے میرا گمراہ لیا گیا ہے" (انجیل متی باب ۲۴ آیت ۵)

اور

● "اس وقت اگر کوئی تم سے کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں ہے، تو یقین نہ کرنا کیونکہ جھوٹے مسیح بھرے نبی آئے کھڑے ہوں گے، اور عجیب کام دکھائیں گے، اگر ممکن ہو تو ہرگز یوں کو بھی گمراہ کر لیں" (انجیل متی باب ۲۴ آیت ۲۴)۔ انجیل مقدس کی یہ پیش گوئی وہ جاہل مروجہ ہے، جو مرزا غلام احمد کی شخصیت پر ٹھیک آتا ہے۔

● ابن عطیہ لکھتے ہیں کہ تمام امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس وقت آسمان پر زندہ موجود ہیں اور وہ اپنے ہم غم شہری پھر تشریف لائے والے ہیں، جب کہ متواتر حدیثوں سے ثابت ہے "در بحر صیغہ"

احادیث میں "عیسیٰ ابن مریم" اور "یحییٰ ابن مریم" کے نزول کا ذکر آیا ہے، مرزا غلام احمد کے نزول کا ذکر نہیں آیا اور ابن مریم کی تصریح اور شخص کے بعد تو کسی اشتباہ و تذبذب کی گنتی لکھ ہی باقی نہیں رہتی، دنیا میں عیسیٰ ابن مریم ایک ہی شخصیت کا نام ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی سوسالی قبل پیدا ہو چکی، اور اُس کے پھر نزول کی احادیث میں خبر دی گئی ہے اور پیش گوئی فرمائی گئی ہے۔

پھر احادیث کے الفاظ واضح طور پر بتاتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم عالم بالا سے نازل ہوں گے، زمین کے کسی خط میں پیدا نہیں ہوں گے، امت مسلمہ اس عیسیٰ ابن مریم کے ہر جوعہ کے طور پر بغیر باپ کے پیدا ہوا تھا (علیہ السلام) کسی ایسے عیسیٰ ابن مریم کو نہیں جانتی، جس کے ماں باپ دونوں ہوں اور مروجہ نزول کا وہی وقت جس کی پیدائش کا سبب بنا ہو۔ اس لئے امت مسلمہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے مسیح موعود ہونے کے دعویٰ کو ٹھکرا دیا اور اسے یہ کہہ کر برا بھی وقعت اور اہمیت نہیں دی۔

حدیث شریفہ میں آیا ہے کہ حضرت یحییٰ مدنی کے مینارہ سفید کے پاس نازل ہوں گے، نازل مسیح کے اس مقام اور علامت کی تاویل مرزائے قادیانی

لی زبان سے سنئے ۔

”خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ ظاہر فرمایا کہ قصہ تادیبانی ابوہریرہؓ کے کمتر زیدی الطبع لوگ اس میں سکونت رکھتے ہیں، دشمنی سے ایک مناسبت اور مشابہت دکھائی دے رہی ہے۔ (حاشیہ ازالہ ادا م)

اور

”میر کی طرح جیسی کہ دوسرے میں بھی ہے، یعنی گنتی، استعارہ کے رنگ میں مجھے حالہ ظہیرا دیا گیا اور ان کو مہینے کے بعد دس مہینے سے زیادہ نہیں، ہندو اور اہام مجھے میر سے علیحدگی بنایا گیا، اس طرح سے ابن حزمؒ، طبرانیؒ، کنز العمالؒ، مرزا غلام احمدؒ نے تاویل کے نام پر جو بھی انداز میں ”تحریف“ سے مدعا ہے، اس کی اور کہیں مثال نہیں ملتی، امت مسلمہ ایسے شخص کو کبھی موجود، ہمدرد یا کسی طرح تسلیم کر سکتی ہے جسے استعارہ کے رنگ میں حالہ ظہیرا دیا گیا اور مجھے ذہند اور اہام میر سے بھی بنا دیا گیا۔
مسند ناطقہ سرگرمیوں کی کہ اسے کیا کہئے

نوبر کے ”الفرقان“ درجہ ۴ میں ”دیر زمانہ جواب ہو گئے“ کے عنوان کے تحت یہ نوٹ درج کیا گیا ہے ۔

”ماہنامہ الفرقان“ دسمبر ۱۹۷۷ء کا خاص نمبر رسالہ ”نارائن کرپا کے اعتراضات کا ایسا سکت جواب ہے کہ میر۔
”نارائن کرپا کے جواب میں ایک بات لکھنے کی بھی جرات نہیں ہوئی، جو راقی و ذوق اہل اہل کا ان کا دل کا
زہر تھا۔ سچا سچا خاص نمبر کو پڑھ کر گتہ در گتہ ہلا دیں و بھارت ۴ سے میر۔ نارائن“ اور لفظ درسی حاد کے ایک گہرے
دوست نے پی پی ایم اے کو ذیل کا خط لکھا ہے جسے ہم تاریخین کے ازبیا و علم کے لئے درج کرتے ہیں۔“

حافظہ ”نارائن“ میں۔ ”دو قافیہ“ کے موضوع پر مسلسل لکھا جاتا رہا ہے اب رہا آخر گتہ کا خط، تو یہ صاحب اسلام ترک کر کے ”بہائی“ ہو چکے ہیں اس صورت میں یہاں تک دینی مباحث و مستحقات کا تعلق ہے ان کی رائے کیا وزن رکھتی ہے! بہائیت قادیانیت سے نکلے، مزاج میں بہر حال کسی نہ کسی حد تک مماثلت اور مشابہت رکھتی ہے۔

آخری بات ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امت مسلمہ نے مرزا غلام احمدؒ قادیانی کے مجدد و کبیر موجود اور نبی ہونے کے دعویٰ کو نہ مان کر اور انہیں ٹھکر کر، ذرہ برابر کسی قسم کی غلطی نہیں کی، اور مرزا کے ان دعووں کی تردید و تکذیب نے مسلمانوں کے اسلام اور ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا، اپنے اس موقف کو وہ سولی صدیق حق سمجھ میں بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں۔

گزشتہ آخر میں حکومت کی خدمت میں یہ عرض کرنا ہے کہ مجازاً اور لفظاً پاکستان اور بعض دوسرے اسلامی ملکوں میں قادیانیت کی تبلیغ کی اجازت نہیں ہے، پاکستان جو اسلام کے نام پر بنا ہے اس ملک میں فقہ قادیانیت کی نشر و اشاعت کی اجازت کے حدود قاضی محمد ادریس نظر ہی! خاص طور سے قادیانی رسالوں میں قرآن کریم کی جو سیبے باکی کے ساتھ جو معنوی تحریف کی جا رہی ہے اس پر احتساب ضروری ہے۔
دو قادیانیت کو قیام مستند نہیں ہے جسے راقم اطراف نے پہلی بار بھیڑا ہے، کم و بیش ۶۵ سال سے، جب سے مرزا غلام احمدؒ قادیانی نے حج موجود اور اس کے بعد اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے مسلمان اپنی قسم، ادب اور انشور زبان و قلم کے ذریعہ مرزا مذکور کے دلچسپ اور اس جیسے مذہب، تردید کرتے رہے ہیں!

”نارائن“ میں اس موضوع پر لکھنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ قادیانیوں کا تبلیغی لٹریچر دفتر ”نارائن“ میں برصغیر ہوا اس کے علاوہ بھی بعض حضرات کی رہائی یہ اطلاع میں کہ قادیانی اپنے مشن کی تبلیغ بڑی سرگرمی کے ساتھ کر رہے ہیں، اس صورت میں مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے اس اسلام کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے کہ نہان و شمس سے مسئلہ قادیانیت کی تردید کی جائے اور مسلمانوں کو بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو ختم کر دیا اور نبی کریمؐ

ہو، انہوں نے رسول آجکا، اب کسی ایسی شخصیت کی ضرورت باقی نہیں رہی جس کا ماننا ایمان کی لازمی شرط ہے۔

مسلب قادیانیت کی تردید جب یہی کی جائے گی، مرزا غلام احمد کو بھڑانا ہی اندلس کے دھوڑوں کو کذب و افتراء ہی کہا جائے گا اور مسلمانوں کے سامنے مرزا کی زندگی پیش کر کے انہیں بتایا جائے گا کہ کسی نبی یا مجدد کا کیا ایلا کرنا ہوتا ہے؟

قادیانیوں کو جب ان کے مسک کی تبلیغ و اشاعت کی آزادی حاصل ہے تو ہم مسلمان بھی مسک قادیانیت کی تردید کا حق رکھتے ہیں، اگر کسی شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو اس کی نبوت کی تصدیق کی جائے اور سچائی مانا جائے یا پھر اس کی نبوت کی تکذیب کی جائے اور اسے کاذب کہا جائے، مسلمان مرزا غلام احمد کو "سچا نبی" نہیں مانتے، "دارالمن" میں مسلمانوں کے اسی عقیدہ کی ترجمانی کرتے ہوئے "کذب و افتراء" جیسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن کا استعمال رسول قادیانیت کے سلسلہ میں ناجائز ہے۔

احتساب کے قابل تو قادیانی رسالے اور اخبار ہیں جو اس نکتہ کو ہمیشہ ہوا دیتے رہے ہیں اور اس بحث کو بھڑاتے ہیں جو واقعی "غیر ضروری" ہے اور جس سے کروڑوں مسلمانوں کو اذیت ہوتی ہے۔

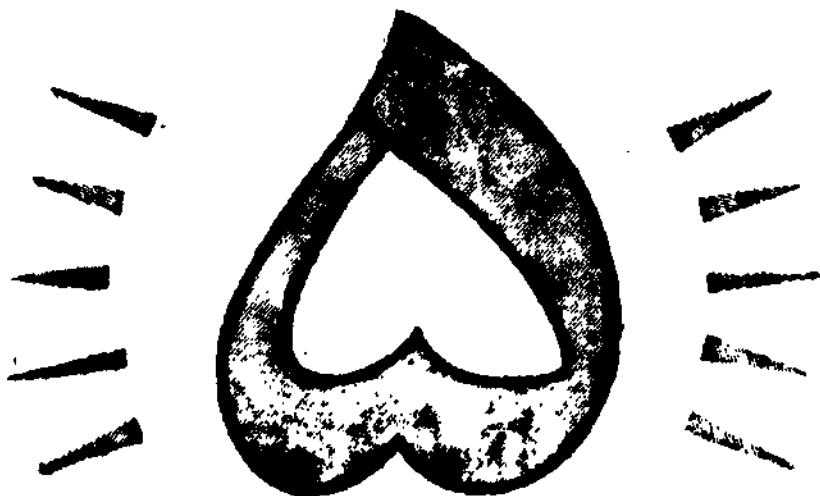
"ختم نبوت" کا مسئلہ اسلام و ایمان کا بنیادی مسئلہ ہے، اس کا مجروح ہونا کوئی مسلمان گوارا اور برداشت کر ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ

چھٹ جائے اگر دامن کو نین تو کیا غم
لیکن نہ چھٹے ہاتھ سے ایمان محمد

کامرانہ درگاہ
۱۳ نومبر ۱۹۷۶ء

مہم اپنے معنائیں میں مسلب قادیانیت کے قریب قریب تمام گوشوں کو بے نقاب کر چکے ہیں اور ان کے تمام بنیادی ادھام دھولوں اور دھیلوں کی تردید کر چکے ہیں، ان معنائیں کو جو کوئی مسلمان پڑھے گا، پھر وہ نکتہ قادیانیت سے نفرت اور گریز ہی میں اپنے ایمان کی غیر کھجے گا! اس لئے اب اس مسئلہ کو مزید باری دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے!

جہاں تک قادیانیت کے مسائل اور اخباروں کا تعلق ہے ان میں جو غوغا مچا رہی ہیں ان کی کہانیاں تک تردید کی جائے، یہ نکتہ تو میری اور مجاہدین کی بات، نظر نہیں آیا۔ مسلمان قادیانیت کی تردید میں درجنوں کتابیں تصنیف کر چکے ہیں جو موجود ہیں جو حضرات مزید تحقیق و معائنات کے خواہشمند ہیں وہ ان کا مطالعہ فرما سکتے ہیں یہ دفعہ جو ایسا "جرم" کہ "تائید" قادیانیت ہے ہی کا تہاں مطالعہ قادیانیت کے پس منظر اور اس کے دعویات و تحریکات اور تعلیمات کو بے نقاب کر کے لکھنے کا فی ہے۔



آزمودہ دواؤں کا مرکب

انساجین



سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے
یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Spectra

51/50

انوار عالم

ذہنی الجھاؤ اور سلبی فکر

محمود احمد عباسی صاحب کی کئی کتابیں منظرِ عام پہ آچکی ہیں جن کے مطالعہ کے بعد اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی کہ ان کا مفصل جائزہ لیا جائے لیکن کسی موضوع پر تنقیدی بحث کے لئے چونکہ اس کا تصفیہ ناگزیر ہو تا ہے صدرِ صاغر موضوع کا احاطہ بحث و نقد، نتیجہ فائدہ کا تعین اور بہتر و تجزیہ اسلوب تحقیق۔ اسی نظریہ کے پیشِ نظر عباسی صاحب کو میں نے چند سوالات پر مشتمل ایک خط میں جوابی الفاظ کے بھیجا تھا مگر خدا جانے کن۔ مصلحتوں کے پیشِ نظر عباسی صاحب نے ان کا جواب جیسا گواہانہ کیا کم از کم جواب سے عباسی صاحب کی نگاہات کا جائزہ لینے کے لئے مناسبہ ذیل بنیادیں نکالتا تعین ہو سکتا تھا۔

(۱) عباسی صاحب کے نزدیک تاریخ کا موضوع بحث (SUBJECT MATTER) کیا ہے ؟

(۲) عباسی صاحب کے نزدیک تاریخ کے مستند ماخذ کون کون سے ہیں اور کیا ہیں ؟

(۳) عباسی صاحب کے نزدیک کسی تاریخ کے وقوعہ کی حقیقت و عدم حقیقت معلوم کرنے کے لئے کونسا اسلوب تحقیق (METHOD OF RESEARCH) متبہر ہے۔

اس تفسیر سے بہت کچھ بات نے مجھے یہ طور لکھنے پر مجبور کیا۔ عباسی صاحب کے وہ غیر واضح اور مبہم تصورات تھے جو صاحب کو کثیر اسلامی ریاست و ممالک کے متعلق رکھتے ہیں۔ عباسی صاحب نے بڑی دیدہ و دلیری کے ساتھ اسلام کے متعدد واضح تصورات کو ابہام اور پیچیدگی کا شکار بنانے کی کوشش کی ہے حالانکہ ان تصورات کی قرآن اور سنت میں نمایاں اور واضح بنیادیں موجود ہیں بلکہ ان کے متعلق اس صدی میں اسلامی مفکرین نے اس قدر تحقیقی و ناظرِ عام کو دیا ہے کہ ظن و تشکیک کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

عباسی صاحب کا اجماع اسلوب تحقیق ہے کہ وہ اسلام کے سیاسی تصورات پر نقد و بحث فرماتے ہوئے سلبی انداز (NEGATIVE) اختیار فرماتے ہیں چنانچہ صبحِ ذیل عبارات ملاحظہ ہو جو کتابِ موسومہ ”تہذیب و تمدنِ اسلامی“ میں مذکور ہیں۔

”اللہ نے مسلمانوں سے جس خلعت کا وعدہ کیا تھا اس میں یہ نہیں کہا کہ اس کا دستہ اس کی ہانگہ۔“

استخلف الذین من قبلہ۔ دنیا میں حکومت کی حقیقت اور حسی صورتیں رائج جلی آرہی تھیں ویسی ہی مسلمانوں

کی بھی حکومت ہوگی * (صفحہ ۱۰)

مذکورہ بالا عبارات کو بالکل غیر جانبدار انداز میں بار بار پڑھئے، ہلکے اسلامی مورخ صاحب اپنی وقیع رائے کا کیا اظہار کرتے ہیں۔

۱) اسلامی حکومت کا قرآن اور سنت کی بنیاد پر کوئی دستہ اس کی نہیں ہے۔

۲) استخلف الذین سے مراد وہ ماضی کی تمام حکومتیں نہیں بلکہ انھیں۔

گویا صلیب صاحب کے نزدیک ہرگز شدہ حکومت آیت توحید کی مظہر تھی خواہ وہ غرضان کی ہو یا نمودار شدادگی۔ حلالہ کہ آیت استخلاف کے جس نکتے سے یہ صاحب استلال فرما رہے ہیں اگر اس کو سیاق و سباق کے ساتھ پڑھا جائے تو اس آیت میں یہ وحی ملتی ہے کہ خدا اچھے عمل کرنے والے اصحاب ایمان کو بطور صلہ یا عطیہ خلافت سے سرفراز کرے گا جس طرح ہرگز شدہ میں نیک عمل کرنے والے اصحاب ایمان کو سرفراز کیا تھا آیت مبارکہ یہ ہے۔

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات
لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین
من قبلہم۔ (المائدہ)

اللہ کا وعدہ ہے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور نیک عمل
کئے کہ وہ ان کو زمین پر خلافت دے گا جس طرح اُس نے
پہلے والوں کو دی تھی۔

تین اہم احمد آیت بالا سے واضح ہوتے ہیں۔

(۱) ایمان اور نیک عمل کی شرط

(۲) شرط مذکورہ اول کا صلہ خلافت

(۳) اصحاب ایمان کی پچھلی خلافتوں کی مثالیت کہ ہر حکومت کی۔

آیت کے مطالعہ کے بعد جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ کہ خدا خلافت دینے کا وعدہ کرتا ہے نہ کہ حکومت کا برزوی علم یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ خلافت اور حکومت میں توئی اور مضوی ہر اعتبار سے فرق ہے اس کو آپ اس طرح سمجھیں۔

خلافت

(۱) خلافت کا معنی مفہوم نیابت یا نمائندگی ہوتا ہے۔

جیسا بند ہے اصل حاکم کی۔

(۲) خلافت میں اتذرا اعلیٰ (SOVERIGNITY) برت

خدا کے لئے ہوتا ہے۔

(۳) خلافت میں سپرد کردہ اختیارات (DELEGATED

POWER) ہوتے ہیں۔

حکومت

(۱) حکومت کا معنی مفہوم حکم جانا ہوتا ہے کسی کی کوئی پابندی

موجود نہیں ہوتی۔

(۲) حکومت میں اقتدار اعلیٰ (SOVERIGNITY) کا

سرچشمہ فرد یا افراد ہوتے ہیں۔

(۳) حکومت میں سپرد کردہ مطلق اختیارات (ABSOLUTE

POWER) ہوتے ہیں۔

خلافت اور حکومت کے اس جوہری فرق (SUBSTANTIAL DIFFERENCE) کو نظر انداز کر کے یہ کہ دنیا کہ حکومت کی جتنی
ادبیات مرتبہ ہو چکی ہیں وہی کسی اصول کی حکومتوں کی ہوتی ہیں۔ اس بات کی ضمانت ہے کہ اسلام کے مورخ اعظم صاحب نے تو دنیا کی سیاسی تاریخ کے مختلف
عوامل (FACTORS) و عوامل کو سمجھا ہے کہ ہر حکومت کی تشکیل نوعیت میں بڑا اہم مقاصد و نصب العین کا ہمارا ہے ایسا ہی اقتدار سے طرز
حکومت یا سیاسی و اجتماعی ہیئت صرف ایک تحفظانہ بندوبست ہوتا ہے اس مقاصد و مقصد کے قیام و استقامت کا جس پر ہم آئندہ سطریں مختلف
سیاسی و اجتماعی نظاموں کے تذکرہ و تفاسیر میں بحث کریں گے اور دست ہم کو عباسی صاحب کے اس جملہ کا بھی جائزہ لینا ہے کہ۔

کتاب اور سنت نے امت کو کوئی دستوراسی نہیں دیا اور نہ ایک شریعتی فانی ترقی پذیر بین الاقوامی امت کو کسی دستور کا پابندی کا مسئلہ ہے۔
حاجات بالبرجست سخیل یہ سمجھ لیا جائے کہ دستوراسی ہے کہ چھوٹے دستورانگریزی لفظ کا نسخہ تیریشن (CONSTITUTION) کے
معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔

آکسفورڈ ڈکشنری میں اس کی یوں تشریح ہے۔

وہ خاکہ جس کے تحت یا مطابق حکومت چلائی جاتی ہے۔

FORM IN WHICH A GOVERNMENT
IS GOVERNED

بروز سربراہانِ مملکت و کشتی

وہ قوانین یا اصول جس پر کسی سیاست کی حکومت چلائی جائے

LAWS AND PRINCIPLES TO
WHICH A STATE IS GOVERNED

یہاں یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ دستِ اِسلامی سے مراد کسی حکومت کی پالیسی کی وہ بنیادی باتیں ہوتی ہیں جن کی ہر حکومت اپنے سیاسی انتظامی معاملات میں پابندی کرتی ہے چنانچہ ذیل کے نکات ہر دستِ مکتبہ کے لئے کہتے ہوئے ہیں اِسلامی ہر حکومت کی تمام پالیسیوں کا اخصاص ہو جاتا ہے۔

۱۔ مکتبہ کا اقتدارِ اعلیٰ یا حاکمیت (SOVEREIGNTY)

۲۔ سیاست کا مقصد و چہ۔

۳۔ حکومت کے لئے قانون سازی کا دائرہ عمل۔

۴۔ انتظامیہ و عدلیہ کے حدود و انتظامیہ کار (LIMITS AND PROCEDURE)

۵۔ حکومت کی ذمہ داریاں۔

۶۔ شہرِ رسول کے حقوق

۷۔ حقِ شہریت

۸۔ سربراہِ مملکت کا انتخاب اور اس کی شرائط (CONDITIONS)

دستِ اِسلامی کے ان ہی بنیادی نکات پر ہر سیاسی و اجتماعی نظام بنتا ہے اگر ایک اسلامی حکومت کے پاس کوئی دستورِ اِسلامی موجود نہیں ہے تو وہ ان معاملات کو کچھ نہ حل کرے گی، لکھا جاسیگا صاحب اس ضمن میں ہماری مدد نہائی فرمائی گئے ممکن ہے جواب دیا جائے کہ ہم قرآن و سنت کی بنیاد پر ان نکات کو حل کریں گے تو یہ بھی غیب ہی ایک شرط تو محققاً نہ ادعا یہ کہ قرآن اور سنت نے اُمت کو کوئی دستورِ اِسلامی دیا ہی نہیں اور پھر بھی دستور کیسے قرآن و سنت ہی بنیاد۔

یہاں یہ بھی خود مطلب ہے کہ قرآن اور سنت کی دستوری حیثیت سے انکار کے بعد ایک مسلم سیاست کو خدا کے اِستِلا اعلیٰ و حاکمیت تسلیم کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ تو یہ جواب دے گی کہ چونکہ قرآن و سنت ہم کو کوئی دستورِ اِسلامی نہیں دیا ہے اس لئے کیوں نہ اقتدارِ اعلیٰ کا مرکز و لب و لہجہ ہی کو قرار دیا جائے جیسا کہ آج کل کے حالانہ ہیں تمام حکومتوں میں مندرجہ ذیل ہے آپس بنیاد پر ایک مسلم سیاست سے یہ کہہ سکیں گے کہ اس کا مرکز و لب و لہجہ ہی چھنا چاہئے ورنہ تو جواب ہوگا کہ جب قرآن اور سنت ہیں ہمارے لئے کسی دستورِ اِسلامی کا وجود ہی نہیں تو آخر ہم بدش عام سے بدش کو سربراہی کیسے سہماں لی تھیں کیوں دیکھیں اسی طرح قانون سازی (LEGISLATION) میں قرآن اور سنت کے بیان کردہ حلال و حرام کی کھیل پابندی کریں جبکہ دستورِ اِسلامی کے لحاظ سے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔

قرآن اور سنت کی دستوری اہمیت و حیثیت کو ختم کر کے آپ آخر کن اصول اور بنیادی پر اِسلامی و غیر اِسلامی کا تفاوت و فرق قائم رکھ سکیں گے غالباً اس سببی اندازِ فکر پر علامہ اقبالؒ نے کہا تھا۔

حریت انکار کی نعمت ہے خدا داد

چاہے تو کہے اس میں فرنگی صنم آباد

چاہے تو خود ایک تازہ شریعت کرے آباد

ہے کسی کی یہ عجات کہ سہماں کو ٹوٹے

چاہے تو کہے مکتبہ کو آتش کہہ پادس

قرآن کو باز چہ تباہیں بنا کر

ممکن ہے اس مرحلہ پر بھی صاحب یہ ارضا فرمائیں کہ میں نے اپنی حیات میں یہ بھی تو کہا تھا کہ -
- فرقہ وارانہ پروگرام اس حکومت کا مقصد دین پر مبنی ہو گا اور اس کے قوانین ایسے چلنا ہوں گے کہ دنیا کی ہر قوم ان کے تحت
نہلے گی سر کر سکے۔

یادداشت دیکھا کہ یہ حکومت اپنے اصول و معاملات میں صرف ایک تہداساسی کی ہی یا بند ہوا کرتا ہے تو پھر دوسری دائرہ اختیار سے ہٹ کر
اُس پر کوئی دوسری پابندی نہیں ٹھوس سکتے ہیں چنانچہ ہر حکومت میں ایسا ہی معاملات کی جتنی تحریکیں چلتی ہیں یا حکومتوں کے کسی اقدام کو عدالت میں چیلنج
کیا جاتا ہے تو وہ صرف دہندہ اساسی کی بنیاد پر ہی پر مبنی ہے کیونکہ دہندہ صحیح معنوں میں حکومت اور حوام کے درمیان ایک سمجھوتہ کی حیثیت رکھتا ہے جس میں
فریقین کے حقوق اور ذمہ داریوں کی بنیاد پر تدبیر کا تعین کیا جاتا ہے اس لحاظ سے آپ بتائیں کہ وہ حکومت جس کا دہندہ اساسی قرآن اور سنت کے
علاوہ دوسرے کے تفریع دہندہ تصویلات پر ہو گا وہ کیوں اور کس بنیاد پر دین کی ذمہ داریوں کی تکلف ہوگی۔

اس شدہ بحث کے بعد آپ ہم قانون اور سنت کا ایسا ہی مطالعہ کرتے ہیں تاکہ ہم یہ تجسس کر سکیں کہ واقعی قرآن اور سنت امت مسلمہ کے کوئی دستور
اسی دیکھتے ہیں۔ قرآن اس معاملہ میں بہت صاف کہتا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُ
الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ الْاِنْسُ بِالْقِسْطِ (الباقیہ)
ہم نے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ
کتاب و میزان آتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

قرآن کا یہ دعویٰ ہے۔

وام رسولی کھلی ہوتی ہدایات کے ساتھ آئے۔

وہ ماہ و مہمانی کے لئے کتاب و میزان بھی لائے۔

وہ ہر جگہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

اس آیت میں لوگ انسان اور معاملات کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی کیونکہ یہ طاقی ہدایت ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔
وَمِنْ لَّدُنَّا اَنْزَلَ الْاِنْسُ مَنَّا وَلِئَلَّی نَعْلَمَ
الْكَافِرِیْنَ (المائدہ)
جو خدا کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ
کریں وہی کافر ہیں۔

آیت ہمارے واضح طریقہ پر بتا رہی ہے کہ احکام خداوندی (INSTRUCTIONS) زندگی کے ہر معاملہ کے لئے نازل ہوئے
ہیں ان کے اندر سیاسی، معاشی، اخلاقی، تمدنی اور ثقافتی معاملات کی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے اور نہ دوسرا امتیاز رکھا گیا ہے۔
اس صورت میں جب قرآن زندگی کے ہر معاملہ میں فیصلوں کو احکام الہیہ کے مطابق انجام دینے کا قطعی حکم دے رہا ہو تو
جہاد کے ساتھ یہ کہ دنیا کے قرآن اور سنت نے امت مسلمہ کو سیاسی معاملات میں کوئی دہندہ اساسی نہیں دیا ہے یا تو ہم کا قصور ہے یا
سیاسی اُحد میں قرآن کی برتری (SUPREMACY) کا انکار ہے۔

قرآن نے اس بات کی اپنی مقدس آیات میں سخت ترین مذمت کی ہے کہ لوگ اس پر دہی ایمان لا کر پھر زندگی کے معاملات میں فیصلوں
کے لئے دوسری طرف رجوع ہوں اور قرآن کے علاوہ کسی اور کو اتنی سند (FINAL AUTHORITY) نہ دیں۔

اَلَمْ تَرَ اَلِیْ الذِّیْنَ یَرْجِعُوْنَ اِیْنَهُمْ اَمْ نَجْعَلُ
اَنْزَلَ الْبَیِّنَاتِ وَاَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ لَیْسَ بِیَدِنَا
اَنْ یَحْكُمُوا اِلَی الطَّاغُوتِ وَقَدْ اُخْرِوا عَنْ
کِی تم نے ان کو نہیں دیکھا جو دہی ایمان ہیں اس پر جو پڑی
طرف نازل کی گئی ہے اور ختم ہے پہلے۔ وہ اللہ رکھتے
ہیں کہ اپنے نیچے طاغوت سے کراہی حالانکہ ان کو حکم

یوسف وہبہ ویرید الشیطان ان یفلحهم
 کیا گیا ہے کہ وہ اس کا انکار کریں اور شیطان جیتا
 ہے کہ گمراہ کر کے ان کو دھوکا دے۔

قرآن کی ان کھلی ہوئی تہذیبات کے بعد یہ تصور باطل ہو جاتا ہے کہ قرآن اور سنت سیاسی معاملات میں ہماری کوئی راہ نمائی
 نہیں کرتے یا ہم کو کوئی دستور دے رہے ہیں۔ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ ایسے دستور کا تحریری مجموعہ کہاں ہے؟ لیکن اگر دستور کے لئے تحریری
 مجموعہ شرط ہے تو کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ بھارت کا کوئی دستور دے رہے ہیں؟ حالانکہ بھارت کا پہلا سیاسی ایف اوفی نظام ایک دستور
 اس کی کا پابند ہے مگر وہ تحریری صورت میں ہے اور نہ ہی اس صورت میں چند اصول مثلاً منشور اعظم (MAGNACHARTA) (۱۸۵۸ء)
 کا قانون ہندوستان (LAW OF SETTLEMENT) سلاطین کا قانون پارلیمنٹ یعنی (PARLIAMENTARY ACT) (۱۹۲۸ء)
 اور دکن کی قانونی حق باقی رائے دی (EQUAL FRENCHISE ACT) اور ہندوستانی مساوات کو سمجھ کر اس کا نہ تو تحریری وعدہ
 ہے اور نہ ہی اس کا کوئی شکل لیکن پھر بھی بھارت کا تنظیم دیا گیا دستور اس کی ہے جو بھارتی قوم کی صدیوں پرانی رسوم و عادات پر انحصار کرتا ہے۔
 یعنی قرآن و سنت کا دیا گیا دستور اس کی کوئی تحریری صورت میں قابل حصول نہیں مگر زندگی کے تمام معاملات میں توحید و رسالت و آخرت
 اور ایمان وغیرہ کی بنیاد و رہنمائی ہے اس کا وجود مسلم ہے۔

طاقت و توانائی کا مکمل کورس

مستقل فائدہ، قابل اعتماد توانائی — فرحت بخش تندرستی

بالعظمیٰ دل و دماغ، معدہ اور جگر کے لئے اکیسویں صدی کی نئی ایجاد ہے، مادہ حیات کا معجزہ اور طبی و کاوش پیدا کرنے والا
 اسم باسٹھی — ایک ماہ دس روپے —

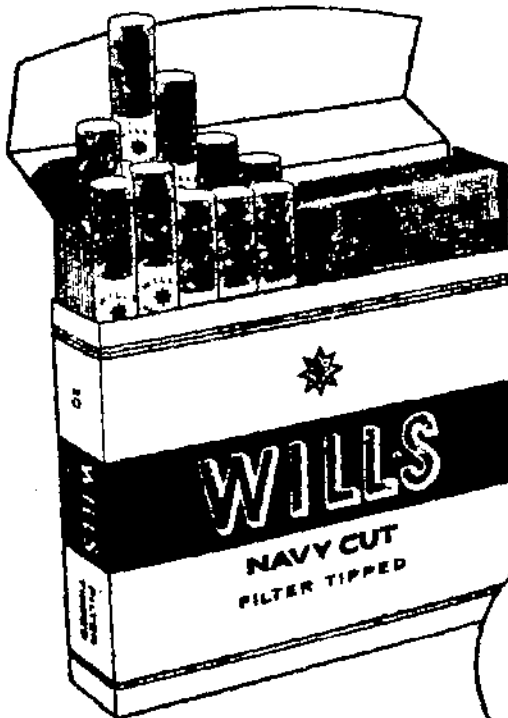
طلائے شباب خاص بیرونی کمزوریوں کے لئے بے ضرر
 ایک ماہ دس روپے

لبوب کبیر خاص الخاص اعضائے رقیہ اور جنسی قوتوں کو بحال کرنے والا کستوری، انجیر، مغز، سرکہ، زعفران، زرد، یاغ
 نیریزہ، کشتہ چاندی، کشتہ دھات و غیرہ کا مرکب — ایک ۱۶۵ روپے

نوٹ :- ہر سالہ ادویات کا مکمل کورس ۳۶ روپے نصف کورس ۱۹/۵۰ روپے
 مکمل کورس منگوانے پر منحصر ڈاکہ معاف

پٹنہ کا پتہ :- اشرف لیبارٹریز، لائل پور۔ فون نمبر ۳۰۲۱

نیا ولنز فیلٹر ٹپڈ



آج کے ترقی یافتہ دور میں
دوستی آپ کے لئے ایک
نیا فیلٹر ٹپڈ - ریگریٹ
پیش کرتے ہیں۔ ولزسگریٹ اپنی
عہد کو اپنی بہترین قسم کو اور دوسری
تمام دہائیوں میں لکے ساتھ آپ کے
سگریٹ خوشی کے صبح لطف اور
مکمل سکین کی ضمانت ہیں

ہر سگریٹ کے پیکٹ کی قیمت ۱۰ روپے
ہے۔ اس سہولت کے لئے، اس سگریٹ کے پیکٹ
میں ۱۰ روپے کی رقم درج ہے۔

PAKISTAN TOBACCO COMPANY LIMITED, SUCCESSORS TO W & A WILLS BRISTOL & LONDON

محمد اقبال ہسپتال (جعدہ)

عالم اسلام میں علماء و مشائخ کی حالت زار ایک عبرت ناک مظلالت و مظلالت

(۱) نادان کے شاد سے وقتاً فوقتاً ملتے رہے ہیں۔ آپ جس درد مندی اور قلب و روح کی گہرائیوں سے
- نقشِ اولیٰ تحریر فرماتے ہیں، بے اختیار بیت اللہ میں آپ کے لئے ہاتھ اٹھتے ہیں اور دل سے اس فرستہ عمل
کے آپ کے لئے دعا کرتی ہے، اللہ بزرگ و برتر آپ کو جہل کے عظیم سے ننانے کو رہے۔ نادان کے اندر یہ
حق و صداقت ادا خلاص وہ لڑائی کی تمہیں روشن کئے ہوئے ہیں، مہر میں افغان المسلمین پر ظلم و
تصذیب اور وحشت و بربریت کا جو قیصر دور چل رہا ہے اس سے عالم اسلام سخت مضطرب ہے۔ فرعونیت
اور تعزیت اس دور اپنی پوری سیاحہ کار لڑنے کے ساتھ ابھری ہے۔ مصر میں ان پڑائیوں بھائیوں اور بیویوں
کو عزت بھرا اسلام جنہوں نے غریمیت و استقامت اور صبر و عزم کی آہنی زنجیروں کو ہٹا کر اس کی حکمت کی
تہائیوں کو اس سیاہ دور میں اُسر فرمائی کیا۔ دل اٹکیا رہا ہے، روح سخت بے چین ہے۔ اسی ضمن میں مصر
کے فرعون ہمد کے مظلوم بایں کرنے کی بجائے ایک نہایت الم ناک اور عبرت نگر مظلوم کی طرف توجہ دلائے
کے لئے چند نئے چہرے سلور نادان کے لئے لکھ رہا ہوں۔ کاش، رنگ اس سے عبرت حاصل کریں!

محمد اقبال ہسپتال - مکہ المکرمہ

واقعہ یہ ہے کہ اس قوم پر اس سے زیادہ دردناک غصہ نہیں ہو سکتا، جس قوم کے علماء اور دانشورا پنے عقیدہ و ایمان کی بنیاد پر
اور دین و تاریخ کے حرکت آفرین نسل سے اپنے آپ کو کاٹیں۔ انہیں مظلوم و مظلوم کے آنکھوں میں جاگزیں، جس کے کسی قوم پر اس سے زیادہ
الم انگینا نہ دینا کہ صورت نہیں ہو سکتی، جس قوم کے علماء و دانشورا علم و خاص کی اخلاقی بلندیوں سے گزر کر اناہیت، خود مرکزیت، گودی جھپٹ
اور اجتماعی افراط و اشتقاق کی پستیوں میں جاگزیں۔ تو مرنے کی فنگ میں یہ جڑ سے سخت دہن رہتے ہیں اور ایسے یہ تقویٰ پر آفات و آلام کا زوال ہوتا ہے
ہمارے اپنی تاریخ شاید کہ کو تاریخ کے جس مرحلہ اور جس موڑ پر بھی ہمارے علماء نے اپنی ذمہ داریوں کی بلندیوں کو چھوڑ کر قدم مرکزیت، گودی جھپٹ و
ناشناختی اور غلطی کا ثبوت دیا۔ ہمیں وہ پاناں ملے جاگڑے اور اہانت پدھیمی کے دھکوں سے چمک رہی رہی۔

اجتماعیات کے نقطہ نظر سے سماجی و سیاسی تمام سماجی و اجتماعی مسرتوں اور امیریں، آسودہ حالی اور خستہ حالی کے ذمہ دار ملے و دانشورا
ہیں اور فلسفہ تاریخ کے اعتبار سے قوموں کے عروج و زوال، امن و نا امنی کا غالب حصہ ہے اس طبقے کی فاسکری بلندی۔ وسعت نظری اور اخلاق

سنا کی ہی سے قوموں کو عروج حاصل ہوتا ہے اور قومیں اجتماعی زندگی میں مداف و داف ہوتی ہیں۔ لیکن اسی جھپٹے کی ذہنی احساس، اپنے ظرفی، تنگ نظری اخلاقی لہستی و انحراف سے قوموں پر مادی و معاشی کے بادل چھا جاتے ہیں اور ان لحاظ و زوال کے تاریک سلسلے قوموں کے وجود و بقا تک کا قیام کئے جاتے ہیں۔ علماء و دانشور ہی بہتیت اجتماعیہ انسانیت کا جوہر ہیں۔ انہی سے ہی امتثال انسان زندگی کے آداب سیکھتے ہیں۔ ان فی سماج کی جوہریت DYNAMICS کا نام رو پور کھرجاتا ہے جب اس کے علماء و دانشور زندگی کے محرک سے نکل کر شکست زلفی کی دیوانیوں میں بھٹک جائیں اور ذہن و فکر اور اخلاق و سلوک کو مثبت و تعمیری راستوں سے ہٹا کر سلبی اور منفی آدابہ رویوں میں گم کر دیں۔

یہ بات اور بھی دردناک اور الم انگیز اس وقت ہو جاتی ہے جب اس بات کا مٹا ہوا ہونا جو کہ مسلم معاشرے میں دین حق کے نہ جانے کتنے سے علم بردار علماء پر ہی انہی نیت کے سامنے آئی ذہنی انقلاب تنگ ظرفی کا مظاہرہ کر رہے ہیں جس سے کہ دنیا کی دوسری قوموں کے علماء گند چکے ہیں ابھی پختہ ہونے والے ہیں۔ علماء اس آفت کا شکار تھے جس کے نتیجہ میں آج کی عالمگیر اباحت، جدید لادینیت اور اخلاقی نواح نے مسلم ریخ میں بے ساختہ و غرناظر، وقتی اور مستقبل کی تباہیوں اور خانہ و دیاروں کے حقیقی مصفحات کا اگر جائزہ لیا جائے تو علماء، شہر اور بینکاران کم دانش و کم علم کی گلیاں پھینکی ہوئی دروازہ دھڑکتے آئے گی۔

ملت اسلامیہ کو باہر سے علمی و ثقافتی یغرائے آتے تا یا پھر نہیں کی جتنے کہ نواہس کے علماء اور دانشور جھپٹے کے اس بھڑے خواب کی جو انانیت، خود بریت، گروہی مفاد، ذہنی احساس، تنگ ظرفی، حسد و رقابت، آپس کی شکیلا اور اجتماعی افتراق کے آتش نشان پہاڑ بن کر، ملت کے اجتماعی وجود کو خاکستر تہ بے اور جھپٹوں نے اس کھٹے آسمان کے تھکے دیدہ و لبرے کے ساتھ انبیاء کے مقام رشد و ہدایت اور مرتبہ علم و شرف کو پامال کیا اور دین کے نام پر، دین کے اقدار و دناک مذاق کئے رکھا۔ طالب جاہل سے سامری اور فقیہ شیعہ آفندی اور کسے کہتے ہیں۔

اس کا عبرت نیز پہلو یہ ہے کہ جب یہ حضرات علماء و دانشور، وقت کی اسلامی تحریکات اور تجدید داعیاء دین کی کوششوں کو منفی، سلبی اور زندگی پر خدائی فلسفوں کے ساتھ ہدف نقیص و تحقیر بناتے ہیں۔ بالواسطہ اور بلاواسطہ اسلامی نشانی کا ناپید کرنے کے مقابلے میں لادینی اور دین دشمنیوں کا ساتھ دیتے ہیں۔ اور تاریخ سے بے پروا ہو کر اپنا غازی کا دیار جاہلیہ کھٹے کو دین کی خدمت بناتے ہیں۔ عبرت کی صلاحیت جب ختم ہو جائے تو نامک ثبات باہر کے کے سوا کچھ نہیں ہو جاتا۔ تاریخ سے عبرت بھی حاصل نہیں ہوتی۔ اسلام سے کسی کو بھی فدا سنا لگا تو جو آفتے نامدار، رحمت و عین صلی اللہ علیہ وسلم بھی نسبت و صلی برائے کی محبت پیچری اور انسانیت دوستی کی صلاحیت اس قدر سلب نہیں ہو سکتی کہ وہ دین پسندی پر ظلم ہوتا دیکھے اور اس پر بلزین کا اظہار۔ رسول اللہ اکرم اس ظلم کا بالواسطہ یا بلاواسطہ ساتھ دے۔ جس کے ان یہ صورت ہے داف و دین و سرور کی محبت سے زیادہ اپنی شخصیت اور اپنے خود ساختہ مروضات سے لگاؤ زیادہ ہے یہ بے نصیبی کی وہ حالت ہے جسے ہم نفاق سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ۱۰۔ پھر لوگ اسلام کو تو کچھ نہیں بگاڑتے البتہ انسانی معاشرہ کے لئے آفت باطن بن جاتے ہیں۔

آج کے جدید ان مدعیان اخلاق و تصورات نے عالم اسلام میں اس طرح سے اسلامی تحریکات کے خلاف حملاً صاحب گمراہی کی آگ بجائی۔ دینی محاذ کو دن کو کمزور کیا۔ لادینی قوتوں اور اسلام دشمن حکومتوں کو سرخرو سے مدد دی۔ اپنے لفظ و فحش اور عقیدہ دین کو کیسے قہر و انحراف کے اندازوں کے ہاں بہن لھا اور کن بوسیدہ فلسفہ طرائیوں سے بقراطیت کے شیشیں صحت تیار کئے۔ یہ سب ایک و تحرش اور دلی سوز و داستان ہے۔ کوئی کیا کہے اور کیا لکھے۔ لیکن یہ چاہت ہوئی کہ ان چند ضروری واقعات و حالات کا تذکرہ ضرور کروں جن کا علم و شناخت ہمارے عالم اسلام کے سلسل اسفار میں قائم کو ہوتا رہا ہے۔ جس کا قصد سامنے اس کے اندر کچھ نہیں ہے کہ تہذیب و پاک کے مذہبی و دینی حلقوں کے علم میں یہ بات آئے کہ آپس کے بعض دغا و دھوکہ اور تحریکات اسلامی کے بلاوجہ مخالفت میں آگ سے یہ حضور محسوس رہے ہیں وہ ہم آں بدستہ ہوتے احوال میں خداوندی شہر طرح چہینے لگی۔ تحریک اسلامی کے ہاں سے یہ جادہ منفی اور انانیت پسندانہ رویہ ختم کر کے اس کے تاریخ و اسلام کے حق میں کس قدر خون گیس۔ یہ ہم ہی مستند آج کے دور میں آنکھوں کے سامنے کیا کیا کچھ نہیں کر رہا ہے!

اساتذہ نیکی کی زیادتی کی بنا پر ہی اخوان کی دعوت اسلامی کے خلاف چھوٹے چھوٹے گروہوں نے جب اخوان المسلمین کے فتنے کے بعد معری حکومت احمد فرعون جیہد کے تحت بدست کار سامنے دیکھے تو انہیں نہ سچائی نہ سہولت دی۔ اس امر نے اپنی نجی مجلسوں میں حکومت کی پالیسی "الافتاء للاشتراک" کے تحت میں شکایت کے طور پر کچھ باتیں کیں۔ اس کے بعد سرے بعد انہیں ان کے مکان سے گٹھا دیا گیا اور اس کے بعد ایک دودھ دانا مقام پر پھینک دیا گیا جہاں ان سے ایک بڑی جھگڑا ہو گیا۔ ان پر یہ کار کا کام لیا جاتا ہے۔ کچھ عرصے تعلقہ میں خانہ کے باغوں کو صاف کرنے کا کام بھی ان سے لیا جاتا رہا۔ ان صاحب کے عزیز رشتہ دار قاہرہ میں موجود ہیں اور ان پر بھی کڑی نگرانی ہے۔ اخوان المسلمین کے خاتمہ پر مصر کے علماء و مشائخ نے کیا بھی اندک بیت ہی ہے۔ کاش! ہمارے ملک کے لوگ اس سے سبق لے سکیں۔ کاش! یہ لوگ یہ حقیقت جان سکیں کہ اباحت اور دین دشمنی کے اس نہایت ہی الجھے ہوئے بعد میں خود علماء و مشائخ اور ان کے اعاذن کے لئے تحریک اسلامی دفاع کا کام دینی ہے۔

اب شام میں نینے شام میں حزب البعث کا زندقہ والوں کو تو بھی بات نہیں ہے۔ حزب البعث کی اسلام دشمنی کی اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ حزب البعث کے تحت حال ہی میں "الوہاب الکئیسی" قذافی کی ہے جس کا کام قومیت عربیہ کے لفظ نظریے عربی تاریخ کی نئے سرے سے تدوین ہے اور جس میں الوہاب کو قومیت عربیہ کا بطل قرار دیا گیا ہے۔ حزب البعث دہی حزب فاسد ہے جس میں شہرستہ ترین بھی ہیں اور کو جو گروہ اس وقت سر قوی و اشتراکی اسیب بھی۔ یہ لوگ بریت کے تمام مشعل پلیٹ فارم کو اس اسلام کے خلاف ہادی قوت سے مستحکم کرتے ہیں ان کی دہر چکانیوں کا مرکز بریت کا معروف اسلام دشمن ادارہ (INSTITUTE OF SOCIO POLITICAL STUDIES ON MIDDLE EAST) (المہیت الدساتیر الاجتماعیة والسیاسیة عن الشرق الاوسط) ہے اس ادارے کا کام نہ صرف اسلامی تاریخ کو کھنڈ کرنے کی بجائے بلکہ اسلامی تعلیمات کا کھلم کھانا ہے۔ عربی زبان کو اسلام کے اثر سے نکال کر بیروت کے کان ادھار کے ذریعہ WHITE WASH کیا جا رہا ہے جو نہایت آواز نکالنا اور جھوٹا ہے!

شام کی حزب البعث دراصل کارل مارکس کی روح خبیث اور دال مسٹرٹ افریکہ کے ناجائز خطاب کی پیداوار ہے اس بات کی ہیئت کسی اختلافی مزاج آثار ذہنی، تشدد و سازش اور BACK DOOR گھسائی سیاست سے ہے۔ حزب البعث کا اعلیٰ طبقہ... بدترین لوگوں پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ اتحاد و کمیزم اور امریت پسند قومیت اور گروہ کشمکش کے حامل ہیں اور اسلام کے سخت ترین دشمن۔ فرانسسی استعمار نے شام میں مسلمانوں کے میں مرتدا اور گروہ ترین فرقوں کی سرپرستی کی تھی۔ ان میں لبنان و شام کے دروزی اور فرقہ فیرہ کے لوگ ہیں یہ دونوں فرقے حسن بن صباح کی یاہ کاروں کے وراثت ہیں اب انہی فرقوں میں صحابیہ عناصر بھی برآمد ہوئے ہیں۔ جو ایک وقت میں محمد بھی ہیں، کمپوزٹ بھی ہیں اور امریکی بین الاقوامی ہبوط دانا نیز زمین سیاست کے بحث بھی! مگر کے امریکی طرح ان کے ہاں بھی نعروں کا ڈھول اور الفاظ اور CATCH WORDS کا سراپ ملتا ہے۔ یہ لوگ مشاوات، خطابات اور نعروں پر جھجھتے ہیں اس تحریک کا ہدف شام میں حقیقت یہ رہا ہے، کہ شامی مسلمانوں کی دینی روح و مزاج کو کچل دیا جائے اور مختلف سازشوں کا ایک خوفناک چکر چلا کر شام کو مستقل اضطراب سے دوچار رکھا جائے۔ تاکہ وہاں کے عوام کی طاقت و دینی روح..... کو کسی طرح خاتمہ ہو، اور لبنان میں عیسائیوں کے جو اثرات ہیں اسے بڑھ کر شام کو بھی بین الاقوامی طاقتوں کی مدد سے نیم استعماری ریاست بنا دیا جائے اور اس طرح شام مسلمانوں کے کھاتہ میں نہ رہے۔

دوسری طرف شام کی دوسری تحریکات "اخوان المسلمین" اور "شباب محمد" کو دراصل یہاں سے مٹانے کا راستہ ہی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ دونوں بلاکوں کے تناسب و مشترکہ عزائم سے فائدہ اٹھا کر "حزب البعث" کو تسلط و غلبہ حاصل ہوا اور اخوان و شباب محمد کی تحریکات کو خلاف دست فون قرار دے کر ان پر ظلم و تعذیب کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ دہی و راءہ میں لگے مناظرہ میں دیکھ چکے ہیں اور دیکھ رہے ہیں، قذافیہ کے گروہ دوسرے پہرے میں جلدی گروہ سب کچھ جلیوں میں ڈالنے کے بعد، سب پہلے شام کے سابق منشی اعظم کو لٹا لگایا اس کے بعد وفات والا وقت سے تمام اسلام پسند عناصر کو خارج

کیا گیا، جنہوں نے کہا احتجاج کیا ان کو جیل قاسمیوں کے فارغ التحصیلوں میں بند کر دیا گیا۔ اس کے خلاف جب تمام میں شدید دھمکیاں مل رہی تھیں وہ تمام وحملاً وحملاً میں مظاہرہ کرنے اور حلقہ میں شدید نفرت کا برسرِ انظار کیا اور جمعہ کی نمازوں میں احتجاجی تقاریر پڑھنے لگیں تو حزب البعث کی "ترقی پسند قیادت" نے تمام وحملاً کی ساجدہ بیگم کی رہنمائی کی۔ بے شمار لوگوں کو بے دریغ شہید کیا گیا۔ اس سارے دردناک واقعات کے دوران تمام کے تمام علماء و پیرانہ طریقت نہ صرف خاموش رہے بلکہ ایک بہت بڑے طبقے نے اس کے ساتھ کر حزب البعث کا ساتھ دیا۔ اور اس طائفہ کے بعض شیخ کفر تو نے "انوان المسلمون" اور "شباب مجتہدین" جیسی دینی تحریکوں کے خلاف ان انقلابات کو عین اسلامی قرار دیا اور انھوں نے "انوان المسلمون" کو ان الشیاطین نکلا۔ یہ ایک حالات نے پٹا کھینچا اور صفحہ حزب البعث کے آہٹا پسند طبقہ نے بغاوت کی۔ یہ یاد ہے کہ اوپر کی ساری تعظیم و بیہریت حزب البعث کے معتدل پسند طبقہ کی سیاہ کاریاں تھیں۔ انہیں بہت طبقہ کے انقلاب کے بعد ہی کچھ علماء و دانشور کے ساتھ شروع ہوا جو مصر کے کئی علماء و دانشور کے خلاف ہوا جماعت اسلامی و حکومت و تحریک کی مخالفت کر رہے تھے، شیخ کفایتی اس وقت بے حال ہیں۔ ان کے مخالف تحریکوں کی آنکھیں کھلیں تو انہوں نے دیکھا الفاظ میں احتجاج کیا اور ان سب کو کپڑے کر بند کر دیا گیا۔ تمام اب کھلم کھلا اتحاد و اشتراکیت کا پرچار کر رہا ہے تحریک اسلامی کے مخالف دانشور و علماء کے دل نہایت سختی کے ساتھ گندہ ہیں۔ کتنے عجیب و غریب ان کے حق میں یہ واقعات، کاش! علماء کرام کو چاہئے کہ وہ گوی تعصب اور انسانی مغفرت اور لالچ کی بنا پر کسی طرح آسانی کے ساتھ حکومتوں کے آلہ کار بن کر کوئی تنظیموں اور اسلامی تحریکوں کو کس قدر شدید نقصان پہنچاتے ہیں اور جب یہ تنظیمیں نہایت چمکی ہیں تو جس قدر علماء بھی صاحبانِ تحت و تابع کی داندگیر سے نہیں بچتے اور ان کو بھی معاف نہیں کیا جاتا!

موسم سرما
قدسیت کا مہلما نے موسم سرما کو۔
انسانی جسم کی حفاظت، ناسی شہ قوت کی بحالی، دماغی، قلبی اور جسمی طاقت کی استوری کے لئے مخصوص ہے۔

اگر آپ کسی قسم کی کمزوری محسوس کرتے ہیں تو اسے موسم میں خوب بات و مفرحات اور اکیسیدہ دواؤں سے —
فائدہ کا اٹھائیے

طیب الشرف اگر آپ باقاعدگی علاج کو اپنا چاہیں تو

جانب رجوع فرمائیں جس کی نگہانی براہ راست پاکستان کے نامور طبیب مولانا حکیم عبد الرحیم اشرف خود کرتے ہیں۔
بیرونات کے مریض مفصل حال لکھ کر منت شرفہ حاصل کریں یا سالانہ طلب فرمائیں۔

طیب الشرف اشرف ہسپتال ڈی جی ایم سی جناح کالونی لائل پور

جگر مراد آبادی فن، شخصیت اور شاعری

جگر مراد آبادی میں متوسط طبقہ کے ایک شاعر خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم بھی پرانی طریقہ پر ہوتی اگرچہ انہوں نے لائی اسکول
گریزی بھی سیکھی۔ فارسی پوسٹ زلیخا اسکول تک پڑھی، عربی سے ناواقف تھے۔ ایسے اعلیٰ کار و دروہ ابتدائی شاعری بھی لکھتے تھے یہی
سنے کی رسیدھی سادی سن و عشق کی باتیں، جن میں شے شے کے ذہن یا غنہ بیانی انھوں نے گاندھینس، دیس کے صرف و شاعر یسویہ مدنی کے
مابین سوچنے کو جو انداز تھا اس کا پتہ چلانے کے لئے کافی ہیں۔

کیا چیز تھی، کیا چیز تھی اس نام کی شہرہ تھی
جا، بھی اے ناصح ناداں! نہ کہ ان کو بدنام
اُٹ کر کے دیں بیہ گیا درد جگر بھی
ان جھانڈوں سے تو خوش ہوئے، دُف آتی ہے

بے کچھ غزلیں و آغ و بلوئی مروجہ کو اصلاح کے لئے بھی جن کی غلطی ہندوستان بھر میں بولی ساتھ پھرنیاد و ترانہ مروجہ کے ساتھ رستا
دی کو اپنا کلام دکھایا۔ حسرت مروفی کے استاد امیر انڈیا تسلیم سے بھی استفادہ کیا اور ان سب کا اثر بھی انہوں نے قبول کیا۔ تاہم آہستہ آہستہ
ان کا اپنا داہانہ انداز اور رنگ ابھرنے لگتا ہے، اظہار میں بھی سلیقہ آجاتا ہے اگر سطحیت باقی رہتی ہے تو ٹوٹنے، لچکے، دامن پھاگنے۔
سے ساقی کی ہر نگاہ پہل کھا کے پی گیا سے ان کو پیار آئے نہ آئے کھو گیا سہا ہی گیا۔

نظاہر ہے کہ جذبہ کی شدت نے یہاں آغ کے رنگ میں نیا نیا کھا پیاد کر دیا ہے۔ ساتھ ساتھ ان کے ہاں، شادی، زندگی اور بھولگی کی وجہ
انفرادیت بھٹکتی ہے ادب ان کی آواز ہر کوئی سچاں لکھتا ہے۔

شیتلے سے نہ رکھو مطلب اے ساتھی سیمنا! ان مست نگاہوں سے بھر دست و ایمان
جھک گیا ایک ایک سیکش اس نگاہ مست سے تم ادھر دیکھا کئے اور لٹ گیا سیمنا آج

شیتلے مست و بادہ مست و جن مست و عشق مست

آج پیچھے کا مزہ پی کر بہک جانے میں ہے

پچ تو یہ ہے نرم ناتے دلوں جگر کی کے دم سے قائم نظر آتی ہے سے

دلوں سے ہے جگر سونا پڑا تھا سیکھ بھروہ دیا نوش زہر توش کام آئی گیا

اے اس نماز سے کہ ہے

اے محنتب انہ پھینک اے مرے محنتب نہ پھینک

ظالم اشراب ہے، اے ظالم اشراب ہے

دراصل ان کی شاعری میں سوز و گداز، دلکشی و پراثر آفرینی ان کی زندگی و گمراہی و گمراہی کی کیفیت ان کی شاعری پر عیاں ہوتی ہے۔
تیسری مثال ہر کی عمری ہے، اے عمر کو گزند دی مرام کے کارخانہ میں ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنے لگے تھے، ان کی شاعری بھی اے عمر کو گزند دی
ساتھی تھی جیسی اور عینکوں کی تجارت کے سلسلہ میں انہیں اکثر سفر کرنے پڑتے تھے تاہم منتقل قیام گزرتے ہیں ہو گیا تھا پھر بھی اذو
ان کے لا بال پن اور دماغی وضع کو نہ روک سکے، ایک اہم انقلاب ابدت ضرور سد نما ہوتا ہے جو اے عمر کو گزند دی مرام کے ساتھ ہی جگر کو
عبدالغنی کے آستانہ تک لے جاتا ہے، جگر کو بھی آستانہ شاہ عبدالغنی سے بے حد محبت تھی، جو اسی وجہ سے اے عمر کا بھی بڑا احقر
ہیں اور یہیں سے ان کی شاعری میں تبدیلی کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں چنانچہ وہ آواز اللہ تعالیٰ کے بعد ایک سو فی شاعر اور اے عمر کو گزند دی
آجائے یہ اور بات ہے کہ سنہ سے لگی ہوئی "کافر ایک عرصہ تک ان سے نہ پھرتی تھی مگر یہ ضرور ہے کہ جو اس کے اے عمر کا ذکر جبار کہہ
نے کیا ہے بڑی محنت تھی اور احترام سے کیا ہے۔ غافلہ مرے

جو حسن معنی ہے جگر کا شہ اے عمر
جو جھوٹا اور بھوکہ تر اٹھو باخبر ہو کہ
کیوں کہیں اے شاعر سے چپکے نہ اے جگر
دلگاہ کی محضرت اے عمر نظم سے ہے

یا یہ کہ ہے

دلگاہ محضرت اے عمر کی ہر روایت خاص
قرآن کے سب کے دلی حنین میں رہی
الغرض جگر کے کلام میں صوفیانہ اثر یا اے عمر کی گہری جھاپ، محضرت اے عمر کے قرب کا آہستہ دیتی ہے۔

دو خالق، یونین اور محضرت کے بڑے قابل تھے، معاشرہ میں اے عمر کے بعد قافی کا نام بھی نہ محبت اور احترام سے لیتے تھے، محضرت
دلگاہ کی اور قافی کی اہم پرستی سے بھی وہ متاثر تھے مگر ایک حد تک اس اہم پرستی نے انہیں قافی کی طرح باسیست زد و یا تو نہیں بنا دیا بلکہ ان
جہانوں نے غم و دواں کو لکھ دیا مگر اجتماعی احساس دیا یا پھر انہوں نے اے عمر مرام کی طرح "جو غم ہوا اسے غم جاناں نہیں بنا دیا بلکہ جب صبر
کے وقت ملک پر قیامت ٹوٹ پڑی اور انسانیت مٹا کر رہ گئی تو وہ ٹوٹ پ گئے انسان میں بھی سرے کفن باندھ کر نکلے، اندھ محضرت داس کے
عہد پیدا ہوا اس کی شاہین نے جگر کے ذکر کے وقت ملیں گی۔

جگمگاتے آواز کو غزل گور ہے اور قافی کی طرح وہ اقبال کو بھی "ناظم" کہا کرتے تھے، مگر جب ضرورت محسوس ہوتی تو انہیں بھی "م
نظم" "ننگا غزل" کا احساس ہوا نظروں میں وسعت پیدا ہوتی اور قافی و آواز کی طرح اقلیت کے وقت کے مد نظر وہ نظم کی ضرورت
کے ساتھ اس کے حق کے قابل بھی ہو جاتے ہیں نہ صرف اتنا ہی کہ وہ نظم کی ضرورت انہیں سے متاثر ہوتے ہیں بلکہ اقبال کی عظمت کو قبول
کرتے ہیں انسان کے فکر و نظر ان سے استفادہ کرتے ہیں بھی پس پیش نہیں کرتے، فرماتے ہیں۔

غنی و سیر و گل، انجم و غم و شہید و ماہ
یہ بھی میری رہ گند، وہ بھی میری گدڑا

آسمان مرکز تخیل و تصور کب تک؟
آسمان جس سے جمل ہو وہ نہیں پیدا کر

مگر وہ اقبال کے مقلد نہیں بن سکے وہ غزل ہی کے دائرہ میں زندگی کے ہر مسئلہ کی عکاسی کے قابل تھے اور غزل ہی کو نہایت اظہار بنایا اور نہ گدڑا
کہ وہ قافی سے جو متاثر تھے، قافی بھی جگر کو مانتے جانتے اور پسند بھی کرتے تھے، یہ بات دلچسپی سے قافی نے مہر کی کہ جگر کے مستند فیض شکر کو

خانی بہت پسند کرتے تھے

یوں بسر کی زندگی ہم نے اسیری میں جگر
خانی کے کلام سے جگر کے ساتھ ہونے اعلان کے رنگ میں شعر کہنے کی مثال ہم کے درج ذیل شعر سے بخرا نمایاں ہو سکتی ہے

دن کا کیا ذکر تیرہ بجتوں میں
ایک مات آئی ایک مات تھی

اور یہی اشار کلام جگر سے خانی کے رنگ کے پیش کئے جاسکتے ہیں مگر یہ ایک شعری کا حصہ تین ثبوت ہے۔

مروم اصغر گزندی نے یوں تو داغ کے بعد کو نظم ہوتے دیکھا تھا، نسیم، ہمدی، جروج، حسرت، معنی، عزیز، ریاض، خانی، یگانہ
اقبال اور جوش کو بھی مگر جگر نے ان کے علاوہ اختر، مشیرانی، قراق، فیروز، اخوندی، کو بھی اپنے سامنے بھرتے دیکھا۔ چنانچہ نے نے نے ان
کی شاعری کو کیا اندازہ نہ تھے عنوان ہم عطا کئے۔ ترقی پسند تحریک بھی ان کے سامنے ہی ابھری اور پیچھے بھی گئی۔ اس سے قطع نظر غالب کی
طرح جگر نے ایک خوفناک انقلاب اور غریب سیاست کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مشعل نے جس طرح غالب کے کلام میں گہرے تاثرات
نمایاں کروئے تھے، ۱۹۷۱ء کے انقلاب نو میں نے بھی جگر کی غزل کو نیگن تر بنا دیا۔ انہوں نے غزل ہی کے ذریعہ اپنے درد کی ترجمانی کی اور
عوام کے دلوں پر گہرے نقش مرتسم کئے جبکہ دوسرے شعرا کو اس کے لئے ٹری ٹری اور طویل تر نظیں لکھنی پڑیں۔ اگرچہ عجب کہ ادیبان کیا جا چکا ہے
چند نظیں جگر نے بھی نظم کے صحن اور ضرورت کے پیش نظر کہیں مگر یہ ایک سندھ حقیقت ہے کہ غزلوں میں غالب کے بعد کوئی شاعر اس گہرائی تک
نہ پہنچ سکا جہاں تک جگر کی دوہرین نظریں پہنچیں، صرف اتنا ہی نہیں ان کی غزل کو سیر کی سادگی و مہر کا ری، درد کا تصور، موت کی نقاب پوش
خالی آرائی، داغ کی غریبی اور گداز قلب، اور اقبال کا فکر بھی انہیں متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکا۔

جگر کے ان، سادہ سن کے علاوہ شاعر کی جھلکیاں بھی نمایاں ہیں، غراب سے توہ کہنے کے بعد موت و داغ کا رنگ غزل کو کم
گیا مگر درد کی صدا آفرینی اور اقبال کے فلسفے نے اس کی جگہ لی۔ کلام جگر میں شاعری اور تغزل کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں

حضور دوست ہی جرم زندگی ٹھہرا
جناب شیخ کو تھا زخم پاکی دامن

ریاض اور داغ کی شاعری بھی ہے اور اپنا رنگ بھی

دندوں نے جو چھڑا زہادہ کو ساقی لے کہا کس طنز سے آج

اوروں کی وہ عظمت کیا جانیں؟ کم نظرت جہاں ہوتے ہیں

اور وہ تغزل جس نے انہیں رئیس المستغزلین بنایا ملاحظہ فرمائیے کہ واقعتاً وہ رئیس المستغزلین کہلے جانے کے حقدار بھی تھے

تو مرے حال پریشاں پہ بہت طنز نہ کر	اپنے گیسوی درد دیکھ کہاں تک پہنچے !
لے کے خطا ان کا، کیا ضبط بہت کچھ لیکن	تھر تھراتے بہتے باتوں نے بھرم کھول دیا
ہم نے سینہ سے لٹکایا دل نہ اپنا ہو سکا	سکڑ کر تمہے دیکھا، دل تنہا ہو گیا
کیا خبر تھی وہ بھی نکلیں گے ہمایہ کے شریک،	دل کی دھڑکن ہی کو اپنا راز داں سمجھا تھا میں
نارک کو تو تمہیں اشکات کا دفعہ نہ	ہلکے سے تبسم میں کنایات کا عالم
میشیار! اسے نگاہ تبسم آشنائے دوست	دل بھی ہے اک لطیف سا شاعر نے ہوئے
کیا لطف کہ میں اپنا پتہ، آپ بستوں؟	کیجیے کوئی بھول ہوئی خاص اپنی ادا یاد

شاعر نہ صرف اپنے ماحول پر ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے ماحول کا نمائندہ بھی اپنے ماحول سے دو آنکھیں بند کئے ہوتے گند بھی نہیں سکتا۔

کلام بیکر میں ان کے ارتقا کی سفر کا اندازہ ان کے تینوں مجروحہ کلام سے بخوبی سمجھنا ہے۔

ان کے تیسرے مجروحہ کلام "آتش فاش" میں ماحول کے اثرات بدلتے ہوئے حالات کے گہرے نقوش ہیں نظر آتے ہیں جس طرح "بانگ درا" کا شہر ہیرا، بلی، جیریل، میں بلند، اندھ، بکیم، میں بلند، ترنظر، تاجا ہی طرح "جگمگ" داغ، جگر، میں وہ روز و گناہاں نظر نہیں آتی جو شہزادہ طرہ ہے، یہی جگمگ ری شہزادہ کے بعد بھڑک بھڑک کر آتش فاش کی بن کر سامنے آتی ہے یہی بھڑکی ہوئی آتش سوزیاں جاپتے ہیں کی حفاظت کرنے کے لئے، مستعد بھی نظر آتی ہے اسی میں جن کے دونوں میں آگ بن کر گری پ اپ کر ڈھ ہے یہاں یہ ڈکھو سی ہے خالی نہ ہوگا کہ ان کے مجروحہ کلام "داغ جگر" کے بعد جو دوسرا مجروحہ جو "شہزادہ کے نام سے منظر عام پر آیا اس کا انتخاب اشد بھڑک کے استعارہ گندویں موم کے کیا تھا جن کے جگمگے وہ شہزادہ بھی "اور احترام میں کرتے تھے، جگر کو بلند کرنا۔ پمپنیر سال احمدیہ دلائل و فراموشی سے لکھتے ہیں کہ مجروحہ چھپنے کے بعد چھپا ہوا اور ایک دوسرا مجروحہ جس میں اشن کی لٹا دوسری نیا دوسری اسی نام سے وہ منظر عام پر آیا اور پھر "شہزادہ کے شہزادہ لٹین سامنے آتے مگر اس کی مقبولیت میں کمی نہ آئی۔

جہاں تک غزل کا تعلق ہے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ دسویں صدی عریضی نے قلمی قطب شاہ، گپا، بیوی صدی نے لکھی، یاد میں جگر اور میر اور میر نے ان تینوں صدیوں پر غالب اگر غالب کو پسند کیا۔ اندر جو میر نے جگر کو یہ روشنی کا شہر شعر و غزل کو اپنے لئے سے عرصہ دلائل تک سنہ کر لیا یہ یہ تمام شعرا صرف شاعری نہیں بلکہ عہد ساز تھے، اب اس دوسرے نظم ہوتے ملک شاہ کو فی الیام تراخا اور محبت دست غزل گو پیدا نہ ہو سکے البتہ چند مجرور صدقے سے میر ناما مینہ مونا چاہتے۔

جگمگ نے پیرس کے ۱۹۶۵ء میں شروع ہو کر ایک سو دو کو عام کیا اور اس کی پرتائیر کشش اور اس نے دشمنوں سے بھی خواہر حسین وصول کی اور اس کی چار دوسرے جگمگ کو لکھنے لگے۔ جگمگ کی شخصیت نے نہ صرف ان مرتبہ ادبی حوام سے خواہر حسین وصول کیا بلکہ اپنا راکا بھی منسا لیا اس حقیقت "مازل جاتی ہے سوائی نہیں جاتی

۱۹۶۶ء کے لئے نوٹس کے جگمگ کے کلام میں۔ انتہائی رنگینی و سرسختی اور بے قاشا عشق کے بدلے، سنبھلا ہوا پاکیزہ عشق اور پرمنا انداز عہد کی ان کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا اور دل نے جو محسوس کیا وہی انہوں نے سب سے جھجک انداز میں داغ طرح پر مٹی کی احساس طرح فانی شاہد، تجزیہ و احساس پر انہوں نے اپنی شاعری کی بنیاد دی۔ کچھ دن تو یہ میر نے شہزادہ کی جھجک سامنے آتی ہے، افادات سے دل شاعر شہزادہ اٹھتا ہے اور عہد و عہد شہزادہ جتا اس کو فانی نظم، اپنی سرشت میں، اب کائنات کی نظم میں، جتنے اور وہ خون کے اسود دیتا ہے۔ ملاحظہ ہو

دو، دو، دو، دو، نو، نو، کھائی، دہریا،
آنکھیں ابھی کچھ اندھی ہیں منتظر جگمگ
انہی سے اندھا ماحم انہا ہے آج کی
چھپر کی قتل گاہ کا منظر لئے ہوئے

اندھی کی کڑواہات نے ان سے چشمہ کھول دیا

کہتے ہیں بھائی بھائی، اہل وطن تمام
بھرتے ہیں آستینوں میں فخر لئے ہوئے
اور اس نغمہ میں وہ جو کہتے ہیں، نذر کرنے سے نہیں چکے اندھا کار کہتے ہیں۔

نغمہ سے منظر الم جب سے ان آنکھوں نے دیکھے ہیں
جگمگ ہم بھائی کو کر حسیہ فتق —————

وہ ان لوگوں میں جمید ہیں، ان کے قتل نہ تھے اور ان کو اپنا شہر سمجھتے تھے، جہت پہلے ہی انہوں نے کہا تھا
محسن پرست ہوں مجھ کو، ی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ گئے جاسا ہوں میں
افغانی فرور کو جب شہزاد کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا تو بھرتے یہ آواز بلند کی ہے

ہموں گونا بہ حسن اگر ہے تو ہو جگر
کانٹے بھی ہیں غور و گستاخ لئے برے
آتا ہی کہ جب کائنات پر نقشہ دشمن کا اندھا بچا جاتا ہے اس ملک ان گناہان کھجائی نہیں دیتا تو دور حاضر پاس نظر تبھرو گئے ہیں
انسانیت کو جس سے عورت ہے زندگی
انسان کسایہ عہ بھی گریزاں ہے آج کل
ہر چند کائنات دو عالم میں اسے جگر
انسان ہی ایک چیز ہے انسان مگر کب !
تسلیہ بہر واد مبارک تھے مرے
دل میں اگر نہیں تو کبیں مدنی نہیں
نہیں کسوں پاس غور و گستاخ لئے ہیں سے

کیا تپا مت سے کہ اس دور ترقی میں جگر
آدی سے آدی کا حق ادا ہوتا نہیں
اور سہ ————— گھٹ گئے انسان، بچھ گئے سائے

کی نظر نہ صرف ہمدے کائنات کا احاطہ کر چکی تھیں بلکہ وہ کائنات دل پر بھی اپنی کمر گرفت رکھتی تھیں۔
انہوں نے اپنے مسلک شاعری اور فحاشی، وطن بھی اپنے کلام پر بائز اثر رکھئے ہیں اور جگر ان کے کلام کے آئینہ میں دیکھ جاسکتا ہے اپنی
پاپ بھی ان کی نگاہ تھی !

تکلف سے القین، برکت بہ ست معری اپنی
حقیقت شعر میں جو ہے وہی ہے زندگی اپنی
نہ میں نہایت سے ہول شرمندہ، نہ صرفی سے جگر
مسلک عشق مراد مسلک زندانہ سہی
مرے شعر میں ہیں لطائف، مری نظم میں ہیں نزاکتیں

مری فکر میں کہیں اے جگر ! ادب کشف کی جانبیں

ہے کہ وہ بات جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ "وگھن نمی آید" اسے اس انداز سے بیان کرتے ہیں سے

اے کہ لب سخن کے دیوانے
ماہوائے سخن بھی ہے پاک بات

سب دین ہے ایک - دودن دل کی خوشن کی آگ میں تپ کر کندن ہو چکا ہو، اودہ دل نشہ، دلی صدا شناسی کی نگاہ نازکی تو جہ کیلخیر
حاصل ہوتا ہے ؟ اس احساس کو اس حقیقت کو جان کی لپٹ شاعری پر عائد ہے، اسٹاس میں سانس لیں گے رہی ہے اس کا اظہار اس طرح ایک
الافان کو دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ

میر کا لب شعر بس اتنا ہے اے جگر
وہ مجھ پہ چھا گئے میں نہانے پہ چھا گیا

حالی کی طرح وہ حالی سے باخبر ہونے کے ساتھ ہی ساقی سے بھی آس و گائے بیٹھے تھے، حالی کی نظریں جس طرح مستقبل کو دیکھ سکتی تھیں اور
اندانہ کر سکتی تھیں مگر وہ تک احاطہ نہ کر سکتی تھیں جگر کی نظریں بھی صرف حال تک محدود تھیں، پیش گوئی اور پیغمبری اقبال کی طرح شاعری
لیجہ ان کے بس کی بات نہ تھی۔

جگر آبادی کی تحریک کے بعد انادی کے حصول اور اس کے نتائج کو بھی چونکہ اپنی نظروں سے دیکھ چکے تھے اس لئے کلام میں جا بجا اسٹ دات و اشارت
پر چکے تھے مگر دل کا درد، خون بن کر اس وقت ان کی آنکھوں سے جاری ہوتا ہے جب وہ حصول انادی کے بعد کی افراط و تفریط کھن کر کچھ کہتے ہیں
نادی، نام نہاد و انادی پران کی مشہر نظم سے قارئین تجرل واقف ہیں ہم خود یہ طالت صرف اس کا پہلا بند پیش کرتے ہیں جس میں شاعر نے اپنا
چیر کر کھ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بھاگ مسافر میر سے وطن سے میر سے چمن سے بھاگ

ادیر ادیر بھول کھن میں بھیرتے بھیرتے آگ

میں کے اپنے کرنا دھرتا اکثر میں وہ لوگ
دلہا میں کے کھڑے نظر تہ جن کی نگاہ
گاندھی جی کا نام نہاں پر سن کے اندر دگ
نام نہیں ہے جھانپتی، بات نہیں ہے آگ
بستا جہل و شنی بھوکی، اندر باہر یہ لوگ
اپنے اپنے رنگ محل میں بیٹھ اڑائیں گاگ

بھاگ سا فرمیرے وطن سے میرے جن سے بھاگ

ی نذر وطن دوستی پر ان کی نظم گاندھی جی پر پیش کی جا سکتی ہے، جہاں کے خیالات وطن دوستی کے سلسلہ میں واقعہ نہ پر پیش کر لیا اس کی
ایک روٹی کی مینٹا لکھی ہے۔

اسی آواز کی پران کو یہ نظم تو آپ نے نہا ہی ہوگا !

کام اور صبر اور آواز
نہیں ہے لیکن دھندلی دھندلی
نام ہے اور حقیر سے دشمن
سایہ لیکن روشن روشن

میں دھندلی دھندلی شمع آواز کو وہ اندر ہی روشن زادوں ہوتا دیکھنا چاہتے تھے اور نا اسی نہ تھے فرماتے ہی

نمود صبح کا دھندلی، دلہن صبح صادق ہے

افق سے زندگی کی دیکھ وہ نگاہیں کرن، ساقی !

بالکل غالب کے انداز فکر میں کہ

لطافت ہے کثافت جملہ، پیدا کر نہیں سکتی

آرنا اور میرا گلدستہ

شالنامہ "اوراق"

مرتبہ ڈاکٹر وزیر آغا، حارف عبد اللہ

ریاست میں منقشہ مشہور پرائے گا اور ایک اہم ادبی دستاویز کی حیثیت اختیار کرے گا۔

سینٹر "اوراق"، چوک بازار، لاہور

ہر قسم کے سوتی دھاگے کیلئے ہمیشہ
 ”اٹونیا“ برانڈ یاد رکھئے



فیروز سلطان انڈسٹریز لمیٹڈ سرائے روڈ کراچی

مولانا عبد اللہ عباس ندوی

جمال ناصر کی حکومت سے بیزاری کیوں؟

- ۱۔ ایک سوال ہے جو ہم سے بار بار کیا جاتا ہے اور اس ضمن میں یہ باتیں بھی جاتی ہیں۔
- ۲۔ کیا صرف اس لئے کہ مہری حکمران نے الاخوان المسلمون کی تحریک کو کچل دیا اور خدا تعالیٰ کی نیتوں کو پھانسی دے دی — آپ مہری حکومت کے عظیم کاموں کو فراموش کر دیتے ہیں۔
- ۳۔ آپ یہ نہیں دیکھتے کہ سب سے بڑے فوہیہ نے اس سطر فی طاقت کے عملوں کا کس طرح پامری سے معرے مقابلہ کیا اور یہ ایک وقت اگر بے فربہ اور سراسیمہ کی حالتوں کو شکست دی!
- ۴۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ معرے اشتراک نظام مدافع کے کس طرح غریب کو دھکیلا، لوگوں کا میانہ زندگی بلند ہوا، عوامی سپرد کام کس دھندلے دھندے سے رواں چالی ہے؟
- ۵۔ کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ مہری حکومت نے اسلام کی کتنی خدمت کی ہے، اللہ پر کامیاب بلند کیا۔ قرآن مجید کی تلاوت کے لئے سید کو ایک شجرہ کوئی دیا جو سات دن تلاوتیں لے کر رہا ہے، قرآن پاک کے بلاشبہ دیکھا دیتا رہے دنیا بھر میں تعلیم کئے، اللہ مراد و نازہ الامانات کی سندہ کو ششوں اور سب سے تمام دنیا کے مختلف علماء بلائے جاتے ہیں تاکہ مسئلہ فنی کے مسئلہ پر بحث و فکر کریں۔
- ۶۔ آپ مہری حکمران کو برا کہتے ہیں حالانکہ وہ اپنی ذاتی حیثیت سے ایک عیسائی حکمران ہے جو اب تک اس جنگ میں بہت ہے جس میں لغتوں کو مل کی حیثیت سے راکھ بنا تھا، اس کے لئے ساتھیوں پر اس کو مل جاتے ہیں اس نے جو کچھ کیا ہے وہ ملک و ملت کے لئے کیا ہے اس کا اپنا نہ کوئی سراہہ ہے، نہ وہ اپنا جنگ بلیس رکھتا ہے۔
- ۷۔ مذکورہ بالا باتیں بڑے شیعہ کے ساتھ اور مختلف انداز سے بار بار دہرائی گئی ہیں جو لوگ جن نیت سے ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں ان کی ہمتیں قدسے تھیں سے ان باتوں کا جواب پیش کرنا چاہتا ہوں۔
- ۸۔ گفتگو شروع کرنے سے پہلے اس حقیقت کو ذہن میں نہ آئے کہ لینا فردی ہے کہ مہری حکومت یا حکمران سے ہیں یا آپ اگر محبت ہو سکتی ہے تو ریت اس لئے کہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں وہ پیش پیش ہیں یا کم از کم اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کا ان سے نقصان نہیں پہنچتا یا ہے اما اگر نفرت سے تو اس کا سبب بھی یہی ہونا کہ ہمارے علم و اندازہ کے مطابق وہ اسلام دشمنی اور مسلم بیزاری کی راہ پر گامزن ہیں۔ اور اگر یہ نہ ہو یعنی اسلامی اخلاقی کار شدہ تو ہمارے لئے معصوم و شام ہو یا ڈالینڈ اور پولینڈ سب جہاز ہیں، جہاں
- ۹۔ مہری بلا سے ہوم پسے یا تھا۔ ہے

اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی سامنے رکھنا چاہئے کہ ہم دین کو انسان کا پانویث معاملہ نہیں سمجھتے، ہمارے دین کا مطالبہ ہے کہ اپنے مفاد

دوسروں کے دین کی بھی نگر کریں اگر اس راہ میں رکاوٹیں ہوں تو اس کو دور کرنے کی کوشش کریں رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے تمام ہانڈوں سائل اور معروضات طریقہ اختیار کرتے رہے ہیں اگر اس کے لئے ضرورت پڑتی ہے تو ہم سیاست میں بھی مصروف لیتے ہیں، سیاست ناپسندیدہ ہے اگر اس کے لئے عوامی سطح پر آواز اٹھے اور حرام ہے اگر دنیا طلبی اور شخصی اقتدار کے لئے ہو، لیکن اگر دین کی راہ میں رکاوٹیں دور کرنے کے لئے ہو تو بھلا نفی محمد صہ "شر لا یمن منہ" ایک ایسی بات ہے جس سے ہمارے کار نہیں ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد سے مغربی سیاست دانوں نے مذہب اور سیاست کے درمیان تفریق کا لغو لگا دیا، کلیسا کا حق کلیسا کو دیا اور حکومت کا حکومت کو، یہ بنیاد تھی مغربی طرز فکر کی، یہی اصول مسلمانوں میں رائج کرنے کی کوشش کی گئی اور آل عثمان کے زوال بعد یہ ہم کافی تیز ہو گئی، مرحوم امیر شکیب ارسلان نے حاضر العالم اسلامی کے توحاشی میں فضل الدین عین السیاسة کے عنوان سے اس نظریہ کی تاریخ بیان کی ہے۔

تیسری بات جو سمجھ لینا چاہئے وہ یہ ہے کہ آج دیکھتے نہیں پر کوئی حکومت ایسی نہیں ہے جو کسی کو روک چاہا کرتے ہو، اپنے نظریہ پر اپنے معبود کا عبادت سے روکتی ہو یہاں تک کہ اگر آپ جیکو سلاویہ، یوگوسلاویہ، چین کے گوانگشی، انجیانات اور دستہ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا دلاں گرجا۔ مسجدیں ہیں اور لوگوں کو اپنی عبادتیں اپنے طریقوں پر لادنے کا حق ہے، اختلاف یہاں بھی ہے اس امر میں ہے کہ مسلمان صرف اپنی عبادت پر اکتفا نہیں کرنا چاہتے دوسروں کو بھی عبادت پر مائل کرنا چاہتے ہیں، اپنی آئندہ نسل کے لئے بھی یہی خواہش رکھتے ہیں کہ وہ عبادت کرنے والی رہے، اس کی خاطر ان کو تبلیغ و تعلیم کا کام بھی کرنا پڑتا ہے، مدد سے کھانا پڑتے ہیں، دعوت کا کام منظم کرنا پڑتا ہے پھر وہ یعنی مسلمان اپنی زندگی کا ہر کام عبادت سمجھتے ہیں، دوسروں کی مدد کرنا، مسلمانوں کی پیروی کی فکر رکھنا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں، ان کے سامنے ان کے رسول کی حدیث ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے ایک جسم کی مانند ہے جس کو کوئی عضو بھی درد و الم کا شکار ہے تو جہنم کے تمام اعضاء بے چین رہتے ہیں، لہذا جو حکومتیں اسلام کی کھل کر مخالفت کرتی ہیں یا وہ پردہ ان پر نہ لگے دشمنان کرتے ہیں اس کا سبب صرف یہی ہے کہ مسلمان مذہب کو "پرائیویٹ معاملہ" کی سطح پر رکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

ان بنیادوں پر ان کو سامنے دیکھنے کے بعد آئیے صریح حکومت اور دین کے فوجی حکمران کے سلسلہ میں جو باتیں کہی جاتی ہیں ان کا جائزہ لیں۔

مسلمات کو پھر سے دہرا لیجئے تاکہ جہاد سمجھنے میں آسانی ہو۔

کیا صرف اس لئے کہ صریح حکومت لائے، الاخوان المسلمون کی تحریک کو کچل دیا اور چند اخوانی لیڈروں کو پھانسی دے دی۔ آپ صریح حکومت کے عظیم کارناموں کو فراموش کر دیتے ہیں۔

ہم صریح حکومت کے عظیم کارناموں کو برگز فزوش نہیں کہتے ان "عظیم کارناموں" کی حقیقت تو بھی آپ کے سامنے آئے گی، سروریت یہ عرض ہے کہ آپ یہ کہنا کہ کیا صرف اس لئے کہ..... یہ بڑا فائدہ "صرف" ہے یہ بات بالکل اس طرح کی ہے جیسے آپ نے ہندوستان کے مسلم دشمن عناصر کے ہاتھ میں کہا جاتے کہ کیا آپ کو ان سے "صرف" اس لئے شکایت ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی بستیوں میں جلا کر خاک کر دیں، محمد زئی کا اغوا کیا مردوں کو قتل کیا، ماؤں کی گود سے ان کے بچے چھین کر ان کے سامنے دھک دے کر دے..... !

الاخوان المسلمون کی تحریک پر سے شرع اسلام کے لئے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے آخری سرمایہ تھی، مگر کو اسلامی ثقافت، اشرافیت، اندلانیہ کی وجہ سے جو مرکزی حیثیت حاصل ہے وہاں یہ ایک ایسی تحریک تھی جس نے گنتی کے چند برسوں میں مذہبی انقلاب برپا کیا، جہاں بھی لوگ مسجدوں میں جاتے تھے شراٹے لگے تھے، وہاں اخوان کے اشرافان کی تبلیغ کی بدولت کھیل کے میدانوں، مقامات پر نماز، اجتماعیت ہونے لگی، جہاں کی عوامانیت مغرب کی عوامانیت سے باز کی گئی وہاں جہاں اور عفاف کا چمن شروٹ ہو گیا ہو، جہاں سجد و خافتہ کے داعیوں بھی آئندہ کی امتوں کا ذکر کرتے تھے لڑتے ہوئے اور جنت و دوزخ کے ذکر میں ان کو غیر منطقی بات نظر آتی ہو، اس کی تاویس کر کے اپنی قابلیت اور دشمنوں کی لاکھ بٹھانا چاہتے ہیں وہاں کالج کے طلبہ کو پایا جاتا ہو شوق جہاد سے بے تاب ہیں اور فلسطین کی جنگ میں جاتے ہوئے یہ کہہ رہے ہوں کہ یہیں کی جنگی چھوڑ کر اس لئے جانا ہوں کہ وہاں میری مشغولیت یہ ہے مگر جس کی

حکومتِ برطانوی کی زبانی صحافتِ افغانی و انگریزوں و محنت کے ہمیں گردش کرنے والی صحافت و لفظی ترجمہ چونکہ شرمناک اور خلافِ تہذیب سے اس
تہذیبِ دنیا گیا (ہر زبان انہی اور عربی و لسانی کی فروخت میں ہر جگہ انگریزی سب سے پہلے لگیں، جہاں جیسی ناول لکھنے والے محمد ہرول کہ وہ خطا راستہ بناؤ
ابہین اسلام کی سیرتیں لکھیں، کہیں کہ انڈیا کی ہنگامی ہنگامی تھی، جس تحریک پر انہیں محمد بطاوی اور امریکی حکومت نے نافذ بن احمد فواد سابق والی ہرم
وکیل کر لیا، ہرول کہ ان کی پانچ سو سالہ کاوشوں پر پانی پھرنا تھا، جس جماعت نے شہنشاہیت کے خلاف جمہادی تباہی کی ہو، اس جماعت کو کچل دینا۔ حرف
بہرول بات ہے؟ وہ بھی ایک مسلمان کے نزدیک؟ یہ پورے مشرق وسطیٰ اور تمام عرب ممالک کی دینی نشاۃ ثانیہ کو پچاسی دینے کے مراد ہے۔

اخوانی شہداء۔۔۔ جن کی صحیح تعداد حضرت اللہ کو معلوم ہے مگر جن کو علانیہ اور ایک عدالتی ڈرامہ کر کے تاریخ کیا گیا، وہ حرفِ حق کے نہیں
لہ پورے عالمِ اسلام کی امانت تھی، شیخ عبدالقادر عجدہ جیسا فاضل قانون دان و مددِ مذہبی پیدا ہونا، شیخ فرحانی وہ جس نے کوہِ بٹاوی سفارتخانہ زندہ
مردہ لائے والے کے لئے پچاس ہزار پونڈ مسخری کا انعام دے دیا تھا، سید قطب، محمد قطب، انسان کی دوہیں ہیں، ایسا خاندان کیوں بید دی عقل کی
یا، سید قطب جن کی تحریروں نے لینڈ دی جوش اور ایمانی زندگی لوگوں کے اندر پیدا کی تھی جو کبھی مولانا آزاد نے اہلِ اہل اللہ البکاء کے زمانہ میں پیدا کی
نا سے نکو یہ تھا کہ دس سال کی مسلسل قید با مشقت کہا اور وہ ان کے نقطہ نظر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، تین سال کے لئے ان کو قید با مشقت سے قید
میں رکھ کر تصنیف و تالیف کا بھی موقعہ دیا گیا مگر وہ ان ملامتِ خیر و نہ کے باوجود وہ اشتراکی نظامِ حیات کو اسلام پر ترجیح دینے اور وہ جہاں
بہ انصاف کی مدح و تعریف کے لئے تیار نہیں ہوئے، اس کے بعد تقسیمِ بنگالہ ایک سال تک در عبد السلام حارفہ مرحوم کی سفارش پر مہر جس سے باہر بھی نکلیا، جب کہ
وہ بیمار کی وجہ سے نفق و حکومت سے مجبور تھے مگر پھر بھی ان کی تحریریں ان کے عقیدے کی ترجمان ہیں، یہ کیا بغاوت کہ تھی کہ ان کی تحسین سے ایسا جن تیار
و تاہم جو اسلام کا اشتراکیت پر ترجیح دیتا ہے، آج ہندوستان میں شیخ عبداللہ کے بارے میں متعدد بار ہندوستانی حکام کا یہ جملہ لگیا ہے کہ ان کے فکر
کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے اس لئے ان کو پھانسی نہیں جاسکتا، ان حکام کی منطق سراسر غلط ہے لیکن یہ حکام پھر بھی جمہوری قدروں پر ایمان رکھتے ہیں، وہ
مجموعہ میں شیخ عبداللہ کو پچاسی نہیں دے رہے ہیں، قید میں بھی سیاسی صحیح کی ہے جس میں جمہانی تعذیب نہیں ہوتی، پھر بھی آپ اس کو غلط اور جارحانہ کہتے
ہیں اس سے مراد نہ کہ لیجے، متحدہ عرب جمہوریت کے مستبدادی نظام کو اگر مزید جمہوری اصول پر پرکھنا ہو تو اس سفارتی کون کا آپ اپنی کے فاضل قانون
ان نامی عدلیہ اس کا وہ مضمون پڑھیں جو کہ تقریرِ شہادت کی ہے، یا کو توئی آواز نکلتی ہے شائع ہوا ہے اور یہ واضح رہے کہ قاضی صاحب کو صرف عدد
نہرو عبداللہ کے ایک ہیست مدد دیا ہے، دوسرا دال نہرو سیریز کے قومیانہ اندر سطرانی حملوں کو شکست دینے کے بارے میں کہا جاتا ہے اور جس کو
عظیم کارناموں میں سے زیادہ بڑا کارنامہ دے عظیم تر بتایا جاتا ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اگر یہ کوئی کارنامہ ہے تو اس کا "کیڈٹ" معری حکمران کو
میں بلکہ دوس کو جانا ہے جس کی وارننگ نے برطانیہ کا حملہ دیکھا، یہ بات محض پروپیگنڈہ اور سفید جھوٹ ہے کہ مصری فوج نے کہیں بھی برطانوی فوج کا مقابلہ
یا تھا، برطانوی فوج اپنی جیب کا روں، خیموں اور اسلحوں سمیت پھرتیوں کے ذریعہ کیڈٹ سفید پرارتی اور کافی دن تک قابض رہی مصری فوج ان کو خواہش تک
پہنچا سکی، سلاوی کونسل کی فوج اور افغانی رائے عامر کے دباؤ سے وہ واپس گئے، اسرائیل کو اس حملہ سے تین برسے لادے ہوئے۔
طیجِ عقوبتِ اسرائیل کا قبضہ ہو گیا جس سے اقتصادِ دنیا نہ نہ کہ ہیستہ کے لئے خم ہو گئی اور عربوں کے ناقصہ نہ نہ ہوئے کہ بعد دوسرے وہ کہ سب سے
م آبی شہرہ نکل گئی۔

۱۔ غزہ میں اسرائیل کی حفاظت کے لئے بین الاقوامی فوج تعینات کر دی گئی کہ اگر آئندہ بھی کسی مقرر میں ایسی حکومت قائم ہو جو واقعی اسرائیل کی دشمنی پر آمادہ
و تو حملہ نہ کر سکے۔

۲۔ نہرو سیریز ہر ملک کے جہاز گذر سکتے ہیں جس میں اسرائیل بھی شامل ہے۔ یہ ایک بین الاقوامی معاہدہ ہے جو مقرر نے اقامت دے سے کیا ہے۔
طانیہ افغانی اور اسرائیل کا مقصد اس حملہ سے متبرقہ کرنا نہیں تھا بلکہ اسرائیل کے لئے زلیت کا کچھ ساں قراں کرنا تھا، اعلیٰ مقصد میں وہ کامیاب رہے،

مصر میں اشتراکی نظام کے فائدہ ، مغربی کا دودھ ہونا ، معیار زندگی بلند ہونا ، قومی مہم کو کام ہونا ۔

پریسٹنڈس سے ڈالاک ہرگز واقعات کا جائزہ لیجئے یا ان سے دریافت کیجئے جن میں واقعتیت ہے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ۔

۱۔ مصر میں غریبی دور نہیں ہوتی ہے بلکہ بڑھتی ہے پندرہ سال پہلے وہاں کی فی کس آمدنی ۴۰۰ قرش رہنا تھی جبکہ مصری پونڈ کی قیمت اکیس شلنگ ایک پونڈ اسٹرلنگ ایک شلنگ تھی اسباب ۱۹۵۵ء کی رپورٹ کے مطابق فی کس آمدنی ۶۰۰ قرش ہے جبکہ بین الاقوامی مارکیٹ میں مصری پونڈ کی قیمت ۲۰ شلنگ رہ گئی ہے ، عام بانادوں میں آج کل مصری پونڈ کی جو قیمت ۵۰۰ اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ سرحدت میں ۲ لیرے کا ایک مصری پونڈ فروخت تا ہے اندر مصری عرب میں آپ ریال کا ۔ یعنی ہندوستانی سکے میں پانچ روپے کا ۔ جبکہ جنک میں اس کا نرخ ۶۔۷۰ پاکستانی روپے ہے ۔

آپ نے کئی سال پہلے یہ اخباروں میں پڑھا ہو گا کہ مصر نے اپنا احتیاجی سامان فروخت کر دیا ۔ اقوام متحدہ کے مانیٹرنگ فنڈ کی رپورٹ مابین شرق وسط ۱۹۵۶ء پڑھئے تو معلوم ہو گا کہ مصر کی اقتصادیات اس حال میں نہیں ہے کہ اس کو عداوہ کے علاوہ قرض کے نام پر کوئی رقم دی جاسکے چودہ سال کی قیادت کاشت چنگی فروخت ہو چکی ہے عرب ممالک نے مصر کے سامان کا حملہ باریک کار کھاہے ، مصر کے تغیر یافتہ مدین ، ڈاکٹر ، پریس ، انجینیرز کی پت عرب ممالک میں ہوتی تھی اب صرف خلیج فارس کے پسماندہ علاقوں تک محدود ہیں ، سعودی عرب ، عراق ، اردن ، شام اور لیبیا تک نے ان سے ماہرے کے نام پر نہ بھی اجازت سے بن بلا کی حکومت ختم نہ ہی یہ لوگ اس طرح نکالے گئے ہیں طرح سطور حیدر آباد کے بعد مصری عرب ایک جہاں میں خاکہ زمانہ کئے گئے تھے ۔ مصر کے بڑے بڑے شفا خانے جو سابق زمانوں میں انگریزوں کی مدد سے قائم ہوئے تھے کھو کھلے ہو گئے ہیں ان میں وہاں تک نہیں تیں ، یہ تفصیلات خود مصر کے رہنے والے جانتے ہیں جبکہ انہیں اطمینان ہو جاتا ہے کہ کوئی دوسرا مصری ان کی بات نہیں سن سکتا ہے ۔

اب یہ سوال کہ آخر مصر کی دولت جاتی کہاں ہے ؟ کیا اسان ڈیم کی تعمیر میں یا کارخانوں کے بنانے میں ، جواب یہ ہے کہ اسان ڈیم کی تعمیر میں مصر ایک قرض خرچ نہیں ہوتا ہے بلکہ مصر کے مزدوروں کے لئے اب روزگار کا سامان ہو گیا ہے ، کارخانے فرو ہونا گئے ۔ جس میں سب سے بڑا کارخانہ موٹرو سازی تھا جو کام ہو گیا ۔ روٹی کے ۲۱ مل پہلے تھے اس پندرہ سال میں ۱۰۰۰۰۰ مل کھلے ہیں ۔ مگر دولت اس میں صرف نہیں ہوتی ہے ، دولت عرب ممالک کے اندر زیر سرگرمیوں میں صرف ہوتی ہے ۔ عداوت میں عبداللہ کے ذاتی پریسٹنڈس سے میں خرچ ہوتی ہے ایک مصری نوجوان نے مجھ سے بتایا کہ حکومت نے سٹی وژن بسٹ چیکر سلاویہ سے خرید کر نصف قیمت پر (وہ بھی مصر کے کم قیمت ریکہ میں) اسٹاپر لوگوں کو بیچے کہ اسلاید ریس کی تقریریں سن سکیں ۔ لاکھ اس وقت لوگوں کو ٹی وی سٹ کی نہیں بلکہ روٹیوں کی ضرورت تھی ، آج ہندوستان نے دو سال ۔ امریکی گیموں لینا شروع کیا تو دنیا بھر میں راکا شہر ہے اس ملک کی مختلف پارٹیاں اس میں مارحسوس کر رہی ہیں مگر آپ کو شاید معلوم ہو کہ آج ۶ سال سے امریکی گیموں سے مصری حوام کی بدش چوری ہے ہر فرد آدمیوں میں سے ۸ آدمی امریکی گیموں پر زندہ ہے یہ ہے اس معیار زندگی کی بلندی کا حال جو کاشہرہ آپ سا کرتے تھے ۔

مگر اس سلسلہ میں آپ ایک بات اور یاد رکھئے کہ دنیا میں قانون ارتقاء ۔۔۔۔ تسلیم شدہ حقیقت ہے ، اس گذشتہ پندرہ سال میں دنیا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جس نے ترقی نہیں کی ہو (ہندوستان نے بین الاقوامی معیروں کے ذریعہ جو کام کیا ہے وہ آپ کے سامنے ہے) پاکستان میں سینکڑوں مل بنے مگر مصری پر کیا پھر ہے ، سیلون میں ۱۲ ، برما میں ۱۲۵ ، بلیٹا میں ۱۸۰ مل بنے پھر جانے سے ہر ملک میں متعدد ذیلی یونیورسٹیاں ہیں ، آباد کاری کا انتظام ہوا ، زراعت میں نئے آلات کے ذریعہ ترقی ہوئی ان میں اگر مراندہ کیجئے تو سب سے کم ترقی مصر میں ہوئی ہے ۔ حالانکہ اگر فی واقعی مناسبہ فائدہ سے ہر ترقی ہو تو عجب کی بات نہ تھی ، افغانستان ، سعودی عرب جہاں کی اقتصادیات کے بارے میں اب تک یہ کہا جاتا تھا ، غیر ترقی یافتہ ، جا عداوہ نامور ہے وہاں بھی بے شمار اصلاحات ہوئی ہیں ۔

اب آجے جو پچھنے سال کا جائزہ لیں ، مصر کی اسلامی خدمات ، الائنس کا معیار بلند ہوا ، دنیا کا سب سے بڑا دارالافتاء (دینیات ناھر)

تمام ہمارے قرآن کا بیڑہ پھرنے کا کیا۔ قرآنی طاقت کے بلائیکہ دیکھنا تو عظیم کئے گئے۔ مقرر البوٹ الاسلامیہ اور نور سوسی کے جلسے گئے۔

اگرچہ ابجد چرنے کا مطلب دوسو فیصد کی بلندی نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات اور اس کی روح کو کچھ انداز پر عمل پیرا ہونے کے امکانات کی بلندی ہے تو اس لحاظ سے الائنہر جسے سے کہیں زیادہ بہت ہو گیا ہے، خطوط تعلیم نے اس کا ہدف بھی ختم کر دیا، الائنہر کے علمائے کام کا کام ہمارے مدبر تصدیق کرنا، اس بات کا کہ ہماری سرپرستوں کا دیکھنے کے علاوہ کچھ نہیں رہ گیا ہے آج وہ اشتراکیت کے عین اسلام ہونے کا فتویٰ دے رہے ہیں، کل ہی علماء نے جو فتویٰ کی حمد و ثناء میں طلب اللہ ان سے، ان کو مطلب اپنے گریڈ اور تنخواہ سے ہے، کبھی ان میں رنج و حسرت اور غم بھی نہیں تھا۔ اب انہوں نے اختلاف زبانی ہی کرنے کی ہمت کی؟ کچھ تبدیلی فرما کر اب بھی دے دے کچھ جب کہ صدیق بن عبداللہ نے پندرہ سو روپے پر ایک سو روپے میں تصدیق کرتے ہوئے۔۔۔۔۔ علمائے جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔۔۔

”مجھے ان رجال الدین و علماء دین سے کیا امید ہو سکتی ہے ان کے لئے ایک دیکھ دیکھ (مرزا دینی) کافی ہے“

ماہنامہ ابجد و سنیہ کا قیام اگرچہ اسلامی خدمت کا مقصد ہے تو واشنگٹن کی مسجد المذکرہ اسلامی بھی تو قابل ذکر ہے جس کا افتتاح اینٹلہ اڈلے کیا تھا۔ اسرائیل نے اعلان کیا تھا کہ حکومت اپنے فوج پر پٹل ایب کی مسجد کی تعمیر کر رہی ہے بھارتی حکومت نے اس کے سنٹر کی مسجد بنانے کے لئے پانچ ہزار پونڈ دے دی ہیں۔

یہی حال طاقت نشین کرنے کا ہے، آپ کو معلوم ہے کہ بی بی لندن سے وکٹوریہ کا دعویٰ پروگرام ہوتا ہے اللہ پروردگار کا افتتاح قرآن مجید ہوتا ہے، دنیا میں جہاں جہاں بیڑے دعویٰ پروگرام ہوتا ہے خواہ ماسکو، یا واشنگٹن، یا جین، ہر جگہ سے تادمیں نشر ہوتی ہیں، اگر مقصد دعوت اور ترویج دین پیش نظر نہیں ہے تو ایسی طاقت سے فائدہ؟ حدیث بڑی میں آیا ہے ربنا ینزلوا القرآن والقرآن یبلغنا۔ قرآن کی طاقت کرنے والوں میں کھایا یہی ہے کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان پر نصرت کرتا ہے۔

مقرر اسلامی اور مقرر البوٹ الاسلامیہ کے بارے میں پہلے تو یہ سنئے کہ اولیٰ الخدیجہ بنت احمد و مرحوم غلام محمد اور حضرت ہر کے اشتراک اور سرور بن عبدالعزیز کی تحریک سے چار مہینے قیام کرتی تھی اور اس کے سیکرٹری افراد طاقت بنائے گئے تھے، سمیعو نے ایک مہینہ پہلے دوس لاکھ کا ابتدائی حصہ دیا تھا، اس کا مرکز قاہرہ بنایا گیا، پندرہ سال تک جاری رہی۔ مقرر کی طرف سے چند طلبہ کو وظائف دئے اور بعد میں انہیں کو بیرونی ممالک میں بھی بٹھانے کے لئے بھیجا گیا اب جبکہ رابطہ عالم اسلامی کا قیام عمل میں آیا تو اس کی خدمت میں اس کا اصرار کیا گیا ہے۔ جس کی حیثیت مسجد خضراء سے زیادہ نہیں ہے۔ وزارت الاوقاف نے ایک شعبہ البوٹ الاسلامیہ قیام کیا تھا تا کہ موجودہ حالات میں فقہی مسائل پر از سر نو غور کیا جائے۔ شتا، مکمل کا استعمال، ہوائی جہاز پر سفر، مردے کی آنکھ کا استعمال، انشورس وغیرہ جو مقصد کے لئے مجلس تحقیقات تخریب کا قیام ہندوستان میں اس کا نفرنس سے دوسال پہلے عمل میں آچکا تھا۔ اس کا نفرنس کی کارروائیاں معری علماء کی تحقیقات پر مشتمل تھیں، علماء کرام کی ضیافتیں خوب خوب کی گئیں، انہیں سیر کرنا بھی دیا گیا اور صدیق بن عبداللہ ہر کے تجویز کردہ الیک ملوی، کا تبصرہ کیا گیا۔ اس کا نفرنس کا پاور سراسر اسلامی کا نفرنس کا مسئلہ نون سلا جہتی مسائل سے ملنے لگے تھے اس کا کیا سیات اور دوسرے ملکوں کے اندیشی معاملات، کہ کہ بے دخل کر دیا گیا، بہر حال اگر یہ کام کچھ وزن رکھتا ہے تو ہمیں اس سے انکار نہیں، مگر اس طرح کی اصلاحی معیہ تر مخلصانہ کوششیں اناس اور ہر طرح کی شکی رتنی کے باوجود ہندوستان تک ہیں ہر جہاں ہیں، پاکستان میں آئے دن بین الاقوامی کانفرنسیں اہتمام العلماء ہوتے رہے جس سے دین کی جو خدمت ہوتی وہ معلوم ہے

آخری سوال یہ ہے کہ معری حکمران کی زندگی میں ہوسادگی پائی جاتی ہے وہ عوام کی نشانی ہے۔

جی ہاں ضرور ہے، اس مسئلہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر یہ بھی جانتے ہیں کہ السیدالامین کا سابقہ بلکہ اب تفرج نشتان ہر جگہ ہے اور

اس سوشل کے تمام بنگلہ بیتی سرکار ضبط ہو چکے ہیں تاکہ الیہا ریس کی حفاظت کا انتظام ہو سکے۔

مذاہک بنک پلیس نہیں ہے اور اپنے لئے کچھ نہیں کیا ہے تو اس کا حال ابھی کس کو معلوم جب تک کہ وہاں فوجی حکومت ہے کس کے قبضے میں طاقت ہے جو اڈا نکال سکے، ممکن ہے اس کی حقیقت بعد میں سامنے آجائے۔

یہ قزوہ باقیں ہوتی ہوئے دن مصری حکمران کے ہوا خواہ کہا کرتے ہیں۔ اب نئے مصر کی موجودہ حکومت سے نفرت کا اصلی سبب جو انہوں نے قتل سے نیا دہ گہرا ہے اور جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

موجودہ مصری حکومت نے اپنی سیاست کی بنیاد عرب نیشنلزم پر رکھی ہے۔ جن نیشنلزم نے عربوں کو مسلمانوں سے اور مسلمانوں کو عربوں سے کاٹ دیا، القویۃ الفاصلة بین العرب والمسلمین، وہ قومیت جس کا لغزہ خالص جاہلی ہے اللہ اکبر! لعنہ اللہ علیہ المذنب ہے اور عزت عربوں کے لئے ہے۔

اور یہ کہ

لا تعارف غیر الصبی

ہم غیر عرب کو جانتے ہی نہیں

اور جس اصطلاح میں ہیں۔

عرب لیگ کا ہیڈ کوارٹر	حرم العرب المقدس	عرب کا حرم مقدس
قومیت کو ماننے والے	حرمین بالقوۃ	قومیت کے حرمین
قومیت کے منکر	کفار عن القوۃ	کافر قومیت
قومیت کی غلط فہمی سے پر جانے والے	احمد السائد	مرتد
عرب لیگ کا چانسلر	مجمع القومیہ	صحیفہ قومیت
صدر مجلس عبدالناصر	انجی القومیۃ	سینچر قومیت
	رسول السلام	پیغمبر امن
آئس کا سلام دعا	تحیۃ العربیہ	”عربیت کی جے“
افتتاح کے لئے	باسمہ القوۃ العربیہ	قزوہ کرنا ہمیں قومیت کے نام سے

پناہ عربوں اور مسلمانوں کے دنیان قومیت کی تبلیغ نے کس حد تک اثر ڈالا اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ آپ عرب قومیت والوں کی دوش کی رسم ملے نہیں ہے بلکہ اکثر سیفیہ قرآن ملکوں سے ہے جہاں اسلام کی بیچ کنی ہو رہی ہے، تو عربوں ترک مسلمانوں کے مقابل میں عیسائیوں کا ساتھ دیا گیا، نا بھجریا میں اسرائیل اور امریکہ کی جھوٹی بیانیہ حمایت کے خلاف مارش کی گئی، تیلوس میں فرانسیسی ہوائی کر تے ہوئے حبیب بن مقبیلہ سے دشمنی کی گئی۔ اس طرح کسی سلامی ملک یا مسلم آبادی کی کوئی حمایت بھی کی گئی ہو تو بتائیے، برطانیہ اس کے قوما کے حق پر معلوم ہوتا تھا تاہم وہاں انسان ٹوٹا ہوا ہے لیکن احمد بیو کی شہادت پر ہوتے تین سڑکی بھر کر نکال انھیں کا انتقال بنیاد قتل ہو گیا۔ نفرت کا سبب یہ ہے کہ مصر جو صدیوں سے اسلامی ثقافت کا مرکز چلا آ رہا تھا آج مسلم بیڑی کا مرکز بنا دیا گیا ہے اور اس سے قزوہ عربی کو دھماکا ہوا مگر وہ دشمنوں کے اشاروں پر کام کر رہا ہے ہم اس ٹوٹ کو ایک عرب شاہ کو ایک شریح حکم میں ہیں کا ترجمہ ہے۔

ہم نے نہیں اپنی قلم سبھا تھا

مگر دشمنی کے باغ میں پہونچ گئے اداس سے ہیں پر وار کر رہے ہو۔

غزل کی صحت مند قدروں کا آئینہ دار

ذوقِ جمال

از: عزیز چشتی

جس کی غزلوں میں زخموں سے چمن کھلانے اور اشکوں سے چراغاں کرنے کا انداز ملتا ہے —
کتابت و طباعت میحاری — کاغذ عمدہ، ۱ جلد
مہ رنگین گردپوش — قیمت صرف ۳ روپے
محلے کا پستہ

سیّدہ اختر - اردو سماج - جامعہ نگر - نئی دہلی ۲۵

مسیحیوں کے کبر و بڑی سے باتیں موصوفہ کے ہاں ظالمین سے انتہائیں
مدینہ کی بلیوں سے گفتگو، مارنگلی کی یہ بھی کہانی کہتے ہیں مصنف
بھی مدعا ہے تاریخ کو بھی رلاتا ہے۔

سفرِ حج

الفاظ کا جادو نہیں دل کی دھڑکنیں ہیں، عازمینِ حج کے لئے ہر
حاجی صاحبان کے دل کی آواز، نبی اللہ کے موصوفہ نہیں و بیانات اور
کعبۃ الہیہ پر انوار و تجلیات کے بے پایاں نمونہ کی جگہ عکاسی۔
ہدیہ تین روپے

محلے کا پستہ

الحاج غلام فرید قمر بھٹی نظامی، شیرشاہ، کالونی کراچی ۲۵

ماہنامہ نگار پاکستان کا سالنامہ ۱۹۶۶ء

اصنافِ ادب نمبر

دوسرے ماہ میں شائع ہونے والی ہیں داستان، ناول، افسانہ، ڈرامہ،
سوانح نگاری، تنقید، انشائیہ، پہچان، خطوط ادبی، طنز و مزاح اور
حاکم نگاری کے نئی و کھری ارتقا پر اہل قلم کے مقالات شامل گے۔
صفحات تقریباً ۲۵۰ — قیمت تین روپے
تعمین و تصانیف نئی پوری
قریبی بکسٹال یا مندرجہ ذیل پتہ سے طلب کریں۔

ماہنامہ نگار پاکستان

۲۲ گارڈن مارکیٹ - کراچی ۳

روح البشاپ

ہمارے فطری تاریخ اور زیادہ غریب۔ یہ نظریہ اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ اقتصادی حالات ہی وہ اصل عامل ہیں جو انسان کی تعمیر و تہذیب کو متاثر کرتے ہیں۔ نیز جب انسان میں یہ ایجاد ہو جائے کہ وہ اپنی زندگی اور سرمایہ داری نظام کا زیادہ قابو چاہے، تو اس کا دوسرا یہ داری نظام استحصال اور لوٹ کھسوٹ کا نظام ہے۔ اس لئے اس کے وہ بیان اپنا پہاڑ بننے والے انسانی وجود کی تعمیرات بھی یقینی طور پر اپنے اصول ہی کا عکس ہوں گے۔ وہ لوٹ کھسوٹ کے نظریات ہوں گے۔ مگر یہ نظریہ علمی حیثیت کے لئے فتنہ رکھتا ہے اور نہ تجزیہ اس کی تصدیق چاہتی ہے۔

یہ نظریہ انسانی تمدن کی بالکل نئی گردیتا ہے اور اس کو صرف معاشی حالات کی پیداوار قرار دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی کوئی جتن نہیں جس طرح وہ ان کے کارخانے میں صابن ڈھونڈتی ہے اور وہی اسی طرح آدمی بھی اپنے اعلیٰ کے کارخانے میں ڈھونڈتا ہے وہ انگ سے سوچ کر آدمی کو کہتا ہے بلکہ جو کچھ کہتا ہے اسی کے مطابق سوچنے لگتا ہے۔ اگر یہ نظریہ تو درست ہے، تو خود بھی تو تسلیم فرمائیے کہ انسان کا یہ نظریہ یا عقائد ان کے اپنے پیداوار ہیں، اس کے لئے کس طرح ممکن ہو گا کہ وہ اپنے وقت کے معاشی حالات کے خلاف سوچ سکے۔ اگر یہاں سے زمین کا مطالعہ چاہیں تو یہاں کیا کھائے گا۔ اگر مذہب کو پسند کر لے گا تو اپنی چیز وقت کا اقتصادی نظام ہے تو آخر مذہب کس چیز کے وقت کے اقتصادی نظام کی پیداوار کہہ سکتے ہیں۔ مذہب کی جو حیثیت اگر کسزم کو تسلیم نہیں ہے، وہی حیثیت اس کے اپنے لئے کس طرح جائز ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نظریہ اشتعال انگیز حرکت انہی ہے، اس کے پیچھے کوئی ایسی بھی عقلی دسین موجود نہیں۔

[illegible][illegible]

ہماری نظر میں

مکتوب مبنی از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، ترجمہ مولانا محمد حنیف ندوی، ضخامت ۳۶ صفحات، خوش نما تپہ دیز کا غلام قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے ملے کا پتہ :- ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

آفتی اسٹیل بن عبداللہ مالوی ثم المسنی کوئی صاحب ہوں گے، جن کو حضرت شاہ ولی اللہ سے عقیدت اور ان کے علم و تعلق پر اعتماد تھا، ان صاحب نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے بارے میں شاہ صاحب کے دیانت کیا، شاہ صاحب نے اس کے جواب میں ایک طویل خط لکھا جسے مولانا محمد حنیف ندوی صاحب نے اسلوب میں منتقل فرمایا۔ یہ مباحثہ بڑے نازک اور دقیق ہیں، مولانا ندوی کے بحر علمی آفتی مالوی کا کرشمہ ہے کہ ہوکتا یہ اس قدر خاموش و دقیق مضامین کا حامل ہے اسے اردو کالیب سوزوں لباس پہن دیا، جس میں کہیں جھول نظر نہیں آتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی ذات شریعت و طریقت کے علوم کا گنجینہ ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں نوعی معجزاتی ذہانت اور بصیرت عطا فرمائی تھی، یہی سبب ہے کہ جس موضوع پر تسلیم اُٹھاتے ہیں اس کا حق ادا کر دیتے ہیں، ان تمام محاسن کے ساتھ ان کی کتاب میں معلومات و افکار، در نکات و لطائف کا لالہ ناز بھی ہے اور جھگل بھی ہے، جن میں گل و لالہ اور جھاڑ جھنکار بھی کچھ ملتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے اگر مونی خانوادہ میں ہمیشہ اور تعلیم و تربیت نہ پائی ہوتی تو ان کی ذہانت و بصیرت نکرانہ تعلق فی الدین کی صلاحیت و بصیرت سے بظاہر پر توحی کی جا سکتی تھی کہ وہ شیخ محمد بن علی الدین ابن عربی پر تنقید کرنے والوں میں سے کسی پیش پیش ہوں گے، مگر لاولی اور خاندان کے حوالہ کا یہ اثر تھا کہ وہ شیخ کبر کے فلسفہ وحدت الوجود کے مبداء اشارہ کی حیثیت سے جانے پہچانے جانتے ہیں !

عجیب بات ہے کہ حضرت محمد ابراہیم ثانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ کبر کے فلسفہ "وحدت الوجود" کو غلط قرار دے کر اس کے مقابلے میں "وحدت الشہود" کو پیش کرتے ہیں، مگر حضرت شاہ ولی اللہ نے یہ ثابت کرنے کی لاش کی ہے کہ شیخ کبر اور حضرت محمد صاحب ایک ہی جسی بات کہی ہے، ان دونوں کے فلسفوں میں اختلاف اور ٹکراؤ نہیں ہے اور فرماتے ہیں :-

"خاص بحث یہ ہے کہ یہ کہا کہ حقان ممکنات دراصل ممکن و ظلال ہیں، ہر احوال متغایا ہیں، اقسام

نہیں ہیں، یہ کسی طرح بھی شیخ ابن عربی کی تصریحات کے خلاف نہیں" (ص ۳۰)

کوئی تنک نہیں اپنے اس مکتوب میں حضرت شاہ صاحب نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کو مسترد یعنی ثابت کرنے میں کمالی صبر کی ذہانت اور بائیک جی کا ثبوت دیا ہے، مگر اس جسی لینے کے باوجود ان کے ذہن میں یہ کھٹک باقی رہی ہے کہ :-

باقی رہی یہ بات کہ حضرت محمد نے شیخ ابن عربی اس کے بعض اتباع کے اقوال کو اپنے وجدان کے خلاف

محسوس کیا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، یہ ایک ایسی غرض ہے جس کا کشن کی لغزش سے کوئی تعلق نہیں

(ص ۳۱)

قرآن پاک مخلوق اور خالق کے درمیان نسبت خلق و معبود و عباد کے باہم نسبت عہدیت اور عبادت و عہدیت کے درمیان صفت و ربوبیت کا پتہ دیتا ہے، منکر و انکار اور عقیدہ کی اس سادگی میں کوئی الجھاؤ نہیں! ایمان، حقائق مکملہ، اس سائنس، تنزیلات و ماہیات... ان اصطلاحات میں بڑی باسیکیاں اور دلکشات ہیں!

سے اس کشتہ بہ انگشت نہ پہنچی کہ دانا است

یہ کتاب کوئی شک نہیں اپنے موضوع پر پڑے معرکہ کی کتاب ہے جس نے اندو ادب کی علمی شہرت میں قابل ذکر اضافہ کیا ہے، کتاب کا نام درمکتوب مدنی مہر گڑھ الیہ محسوس ہوا جیسے مولانا حسین احمد مدنی مرحوم کا لکھا ہوا کوئی خط کتابی صورت میں مرتب کیا گیا ہے ہماری نائن رائے میں اس کتاب کا نام "وجود و فہم" ہونا چاہئے!

از سیدہ انیس فاطمہ بریلوی، ضخامت ۴۴ صفحات (مجموعہ قیمت چھ روپے)

آب منزل بمنزل

لئے لاپتہ :- اکبر جی آف ایجوکیشن ریسرچ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس ناظم آباد، کراچی

مختصر سیدہ انیس فاطمہ بریلوی مشہور ماہر تعلیم اور مصنف و مورخ جناب سید الطاف علی بریلوی کی شریک حیات ہیں، یہاں میری دونوں خوش ذوق، اہل تسلیم و سنجیدہ نگار اور علم و ادب کے شہساز قاضی صاحب نے ہمارے سیدہ انیس فاطمہ کی کتاب میں منظر عام پر آچکی ہیں ان کی اس کتاب (آب منزل بمنزل) پر ڈاکٹر محمد احسن فاروقی نے ہمارے مقدمہ لکھا ہے جو کتاب کے شایان شان ہے۔

"آب منزل بمنزل" ————— سترہ ابواب پر مشتمل ہے جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں :-

کشتی اور روحانی ادب — لافانی ادب — دلی میں آندو — گھنٹوں میں آندو — آندو پلنٹھ میں آندو — کا آندو — پنجاب میں آندو — علی گڑھ تحریک — ڈیڑھ ذریعہ — مولانا حالی — علامہ شبلی — اکبر الہ آبادی — مولانا محمد علی جوہر — مولانا حفصہ علی خاں — مولانا ابوالکلام آزاد — علامہ اقبال — مولانا طغیانی — احمد شگلوی — ترقی پسند ادب —

اس کتاب کے بیشتر ابواب نقد و تبصرہ اور ادب وراثت کے اعلیٰ نمونے ہیں، ان مضامین کے مطالعہ کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اردو ادب کی پوری تاریخ ذہن و فکر کے سامنے مجسم ہوگئی، تقریر میں کس قدر روحانی انداز شاقی پائی جاتی ہے، کتنے سلیقہ کے ساتھ مفہوم و مافی الفہم کو ادا کیا ہے طرز میں کہیں کہیں شوقی بھی آگئی ہے مگر ناست و سنجیدگی کے حدود میں رہ کر!

سیدہ انیس فاطمہ جو در فکر اور مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہیں کہ دنیا میں ادب کا آغاز اشعار سے ہوا اس واقعہ کو کس قدر شاعرانہ انداز میں بیان فرماتی ہیں، —————

"ادب کی پیدائش کاشی و اشعار کی صورت میں دنیا کے سامنے نمودار ہوئی۔"

زندگی عین کب ہوتی ہے! اس کا جواب لائق مصنفہ کی زبان سے سنئے، —————

"زندگی مجھے صبح میں اُس وقت عین کہلائے جانے کی سوتی ہوتی ہے، جبکہ وہ کسی مثبت مقصد کے لئے مصروف ہو جاتا ہے۔"

شاعر کے بعد آئی کا کیا حال ہوا! مسلمانوں پر کیا مبنی؟ اس کی اس راہ انشا کیلئے نثر، صوف چند لفظوں میں، —————

"... دعا کی قبولیت کا ذلت گزرنے چکا تھا اور دو توبہ پر پہرے بیٹھے ہوئے تھے،"

اور ————— پھر

"ندا اس قنوطی درد کا قصہ کیجئے، جہاں بانی اور جہاں داری کا آفتاب لب بام آچکا ہے، سادگی قدیں ایک"

ایک کے دم توڑ رہی ہیں، رنجش کی اور محو سی کے اضطرابی لحاظ میں "نہ رنجش" "فساد آباد" ظہیر ہتھریا
 نہ لکھنے کو کیا لکھتے۔۔۔۔۔ (رکھتہ میں اُردوم)

مرزا سما کو خارج عقیدت کس شان کے ساتھ پیش کیا ہے۔۔۔۔۔

"دستاویں لکھتے نے ادب کے نام پر جو بے ادبیاں کی ہیں، وہ مرزا دوسا کی اس ادبی تخلیق کے صنف اور غصیل میں
 یقیناً اس قابل ہیں کہ انہیں معاف کر دیا جائے۔"

.. علامہ شبلی پر جو مضمون لکھا ہے، اس کا یہ "ادب پارہ" دراصل "شہ پارہ" ہے۔۔۔۔۔

۔ انہوں (شبلی) نے اپنی تحسیریں اور شاعری کے ذریعے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ تمہاری عظمتوں کے چراغ
 ابھی گل نہیں ہوئے ہیں، صرف روشنی مدھم پگھلی ہے، دریا اپنے دلوں کو دوبارہ حراست ایمان سے گرا کے دیکھ
 دنیا کے منصبِ امامت کا تمہارے سوا اور کون سنبھال سکتا ہے؟

اور

شبلی ان تمام مقاموں سے اونچے ہیں، جو دلت اور نادان نے ان کے لئے تجویز کئے تھے، مولانا ظفر علی خاں پر صرف یہ ایک جملہ، ان کے شعرو
 ادب کی خصوصیات کا حواس و درجہ ان ہے۔۔۔۔۔

"انہوں نے ہمیشہ کوہِ آتشِ فتن کے دوانے پر بیٹھ کر اپنے افکار و آراء کو طبع بند کیا؟

دوسرا رخ

"بھائی چارگی کے سارے بندھن ایک ایک کر کے ٹوٹ جاتے ہیں" (ص ۳۴)۔ "بھائی چارے" لکھنا چاہئے تھا، بیچارے سے جس طرح بیچارگی
 بنا ہے، اس قاعدہ کے تحت بھائی چارے سے "بھائی چارگی" اُنعد میں مستعمل اور مروج نہیں ہے۔۔۔۔۔ "شایخ سے بے پردہ ہو کر" (ص ۴۱)
 کتاب میں کئی جگہ "پرہیز" پڑھنا چاہئے، "پرہیز" اللہ بے پردہ، اللہ دست ہے، "پرہیز" کے ساتھ اُنعد میں "ہ" پڑھاؤ، اکابر میں نہیں رہا۔

۔ یہ ایک ایسی تعصبات یا تکلیف ہے، جس نے اپنے عہد کے متنوع نظریات سے ٹکرنے کا اپنا مقام پیدا کیا (ص ۵۴) جو حسین آباد کی "آبِ حیات"
 کی یہ نوعیت عجیب ہے کہ اُس نے اپنے عہد کے گونا گوں نظریات سے ٹکرنی تھی۔۔۔۔۔ "ادب و قیّام" اللہ تعالیٰ سے پانی پانی ہو جائیے (ص ۵۸) یہ تو شب
 لیلۃ القدر والی بات تھی، اس جہد میں "موت" "نابید" ہے۔۔۔۔۔ "تیرے گھونٹوں کو زبردستی نگھٹا ہی پڑتا ہے" (ص ۶۶) گھونٹوں کے ساتھ نگھٹنا
 محض نظر ہے۔ "آنا" "لکھنا" تھا۔۔۔۔۔ "ایک نئی زبان کی اساس پڑی" (ص ۱۰۰) "بنیاد پڑی" کا محلی تھا "اساس پڑنا" معنی سمجھ ہے، مگر

وہاں کو کھٹکنا ہے۔۔۔۔۔

"ریاض خیر" راوی کا شعر ہے۔۔۔۔۔

وہ سامنے ہیں نظامِ حواسِ مرہم ہے

یہ آدھی رات کو اُن کا پیام آیا ہے

ہم آج انہیں سکتے اب اختلاف نہ ہو (ص ۳۴)

یہ کتابت کی غلطی محسوس ہوتی ہے، پہلا مصرعہ "وہ سامنے" کو "نہ رنجش" کا ہے، "پُرہیز" خیر میں ہے۔۔۔۔۔

وہ سامنے ہیں نظامِ حواسِ مرہم ہے نہ آند میں سکت ہے نہ رنجش میں دم ہے

کتاب کا آخری مقلد "ترقی پسند ادب" ہے، جس میں نام نہاد "ترقی پسند ادب" کا بڑی دیدہ وادی کے ساتھ تجزیہ کیا گیا ہے، "یہ اللہ تعالیٰ

کا فضل ہے کہ سیدہ انیس فاطمہ نے عصمت چغتائی اور نرگس آفرین کی راہ اختیار نہیں کی اور ان کا نظم ادب و اخلاق کی ترجیحی کے لئے وقف ہے۔

جلس ادارت: قاضی عبداللطیف اور عثمان حیدر، ظہیر احمد تیار، محمد علی صدیقی، ضحمت ۲۰ صفحات و سربق خوشنما، آڈیو پیس

عرفات

پاکستان نیشنل آن لائن لٹریچر کی سیرت کیٹی نے دوسری سیرت کا نذر سیرت کی کتاب چلی کی ہے جو سیرت پر بعد از گریز مضامین و مقالات سے مزین

ہے، ہر مضمون اپنی جگہ خوب تر ہے، مضامین میں نوز کے ساتھ اس گراں قدر اخلاقی و ادبی پیشکش کا حسن ترتیب بھی قابل تعریف ہے! مجلس ادارت جس کے لئے تحریک و تحریک کی سستی ہے!

پاکستان میں کتنے ادارے ہیں جو یہی قصہ و سرود کی مضمین برپا کر سکے اپنے شوق کی پذیرائی کے اسباب مہیا کرتے ہیں! پاکستان نیشنل آن لائن لٹریچر کو آفرین و مر حاکہ وہ سال کے سال انسانیت کے محسن اعظم و صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا نذر سیرت کا اجتماع کرتی ہے، یہ سعادت ہر کسی کو کہاں میسر آتی ہے۔

از محمد ایوب قادری لایم۔ اے ۲۸ صفحات، قیمت چار روپے
مولانا محمد حسن نانوتوی

پرنٹنگ: مکتبہ عثمانیہ عت ۲۳۸۵ پیر الہی بخش کالونی کراچی ۵

جناب محمد ایوب قادری لایم لے مذکورہ نگاری میں خاص شہرت رکھتے ہیں، ان سے ان کو طبی مشابہت ہے اور اس میں انہوں نے بڑا بیاض

کیا ہے! زیر تنقید کتابیں صاحب موصوف نے مولانا محمد حسن نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ رپیدائش تقسیم ۱۸۲۵ء — وفات ۱۸۹۹ء کے سوانح حالات جزی محنت اور تحقیق کے ساتھ مدون کئے ہیں!

کہنے کو تیرہ ایک فرد واحد کی سوانح عمری ہے مگر اس تذکرے میں اس دور کی علمی تاریخ کی بھکیاں جگہ جگہ ملتی ہیں، فیصلہ میں جس علم اور ادب قسم کے حالات

درج ہیں۔

”مطبخ محتبائی دہلی“ اور اس کے مالک مولوی عبد الاحد کا نام علمی مذہبی حلقوں میں خاصہ مشہور ہے اس کتاب سے پہلی بار اس کا علم ہر اکہ مولوی۔

عبد الاحد رحمہ اللہ مولانا محمد حسن نانوتوی کے ربیب تھے!

مولانا محمد حسن نانوتوی کے مطبخ صدیقی بریلی میں ہوکتا ہیں چھی ہیں، ان کی تفصیلات نے اس کتاب کو خاصہ وقیح اور حلیات آفرین بنا دیا ہے!

یہ بات ہم نے بارگاہی سے اس واسطے کہ اس کتاب میں پڑھی ہو کہ سر سید احمد خاں مولانا مملوک علی کے شاگرد اور حضرت مولانا محمد قائم نانوتوی

کے ہم سن تھے، مگر اس کتاب میں اس واقعہ کی تبدیلی گئی ہے۔

مولانا عبد اللہ سندھی نے مولانا مملوک علی کے تلامذہ میں سر سید احمد خاں، دُپٹی نذیر احمد مولوی و کامرانہ کو بھی شامل

کیا ہے! اس سلسلہ میں مولانا سندھی نے کوئی حاکم نہیں دیا ہے، غالباً آخوان ذکر حضرت کو اس لئے خیریت میں شامل کر لیا ہے

کہ یہ حضرات دینی کالج کے تعلیم یافتہ ہیں مگر معلوم نہیں سر سید کو کس طرح ان کا شاگرد لکھا گیا، سر سید احمد خاں تو دہلی کالج کے

طالب علم بھی نہیں ہے، سر سید احمد خاں نے آٹھ سالہ بعد ۱۸۶۲ء میں عرب کی اور اس وقت مولانا مملوک علی زندہ تھے

انہوں نے اس میں کہیں تلمذ کا ذکر نہیں کیا۔۔۔

ایک دوسری غلطی کی تصحیح۔

مولانا احمد ہابری صاحب نے مولانا محمد یعقوب نانوتوی کی تاریخ وفات ۱۲۸۳ ذی قعدہ ۱۲۸۳ء لکھی ہے اور ایک تلمذ

تاریخ بھی غلط کیا ہے، ہابری صاحب کی یہ بیان درست نہیں ہے، مولانا احمد ہابری صاحب کو تاج ہوا ہے ذی قعدہ ۱۲۸۳

خسرو سے منسوب کی ہے، ڈاکٹر مصنفہ آہ نے اس پر سخت گرفت کی، فرماتے ہیں: —
”یہ غزل کا ہے کو سفسہ پن ہے“

خاقانی کو ڈاکٹر صاحب موصوف امیر خسرو کی کتاب پر شک کرتے ہیں، اور پروفیسر شینانی کی رائے کو بے وزن سمجھتے ہیں۔
”مجموع پروفیسر شینانی نے بڑی کوشش اور کاوش سے ایک کتاب خاقانی پر لکھی ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مشہور و معروف ہندی نظم خاقانی باری امیر خسرو کی تصنیف نہیں ہے، میں شیرانی صاحب کی نکتہ رسی کا بدلہ دے رہی ہوں، لیکن ان کی اس تصنیف میں محققانہ نکتہ سنجی سے زیادہ اپنے مفروضہ نظریے کے لئے ترجیح تراشی گئی ہے۔۔۔۔۔“

اور

”ہریت ہے کہ ایسے معمول الحیثیت نسخے کو اپنے نظریے کی بنیاد بنا کر شیرانی صاحب نے خاقانی باری کو لکھنے کی تصنیف قرار دیا ہے اس لئے کہ مصنف کا نام ضیاء الدین خسرو مان کر راجا دفرمایا ہے کہ تپاس اسی کی وجہ سے یہ کتاب امیر خسرو کے نام سے مشہور ہو گئی ہے“

”سات سو سال کی تحریک کاری“ (ص ۵) — ”تخریب کے ساتھ“ کاری“ ناپید سلوم ہوتا ہے — ”خسرو کی ہندی شاعری تو ایک طرف، ان کی فارسی شاعری پر ابھی تک کوئی فاضلانہ مضمون اردو میں نہیں لکھا گیا“ (ص ۸۹) ڈاکٹر مصنفہ آہ کے قسم سے اس عبارت کو پڑھ کر بڑی حیرت ہوتی کیا۔ ”شعر العجم“ ان کی نگاہ سے نہیں گزری، علامہ شبلی نعمانی نے امیر خسرو کی فارسی شاعری پر جو مضمون لکھا ہے وہ زبان و ادب کا شاہکار ہے۔
”پیشانی دہلی سے زیادہ دور نہیں“ (ص ۸) تعبیر پیشانی، دہلی سے کم از کم سو سال دوسرے جیسے ”زیادہ دور نہیں“ تو کسی طرح نہیں کہا جا سکتا! زیادہ سے زیادہ بلند شہر اسی سے ٹھکانا کہہ سکتے ہیں کہ دہلی سے زیادہ دور نہیں ہیں۔

ڈاکٹر مصنفہ آہ اس کتاب پر علمی دنیا کی طرف سے تبریک و تحسین کے مستحق ہیں، اپنی استطاعت کی حد تک انہوں نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔
ان — حکیم لکھنوی کنالی، ضخامت ۲۰۸ صفحات،
ادب اردو — شے کا پتہ — اردو مشن، لگی تہراں والی، ملتان۔

اس کتاب کے چند اجواب —

تلفظ کا معیار — اردو ہج — تلفظ کی ندھیاں — مخلوط ترکیبیں — مذمر و اور محاورے — کہاوتیں —
تلمیحات — مذکور و منقوش — بعض غلطوں کی نئی تحقیق — اصلاح سازی —
جناب حکیم لکھنوی کنالی نے بڑی محنت اور کاوش و تحقیق کے ساتھ اپنی اس کتاب کو مرتب فرمایا ہے، ان کی یہ تصنیف اس کی شہادت دیتی ہے کہ حکیم صاحب موصوف زبان و ادب میں کتنی بصیرت رکھتے ہیں، ان کی نگاہ کہ قد شرف ہے اور دوسرے ہے اور آصف زبان کا انہوں نے ہر رخ سے مطالعہ کیا ہے۔

— ان واقعات سے لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو کبھی اردو کا نام ادب سمجھی اس کا خط بدلنے کا شوق نہ

چھوڑتے رہتے ہیں۔

حکیم صاحب کی یہ رائے کتنی صاحب ادب و عقلی ہے!

کسی صاحب نے ”لا پتہ“ کی بجائے ”پتہ“ تجویز کیا، لکھنوی صاحب نے اس رائے کی غلطی واضح کی کہ —

میں دبیر کا معرکہ یا شعر انتہائی پست ہے! انیس کا یہ شعر: —

یہ تو نہیں کہا کہ مستحقین ہوں
مولائے سر جھکا کے کہا میں معین ہوں

شاعری کی معیار ہے :

دبیر: — رویا میں بھی حسین کو رویا ہی کرتے ہیں

انیس: — حسرت ہے کہ خواب میں بھی رویا کیجئے

”دبیر کا معرکہ واقعہ اور حقیقت ہے“ یہ لکھتے صاحب کی رائے ہے، حالانکہ ”رویائیں سونا“ یہ اردو دنیا ہی نہیں ہے۔ ”غلاب میں سونا“ مجھ نیاں ہے، اس طرح اردو میں کون بولتا ہے — کہ میں نے شبہا دیکھا تھا — یا ”میں کل رات رویا میں روتا رہا“

انیس: — آنکھوں میں یوں پھرے کہ خزانہ کو خزانہ ہو

دبیر: — آنکھوں میں پھرے اردن مردم کو خبر ہو

”اب میں دبیر کا معرکہ بہتر ہے“ مردم“ آنکھ کا جزو ہوتی ہے، اُس کو خبر نہ ہونا ”پھرے“ کا کمال ہے۔ ”خزانہ“ تو بہت دُک کی چیز ہے۔ ”اُسے خبر نہ ہونا کوئی کمال نہیں، دبیر کے معرکہ کے تیسری ”مردانہ“ ہیں، جیسے تیر کے شعر: —

سروائے تیر کے آہستہ بولو ابھی ٹلک مدتے روتے سو گیا ہے

کے تیسرے مردانہ شعر: — سودا کے جو بالیں سے اٹھا تھا شد قیامت

خدا ام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

کے تیسرے مردانہ ہیں —

لکھتے کہ ان کی یہ گرفت تو صحیح ہے کہ ”مردم“ آنکھ کا جزو ہوتی ہے اور خزانہ بہت دُک کی چیز ہے۔ (اس میں بہت مبالغہ ہے، دُک کی چیز لکھنا تھا) مگر تیسری لکھتے ”مردم“ اردو میں کون بولتا ہے؟ دبیر کے شعر میں ”مردم“ کس خطا کھڑا کھڑا لگتا ہے، پھر شعری یا تعریف کہ اُس کے تیسرے ”مردانہ“ ہونے چاہئیں، عجیب اور نئی قسم کی تعریف ہے! کہنا یہ چاہئے تھا کہ سودا کے شعر میں تیسرے شعر کے مقابل میں لفظی شکوہ پایا جاتا ہے، اگرچہ ان ٹلک انڈیا کی اردو انجیت کا تعلق ہے تیسرا شعر سودا کے شعر سے بلند تر ہے، سودا کے شعر میں ”خدا ام ادب سے کون مراد میں، فرشتے یا تیار دار؟ انیس کے شعر میں خزانہ نے کتنی نعمتی پیدا کر دی، جو دبیر کے شعر میں مردم“ لانے کے سبب حادث ہو گئی!

حکایتی پر لکھتے صاحب کی یہ اعتراض: —

”انیس دبیر کے کلام کا مقابلہ کرنے میں وقت نظر سے کام نہیں لیا، یا نہیں لیا جا سکتا“

اہل ذوق اور ادب ناب نظر کے نزدیک کوئی وزن نہیں رکھتا، انہی کو شعری جیسی پرکھ سکتی، ایسی پرکھ کر دینے کا شاید چند ناقدین ہی کو نصیب ہوتی ہوگی۔

”اگر واقعی میں شہد، شہد کا غامد رکھا آیا ہے اور سنگھیا کی تاثیر سنگھیا ہی رہی تو مستقبل میں شہد شہد ہی

رہے گا اور سنگھیا کی تاثیر سنگھیا ہی رہے گی“ (دام الکتاب — مولانا ابوالکلام آزاد)

اس پر لکھتے صاحب اعتراض کرتے ہیں: —

”چاروں جگہ سنگھیا غلط ہے، سنگھیا ہونا چاہئے“

پر اعتراض صحیح نہیں تھا مگر اُن آوازوں نے جوں جوں سنکھیا کا ادا میچ اور دست لکھا ہے یہ جزو قاعدہ نہیں فذوق ووجہان ستحق رکھتی ہے، وہ شخص بے فذوق ہے جو سنکھیا کو جملہ کی کسی حالت میں بھی سنکھیتے لکھتا اور لکھتا ہے مثلاً لولہ کو بولتے اور لکھتے ہیں، —

بہنکھا خواب ہو گیا — اور لکھنے کی قیمت سو سو پیسہ ہے۔

لیکن

یوں نہیں پولس گئے کہ — اُنکے کی قیمت دو سو روپے ہے — اُنکیا کو جملہ کی ہر حالت میں اُنکیا ہی لکھا اور لکھا جائے گا۔ یا ڈیجہ کی رنگت سرخ ہے، اسی کا قیاس سنکھیا پر بھی کیا جا سکتا ہے۔

فاضل نادنے۔ علوم الناس، اظہر من الشمس، ذوق الغزل، مالہ، وعلیہ، نصف النہار، لیلۃ القدر، مافی الضمیر، ساقط الاعتقاد، ماہ الزمان — یہ سب فاضل کی جملہ کتابیں ہیں۔ وہ سونہری خط لکھتے ہیں۔ یہ الفاظ آندو زبان کا جڑ بن چکے ہیں مان کو آؤ کس لفظ پر کیا جائے! لیلۃ القدر، شبِ قدر، ماہ الزمان، اندر زامی، دولتی قسم کی ترکیبیں آندو میں رائج ہیں اور رائج پرستی چاہیے! یہ جو انجمن ترقی آندو کی کتابوں میں بروی سب لکھنے کے مشورے سے لکھ گڑھ کر لکھ گڑھ اور چھاپوں کو چھاپوں لکھا ہوا ہے اس سے ہمیں صاف خفا ہے! اسیان کا اختفات محنت پرستی ہے!

گفتنی صاحب نے۔ تقابلی مطالعہ کے دوران سے انگریزی اور آندو کی بعض مرادوں کا مطالعہ میں درجہ فرما کر بتایا ہے کہ ان میں کن اصطلاح بہتر ہے! مثلاً، اُن کی رائے میں —

”کترن، کننگ، اور ترانے سے بہتر ہے“ (ص ۱۸۹)

اردو میں عام طور پر کترن، وہ جملہ کا غذا کچھ کا کٹرا، جو کترنے سے بیکار لکھ * (نورالغلات جلد سوم) کو کچھ نہیں اس لئے کئی کے معنی میں ”ترانے“ کے مقابلہ میں ”کترن“ کہنا بد ہے۔ کترن کے معنی بہتر سمجھا، بڑی بے فذوقی ہے، کوئی یوں لکھتا —

”میں نہ تو مضمون کی کترن آپ کو بھیج رہا ہوں، اس سے استغفار کیجئے اللہ سچ سمجھے واپس فرما دیجئے“

تو اہل فذوق ”کترن“ سن کر ہنسی کو شکل ہی سے ضبط کر سکیں گے!

”لائے دیکھ جائے“ ”بہتر“ ”تجزیہ“ (ص ۵۴) آندو میں ”تجزیہ“ سے ”تجزینا“ کوئی مصدق نہیں ہے نہ اس کا کبھی چلن ہے! اہل ”بہتر“ سے ”برقانا“ ”کن“ میں بنایا گیا اور بعض خسار نے اسے استعمال کیا، اور اس کا چلن عام ہو جانے میں کوئی قیادت نہیں ہے۔

”آہر لقا وری صاحب فرماتے ہیں — اردو قریب ہی ہم طرزِ اعراب لکھنے کی ضرورت نہیں آتی، اگر کہیں

پڑ جائے تو صحیح اعراب لکھنے چاہیے، اعراب لکھنے میں اس کا خیال نہیں رکھا جائے گا کہ وہ لفظ آندو میں کس طرح لکھا جاتا ہے۔

گفتنی صاحب اس مشورے کو بہتر سمجھ کر کہ ”ادبیات کے قول کی بالکل ضد بتاتے ہیں، حالانکہ خاکسار کی یہ رائے درست ہے! مثلاً ”جہ“ کو لکھا جاتا ہے اور ”جہ“ کے ”نہ“ لکھا جاتا ہے اور ان کی بولی غلطی ہو سکتی ہے! فذوق اعتراض نہیں کر سکتا مگر اس پر اعراب لکھنے کا نتیجہ ہے تو ”جہ“ کے ”جہ“ پر ”نہ“ لکھا ہوگا! ”کینہ عرب“ ”جہ“ لکھتے ہیں۔ مقابلہ کو آندو میں ”بہ“ کو مانا کن یا سکون وحرکت کی درمیانی آواز کے ساتھ لکھا جاتا ہے مگر اعراب میں

”بہ“ نہ لکھا جاتا ہے نہ کوئی لکھا اس لفظ میں ”بہ“ بالفتح ہی ہے۔

”آداب آندو“ ان غلطیوں کے باوجود کام کی کتاب ہے اس کے مطالعہ سے زبان وادب کے بہت سے گوشے نگاہ کے سامنے آتے ہیں۔

ادب — ناکر محمد مسلم، فصاحت، فصاحت، قیمت دو روپے،

نئے کا پتہ — نسیم بک ڈپو، اردو شری، لکھنؤ

مختصر تاریخ غزل آندو

اس کتاب کا پتہ — نسیم بک ڈپو، اردو شری، لکھنؤ

ہے تو میں جس کا ہر ایک صفت شہسوار کے زور و کرم سے قفس افسانہ پیدا کرتی ہے دینے کا کتا لڑائی گیا ہے۔
 ٹکڑا ہوا صدمہ صدمہ نے اندک پہاڑ غزل گوئی سے نہ صرف اس کی غزل گوئی پیدا کر دیا بلکہ غزل گوئی سے سلطان محمد قلی
 قطب شاہ کو تسلیم کیا ہے اس کتاب کے منتخب اشعار۔

منا نہیں کاغذ سے کوئی جھوٹ کوئی پرچ ہے

کس کس کا نہ مندوں بن، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

(نشا)

(حاکم)

(۱۰)

(محمد اکبر)

(سودا)

(مغنی)

(جرات)

(بحر)

(ذوق)

(دانا)

(ابوالحسن)

(حالی)

(اکبر الہ آبادی)

(صوفی خاں)

(نشا)

(۱۰)

(۱۰)

(۱۰)

(عزیز گھنوی)

(۱۰)

(۱۰)

(۱۰)

(۱۰)

(۱۰)

(۱۰)

(۱۰)

خلق نے صفت میں کیا بدنام

ہاں تک بھی سنے پہر چپا مرا غیب

عوض خدہ میں کبھی اہل وفا کی نہ سنے

جس روز کبھی اند پہ پیدا کرو گے

مجھ کو پا مال کر گیا ہے ابھی

دیکھ مجھ کو اپنے در پہ پل کہا نہ پھر کے

میرا دل کس نے لیا نام بتاؤ کس کا

پھر کہ کہہ جان نہ دیتا تو آہ کیا کرتا

حضرت غلام آپ ہیں جس وجہاں میں

کچھ کہ دو جھوٹ پرچ کہ توجہ بند ہوئے

کیوں بڑھاتے ہو اختلاط بہت

ہوتی نہیں قبول دعا ترک عشق کی

مکن نہیں کہ عشق ہو بعد دل تری نہ ہو

جب کہنا سنے مٹا کہنے

میرے فانی کو شہر یاد وعدہ آگیا

نور کہ کاٹ دے ننگ کے دل سے دوست

دعائیں گزریں تری یاد بھی آتی نہ ہمیں

ذرا وصل کے بعد آئین تو جھپٹے دوست

پچانس ہو تو نکالیں احباب

(صوفیہ) جگر مراد آبادی کو ہر مراد آبادی کے خلاف میں شاعری کیا ہے یہ سب کچھ نہیں معلوم ہوتی، جب دماغ کا انتقال ہوا ہے تو جگر

وہ بندہ برس کے تھے، اس نے اسے بندہ سال کی عمر کے جوان کا دماغ کی خدمت میں اصلاح کے لئے مراد آباد سے غزلیں کا، دکن کے

یہ بھیجی تھی کہ نہیں لگتا۔

شعر کلام کے گئے چھ اشعار، جب انتخاب میں دئے تھے، تو شعر کو منتخب دے گا رہنا ہے تھا، اشعار کے انتخاب میں غلطی لگارنے

غرض ذوق کا ثبوت نہیں دیا، لاپ نصاحت جنگ بہادر جیل کے اشعار پڑھ کر یہ بات خاص طور سے کشش۔

شعر کلام کے گئے چھ اشعار، جب انتخاب میں دئے تھے، تو شعر کو منتخب دے گا رہنا ہے تھا، اشعار کے انتخاب میں غلطی لگارنے
 غرض ذوق کا ثبوت نہیں دیا، لاپ نصاحت جنگ بہادر جیل کے اشعار پڑھ کر یہ بات خاص طور سے کشش۔

۱۔ سلفائین محمدؐ کا دشمنانہ ہفتہ کی ایک حدیث ہے۔

۲۔ کتب خانہ ہرن، کچن کا روڈ، ملتان۔

سرد الجہانی بیان المیلاد

اس کتاب کی دعا تو یہ کہ تورا اور اسلام میں ایک ہی اللہ ہے اور شرف اللہ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہی ہے اور شرف اللہ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہی ہے۔

۱۔ حافظ ابوسعید محمد بن علی بن ابی حمزہ نے تصنیف ہے آٹھ جلدوں میں ہے حافظ ابن حجر اعلمیہ میں اکثر حوالہ دیتے ہیں لیکن جو دعائیں حافظ ابوسعید نے نقل کی ہیں، ان میں نہایت سہل اور لغو دعائیں ہیں جس سے قیاس ہوگا ہے کہ مصنف نے مطلب دیا جس کی کوئی تفسیر نہیں رکھی ہے۔

۲۔ ابوسعید بن علی بن ابی حمزہ نے فرمایا ہے۔

۳۔ مشہور کتاب ہے اور بنی حزم کا بھی ماخذ ہے، اس کے مصنف قسطلانی جو بخاری کے مشہور محدث ہیں، حافظ ابن حجر کے ہم عصر تھے، یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے لیکن ہزاروں غلط اور ضعیف دعائیں ہیں جو اس میں ہیں۔

۴۔ مصنف کو جب سرے سے کسی کا پتہ نہ ہو کہ حدیث کسیر میں کون کون کیا دیکھ رہے ہیں، لیکن کتاب میں مذکور دعائوں کی کیا رائے ہے؟ اس کی نقل کی ہوئی روایتیں کتنی کمزور ہوں گی، اس لیے کہ کتاب کا یہی سنگ ہے کہ پچانٹ پچانٹ کر کر کے ضعیف بلکہ موضوع دعائیں وضع کر گئی ہیں!

صفحہ ۸۷ پر شرح بیچہ الحافل کے حوالہ سے لکھا ہے: اندلس اندلس خاندان اللہ علیہ وسلم سے ہے، یا آپ کے علاوہ کسی نبی یا ولی سے یہ سب جائز ہے۔۔۔۔۔! حالانکہ اس دعائیت سے استناد کیا ہے، قطع نظر اس کے کہ دعائیت کس دیکھ کے ہے اس میں توسل کا ذکر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استناد کا ذکر نہیں ہے! یہ عقیدہ کہ انبیاء اللہ علیہم السلام کی فرماؤں کو ہم سب سے جودت سن کر، فرماؤں کے واسطے کی حاجت پیدا کر دیتے ہیں، قطعاً غلط اندیشہ ہے، خدا کا کلام نے کسی شکل کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استناد نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کو یاد آ کر وہی صحیح و بصیر اور علما و شکلات ہے!

کتاب دہشت، آثار و احادیث، اقبال، تالین اسلام فقہ و حدیث کی کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہے کہ میرت کی ہر مجلس میں خیر کی ملائت کا ذکر لازماً کر دیا گیا جائے اور خیر کے لئے کھڑے ہو کر صلوة و سلام پڑھا جائے۔۔۔۔۔ یہ دعوت "شہادۃ اللہ" کی نکل ہوئی ہے جس پر اہل بدعت اس سختی کے ساتھ چمکتے ہوئے ہیں کہ جو اس کا قائل و حامل نہیں ہے اس کو طرح طرح سے ملعون کہتے ہیں! منشی اگر بربر بھی کہیں تو اس کے طرز پر جو نظم ہے وہ دین و شریعت میں کیا دیکھ رہے ہیں! اس سلام کے سلسلہ میں یہ دعوت ہے۔

۱۔ حدیث ترمذی

۲۔ حدیث ترمذی

۳۔ حدیث ترمذی

۴۔ حدیث ترمذی

۵۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی ہے اور ان میں فرق یہ ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی

۶۔ ہے اور ان کی قرآن کی تفسیر نہیں ہوگی، جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور ان کی قرآن کی تفسیر نہیں ہوگی۔

۷۔ خلاصہ الفتاویٰ انظارین احمد بن حنبل

یہ فتویٰ بیرونی طور پر غلط ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی کئی چاہتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعوت ہے اور بیان کر رہی ہیں! مگر اس

فترت کے سوسے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیا وہ عظمت و عزت والے ظہیر تھے ہیں۔ یہ عقیدہ ضلالت کے سوا اور کیا ہے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ہر شخصیت پست اندیشی ہے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چاہے وہ نبی ہی کیوں نہ ہو کوئی مقابلہ اللہ تعالیٰ سے نہیں۔ اس وضاحت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ جو نبیوں کی اللہ تعالیٰ سے ملتی ہے اللہ تعالیٰ کا ہر سر ٹھہراتی ہے اور وہیوں کو نبیوں پر بغیضت دیتی ہے اسے گرفتاری مراتب نہ کہی نہ دیتی

شیعہ محمدؐ کفر ۱۔ یہ حضرت حسین بن جعفری اہل بیت (علیہ السلام) کا نام ہے، ۸۰ صفحات، قیمت ایک روپیہ۔
 غلط کا پتہ ۱۔ شیعہ آئمہ مہدیین، گاندھی کھانا، حیدرآباد

اس کتاب پر مولانا مصطفیٰ حسین صاحب جوہر نے تقریظ لکھی ہے اللہ مصنف کے لئے دعا کی ہے کہ خداوند عالم صرف گوشتی جہاد کرنے کی توہین کرامت فرمائے۔
 "پیش لفظ" میں داخل مصنف رقمطراز ہیں:۔

"تقدّمنا عشرہ، آیات بیّنات اور نصیحتہ الشیعہ جیسی پرتی کتابیں نہایت آب و تاب سے شائع کی جا کر، سواد اعظم کے دلوں میں اہل تشیع کی طرف سے جذبات منفرت ابھارے جا رہے ہیں۔ (ص ۵)
 ان کتابوں پر شیعہ کے عقائد پر بے شک نقد و تبصرہ ہے، مگر شیعہ حضرات کی کسی مقدس و محبوب شخصیت کی شان میں ایک لفظ بھی بے ادبیا اصرافات کا نہیں پایا جاتا۔

لیکن

شیعہ حضرات کی کتاب میں جس میں صحابہ کرام کو گالیوں دی گئی ہیں، وہ۔۔۔ بار بار چھپ رہی ہیں۔ داخل مصنف کے نظر نگاہ سے تو اس میں قابل اعتبار وہ کتابیں ہیں، جن کا موضوع و مقصد نفوس قدسیہ کی اذیت و تفتیح ہے، مولوی مقبول احمد کا ترجمہ قرآن خود داخل مصنف کے پاس بھی ہوگا۔ اُس کے پاس سے کیا رائے ہے؟

تبدول اسلام کی دھڑ میں ہانسی لے جانے میں یہی حضرت علی علیہ السلام نے کی ہے، اس لئے اس کو سوا بن بنی
 اولین کے سرخیل قرار پائے ہیں اور اس اور بیت سبقت کا لادنی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ بعد اعلیٰ حضرت ختمی مرتبت علیہ السلام
 و اسلام اختلاف مسائل کی صورت میں آپ ہی ہدی امت مسلمہ کے لئے قابل اتباع ہیں؛ یعنی ہدی امت کو ان
 کے طریقہ پر چلنا چاہئے اور اس کے سنی میں ہدی امت۔ شیعہ علیؑ قرآن پاتی ہے (ص ۳۸)

سچے پہلے اسلام کس معانی نے قبول کیا، اس میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کا اسباب فکر و نظر نے اس طرح نکد کیا ہے کہ بالغ مردوں میں حضرت
 ابو بکر صدیقؓ، کسٹوں میں حضرت علیؓ، عمرؓ اور میں حضرت خدیجہ ابہ غلاموں میں حضرت زیدؓ کے پہلے ایمان لائے؛ پھر جوہان تک بڑے فکر و عقل
 کا تقاضا ہے کہ سب کے مقابلہ میں بالغ ہوگا کسی عقیدہ کو قبول کرنا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

بیشک حضرت علیؓ کو اللہ صہ صحابہ میں۔ انھیں یعنی سب بڑے ناخوش تھے، مگر اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد
 سارے صحابہ بشری میں ان میں تھا حضرت علیؓ کی پیروی نہیں کرتے تھے، اور نہ حضرت علیؓ اس کے طریقہ تھے کہ صرف میرا اتباع تمام مسلمانوں کو کرنا چاہئے
 شرعی مسائل میں جن اہل صحابہ کے فتاویٰ پر جو تعلق فی الدین میں نہرت رکھتے ہیں، امت عمل کرتی ہے اور ان میں ایک حضرت سیدنا علیؓ کو اللہ صہ
 بھی ہیں۔

حضرت علیؓ اصحاب صحابہ کے وہ ہیں جن کا مزاج بپا ہوتا، تو جو لوگ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے وہ "شیعہ علیؓ" اور جو امیر معاویہ کے

معاذ اللہ وہ لوگ اسی مشیعائی معاویہ کہلاتے تھے، تقسیم کسی دینی عنوانہ کی بنا پر ہم گمراہ نہیں تھے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدی کا نام ”مسلم“ رکھا ہے، اگر کوئی اور نسبت امت کے لئے قابل قبول ہوتی تو محمدی نسبت ہونی چاہئے تھی، مگر اس نسبت کے لئے بھی کوئی قوی رسوا نہیں ملتا، اس لئے امت محمدیہ کا نام جماعت اور فرد کی حیثیت سے ”مسلم“ ہی کتاب و سنت کے عین مطابق ہے، ”مشیعہ“ چونکہ مسلمانوں کے ایک مخصوص فرقہ کا نام ہے اس لئے امت کے تمام فرقے اپنا نام ”مشیعہ“ یا ”شیعیان“ علیٰ کس طرح رکھ سکتے ہیں، کہ اس طرح ایک نئی الجھن پیدا ہو جائے۔ سچ بحث علیٰ صاحبہ اپنے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی جو بحث فرمائی ہے تو اس کے بارے میں یہ عرض ہے کہ یہ بات کسی مستند کتاب میں نہیں ملتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں ہمیشہ ارسال یدین فرماتے تھے۔

۱۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا نماز میں ارسال یدین تو امام مالک نے خود فرمایا۔ وضع الیدین ادا کرنا... فی الصلوٰۃ کا باب باندھا ہے اور ارسال کا ذکر نہیں کیا، امام ابن عبد البر، جو فقہ مالکی کے متون ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادا صبا کلام سے کوئی حدیث ”وضع یدین“ زمانہ میں ماتہ باندھنے کے خلاف نہیں آتی، اور صاحبہ صبیحہ اور تابعین کا یہی قول ہے! اب دہی اس اتحاد اور یک رنگی کی دعوت کہ تمام مسلمان نماز ماتہ کھول کر نماز پڑھیں ادا پانا نام ”مشیعہ“ رکھ لیں۔ درام نزاع و بحث کی دعوت ہے، جسے کسی طرح معقول و متعین قرار نہیں دیا جاسکتا!

۲۔ ”میرزا باجانی“ نے اپنی کتاب ”۱۔ اکرشتا ماریکٹ امرت سر“ ۲۔ پریم ناتھ دت، ۳۔ خنات ۴۔ صفات و مجد گرد و پیش کے ساتھ قیمت چار روپے۔

جناب پریم ناتھ دت اردو زبان رادب کے شیلڈی، آسودہ کھچھے ادیب، اورسانی بھائی چارے کے والہ ہیں۔ ان کی نصف درجہ کتاب میں اب تک منظر عام پر آچکی ہیں اور کئی کتابیں زیر طبع ہیں یہ ان کی بچہ بھابی کی دس ہے کہ انہی اس کتاب کو ڈاکٹر بجمودھا جیکے نام معزز کیا ہے!

بھارت کے صدر جناب رادھا کرشنی اور نائب صدر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب انیا زنجیوری، ڈاکٹر تاجند، مولانا محمد حسین عروسی، خاکسارہ فادت سرمنڈی اور پروفیسر رشید احمد صدیقی کی تحریریں، اس کتاب کی زینت ہیں، ان تمام نامور شخصیتوں نے ”میرزا باجانی“ کو سراہا ہے، رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:۔

”اس کتاب میں مصنف نے تخمین کا بھی کمال دکھایا ہے، کتاب میں کہیں صاف اور تکلف نہ ملے گا۔۔۔ گاؤں

کی زندگی کا نقشہ اس کتاب میں جس سادگی، سچائی اور فراغت سے کھینچا گیا ہے اس سے سادہ اور غلو م کسی پیرس

طبعی کی منزلت ہمارے دلوں میں داغ و دوشن ہو جاتی ہے، جن کو ہم نے قابل اعتنا نہیں سمجھا۔

”میرزا باجانی“ بڑی دلچسپ کتاب ہے یہ آپ ”بی بی جے“ کے ادیب جی بی جی، کر وارا لکھاری میں نقیاتی تراکوں کو صبر سلیقہ کے ساتھ سمجھائی ہے اور ماحول کی جس انداز میں حکایت اور سچائی کی گئی ہے اس نے اس کتاب کو ناقص قابل ذکر بنا دیا ہے!

لائق مصنف کو انہماک مطلب پر پوری قدرت بلکہ بد طریق حاصل ہے کہ کسی قسم کا کوئی الجھن ادا باہام نہیں، سامنے کی باتیں مگر گراں قدر انداز میں کہی ہیں، زبان کتنی سنبھلی ہوئی ہے کالمے خاص طور سے دلف آگیز ہیں۔

”جھانکنا سولی نہ لیتے، اگر لپٹے پڑ جاتا“ (ص ۱۸) ”اگر نہ لپٹ جاتا“ کی جگہ ”ان لپٹا“ لکھنا چاہئے تھا۔۔۔ عیسائی مٹا ہی پڑا

تو ہم جھوت سے بچنے کے لئے رہیں ہو گئے“ (ص ۲۳) ”زین پڑے“ کا لکھنا تھا، ”ہو گئے“ کا استعمال لول ہوتا ہے۔۔۔ وہ راستہ

میر سے ساتھ ہو گئے۔۔۔ ادا ادا ہے، ہمارا وظیفہ لگ گیا تھا“ (ص ۵۵) ”وظیفہ مقرر ہو گیا تھا“ کہا تھا۔۔۔ اس کا

پرسوں پر گئی تھی (ص ۷۶)۔ اس کی آنکھوں میں سرجن آگئی تھی۔ ”مجھ زبان ہے۔“ ”تاق کی کو قوت ہے“ (ص ۷۶) کہتے
 اندک ہے۔ ”وہ حیلان دھنگی اسدا سچا ہے کہ“ (ص ۸۰) سچا ہے کہ کہ یا تعجب کے لیے میں کیا۔ ”اس انداز پر اس مفہوم کا
 کیا تھا؟“ ”تین بیٹے کی ضروریات زندگی جبریل (ص ۹۱)۔ ”ضروریات زندگی کا بحرین“ ”مذہب نہیں ہے۔“ ”وہ تمہارے
 باپ کے جوئے کی بھی بیس نہیں کر سکتے، (ص ۱۰۶) شاید یہ کہنا مقصود ہے کہ ”وہ تمہارے باپ کے جوئے کی بھی برابری نہیں کر سکتے۔“
 ”جس نے تیغ مارا کہ جاگیر حاصل کی تھی“ (ص ۱۱۳) ”تیغ مارنا“ ”محل نظر ہے“ ”جس نے خوار کے نندے سے یا تلوار چلا کر جاگیر حاصل کی تھی“ ”کھانا
 تھا۔“ ”لڑکی دیکھ لو تو بتاؤں ش یہ نقص ہو“ (ص ۱۳۳) ”ظہار مفہوم کا الیہ پیرایہ جو وہاں کو کھٹکتا ہے۔“ ”نبین کی فریاد
 اور دل کی دھڑکنوں کا بعد معائنہ کیا، انٹرویو کو دیکھا اچھا۔۔۔۔۔ (ص ۱۵۲) ”انٹرویو کو آؤ خوش آمد کی مدد سے دیکھا گئی۔
 ڈان! ایکس سے۔“ ”انٹرویو کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے۔“

زبان و بیان کی غلطی کی سب سے نہیں ہوتی، خود تنقید نگار کا قلم غلطیوں سے کب محفوظ ہے؟ ”میرا اجماعی“ ”کوئی شک نہیں! لکھ
 ادبی پیشکش ہے، کتاب ناقدین لینے کے بعد پھر کہنے کو بھی نہیں چاہتا! جناب پریم ناتھ تو اس تصنیف پر یہاں کیا دیکھ سکتی ہیں!
مصر کے فرزند ان لوہے کے تار
 مرتبہ ۱۔ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ، صفحات ۹۰، قیمت ۵۰ پیسے
 فریڈ ڈیپلیکیشن سٹیشن، لندن۔

اس کتاب میں مختلف مسائل، اخباروں اور کتابوں سے وہ مضامین جمع کئے گئے ہیں جو ”افغان المسلمین“ پر لکھے گئے ہیں ان میں
 افغان کی غلط فہمی آن کی عزیمت اسلامی برائت و حریت کا فلسفہ ہے اور جمہوریہ عرب کے صدر جمال ناظر کے ظلم و ستم کی داستانیں ہیں ایسی
 داستانیں جو حقائق سے لبریز ہیں!

اہل قلم اپنے قلم ہی کے ذریعہ فریاد و احتجاج کو کہتے ہیں، یہ کتاب اس اعتبار سے ہندو دنیا کے لئے ایک نیا اور احتجاج و فریاد
 کی ادبی پیشکش ہے۔ اسے قلم کی شہادت دے دیا میں ایک لمحہ بیدار کر دی ہے!

حضرت شیخ الاسلام مولانا حمزہ حسن قدس سرہ، صفحات ۸۲، صفحہ ۱
الابواب والترجم
 ۱۰۰ روپے۔ مفتی کبیر علی ڈی ۵۲، وحید آباد، کراچی ۷۵

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ترتیب دئے ہوئے مجموعہ احادیث (صحیح بخاری) کے بارے میں یہ کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ امام بخاری نے
 احادیث کے جو عنوانات، اصحاب و قائل جمع کئے ہیں، انسان کے تحت جو حدیثیں درج کی ہیں ان میں متعدد احادیث عنوانات و اصحاب کے مضمون سے پوری
 طرح مطابقت نہیں کرتی؟ حضرت شیخ الاسلام کو اباب علیہ السلام کے ذہن و فکر کی اس کھٹک کا اندازہ تھا امداد اس کھٹک کو دھندلانا چاہتے تھے، اسی نائن میں
 انہیں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا ایک رسالہ مل گیا، وہ خود لکھتے ہیں:-

۔۔۔ لیکن اپنی حالت حسب کما معلوم ہے: وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس پر اجماع بالشان حضرت لکھی اونی دھرم
 بھی کا یہاں پر کہ، محض شوق قلبی سے کیا کام چلتا ہے، اس لئے اس دقت تک چیز تعمیر و ترمیم نہ ہو سکتی
 اتفاق سے جو محمد اللہ علیہ السلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مستقل رسالہ اس کے متعلق بن گیا
 سے نکلے ہوا اس کو دیکھ کر امید مرہ میں جان محسوس ہونے لگی اور سوائے خام پن کی شروع ہوا اس کے مطالعہ سے یہ
 بات خوب دلنشین ہو گئی کہ مولف رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے خیالات اس دقت تک نمایاں نہ تھے ہیں، رسائی نہایت
 عجیب ہے، مگر بوجہ اجماعی واضح مسائل سے لپکا فائدہ اٹھانا دشوار ضرور ہے۔۔۔۔۔

حضرت فیض الہند نے الجلاب و ترجمہ کی کتاب میں دے کر ثبت کیا ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فلاں حدیث فلاں باب کے معنوں کے تحت کہوں صحیح فرمائی ہے اور متن سعادت اور معنوں معنوں کے بائیں کیا مبطوط ہے ؟ ... مستحق :-

”مولفہ (امام بخاری) نے شریعت کتاب میں باب کیف کان بدو الوسی فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اور اس کے بعد ”حدیثیں اس باب میں ذکر فرمائیں بعض میں تو وہی کا ذکر بھی نہیں اور بدو وہی سے تو اکثر خالی ہیں، صرف ایک حدیث حوالہ میں ابتدا وہی کا ذکر ہے، اس لئے بعض حضرات نے تو صاف فرمایا ایک ان کشیدہ من احادیث الباب لا یعلق الا بالوسی لا یبداء الا بالوسی تکلیف جس التوجہ باب بدو الوسی اور اکثر حضرات نے ادوات مختلفہ فرما کر سبقت میں مقرر کی کی، جو شریعت میں بالتفصیل موجود ہیں، مگر انصاف یہ ہے کہ کوئی محقق امر قابل تسکین مولفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی شان کے موافق نظر نہیں آتا جس کی وجہ سے تمام احادیث کا بے ترتیب ترجمہ کے مطابق ہونا دشمن ہر جا دوسے جب شریعت سے ایسا ہے تو آئندہ کیا ہوگا؟ سے قیاس کن رنگستان میں بہا ہر مرا۔“

لگتا حدیث نہ کہہ فی الجلاب ہی ہر کلمہ سے اور حضرت شاہ صاحب دینار کے بعض ارشادات سے معلوم ہوا کہ مولفہ کی خواہش اصلی بدو ہی کا بیان کرنا نہیں بلکہ وہی کی عظمت اور اس کا خطا و غلطہ ہر سے سنرہ ہونا اور واجب الاتباع اور فردی تسلیم ہونا، جملہ متعلقہ ہے، اجابتاً کتاب میں مفید ایسا سب ہے اور وہی متعلقہ اور غیر متعلقہ دونوں کا شامل ہے اور بدو ہی عام ہے، نہ اندہ ہر یا مکان اخلاق ہوں، یا احکامات غرض وہی کی جگہ مبادی مراد میں باب اس کے بعد جگہ احادیث اور ترجمہ میں مطابقت بلا تکلف نظر آتی ہے۔۔۔۔۔“

ای ایضا حضرت شیخ المصنف نے صحیح بخاری کے الجلاب و ترجمہ احادیث کے درمیان معنوی ربط و مناسبت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اپنے موصوفہ پر یہ کتاب بہت خوب ہے، کاش اس کی زبان سلیس و سادہ ہوتی۔

کتاب کے آخر میں مولفہ حسین احمد علی مرحوم نے یہ نوٹ دیا ہے :-

”انہوں نے یہ کتاب گمانہ ای جگہ ختم کرنی چڑی، کیونکہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے مسودات میں ای

مقام تک تحریر ہے :-

ازہ - قانون ہر یا نو، فضامت، ہم صفحات، الحمد للہ قیمت اعلیٰ اچھ لکھنا چھ ہو چکے، انہیں لکھنا چھ ہو چکے

موضوع حسب

لکھنا کا ہے :- ایمان ادب چکے، مسودہ نادر، لاہور۔

اس کی تہذیب - تعارف - جناب عبدالحمید خان صاحب دکنس چاند نیوٹاب پرنٹنگ پریس فرمایا ہے، اصحاب طاہر شافی اصحاب مجتہد، جو اس مجموعہ کلام کے مرتبین ہیں، ”حدیث و سنت کے معنوں سے“ پیش نظر ”لکھا ہے، فرماتے ہیں :-

”شعر لطیف حضرت فخر ہر یا نو کا مجموعہ منظومات قدس سانی شعر ادب کی خدمت میں پیش ہے، اس مجموعہ کا شروع کے صفحات ۱۹۶۶ء سے ۱۹۳۵ء تک اس کے نامور جلد اولیٰ دنیا، ہماری اور شاہکار اور نیک خیال میں پڑی اب وہ کتاب کے ساتھ شافی ہر تہذیب کے اس کے بعد، جاننے کی حالت پیش آئے کہ آئندہ ایک خاص شی اختیار کرنی اور لکھنا شروع کیجئے، اس وقت شافی کے روح ہمد جہاں فرما رہے ہیں، معلوم ہو گیا :-

ان دونوں سطوح و طاہر دنیا مجموعہ کلام قانون کے بڑے حدیث اس اور دلائل میں بڑی محنت کے ساتھ فخر ہر یا نو کی نظروں کو بھیجی

اسا نہیں کہنا صحت میں پیش فرمایا۔ یہ حضرت نوحہ اور محنت و جستجو نہ کہ تے تو فاعلی عزالت نشینی، گوش گیری اور طویل خاموشی کی بدولت ان کا کلام گنگائی کی نذر ہو کر رہ جاتا۔

جناب فاقہ پر یاری کی نظروں میں تیرے کے ساتھ نظرت کی عکاسی اور عکاسات نگاری کی خوبیاں نظر آتی ہیں! ان کی شاعری بڑی جاندار اور جدید اصطلاح میں پہلو وار ہے، پہلی نظم کا عنوان "خدا ہے" فرماتے ہیں۔

اُسی کے حکم سے سبھی ہے ہاندی آتشاں میں عین نظرت لئے بھیجی ہے برہنہ کو ہوا سداں میں
اُسی کے حکم سے دن رات گردش ہے گلوں میں چراغاں کہ ہے میں کرکب شب تاب پوروں میں
عین کعبہ اُسی کا دلربا پیغام دیتی ہیں نائے میں سنہری خدمتیں انجاسم دیتی ہیں
اُسیوں کی دعائیں اس سے عرض حال گئی ہیں گناہوں کا زبانِ اشک سے اقبال کرتی ہیں
اتنے اچھے شعروں کے ساتھ بھر کی کے ایک دوسرے بھی نظم میں شامل ہو گئے ہیں، مثلاً۔

جب اُس کے رحم کی کرنیں دلوں کو جگمگاتی ہیں
سرت سے غریبوں کی نگاہیں مسکراتی ہیں

۔۔۔ رحم کی کرنیں، ہی اول تو "غریب ترکیب" ہے، پھر نگاہوں کی مسکراہٹ میں بھی نکتہ پایا جاتا ہے۔

۔۔۔ میرے لئے "خاصی مترنم نظم" ہے، اگر اُس کا یہ شعر۔

گھورتے ہیں آسمان کو دیو سپیکر کو ہوا دے رہی ہیں پہرہ اُن کی چوٹیاں میرے لئے

دوسرے شعروں کے مقابل میں خاصہ بہت ہے، جگمگ یا کو ہوا کو "دیو سپیکر" کہنا اول تو ناقص و کمزور تشبیہ ہے، پھر یہ منظر کہ کو ہوا آسمان کو گھور کر دیکھ رہی ہے، عجیب ہے، "اُد اُن کی چوٹیوں" کا پہرہ دینا اس پرستنداز، علامہ انبائی نے جمالیہ کو بوجہ مستنزی یا پاسبان کہا ہے اُس کا معنی اور ہے فاعلیہ، وہ نے کو ہوا سداں کی بجائے حرف اُن کی چوٹیوں کا "پہرہ دار" ہونا ظاہر فرماتا ہے، ایہ چیز بھی معن نظر ہے کہ چوٹیاں "پہا سداں" کی ہوتی ہیں یا "کو ہوا سداں" کی!

۔۔۔ کوئی "خاصی" اچھی نظم ہے، یہ نہ کہتے سداں، سلیس و سادہ اور مترنم ہیں۔

میں! یہ دیکھا کیا ہوا کیوں گاتے گاتے رُک گئی
وہ آڑھ چلی پر توں کر وہ شاخِ دب کر ٹھک گئی

اور

سوئے نغمائے نیلگوں اب مائل پر فاز ہے
دشمن ہوا پر یا کوئی اُڑتی ہوئی آواز ہے

راں نہ ہیں

تقسیم غم کے واسطے بروقت آمادہ ہے تو
لو دل گرفتہ نازیں کہ کس کی دلدادہ ہے تو

نیلگیل ہوئی، "تقسیم غم" سے آخر کیا مراد ہے! شاعر غالباً یہ کہنا چاہتا ہے کہ کوئی اپنے گیندوں سے گویا سننے والوں کو مدد و غم تقسیم کرتی ہے۔
۔۔۔ شام، جس نظم کا عنوان ہے اُس کا پہلا شعر گستاخا ہے۔

پچ تو یہ ہے گھر نہ تھا، پہلے یہ گھر تیرے بغیر
تیرے چہرے پہ درخشاں ہے تجسی طور کی
روشنی ہے دور کی
ایک پاکیزہ کرن ہے تو خدا کے نور کی

۔ معصوموں کی دنیا "کچھ شعر خوب ہیں، ———

معشوق کی معصوم تصویریں ہیں یہ کسں ابھی
بچپن کی نیت میں کھٹے ہیں ان کے دن ابھی
کس قد بلبلش ہوا آزاد میں، دلشاد میں
کچھ فرشتے ہیں کہ بارخِ خلد میں آباد ہیں
میرے بس ہیں ہو تو میں ان کو جواں ہونے نہ دوں
پائمالِ انقلابِ آسمانی ہونے نہ دوں

بعض نظموں کے منتخب اشعار، ———

دانش (نوازشوں کی ایک کل ہے آج کل کے ہاتھ ہیں
ایک مٹی کا کھلنا ہے اجل کے ہاتھ میں
شباب (میری خدمت کے لئے حاضر ہوا عہد شباب
علم نے بھی پیش کی اپنی گراں مایہ کتاب
عشق آیا تخمِ حسرتِ دل میں بکرِ جوں دیا
ناخدا اچھا ملا کشتی ڈبو کر حیل دیا
حسن نے سادہ تمناؤں کو زحیٰ کر دیا
پھول مانگے تھے مگر کانٹوں سے دامن بھر دیا

بڑھا ہے کی یہ تعریف، ———

یہ آتا ہے تو چہر قامت میں بخائی نہیں رہتی
یہ آتا ہے تو چہر چہرے میں زیبائی نہیں رہتی (ص ۱۰۹)
اُمی سخن خور ہے کلمہ نیکہ، قامت کی صفتِ رشادت ہے، اند بڑھا ہے کاجب ذکر ہو۔ تو چہر لازمی طور پر یہی کہنا چاہئے کہ بڑھا ہوا آتا ہے
تو قد قامت میں جھکا تو پیدا ہو جاتا ہے۔

”میں جس نظم کا حمد ان ہے وہ ہندی کی ہندی شاہکار نظم ہے!

۔ دیباہ محبت کے اس شعر میں، ———

آنکھ دیکھے دوست ہو جائے
شیخ بھی بت پرست ہو جائے

۔ آنکھ کی بجائے "موت" کہنا چاہئے تھا؟ اس نظم کا یہ شعر، ———

خاک چنگیز ہے خمیرِ ان کا
شبِ تاریک ہے خمیرِ ان کا

رینا کے تمام ظالموں اور جھوٹے خداؤں کی نفرت اور سیرت کو آئینہ دکھاتا ہے۔

غدا یہاں سے مدت ہوا جا رہا ہوں میں
نالوں سے تیرے عشق کو بھلا رہا ہوں میں (ص ۱۳۳)
”آخری ملاقات“ کا اس ادب کے شوق آغا نہ ہوتا ہے، یہ شعر کس قدر سطحی بلکہ بچکانہ ہے۔

دُعا (پیرے نام محبت کا پیام آ جائے
کی ہے نیکی کوئی دنیا میں تو کام آ جائے
دُعا (تامل میں بھر رہا ہے کچھ اُسے عقید چاند
جیسے برائتوں میں ہو دوہرا برات کا

ہے آج عیش کا دار و مدار دولت پر
نہیں خوشی کا مگر انحصار دولت پر
ترب خاتمہ افسون شہسدر یلک ہے
ہر ایک گوشہ میلک انعتلاب جاری ہے

بھریں گے تیرے موافق بھی صبح و شام ترے
کبھی لڑائے گی گردش بہاں میں کام ترے

نظم دیہاتی کا ایک شعر ہے۔

پھر بھی یہ حالت ہے شکل و کلمات الکار سے
ساہوکار بھیک کافنی اور دیہاتیوں کو کہاں دینا ہے! ہاں! سود پر قرض دیتا ہے نظم میں "قرض" یا "قرض کی بھیک" لانا تھا۔
باپ کی وفات پر جو نظم کہی ہے اس میں باپ کے غم کا تاثر تو صرف آخری شعر سے ظاہر ہوتا ہے، باقی پوری نظم میں نظم نگار ہمدرد
مرگ و اس بیان کی گئی ہے!

"سلطان شہید شیخ کے مزار" کا یہ ایک شعری اپنی جگہ مکمل نظم ہے۔
یہ مٹی قیمتی ہے بادشاہوں کے عزیز سے

ابھی تک مالدار اسلام ہے ایسے وفینوں سے

چند اور منتخب اشعار۔

میں شاعر مولوی تقدیر میں رونما ہی لکھا ہے
جمہوریت کا چرچا اب عام ہو رہا ہے
مٹ رہی ہے شان و عظمت مصر کے اہرام کی
"مزدور کی صدا" کا ابتدائی بند ہے۔
ملی ہے باغ میں شبنم کہ خدمت اشکباری کی
شاید جہاں کا مذہب اسلام ہو رہا ہے
آتش کا پتہ دیتی ہے سرنخی شام کی

مزدور کی ناز ہو رہی ہو
تو ایک طعن سہی ہوئی پیدا
جب مغرب کے ایوانوں میں
سب اصلاحی دیوانوں میں

اصلاحی دیوانوں کے کہتے ہیں! پھر مزدوروں کی ناز ہو رہی ہو، مشرق کے ایوان اس سنگین محروم ہے
کوئی ثروت؟ کوئی قرینہ؟ کسی خاص ماعت کی طرف اشارہ؟؟
دختر جوں کو عفتارت سے نہ دیکھو

غریبوں کو عفتارت سے نہ دیکھو
انہی کے خون کی سرنخی جہاں
کہ ان کو بھی بنایا ہے خدانے
بھرا ہے رنگ پھولوں میں جہانے

(بچینے کا مقصد) اس بچینے کا مقصد کیا ہے

الفت

آلفت ایک دیا ہے
جس کے چاموں سمت ہوا ہے

اس جینے کا مقصد کیا ہے

عشرت

یہ رس امرت کا ہے

لیکن اس میں نہرٹا ہے

اس جینے کا مقصد کیا ہے

شہرت

شہرت ایک صفا ہے

باقی کس کا نام رہا ہے

اس جینے کا مقصد کیا ہے

دولت

دولت رنج فضا ہے

یہ جنگل کی تیز ہوا ہے

اس جینے کا مقصد کیا ہے

جینا

جینا ایک سسٹا ہے

جس کو ان کاں کاں رہا ہے

”ہر جہان کے مطالعہ سے کوئی شک نہیں بعض مقامات پر دل کی کلیاں کھلتی ہیں اور وہاں اسودگی محسوس کرتا ہے، اُسی جہے کہ شعر و سخن کی محفلوں اور عظیم ادب کے مکتوبوں میں اس کی خاطر خواہ پیدائی ہوتی۔“

اندر سید شہزاد حسن برکاتی، ضخامت ۱۰ صفحات

بسمل سعیدی اپنے وطن میں

لکھنے کا پتہ: ۱۔ مصنف سے، دارالعلوم خلیفہ نظامیہ، ٹونک (راجستھان)

ٹونک کی سرزمین شعر پرورد بھی ہے اور شاعرانہ بھی ہے، دوسری قبل ماقم الحروف کا ایک شاعر کے سلسلے میں ٹونک جانا ہوتا تو وہاں خلوص محبت اور خیر مقدم و پنداری کے جن نغموں کو دیکھا، اُن کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

حضرت بسمل سعیدی کو اسی سال کے پندرہویں دن اپنے وطن تشریف لے گئے، وہاں اُن کی جس جوش خلوص اور محبت و عقیدت کیا تھا وہ جگت ہوئی اُس کی تفصیل بسمل صاحب کے تلمیذ شہزاد حسن برکاتی نے دلچسپ انداز میں مرتب فرمائی ہے:

بسمل سعیدی اُس زمانہ کے نامور شاعروں میں، اُن کی ذات شعر و سخن کا مستحق و بستان ہے، اُن کے اہل وطن نے اپنے یہاں کے قابل فخر شاعر کی پیدائی کے، وطن کو کتنی ہی نہیں علم و کثرت اور صحیح تہذیب و تمدن کا بھی ثبوت دیا۔

از: ۱۔ نصرت قریشی، ضخامت ۹۲ صفحات، قیمت تین روپے۔

ظروب غزل

لکھنے کا پتہ: ۱۔ فالیم بلیکینٹر ۱۶۶۔ انارکلی، لاہور

جناب نصرت قریشی کے مجموعے — سوز و سرور — اس فکرتِ خاطر ستائے ہوئے ہیں ان مجموعوں کو سن کر کیا اب اُن کی

تیسری کتاب منظرِ عام پر آئی ہے، توقع ہے کہ یہ اند نہ بادہ پسند کی جائے گی، کیونکہ نقاشِ نقشِ ثانی بہتر کشد ز اول

اودہ تو نقشِ ثالث ہے !

نصرت قریشی کی نظر میں ہم پریم اہرت ہلکے لیتے ہیں اُن کے آہنگ میں خاصی دلکشی ہے، اُن کا دجلان تغزل کا مزاج شناس ہے ! منتخب اشعار : —

سبیری ہی قسمت میں جب سہی تو یارب
وہ جہاننا ہمسایا چمن سے نفس میں
اس اندھیرے میں جلاتے کیوں نہیں دل کے چراغ
خدا شناس بھی ہو جائے گی نظم اک دن
جلو جلو تلاش کریں ہم بھی دل کے ملکوں کو
علم کی پیاس بجھ نہیں سکتی
عمرِ ثانی کیا حیات دائمی اُس پر نشانہ
رات بھی زلفِ مخیر کی بلاتیں لے گی
کچھ سہی جستجو بھی تو کر منکرِ خدا
کیوں جہزِ مجھ کو بیاباں میں لے جاتا ہے
نقشِ اول ہی ہی، صمدیتِ انسان لیکن
یوں نہ تھی ہم صفیوں نے نفسِ دلوں کی یاد
جب ہوا ہے کوئی ستم ایسا
دنیا کی نگاہوں سے چھپ کر پھیلے پھر کارولینا
کوئی کسی کی نگہ میں ہساں نہیں جلتا
کچھ لب میں منس لیں گے تو کچھ منہ نہیں گے
مجھے کیا نصرت کدہ کیوں بنا ہے، زمیں پر پناے حرم کس نے ہے
میں کیوں کفرِ ایمان کے جھگڑوں میں الجھوں محبت کا نقشِ قدم کس نے ہے
اُس نے پوچھا حالِ ہم گھر آگئے
جانِ نندہ ہے لے کے یہی پاس ہے اپنے
کہتے ہیں جس کو دشمنِ ایمان و آہنی
آمانہ پر داندہ وہ شمع کی جانب
محبت نے وہ استغناء مجھے بخشا ہے نصرت

ضروری نہ تھا فوٹی پر داندہ دینا
کلی کا چٹک کر وہ آواز دینا
عشق وائے کیا زمانے کی ہوا سے ڈر گئے
ابھی تو خود نگری کا زمانہ آیا ہے
سنا ہے شیشہ گری کا زمانہ آیا ہے
عمر بھر تشنگی سی رہتی ہے
مائے وہ لمحہ کسی کی یاد میں گزرا ہوا !
عدتے اس حسنِ تبسم کے سحر بھی ہوگی
آجائے گی یقین کی منزل گماں کے بعد
جب یہی خانہِ خوابی مرے گھر بھی ہوگی
صفو دہر پہ اس کا کوئی ثانی تو نہیں
باغ میں اک آشیان اُڑا ہوا رہنے دیا
اگلی اک نگاہِ لطف کی ماد
کچھ دل کو جلا دے جاتا ہے کچھ گردِ عالم دھو جاتا ہے
بہائی آگ میں جلتا ہے صرف پروانہ
ماٹھ آئے گا کیا عسم کے خائے کو سنا کے
لب پہ کچھ بے ربط چلے آگئے
ورنہ ترسے قابل کوئی نذرانہ نہیں ہے
رکھتے ہیں رابطہ دیدہ دل بھی اُسے لوگ
محفل میں تم آکر رخِ پرمانہ بدل دو
میں پیاسا ہوں مگر پھر بھی لب دیا نہیں جاتا

ہم جب تک نہ حادثے غمزدیں
ہم لانے کی ضرورت نہ تھی یہ شعر تخصیص نہیں تھیم جانتا تھا۔
زندگی میں کمی سہی رہتی ہے (ص ۲۶)
میرے سینہ میں دل نہیں ٹوٹا
عشق کا آفتاب ٹوٹ گیا (ص ۵۱)
دل کو عشق کا آفتاب کہنا عجیب سی تشبیہ ہے!

علم حیات کی تلخی ارے معانہ
غم فراق کا اُس نے سرود توڑ دیا (ص ۵۲)
سرود ٹوٹنا۔۔۔ سرود ٹوٹنا۔۔۔ یہ کہاں کی نہانی ہے!

اک پس جو اسیری میں اے باز گزرائی ہے
کیا تو نے بھی اب نوے پرداز گنوائی ہے (ص ۶۰)
یہ کیا شاعری ہے! "نوے پرداز کا گزنا" غلط زبان اور ناموس رزمرو!

ظلمتِ عالم میں کچھ تو ہو جانے کا وجود
کچھ دل کو اس لئے ہم نے جلا رہے دیا (ص ۸۶)
مصرعہ ثانی میں تعقید کا وہ عجب جو وجدانِ ذوق کے لئے باعثِ اذیت ہوتا ہے۔

بھروسہ کیجئے کس پر عجب عالم ہے دنیا کا
گھڑی بھر میں یہاں اپنوں کو بیری ہو دیکھا ہے (ص ۹۲)
"بیری" نے شعر کا لطف غارت کر دیا۔

مرے سینے سے چن تک بول لفظ اُٹھی تو دیکھا
کہیں انتشارِ دل ہے کہیں گل بکھر ہے میں (ص ۱۵۸)
اس قسم کے پست اشعار، شاعر کا برا تعارف ہیں۔

بے دلی سے سنتے ہیں وہ اگر تو کیا غم ہے
رنگ بے جوائے گی میری ماستان اپنا (ص ۱۶۱)
بھرتی کا شعر کوئی لطف نہیں!!

شہیدِ عشق رقصاں بود بر خاک
گردِ پا مالِ گردِ اند گدایاں
سردار و رسن مقصد باشد۔
یقیناً اس سرِ غفیفہ باشد۔ (ص ۱۶۱)
نصرت صاحب کو ہم شدہ دین کے کہ وہ فارسی میں شعر نہ کہیں تو اچھا ہے!

چلنے کی اُن کے فکر ہے نصرت بحث نہیں
خوش بھی کبھی ہے میں بہل میں کبھی لوگ
پہلے مصرعہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ جلنا رشک و حد کا جلنا ہے، بلکہ معصوم سننے اور پڑھنے ہی آگ میں چلنے کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔
ناوک احباب کے بے خطا کیوں نہ ہوں
ہم ہی دانستہ جب گھاٹ پر آگئے (ص ۱۹۰)
زبان و زعفران بولی ہے۔۔۔ "دشن میری گھاٹ میں ہے یا گھاٹ میں بیٹھا ہے" گھاٹ پر آنا "سننے میں نہیں آیا" ایسی ٹکڑے نے شعر کو مبہم بلکہ ہسٹل بنا دیا۔

"ظرفِ غزل" میں شگفتہ اندساں شعروں کی کمی نہیں ہے، بعض غزلیں شاعر کی طبعِ آزاد معلوم ہوتی ہیں، توقع ہے کہ نصرت قریشی کی غزلوں کے مجموعہ کو اہل ذوق دل چسپی کے ساتھ پڑھیں گے۔

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھاپیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا کورا اور دھلا لٹھا

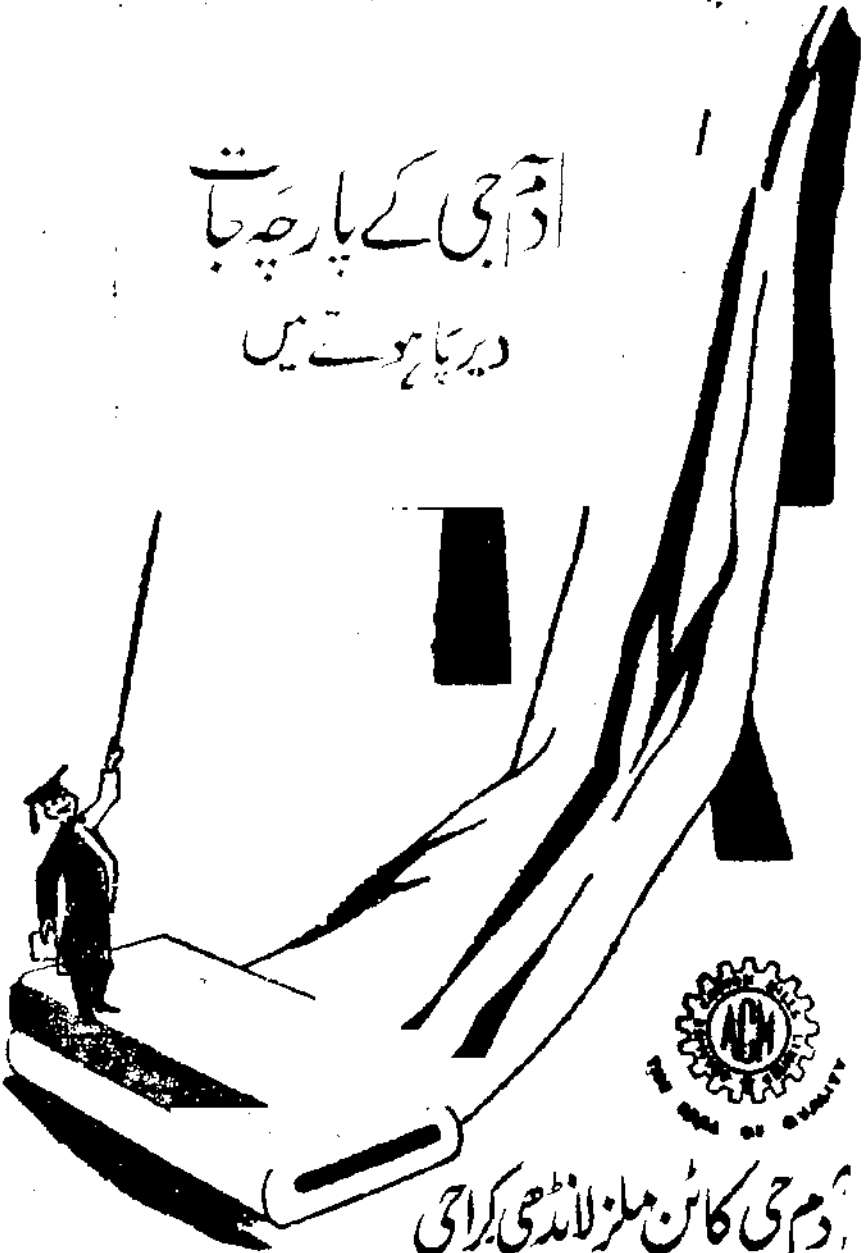
اور
ہر قسم کا دھلا گاتیار ہوتا ہے

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے
پاکستان کی صنعت کی ترقی اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

ادرجی کے پارچہ جاتا دیر پا ہوتے ہیں



ادرجی کاٹن ملز لائنڈھی کراچی

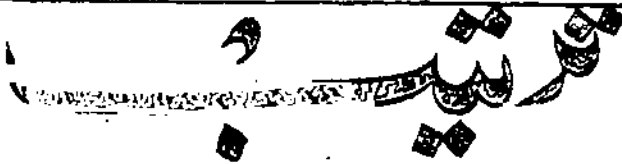
ماہنامہ فاران کراچی

جلد :- ۱۸

شماره :- ۱۰

ماہ جنوری ۱۹۶۷ء

ایڈیٹر ← ماہر القادری



۳	ماہر القادری	نقشِ اول
۱۱	ابوہریرہ عالم	زمینِ الجہاد اور اسلامی تفکر
۲۲	محمد رفیع پھولاروی	سپر بادشاہ احمد مراد احمد شاہ و عام
۳۶	ماہر القادری	قولِ فیصل - ایک
۳۸	مولانا محمد رفیع عثمانی (مدین فار العلوم کراچی)	انجیل برنا باس
۵۳	ماہر القادری	یادِ رنگین
۵۹	ماہر القادری	مرحبا! ماہِ صیام
۶۰	فتنہ شعرا	نغمہ و فریاد
۶۶		ہماری نظمیں

چند سالانہ

پبلشر :- مسٹر حسین

دفتر ماہنامہ فاران کیمیل اسٹریٹ کراچی

قیمت فی پیو

مسٹر محمد سلیمان، ۱۲، نزد مشین، برلن، کراچی، پاکستان، ڈاک نمبر ۷۵۵۵۷، کراچی، پاکستان، ڈاک نمبر ۷۵۵۵۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ اول

وہ دوس ہو، چین ہو، یوگوسلاویہ ہو، یا کوئی اور دوسرا ملک یا خطہ زمین ہو، کیونستوں کو جہاں بھی موقع ملے وہاں کو اقتدار و غلبہ میسر آیا ہے انہوں نے اشتراکیت کا نظام مسکافاً قائم و برپا کر دیا ہے، کیونست جس نظام حیات اور مسلک پر یقین رکھتے ہیں اس کے صرف زبانی مدعا اور فطری عقیدت منہ اندھیدہ خواہش نہیں ہیں۔۔۔ کہ بس کیونزم کی تعریفیں کئے جائیں اور کیونزم کی کسی قدر ولایت اور نظم یہ کو مسکافا کر کے لئے کچھ نہ کریں !

اس کے برخلاف مسلمانوں کو کیوں حکومتیں حاصل ہے مگر انہوں نے کسی ایک ملک میں بھی اسلامی نظام کو قائم کرنے کی کوشش نہیں کی ! جہاں تک تحریر و تقسیم کا تعلق ہے، اسلام کی تعریف، مدح سرائی اور تعیدہ خوانی سے تمہرے دیوان گنہگار رہے ہیں اور وہ تمام سے اس کی صلہ بے بازگشت سنا لی و تھی ہے، لیکن جہاں تک ملل و کدورت کا تعلق ہے، اس باب میں مادی سے ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے۔

پسہ کر خاموش ہو رہا ہے۔

مسلمان حکومتیں پر ناداری سے قبل یورپ کی جن طاقتوں کا بھی غلبہ اور تسلط تھا، وہ طاقتیں تو رخصت ہو گئیں مگر اب انظر آتا ہے کہ وہ اپنے جائزین اور شاگرد بن چکے ہیں، جو ان طاقتوں کی ایک ایک سعادت کو سینوں سے لگائے ہوئے ہیں اور اپنے سفید جام آفاقہ کے نقش قدم پر پیستہ چل رہے ہیں، ملک گھروں کے رقص دے نوشی سے لے کر دیس کوٹھکی کی تمسار بازی تک یورپ کی لاقی ہوئی بربرائی اسی طرح پر دان چڑھ رہی ہے اور ہر منکر کو پیچھے سے بھی بڑھ چڑھ کر فروغ حاصل ہو رہا ہے۔

فرانس ہو، آئینڈ ہولڈنگستان ہو یا اٹلی، مغرب یورپ کے ان سابق حکمرانوں کے بعد مسلمانوں کے ہر آزاد شدہ ملک میں کرسیاں تو فرسیدیل گئی ہیں، مگر ماسپرٹ نہیں بدلی، جو دروغی میں جاری و ساری تھی، خطہ، ملک، رقبہ اور حدود اور بلحاظ بینک آنا و بر گئے لیکن فکر و نگاہ بدل و ناراض پیستہ غلام ہیں، حالانکہ آزادی دل و دماغ، انکا دنیائات انسانیات و اقتصاد کی آزادی کا نام ہے۔

ایک طرف وہ خردہ اندیشہ درست کہ بدلی حکمرانوں کی غلامی سے نکلتی، دوسری طرف یہ سانحہ اندالہ کہ اجسام رخصت ہو گئے مگر اندام پرستہ دل و دماغ پر حکمران اور اصحاب پر سواد ہیں، ایوں ہر مسکافٹ آتے ہی، آنکھوں میں آنسو بھی آ جاتے ہیں، بولی پر موج غمہ اُبھرتے تھکا و فریاد کا

شہ سعودی عرب میں ملکیت ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہاں حدود و اہل نہ سنا عت کی جاتی ہے !

طریقہ بھی ائمہ آقا ہے، خوشی کی خود سبک باندھنا، اگر غریبوں کی طرح حکم اعلیٰ نہیں

اسلام نہیں، معروف کہنا ہے ان کے پاس میں امت مسلمہ کے غریبوں کے دھیمان اختلاف نہیں، حالانکہ قسمی ہونا چاہئے، سب سے پہلے
اصول کے پیر نماز ہے کہ جس کے بغیر اسلام اور ایمان کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، مسلمانوں کے لئے تمام صلوٰۃ کا فریضہ سب سے پہلے
ادائیجا چاہئے تھا، مگر اس فریضہ کے کسی قسم کا کوئی اعتنا ہی نہیں کیا گیا، اس کا خیال ہی نہیں آیا کہ ایک مسلمان کی سب سے پہلی خصوصیت "اقامت صلوٰۃ"
ہے، اگر ترک صلوٰۃ مسلمان کی سب سے پہلی "216- 544116161616" ہے، اس فریضہ کے لئے جس طرح "صلوٰۃ" لہجہ پائانت کی
پائانت رسم بھی باقی تھی، آج بھی مسلمانوں میں اس باب میں نہ کوئی ترقی ہوئی، نہ کسی قسم کی تبدیلی نظر آئی، جس مسلمان کا یہی چاہئے نماز پڑھے،
جس کا یہی نہ چاہئے نماز نہ پڑھے، تاکہ صلوٰۃ کو یہ اعتبار نہ ہو کہ جو طریقہ کاستحق نہیں ہے، اہل ہمارے سابق فریضہ حکماء جو سرے سے اسلام ہی
کو نہیں مانتے تھے، ان سے "اقامت صلوٰۃ" کی توقع کن اہل حق کسکتا تھا، مگر مسلمان کیم اہل ایمان کی جہنم اللہ تعالیٰ انہما ادا ادا عاکیت عطا فرماتا
ہے، سب سے پہلی خصوصیت یہ بتاتا ہے کہ وہ "اقامت صلوٰۃ" کا فریضہ انجام دے، لیکن مسلم حکومتوں اور ملکوں میں اس فریضہ کے ساتھ جو سلوک کیا جا
تا ہے وہ کس قدر افسوسناک ہے!

مسلم حکومتوں کے پلاننگ بورڈوں کی رہنمائی اس کی شاہد ہیں، ادا ان کی ترقیاتی کمیٹیوں کا دیکھا مذاں کی گواہی دیتا ہے کہ "اقامت صلوٰۃ"
کا ان میں سرے سے کہیں ذکر ہی نہیں ہے، جیسے اس فریضہ کی ادائیگی کا ان کے اندر جذبہ احساس اس ہی سرے سے نہیں پایا جاتا۔ بیعت ہے کہ یہ بڑے
آؤ کی کثرت جہاد سے فائدہ کتنے ہیں، مگر کثرت گناہ سے بھی بڑے۔ "ترک صلوٰۃ" وہ گناہ ہے جو آؤ کی کثرت سے قریب کر دیتا ہے، کسی مفسر یا محدث کا
قول نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من ترک الصلوٰۃ متعبداً، فقد کفر

وہ جس نے جان بوجھ کر ترک کر دیا، اس نے کفر کیا

جہود رسالت میں کوئی مقام ایسی کسی عہد کے سبب جماعت کے ساتھ ایک دوسرا مذاں دار کرنے کے لئے مسجد نبوی میں نہ آسکتا تھا، اس کے پاس
میں لوگ گمان کرتے تھے کہ وہ "ساقی" ہو گیا، انہما ملک میں آج یہ حال ہو گیا ہے کہ سرکاری تقریبات و اجتماعات میں، استقبالیہ اور غیر مسلم کے حضور
میں، وفد کے دعووں میں، بیرونی جماعت کے وفد گاہوں میں، نمائندوں اور قومی میلوں میں غرض کسی موقع پر "صلوٰۃ" کا کوئی ذکر نہیں، وہ جو عربی کی
مشہر غرب الملش ہے کہ۔۔۔ الناس علی دین صد کہم۔۔۔ جو امام اپنے حکمرانوں کی روش پر چلا کرتے ہیں۔۔۔ تو رسم عوام بھی فریضہ صلوٰۃ
سے غافل ہوتے چلے جا رہے ہیں، آپ شعر وادب کے کسی اجتماع میں، کھانے پینے کی دعوت میں، کسی سیاسی جلسہ میں ہا کر اس کا اندازہ کر لیجئے، سب کے سب اڑ
ہزاروں کی جمع میں چند لوگوں کو نماز ادا کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے، باقی مسلمان دین کے ڈھانے میں مصروف ہوتے ہیں، اس طرز پر بعض لوگ پوچھیں گے
کہ "دین کا ڈھانا" یہ غیر متعلق ہے جوڑی بات کہاں سے آئی، گریہ طرز پر اس طرز سے وفات کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گواہی ہے۔

الصلوٰۃ عماد الدین، من ترک الصلوٰۃ فقد حاد، والدین

دین کا ستون ہے، جس نے نماز ترک کر دی، اس نے دین کو ڈھال دیا

یہ جو اللہ کی مشہور کمادات ہے کہ فریضہ کو ایسا بڑا روزہ رنگ پڑتا ہے، تو آؤ پر اس کا ماحول بہت کچھ اثر انداز ہوتا ہے، جس محبت
اولیٰ اللہ جہاں میں نماز کا سرے سے ہی کوئی ذکر اور احساس ہی نہ ہو اس میں رہ کر ہم جیسے ناچنے والے حق وقت نماز کے تعاملاً میں کس اہل بیت کو اپنی غفلت
پسند کو تقریب و عبادت کی ہے! ہر بے نمازوں کے اولیٰ اللہ ترک صلوٰۃ کی نعمت میں جو لوگ نماز ادا کرتے ہیں ان میں کتنی بے دلی چھلکتی ہے، جیسے
"وہی پہنچنے پر ہی کی جا رہا ہے، شام کا وقت ہے چائے نوشی، شعر و غزل اور گلاب بازی ہو رہی ہے، سرجے زندہ ہو چکا ہے، اسی حالت میں آئے اللہ

جلدی جلدی ٹکریں مار کر مصلوۃ عمر کے فریضہ سحابی و ناست میں سبکدوش ہو گئے، ایسی نمازیں کیا ہمارے منہ پر نہیں ماروی جائیں گی ۱

ایک شخص نماز پڑھنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے، راستے میں قدم قدم پر بے جا بے عملیوں کا سامنا کرتا ہے، لباس میں آنا آسنگھایا میں پچھلے کے انداز میں نگاہ کو دعوت پر مائل اور پیغام تو بیشک، نگاہ کہاتے کہاتے ہر سنائی اپنا کام کر چکا ہے اس کے بعد سینہ بٹوکے ساتھ گنگنا ہوا، جہاں ایک ٹکڑیوں کی تعداد میں رنگین و شمع تصویریں آؤں گی، ہر دور نے ان تصویروں کو جاذب نظر اور کشش بنائے ہیں اپنے دانش کی تمام قوت اور فن کی ساری نزاکت کو صرف کر دیا ہے، اس فن کے بعد سجد کے قریب ہر شے غلطی، دیکھا، دلوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔۔۔ کہ

انکھیا ملاکے، بیاباں کے سچے نہیں جانا

کر کے توبہ توڑ ڈالی جائے گی

اس پہلو سے دیکھا جائے تو یہاں محصیت اور ان تقویٰ فکرن میں تاخیر اور اختلاف ہے۔ گزشتہ سہ ماہ میں یونمانا والی پہلے ہی اس میں کتنی بے گانگی ہو گئی اور دوسرے نصف سال کا کسی قدر جرم ہو گا؟ یہ ہم نہیں کہتے کہ جی جن میں تاخیر اور تاخیر بھی شامل ہے اس میں پروردہ حاشا سے کہے تو وہ دہائیں ہیں مگر مسلم حکومتیں اگر اپنے ذرائع استعمال کرتیں تو معاشرے کی بہت کچھ اصلاح ہو سکتی تھی !

دفاع میں ملازمتوں کی جو درخواستیں دی جاتی ہیں ان میں کھیل کود کے سارے شعلیت پیش کئے جاتے ہیں، نوکریوں کے لئے انٹرویو میں متعلقہ سربراہان خود بھی اس پر دلائل سے دریافت کرتے ہیں کہ طالب علمی کے زمانہ میں کن کھیلوں سے دلچسپی رہی ہے مگر نماز کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جاتا اس بات کا پتہ لگانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ملازمت کا امیدوار نماز کا کس حد تک پابند ہے، حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ جو شعر و ادب کی ست اعلیٰ نگاہی ہیں اپنا جواب نہیں رکھتے، فرماتے ہیں —

وامش مدہ آں کہ بے نہایت

یعنی جو کئی نماز ادا نہیں کرتا اُسے قرض نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ جب نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کہ وہ شخص غرض شناس نہیں ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کا فرض ادا نہیں کرتا وہ قرض کیا ادا کرے گا؟

حکومتوں کے قومی ترانے بن کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے اُن کے احترام پر حکومتیں عوام کو مجبور کرتی ہیں کہ جب وہ بجائے جائیں تو سننے والے کھڑے ہو جائیں لیکن فریضہ نماز کی اہمیت اور فرضیت نگاہوں سے اور محل ہو گئی ہے۔

”صلوٰۃ“ جیسے اہم ترین فرض سے جب غفلت کا یہ عالم ہے تو دوسرے فرائض و ارکان سے اتنا کیا تو قیام کی جاسکتی ہے یہ تو بے مسلم حکمتوں کا ”معروف“ کلمہ مقبول تھا! اس کے مقابلہ میں ”منکرات“ پر کوئی تدبیر نہیں، بلکہ بعض منکرات و فواحش کی تو قیامی سرپرستی اور دوسرا فرائض کی جاتی ہے شراب، سود، قمار اور اس قسم کے دوسرے ”منکرات“ کو کھلی ہوتی چھٹی ملی ہوتی ہے! کافر یا استوں اور غیر مسلم حکمتوں میں ان ”منکرات“ کی مقبولیت اور معاشرے میں رواج کا جو رنگ ہے، اس میں ملک میں بھی یہی رنگ نظر آتا ہے بلکہ پہلے کے مقابلہ میں یہ رنگ اندازہ نہ گہرا انداز میں ہو گیا ہے۔ اسلام نے حلال و حرام کا جو نظام منظم کر دیا ہے، وہ چیزوں کو حرام ٹھہرا دیا ہے اور جن باتوں کو حلال قرار دیا ہے اس پر غور کرنے تک کی رحمت ہی برداشت نہیں کی گئی اس بات کی طرف دھیان ہی نہیں لگایا کہ اسلام نے روزی کمانے کے لئے حلال اور پاک ذرائع کی تاکید کی ہے۔ ناجائز ذرائع سے جو دولت حاصل ہوتی ہے وہ اسلام کی نگاہ میں نجس اور ناپاک ہے! یہ نجاست جب معاشرے میں پھیل جاتی ہے تو زندگیوں کی پاک اور طہارت باقی نہیں رہتی! اور جس زندگی میں طہارت نہ ہو وہ انسانی سوسائٹی کے لئے وبال ہے۔ جس جسم کی پردوش حوام کما کی اور ناپاک روزی سے ہوتی ہے، حدیث شریف میں اس جسم کے لئے بڑی شدید وعید آئی ہے۔

مسلم حکومتیں اگر اپنے دینی فرمانوں کو پہنچیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بلند و غالب کرنے کا نہیں اس سے ہوتا تو۔ بلکہ اگر مسلمانوں کو اس پر پابندی لگاتیں اور دنیا پر ثابت کر دیتیں کہ رواجی صورت پر قرآن کا فیصلہ ہی ہے۔ تجارت بے سود بھی چل سکتی ہے اور معاشی کا سدبار اور تجارتی بین دین کے لئے۔ سود کوئی ناگزیر ضرورت نہیں ہے، یہ بڑی قسریہ دلائل نہایت کی پیدائی ہوئے ہیں اور یہودیوں، بنیوں، مہاجرین اور شامیوں نے۔ سود کی لعنت کو مناج دیا ہے، تجارت میں نفع و نقصان اور سود بایہ کے لحاظ کی ضمانت کے ایسے ذرائع اور بدل بھی موجود ہیں، جن کا رواج اسے کوئی نقصان نہیں ہے۔

یہ کیا ہو رہا ہے؟ یورپ میں مردوں کے آزادانہ اور بیباکانہ اختلاط اور عورتوں کی فتنہ بے حجابی نے وہاں کے معاشرے کو پستی کی جس وقت یورپ پر آپکا ہے کہ۔ دوشیزگی اور عصمت کے الفاظ میں لغات اور کتابوں میں لکھے ہوئے ملتے ہیں، واقعہ اور وجود اور عزت کے لحاظ سے یہ الفاظ شاید نہیں پائے جاتے، مسلم ممالک میں بھی اس فتنہ کو پروان چڑھنے کے موقع می رہے ہیں یہاں کے معاشرے میں وہی رنگ پیدا ہو چلا ہے اخلاقی کی تباہی اور معاشرے کے گناہ کو کسی کو اس میں شک نہیں، ہماری جن برصغیر اور مازوں اور بہنوں میں سیدہ فاطمہ اور حضرت عائشہ کے مقدس گناہ کی جھلک اور خوب پیدا ہوئی چاہئے مگر وہ درگشاہ گرو۔ اور دیو کا مافی جی جاری ہیں، گناہ کی حد ہو گئی کہ بعض مسلمان عورتیں شراب تک پینے لگی ہیں۔

سہ ہتھ کا کوئی حد سے گزنا دیکھیے

مسلم ممالک کے آزاد ہو جانے کے بعد مردوں کے بیباکانہ اختلاط اور عورتوں کے فتنہ بے حجابی کا جو بڑا ثبوت ہے اور یہاں کیا تھا اخلاق و ثقافت کے بند ڈھیلے ہونے لگے، چلے جارہے ہیں یہ آتش فشاں الیہ ہے، میں پریم فاضل کے اظہار کے لئے الفاظ نہیں لیتے، ایہ خرابی اسی حد پر پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتی مسلمانوں کو قص و سرود کے مظاہرہ کے لئے اسٹیج پر لایا جاتا ہے مسلم ممالک میں۔ گجراتی شون کے نام پر ان خواہش کا کچھ ہندو مذہب ہند ہے اور گھر کے ساتھ اخلاقیات میں ان شرمناک مناظر کی تصویریں چھپ رہی ہیں، اسلام نے عورت کی عزت و عصمت کی حفاظت کے لئے جو نظریہ عمارت قائم کئے تھے، ان کو توڑ کر مسلمانوں کو دین و دنیا کی رسوائی کے سوا اور کیا حاصل ہو سکتا ہے، مسلمان عورتیں اور قص و سرود کے مظاہرے خدا کی پناہ! دنیا کے سامنے اسلامی تہذیب و ثقافت کا یہ کتنا برا لعنت اور اسلام کے ساتھ کیا افسوسناک خالق ہے، علماء انہوں نے کس سی ٹیوشن کو اس طرح کچھ کر کے نام پر۔ مگر علم اور مذہب و شریف بنا دینا، یہ اگر کا نام ہے تو بہت بڑا کا نام ہے!

ان برائیوں کے ساتھ جن مسلم ممالک میں اسلام کی ریسرچ ہو رہی ہے اور دین کی علمی تشریح و تحقیق کا کام جاری ہے وہاں اسلام کو مانسان بنانے کی کوشش کی جارہی ہیں، دین فطرت کی جدید تحقیق اندری ریسرچ کا متقاضی نہیں ہے، اللہ اور رسول کے بتائے ہوئے احکام پر محبت سے درست، صحیح، حق اور انسانی کے لئے مفید ہیں، جس کو سوال قرار دیا گیا ہے اسے کوئی حرام نہیں کر سکتا اور جسے حرام ٹھہرا دیا گیا ہے اس پر حلت کا فتویٰ نہیں لگایا جاسکتا، دین کی بنیادی قدیم انسانی الہادی ہی فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح ان تمام وجوہات کی تفصیل اسلامی لٹریچر میں ملتی ہے، دین کی کسی قسم پر نہ اضافہ ممکن ہے لہذا اس میں کمی کی جا سکتی ہے، مثال تحقیق اور ریسرچ دین کے احکام، قدس، روایتوں اور نظریوں کی کلی تشکیل کی خاطر لوگوں کی نادانیت و اہمیت پر نفسیات، فلسفہ، سائنس، ٹیکنالوجی اور دوسرے علوم سے دلیل و سند لانے کی غرض سے ہو سکتی ہے اور ہونی چاہئے، مگر یہ راہ ہے کہ اللہ اور رسول کے احکام میں ریسرچ اور تحقیق کے نام پر قطع و پید کی جارہی ہے وہ سود پر، بے پردگی پر، یا رقص و موسیقی پر ان کی حرکات کے حوالہ کے لئے دین میں گھنٹا کشیں لگائی جارہی ہیں، خوب و ناخوب کا معیار یوں پکا کا ذہن دسکر بن کر رہ گیا ہے، اسی معیار پر مائلی و اشتیاء کو دیکھا جاتا ہے۔ حالانکہ اس مسئلہ کو لہذا تقاضا نے چیزوں کے پرکھنے کے لئے کتاب و سنت کی کسوٹی دہی ہے جو چیز اس کسوٹی پر پوری نہیں اترتی وہ کوئی اور ناقص ہے اسے

رو کر دینا چاہئے اور یہ کسٹی جھ کھراتی ہے وہ قابل قبول، ناقابل اور مستحق احترام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دین کو کاس فرمایا، اس میں خدا خواستہ کچھ قسم کی کوئی ککسر باقی نہیں رکھی اور کسی کو تا ہی اور کسی کو نہیں رہنے دیا گیا دین انہم و تکمیل کبھی کبھ آٹو کی کتاب اور آٹو کی ہی کو لکھ دیا گیا، اب قیامت تک کوئی شخصیت یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جو پرتہ وی آتی ہے، جس کا نام آیت پر فرض ہے؛ اسلام کا نظام ہر جہت سے مکمل ترین نظام ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے، سیاست و معیشت، قہامت و اقتصادیات، تہذیب تمدن و غرض زندگی کی ہر منزل میں اسلام ہدایت دیتا ہے؛ — گراں احساس کمتری کو کیا کہنے کہ اس محکم نظام حیات اور فطرت کے جن کا سرور دم کیونرم سے میں نہ جڑا جا رہا ہے، اسلام کے ساتھ کی دوسرے "ازم" و "مذہب" یا مکتب فکر اور نظام حیات کا جوڑ لگانا حاصل دین کے ناقص اور انکار غیر کے احتیاج کا اعلان ہے، جو کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ کہنا یہ چاہئے کہ ہمیں اسلام اور معرفت اسلام چاہئے وہ دین کا مل جو حکومت، تجارت، سیاست، معیشت و تعلیمات، صلح اور جنگ غرض زندگی کے تمام شعبوں میں آگیا ہو چکا ہے اور کسی دور میں بھی اس کے اندر فرقہ واریت کی اور تشکیلاتی غمخس نہیں کی گئی اگہ دین کو لے کر عرب کے صحرا سے جو نفوس تفسیر اٹھ گئے انہوں نے تفسیر و کسری کے محلوں میں اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بدل دیا اور اسلامی تہذیب و تمدن کی یہ عا قائم کر دی ان سے بہتر فاتح ان سے اچھے حاکم دنیا آج تک پیدا نہیں کر سکی، تنہا عمر فاروق کی بلند و بالا شخصیت کے سامنے، ساری دنیا کے حکمران اور مقررہ اہلسنت و امامت اور بڑے نظریات تھے ہیں !

ان حالات کے ساتھ مسلمان محلوں میں یہ بھی ہوتا ہے کہ جو خدا کے نیک بندے اللہ تعالیٰ کے دین کا فہم اور نظام اسلام کو بر پا کرنا چاہتے ہیں ان کے بیان میں کوئی سے تنگ نہ رہنا چاہئے ان کی سادہ میں مشکلات پیدا کی جا رہی ہیں وہ بے چارے سے عقاب و پری بھی کا بدلتے جہنم میں ان کے احتیاج کر دیا گیا جاتا ہے ان کی بات سبک تکی ہو گئے ہیں دی جاتی، ان پر طرز طرح کے الزامات لگا کر عوام میں ان کو بدنام و بے وقار اور شہرہ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے سامنے کی مثال جی ل ناہری حکومت کا وہ ظالمانہ کارنامہ ہے جس نے "افغان المسلمون" جیسے عظیم دینی تعلیم کو تباہ کر دیا !

مسلمان محلوں میں ایسے قوانین بنائے اور ایسے فرمان نافذ ہوتے رہتے ہیں جن کے ذریعہ شہادتیت اور جہادیت جو اسلامی سیاست کا طرہ امتیاز ہے بے اثر بنکر خلع و برقع ہو چکی جا رہی ہے تاکہ عوام میں کوئی کا نظام "کہا جاتا ہے" واپس پچھو بکریوں کا گڈ بن کر رہ جائیں جن کی تادیب کے لئے لکڑ بان کی چھڑی کی دو چاندیوں بہت کافی ہیں بلکہ بسا اوقات تو چھڑی کی جینٹ ہی لکڑ کی فصل و دولت کا رستہ بدل دی ہے۔

مسلمان محلوں کے اخراجات، انڈیو، شیل و ڈیزل اور فشر و ملازمت کے ہمارے ذرائع اس کی تہادت ہے ہے جس کو وہاں ارباب اقتدار کا اس مکت اور ہوشیاری کے ساتھ پرمیگنڈا کیا جاتا ہے کہ کوئی دوسری آواز نہ پھر سنا کی ہی نہیں دیتی، ان ملک میں کوئی قیادت ابھرنے کی نظر آتی ہے؛ پھر لطیف یہ ہے کہ مطلقاً اللہ تعالیٰ کے اس نظام ہی کو انسانیت اور ملک و ملت کے لئے مفید سمجھا جاتا ہے کہ یہی طریق حکومت، ملک کی سالمیت ترقی اور بقا کا ضامن ہے جو لوگ اس نظام حکومت سے نفرت نہیں ہیں وہ ملک کے جن افسانہ پسند ہیں؛ اس مطلق کی بد سے انتہا پسند یا ہرے کہ تادیب و محبت ہی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

دنیا میں ہر حکومت کو خوف دہی اور جی حوی یہ سر کھاتے ہیں سرکار و داریں تقسیم کی تمنا، مالی تنوعات کا طرچ اور ایسی قسم کی تمام حکمران مغفیتیں آوی کو بغیر یہ نہ دیتی ہیں اور وہ بڑی سے بڑی نیادقی اور نظم و تدبیر کو عین انصاف کہہ کر نظام و حکمران کی تہذیب و تہذیب یہاں تک کہ بعض جاہل پسند علماء و سنی ملک ارباب اقتدار کے ہمارے ہمارے ہمارے، نفس یہ چکر دیتا ہے کہ بڑے آدمیوں سے قریب ہو کر تم انہیں دین سے قریب ہونے کا کارنامہ انجام دے سکتے ہو، احتیاج و نکتہ صبیحہ اور علیحدگی کے مقابلہ میں تعاون، نرمی اور قربت مفید ہے مگر یہاں یہ سب کا قربت کی بدولت ان کے پاس لگے گی جو کہ خود ہی بہت دینی سادہ ہوتے ہیں وہ بھی صحیح سلامت نہیں رہتی جس نے بھی کہا تو یہ کہا کہ —

— یس الفقیہ علی باب الامیر

خلیفہ مصلحت کے شہید بادشاہ و جلال الدین مگر کے و دبار میں جہاں کاسہ میں اہل ہندو گاہ شہر قسم کے علماء تھے، وہاں فاضل القاد باہمی کی شخصیت

اس کی شہادت دے سکتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے، وہ تو یہ اصل ہے اس لئے مباخذہ آمیز ہے۔

ان حالات میں دین پسندوں کا شکستہ خاطر اور غم و غلیظ ہونا، فطری بات ہے، مگر ان اصفیاء کو غبارِ کد و دیکھ کر غریب کا دل کر سکتا ہے، یہاں تک کہ قرآن کریم بتاتا ہے، "ایضا وکلام تک کی پیش کی ناسازگارہ کو دیکھ کر" "سنتی نصرا لہ" "وآخر اللہ تعالیٰ کی مدد کے آگے مچکدے" "یہ ہیں"۔ لیکن اسلام پسند طبقہ میں دین کو قائم رکھنا کہنے کا لازم رکھتا ہے، اسی دین کے کسی حالت میں بھی پچھس ہو۔ یہی جھوٹے، اور بہت داسنے کی تعلیم نہیں دی، حالات کچھ ہی ناواقف اور بگڑے ہوئے کیوں نہ ہوں، اصلاح حال ہی کے لئے کوشش کرنا بہت چاہئے، امتیاست کے دن پر ساری نہیں ہوگا کہ حالات تم نے بدل کیوں نہیں دتے؟ کیونکہ حالات کا بدلنا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، ہم سے یہ ساری ہوگا کہ حالات کی تبدیلی کے لئے تم نے کیا کیا؟

جن ممالک میں مسیحی قوم کی بھی جمہوریت اور شہرانیہ ہوتی جاتی ہے، وہاں آئین و قانون کے حدود میں رہ کر تبدیلی اصلاحیہ کام کر رہے ہیں، یہی ہر قوم پر دشمنانِ دین اور بدعتیوں سے بد چار ہونا پڑتا ہے، اگر کوئی مسیحی کے علی الرغم مخالفت طلب کرنے کے لئے ہرگز سے صبر سے نفاذ کو استعمال کر سکتے ہیں، اسلام پسندوں کو تبدیلی حالات کے لئے جاننا اور مباح زندگیوں سے کام لینا چاہئے، نیکی کا حصول نیکی کے راستہ اور واسطہ ہی سے ہونا چاہئے، غم و غصہ اور اذیتاں دینا چاہئے، تشدد میں بھی شائستگی کی نمونہ اور اہل اللہ والہ بننے والے لگائے، اور اس نظریہ کی پورے طرح چھٹک، انیک پیچ اور غیر خواہجہ کے جذبہ سے جو جدوجہد کی جاتی ہے وہ ایک نہ ایک دن کسی نہ کسی شکل میں فروپاشی ہوتی ہے، اسلام آج چالیس کوئیس انہوں کو بھی "طریقہ" یعنی اجنبی نظریہ آتا ہے اس کے تمام احکامات و تبلیغ کی ذمہ داری اسلام پسندوں پر عائد ہوتی ہے، جدوجہد اور مسلسل جدوجہد ہر لمحہ اس کی فکر کر کسی طرح اللہ کا دین غالب ہو جائے، یہاں تک کہ اسی منزل میں موت آجائے، اصلاحیہ بالغیر جو یہی ان اہل نوری کی مدد، مسک اللہ طے زندگی ہے، جن کو قرآن میں "اولئک ہم المفلحون" کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ جن میں ان اصلاح پانے والوں میں شان ہونے کی توفیق عطا فرماتے، آمین

امیرِ اتحادی

۱۱ رمضان المبارک ۱۴۰۰ ۳۰ دسمبر ۱۹۷۹ء



آزمودہ دواؤں کا مرکب انساجین



Opel

سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے
یقینی زود اثر اور بے غرر علاج ہے

۱۹۵۳

زمینی الجہاؤ اور سلبی تفکر (۲)

دنیا کے تمام دساتیر کا پہلا نکتہ حاکمیت یا اقتدار اعلیٰ (SOVEREIGNTY) کا تعین ہوتا ہے۔ سیاسی اصلاح میں حاکمیت کا مفہوم ہے اس کی وضاحت کے لئے چند سیاسی مفکرین کی آراء فقط اٹائے نظر نقل کرنا مناسب ہوگا۔

اقتدار اعلیٰ یا حاکمیت جس کو انگریزی میں سارنٹی کہتے ہیں لاطینی لفظ SUPERANUS سے ماخوذ ہے جس کے معنی اعلیٰ۔ قانون اور برتر کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ بوڈین (BOUDIN) نے اقتدار اعلیٰ کی تعریف یہ کی ہے کہ "شہریوں اور عہدہ دار پر ریاست کا ایسا حق جو قانونی حد بندیوں سے آزاد ہو" دوسرے مفکر ملکر الیٹ (GILLCHRIST) کے نزدیک تعریف یہ ہے "یہ وہ ذی اختیار ہے جس کو از رو قانون قطعی اور آخری حکم نافذ کرنے کا اختیار ہو" روسو (ROUSSEAU) کے نزدیک اقتدار اعلیٰ ناقابل منتقل۔ ناقابل تقسیم ناقابل خطا اور مطلق العنان ہوتا ہے۔

اقتدار اعلیٰ کی اس تشریح کے بعد یہ بات قطعی ہو جاتی ہے کہ اسلام میں نہ تو کوئی شخص یا ادارہ قانون سے بالاتر ہو سکتا ہے اور نہ ناقابل خطا اور آزاد مطلق کیونکہ اگر کسی کی نسبت یہ تمام حقوق تسلیم کر لئے جائیں تو پھر تشریف کی قائم کردہ حدود و احکام کی پابندی نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لئے اسلام میں یہ حق صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مختص ہے۔

والذی ملکت السموات والارض وللملک
وللدا وللملکین للشمس والی لیل
والفرقان

وہ جو زمین اور آسمان کی بادشاہی کا مالک ہے جس نے
کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے اور جس کی بادشاہی میں کوئی شریک
نہیں۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم
الکافرین (المائدہ)

اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے نہ
کریں وہی کافر ہیں۔

ان آیات مقدمہ سے واضح ہوتا ہے کہ زمین کی فرائض و روائی اور حاکمیت صرف خدا کے لئے ہی ہے اور چونکہ وہ ہی مقتدر اعلیٰ ہے اس لئے اس کے نازل کردہ احکام اور عہد ہدای میں نہ تو کوئی فرق ہے اور نہ ہی میں موجود ہے قطعی اور آخری حیثیت رکھتی ہے جس میں کوئی بھی تبدیلی کا مجاز نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ فرائض و احکام کے ساتھ یہ دعویٰ فرما رہے ہیں کہ اسلام امت مسلمہ کو کوئی دستور یا حکم نہیں دیتا وہ بتائیں کہ قرآن کے اس فیصلہ پر ان کی طاعت کیا ہے اور قرآن کا فیصلہ کردہ یہ نکتہ ایک دستور یا حکم ہے یا نہیں؟

دستور کے ضمن میں دوسری بات جو بہر حکومت کو ملے کرنی ہوتی ہے وہ یہ کہ ریاست کا مقصد جو دیکھا ہے۔ بادشاہی نظم میں یہ مقصد شخص واحد کی سلطنت و غفلت کی برتری، عجب و جلال کا فرق عیش و نشاط کی فراوانی کا نفاق حصول اور نواز کو مال و لذت سے محروم کرنے کی فکر ہے، مغربی جمہوریت میں حیرت و مسادات کا حصول سیاسی حقوق و فرائض کی منفعتانہ تقسیم اور رائے عامہ کی برتری ہے۔ اشتراکیت میں معاشی مساوات کا جو نظم اور پروتانیہ کی سیاسی نوعیت کا تصور ہے مگر اسلام ان سب کے بالمتقابل ایک ہمگیر پاکیزہ نقطہ یہ دیتا ہے۔

الذین ان مکنتھا حلالا فی الارض والعیقہ الصلوة
واقرا المزکوة و امروا بالمعروف و نہوا عن المنکر
وہ لوگ جن کو اگر ہم نے زمین پر غلبہ و تمکین دیا تو یہ نیک
قائم کریں گے زکوٰۃ ادا کریں گے اور اچھائیوں کا حکم
دیں گے برائیوں سے روکیں گے۔

اسلامی ریاست کے مقصد جو دو گوار حاجت الفاعلیہ صلوٰۃ، اداۃ زکوٰۃ، حکم نیکو کاری اور امتناع بدی میں ادا کیا گیا ہے۔ زیادہ طوالت کا یہ ترغیب نہیں ہے مگر یہ چار باتیں انسانیت کو ایسے پاکیزہ اور تعمیری معاشرہ سے روشناس کرا سکتی ہیں جس کی آج اس کو سب سے زیادہ تلاش ہے۔ پہلی بات نماز انسان میں عجز اور بندگی کا احساس پیدا کرتی ہے اور یہ احساس جمعی حیثیت سے ایک ایسی سرائی معرض وجود میں لاتا ہے جس میں حاکم و محکوم، مطیع و مطاع، آقا و بندہ اور بلند و بلند کے فرضی امتیازات کی کوئی گنجائش نہیں رہ سکتی اور جس کے اندر ہر فرد اپنی ذمہ داری کو حاصل معنائے الہی کے جذبہ کے تحت انجام دیتا ہے اور اس طرح ذاتی اختلاف کی ہوس رنگ و رسل کے تعبات میں رنگ انسانیت برائیوں کا قلع قمع ہو جاتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ کی بنیاد پر جو مالیاتی نظام وجود میں آتا ہے وہ ریاست کے ہر فرد کو کفالت و تکمیل احتیاجات کی ضمانت فراہم کر کے معاشرہ کو معاشی ناہماری سے بچاتا ہے۔

انسانی سوسائٹی اس وقت تک تعمیری استحکام حاصل نہیں کر سکتی جب تک اس کو مسلمہ برائیوں سے بچا کر نیک کی مسلمہ اقدار سے بہرہ ورنہ کیا جائے، جس سوسائٹی میں برائیوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے اس کی زندگی بھی نقش بر آب سے زیادہ نہیں ہا کرتی اس سے اسلامی ریاست کا یہ اولین فرض ہوتا ہے کہ وہ برائیوں کا خاتمہ کرے اور اچھائیوں کو فروغ دے۔

کسی دستور کا تیسرا اہمکہ حکومت کے قانون سازی کا دائرہ عمل (LEGISLATIVE JURISDICTION) ہوتا ہے، اس ضمن میں اسلامی حکومت اُن تمام قیود اور حدود کی پابند ہوگی جن کی دفاع متقرآنہ مسند میں موجود ہے مثلاً زنا، شراب نوشی اور جوار وغیرہ قابل تعزیر اور منوع تصدیقوں کے ان کے گواہ کے لئے کوئی قانون بنا کر ریاست کے خارجہ اختیار سے باہر مقصد ہوگا کیونکہ اسلامی ریاست بذات خود مقتدرہ اعلیٰ (SOVEREIGN POWER) نہیں ہے بلکہ اقتدار الہی کی نیابت کی منظر ہوتی ہے اور یہ ظاہری بات ہے کہ کسی اعلیٰ (SUPREME) کا حکم ادنیٰ یا ماتحت (SUBORDINATE) منوع نہیں کر سکتا۔

وہا کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ
امرو ان یكون لهم الخیر من امرہ
کے مومن یا مومنہ کا یہ کام نہیں ہے کہ جب اللہ اللہ اس کا
رسول کسی بات کا فیصلہ کر دین تو ان کے لئے کوئی اختیار یا پسند
کا فرقہ نہ جائے۔

البتہ ریاست اسلامی کسی دستوری بات کی تفصیل و تعبیر (DEFINITION) یا اس لئے طریقہ کار (PROCEDURE or IMPLEMENTATION) یا اس لئے انتظامی قانون (ADMINISTRATIVE LAW) وغیرہ بنانے کی مجاز ہوگی مگر اس کا کوئی قانون قرآن یا سنت کے حکم کے خلاف (REPUGNANT) برائیوں کا قلع قمع غیر ضروری (UNWARRANTED) تصور کیا جائے گا۔
کے دستور میں یہ بات بھی ملے کر لی جاتی ہے کہ انتظامیہ اور عدلیہ کا ماس عمل کیا ہوگا۔ اسلامی حکومت میں انتظامیہ حدود اللہ کے نفاذ و تحفظ اور

معاشرہ کی اسلامی تربیت و عادلانہ نظم و نسق کی ذمہ دار ہوگی وہ کوئی ایسا حکم دینے کی مجاز نہ ہوگی جس کے تحت حدود و انہی کی خلاف ورزی ہو۔
ولا تقطعوا اموالکم بین الذین یبغضون فی الامر حق ولا یصلحون (الشعرا)
اور ان حد سے گنہ گار نہ بنو گے کہ ان کے مال کو ادا حق نہ کر دو۔
بجائے عدالت کا کام بھی یہ ہی ہوگا کہ وہ انفرادی و اجتماعی معاملات یا کسی انفرادی معاملہ میں جس کے تحت فرد اور انتظامیہ (EXCLUSIVE) میں اختلاف ہو قرآن اور سنت کی بنیاد پر اپنے فیصلوں کو صادر کرے۔

نا حکمہ بینہم بما انزل اللہ ولا یبیح اھواء
ہم عما جاءک من الحق۔
پس تم لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق
نہیں لڑو گے نہ اس کو جو ذکر و تنبیہ سے پاس آیا ہے لوگوں کی
نہایت کی پیروی مت کرو۔

شہریوں کے حقوق اور ان کی ذمہ داریوں کا تعین بھی ایک دستوری مسئلہ ہے اس معاملہ میں بھی قرآن اور سنت کا مسلک بالکل واضح ہے۔
اسلامی سیاست چونکہ ایک نظریاتی (IDEALOGICAL) یا اصولی بنیاد پر اپنا اجتماعی نظام تعمیر کرتی ہے اس لئے وہ سیاسی حقوق (POLITICAL RIGHTS) میں مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز رکھتی ہے۔ اگرچہ ایک نظریاتی نظام میں ممکنیت کے کلیدی مسائل اُن لوگوں کو قبول کر دئے جاسکتے ہیں جو اس نظام کی بنیادی باقی پرائیمن اور یقین نہ رکھتے ہوں، مگر نظریاتی نظام اپنے اصولوں کے تحت اور ان کے لئے یہ اقدامات کرتا ہے آج بھی اشتراکی اور سوشلسٹ حکومتیں اس سلسلے میں بطور نظریہ پیش کی جاسکتی ہیں۔ بہر حال اسلامی سیاست میں کلیدی حدود پر اُن لوگوں کو فائدہ نہیں کیا جاسکتا جو اسلام کو اپنا دین نہ تسلیم کرتے ہوں۔ اس کے علاوہ تمام شہری حقوق (CIVIL RIGHTS) میں اسلام مسلم اور غیر مسلم کے درمیان مکمل مساوات قائم کرتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے شہریوں کے مندرجہ ذیل حقوق ہیں۔
(۱) شہریوں کا یہ حق ہے کہ ان کے جان، مال، اعزت کا تحفظ کیا جائے اور بغیر کسی قانونی جواز نہ چارہ ہوئی کے ان کو اس حق سے محروم نہ کیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان دعاءکم و اھوالکم و اعراضکم
عنکم کسرمۃ یومکم هذا
تمہاری دعائیں تمہارے مال اور تمہاری اعراض و عیسیٰ
ہی صورت رکھتی ہیں جیسے بچہ کے اس دن کی صورت۔

رب شخصی آزادی کا تحفظ اور اعتراف نفس۔ اسلامی معاشرہ میں ہر شخص جائز حدود میں حریت و اعتراف کا مساوی حقدار ہے۔ کسی فرد کو اس حق سے محروم نہ کیا جائے اور عدل و انصاف کے مسئلہ تقاضوں کی تکمیل کے بغیر محروم نہیں کیا جاسکتا بغیر اس کے کہ تعزیری یا امنی انتظام ایک غیر عادلانہ فعل ہوگا جو قرآن کے قیام عدل کے حکم سے متصادم ہوتا ہے۔

انظروا یا مسر بالعدل والاحسان (النحل)
یہ ہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ
لا یرسر رجل فی الاسلام بغیر عدل
(موطأ، باب شرط الشاہد)
اللہ حکم دیتا ہے عدل اور نیکی کا
اسلام میں بغیر انصاف کے کسی فرد کو قید نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) اسلامی سیاست میں ہر فرد کو ذمہ داریاں تفہیم و اعتراف کا پورا پورا حق حاصل ہوتا ہے کہ نہ انہی پر نیاں
کی آزادی پر ہر فرد کا مساوی بنیادی حق ہے جس کو منہ کر کے کسی مخصوص طبقہ کو عمومی احتساب و ذلت دینے یا ہر فرد کے نظریاتی حق کی نفی
بلکہ قومی طاقت کو کملی و عمت دینا ہے۔ حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ما من نور محمد بالمعاصی و فیہم من یقتدی
ان ینکر علیہم ظلم یفعلون لا فی فککین یمہم
اللہ بعد الذاب من صلا ۲

۱۴) اسلامی سیاست کا ہر شعبہ بنیاد کی ضروریات زندگی کی ضمانت کا حقدار ہے۔ کوئی شخص حالت اور گردش کا شکار نہ رہے تاکہ اس کی کفالت کی دہشت
پہنہ داری ہوگی۔ نیکو کام عملی ملحد علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

السلطان دینی من لا دینی لہ
من تروک کذا لینا

حکومت ہر اس شخص کی ذمہ دار ہے جس کا کوئی ذمہ دار نہ ہو
جس نے دینے والے نے ذمہ داریوں کا کوئی بدلہ نہ دیا وہ ہمارے ذمہ ہے

چنانچہ خلافت کا شہدہ میں مذکور اہل اطفال و یمروہ کے وظائف کا تعین اس کی مثال ہے۔

حق شہرت کا مستحق بھی ایک دستور کی موضوع ہے اسلام اس حق کے لئے شخص و ملکی (Social - State) یا نسلی بنیاد (Jahiliyyah - Tribal) کو تسلیم نہیں کرتا چونکہ وہ ایک ہمہ گیر نظریہ باقی نظام کا دھار ہے اس لئے حق شہرت کی بنیاد وہ نظریہ کو تسلیم کر دیتا ہے ملک، نسل یا خاندان کو نہیں
تفصیل کے لئے سورہ انفال - ۷۲ کا مطالعہ کیا جائے۔

سرماء مملکت کے طریقہ کار تعین ناموس کی شرائط پر مستند ایک بنیادی مسئلہ ہے اسلامی نقطہ نگاہ کو سمجھنے کے لئے یہ تصدیق ناگزیر ہے
کہ اسلام میں اجتماعی نظام کی نوعیت اور حقیقت کیا ہے۔ انسانی تعمرات نے حکومت کی آج تک معنی اور جیسی صورتیں جنم دی ہیں ان سب کے اندھ
یہ تسلسلہ موجود ہے کہ وہ کسی نہ کسی سطح پر سراسر اختلافات مکرانی کسی طبقہ، کسی نسل یا خاندان اور دیگر ملک محدود کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں
انسانی معاشرہ کی عظیم کثرت ایک نفیس طبقہ کی ہندگی پر مجبور ہوتی ہے۔ اسلام بنی نوع انسانیت میں تقویٰ یا طبقاتی تقسیم کو تسلیم نہیں
کرتا بلکہ پوری بنی نوع انسانیت کو روئے زمین پر ہندگی کی بنیاد کا حقدار قرار دیتا ہے۔ انی جاہل فی الارض خلیفہ۔

ہر وہ شخص جہاں ذمہ داری سے متقدم اور سرکشی اختیار نہیں کرتا، خدا اور اس کی وحی و رسول پر ایمان لا کر اور اس کے نازل کردہ قوانین
لے اتھارے عطا شدہ نیکی کی زندگی اختیار کر کے اپنے نائب بننے کا اقرار ہی عہد (AFFIRMATION) کر لیتا ہے وہ خدا کی عطا کردہ خلافت
یا مادی شریک کا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کی وحید خلافت میں کما طیب واحد یا فردی نہیں بلکہ تمی طلب جمع و انفرادی ہے۔

وہد اللہ الذین امنوا مشکوٰۃ و عملوا الصلحت
یستخلفنہ فی الامم من کما استخلف الذین
من قبلہم

وہد کیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں
تم میں سے اور اچھے عمل کئے ہیں کہ خلیفہ بنائے گا ان کو
زمین پر جس کا خلیفہ بنایا ان لوگوں کو جہاں سے پہلے تھے۔

نامنزل میں خلافت پر چونکہ ایک مشترک حق ہے پوری امت کا اس لئے امت ہی اس بات کی حقدار بھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ اپنے ایمان پر خلافت
نظم و نسق کے لئے سربراہ منتخب کرے اگر کوئی شخص بغیر انتخاب و مشورت امت کے شخص فرد واحد کی ذاتی پسند و ایثار پر سربراہ بنا دیا
تو یقیناً خلافت کے اس مشترک حق کی نفی ہر جائے گی جس کے تحت خلافت پر فرد و صورت فرد واحد کا نہیں بلکہ پوری امت کا حق ثابت ہوتی ہے۔
اب اگر تسلیم اور ثابت شدہ بات ہے کہ خلافت امت کا مجموعی حق ہے، فرد واحد کی ملکیت نہیں تو پھر محمد واحد مہدی صاحب کی یہ خلق کم
ہمما کا ہم سے ہوا تو یہ کہ ایک طرف تو خود بھی خلافت کو امت کا مشترک حق تسلیم کریں اور دوسری طرف سربراہ خلافت کو اپنے جانشین کی نامزدگی
تو بغیر امت کی رضا مندی کے سپرد فرما کر خلافت کو فرد واحد تک محدود فرما دیں۔ یہ عجیب چیز ہے کہ خلافت کے نظم و نسق کی ذمہ داری
شخص کو بطور امانت تو لیں کی جائے مگر وہ شخص امت کی اس امانت کو بھی ذاتی ملکیت کی طرح جس کو چاہے منفق کر دے۔ جن لوگوں کو اسلامی

خلفت کی اوجیت کو نہیں سمجھا ہے وہ اسلامی نظام کے متعلق اس قسم کے سہل تصورات لکھتے ہیں تو کوئی تعجب نہ سمجھنا چاہئے۔
حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کا تصور حکومت شہنائی ہے، اس شہنائیت کے تحت سہولہ مملکت قطعی طور پر تمام معاملات و مہمات میں مشہد کا پابند ہے۔ خود قرآن حکیم نے یہ حکم دیا ہے۔

و شا و مرہم فی الامور فاذا عن مت فتن کل علی اللہ
اور معاملات میں مشہد کو پھر جو یہ تم عزم کرلو تو اللہ کے
بھروسہ پر عمل کر۔
آل عمران

ممکن ہے یہ خیال پیدا ہو کہ مشورہ ایک رسمی بات ہوگی۔ اگر صرف مشہد ایک کھادے کا تماشا ہوتا تو کبھی قرآن حکیم اس کو تاکید یا انداز میں بیان ہی کرتا دوسرے یہ کہ وہ شوری کو اسلامی نظام کی نمایاں خاصیت (CHARACTERIST) قرار دیتا۔

و امرہم شورائی بینہم
اس لئے شوری کے متعلق یہ غلط فہمی نہ رہنی چاہئے کہ یہ ایک رسمی مجلس ہے جس کی ترشح کے بعد سربراہ مملکت کو اقدام کے لئے شخص ذاتی رائے پر اصرار کر لینا چاہئے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شوری کی حقیقت اور مسلسل کی تشریح فرمادی ہے چنانچہ جب بعض صحابہ کرام نے حضور سے آیت شاورہم میں فاذا عن مت فتن کل علی اللہ کی تفسیر چاہی تو حضور اکرم نے استاذ فرمایا کہ

مشا و علی اہل الرئی شہد آبا عہدہ
اور تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۲۰

سربراہ خلافت کی رائے کوئی شک نہیں وقت رکھتی ہے، مگر رائے عامہ پر اسے مقدم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے تفسیر کے معاملہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شوری سے خطاب فرمایا اس میں صاف صاف فرمایا کہ
مآئی فیما لہ یوح الی صاحب کھ
بن امیہ میں وہی نازل نہیں ہوئی ہے اس میں میرا رائے تم لوگوں کی ایک رائے کے برابر ہے۔
در مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۶ کتاب المناقب ج ۱ ص ۱۷۸

اسی بنیاد پر ہمیشہ اسلامی مفکرین نے تمام امور و معاملات میں شوری کے تقدم کو تسلیم کیا ہے۔ ابوبکر البصاعی نے شوری کے متعلق کہا کہ
وفی ذلک العزیمۃ عقب المشاورۃ ولا لہا
قرآن میں عزم کا ذکر جو شوری کے بعد ہے اس بات کی دلیل ہے کہ عزم یا فیصلہ وہی معتبر ہوگا جو شوری کے فیصلہ کا نتیجہ ہو
صدا رتھن المشورۃ (احکام القرآن ج ۲ ص ۱۵)

جسٹ ججری کے معروف اسلامی قانون دان ابن عثیمہ کی رائے ملاحظہ ہو۔
ان الشوری ہی من قواعد الشریعۃ و من اہم الامام
و بحر المحیط ج ۲ ص ۱۹

آخر میں ججری کے عظیم مفکر علامہ ابن تیمیہ کی رائے کہ شوری فیصلہ کن اور جامع ہے۔

”اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہم معاملات میں شوری کے لئے نام نہ تھے اور معاملات حکومت میں شوری کے فیصلوں پر عمل فرماتے تھے تو دنیا میں کبھی وہ شخص پیدا نہیں ہو سکتا جو شوری کی پابندی سے آزاد ہو۔“ (السیاست الشرعیہ ص ۷۰)

شوری کی اس مہم اہمیت کے بعد کیا محمود احمد صاحب عہد کی نامزدگی کے نام نہ تھے کہ وہ دست تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ کیا خاتم بدین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نفس اپنی فانی رائے اور مرضی پر اپنا جانشین نامزد کر کے قرآن اور سنت کی صلوات کو نظر انداز کر دیا ہوگا؟

سربراہ کہن کا سوال معاملات اجتماعیہ میں ایک اہم مسئلہ ہوتا ہے اور جب کہ قرآن اور سنت تمام معاملات میں شوری کی پابندی کی تاکید

کہ یہ ہوں تو یہ کہہ کر یاد کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام نے اس سے جہنیاؤ کی برائی ہوئی۔

پھر تو یہ ہے کہ واقعات کے اختصار اور غلط تاویلات سے اسلامی نظام زندگی کے تصور کو مخفی نہیں کیا جاسکتا ہے نیز نہ ایک صاحب ایمان کے لئے ہر صورت قرآن وحدیث کی تعلیم رہنمائے اصول (DIRECTIVE PRINCIPLES) کا درجہ رکھتی ہے۔

یا ایہا الذین امنوا استجبوا للعلیٰ ولسرولی اذا دھاکم فی امراکم ولعلکم تتقون ۱۱۱ ایک کبریا اللہ احد رسول کو جب وہ تمہیں بلانے کے لئے آئے تو اس کے لئے کھڑے ہو کر اس کی طرف سے تمہیں زندگی بکشتی ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے بعد مسلمانوں کے سامنے سربراہ کا مسئلہ آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کوئی جانشین نامزد نہیں فرمایا تھا حالانکہ اگر نامزد کیا جاتا تو وہ انتخاب استہدائے حق کی طرف سے ہی ہو جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دفعات نہ فرماتے مگر ایسا نہ ہونا اس بات کی حکم و تلقین دیتا ہے کہ حضور جو تک خلافت کو امت کا حق تھا تو صرف اہل بیت کے لئے ہے سربراہ خلافت کے تعیین میں امت کے عمومی احساس کو رد نہیں کیا دیکھنا ہی پسند فرمایا۔

یہ بات بالکل محسوس اور غلط ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب محض چند افراد کی پسند کا نتیجہ تھا۔ ابو بکر کی زندگی کا ہر لمحہ اہل بیت کی خدمات کا عزم تمام لوگوں کو اسی طرح تھا اسی بنا پر امت میں جو تقریریں اہل بیت کے لئے ہوئی تھیں وہ بھی کوئی نئی بات نہ تھی خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایشاء بھی معروف تھا کہ

فذلک من اهل البیت من ابوبکر وعمر
روئے زمین پر ابو بکر و عمر میرے ذریعہ ہیں۔

رواسع الغابہ ج ۲ ص ۲۱۳

عوامی تاثرات بھی یہ تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے ہی بعد تھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول عوامی تاثرات کے اُن کے حق میں ہو نہ کی جڑی دیتا ہے۔

کنتا نحمدک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
خیر هذا الامة شہدا ابوبکر وعمر۔

رواسع الغابہ ج ۳ ص ۲۱۴

دوسری جگہ آتا ہے کہ

کنتا نقول فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
من یكون اولی الناس بهذا الامر فقولوا ابوبکر

ہم مہم دعا کرتے ہیں یہ بحث کرتے تھے کہ آپ کے بعد ریاست کی

فہم وادی کے لئے کون مناسب ہوگا تو ہم سب کی زبان پر ہوتا

تھا کہ ابو بکر۔

اس تقریریت احمد جہان عام کے اس جھکاؤ کے بعد کون یہ کہہ سکتا ہے کہ ابو بکر کا انتخاب صرف چند اشخاص کی پسند کا نتیجہ تھا اس میں امت کی رائے و عمل کو کوئی دخل نہ تھا۔ درحقیقت ابو بکر کا انتخاب پسند لوگوں کی رائے عامہ کی کا نتیجہ تھا اس رائے کے حصول کے ذریعہ احمد و سائل میں اختلاف تو ہو سکتا ہے یعنی یہ لوگوں کے رائے عامہ و سائل سے عام رجحانات کو محسوس کیا جاتے مگر جو شخص اس معاملہ میں مراد امت کی رائے کی برتری کو نظر انداز کر کے شخصی رائے کے تحت م کام چلائے گا ہے وہ قرآن اور سنت کی تعلیم و ترویجی حقائق سے یقیناً لاعلم ہے۔

بحث کے اس مرحلہ پر مزید توضیحات سے پہلے چند سوالوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

۱) خلافت امت کا حق ہے یا کسی فرد کا؟

۱۲) اگر خلافت امت کا مجموعی حق ہے تو خلافت میں سربراہ کی حیثیت کیا ہوگی ؟

۱۳) اگر خلافت میں سربراہ کی حیثیت محض نظم و نسق و امور خلافت کے نگران اور محافظ کی ہے تو اگر اس کو کس بنیاد پر یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ امت کے مجموعی حق خلافت کو صرف اپنی ذاتی مرضی پر جس کو چاہے منتقل کر دے ؟

۱۴) اگر سربراہ کے لئے حق خلافت کے انتقال کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر لا محالہ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ خلافت امت کا مجموعی حق نہیں ہے بلکہ نہ تو امت کا ہر اہل اختیار انتقال حق سربراہ کو یہ ایک متضاد عمل ہوگا ؟

۱۵) خلافت میں اگر سربراہ کو جانشین کے لئے نامزدگی کا حق حاصل ہے تو وہ کون سے کسٹوری تحفظات (Western and Islamic Safeguards) میں جن کے بغیر خلافت کو صرف ایک پختہ خالیوں میں محسوس کرنے سے روکا جاسکتا ہے ؟

(۶) نظری INORETICAL: حاکم تو یہ دعویٰ ہو کہ خلافت نہ کسی فرد کی ملکیت ہے نہ کسی خاندان کی مگر نامزدگی کی بنیاد پر خاندانی حلقہ کی گنجائش پیدا کر دینا کیا نظری اور عملی اعتبار سے ایک متضاد بات نہ ہوگی ؟

(۷) دین کے خالق کا تسلیم شدہ کلیہ ہے کہ ہر نماز گزار تقسیم ہوتا ہے وہی نماز گزار (Dismissing Authority) بھی ہوتا ہے کہ اگر نصب اور عزل کے بعد اجماعی اصولوں اور تعزیرات میں ایک انتہائی عمل کے پائے ہوئے کسی کا خطبہ ہوتا ہے تب اگر اسلام میں پیشہ سربراہ بعد کے سربراہ کے تعین کا ہر ذمہ تو پھر لاشعوراً ہی بنیاد عزل بھی ہوگا امت کو عزل کا کوئی اختیار نہ ہوگا کیونکہ عزل تو آپ کی امر و نہی میں جس کا آپ نے فروع کیا ہو ؟ (۸) اس معینہ اصول کے تحت فرض کیجئے - الف - اپنا جانشین ماب - کو تقسیم کرتا ہے اور ب - مرید غیر سنی امتدادات کا انتخاب کرتا ہے تو اس صورت میں امت کے لئے کیا چارہ کار رہ جاتا ہے کیا تب - کو مجدد عہد تسلیم کرنے سے انکار نہیں ہوگا کیونکہ بنیاد پر امت اس کے عزل کی بنیاد ہوگی !

ان ساری باتوں کو پیش نظر رکھ کر خدا تعالیٰ کا حکم جاری رکھنا چاہیے کہ نامزدگی کے نامزد ہونے پر ایک عینی نظر ڈالنے اور بتائے اس تمام باتوں کا کیا جواب ہوگا۔ چنانچہ نزدیک نامزدگی کا لازمہ شاہد ہوتی سلطان ہوتی کے اس نظریہ سے بالکل مماثلت رکھتا ہے جس پر شاہد شاہ کھانہ کے حامی اہل علم سے بالادعویٰ سمجھ کر اس کو عام انتخاب سے محروم کیا جاتا تھا اور یہاں پر عام کو اس کی حدود کی زندگی کے لئے مستعد رکھنے کا طرز کا نظریہ کی حد تک بازگشت کو ہم آہم پھرے جان استعمال کے ساتھ دوبارہ سن رہے ہیں مگر امت مسلمہ کا یہ اندیشہ کہ اس شخص اس نامزد کو قبول بھی طرز سمجھ چکا ہے کہ فتنہ ملت بیٹھا ہے امامت اس کی جو مسلمانوں کو سلاطین کا پرستار کرے

جناب چمنچ بھی خوب دلچسپ ہے کہ اگر شیعہ صاحبان خلافت کو خاندان علوی کا حق تسلیم کر لیں تو خاندان علوی تک محدود کر کے تو ہم ان کو یہ جواب دیں کہ خلافت کسی خاندان یا نسل کا محدود حق نہیں ہے مگر جب ہم خود نامزدگی کے اصول کو تسلیم کر کے خلافت کو خاندانی حصار و قیدیت کا پابند کر دیں تو پھر ہمارے جواب کا رد ہوتا ہی کیا رہ جاتا ہے شیعہ صاحبان کے یہاں بھی خلافت کے خاندان میں محدود ہونے کا نظریہ اور آپ کے یہاں بھی یہ نظریہ رد ہو چکا ہے کہ گنجائش دہی خلافت کو امت کا مجموعی حق تسلیم کرنے سے گریزاں رہا آپ بھی ان ہی کے اس حصار میں نفس قدم کے مقلد۔ ان ہی تمام خدشات کے منظر پر وہیں امت مسلمہ کی کثرت امتداد کے کو تقسیم سربراہ خلافت کے معاد میں مقدم سمجھا گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

فمن بايع عن طير مشوم مائة المسلمين فسادا
لا مبيعة له (سيرت ابن ہشام)
اور سنن زہد کے اخیر میں کہ سربراہ مملکت بنانا

خود ہمارے دور کے اسلامی مفکرین نے تقسیم سربراہ کے لئے امت کے حق انتخاب کو ہی لازم تصور کیا ہے۔ ڈاکٹر علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ خلافت کا اصول مضروریہ ہے کہ حکومت کی گنتیں راجع ملت اسلامیہ ہے کوئی فرد واحد نہیں مانتا انتخاب کنندگان اس سیاسی حکمت کو ایک

معتبرہ مختصر شخصیت ہیں حدیث کی رو سے جس کو وہ امانت کا اہل تصور کرتے ہیں۔ بلکہ حکومت کا اجتماعی نمبر اس ایک فرد یا شخصیت منفرہ کے وجود میں عمل پیرا ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں خود حقیقتاً صحیح معنوں میں تمام قوم کا نمائندہ ہو سکتا ہے۔

(مسلمانوں کے سیاسی افکار۔ پروفیسر رشید)

مولانا ابوالکلام آزاد اور مرحوم کی بھی یہ رائے ہے۔

مختلف مملکتوں کے علاوہ خلافت کا عام معنی میں انتخاب۔ آزادی و حریت کے ساتھ ان کے احکام و اعمال کا انعقاد۔ اس پر ہم میں خلفاء کا اہل الہیہ اور اہل باب محل و حق سے استشارہ بیت الدل کی شخصی صورت اور اس کے خزانہ کا گرمیہ ہونا اس امر کا حکم بنتا ہے کہ اسلام میں حکومت جمہور ملک کی طاقت کا نام ہے۔ ان تمام تحریکات میں تم کو دیکھتے ہو کہ انتخاب خلیفہ کے لئے انتخاب عام و مشورہ ابن جن و عقد کے ساتھ خلیفہ سابق کے تعین کو بھی ایک صحیح شکل قرار دیا ہے۔ حاصل اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتخاب کی مثال پیش نظر ہے لیکن غور کیجئے تو حضرت عمر کے لئے حضرت ابو بکر نے تحریک کی لیکن اس پر تم عمل و عقد اور پھر عامہ مسلمین نے پسندیدگی کا اظہار کیا اس لئے وہ بھی تعین شخصی نہیں بلکہ بمنزلہ انتخاب تھا اس بنا پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام نے سوائے انتخاب عام کے اور کوئی صورت تعین خلفاء کی قرار نہیں دی۔ (مخالفات اہل اسلام ص ۱۹)

علامہ ڈاکٹر مسیح سلیم پاشا کا نقطہ نظر قابل فہم ہے۔

”یہ بیان کرنے میں کسی تعین یا دلیل کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ حکومت کے عام ارکان گروہ کی ایک شرط ہے یہ کہ اس کی حضانہ شخص واحد کی طرف ہو تو دوسری اتنی ہی ضروری شرط یہ ہے کہ صاحب حکومت کو قوم منتخب کرے یہ قوم کا قطعی طور پر مسخر ہے۔“

اسلامی حکومت کی عملی تشکیل ص ۱۵

شہید احمدی بقول علامہ ڈاکٹر اسد گوچی نظر لندا نہیں کیا جاسکتا۔

”جس کے عامہ کا اصول یہ ہے کہ حکومت قوم کے آزاد انتخاب کی بنا پر وجود میں آئے نیز وہ آزادانہ انتخاب کی پوری نمائندہ ہو قرآن مجید میں تم میں سے دمشق کا یہ ایک ایسا پہلو ہے۔ اس کا تعلق پوری قوم سے ہے کسی خاص طبقہ یا گروہ سے نہیں؟ (اسلامی مملکت کے بنیادی اصول ص ۶۷)

مردود ہوا صاحب نے امت کے حق انتخاب کے ابطال کے لئے بعض واقعات سے بھی استدلال کیا ہے۔ نجاشی کے بقول اسلام کے واقعہ کو وہ ابطال انتخاب کی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ اس کہتے ہیں اگر اسلام میں مشوریت امت کی رائے کی اہمیت ہوتی تو نجاشی کو قبول اسلام کے بعد سرسرای سے محروم کر دیا جاتا تو ایسا نہ ہوتا عجمی صاحب کے نزدیک امت کے حق انتخاب کی نفی کی دلیل ہے۔ اس شخصیت طلب بحث سے پہلے یہ فیصلہ ناگزیر ہے۔

۱۔ کیا محمد رسالت میں مسلمانوں کی دو جدا جدا خلافتوں کا وجود تھا یعنی سرزمین عرب کی خلافت اور سرزمین حبشہ کی خلافت؟

۲۔ اگر دو مملکت دو جدا جدا نہیں بلکہ ایک ہی خلافت تصور ہوں گی تو خلافت واحدہ کے لئے دوسرا وہ کیسے ممکن ہوں گے؟

۳۔ وہ کیا بنی گی زندگی میں کسی قرأت کے لئے خلافت کی سرسرای کا جواز ہے؟

پہلا حل اگر مردود ہو جائے صاحب تذکرہ بلا رسالت کی وضاحت کر رہی تو خیر ان کے استدلال کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی کہ وہ کس قدر نہیں اور دوسری یہ ہے کہ قبل اسلام احمدیہ یا کرم علی اللہ علیہ وسلم کی مہیت کے بعد نجاشی کی پولیشن ایک تار سربراہ مملکت کی حیثیت میں باقی نہیں رہتی ہے بلکہ خلافت اسلامیہ کے ایک حلقہ کے حاکم یا والی (HEAD OF THE REGION) کی ہر جاتی ہے جو مرکز کے تابع عمل ہوتا ہے اس

لیا نظر ہو کہ رسالت میں مختلف علاقوں میں متعدد حاکموں یا والیوں کا وجود ثابت ہے۔ اصل موضوع بحث یہ نہیں ہے کہ خلافت کے کسی علاقائی حاکم کا اقتدار انتخاب سے ہو بلکہ موضوع بحث گروہ ہے کہ خلافت کے سربراہ کا انتخاب امت مسلمہ کا حق ہے۔ ان معنوں میں نجاشی کے واقعہ سے

استدلال سرسرایک بے وزن دلیل ہے۔

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ ہم کو تاریخ سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وید ہیش کے بادشاہ نے انجینی نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ملک کی عبادت گاہوں سے افراد نے بھی اسلام قبول کیا تھا کسی تاریخ شہادت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی اس لئے ایک ایسے ملک میں جہاں صرف بادشاہ مملکت پر حکومت کرتے تھے اس لئے مسلمان ہوں انوقت خلافت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا نہ کہ خلیفہ کا سوال کیا کہ نہ اسلام کا سبب اس نظام اس معاشرہ خطہ ارض پر سے عمل آسکتا ہے جہاں اسلام کے ماننے والے غالب یا موثر تعداد میں ہوں جہاں یہ صورت نہ ہو وہاں مسلمانوں کی رائے کا سوال ہی بلکہ بات ہے کہ یہ کیا انتخاب خلیفہ کے لئے مسلمانوں کی رائے اور مشائخ و شيوخہ الغرض ان تمام باتوں کو نظر انداز کر کے انجینی کے واقعہ سے استدلال مشکلہ غیر بات ہے۔

باقی رہ گیا یہ سوال کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صرف اپنی ذاتی ایما پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا یہ ایک غلط فہمی ہے اس لئے کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس نقطہ نظر کے قائل ہوتے تو اس ضمن میں دیگر اصحاب سے مشورہ کی ضرورت ہی کیا تھی مگر آپ نے اس اہتمام فرمایا کہ علالت کے باوجود حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عثمان بن عفان، حضرت اسید بن حضیر، حضرت سعید بن زید اور غیر محض کی نمائندگی کرنے والے سب سے پہلے اصحاب سے مشورہ کیا جس کی تفصیل ابن اثیر (جلد دوم) میں دیکھی جاسکتی ہے اور جس کا عزائم خود محمود احمد عباسی صاحب نے بھی کیا ہے کہ

”البتہ ایک آدھ صفحہ پہلے بعض اکابر سے حضرت فاطمہ کے متعلق ضرور رائے لی تھی مگر اس طرح کہ انہیں انتخاب میں کوئی دخل ہو ان کو ولی مہربانے کا آپ پہلے ہی فیصلہ کر چکے تھے“ (تفسیر محمدی ص ۳۷)

غرض کہ مشائخ و شيوخہ احمد عباسی صاحب بھی نہ کر سکے لیکن بات یہ ہے کہ اگر عباسی صاحب کے نزدیک یہ مشائخ و شيوخہ ایک ہی شخص تھے تو کیا یہی زاویہ نگاہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی ہو سکتا تھا ہرگز نہیں کیونکہ اولاً۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مشائخ و شيوخہ کے قرآنی حکم اور اس ضمن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توضیحات اور طرز عمل سے لاعلم نہ تھے۔ دوم۔ اگر مشائخ و شيوخہ اصولی نقطہ نگاہ سے سمجھتے اور محض ایک ہی شخص کا ہر رائے بیت ہوتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ مرض الموت کی مشیختہ علیہ السلام بھی ان تکلفات پر کام بند ہوتے۔

سوم۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرمان یا وصیت کا ان تمام باتوں کے بعد لکھا جانا یعنی تکمیل مشائخ و شيوخہ کی اہمیت اور بصورت کی تحسیر کا مرقوم ہونا خدا اس بات کی محکم دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خدا امت مسلمہ کی مشائخ و شيوخہ کو سربراہ خلافت کی تعیین کے لئے اس تصور فرماتے تھے۔

کیا ہم کو محمود احمد عباسی صاحب یہ بتا سکتے ہیں کہ اگر بالفرض امت مسلمہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وصیت کو نظر انداز کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چاہے کسی اور صاحب کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لیتی تو آخر قرآن الہدایت کی وہ کون سی دلیل یا احکام میں جس کی بنیاد ہدایت کے اس نفل اور خلافت کو کاہل یا غیر موثر قرار دیا جاتا ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ ہونے کے لئے مسلمانوں کی ایسی بیعت کو معتبر قرار دیتے جو امت مسلمہ کی باہمی مشائخ و شيوخہ کے فیصلہ کے تحت معرض عمل میں آئے۔

من ہایح رجلاً من غیر مشائخ و شيوخہ من المسلمین
جس شخص نے مسلمانوں کے مشیختہ کے بغیر کسی کی بیعت کر لی تو اس سے وہ شخص خلیفہ نہیں بن گیا۔

در تہذیب جلد دوم ص ۱۰۰ باب رحیم الخلیفی

خلاصہ یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت دلائل قاطعہ سے ثابت ہے امت مسلمہ کی رائے اور صفائے مذہب کا جس چیز کو

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی کہا جاتا ہے وہ فی الحقیقت ایک تحریک تھی جس کو تاریخی حیثیت (Legal effect) اس وقت حاصل ہوتی جب امت مسلمہ نے بیعت کے ذریعہ اس کی تصدیق کر دی وہ ان اہمیت ہندلیہ بیعت اس کو قبول نہ کر سکتی تو قرآن اور سنت سے اس کے تاریخی نفاذ کا کوئی جواز فراہم نہیں کیا جاسکتا ہے۔

حکمت دین کے محترم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی اس تحسینی تحریک سے پہلے اسی لئے مٹا دلت کی تکمیل کر لی تھی کیونکہ آپ ایک اہم معاملہ میں مٹا دلت کی اسی حیثیت کو گس طرح نظر انداز کر سکتے تھے جبکہ موصوف رضی اللہ عنہ قرآن اور سنت کے صریح احکام کے علاوہ خود براہ میں ہمیشہ مٹا دلت ہی کے اصول پر عمل پیرا رہتے تھے جس کی ایک واضح نظیر وہ واقعہ ہے جس میں موصوف نے بحرین کے مقام ہناحہ کے مرتدین کی معافی کا مسئلہ مٹا دلت کے بعد طے کیا تھا۔ راجعہ پر بھیجی جانے والی جلد دوم مسئلہ ۱۲۰ باب ثلث بیعتہ (۱) اگر بیعت لیا جائے تو انہیں زکوٰۃ اور جیش آسامہ کا معاملہ زیر بحث لایا جائے تو بھی اس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذاتی رائے کے تقدیم کی بنا مستلزم نہیں بنایا جاسکتا ہے کیونکہ اسلامی نظام کا یہ اٹن بنیادی اصول ہے کہ خدا اور رسول کے حکم کے خلاف انفرادی یا اجتماعی کسی طبقہ پر بھی کوئی قانون سازی یا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ زکوٰۃ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا کھلا ہوا حکم قرآن میں موجود ہے زکوٰۃ کا انکار صریح نص قرآنی کا انکار ہوتا ہے اس لئے خلافت اسلامیہ کا اولین فرض یہ تھا کہ وہ اس فتنہ کا سد باب کرے لہذا جیش آسامہ کے معاملہ میں حضرت آسامہ رضی اللہ عنہ کا نقشہ خود ہی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چکے تھے اور خلافت اسلامیہ کا ہر حال یہ فرض تھا کہ وہ حضور کے اس فیصلہ کو اپنی تکمیل تک پہنچائے اس طرح ان دونوں مسئلوں میں قرآن اور سنت کے حکم کی واضح موجودگی کے بعد ذاتی رائے کا سال ہی نہیں آتا۔ ذاتی رائے کے تقدیم کا سال قرآن وقت ہوتا جب قرآن اور سنت میں کوئی حکم صریح موجود نہ ہوتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کو بھی اگر نامزدگی کے لئے دین بنایا جائے تو یہ بات نظر انداز نہیں کی جاسکتی، اگر با فرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سربراہ خلافت کو نامزدگی یا جانشینی کے تین کا اختیار ہے اس لیے اختیار ہم صورت میں نافذ نہیں ہوتا ہے تو سوال یہ ہے کہ ایک خالی عہدہ (SINGLE VACANCY) کے لئے خلیفہ کو صرف ایک ہی فرد نامزد کیا جائے یہ کیسا متنازعہ ہے کہ خلافت کا عہدہ تو ایک ہے مگر اس کے واسطے نامزدگی ہے چھ افراد کی، اگر یہ کہا جائے کہ معاملہ چھ افراد کے باہمی فیصلہ پر چھوڑ دیا گیا تھا تو انفرادی کیوں کیا گیا جبکہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے جانشین کے تین کا قطعی انتخاب خود ہی (FIRM RIGHT) رکھتے تھے۔ کیا خاتم بدین موصوف خود موزن شخصیت کے انتخاب کی صلاحیت کے حامل نہ تھے؟ حالانکہ تمام اصحاب کے حالات ان کی خدمات اور لائسنز کا آپ کو صحیح علم بھی تھا پھر کیا بات مانع تھی کہ آپ اپنا ذاتی فیصلہ ایک کے حق میں صادر فرما کر ذمہ داری سے عہدہ پر آجیتے۔ بلاوجہ ایک ساتھ طریقہ کار (SIMPLE PROCEDURE) کو چھوڑ کر ایک پیچیدہ راستہ اختیار کیا گیا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام میں خلافت کی نوعیت کا حکم تھا آپ جانتے تھے کہ خلافت اصل معنوں میں امت مسلمہ کا مجموعی حق ہے اس لئے تشکیلی مسائل میں اس کو برابری طے سے مساوی شریک کار ہونا چاہئے۔ اسی باعث اسلامی نقطہ نگاہ سے کسی کی سربراہی خلافت اس وقت تاریخی طور پر معتبر اور جائز ہوتی ہے جبکہ وہ بیعت عامہ کے ذریعہ اپنے تکمیل مرحلہ کو پہنچ جائے گویا خلافت کا معاملہ اس طرح دو حصوں سے گزرتا ہے۔

(۱) سربراہ خلافت کے لئے موزن و مناسب شخصیت کی تجویز (SUGGESTION) یہ تجویز امت مسلمہ کا ہر فرد پیش کر سکتا ہے جو نہ کہ پیشہ و خلیفہ بھی امت ہی کا ایک فرد ہوتا ہے اس لئے اس کو بھی تجویز پیش کرنے کا حق ہوتا ہے۔

(۲) پیش کردہ تجویز پر سامانیت کی رضا مندی جس کی شکل بیعت بھی ہے اور جس کے نتیجہ میں کسی کی خلافت پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے۔

بیعت عامہ کے بغیر کسی فرد کی خلافت کی سربراہی کی تاریخی تکمیل نہیں ہونا قرآن بات کا حکم ثابت ہے کہ اسلام میں انتخاب سربراہ خلافت کا قطعی

حق امت مسلمہ ہی کو ہر کسی فرد و گروہ کو نہیں۔ اگر مازوگی یا جانشینی عہدہ خلافت کی قانونی تشکیل کی اساس ہوتی اوجیت بعض ایک بے صابطہ یا اضافی کا دعویٰ، تو ہم کو خلافتِ راشدہ کی تاریخ میں اس بے ضرورت اور اضافی عمل کا وجود نہ ملتا مگر یہ دیکھتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے سرسبز ہوا کی بیعت عامہ ہوتی ہے اور اس بیعت سے پہلے کسی بھی خطیفہ نے دنیا میں امت کی زمرہ دلیلی کا آغاز نہیں کیا۔

سادہ گوشت کے بعد جو عہدہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ

۱۔ قرآن نے صاف صاف تمام معاملات میں شاہد ہم فی الامر کا حکم دیا ہے جس کی پابندی ہی طرح لازم ہے جیسے سرسبز زلفی کا ایک ہی قرآنی حکم کی پابندی کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے بعد صلی اللہ علیہ وسلم نے علامہ ان امیر کے جس میں وہی کے ذریعہ کوئی حمایت ملی ہو دیکھ کر تمام معاملات میں مشاہدت کو صرف تقیم بخشتی کہ امتی لاہر میں اس کا نمونہ استقامت کیا جس کی ایک مثال آپ کا یہ استاد ہے۔

لو کنت صورا احمد اور یحییٰ مشوق لا صوت ابن ام
اگر میں کسی شخص کو بغیر مشورہ امیر بنا تا تو ابن ام عہد کر بناتا۔

عہدہ - (تذکرہ) کتاب الفتن

۲۔ خلافتِ راشدہ میں بیعت کے وقت سے قبل کسی خطیفہ کا برپا کرنا یا جانشینی عہدہ خلافت اشرفی نظم (ARISTOCRACY) عہدہ (OLIGARCHY) یا گلیت پسندی (TOTALITARIANISM) کی طرح کوئی محدود تقسیم نہیں رکھتا ہے بلکہ وہ صحیح معنوں میں افروادیت کے حامی و حقیر، اور دلیلی کے عمومی اساسات و جذبات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

یہ انسان ہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے ہر طریقہ وہ اسلام کے کوثر سیاسی اور نظام خلافت کے لئے قرآن و سنت سے ثابت شدہ بنیادی اصولوں کا منظر ہو مگر یہاں صورت حال اس کے خلاف ہو رہی ہے تو اصول کا کیا سہل ہر شخص کی ذاتی نقطہ نظر اور فکر اسلام کا معیار بن جاتی ہے جس کے نتیجہ میں بیعت اصولوں سے ہٹ کر عدم توازن اور فساد کا شکار ہو جاتی ہے اس کے بعد ضرورتاً ہم جناب علی کی صاحب کی نگارشات میں دیکھ سکتے ہیں ہر مثال ایک حافز ہے۔
جناب بھٹو صاحب کی صاحب کے قلم از میں کہ

من تارقی الجماعۃ شبرا وقد خلع رقبۃ الاسلام من
جن شخص نے میری حاجت سے ایک ہانت بھی عید کی گئی اسلام

عنقۃ الان یرا صبح
کا جاپانی گردن سے آتا ہے بنا اس کے کہ وہ اپنے وقت سے

بانتا جائے۔

یہ وجہ خلافتِ اسلامیہ کے خلاف خود کے بارے میں ہے بلکہ کھڑے ہونے والی پشت پر دانتے عامہ نہ ہو۔ (تذکرہ محمودی ص ۱۱)

سندھ بالا حجرات سے ہاں ہاں ہوتی ہے کہ جناب بھٹو صاحب کی صاحب کے نزدیک وہ خود جو خطہ انتہا قابل اعتراض ہے جس میں صاحب خود کہیں تھم دانتے عامہ نہ ہو بلکہ صاحب خود کہیں تھم دانتے عامہ کی تائید حاصل ہو تو خود جو صحیح اور متن ہوگا۔

کیا اسلام کا مجموعہ جو کے متعلق یہ موقف ہو سکتا ہے؟

اسلام ایک اصول پسندین ہے وہ اصول جس چیز کو اپنی تصور کرتا ہے وہ اس کے نزدیک ہر حال میں بالی ہوتی ہے خواہ اس کا ادنا بپ کوئی فرد از خود کہے یا رائے عامہ کی تائید سے کہے مثلاً چودھری اسلام میں ایک ناپسندیدہ اور تہذیبی حرکت ہے اگر اس خطہ حرکت کا ادنا بپ کوئی شخص رائے عامہ کی تائید سے بھی کرے تو اصول اسلام جس بات کو غلط کہتا ہے وہ خطہ ہی شمار ہوگی جس رائے عامہ کی تائید اصول غلط کو پسندیدہ اور لائق تسلیم نہیں بنا سکتی جیسا کہ خود روح اسلام میں ایک ناپسندیدہ شخص ہے تو اس کو ہر حال میں بالی تصور کیا جائے گا اور جس چیز کو اصول پسندین تسلیم کیا جا چکا ہے وہ رائے عامہ کی تائید سے اچھی کی میں نہ بد کہتی ہے جس میں ہم فقط نظر کا اسلام کوئی حوالہ نہیں دانتے ایسے بعضی اور غلط تصور کو اسلام جیسے اصول پسندین سے سرنگ کے لئے جوئے کسی بلا اصول و بنی ساخت اور اسلام کی اصول پسندین کو سرنگ کرنے کی نامور سعی پر عمل کرنا چاہئے۔

محفوظ اللہ بھٹو اور وی

مسلم بادشاہ اور امراء اور

رفاہ عام

رفاہ عام کے کاموں سے دل چسپی اسلامی تمدن کی ایک نمایاں خصوصیت ہے اور دنیا کی تقریباً تمام اسلامی حکومتوں کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے حکمرانوں، مسلمان امراء اور مسلمان ہر زمانہ میں رفاہ عام کے کاموں میں بڑی فراخ دہلی کے ساتھ حصہ لیا۔ تمام اسلامی ممالک بے شمار مساجد، مدارس، کتب خانے، خانقاہیں، شفا خانے، کارسلاں، سرائیں، حمام، تاقاب، کنوئیں، حوض، بستریں، بند، پل، نہریں، انت وغیرہ بناتے جاتے تھے، ہٹے بڑے اوقاف مقرر تھے جن کے ذریعہ رفاہ عام کے کام انجام پاتے تھے۔

شہر مسلم سیاح ابن حوقل مسافروں اور سرائوں کے سلسلے میں لکھتا ہے کہ کوئی شہر یا کوئی گراہ جس میں لوگوں کی آسودہ نیست ہو، یا کوئی رگڑوں ایسا نہیں جس میں بڑی بڑی سرائیں بنی ہوئی نہ ہوں، اتنی بڑی کہ اترنے والوں کے بعد بھی جگہ اس میں باقی رہ جاتی۔ اور انہر کے حالات کے بعد یہ سیاح لکھتا ہے۔

”میں اس علاقے میں دس ہزار سے زیادہ باطنی (سرائیں) ہیں، بہت سی سرائیں قبائلی ہیں جن میں اس کا بھی انتظام ہے کہ مسافروں کو انسان کے جانوروں کو کھانا اور چارہ سرائے کی طرف سے دیا جاتا تھا۔ میں نے ایسا بہت کم دیکھا کہ کہیں سائر خانہ ہو یا مشرک کا مؤذن یا ناکہ ہو، یا کوئی مسلمان، یا کسی دیوار کے کنارے (سایہ لینے کے لئے) لوگ جمع ہونے ہوں، وہ برف کی سیل سے خالی ہو۔“

دشمن کا حال بیان کرتے ہوئے مغربی سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ۔

دشمن کے اوقاف اور مصارف کا شمار ان کی کثرت کی وجہ سے شکل ہے بعض اوقاف ان لوگوں کے لئے ہیں جو حج کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، ان اوقاف کے ذریعہ حج کرنے کے لئے مصارف دئے جاتے ہیں، بعض اوقاف ان غریب مساکین کے لئے ہیں جو غنسی کی وجہ سے اپنی نوکریوں کی شادی نہیں کر سکتے، ان اوقاف کے مصارف سے ان کے نکاح کا بند و بست، انسانان، حیز وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے، بعض اوقاف قیادہ کے نادکرنے کے لئے ہیں بعض مسافروں کے لئے ہیں جن سے انہیں کھانا، کپڑا، اور سدا سدا دیا جاتا ہے، بعض اوقاف شریکوں اور پرائوں کی دوستی کے لئے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے نیک کاموں کے لئے اور بھی بہت سے اوقاف ہیں۔۔۔۔۔

ایک دفعہ میں نے تھا کہ کسی غلام سے چینی کے برتن اگر لوٹ جائیں تو فوراً غلام کی طرف سے اس برتن کا مسافر برتن

ہی کی شکل میں دکھائی دیا جاتا۔

اس وقت میں کافی ذخیرہ چینی کے برتنوں کا اس کام کے لئے رہتا۔

ایک کب اسلام لکھتے ہیں کہ دشمن میں علاوہ ہرنے کے پانی کے بعض سبیلوں میں غروب کا پانی بھی پلایا جاتا تھا (غروب ایک قسم کے عرق نکالا جاتا تھا)

ساحل ہندس پر ایک خاص قسم کی لذیذ پھلیاں خاص موسم میں نمایاں ہوتی تھیں، یہ پھلیاں اتنی قیمتی ہواؤں کی غریبوں کو نصیب ہوتی تھیں کسی ہر شخص اس لئے جانتا وقت کر دی تھی کہ اس کی آدھی سے یہ پھلیاں غریب کو بھیا کی جائیں۔ ایک وقت اس مقصد سے کیا گیا تھا کہ میاں بی بی اگر بخش ہو جائے ادبیوں کو دو گھنٹہ کریاں کے گھر سے چلی جائے تو جب تک میاں بی بی میں نہ ہو، میری مصارف اس وقت سے ادا کئے جائیں۔ ایسی عورتوں کے لئے ایک مکان بھی مراکش میں بنا ہوا تھا جس کا نام "دارالاقہ" یہ وقت غالباً اپنی نوعیت کا سب سے دلچسپ وقت تھا۔

مراکش میں ایک بڑا وقت باگ اور دیوانوں کی خبر گیری کے لئے تھا، نیز ہر سال موسم سرما میں غریبوں میں کپڑے بھی تقسیم کئے جاتے ایک فرانسسیسی سیاح نے مراکش کے متعلق لکھا ہے کہ "وہاں ایک اسلامی وقف ہے جس کے مصارف سے آٹا بڑا مکان بنایا گیا ہے جس میں اندھوں کو پناہ ملی ہوئی تھی، ان کے کھانے پینے، لباس اور تمام ضرورتوں کا کفیل وقف تھا۔ اس کے علاوہ کڑھویں، مخدروں اور بیسائے اسلامی اوقات کی فہرست بہت طویل ہے (ماخوذ از ہزار سال پہلے)

ابن بطوطہ قاہرہ کے سلسلے میں لکھا ہے کہ یہاں "خالقا میں کثرت سے ہیں اور امراء علی العہد خالقا میں بنوانے کے بڑے شوقین ہیں خالفا و فقراری کی ایک جماعت کے لئے مخصوص ہے ان خالقا ہوں میں جو جس قسم کا کھانا چاہتا ہے اس کے لئے دلیا بھی تیار ہوتا ہے... کھانے جاڑے اور گرمی دونوں موسموں کے کپڑوں کے مصارف ہر روز ویش کو خالقا سے ملے ہیں اور ویش کو جب خرچ کے لئے بھی دس دہم سے تیس دہم، ہواڑا کسٹے ہیں۔ ہر شبہ کی شب کو ٹکڑے میٹھا، صابون، دھوئی کی دھلائی، جام کرنے کی اجوت، روٹی کسٹے ہیں۔ وغیرہ کے مصارف بھی اوقات سے ملتے ہیں۔

خلیفہ ہمدانی نے مکہ معظمہ کے راستے دست کرے، فاطمہ کے لئے جا بجا سرائیں بنوائیں جو سرائیں شکستہ تھیں ان کو دست کیا، ہر ہر کمز میں گھدا کے فاسلوں کے جانوروں کے لئے حوض بنوائے، بغداد سے مکہ جڑا ستر گیا ہے اس کے کنارے خلیفہ ہمدانی نے حجاج اور دیگر مسافر کے لئے آرام کے لئے سفر خانے اور حوض و نالاب بنوائے۔

خلیفہ ہمدانی اور الرشید کی بری زبیدہ خاتون کے نژاد نے کاہرہ ہمیشہ رہا وہ عام میں صرف ہوتا تھا۔ زبیدہ کا سب سے بڑا تاریخی اور فخر کا نام نہر زبیدہ کی تعمیر ہے جس کے لئے پورا عالم اسلام اس کام میں مستعد ہے، اس بلند ہمت اداکارینت دولت خاتون نے حجاج کی راحت کے لئے عرب کی سنگلاخ زمین میں دو ہزار کھدوائی تھیں، ایک نہر طائف کی سر زمین سے شروع ہو کر مکہ میں ختم ہوتی تھی جس میں عین کے چشمہ کا آنا تھا، طاقت اور کم کے صہبان جگہ جگہ پھاڑوں پر حوض بنوائے گئے تھے، اور ان حوضوں سے اس شہر تک نالیاں بنی تھیں جن کے ذریعہ بارش کا پانی صحیح حوضوں میں جمع ہوتا وہ نہریں آتا تھا۔ دوسری نہر رادی نعمان سے موات، مزلفہ اور مٹی ہوتی ہوئی نہر زبیدہ پر ختم تھی جہاں سے مکہ منور سے نالیاں پھیل جاتا تھا۔ اس نہر کے ذریعہ رادی نعمان کے چشمہ کا شیریں پانی ٹکڑے بالافلاحت میں پہنچایا گیا تھا جو بزرگان مقامات میں میٹھا پانی یا سانی اور کافی مقدار میں دستیاب ہو سکے زبیدہ نے ستر لاکھ دینار صرف کئے تھے، وادیان میں سیلاب

کثیر کے سلطان زین العابدین نے آخر تاقتہ اس شاعر دیوی کے جاتریوں کے آرام کے لئے مکانات بنوائے تھے۔
غیب آباد کے پٹھانوں کی ۱۸۵۰ء میں ہر دو ادب پر حکومت تھی۔ نواب نے ہندو جاتریوں کی آسائش کی غرض سے بڑے بڑے مکان بنوائے تھے جو آج تک موجود ہیں اور ہندوؤں کے قبضے میں ہیں (ہندوستان کا مستقبل)۔
آصف الدولہ دکنگو نے پانچ لاکھ روپے سے بخت اشرف میں ایک ہر جاری کرائی جس کا نام "نہر آصفی" رکھا یہ نہر تیس میل لمبی ہے۔
شاہانِ بنگال اور اہلکار نے تعلیمی ضروریات کے لئے بڑی بڑی جائدادیں وقف کی تھیں لیکن اسلامی سلطنت کے خاتمہ کے بعد انگریزوں نے تمام اثاثات ضبط کر لئے اور بقول سر ولیم ہنٹر اگر اس جائداد کو ٹھیک طریقہ استعمال کیا جاتا تو بنگال میں مسلمانوں کے پاس آج بھی نہایت اعلیٰ افسانہ تعلیمی ادارے موجود رہتے۔

مسلمانوں نے اپنے دورِ عروج و اتہاشِ تفاہ عام کے کاموں میں جو نہاں حصہ لیا۔ اگر یہ تفصیلات ایک جگہ جمع کئے جائیں تو مستقل ایک کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کا عام کے کاموں میں حصہ لینا دینی فرض سمجھتے تھے۔

وَمَا تَبُولِي لَاهُورَ كَاسَانَا "انتا چھپرے جنور کے ہم میں منظرِ عام پر آ رہا ہے"

(چند لکھنے)

ام پرست	_____	محمد عبد الحی
زکیہ عبید	_____	ابن فرید
خدیجہ لوبہ عثمانی	_____	ماتل خیر آبادی
عاصی دکنی	_____	نیر باز
عفت مرادانی	_____	حمید بیگم
عائشہ مصطفیٰ بیگم	_____	ام لیسر
ثریا اسماء	_____	سلکی یاسین نجی

دعویٰ کا

دیہہ زیب ٹائٹل - خدمات ۲۰۰ صفحات - قیمت دو روپے — سالانہ خریدار بننے والوں کو سالانہ قیمت میں ہی دیا جائے گا۔

اعزازی خریدار حضرات سے اتنا سہ ہے کہ وہ پرم پرنٹریہ جیٹری منگوانے کے لئے جلد اند جلد ۵۰ پیسے کے ٹکٹ بھجوائیں وہ نہ راستہ میں منافع ہونے کی صورت میں پرم دوبارہ نہیں بھیجا جائے گا۔

دفتر ماہنامہ بتول، اے ڈیبلدار پارک - اچھرہ، لاہور

ماہر القادری

قول فیصل — ایک شاہکار نظم

سید علی اختر اختر آرزو و دنیاں کے مشہور ادیب ہیں، ذکر شاعر ہیں، اُن کی شاعری میں تخیل کی بلندی کے ساتھ، پاکیزگی، ندرت بھی پائی جاتی ہے، جاس زمانہ میں کیا بھرتی چلی جا رہی ہے، جن شعراء نے گروار کی تعمیر اور اخلاق و حکمت کی تبلیغ کا عظیم کارخانہ انجام دیا جاتا ہے، سید علی اختر انہی شعراء کی صف میں آتے ہیں، سنائی، عطار، رومی، سعدی، حالی، اکبر الہ آبادی نے جس سکر سے ماحول کو منور کیا، درجس سوز سے دیوں کو گویا کیا ہے۔ سید علی اختر کے کلام میں اسی سندوف کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

علی اختر کی زندگی کا زیادہ تر حصہ جد آباد کن میں گزرا، اس لئے اُن کے نام کے ساتھ جد آبادی لکھا جاتا ہے! مگر اُن کا اصل وطن علی گڑھ تھا، اسی ماحول اور فوج میں اُن کی نشوونما ہوئی، جب وہ جد آباد پہنچے تو نوجوان تھے، وہاں اُن کی ملازمت کا آغاز عسکر الہادی کی انسپکٹری سپہرا، اس محکمہ میں دستِ خفیہ درجہ ۱ اور مالی فتوحات کے قدم قدم پر برتھے حاصل تھے، وہ چاہتے تو درشت کی کمانی سے چاندی کے چوڑے چنر لیتے مگر اُن کی ترقی و ترقی اس عمار کو گمانہ کر سکی!

علی اختر مرحوم سرکاری ملازمت سے بے بسکدش ہو گئے، تو وہ محکمہ تعمیرات میں مددگار تھے، ڈپٹی سیکریٹری، خواہ ایک ہزار سے کچھ زیادہ ہی تگی ندائی حیدر آباد کے بعد اپنے گھروالوں کو لے کر کراچی چلے آئے، اور اسی سبب اُن کا پیر نہ گئے (رحمہ اللہ تعالیٰ)۔

علی اختر کے والد سید کاظم علی باغ اور اُن کے چچا غائب نثار یار جنگ بہادر مزاج (پشتر گلشن) و دونوں بھائی جہاں استاد و آغا دہلوی سے شرفِ تلمذ رکھتے تھے، علی اختر شرفِ ادب کے ماحول میں پروران پڑھے، اُن کے گھر نہ نظر حیدر آبادی مرحوم اسعدیامین حامی فہرست کے ملک تھے، یوں کہنا چاہئے کہ شاعری اس خاندان کی جاگیر تھی۔

علی اختر نے غزلیں بھی کہی ہیں، وہ عشاق ہیں اُن کی غزلوں کا یہ سنگ تھا،

دوبلی ہوتی پانا ہوں بعض دلِ دریا نہ

ہلکی سی پھر اک جنبش اے جسوۂ جانانہ

غالب عظم چاہ بہا کے دسارے کئی سال تک اُن کا تعلق سا اسی سیکڑوں غزلیں اُن کو کہہ کر دیں!

— — —

فطری طور پر اُن کی طبیعت کو صفت نظم سے مماثلت تھی!

اُن کی بعض نظمیں "سوفسطائیت" کا آئینہ دار ہیں۔۔۔ یہ کہ دنیا سراب ہے بلکہ خواب ہے، زندگی ایک پسلی ہے جھ کوئی بوجھ نہیں سکا، انسان واقعات و حادثات کے طوفان میں "جہاں" سے بھی نیا وہ مکر رہے، زندگی تاریک بھوت کی مانند ہے اور قدم قدم پر نا کامیوں و تخیروں اور مصیبتوں

پہلے میرے ان سوالوں کا مجھے دیجے جواب
تو دلو جواب دینا ہے۔

نہت چہرہ ہوں یہ بیدار کا عالم ہے کہ خواب

کہو کیا ہوں میں پرہے اُٹھانے کے لئے
تم ابھی تک ہر اسیرِ غفلت وہم و تباس
شوشین کے اندھے جام پی رہا ہے۔

یہ روانی کی قسمیں راجہیں دکھانے کیلئے
جامِ توبہ کو لوگ مرکز پہ آج نہیں گواس

شادمانی کی مدش کچھ اور حقِ غم لہر تھا
انداس کے بعد۔

جامِ ہزوں سے نگاہت کو عالم اور تھا

زندگی کی سست خبروں میں ہوا نے لگا
یہ ہوا عرس اُس کو جیسے سدا کی کائنات
سبزِ سخن پر شکر نے ناز فراتے ہوئے
زندگی نا آشنا ہے مدِ بحرِ تہ ہر گئی
عشق کی خواہیدہ موجوں میں مدانی آگئی
شعورِ لادارہ (رشدیاد) سے التجا کرتا ہے۔

مسکرائے چہرہ امیرِ بہمنی چھانے دگا
یہ نہیں یہ چھٹے یہ ہنگامہ مرگ و میات
"تقلید کا رقصِ عرفان ہوا گاتے ہوئے
تھی ابھی دنیہ لہائی یا حقیقت ہو گئی
چرہ لپٹ کر اپنی مرکز پہ جوانی آگئی

رو گئی ہے سنسنیل تکمیل شاید چند کام
اپنے سینا نے کا صدقہ ان اہلی اور نیک جام

تو دلہاس کے جواب میں شعور سے ہمدردانہ انداز میں غزلی کے اجیر میں کہتا ہے۔

ہنس کے دو ہوا امیب دل کا چمن گل جانے گا
گوں ہوں میں ہانپتے ہر تم مری ہستی کا راز
میں ہی ہوں ہوسکھاتا ہے نہیں جھینے کے ڈھب
میں وہی ہوں جس نے نینداں کو دمِ قہر و عتاب
میری جلیق پھر دیتی ہے رُخِ لیل و فہار
میر کا دنیا رقص و سنگ و شاہد و جام و شراب
تو سمجھتا ہے حریفِ جلوت ایساں ہوں میں
شیدہ دانے جرم ہے آگاہ کرتا ہوں تجھے
کس نے تڑپے ہیں یہ تیری سطحِ بینی کے عذاب
کس نے چھری تھی حدیثِ جلوتِ سرو و سمن

پہلے میری بات نہ جواب م بھی مل جانے گا
ہے اکی نا آگئی پر حقیقتِ انسانی کو ناز
صبح سے جس نے طو کی عرصہ بستی کی شب
آج تک دنیا نہیں بھولی دیا تھا وہ جواب
میری اک کدھ میں دیرالوں پہ آتی ہے بہار
میری دنیا کیفِ حسن و عشرت و رنگِ لباب
برقِ غم میں ہوں کچھ ناگہنی گہری شیطاں ہوں میں
تو سمجھتا ہے کہ میں گمراہ کرتا ہوں تجھے
کس کی منت کش ہے رنگِ لہو کی ساری آہِ تاب
کس نے کھولے تھے تری خلوت پہ اسرارِ چمن

کھٹے دھندلے ہیں تری منزل و سی کے خدو خال

خس کے پچھلے میں کہیں ملتا ہے چہرہ لوں کا جمال

بلبلِ بستی میں بجز وہم و گمناں کچھ بھی نہیں
لیک سنا ہے فاضل اور یہاں کچھ بھی نہیں

ابن آدم ہے اس پر مشتمل امید و بیم
خود عمل ہے ہر عمل کے ذوق محکم کا مصلہ
نظر تہذا اس بند گاہ میں ہے اسیر
برتری کے کچھ اور حد سے متعصب کچھ غریب
ہاں آنکھوں نے کتری نوح اٹھائی کی حبیب

خدا کر غیب نے اس دنیا کو آخر کیا دیا
کون سا غیب ہے اس کا دام باطل کے شکار
تو کہ نہیں ہے دکھائے دھندلے و جنت کے غلاب
زندگی انام کے ان سلسلوں میں کھو گئی
اہل غیب جس تعصب پر ہیبت کرتے ہیں ناز
تازگی پھروں کو، سروں کو دعا کی اُس نے دی
اک طرف تو یہ صفات اللہ دوسری جانب یہ حال
دل پہ ولی قسم اطاعت اس طرح ہوتا ہے وہ

واہ رے! غیب زہے! آئین حق افسوسے خدا
یہ خدائی ہے بھی بھول ادا بھی دم بھر میں آگ
جب یہ ایک توڑتا ہے دم کوئی کر میں جلاں
جب بھرے گھر کا کسی کے بچنے لگتا ہے چراغ
نوٹی ہے جب کسی بڑھی امانت جہاں کی اُس
پھر تپے جب نہاں ہونٹوں پہ کوئی تشہد کام
جب کسی پر آگ برساتا ہے، حاکم کا عتاب
خاک پر عجب لٹتے ہیں گہرا شکستہ یتیم
نوٹی ہے موت جب کل کی بیباکی کا سراغ
چمکتا ہے یاد میں شہرہ کی جب بروہ کا دل
تیری ہستی خود ہے اس شہر حقائق کی دلیل

زندگی کی پس پسلی کو کوئی پرچھے تو کیا
پھر اپنی ناچتے ماتوں میں چھاس دنیا کی باگ
کیوں نہیں کرتا مدد پر مدد گاہاں و جاں
بیٹھ جاتا ہے کہاں چھپ کر خطائے بارخ و بارغ
سوجھتا رہتا ہے کیا رحمن کا لطف بے قیاس
ملک کوثر پلٹا کیوں نہیں کوثر کے جام
رحمتیں اس وقت ہوجاتی ہیں کیرن معروف غلاب
زیر لب کیا مسکلاتا ہے خداوند رحیم
کیوں نہیں اس دم بھرتی سینہ نہاں میں آگ
کیوں نہیں آغلاٹ جاتی بساط آب و گل
کون عہد نامہ راوی میں ہوا تیرا کھیل

شیطان کی ان باتوں نے شاعر کو بہت اذیت جواب کر دیا شیطان کا اٹار خطاب اس قدر چوڑا اور عریض کن تھا کہ ہر دین شاعر کے ذہن و فکر
میں اترتی چلی گئی شیطان نے انسانہ کہنے کے بعد کہ شاعر اُس کے دام غریب میں آگیا، اُسے شرب کا ایک اد جام دیا۔ شیطان نے پھر اپنی گفتگو
کے ٹوٹے ہوئے سلسلہ کو جوڑ دیا، اُس نے کہا۔

سہ تیری کشتی دہم کے دھاروں میں تھی اب تک رواں

اور

غص ہے اس خاک کی دوست میں غلابی بہار اور تھکے ہیں جس کو ہے خدائے روزگار

اب سے لاکھوں سال پہلے یہ جہاں کچھ بھی نہ تھا
آگ تھی تیز آگ اس عالم میں سرگرم حیات
ترخ اور جلتے ہوئے پردوں میں تھی یہ کائنات
رندہ رندہ پھر عرصہ میں ہوا کچھ اعتدال
تھم گیا پھر سے ہوئے طوفان آتش کا جسد
مختلف دلدلوں سے گزری ہے یہ خاک پریشاں
زندگی کے سر قدم لینے پڑے ہیں امتحان
ماتے کے بطن سے رو کر چھٹی ہے کائنات
آپ نکھری ہے کھلی ہے اور جی ہے کائنات

خاک بادو آب و آتش کی ہے یہ ساری نثر

ہیں اسی کی ارتقائی صورتیں میں اور تو

وجود باری کے انکار اور نفی ذات خدا کے سلسلہ میں ماورہ موت انجیسم کی ویلیں پیش کرتے ہیں، جوش تیج آبادی نے بھی اپنی نظم حرفِ نور

پر انہی ویلیوں کو دہرایا ہے۔ وہ۔ حیات و توانائی کو خدا کا دھجہ دیتے ہیں۔

اس کے بعد شیطان نے شاعر کو تعقل و تفکر کا فریب دیا، اس نے کہا۔

عقل کی ضربیں قدم آگے بڑھانا ہے تجھے مضحکہ اسرار و عرفان کا اڑانا ہے تجھے

اس کشتی کے بعد

قائم و دیا کے پردے، نرم قالینوں کا فرش
میرے ہدم، منزل بہن وسعات ہے یہیں
ہام پر بیٹھے گا تو جیسے خدا بالائے عرش
تیری دزدخ ہے یہیں ادھیری ہمت ہے یہیں
سرت کی حدیں پہنچ کر زندگی کیا پاسے گی
خاک کی چٹکی کسی دن خاک میں مل جائے گی

دل ہوا روشن کہ اب بھی غمتیں مستور ہیں

بول کیا یہ زندگی کی راحتیں منظور ہیں

بی چکا تھا باد و شیطاں ادیب نوجوان
آستانِ مری بہ خود ستھنا کی جھک گئی
اس میں اب اظہارِ آواز کی جہالت تھی کہاں
مدح کی آواز آئی، اور بول پڑا کہ گئی

مدح یہ کار و حشت آڑ ما چلتا رہا
نغمہ دہسما کی رنگیں ہانپاں کھیلی گئیں
یوں ہی سپید دہر کا چلتا رہا چلتا رہا
خصتری کے نول سے پیہم مریاں کھیل گئیں
غصتیں بڑھ کر بوس کے ساز پر گانے لگیں
کچ روئی کو زندگی کا مدعا سمجھا گیا
عیب کو حسنِ اند گالی کو دعا سمجھا گیا

اس ادیب و شاعر کو جو شیطان کے فریب میں آکر خدا کا منکر ہو گیا تھا اندھن کی زندگی سن و صحبت میں بسر ہو رہی تھی !

اس کو اپنے عہد کا روح القدس سمجھا گیا
 اخباروں اندھا دلوں میں اس کی انقباضی شاعری اندھنوں کی دھوم مچ گئی، اس کی ہر نظم کا خیر مقدم دوست تائنس سے کیا گیا: وہ لوگ
 جو نہ ہرے عمارت کے تھے، نہ ہوں نے اس شاعر کی ایک بات کو: اندھن کہا!

مگر... شاعرِ نفرت کی چمچ اندھن کی دنگ کو آؤ کب تک دھائے بہتا — یہاں تک کہ
 عقل تھرائی ہے جس جاہد مقام آج ایک
 مات گندی صبح کا آخِر پیام آہی گیا
 جس جگہ فرعون کے دل سے یہ آئی ہے صدا
 کارِ دوراں کچھ نہیں سچا ہے: موسیٰ کا خدا
 عیش و عشرت اور فسق و صحیبت کے جس ماوں میں شاعرِ زندگی گزار رہا تھا، اُس نے شاعر کی صحت کو تباہ کر دیا۔
 زندگی کیا زندگی کا جیسے دھوکا رہ گیا
 کچھ دنوں میں ہڈیوں کا صرٹ ڈھانچا رہ گیا
 زندگی کی توانائی نے جواب دے دیا، جن دوستوں سے غمخیزی کی اُمید تھی وہ رفتہ رفتہ گارہ کہنے لگے، یہاں تک کہ...
 سہ دوست ہی بچھڑے نہ تھے، شیطان بھی کم آنے لگا
 بیمار و ناتواں شاعر نے اپنے اس شفقِ ناجح سے شکایت کی۔

جاننا ہے تو کہ سب کچھ تیج و باتیرے لئے

یہ جہاں کیا میں نے چھوڑا ہے خدا تیرے لئے

لیکن اک دن بڑھ گیا جب حد سے اصرارِ دیب
 کہہ دیا شیطان نے آخر بیٹھ کر اُس کے قریب
 بھوت ہے تو حریفِ نوعِ انہ بھی تو ہوں
 میں بھی کچھ ہوں مگر نادان شیطان بھی تو ہوں
 پھر شیطان کی بھی میں نہ جانے کس طرح نیکی آئی کہ وہ اس طرح گیا ہوا۔
 عقلِ رحمت ہے مگر عرفِ ان منزلِ پا گئی
 جانتا ہوں دام میں کس طرح آئے گا شکار
 سن کہ اب اس سارِ بیدار سی جاتا ہوں تجھے
 میں نے کچھ کو یہ سکھایا تھا، یہاں کچھ بھی نہیں
 میں ہی کچھ سے اب یہ کہتا ہوں کہ تیری کائنات
 غمخیزِ نفرت نے چھڑی ہے نوائے سرمدی
 دل کی بیداری ہے جس میں روح کی تابندگی
 پھر شیطان کہتا ہے کہ زندگی کا یہ چین اور گنگناں کائنات کسی غیبی طاقت کا بنایا اور لگایا ہوا ہے، یہ آپ ہی آپ پیدا نہیں ہوگی، گلشنِ دہر کی
 نشرو نما خان کائنات کے قانونِ قدرت کے تحت برپا ہے۔

دھوپ سے ہوتی ہے کس حد تک شگوفوں کی نمو
 از پئے نشرو نما کتنی لطافت چاہئے
 یا دوباراں سے کہاں تک ہے فردِ رخ رنگ و بو
 کتنی پودوں کو کتنی، کتنی حرارت چاہئے
 جو ترے گلزار کی شادابیوں کا ہر کنیل
 ایک دستِ دیکھ، ایک آئینِ جمیل

اد

سہ ان جہاں میں نظر آتا ہے کوئی اد بھی

یہ وہی نقطہ ہے ناماں جس سے کھلتا ہے یہ مار
 اودے ادا نقت کا یہی ہے کوئی کار ساز
 ادا ہے عمار کوئی نقص بند جہاں پاک
 جس کی مٹی میں ہے یہ سدا طمس آب و خاک
 فکر ان حدیں رہتی ہے اگر پر خود شناس
 کشتی امید بحر ساحل کے رخ بہتی نہیں
 بھول جاتی ہے وہ دسم نظام مفلک
 کچھ گرائے پڑھی دھوکے نئے کھانے لگی
 بند ناقص تجربے میں چند ادھر سے سے تیاں
 اس نظام مستقل کو عقل پاسکتی بھی ہے
 مادے کے بس میں یہ ترتیب آسکتی بھی ہے

یطان اُس شاعر کو بتاتا ہے کہ —

قوم جب کوئی رہے صدیوں غلامی میں اسیر
 عیب اس کو اپنی ہر اک شے میں آتا ہے نظر
 وہ پیاری بن کے رہ جاتی ہے اُن اصنام کی
 دوسروں کے نقص کو بھی وہ سمجھتا ہے گال
 رب زدہ تمدن نے حیوانی فضائل کو عام بداع دے دیا ہے اور انسان جانور کی طرح بے نگاہ ہو گیا ہے، جہاں ہر ایسا دکھائی دیتی ہے وہیں
 مارنے لگتا ہے زندگی میں کوئی اصول اور قانون و قاعدہ باقی نہیں رہا — آج کی نام نہا تمدن دنیا کا یہ نظریہ ہے —
 بن پڑے جب تک شراب ناب پینا چاہئے
 صرف مرنے کے لئے انسان کو جینا چاہئے
 میں نے قہر کو یہ بتایا تھا کہ تو مرنے کا زوال
 عرصہ سستی میں ہے مذہب پرستی کا مال

اور

سہ مذہب اک سازش ہے دنیا میں حقائق کے خلاف

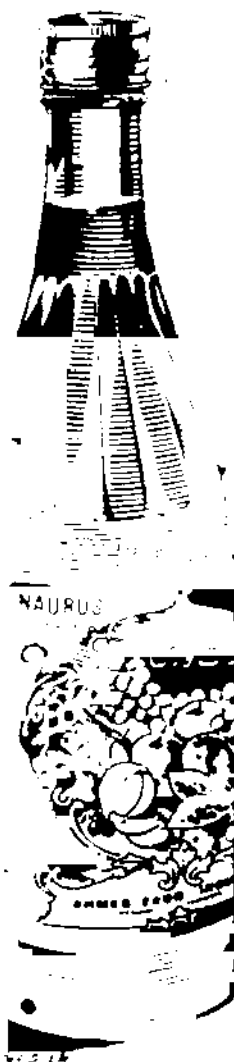
مگر

اب میں کہتا ہوں کہ تشریح و دراز حال مٹی
 مادہ مذہب کیا ہے! تہذیب حیات و روزگار
 عقل کو اتنی ترقی دی کہ عرفاں کر دیا
 اس ملکستان میں نقص کا خبر پہنچتا نہیں
 یہ تو میرا ایک دھوکا تھا، مری اک چال مٹی
 ہے اسی آئین طبیعت پر نہانے کا مدار
 تو تو عیرواں تھا، تجھے مذہب نے افساں کر دیا
 جبر و استبداد کا سکہ یہاں چلتا نہیں
 چینی مٹی ہے ہمت مردانہ نیرداں پر کھنڈ
 دلت کی کن منزلوں میں داد دی کرنا نہیں

مشروبِ وقت

نورس

خوشذائقہ - فرحت بخش



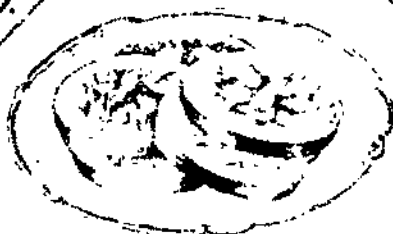
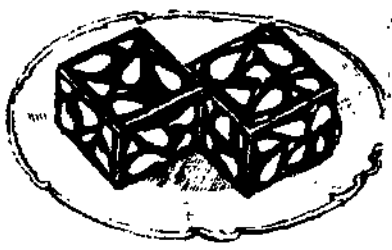
اچھی غذا کے لازمی اجزا

ہر وقت تروتازہ



احمد فوڈ اینڈ سٹریٹیلیٹڈ نورس روڈ - کراچی ۱۶

ذائقہ
اور نفاست
کا معیار
استزاج
خود کمالات اور خوش ذائقہ



خوشن ارقہ یقوی مسٹھانیاں

سرمد اور پورتنی دستیاب ہے
آرڈر پر ماک بذریعہ پستی روزانہ کیجئے

اسپیشلسٹ
احمد کراچی حلوہ مرچ کراچی حلوہ حبشی حلوہ
سوپن حلوہ

کس نے جینا قومیت کے جنگلے کا وہ جہاں
جس کے سرحدوں سے غم تھے کس نے اکسایا انہیں
پھر تھے جو نشہ دولت میں ان کو لوک کر
کس نے الٹی سلطنت کی منہ جاہ و جہاں
وہ ہی اسباب مذہب تھے جنہوں نے بے خبر
والٹی تعبیر دی اور قوت تاویب دی
آج بھی نازاں ہے جس پر اس گھستاں کی بہار

ان کی عظمت نے جہاں کو زیر و بالا کر دیا

ان کی سیرت نے نازاں میں اچھا کر دیا

حق کا پڑنا ہے اگر ہلکا سا پر تو قلب پر
جو برائی ہے برائی ہی رہے گی بے خبر
اصل مذہب ہی رہے گی، چاہے صورت ادب
نظرت عالی عطا کرتی ہے جینے کے اصول
رفتہ رفتہ پھر بدل جاتا ہے انداز خیال
ہر طرت اُڑتا ہے آئین خدا کا مفلح

میں نے تجھ کو یہ بتایا تھا خدا کچھ بھی نہیں
مادے پر منحصر ہے اہتمام روزگار
گر خدا ہوتا تو چل سکتی نہ تھی باوجود
گر خدا ہوتا تو دنیا تجھ پہ ہو جاتی نہ تنگ

تو نے ان باتوں کو سچ سمجھا! خوش حسن خیال

وہ کے قابل ہے یہ انسان کی سیرت کا نواں

بے خبر! اگر ام فطرت میں ہے تجھ کو اشتباہ
شاخ گل سے اک کلی مرچا لے گئی ہے اگر
اک خدا سی پھیر میں بسا رہا ہوتے ہیں چین
یہ ہجوم رنگ و بو یہ عشرت بیل بہار

ذوق نہیں چاہئے یا حسن پیدا چاہئے

نعمتیں اتنی تو پھر اے انسان تجھے کیا چاہئے

زندگی کی ہر مصیبت کا ہے اک شہیر کا مال
ان سے ہوتے ہیں نمایاں محنتوں کے خدخال

دل اگر ہو بہر و باب جملہ علم و لقیں
اس طرف بھی ہلکا سا اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہی خالق خیر و شر ہے تو انسان کو اس کی اپنی گمراہی کا ذمہ دار کیوں ٹھہرایا جاتا ہے۔
ہم یہ باتیں اندر و کمزوری علم و لقیں
بے خبر! پندار کے دھوکے میں دانش کے نہیں

— اور —

عقل طے کرتی ہے جتنی پختگی کی منزلیں
قلبِ انسانی میں چمک کاٹتے ہیں یہ سوال
ہم کہاں سے آئے ہیں، کیوں کرتے ہیں کائنات
چل رہا ہے کس طرح اس کارخانے کا نظام
یہ چین کیا ہے، خزاں کیسی ہے کیا ہے نور ہمار
کیوں چمکتی ہے کئی، مرجھاکے رہ جاتی ہے کیوں
عقل جو جستجو ہے، شوق سرگرم طلب
یہ تصور رقص کرتے ہیں دلوں میں بار بار

تو اگر سائنس سے پوچھے کہ کیا ہے کائنات
وہ کہے گی، ہے یہ لامحدود ذروں کا نظام
مختلف شکلوں میں یہ تبدیل ہوتے ہیں یہاں
کون سے رُخ بہ رہی ہے کشتی مرگِ معیات
گردشیں ہیں جن کی بے اندازہ وقت و مقام
ان کی تشکیں بے نہایت ان کے جلوے سیکر ان

فلسفہ ہے اس سے بڑھ کر آشتائے پیچ و تاب
ذہن انسانی کے دھوکوں کو بڑھا دیتا ہے یہ
اور بھی بے ربط و مبہم اس سے ملتا ہے جواب
عقل کے ڈانڈے تیا سوں سے لادیتا ہے یہ

علم لیکن ان حسابوں کو اٹھا سکتا نہیں

روح انسانی کی بے چینی مٹا سکتا نہیں

تو اٹھانا چاہتا ہے راز ہستی سے نقاب
فلسفہ، سائنس منہ منہ اور یہ سائے علم و فن
تو نے کیا پایا تھا ان کو بے تلاش و اکتساب
کیا قصہ پر رہا ہے علم و دانش کا مدار
مذہبوں ڈھونڈ رہی ہیں راہیں منزلِ تکمیل کی
آج بھی ہیں علم و دانش کے حقائق ناقص
بے خبر! چھٹنا نہیں یوں سردی نغزوں کا ساز
مجھ سے سن شکل نہیں ہے ان سوالوں کا جواب
جن سے ہے شاہِ تاب آب و گل کی دنیا کا چین
ہوں ہی کیا بروئے کار آئے ہیں یہ دنیا کے خواب
دب سکا ہے اس طرح ہستی کی راہوں کا غبار
آج تک لیکن وہی ہے تشنگی تحصیل کی
اس ترقی پر بھی تعمیرِ نظم آتی ہیں خام
عقل بن جاتی ہے جب عرفان تو چلتے ہیں یہ راز

زندگی کی مستحق تنظیم پر بھی غور کر ۴
شب کے سناؤں میں سر کی تابشیں ڈھلتی ہوئی
مادے اور ارتقا کی ہے یہ ساری گیر و دار
اس نظر سے استفادہ کر جو ہے آگاہِ سادہ
یہ محنتیں یہ کھل دیں یہ خود شنید و قمر
خاک کے قعر میں روح زندگی چلتی ہوئی
یا کوئی بیادِ قہر ہے یہاں سرگرم کار
یہ تو پچھلے زمانے کے طور سے چھڑتا ہے ساز
کوئی اندھا گر نہ دیکھے زندگی کی آبِ تاب

کون کر سکتا ہے انکار وجودِ آفتاب
جس سے ملتی تھی رلوں کو گرمی و فکر و نظر
اور بگڑتی چمک پہ ہے شرارے کا یلغیر
زندگی دنیا کی ہے کوئی حقیقت یا نہیں
کوئی اندھی رویہ سب دانے پہ دوسکتی نہیں
غور کر اس پر اگر تو کر سکا حل یہ سوال
زندگی کی بے چینیوں تسکین کی راہیں پائیں گی
جتنی ذہنی مشکلیں ہیں آپ حل ہو جائیں گی
س کے بعد نظم میں اس کی شرح کی گئی ہے کہ دین اسلام سرمدی اور تغیر نا آشنا ہے اور —

سہ اب بھی ان پھولوں کی خوشبو سے معطر ہے نسیم

مرد نے فعلی سے اس مغربی تمدن و تہذیب سے کوسب کچھ سمجھ لیا ہے یہ تہذیب نو شروع ہی سے سیرت و اخلاق کی حلیف رہی ہے یہاں ملوکیت
ہے سرمایہ داری اور دولت پرستی ہے! وہ تمدن جس کی کششوں کا حصہ "ایم۔ بی۔ آر۔ جی" میں خونی زہریلی ادھلاکت پر فخر کیا جاتا ہے جس میں
سیرت و اخلاق کا کوئی مقام نہ ہو جس کو غلاموں، محکوموں اور مظلوموں کی آہ و فغاں سے تسکین اور خوشی ملتی ہو جس میں روحانہ کون کا فقدان
ہو ایسی تہذیب عقلی انسان کو خود میں اور نفس انسانی کو کیش بنا دیتی ہے۔

اور اے "شاعر انقلاب" تو لبائوت کو بنائے انقلاب سمجھتا ہے! حالانکہ —

انقلاب آتا ہے عزائم حقیقت کے لئے
صنعتی تعمیر سے کھلتے نہیں ہستی کے باب
یہ جواب دینا میں سرگرمِ عمل ہے انقلاب
اصل میں ہے نوع انسانی کا ذہنی اضطراب

جب تو ہیں ہے سکونِ روح کی اب کائنات

منتشر ہیں انقلابی رویوں اجزائے حیات

نوع انسانی کو تباہی سے بچانے کے لئے
ہے یہی آئینِ محکم شرحِ اسرارِ حیات
علم و دانش کچھ نہیں حسنِ حقیقت کے بغیر
زندہ رہتی ہے حقیقت علم و حکمت کے بغیر

تو سمجھتا ہے کہسی وہ وقت بھی آجائے گا
جو نہ تھا معلوم کل تک آج وہ معلوم ہے
موجِ طرناں خود لئے جاتی ہے ساحل کی طرف
اس طرح جب یہ جہا باتِ نظر اٹھ جائیں گے
آنے والے، دانش اجداد پہ مشربائیں گے

— مگر —

یہ خط اندیشیاں ہیں بے یقینوں کے لئے
بیت کے میدان میں اس آسید پر پہ شاوہل
اپنے قبضہ میں حنائی اختیار آنے تو دے
چھیڑتی ہے طغیانی اگر ایسا فانی بھی تو کیا
دود کے ہیں ڈھول اگر یہ ہول مہانے بھی تو کیا

آج کا انسان ہے، انکا ہر خدا سے شادماں
گر ہی اس کی نظر میں ہے ذات کی کفیل
نورِ انسان جن دھندلوں میں اب کھوئی ہوئی
کیا جب عقلیں اگر عقدوں کو سلجھاتی رہیں
کل کی دنیا واقعہ واذ وروں ہو کر رہے
دانشِ مجسمہ اپنے عجز کو چھپان لے
اس طرح یہ بھی تو ہو سکتا ہے لے محروم ناز

شیطان، القاب کے داعی اور بغاوت کے مبلغ شاعر سے کہتا ہے کہ تو شروع ہی سے علمِ دفن کا صحیح تذکرہ اور لذت شناس نہیں ہے
یہ صرف نظریۂ کانیف ہے کہ تیرے کلام میں حسن پیدا ہو گیا۔ دراصل گناہ پروردہ اور معصیت آور وہ زندگی نے تجھے ذوقِ یقین سے محروم کر
اور تو شکوک و ادبام میں الجھا رہا،

ابتداء تو نہ تھا لذتِ مشائس علمِ دفن
کچھ اثر ماحول کا تھا اور کچھ شہرت کے خواب
میں نے دیکھا جھک رہا ہے تو گناہوں کی طرف
دل میں تیرے لذتِ ادبام کو چولنگا دیا
میری چالوں سے تیرے دل کی کلی کو کھس گئی

زندہ بن کر بھی سرودِ زندگی ملتا نہیں
نشت مل جاتا ہے لعلِ سرودِ ملتا نہیں

۔۔۔ اختراختہ کی یہ نظم اسے موضوعِ رٹے معرکہ کی نظم ہے، اس نظم سے شکوک و ادبام کے دھند

و رکشہ مٹی ہے، اور عقل کے جا بجا پند پر یہ نظم شری کاری بلکہ فیصلہ کن ضرب لگاتی ہے۔ انسانیت شرافت کی یہ انتہائی ہستی ہے،
دراویلس رحمت اللہ ہے یعنی پختہ کرنے لگے اداس مسک کا مٹا دلا متعلق بن جاتے، انسانیت پر اس سے بڑا ظلم اللہ کیا ہو سکتا ہے،
اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین ہی کائنات کی حقیقت الحقائق ہے، جس نے اس حقیقت کو نہ پایا، وہ گمراہ ہو گیا، اور اس کا فن
انسانیت کے لئے، ہال بن گیا۔ انسان العصر الکبر الہ آبادی کا یہ شعر حرکت و لہجیات کا ایک مکمل دفتر ہے۔

طبیعت اس تصور سے بہت بالہ اس ہوتی ہے

کہ ہے یاو خدا بھی زندگی محسوس ہوتی ہے

یہ حقیقت ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا یقین اللہ اس کی یاد اور ذکر نہیں، وہاں زندگی صحت سے بدتر ہے؛ اس زندگی سے
اللہ تعالیٰ کی پناہ !

چراغِ راہ

جنوری ۱۹۷۷ء سے اپنے دورِ انکشاف کا گزرا ہے

شمارہ جنوری کے مضامین ہم سے اندازیں

تعارف

- ملکی ثقافت اور اسلامی تمدن
- مذہب اور بنیادی انسانی حقوق
- اور حاضر کا انسانی اور اسلام

عالم اسلام

- ہمسفر قائد انفرنس - ذہنی سی کا مطالعہ

تعارف کتب

- اعلام الی ما دون بشر کی تعارف فقیر فقیر

مشاہدات و تاثرات

- مذکورات حسن البیہ شہید

ملکی اقدار

- سویت روس میں مسلمانوں کی عزت جانی
- اسلام میں تقسیم

غیر مسلم

- حضرت - اسلامی موشہم
- اسلام - ملکیت

چراغِ راہ - جلد دوم و سرفہ اسد لکھنؤ

نظم و نثر
فارسی و اردو

پیشہ چراغِ راہ کی تعریف میں لکھی ہوئی روز گزشتہ

مولانا محمد تقی عثمانی
(مدیر دارالعلوم کراچی)

انجیل برناباس

ایک مطالعہ

یہ بات تو اب علی دنیا میں ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ جو انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، وہ دنیا سے مفقود ہو چکی ہے، اس وقت جو کتابیں انجیل کے نام سے شہرہ میں، ان سے مراد حضرت عیسیٰ کی سوانح حیات ہے، جسے مختلف لوگوں نے قلمبند کیا ہے اور اس میں آپ کی تعلیمات کا ایک بڑا حصہ پایا جاتا ہے۔

تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مختلف شاگردوں اور حواریوں نے اس قسم کی انجیلیں لکھی تھیں، لہذا اپنی انجیل کے شروع میں لکھتے ہیں :-

”چونکہ بہترین نسخہ اس پر مبنی ہے کہ جو باقیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں ان کو ترتیب وار بیان کریں،

جیسا کہ انہوں نے جو شروع سے خود دیکھے والے احکام کے خادم تھے ان کو ہم تک پہنچایا“ (لوقا ۱: ۱-۲)

لیکن عیسیٰ کی حضرات نے ان بہت سی انجیلوں میں سے صرف چار انجیلوں کو معتبر مانا ہے جو علی الترتیب متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی طرف منسوب ہیں، باقی انجیلیں یا تو کم ہو چکی ہیں یا موجود ہیں، مگر انہیں عیسیٰ کی حضرات تسلیم نہیں کرتے۔

لیکن آج سے تقریباً ڈھائی سو سال پہلے ایک کتاب دریافت ہوئی جو برناباس حواری کی طرف منسوب ہے، اس کتاب کی دریافت نے دنیا بھر میں ایک طعش پیدا کر دی، اس لئے کہ اس میں نہ صرف یہ کہ بے شمار باتیں ایسی موجود تھیں جن سے عیسائیت کا پورا الیران منہدم ہو جاتا ہے بلکہ اس میں نئی اخراجات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گڑی بھی لکھا ہوا تھا۔

اس وقت سے لے کر آج تک بہت سے علمائے عیسائیت اور ماہرین تاریخ نے اس کتاب کو اپنا موضوع بحث بنایا ہے، اور تمام عیسیٰ کی علمائے دعویٰ کیا ہے کہ یہ اصلی انجیل برناباس نہیں ہے، بلکہ اس کا مصنف کوئی مسلمان ہے جس نے عیسائیت کو غلط ثابت کرنے کے لئے اُسے برناباس حواری کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

جناب سید رشید رضا مہری مرحوم کے ایک مختصر مضمون کے سوا اس سلسلے میں کسی مسلمان کی کوئی تحریر میری نظر سے نہیں گذری ہے حضرت مولانا شب التل صاحب کراچی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”اظہار الحق“ میں انجیل برناباس کا بہت مختصر ذکر کیا ہے، تاہم اس حوالہ میں ہے :-
”لہذا الحق کے اس قدر جسے کی شرح و تحقیق سے فارغ ہوا ہے اسی وہاں مجھے انجیل برناباس اور اس کے موضوع پر مختلف مضامین پڑھنے کا اتفاق ہوا، اس مطالعہ کا حاصل میں اس مختصر مقالے میں پیش کر رہا ہوں، امید ہے کہ علم دوست حضرات کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔“

میں سب سے پہلے انجیل برناباس کا مختصر تعارف اور اس کے کچھ اقتباسات پیش کر دے گا، اس کے بعد مقدمہ کے تفصیل کے ساتھ اس بات کی

تحقیق کی جائے گی کہ یہ انجیل اصل ہے یا جعلی؟ انجیل برناباس حروف انجیل اربعہ سے بہت سی چیزوں میں مختلف ہے، لیکن چھ اختلافات ایسے ہیں جنہیں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

(۱) اس انجیل میں حضرت مسیح نے اپنے "خدا" اور "خدا کا بیٹا" ہونے سے صاف انکار کیا ہے۔

(۲) اس میں حضرت مسیح نے بتایا ہے کہ وہ "سیح" یا "ستیحا" جس کی نشاندہی ہمہ قدیم کے صحیفوں میں دی گئی ہے، اس سے مراد میں نہیں ہوں، بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مصداق ہیں جو آخر زمانے میں مبعوث ہوں گے۔

(۳) برناباس کا بیان ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی نہیں دی گئی، بلکہ ان کی جگہ یسوعاہ اسکیریون کی صورت بدل دی گئی تھی، جسے یروشلیم نے حضرت عیسیٰ سبھا اور پچاسویں پرچہ چھاپا، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے آسمان پر اٹھا لیا تھا۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ حضرت اسحق نہیں بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

ذیل میں ہم انجیل برناباس کی چندہ عبادتیں پیش کرتے ہیں جنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی سرور کوئین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی نشاندہی ذکر کی گئی ہے،

انجیل برناباس میں آنحضرتؐ کا اسم گرامی

ہمارے پاس انجیل کے عربی ادوار دو ترجمے ہیں، ہم یہاں دونوں کی عبارتیں نقل کریں گے، اُردو ترجمے پر اس لئے اکتفا نہیں کیا گیا کہ وہ ایک مسلمان عالم کا کیا ہوا ہے، اس کے برعکس عربی ترجمہ ڈاکٹر ضعیل سعادت نے کیا ہے جو ایک عیسائی عالم ہیں۔

دام لست اُھلاً ان اُھلاً رباطات جو مرق اُوسیوس
 خدا و رسول اللہ الذی تسمونہ مسیحا الذی خلق
 قبلی دیکائی بعدی (فصل ۱۱ آیت ۱۱)

میں اس کے لائق بھی نہیں ہوں کہ اُس رسول اللہ کے جتنے کے بت دیا
 نصین کے تھے کھولوں جس کو تم مسیح کہتے ہو، وہ جو کہ میرے پہلے
 پیدا کیا گیا ادب میرے بعد آئے گا۔
 عربی ترجمہ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۵ء ص ۶۲ و اُردو ترجمہ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۷ء ص ۶۴

(۲) ولما رأیتمہ امتلأت عزاراً قالاً یا محمد لیکن اللہ
 معکم ولجعلنی اُھلاً ان اُھلاً سیر حد اللہ
 (فصل ۱۱ آیت ۳۰)

(۳) اُجواب اللہ مید یا معکم من عسی ان یكون ذلک
 الرجل الذی تشککم عند الذی سی فی الی العالم اُجواب
 یسوع با تبحر قلب : اُشد محمد رسول اللہ۔
 (فصل ۱۱ آیت ۸۰)

وہم الحق اُنزل کہہ مشکلی من القلب فی اُنشعرون العالم
 سید عربی لفظاً و معنی ان اُنزل کہہ لاجل ہذا حساباً، لعن اللہ
 الذی لغنی واقفۃ فی حضورہ فی رجل نایب کسواناس
 (۵۲ : ۱۰ تا ۱۱)

ہم نے دیکھا آدمی ہوں، تمام اہل نون جیسا۔

اس انجیل کی دریافت

قدیم عیسائی لائبریریوں انجیل ہونا اس کا ذکر ایک گمشدہ کتاب کی حیثیت سے کرتا ہے، لیکن مسیحی شاہ ہوشیا کے ایک سفیر کو جس کا نام کوثر تھا، ایسٹرڈم کے مقام پر کسی کتب خانے سے ایک کتاب ہاتھ لگی جو اٹالیوں نے انجیل اور اس پر لکھا جاتا تھا کہ یہ برٹانیا سولاری کی لکھی ہوئی انجیل ہے، اس وقت تک صرف اتنا معلوم ہو سکا تھا کہ گریمر نے یہ اٹالی لائبریری ایسٹرڈم کے کسی صاحب حیثیت آدمی سے حاصل کیا تھا جو اسے انتہائی قیمتی کتاب سمجھتا تھا، گریمر نے یہ نسخہ ہزارہا آؤ جین مافوی کو تحفہ کے طور پر دیدیا، اس کے بعد ایسٹرڈم میں ایسٹرڈم کے پادری تخت دانسا کے شاہی کتب خانے میں منتقل ہو گیا، اور اب تک وہیں ہے۔

اس کے بعد اٹھارویں صدی کی ابتدا ہی میں صدری کے مقام پر ڈاکٹر سلن کو انجیل برٹانیا کا ایک اٹلی نسخہ دستیاب ہوا جو سب اٹالی زبان میں تھا، یہ نسخہ مشہر مستشرق جارج پریسٹل کو ملا تھا جس سے اس نے اپنے ترجمہ قرآن میں مختلف اختلافات نقل کئے ہیں۔

جارج پریسٹل نے اس سبب انجیل کو جانچ کر دیکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حقیقت یہ مذکورہ بالا اٹالی نسخے کا سہا پڑی ترجمہ ہے جو کسی اٹالی مسلمان مصنفی نے لکھا ہے، مصطفیٰ مزیدی نے اس کے شروع میں ایک دیباچہ بھی لکھا ہے جس میں اٹالی نسخے کی دریافت کا پورا حال تحریر ہے۔

اس دیباچہ کا خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر یا سولہویں صدی کے اختتام پر ایک لاطینی راہب فرامیون کو آریوس بشپ کے کچھ خطوط دستیاب ہوئے جن میں سے ایک میں آریوس پر سخت تنقید کی گئی تھی، اس تفسیر پر لکھا تھا کہ انجیل برٹانیا میں آریوس کی حقیقت خوب واضح کی گئی ہے۔ جبکہ فرامیون نے آریوس کا یہ خط پڑھا تھا، اس وقت سے وہ اس انجیل برٹانیا کی جستجو کرتا رہا۔

کچھ عرصے کے بعد اسے اس زمانے کے پوپ اسکس چیم کا تقریب حاصل ہو گیا، اور ایک مذکورہ پوپ کے ساتھ اس کے کتب خانے میں چلا گیا، کتب خانے میں پوپ کو پوپ کو نیندا آگئی، اس عرصے میں فرامیون نے وقت گزاری کے لئے کتابیں دیکھیں شروع کیں، مگر اتفاق سے اس نے پہلی بار اس کتاب ہاتھ لائی اور وہ انجیل برٹانیا کا اٹالی نسخہ تھا، فرامیون اسے حاصل کر کے بہت خوش ہوا اور اسے اسٹین میں چھپا کر لے آیا۔

یہ پوری روایت مستشرق سیکس نے مصطفیٰ مزیدی کے والد سے ترجمہ قرآن کے مقدمے میں لکھی ہے، یہ سب پاؤں نسخہ جو سیکس کے پاس تھا اب گم ہو چکا ہے البتہ اتنا معلوم ہے کہ ایسٹرڈم میں یہ نسخہ ڈاکٹر سیوٹ کے پاس آگیا تھا، اور اس نے اپنے لیکچروں میں بتلایا ہے کہ دو جگہ مغربی اختلاف کے علاوہ اٹالی اور سہا پڑی نسخوں میں کوئی تاخیر نہ تھی۔

خلاصہ یہ کہ اب دنیا میں صرف قدیم اٹالی نسخہ موجود ہے وہی سے ڈاکٹر منکس نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کر دیا، پھر مصر کے ایک سیسی عالم ڈاکٹر خلیل سعادت نے اسے انگریزی سے عربی میں منتقل کیا، یہ عربی ترجمہ جناب سید عسکری رضا مصری مرحوم نے مسیحی میں اپنے ایک مختصر مقدمے کیساتھ شائع کر دیا، ڈاکٹر خلیل سعادت ہی نے اس انجیل کی تفصیل پر آج کل کے نمبر لکھے ہیں، انھیں نسخے میں یہ نمبر موجود نہ تھے اور انہوں نے ہی اس کے شروع میں ایک طویل دیباچہ لکھا ہے جس میں انہوں نے انجیل برٹانیا کی دریافت کا مذکورہ بالا واقعہ تحریر ہے اور اس کے بعد ڈاکٹر خلیل سعادت نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ انجیل کسی ایسے یہودی شخص کی تفسیر ہے جو پہلے نصرانی اور پھر مسلمان ہو گیا تھا۔

یہ عربی ترجمہ ہندوستان پہنچا تو مولوی محمد عظیم صاحب انصاری مدظلہ نے اس کا اردو ترجمہ کیا جو سنہ ۱۹۱۶ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ یہ تھا انجیل برٹانیا کا مختصر لغت اور اب یہ تحقیق کریں گے کہ یہ انجیل واقعہ میں اس کی تفسیر ہے یا — عیسائی علماء کے بقول — کسی مسلمان کی گھڑی ہوئی ہے، وچھان تک ہم نے تحقیق کی ہے ہم یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اس انجیل کا دوسرا مسلمان بائبل کے کسی بھی حصے سے کم نہیں ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔

سنہ ۱۹۰۳ء عیسائیوں کا سب سے بڑا اہم ہے جس کے بارے میں خطوط بائبل میں شامل ہیں۔ (نقشہ) جو حضرت یوحنا کیساتھ چلے گئے وہ عربی ترجمہ ایسٹرڈم کا گلاچکی لائبریری میں اور دو ترجمہ جس میں سے ایک یہودیہ اور دوسرا مسیحی کے کتب خانے میں دیکھ سکتے ہیں۔

برنبااس کون تھے؟ انجیل برنبااس کی حقیقت اداس کی اصلیت کی تحقیق کرنے کے لئے ہیں۔ پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ برنبااس کون ہیں؟
 واریوں میں ان کا مقام کیا تھا؟ اداس کے حقائق اور نظریات کیا تھے؟ ان کے عقائد کا پس منظر کون سا تھا؟
 اہل میں ملتا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

اور یسوع نامی ایک لادھی تھا جس کا لقب رسول نے برنبااس یعنی نصیحت کا دیا رکھا تھا اور جس کی پیدائش قبرس کی تھی،

اس کا ایک حکیت تھا جسے اس نے بجا اور قیامت لاکر رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی (اعمال ۴: ۳۶-۳۷)

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی کہ برنبااس واریوں میں بلند مقام کے حامل تھے اور اسی وجہ سے واریوں نے ان کا نام نصیحت کا دیا رکھ دیا تھا، دوسرے یہ بات معلوم ہوتی کہ انہوں نے خدا کی رضا ہوتی کی خاطر اپنی ساری ذمہ داریوں کو بخیر و خیر مقاصد کے لئے صرف کر دی تھی۔

اس کے علاوہ برنبااس کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ انہوں نے ہی تمام واریوں سے قبرس کا عقائد لیا تھا، قبرس میں کا یہودی نام سافلی ہے، ابتدا میں کٹر یہودی تھا، اور شروع میں اس نے واریوں پر سخت ظلم و ستم ڈھائے تھے، پھر چنانک و شوق پہونچ کر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ وشت کے راستے میں مجھ پر ایک اور چکا اداس میں سے مجھے خداوند یسوع کی یہ آواز آئی کہ تو مجھے کیوں مستجاب ہے؟ چنانچہ اب میں یسوع کیسج پیامبران لاچکا ہوں، واریوں میں سے کوئی یہ یقین کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ جو کچھ وہی بول رہا تھا وہی تو ان کو مستانا اور تکلیف پہونچاتا رہا ہے، آج اخصاص کے ساتھ ہمارا دوست اداس مذہب پرست ہے لیکن یہ برنبااس ہی تھے جنہوں نے تمام واریوں کے سامنے قبرس کی تصدیق کی اور انہیں بتایا کہ یہ واقعی تمہارا مذہب ہے چنانچہ تو قبرس کے بارے میں لکھتے ہیں:

”اس نے یروشلیم میں پہونچ کر وہی میں مل جانے کی کوشش کی، اور سب اس سے ڈرتے تھے، کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برنبااس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر ان سے بیان کیا کہ اس نے اس طرح راہ میں خداوند کو دیکھا اور اس نے اس سے باتیں کیں، اور اس نے وشت میں بھی دیر کی کیا تھ یسوع کے نام سے سنا دی کی“ (اعمال ۹: ۲۶-۲۷)

اس کے بعد میں کتاب اعمال ہی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قبرس اور برنبااس حرمہ ملازمت ایک دوسرے کے ہم سفر ہے اور انہوں نے ایک ساتھ تبلیغ عیاسیت کا فریضہ انجام دیا، در کچھ اعمالی بلیم وچلا والاب ۳۳ و ۱۵ میں یہی ننگ کہ دوسرے واریوں نے ان دونوں کے بارگاہ میں یہ شہادت دی کہ:

”یہ دونوں ایسے آدمی ہیں جنہوں نے اپنی جانیں ہمارے خداوند یسوع مسیح کے نام پیش کر رکھی ہیں (اعمال ۱۴: ۲۶)

اقبال کے چند عرب باب تک برنبااس اور قبرس ہر معاملے میں شہر و شکر نظر آتے ہیں، لیکن اس کے بعد اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو بطور خاص ذمہ داری کا حق ہے، اس شخص نے ایک ساتھ چھ احادیث و دعوت میں مشترک کے بعد اچانک دونوں میں اس تفکرت اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا وعدا نہیں دیتا، یہاں تک کہ دونوں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں یہ واقعہ کتاب اعمال میں کچھ اس طرح ناگہانی طور سے بیان کیا گیا ہے کہ کڑھنے والا پہلے سے اس کی توقع نہیں کر سکتا، تو قائل لکھتے ہیں۔

”مگر قبرس اور برنبااس انہی کی ہی میں رہے اور بہت سے اور لوگوں کے ساتھ خداوند کا کلام سکھاتے اور اس

کی سنادی کہتے ہیں، چند روز بعد پوس نے برنباس سے کہا کہ جن جن شہروں میں مجھے خدا کا کلام سنایا تھا، اور
پھر ان میں میں کہ بھائیوں کو دیکھیں کہ کیسے ہیں؟ اور برنباس کی صلاح تھی کہ پوس کو جو قریب تھا وہ اپنے ساتھ لے
چلیں، مگر پوس نے یہ مناسب نہ جانا کہ جو شخص پوس کے پاس گیا وہ کہے کہ اُس کام کے لئے ان کے ساتھ نہ گیا تھا اس کو ہمراہ
لے چلیں پس اُن میں ایسی سخت نگار ہوئی کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، اور برنباس قریب گئے کہ ہمراہ پر گئے تھے کہ
روانہ ہوا، مگر پوس نے سیکاس کو پسند کیا، اور بھائیوں کی طرف سے خدا کے فضل کے سبب ہرگز روانہ ہوا، اور کلیساؤں
کو مضبوط کرنا ہوا سو تیس سال تک یہ اندھا کلیسہ سے گذرا۔ (اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۱)

کتاب افعال میں بند ہراس شدید اختلاف کی وجہ صرف یہ بیان کی گئی ہے کہ برنباس یوحنا قریب سے سفر کرنا چاہتا تھا اور پوس اس سے انکار کرتا
تھا، لیکن ہماری رائے میں اس شدید اختلاف کا سبب صرف اتنی معمولی سی بات نہیں ہو سکتی، بلکہ دونوں کی یہ دائمی جوائی یقیناً کچھ بنیادی اختلافات
کی بنا پر تھی۔ اسی قیاس سے اس بات کے مندرجہ ذیل شواہد ہیں:۔
۱۔ لوقا نے کتاب اعلیٰ میں ان کے اختلافات اور "جوائی" کی بیان کرنے کے لئے جو یونانی الفاظ استعمال کیے ہیں وہ غیر معمولی طور پر سخت ہیں، ہسٹر
ای۔ ایم ہلیکے لاک (BLAHLICK) اپنی کتاب اعمال کی شرح میں لکھتے ہیں:

"اب لوقا ایماندار کے ساتھ دونوں دنوں اور برنباس کے درمیان واقع ہونے والے اختلاف کی انکار
کمانی لکھتا ہے، جو لفظ اس نے استعمال کیا ہے یعنی PAROUSIA وہ بڑا سخت لفظ ہے اور انگریزی مترجم
K. J. V. اسے لفظ کے ترجمہ میں لفظ SHARP (تیز و سخت) کا اضافہ بالکل درست کیا ہے۔ پوس اور برنباس
ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو جاتے ہیں یہاں پھر جوائی کے لئے یونانی زبان کا ایک ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو
بڑا سخت ہے اور عام طور سے استعمال نہیں کیا جاتا، یہ لفظ عہد نامہ جدید میں اس جگہ کے علاوہ صرف مکاشفہ ۲: ۱۸
میں ملتا ہے، جہاں آسمانوں کے تباہ ہو کر ٹھہا ہونے کا ذکر ہے" (شرح کتاب اعمال مرتبہ ماسکرس ۱۱۸ و ۱۱۹)

کیا اتنا شدید اختلاف جس کے لئے ایسے غیر معمولی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، صرف اس بنا پر پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص یوحنا قریب کو قریب سفر کرنا
چاہتا ہے اور دوسرا سیکاس کو؟ اس قسم کے اختلافات بالمشیر بعض اوقات پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن ان کی بنا پر ہمیشہ کے لئے کسی دیرینہ رفاقت کو خیر باد نہیں
ایکھا جاتا، خصوصاً جبکہ یہ رفاقت اس مقصد کے لئے ہے جس کے تقدس اور پاکیزگی کے دونوں معترض ہیں، وہ برنباس جو تبلیغ دین کے لئے اپنی ساری پونجی لاکر
ہو اور وہ مکہ قدموں میں ڈھیر کر سکتا ہے کیا صرف اپنے ایک رشتہ دار کی وجہ سے تبلیغ و دعوت کے مقصد میں ایسی رخنہ اندازی کو گوارا کرے گا؟
دوسرے پہلوئی کی بات یہ ہے کہ بعد میں پوس یوحنا قریب کی رفاقت کو گوارا کر لیتا ہے، چنانچہ تیسری مرتبہ اس کے نام پر دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے:۔
"قریب کو ساتھ لے کر آ جا، کیونکہ خدمت کے لئے وہ میرے کام کا ہے" (۲۔ تیسری مرتبہ ۱۳)

اس سے معلوم ہوا کہ قریب سے پوس کا اختلاف اتنی اہمیت کا حامل نہ تھا کہ اس پر برنباس جیسے شخص کی دشمنی کو قربان کر دیتا جاتے، اسی لئے اس نے بعد میں
قریب کی رفاقت کو گوارا کر لیا، لیکن یہ دوسرے عہد نامہ جدید یا تاریخ کی کسی اور کتاب میں کہیں نہیں ملتا کہ بعد میں برنباس کیسے عہد میں پوس کے تعلقات
دست بستہ تھے، اگر جھگڑے کی اصل وجہ قریب ہی تھا تو اس کے ساتھ پوس کی رفاقت منہ کی کے بعد برنباس کے ساتھ اس کی دشمنی کیوں ہمارا نہ ہوتی؟
(۳) پھر جب ہم خود پوس کے خطوط میں برنباس سے اس کی نامی کتاب کا تلاش کرتے ہیں تو ہمیں یہ کہیں نہیں ملتا کہ اس کا سبب یوحنا قریب تھا، اس کے

برخلاف ہیں ایک جملہ ایسا ملتا ہے جس سے دونوں کے اختلاف کے اصل سبب پر کافی روشنی پڑتی ہے، گنتیوں کے نام پرانے خطوط میں پوس لکھا ہے۔
 لیکن سب لکھا دینی پطرسس، انطاکیہ میں آیا تو اس نے دیورہو پوس کی مخالفت کی کیونکہ وہ عمارت کے لائن تھا،
 اس لئے کہ پوس کی طرف سے چند شخصوں کے آئے سے پہلے تو وہ غیر قوم دہوں کے ساتھ کیا کر آتا تھا، اگرچہ وہ آگئے تو
 مختصریوں سے ذکر باز رہا، اگھانہ کیا، اسباقی پورہوں نے جو اس کے ساتھ ہو کر رہا کاری کی یہیں تک کہ پوس
 بھی ان کے ساتھ رہا کاری میں پڑ گیا۔
 (گنتیوں ۱۱: ۱۲ تا ۱۳)

اس عبارت میں پوس اور اصل اس اختلاف کا ذکر کیا ہے جو حضرت یسوع کے عروج آسمانی کے بعد پوس و ختم اور انطاکیہ کے عیسائیوں میں دہنا ہوا تھا
 پوس ختم کے کٹر لوگ پہلے ہو رہے تھے، اور انہوں نے بعد میں عیسوی مذہب قبول کیا تھا، اور انطاکیہ کے کٹر لوگ پہلے پوس یا آئن پوس تھے اور عماروں کی
 تعلیم و تبلیغ سے عیسائی ہوئے تھے، پہلے قوم کو جاس میں "یہودی سی" (JEWISH CHRISTIAN) اور دوسری قسم کا "غیر قوم کے لوگ" (GENTILES
 CHRISTIANS) کہا گیا ہے، یہودی سیوں کا کہنا یہ تھا کہ غنائہ کیا اور یسوی شریعت کی تمام رسوم پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی لئے انہیں "مختون" بھی کہا
 جاتا ہے، اور غیر قوموں کا کہنا یہ تھا کہ "مختون" فروری نہیں اس لئے انہیں "نا مختون" کہا جاتا ہے، اس کے علاوہ یہودی سیوں میں جہت جہت کی رسم
 جاری تھی اور وہ غیر قوموں کو بے حد کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے، پوس اس معاملہ میں یسوعی غیر قوموں کا حامی تھا اور مختون
 اور یسوی شریعت کی رسوم کی منسوخی اس کے انقلاب انگیز نظریات میں سے ایک نظریہ ہے جسے ثابت کرنے کے لئے اس نے اپنے خطوط میں جو بجا اختلاف
 دلائل پیش کیے ہیں (ملاحظہ ہو رومیوں ۱۴، ریکو ۱۵، گنتیوں ۲، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خطاب ہے۔

۱۔ ابراہیم اور اس کے والد تیرے بعد تیری نسل کے دہیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرد زینہ کا تختہ کیا جائے اور تم اپنے بدن کی کھڑکی کا تختہ کیا اسیہ اس بعد کا نشان ہو گا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے، تمہارے ہاں پشت و پشت ہر طرح کے کا تختہ جب وہ آٹھ ہفتہ کا ہو، کیا جائے، خواہ وہ گھر میں پیدا ہو خواہ اس کے کسی پردہ سے خود پیدا ہو جو تیری نسل سے نہیں، لازم ہے کہ تیرے خاندان اور اہل بیت کے لئے تختہ کیا جائے اور میرا بعد تمہارے عہد میں ابراہیم ہو گا اور ہر فرد زینہ جس کا تختہ نہ ہو اس کو اپنے لوگوں میں سے کٹ ڈالا جائے کیونکہ اس نے میرا بعد توڑا۔ (پیش، ۱۷، ۱۸-۱۹)

اور نبی علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ۔

۲۔ ابراہیم اور اس کے کا تختہ کیا جائے۔ (احبار، ۱۷)

اور خود حضرت علی علیہ السلام کی بھی تختہ کی گئی تھی، چنانچہ انہیں لکھا گیا ہے کہ۔

۳۔ اور سب آٹھ دن پور سے ہوئے اس کی تختہ کا وقت آیا تو اس کا نام ایسوع رکھا گیا۔ (دوقا، ۱۷)

اس کے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام کا کوئی ارشاد ایسا منقول نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ تختہ کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔

ابنا یہ بات عین قرین قیاس ہے کہ وہ بریتاس جس نے حضرت علی علیہ السلام سے براہ راست عادات کا شرف حاصل کیا تھا، پوس بھی ہوا بنا پر برگشتہ ہوا ہو کہ وہ ایک عرصہ دلائل کے اپنے آپ کو سچا عیسائی ظاہر کرنے کے بعد مذہب عیسوی کے بنیادی عقائد و احکام میں تحریف کا مرتکب ہوا تھا، شروع میں بریتاس نے پوس کا ساتھ اس لئے دیا تھا کہ وہ اسے شخص عیسائی سمجھتے تھے، لیکن جب اس نے غیر اقوام کو اپنا مربی بنانے کے لئے مذہب کی بنیادوں کو منہدم کرنے اور ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے کا سلسلہ شروع کیا تو وہ اس سے جدا ہو گئے اور اسی بنا پر پوس پوس گھنٹوں کے نام مذہب بریتاس کو طاعت کرتے ہوئے یہ لکھتا ہے کہ۔

۴۔ مجھ کو وہ آگئے تو مختزلوں سے ڈر کر باز رہا اور کناہ کیا، اور باقی یہودیوں نے بھی اس کی طرح دیا کادی کی،

تک کہ بریتاس بھی ان کے ساتھ رہا کادی میں چڑ گیا۔ (دگنٹول، ۱۷)

اس بات کو یاد رہی ہے۔ پوس اس لئے بھی عیسوی کہتے ہیں کہ پوس اور بریتاس کی جدائی کا سبب صرف فرقہ واریت تھا، بلکہ اس کے پس پشت پر نفسیاتی اختلاف بھی کام کر رہا تھا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

۵۔ جب اس اور پوس نے جو بڑے عالی و صلہ شخص تھے، ضروری غلطی کا اعتراف کیا ہو گا اور یوں وہ وقت و درجہ برحق

ہے، لیکن باوجود اس کے یہ احتمال ضرور گذشتا ہے کہ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ رنجش رہ جاتی ہے جو میں ظاہر ہوتی ہے

(حیات و خطوط پوس ص ۸۹، ۹۰)

مسند، بلا بحث کو ذہن میں رکھ کر اب انہیں بریتاس پتا جائے، ہمیں اس انہیں کے بالکل شروع میں جو عبارت ملتی ہے وہ یہ ہے۔

ایھا الاعشار وان الذکر العظیم العجیب قد انتقدنا
فی هذا الایام الاخیرین بنسبہ یسوع المسیح برحمۃ
عظیمة للتعلیم والایات النبی اخذھا الشیطان
ذریعۃ لتضلیل کثیرین بدعوی التفریق وبتشویع
اسے عزیز اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے، اس انہی نے اسے
ہمیں اپنے نبی ایسوع مسیح کے ذریعہ ایک عظیم رحمت سے آراہا،
اس تعلیم اور آیتوں کے ذریعہ ہمیں، شیطان نے بہت سے
لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا ہے جو تقویٰ کا دعویٰ کرتے

تصنیف میں پوس کے عقائد و نظریات کے خلاف کوئی عتبہ یا واقعہ بیان کیا گیا ہو وہ کسی طرح تعجب خیز نہیں ہو سکتا اور محض اس بنا پر اس تصنیف کو جعلی قرار نہیں دیا جاسکتا کہ وہ پوس کے نظریات کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ پوس اور برنٹاس میں کچھ نفسیاتی اختلاف تھا جس کی بنا پر وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے۔

اس بنیادی نقطہ کو قدسے نفیس اور وضاحت سے ہم نے اس لئے بیان کیا ہے تاکہ انہیں برنٹاس کی اصلیت کی تحقیق کرتے ہوئے وہ غلط تصویروں سے ڈھب ہو جائے جو عام طور سے شعری یا غیر شعری طور پر پائی جاتا ہے۔

اس کے بعد آئیے دیکھیں کہ کیا واقعی برنٹاس نے کوئی نہیں لکھی تھی؟ جہاں تک ہم نے اس پر موضوع پر مطالعہ کیا ہے اس بات میں شک نہیں ہے کہ برنٹاس نے ایک غیر لکھی تھی۔ عیسائیوں کے قدیم آثار میں برنٹاس کی انہیں کا تذکرہ ملتا ہے، اہل باطنی دوس ۳۳۳ء میں اس کے چور کے حوالے سے من گھڑے کتاؤں کی فہرست نقل کی گئی ہے اس میں انہیں برنٹاس کا نام بھی موجود ہے، امریکا ۱۸۶۲ء میں ۳۳۳ء کے مقالہ برنٹاس میں بھی اس کا اعتراف کیا گیا ہے۔

چونکہ میں برنٹاس دوسری انہیں کی طرح روایت نہیں پاسی، اس لئے کسی غیر جانب دار کتاب سے یہ پتہ نہیں چلا کہ اس کے مفاد میں کیا تھے؟ لیکن کلیں کی تاریخ میں ایک واقعہ ایسا ملتا ہے جس سے اس کے مندرجات پر کوئی شک نہیں رہتا ہے اور جس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ برنٹاس کی انہیں میں عیسائیوں کے عام عقائد و نظریات کے خلاف کچھ باتیں موجود تھیں۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ انہیں صلی عیسوی میں (یعنی انہیں صلی اللہ علیہ وسلم کی شریف آمد سے بہت پہلے) ایک پوپ نے

جیکو کشیس اول کے نام سے لکھا کہ "اس نے اپنے دل میں ایک گناہ جاری کیا جو فریبی کشیس (SCARIS) کے نام سے مشہور ہے اس فرمان میں اس نے چنانچہ ان کے پڑھنے کو منع فرما دیا تھا۔ ان کتابوں میں سے ایک انہیں پتہ ہے جو ہے اور کچھ ایسا بھی ہے یا امریکا نام ۱۸۶۲ء مقالہ برنٹاس اور جیکو کشیس اول کے نام سے لکھا کہ "اس نے اپنے دل میں ایک گناہ جاری کیا جو فریبی کشیس (SCARIS) کے نام سے مشہور ہے اس فرمان میں اس نے چنانچہ ان کے پڑھنے کو منع فرما دیا تھا۔ ان کتابوں میں سے ایک انہیں پتہ ہے جو ہے اور کچھ ایسا بھی ہے یا امریکا نام ۱۸۶۲ء مقالہ برنٹاس اور

جیکو کشیس اول کے نام سے لکھا کہ "اس نے اپنے دل میں ایک گناہ جاری کیا جو فریبی کشیس (SCARIS) کے نام سے مشہور ہے اس فرمان میں اس نے چنانچہ ان کے پڑھنے کو منع فرما دیا تھا۔ ان کتابوں میں سے ایک انہیں پتہ ہے جو ہے اور کچھ ایسا بھی ہے یا امریکا نام ۱۸۶۲ء مقالہ برنٹاس اور جیکو کشیس اول کے نام سے لکھا کہ "اس نے اپنے دل میں ایک گناہ جاری کیا جو فریبی کشیس (SCARIS) کے نام سے مشہور ہے اس فرمان میں اس نے چنانچہ ان کے پڑھنے کو منع فرما دیا تھا۔ ان کتابوں میں سے ایک انہیں پتہ ہے جو ہے اور کچھ ایسا بھی ہے یا امریکا نام ۱۸۶۲ء مقالہ برنٹاس اور

جیکو کشیس اول کے نام سے لکھا کہ "اس نے اپنے دل میں ایک گناہ جاری کیا جو فریبی کشیس (SCARIS) کے نام سے مشہور ہے اس فرمان میں اس نے چنانچہ ان کے پڑھنے کو منع فرما دیا تھا۔ ان کتابوں میں سے ایک انہیں پتہ ہے جو ہے اور کچھ ایسا بھی ہے یا امریکا نام ۱۸۶۲ء مقالہ برنٹاس اور جیکو کشیس اول کے نام سے لکھا کہ "اس نے اپنے دل میں ایک گناہ جاری کیا جو فریبی کشیس (SCARIS) کے نام سے مشہور ہے اس فرمان میں اس نے چنانچہ ان کے پڑھنے کو منع فرما دیا تھا۔ ان کتابوں میں سے ایک انہیں پتہ ہے جو ہے اور کچھ ایسا بھی ہے یا امریکا نام ۱۸۶۲ء مقالہ برنٹاس اور

جیکو کشیس اول کے نام سے لکھا کہ "اس نے اپنے دل میں ایک گناہ جاری کیا جو فریبی کشیس (SCARIS) کے نام سے مشہور ہے اس فرمان میں اس نے چنانچہ ان کے پڑھنے کو منع فرما دیا تھا۔ ان کتابوں میں سے ایک انہیں پتہ ہے جو ہے اور کچھ ایسا بھی ہے یا امریکا نام ۱۸۶۲ء مقالہ برنٹاس اور جیکو کشیس اول کے نام سے لکھا کہ "اس نے اپنے دل میں ایک گناہ جاری کیا جو فریبی کشیس (SCARIS) کے نام سے مشہور ہے اس فرمان میں اس نے چنانچہ ان کے پڑھنے کو منع فرما دیا تھا۔ ان کتابوں میں سے ایک انہیں پتہ ہے جو ہے اور کچھ ایسا بھی ہے یا امریکا نام ۱۸۶۲ء مقالہ برنٹاس اور

جیکو کشیس اول کے نام سے لکھا کہ "اس نے اپنے دل میں ایک گناہ جاری کیا جو فریبی کشیس (SCARIS) کے نام سے مشہور ہے اس فرمان میں اس نے چنانچہ ان کے پڑھنے کو منع فرما دیا تھا۔ ان کتابوں میں سے ایک انہیں پتہ ہے جو ہے اور کچھ ایسا بھی ہے یا امریکا نام ۱۸۶۲ء مقالہ برنٹاس اور جیکو کشیس اول کے نام سے لکھا کہ "اس نے اپنے دل میں ایک گناہ جاری کیا جو فریبی کشیس (SCARIS) کے نام سے مشہور ہے اس فرمان میں اس نے چنانچہ ان کے پڑھنے کو منع فرما دیا تھا۔ ان کتابوں میں سے ایک انہیں پتہ ہے جو ہے اور کچھ ایسا بھی ہے یا امریکا نام ۱۸۶۲ء مقالہ برنٹاس اور

جیکو کشیس اول کے نام سے لکھا کہ "اس نے اپنے دل میں ایک گناہ جاری کیا جو فریبی کشیس (SCARIS) کے نام سے مشہور ہے اس فرمان میں اس نے چنانچہ ان کے پڑھنے کو منع فرما دیا تھا۔ ان کتابوں میں سے ایک انہیں پتہ ہے جو ہے اور کچھ ایسا بھی ہے یا امریکا نام ۱۸۶۲ء مقالہ برنٹاس اور جیکو کشیس اول کے نام سے لکھا کہ "اس نے اپنے دل میں ایک گناہ جاری کیا جو فریبی کشیس (SCARIS) کے نام سے مشہور ہے اس فرمان میں اس نے چنانچہ ان کے پڑھنے کو منع فرما دیا تھا۔ ان کتابوں میں سے ایک انہیں پتہ ہے جو ہے اور کچھ ایسا بھی ہے یا امریکا نام ۱۸۶۲ء مقالہ برنٹاس اور

جیکو کشیس اول کے نام سے لکھا کہ "اس نے اپنے دل میں ایک گناہ جاری کیا جو فریبی کشیس (SCARIS) کے نام سے مشہور ہے اس فرمان میں اس نے چنانچہ ان کے پڑھنے کو منع فرما دیا تھا۔ ان کتابوں میں سے ایک انہیں پتہ ہے جو ہے اور کچھ ایسا بھی ہے یا امریکا نام ۱۸۶۲ء مقالہ برنٹاس اور جیکو کشیس اول کے نام سے لکھا کہ "اس نے اپنے دل میں ایک گناہ جاری کیا جو فریبی کشیس (SCARIS) کے نام سے مشہور ہے اس فرمان میں اس نے چنانچہ ان کے پڑھنے کو منع فرما دیا تھا۔ ان کتابوں میں سے ایک انہیں پتہ ہے جو ہے اور کچھ ایسا بھی ہے یا امریکا نام ۱۸۶۲ء مقالہ برنٹاس اور

تو جھگڑتا ہو رہا کسی ایسی غلطی نہیں کر سکتا، یہ جلسہ ان کی فطرت ہے کہ وہ شبہ میں ڈالنے والی کھلی باتوں سے پرہیز کی کوشش کرتے ہیں ایسے مواقع پر ان کے لئے آسان راستہ یہ تھا کہ وہ صرف ایک دو جھگڑوں پر آپ کا اسم گرامی ذکر کرتا اور بس! بلکہ اس سے بھی بہتر طریقہ یہ تھا کہ انہیں پوچھا جس ناقص لفظ کے نام سے جو پیشین گوئی مذکور ہے اسے جوں کی توں نقل کر کے فارغ لفظ کے بجائے آپ کا اسم گرامی لکھ دیتا، انہیں پرہیز کی پڑھنے تو آتا رہا ہو گا کہ اس کی لکھنے والا نہ صرف یہ کہ بائیں کا کسبِ علم رکھتا ہے، بلکہ انتہائی ذہین اور نیک ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ اپنے مذہب کو حق ثابت کرنے کے جوش میں اس نے اس قدر سائنس کی بات کو نظر انداز کر دیا ہو؟

دہم اگر اس انجیل کا مصنف مسلمان ہے تو جگہ جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ذکر کرنے سے اس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت کو درست ثابت کرے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صراحتہ آپ کا نام لے کر آپ کی تشریف آوری کی بشارت دی ہے، — ایسی صحت میں اسے چاہئے تھا کہ وہ اس کتاب میں ہر جگہ، یا کم از کم ایک جگہ، آپ کا نام آخر تک لکھتا۔ مگر یہ کہ قرآن کریم کی جس آیت کی تصدیق کرنا چاہتا ہے اس میں یہی نام ذکر کیا گیا ہے، اشد اذیہ —

وہبشرا برسولی یاقی من بعدی اسمہ احمد۔ اور (میں) اس رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں کہ دھجی جائے

جوں: جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام "احمد" ہو گا۔

اس کے برضات ہم دیکھتے ہیں کہ اس کتاب میں ہر جگہ آپ کا اسم گرامی "محمد" ذکر کیا گیا ہے اگر کسی ایک جگہ بھی "احمد" کا لفظ موجود نہیں ہے۔

دس) اس کتاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر یہ کھلایا گیا ہے کہ عہدِ تدبیر کی کتابوں میں جن میں "یسوع" یا "مسیح" کی بشارت دی گئی ہے اس سے عوا میں نہیں ہوں بلکہ "محمد رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) میں، (نقل صفحہ ۱۴۴)

اگر اس کتاب کی کہنے والا کوئی مسلمان ہے تو اسے یہ بات لکھنے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ یہ مسلمانوں کا عقیدہ نہیں ہے اور اس کے لکھنے سے بھی خواہ

شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ لکھنے والے نے کسی کو دھوکہ دینے کے لئے یہ سب کچھ نہیں لکھا تھا، بلکہ یہ کتاب دراصل ایک تجزیہ (EXAMINATION)

کتاب ہے جس میں لکھنے والے نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے نقطہ نظر کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کی ساری حیات — یہی چاہئے؟

یہ بات کسی حد تک قریب قریب ہو سکتی تھی، لیکن انجیل بریتیس کو پڑھنے کے بعد اس خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے، اول تو ایسی صحت پر مسلمان کو اپنا نام ظاہر کرنا چاہئے تھا، اس کی بجائے اس نے اسے بریتیس کی طرف منسوب کیا؟ پھر اس کتاب میں بہت سی باتیں اسلامی تصورات کے بالکل خلاف تھیں، ان کی کوئی توجی سمجھ میں نہیں آتی، مثلاً — رام فصل ۱۱ آیت ۴، فصل ۱۱ آیت ۱۲ اور فصل ۱۱ آیت ۱۴، میں کچھ فرشتوں کے نام ذکر کئے گئے ہیں، جن میں جبریل کے علاوہ میرٹائل، رفاہیل اور ادریل بھی مذکور ہیں، تو خداوند کریم تین ناموں سے اسلامی ادب بالکل نا آشنا ہے۔

رہا فصل ۱۱ اور ۱۲ میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے کی اجازت دیا جائے، تاکہ میں اپنی والدہ اور والدہ ادریل سے مل سکوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ انہیں دوبارہ دنیا میں بھیجا اور، اپنی والدہ اور والدہ ادریل سے کچھ دیر گفتگو کر کے پھر واپس تشریف لے گئے۔

یہ واقعہ بھی اسلامی تصور کے خلاف ہے، آج تک کوئی مسلمان یہاں سے ایسا نہیں گزرا جو حضرت مسیح کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد پھر دیر کے لئے واپس کا قائل ہو۔

۱۲) فصل ۱۱ آیت ۱۲ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ اشد اذیہ ہے کہ —

اعطوا ذا القیمر لقیمر و ما لہ لہ — تب تو قیمر کا حق قیمر کو دے دو اور اللہ کا حق اللہ کو۔

دین و سیاست کی تفریق کا یہ نصاب غلط ہے۔ اور علمائے اسلام شروع سے اس کی تردید کرتے آئے ہیں۔

۱۱۔ مصلحت عطا آیت میں آسمانوں کی تعداد کو بتلانی گئی ہے اگرچہ بعض فلاسفر کے قائل رہے ہیں مگر مسلمان پر مشہور قول سات ہی کا ہے۔ قرآن کریم میں بھی آسمانوں کی تعداد ہر جگہ سات ہی مذکور ہے۔ اس طرح کے بعض اور تصورات اس کتاب میں ایسے غلط ہیں جو عام اسلامی نظریات کے قطعی خلاف ہیں، یا کم از کم مسلمانوں کے یہاں معروف نہیں ہیں۔ ان حالات میں یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ یہ کتاب کسی مسلمان کی تعمیل تھیں۔

یہ تھے وہ قرآن جن کی موجودگی میں اس کتاب کو کسی مسلمان کی تصنیف قرار دینا بہت بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اب ہم وہ قرآن پیش کرتے ہیں جن سے اس کتاب کا جھٹی ہونا معلوم ہوتا ہے اور جن سے اکثر عیسائی حضرات اور اہل مغرب نے مستغفرتی کیا ہے۔

۱۲۔ جیسا کہ ہم نے عرض کیا، عیسائی حضرات کو اس انجیل کے اصلی ہر نہ پر سے پہلا شبہ یہ ہوتا ہے کہ اس میں بیان کردہ عقائد و دشواریات انجیل ایلہ کے بالکل خلاف ہیں، لیکن بحث کی ابتدا میں ہم تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ برہاس کی انجیل میں اگر عام عیسائی تصورات کے خلاف کچھ باتیں ہوں تو وہ کسی طرح محسوس قبح نہیں ہیں اور تنہا یہ بات اس کتاب کے جھٹی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔

۱۳۔ دوسرا شبہ یہ ہے کہ اس کتاب میں بہت سے مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی مذکور ہے حالانکہ عام طور سے انبیاء علیہم السلام آمنہ کسی نبی کو پیشین گوئی فرماتے ہیں تو صفات نام ذکر کرنے کے بجائے اس کا حلیہ اور اس کے اوصاف بیان کرتے ہیں اور وہ بھی عموماً مثبوت اور اشاروں کنیوں میں، یا تبسلیں کی جگہ کسی آنے والے شخص کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔

لیکن اس میں اول تو یہ کہنا ہی غلط ہے کہ بائبل میں کسی آنے والے کا نام مذکور نہیں ہے، اس سے کہ کتاب یہ سچا ہے میں حضرت شیخ علیہ السلام کی زبانی یہ پیشین گوئی بیان کی گئی ہے کہ:

”دیکھو۔ ایک کنواری حاملہ ہوگی اور دنیا پیدا ہوگا اور وہ اس کا نام عتافاویل رکھے گی“ (یسایہ ۷: ۱۴)

عیسائی حضرات کا کہنا ہے کہ اس عبارت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے انجیل میں اس عبارت کو پیش کے تحت مسیح علیہ السلام کی حقانیت پر استدلال کیا گیا ہے۔ رد کیجئے مئی ۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۲ء — اگرچہ اس معاملہ میں بائبل کے کشادہ بین تحت حیران ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کوئی نام عتافاویل تھا یا نہیں؟ لیکن اس سے کم از کم اتنی بات ہر صورت ثابت ہو جاتی ہے کہ بعض مرتبہ کی عظیم الشان شخصیت کی آمد کی پیشین گوئی اس کا نام بتا کر کر دی جاتی تھی، اس کے علاوہ یہ نہیں ہے۔

”تو میں کس لئے طیش میں ہیں؟ اور لوگ کیوں باطل خیال باندھتے ہیں؟ خداوند اور اس کے مسیح کے خلاف“ (زبلوہ ۲: ۱۷)

عیسائی حضرات کے نزدیک اس عبارت میں مسیح سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ رد کیجئے آکسفورڈ بائبل کنکارڈس میں ۳۶۷ء مطبوعہ لندن م اس پیشین گوئی میں بھی صریح تعجب موجود ہے، بلکہ کتاب دانی میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لقب کے ساتھ آپ کی مدت بھی بیان کر دی گئی ہے۔

”اور باسٹھ مہینوں کے بعد وہ مسیح قتل کیا جائے گا اور اس کا کچھ نہ رہے گا“ (دانی ایل ۱۱: ۳)

اس کے علاوہ یسایہ ۵۴ اور یسایہ ۵۵ میں بھی ایسائی شخصیتوں کے نام ذکر کئے گئے ہیں، ان تمام حوالوں سے ہر حال یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اگر آنے والی شخصیت عظیم الشان ہو تو بعض اوقات پیشین گوئی میں اس کا نام بھی ذکر کر دیا جاتا ہے، مذکورہ مثالیں تو بائبل کی تھیں، اسلامی ذخیرہ و احادیث میں آخر زمانے کے حضرت محمد رضی اللہ عنہ کا نام بھی ملتا ہے۔

اب آپ غور فرمائیے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی اکمل ان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ذکر کر دیا ہو تو اس میں تعجب کی کوئی

بات ہے؟ خاص طور سے اس لئے کہ آپ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں ممتاز ترین مقام کے حامل تھے، آپ نبوت و رسالت کے مقدس سلسلے کو ختم ہونا تھا، آپ کی نبوت کو کسی خاص نصاب کے ساتھ مخصوص کرنے کے بجائے دنیا کے ہر گوشے کے لئے عام کیا جانے والا تھا، کیا ایسے نبی کی پیشین گوئی میں عیسیٰ علیہ السلام

کے علاوہ نام ذکر کرنا قرین تیس نہیں ہے۔

دوسرا انجیل برنہاس کے اصلی ہونے پر تیسرا شبہ عام عہد سے یہ جتنا ہے کہ اس انجیل کا اسلوب بیان باقی انجیلوں کے کافی مختلف ہے۔ لیکن ہمارے سامنے ہیں اولیٰ تو اسلوب بیان کے اختلافات کا فیصلہ اتنی جلدی سے نہیں کیا جاسکتا، اب تک انجیل برنہاس کا کوئی عبرانی یا یونانی نسخہ دریافت ہی نہیں ہوا جس سے انجیل اولاد کا مقابلہ کیا جاسکے، اور نیز حیرت کے فیصلہ اسلوب تحریر کا موازنہ بہت غیر محاط ہو گا۔ اسلوب تحریر کا اس قدر اختلاف ترجموں سے معلوم ہوتا ہے، وہ بہت نمایاں نہیں ہے جس کی بنا پر کوئی فیصلہ کیا جاسکے۔

دوسرے اگر واقعی انجیل برنہاس اور دوسری انجیلوں میں اسلوب میں اسلوب کا فرق ہے تو اس سے اس کے اصلی ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ پھر گھسنے والے کا اسلوب تحریر جدا ہوتا ہے، کیا یہ حقیقت سامنے نہیں ہے کہ انجیل یوحنا اپنے اسلوب بیان کے اعتبار سے پہلی ترین انجیلوں سے بے حد مختلف ہے اور اس بات کو تمام حیات کی علامت بھی تسلیم کرتے ہیں، یا وہی سی کی منیل ہانس پر اپنی مشہور کتاب میں لکھتے ہیں:۔

”تاہم یہ انجیل (یعنی انجیل یوحنا) سرد و محض رہی ہے، کیونکہ یہ انجیل متفقہ سے کسی طرح سے مختلف ہے، بیشک اختلافات

تو ہیں، لیکن اگر ہم جو بھی انجیل کو اس کی اپنی تحریروں کی روشنی میں دیکھیں تو اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یا تو مصنف خود چشم

دید گاہ تھا، یا کسی چشم دید گاہ کے بیانات اور مشاہدات کو اس نے نقل کیا تھا۔“ دوسری کتاب مقدس میں مہم مطبوعہ ہوم

نیز خود نامہ جدید کے مفسر سسٹرکار، اسے ان کے اپنے تفسیر کے شروع میں کہی کہ قدیم انجیلوں سے انجیل یوحنا کے اسلوب بیان کا جائزہ لیا ہے (ملاحظہ ہو

اسے نیز ٹیٹل مٹ کٹری میں ۱۸۵۹ء میں ۱۹۵۹ء میں اپنا اگر انجیل یوحنا باقی تین انجیلوں سے اسلوب کے فرق کے باوجود مستبر انجیل کہلائی جاسکتی

ہے تو کیا وجہ ہے کہ انجیل برنہاس کے اسلوب تحریر کی وجہ سے اسے روک دیا جائے جو

۱۴) انجیل برنہاس کے اصلی ہونے پر جو غماش بعض حضرات کو یہ ہوا ہے کہ نئی کے واقعہ میں حضرت مسیح علیہ السلام جس پہاڑ پر چڑھے تھے، اس کتاب کی فصل ۱۱

آیت ۱۹ میں اس کا نام جس طائر کا لکھا ہے، حالانکہ یہ تحقیق (انجیل اربعہ) کے بہت بعد ہوئی ہے کہ اس پہاڑ کا نام ”طائر“ تھا۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات انجیل برنہاس کی اصیت کو نقصان نہیں، فائدہ پہونچاتی ہے اس لئے کہ یہ عین ممکن ہے کہ انجیل اربعہ کے مصنفین

نے واقفیت کی بنا پر، یا غیر ضروری سمجھ کر پہاڑ کا نام ذکر نہ کیا ہو، برنہاس نے اسے ذکر کر دیا، اس قسم کے اختلافات خود انجیل اربعہ میں سے کثرت

پائے جاتے ہیں۔

۱۵) انجیل برنہاس کی اصیت پر ایک خاصا زنی اعتراض وہ ہے جو ڈاکٹر جلیں سعادت نے اس کے عربی ترجمے کے مقدمے میں بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ اس

کتاب کی فصل ۱۱ آیت ۱۹ میں ایک جدید موجود ہے کہ:۔

حق اقد سنعتا البیوسیل انتی تجی اللات کل

مست منته سیجلاھا مستیا کل مستف

یہاں تک کہ پہلی کا سال جو اس وقت ہر سال میں آتا ہے مستیا اس کو ہر جگہ سالانہ کر دے گا۔

اس میں جس جو بی کا ذکر ہے اس سے مراد ایک ہی ہوتی ہوا ہے، اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اس وقت ہر سال میں آتا ہے۔ حالانکہ یہ تو افسوس

میں علیہ السلام کے زمانے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد تک ہر پچاس سال کی ابتداء میں منایا جاتا ہے، کتاب اجماع ۲۵ میں اس کے

لئے پچاس سال ہی کی مدت بیان کی گئی ہے، اور اس کے بعد کلیسا کی تاریخ میں ہر صدی ۱۰۰ سال، ایک ایسا سن ہے جس میں پوپ یونیفیکیشن ششم نے اس

جو بی کی مدت میں اضافہ ذکر کے اسے ہر صدی کی ابتداء میں منانے کا حکم دیا تھا، لیکن بعد میں اس حکم پر عمل نہ ہو سکا اس لئے کہ ششم میں جو بی کی

منائی گئی اس میں کلیسا کی ولادت سے نہال ہو گیا اس لئے پوپ گلیلیٹس ششم نے منہ ۱۸۵۹ء میں یہ فرمان جاری کیا کہ یہ تقاریر ہر پچاس سال میں ایک

مرتبہ منایا جائے، پھر لوہ آدھا نوں ششم نے اس مدت میں کی، اور ۳۸۹ لکھ میں یکم جاری کیا کہ یہ تہود ہر تینتیس سال میں ایک بار منایا جائے، پھر چار سو دوم نے اور کی کے اسے چھ سو پیر سال منانے کا حکم دیا۔ اس انجیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ لکھی تاریخ میں صرف سترہ سو سے سترہ سو تک ایک لکھی مدت گزری ہے جس میں اس چوبی کوہر سو سال میں ایک بار منانے کا حکم دیا گیا تھا، اس لئے انجیل برتناس کا لکھنے والا اسی مدت کا ہونا چاہئے۔

لیکن پھر خود ڈاکٹر خلیل مسحات نے ہی نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے اسدہ یہ کہ انجیل برتناس کو پڑھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا لکھنے والا عہد نامہ قدیم کے تمام معنوں سے خوب واقف ہے اور اس کا کتب علم رکھتا ہے، ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے ایسی ناش خلقی ہو گئی ہو جس کا معمول غالب طور سے سرزد ہونا بھی مشکل ہے، لہذا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل نسخے میں یہاں تتر کے بجائے "پائس" کا لفظ ہو گا، لیکن کسی لکھنے والے نے غلطی سے اس لفظ کے کچھ حروف گھٹا کر اسے "تتر" بنا دیا، اس لئے کہ اٹالوی زبان میں تتر اور پائس کے لفظوں میں کچھ اتنی مشابہت ہے کہ اس قسم کی غلطی کا واقعہ ہر ناسین ممکن ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ چودہویں صدی عیسوی کے کسی شخصے نے یہ بعد حاشیہ کے طور پر بڑھا دیا جو غلطی سے متن میں شامل ہو گیا، باقی اس طرح کے بیشمار واقعات ہرے میں ہیں کا احترام مسلمان اور عیسائیوں دونوں کو ہے، مثلاً کتاب پیدائش ۳۲ و ۳۳ و ۳۴ میں ایک ایسی کہانیاں جہروں ذکر کی گئی ہے، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اس ہی کہانیاں جہروں کے باعث قرآن اربع تھا اور جب بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فلسطین کو فتح کیا، تب اس کہانیاں جہروں رکھا تھا، چنانچہ کتاب پیدائش میں تصریح ہے کہ :-

اور اگلے وقت میں جہروں کا نام قرآن اربع تھا (مشروح ۱۱)

یہ تو ایک مثال ہے، حضرت مرقا رحمت اللہ علیہ لکھی نے بائبل سے ایسی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں، ملاحظہ فرما لہذا حق باب دوم مقصد دوم بعد اول (۱) ان تمام مثالوں میں عیسیٰ کی عمارت یہ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ بعد میں کسی نے حاشیے کے طور پر بڑھا دیے تھے، جو غلطی سے متن میں شامل ہو گئے، یہی بات انجیل برتناس میں اس مقام پر بھی لکھی جا سکتی ہے۔

(۲) انجیل برتناس کی اصلیت پر چنانچہ اعتراض بعض لوگوں نے یہ کیا ہے کہ اس کے بہت سے نظریات چودہویں صدی کے شہسہ شاعر ڈانٹ سے ملے ہیں، لہذا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف ڈانٹ کا ہم عصر ہے، لیکن اس اعتراض کی کمزوری محتاج بیان نہیں، ورنہ ان لوں کے کلام میں اگر کچھ مطابقت پیدا ہو جائے تو اس سے یہ ثابت نہیں آتا کہ ان میں سے ایک لکھا دوسرے سے ماخوذ ہے، ورنہ بقول علامہ رشید رضا یہ ماننا پڑے گا کہ کلمات کے تمام قوانین تحریرابی کے قانون سے ماخوذ ہیں، پھر اگر قواعد و شکل معلوم ہوتا ہے تو یہ کیوں ممکن نہیں ہے کہ ڈانٹ نے اپنے خیالات انجیل برتناس سے مستعار لئے ہوں؟

(۳) ڈاکٹر خلیل مسحات نے ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ اس میں بعض بخش فلسطینہ انداز کی ہیں، اور انما جن اربعہ میں یہ انداز نہیں ہے، لیکن اس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ اسلوب کا اختلاف اس کے اصلی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا، انجیل یونان کو دیکھئے اس کا شاعرانہ اور تمثیلات سے بھر پور انداز باقی تینوں انجیلوں کے کتنا مختلف ہے؟ اس کی بہت سی جہانیں تواری میں ہیں کہ اگرچہ ایک یقینی طور سے حل نہیں ہو سکتی، مگر اسے تمام جہانیں معتبر انجیل مانتے ہیں۔

(۴) ہمارے نزدیک انجیل برتناس کے قابل اعتماد ہونے پر سب سے زیادہ مضبوط اعتراض یہ ہے کہ یہ کتاب کی قابل اعتماد طریقے سے ہم تک نہیں پہنچی، جس شخص نے اسے پہلیا اور عام کیا ہے، اس کے بارے میں ہمیں کچھ بھی معلومات نہیں ہیں کہ وہ کس قسم کا انسان تھا؟ اس نے فی الواقعہ یہ نسخہ کہاں سے حاصل کیا تھا؟ اور ایک طریق عرضہ تک یہ نسخہ کہاں کہاں اور کس کے پاس رہا ہے؟

ہمارے نزدیک یہ سوالات بہت محول اس وقت ہیں اور جب تک ان کا کوئی تسلی بخش جواب ملے، اس وقت تک اس کتاب کو یقینی طور پر اصلی قرار نہیں دیا جاسکتا، لیکن عینہ یہ سوالات بائبل کے ہر حصے کے بارے میں پیدا ہو رہے ہیں، جن کا کوئی تسلی بخش جواب ابھی تک نہیں مل سکا، لہذا جو حضرات بائبل کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں ان کے لئے انجیل برتناس کو قابل اعتماد قرار دینے کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔

جہت کی ابتدا میں یہ لکھ چکے ہیں کہ اس طریق گفتگو ہم یہ دعویٰ نہیں چاہتے کہ یہ کتاب یقینی طور پر اصل اور قابل اعتماد ہے، نہ ہمارے یقینی طور پر

ابہائی مذہب کے بانی سمجھے ہیں، نہ ہمارے۔ دعویٰ ہے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح ہے، بلکہ ہماری گزارشات کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ اس کا پائیدار اعتبار بائبل کی کسی کتاب سے ہرگز نہیں ہے، جیسے ناقابلِ حتمہ طریقوں سے بائبل ہرگز نہیں پرچھی ہے، ایسے ہی طریقوں سے یہ بھی پرچھی ہے، جس طرح انجیل بریتانیا کا سندہ سندہ کدو مارا ہب فرما دیا جو بڑا کھڑا ہوتا ہے اسی طرح توہمات کی سندہ توہم پرچھی ہوئی زیادہ سے زیادہ حلقہ کاہن تک پرچھی ہے، شاہ پرتیہا کے زمانے تک اس کا کوئی پتہ نشان نہ تھا، اچانک پرتیہا کے زمانے میں حلقہ کاہن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے پہلی کو صاف کرتے وقت تو بات مل گئی ہے اسی کے دعوے کو بغیر کسی تحقیق کے تسلیم کر لیا جاتا ہے (دیکھئے ص ۳۳۔ سلاطین ۳۳: ۲۰ تا ۲۱)

یہی حال ہر مذہب کی دوسری کتابوں کا ہے کہ ان میں سے اکثر کے بارے میں تو یہ تحقیق نہیں ہو سکی کہ ان کا مصنف کون تھا؟ اور وہ کس زمانے میں لکھی گئیں؟ یہ مذہب تو ہم کو مسلمانوں کو بہت چاہتا ہے، خود ان میں ارباب کا یہی حال ہے کہ ان کی کوئی سندہ موجود نہ ہے نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ واقعی حواریوں یا ان کے شاگردوں کی لکھی ہوئی ہیں، بڑے بڑے عیسائی علماء نے انہیں اصلی ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا درد لگایا، لیکن ظن و تخمین کے سوا کچھ نہ کر سکے، اور انہیں اس بات کا کھہہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے کہ دوسری صدی عیسوی سے پہلے ان انجیلوں کا کوئی نشان نہیں ملتا، عیسائی علماء کے جیش و آواراؤں میں سے ہم میں ان عرف ایک کتابیں پیش کرتے ہیں جس سے آپ کو ان میں ارباب کی حقیقت معلوم ہو سکے گی، مسٹر برٹن، کمین مسٹر برٹن انجیل پر اپنی معروف کتاب TOURS GOSPELS لکھتے ہیں۔

”ہند نامہ جدید کی تحریروں کو جو ابھی انجیلوں کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ہے، کیا یہ کوئی کلیسا کی اعلان تھا، جس پر بڑے بڑے کلیساؤں نے، خدا کے لئے، اتفاق کر لیا تھا؟ یہ میں معلوم نہیں ہے میں صرف اتنا معلوم ہے کہ سندہ کے لگ بھگ انجیل ارباب کو انطیک، افسس اور وہ میں یہ حیثیت حاصل ہوئی تھی“ (فورگاسپلس ص ۱۷ طبع فریو یارک)

گویا سندہ سے پہلے تو ان انجیلوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا اور مسٹر برٹن نے یہ جو کہا ہے کہ سندہ میں انجیل ارباب کو انطیکہ وغیرہ میں تسلیم کر لیا گیا تھا اس کی بنیاد بھی ان انجیلوں کے خطوط میں جن میں ان انجیلوں کے حوالے موجود ہیں، لیکن خود یہ خطوط بھی پرستش نہیں، جب کہ سولہ کیلڈائی نے انجیل صالحی میں انجیل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔

یہ تو انجیل ارباب کی اسناد کا حال ہے، جس اندوخی شہادتیں اس معاملے میں بائبل کی حالت موجودہ انجیل، بریتانیا کے مقابل میں کہیں نہ بارہ ناگفتہ بہ ہے کہ ان کے اس میں بے پناہ اختلافات اور تضادات موجود ہیں۔

ابہا ہمارے گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ جہاں تک مسلمانوں کے اصول تنقید کے تعلق ہے ان کی رو سے تو ان شہادتیں انجیل بریتانیا کی کتاب نہیں ہے جس پر یقینی طور سے اعتماد کیا جاسکے، لیکن ان اصول کی روشنی میں پوری بائبل بھی ناقابلِ اعتبار ہے۔

دیکھیں ان حضرات کے وہ اصول تنقید جنہوں نے بائبل کو نہ صرف قابلِ اعتبار بلکہ ابہائی اور اسماعیلی قرآنیہا کے سوان کی نگاہ میں انجیل بریتانیا بھی قابلِ اعتبار سمجھی ہے، ابہا جو حضرات بائبل کو قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں ان کے پاس انجیل بریتانیا کو رد کرنے کی کوئی وجہ تو نہیں ہے، بلکہ جتنے خارجی اہل مذہب قرآن اس کتاب کی اصلیت پر شک کرتے ہیں، اتنے شاید ہی بائبل کی کسی کتاب کو حاصل ہوں۔ واللہ بجا نہ دلتا ہی علم۔

ہر قسم کے سوتی دھاگے کیلئے ہمیشہ
 اٹونیا برانڈ کو یاد رکھیے



فیروز سلطان انڈسٹریز لمیٹڈ سرائے روڈ کراچی

ماہ الفارسی

یادِ رفتگان

مولوی مجید حسن مرحوم

۱۹۳۷ء سے سر روزہ "مدینہ" (بجنور) میں راقم الحروف کی غرضیں اور نظمیں جو شائع ہونی شروع ہوئی ہیں، تو کئی سال تک مسلسل یہ سلسلہ چلتا رہا، میں ان دنوں حیدر آباد دکن میں مقیم تھا! اس وجہ سے "مدینہ" کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ایک صاحب مجھے سے اخبار "لنگ" کر لے جاتے اور اہلاد روغانات کی کتاب کی طرح اس اخبار کا ایک ایک لفظ یہاں تک کہ انتہائات تک کو پوری توجہ اور شوق و عقیدت کے ساتھ پڑھتے اور دوسرا شائع شدہ آنے تک "مدینہ" مسلسل ان کے مطالعہ میں رہتا۔

۱۹۳۷ء کے وسط میں سر روزہ "مدینہ" ہی میں یہ اطلاع آیا ہے کہ بجنور سے روزنامہ "مدینہ" شائع ہونے والا ہے اور اس کے لئے اسسٹنٹ ایڈیٹروں کی ضرورت ہے اس اطلاع کے پڑھتے ہی مولوی بی بی جن صاحب ملک سر روزہ "مدینہ" کی خدمت میں، دالم الحروف نے درخواست بھیج دی، دو تین مہینہ کی خط و کتابت کے بعد بات طے ہو گئی، اور ریاست حیدر آباد دکن میں مجھے لگائے ہوئے مکان کو چھوڑ کر میں وہاں سے چل پڑا۔

اس واقعہ کا میں نے اپنے کسی دوست اور بھائی کے واسطے سے اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وہ مجھے میرے اس ادارے سے باز رکھنے کی کوشش کریں گے، اور میرے اصرار اور میری طرف سے ضد اس کشمکش کی فہرست ہی کیوں آنے دی جاتے، یہ تو میری کارروائی ماضی میں رہی! دکن کی سرزمین میں کوئی تنگ نہیں بڑی کشش تھی اور ہر طرح کی دلدہی کے اسباب موجود تھے، خاص طور سے حکومت آصفیہ کے صدر اعظم سر بہار چاکر کش پر شاہ بہادر یمن السلطنت کی نوازشیں ہمیشہ زنجیر پائی رہیں، مگر دنیائے مصافحت میں آنے کا شوق، وطن کی قربت کا جذبہ اور کچھ یہ بھی کہ آدمی ایک ہی ماحول اور فضا میں رہتے رہتے کتنا سا جاتا ہے!

اب سے ۴۴ سال پہلے کی بات ہے طے یہ پایا تھا کہ روزنامہ "مدینہ" کے آغاز اشاعت سے چند دن قبل بجنور پہنچ جانا چاہیے، میں حیدر آباد سے رمضان کی ۱۸ تاریخ کو گواڈا کسپس سے چل پڑا، ۱۹ رمضان کو شب میں آگہ آگہ ہوا، توجید کا چاند ہو چکا تھا، ایک سرائے میں سامان رکھا اور صبح سویرے نہا دھو کر شاہی مسجد میں عید الفطر کی نماز ادا کی، زندگی میں پہلا قسبہ تھا کہ نکتلوں اور عزیزوں سے گذر، اس طرح مسافرت میں عید ہوئی، پھر میں کچھ دن کے بعد بجنور پہنچا! مولوی بی بی حسن مرحوم سے ملاقات ہوئی وہ بڑی محبت اور تپاک سے ملے اور بغل گیر ہوئے، سخت سردی پڑ رہی تھی، اس عالم میں انڈے کا گرم گرم حلہ اور چائے تھوڑے دے گئی، مولوی صاحب مرحوم کی محبت اور تواضع کی یہ رسم ہمیشہ جاری رہی! کم و بیش تین ہفتہ "دفتر" "مدینہ" میں مولوی صاحب کا یہاں رہنا، ناشتہ اور دو دنوں وقت کا کھانا انہی کے ساتھ رہتا۔

مولانا ناصر اللہ خاں عزیز سر روزہ "مدینہ" کے مدیر اعلیٰ تھے انہی سال سے اولیت کے فرائض بڑی نیک نامی اور اچھی شہرت کے ساتھ انجام دے رہے تھے، آنا دینی تحسین یا رتبہ کوئی کے مجرم میں تہدف رنگ کی عزت بھی حاصل کر چکے تھے۔

مولانا حامد اللہ قادری قاضی اور مولوی محمد حسین کے والد محمد حسین صاحب مدینہ کے رکن ادارہ تھے! اخبار کا ادارہ بعد از کام مولانا نصر اللہ خاں عزیزی سے متعلق تھا، شذات ۱۵۵۵ء اور علی ٹاک کے ترجمہ کا کام مولانا قادری کے ذمہ تھا اور باقی کام محمد حسین انجام دیتے تھے۔ روزنامہ مدینہ میں جس جگہ میر تقی میر کا قصہ لکھا ہوا تھا، اس کے لئے شوکت متاوی مرحوم نے بھی کھنڈ سے دستبرد بھیجی تھی، میں اس دنیا میں نوازدہ، وہ شان و قہر کار، مگر تنخواہ کی کمی کے سبب اُن سے معاملہ طے نہ ہو سکا، ورنہ یہ قعر خال اس دلیانہ کے نام کا ہیکہ لکھتا۔

میں اس خیال و تصور کے ساتھ بھگتہ گیا تھا کہ اعلیٰہ، شذات اور اعلیٰ قسم کے دوسرے مضامین کا کام مجھ سے متعلق ہوگا، مگر پہلے ہی دن مولانا نصر اللہ خاں عزیزی نے انجیری دسکے ذمہ ہندو سرسیدوں کی ایک تقریر ترجمہ کرنے کے لئے میرے سامنے رکھ دی، تقریر پڑھ کر ترجمہ کے لئے جو رقم طلبا تو اپنے بے باقی کا احساس ہوا ایک ایک مصرع کاٹ چھانٹ اور رد و بدل! بعض جملوں کی ترکیب اور فہم ہی پر ہی طرح پلے نہیں پڑا، فیلن کی ڈکشنری بھی آخر کبھی تک مدد کرتی، ایک ایک جملہ پڑھ کر شامی کا سامنا اپنی انشا پر بازی اور خواہ مخواہ کی ہمدانی کا غرور اس دن پانی کے بلبل کی مانند ٹوٹ کر رہ گیا، یا اللہ! میں کس صحبت میں پھنس گیا۔ کیا کوئی کیا نہ کرے، پھر سے پھر سے کے مارے ہر مایاں چھٹ رہی تھیں! اُئی چھٹ کی محنت کے بعد مشکل سے دو تین سہنہ ترجمہ کر کے مولانا نصر اللہ خاں عزیزی کے سامنے رکھیں وہ ترجمہ پڑھ کر کدے سے سکرانے عبادت جگہ سے دست کیا، ہمدی کے بعد میں بتایا کہ انگریزی کے جملوں کو اُردو میں اس طرح منتقل کرنا چاہئے، لفظوں کی درستگی کی یہ صحت ہوئی چاہئے۔

رات کو پلنگ پر لیٹا تو دل و دماغ بیکٹ کشش اور پریشانی میں مبتلا تھے۔ عقل کہتی کہ یہاں سے بھاگ چلو، یہ دنگ تمہارے بس کا نہیں ہے مگر دل مشرہ دیتا کہ اس منزل میں ناکام ہو گئے تو یہ احساس کمتری تمہاری زندگی میں ادب و دانش کے باب پر ہمیشہ کے لئے سیاہی پھیر دے گا، اور تمہارا ادبی مستقبل ختم ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو، ہمت سے کام لو، یہ منزل دشوار قدر رفتہ آسان ہو جائے گی!

دوسرے دن مولانا نصر اللہ خاں عزیزی نے ایک اُردو مضمون ترجمہ کے لئے دیا، جس کے ترجمہ میں پہلے دن کے مقابل میں کم دشواری پیش آئی، اس طرح رفتہ رفتہ ترجمہ کی مشق بڑھتی چلی گئی، یہاں تک کہ ایک شائق اور تحریک کار مترجم کی طرح اُردو اخبار کے چار چار کالموں کے لئے انگلی سے اُردو ترجمہ کرنا دشوار نہ لگتا۔ اس کامیابی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ "السنی منی والامام من اللہ" کا پیرا بدھ بھی تھا اور تجربہ بھی! ترجمہ کے بعد روزنامہ مدینہ کے ادبی کالموں کی ترتیب بھی مجھے متعلق تھی اور کدوں پر بندرہ بھی! سیاست کے وقتی مسائل اور ہنگامی ضرورتا پر کبھی کبھار بھی میرے نام سے چھپتی تھیں، روزنامہ مدینہ بڑی شان ادا ہوتا تھا سے نکلا، مولانا طغر علی خاں مرحوم نے اپنے شہرہ آفاق اخبار "زمیندار" میں مدینہ کا پیر مقدم کرتے ہوئے ایک نظم شائع فرمائی جس کا ایک شعر یہ تھا۔

زمضان نے ترے آنے کی سنا لی ہے نوید

اس ہمینہ کو مدینہ کا ہمینہ کہئے

مجز کے "مدینہ" اور لاہور کے روزنامہ "الغلاب" سے ان دونوں کی سیاسی مسند پر ڈک جھڑک ہو گئی تھی، مولانا طغر علی خاں نے اپنی

نظم کے اس شعر میں۔

بذر باقی نہیں ہرگز مشرہ فاکشیرہ گایاں جو تجھے دے اُس کو کینہ کہئے

میں صاحب موصوف حضرت فیض الہند کے تربیت یافتہ مولانا محمد امجد علی صاحب مرحوم ہمارے کمال کے صاحبزادے اور حضرت مولانا قادی صاحب مرحوم دارالعلوم دہلویہ کے توفیق میں کم و بیش بیس بائیس سال سے کتب میں تمام فراہم امداد کی وجہ سے اُن کے علم پر اس قدر محنت کے مابین دو متر چٹان کی حرکت آراہینت منظر عام پر آچکی ہے! انیسویں صدی میں اُن کے صحافتی شغل جاری نہ رہ سکے! تقسیم ہند کے بعد جب بھی کسی بیاد جانا ہمارا ان کی محنت کی بدولت قیام باطل کی تہدید ہو گئی۔

اخبار ہند کی حمایت اور دفنامہ انقلاب پر چوٹ کی اس سلسلہ میں یہ تذکرہ عجیب سے خالی نہ ہو گا کہ سالک و محرم نے دفنامہ زمیندار سے دو ٹوک
اخبار زمیندار کے توڑ پھانچا دفنامہ انقلاب کا نام سے نکالا تھا۔

دفنامہ زمیندار زمیندار کے خیراتی ہوتی، مگر اس زمانہ میں دفنامہ ایک ایسے مقام سے نکلا چاہتے تھا جہاں ایڈیٹر ایس سے رابطہ
قائم ہو سکتا اور وہاں ریل کی پراچ لائن نہیں، ریل لائن ہوتی، زمیندار کہنے کو تو فیصل کا صد مقام تھا مگر اس کی آبادی فقیر کی حیثیت رکھتی تھی، پراچ
لائن کا ویلے سیشن مگر پیٹ فارم نہ وارد، یہی حال یوپی کے گھنڈہ گھر کا تھا کہ گھر موجود لیکن گھنڈہ غائب! ایڈیٹر ایڈیٹر ایس کی خبروں کا بندل
ریل کے ذریعہ دئیے آتا تھا اور دوسرے اخباروں کے مقابلہ میں ایک دن تاخیر سے خبریں چھپتی تھیں، زمیندار کی بجائے مراد آباد سے دفنامہ نکلتا، تو
فرد کا سیلاب ہوتا، مولوی جو جیسے صاحب اس کے لئے آدھ نہیں ہوتے، گھر بڑھ چکے تھے، زمیندار اخبار کے لئے نہیں لکھتے تھے۔
دفنامہ زمیندار کی ادارت میں ہم دو آدمی تھے، سید صلاح الدین بہاری اور قائم الطوف، باقی عمدہ سے دفنامہ اخبار میں پختہ کام
کرتا رہا، اشتعالی شیعہ میں ایک کرک کا اضافہ ہوا تھا، نقیضین نام کے ایک صاحب چند دنوں اس پوسٹ پر کارگزار رہے، آج کل وہ اشتعالی کے فضل
سے ہمدرد خانہ میں بیٹھ رہے ہیں اور دوسرا کٹر شیعہ تھا وہ ہاتھ ہیں۔

دفنامہ زمیندار کی ادارت سے کابلی ہونے کے علاوہ بچوں کے چندہ دفنامہ زمیندار کے بچوں کا بھی میں ایڈیٹر تھا۔ اصل پوسٹ ہی جب نہ رہی تو یہ
ضلعی خدمت کے طور پر تیار رہ گئی تھی، دفنامہ بند ہوجانے کے بعد میں ہائیول چل گیا، وہاں سے مولانا عبدالقدیر بدایونی کی... جمعیت میں چند آباد
دکن پہنچا اور پھر برابری بھاری جہاز سے عراق کا سفر کیا۔

اس زمانے کی وجہ سے ان کے ذکر کرنے کو دل چاہتا ہے، ایک خبر تھی جس کی سرخی میں نے ان لفظوں میں قائم کی تھی۔

۔ بنگال میں گورنر نے سید یو کا انتظام کر دیا ۔

کاتب صاحب نے اس سرخی کو اس طرح لکھا ۔

۔ بنگال میں گورنر نے سید یو کا انتظام کر دیا ۔

وہ تفسیر ہوئی کہ کاتب کی اس غلطی پر میری نگاہ پڑ گئی نہ اس طرح غریب چاہی تو..... ۱۹

ان دونوں حکومت کی طرف سے اخبارات کی بڑی سخت نگرانی ہوتی تھی، ہم خبروں پر عزائم بھی خامی احتیاط کے ساتھ قائم کرتے، ایک دفعہ ایک شخص نے کہہ دیا
بہانہ نے کان لپکا دھوکا دیا، ان کا استعمال ہر ایسی طبیعت میں پسندیدہ ہوتی ہیں جو چھوٹا، تھوڑی دیر میں نظریہ کا ایک شریک بن گیا، جس نے اس
مذہب کا تہران بنایا، شعر تھا ۔

لے جو ابھی صاف وفات پا چکے ہیں، مولانا غلام رسول تہرانہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بقید حیات ہیں۔ سب سے صاحب صحافت و سیاست کے ساتھ تھیں، بڑی معلومات
رکھتے تھے، خامی و پس شخصیت، دفنامہ زمیندار نہ ہوجانے کے بعد کچھ دنوں کان لپک میں قیام کیا، مولانا حضرت مرانی صہان کے خاندان سے تعلقات تھے، پھر مراد آباد
دکن چلے گئے، ان کا قاضی صاحب انصاف و عزم کے ساتھ دفنامہ زمیندار کے شیعہ انقلاب سے متعلق رہے، اس کے بعد ان کے رفیق ترقی آمد کے ساتھ کے انتخابات کو نبھایا
اور غائب صلیق علی خاں کی رفاقت میں کام کیا، پھر وہی میں مرکز کا رفیق ترقی آمد سے ان کا تعلق رہا، ان کے بعد مولوی عبدالحق کا اہتمام وہاں کے کام میں تھا، اچھے
کانون کے شرفین خیر کے مطابق کتبہ دست انداز کے خلاف سے ہمیں ہمارا اقدیم بندہ سے کچھ دنوں قبل شاہ ولی ہوتی، پاکستان بن جانے کے بعد
برقی پتوں میں ایسے گھر کے سیاست و صحافت کی زندگی کا بالکل خیر واکو دیا، اصد قمر کے رسم خیر نہایت بن کر دے گئے، ان کے بعد میں ایسا تقریر بہت
کم دیکھنے میں آیا ہے!

بیتِ محسن کے رازِ نصرت آپ نہ داد

گرچہ ہر سرِ دادِ ظاہر ہو ادبِ گزشت

اس شعر میں دائر لکھ بہادری جو لطیف طنز تھی اس کا اظہار لکھ چڑھے ادار پئے سے بھی چھٹا ممکن تھا، اس سہرا سے بے چارے اس لطافت طنز کو کہیں سمجھ سکتے تھے!

بجنور میں عبدالسیح نام کے ایک مختار تھے، گورنٹ سے خزانہ صاحب کا خطاب پاتے ہوئے ان کے بیٹے عبداللطیف اپنے والد کی بالکل ضد تھے، وہم کو آدھی اور صاحب زادے کو لڑکا لگتی، ایک دو بار میں ہی کاٹ چکے تھے، فخر - مدینہ میں ان کا آنا جانا رہتا تھا، مولانا انصاری خلیفہ تھے ایک ہندو بھائی ان صاحب سے ملکر پڑھنے میں دبا کر گھما کر مولانا آثار سے سیکھا ہے، چادر اڑھنا جو ہر رات پہنوں سے، اپنی عیادت کا تذکرہ مولانا محمد علی جوہر کے انداز میں کرتے ہیں اور سنجیدہ بننے کی کوشش میں محکم اہل خانہ کی نفع آمار تھے۔

اسد اللہ خان کے سفید رومڑے مولوی اکبر شاہ خان غیب آبادی سے بھی ہنیہ منزل بھی میں نیاز حاصل ہوا، لہذا قدسیہ سنگت، کھدک کا انگوٹھا، اسی کی ٹوپی اور بپا جامہ اور ہاتھ میں کان سے اوپا لٹھے، مولوی جی جین صاحب ان کے دوستانہ مراسم تھے، البتہ خان مرحوم کی زندگی میں ایک ایسا تدبیک نہ ہو سکا کہ وہ نادانی ہو گئے اور عقیدت کے جوش میں مرزا غلام احمد قادیانی کے خلیفہ محکم قرال الدین (علیہ علیہ) کی بیوگرافی تک مرتب کر ڈالی مگر پھر اللہ تعالیٰ نے قریب کی توین عطا فرمادی اور وہ کوہِ فضلات کے اس دامن سے نکل کر سہل پہل ہو گئے۔

حضرت جگمور آبادی سے پہلی بار ملاقات "مدینہ" کے دفتر میں ہوئی مولوی جی جین مرحوم نے ان کے اعزاز میں شعر و سخن کی ایک نشست کا اہتمام کیا مولوی صاحب کو شہر و شہر سے خاصی دلچسپی تھی!

مولوی جی جین مرحوم کی زندگی کا آغاز ایک خوشنویس اور کاتب کی حیثیت سے ہوا پھر انہوں نے اپنے وطن بجنور سے سندھ اخبار "مدینہ" نکالنا شروع کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کام میں بڑی برکت عطا فرمائی "مدینہ" کی مقبولیت میں اضافہ ہی ہوتا ہوا گیا، متحدہ ہندوستان کے علاوہ افریقہ، و نیجریا، کریشین، عدن، اور حجاز وغیرہ ممالک میں بھی "مدینہ" کے خواہاںوں کی خاصی تعداد تھی، اخبار کے ساتھ کتابوں کی اشاعت کا کام بھی بہت فخر بخش رہا خاص طور سے حضرت شیخ الحداد کا ترجمہ قرآن میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے حواشی ہیں، اس کی اشاعت نے انہیں اہل علم کر دیا، بلاک سڈی کے لئے، متن، ترجمہ، اور اضافی کی پہلی دیکھیں مولوی صاحب کو بڑی دیدہ دینی اور محنت و مشقت کرنی پڑی!

پریس، اخبار اور مکتبہ سے مولوی صاحب مرحوم کو بڑا سہارا ملا تھا، اولاد سے ۳۵ سال قبل ان کا شمار ضلع جیوڑے کے خوش حال بلکہ طاقتور انسانوں میں ہوتا تھا، مگر اس موت ناموس اور خوش حالی کے باوجود وہ مسکراہٹ المذاہب تھے، سیدھی ساری متوازن زندگی جو نام و نمود اور تکلفات سے پاک تھا، خوش چین اور سادگی معاملات میں محتاط، دبیریاں تھیں، اور دلوں کے اولاد تھی! خصوصیت سندھ پڑھنے والوں کی خاموشی کے ساتھ ادا کرتے، مولوی صاحب کی خیر فہم روش کی بدولت شہر کے ہر طبقہ میں ان کی عزت کی جاتی، حافظ محمد ابراہیم جوہر ہیں۔ چلے گئے علیحدہ ہیں، اس کے بعد ہندوستانی حکومت میں کر کے دنیہ پرست اور پھر لڑکھ دو سال مغربی پنجاب کی گورنری کا لطف بھی اٹھایا، ان کو اخبار "مدینہ" دہلی کے دفتر میں لقمہ اطوار سے پکڑا دیا کہ ان روز وہ گیندیں و گالت کرتے تھے۔ اور مولوی جی جین صاحب کو اپنا بڑا سہرا کہنا زمانہ نانا میں ملے تھے۔

مولوی صاحب مرحوم چلے گئے خوشنویسی اہل کاتب کے گمنام تھے اس لئے ان کی نگراں میں اخبار "مدینہ" کی کات میاں رہتی، کوئی کاتب جھلتا اور بچہ پڑھتا ہے کام لیتا تو اس کو دیکھتے ادب سے گنہ گار تھے مولوی کے دائروں اور شعروں کے لوگ ہلک اس طرح صحبت کئے جاتے ہیں، اخبار "مدینہ" کے ادارہ سے بچنے سے پہلے خود تھے، بعض اوقات ان کے بولوں کو لوگ بھی دیتے کہ وہ خیال کے اخبار ہیں، گویا یہی رہی ہے، اعلیٰ اس وقت کے ساتھ نہیں لکھا گیا، جس وقت کا صحافت متنازع تھا۔

مولوی صاحب مرحوم سرحد پر تک مذہبی آدمی تھے، صوم و صلوة کے انتہائی پابند، پاک صاف زندگی، علم و دین سے بے حد شغف و اشتیاق، عقیدت مندانہ دل سے اس اخبار "مدینہ" کے علمبردار تھے۔ مدینہ کلب قائم کیا تھا جس میں فٹ بال مٹی تھی، پھر کے پھر کھیتوں کے درمیان کھیل کا میدان تھا۔ دین پر مولوی صاحب نے بھی فٹ بال میں حصہ لے کر، ہم جوانوں اصابتِ غلطی کی بہت افزائی کی اصلاحی طبع کا ثبوت دیا۔

۱۹۳۳ء کے بعد مولوی صاحب مرحوم سے پھر قرقانات کا موقع ملا اور ان سے خط و کتابت کا معاہدہ، سولہ سال کی اس طویل فترت کے بعد ۱۹۴۹ء میں جب میں نے "فاران" نکالا تو اس کا اشتہار "مدینہ" میں اشاعت کی غرض سے بھیجا اور مولوی صاحب نے اسے کسی معاوضہ کے بغیر اپنے اخبار پر شائع فرمایا، اسی طرح "رسالتِ نبویہ" اور "توحید نمبر" کے اشتہارات بھی "مدینہ" میں نمایاں طور پر اشاعت پذیر ہوئے اور ان کے تبادلہ میں "فاران" میں چھپنے کی مولوی صاحب مرحوم نے اپنے کتبہ کی کتاب تک کا اشتہار نہیں کیا۔

سنا ہے کہ اب کچھ دنوں سے مولوی صاحب مرحوم کے مالی حالات پہلے جیسے نہیں رہے تھے، مگر انہوں نے استقلال و عزیمت اور ہر دشمن کے ساتھ یہ زمانہ گزارا، ڈیڑھ دو مہینہ ہوئے کہ مدینہ میں ایک مضمون نگاہ سے گزرا، جس میں حالِ نامہ کی صحت کی گئی تھی اور افغان المسلمین پر چوٹیں تھیں بھرت نہ لگایں، مولوی صاحب مرحوم کو شکوہ آئینہ خط لکھا کہ مدینہ کا ایسا رنگ ہو گیا ہے، ظالم کی حمایت و مدافعت اور ظالم پر طنز و طعنت..... یہ کیا ہوا ہے؟ اس خط کے کچھ دن بعد "مدینہ" میں ان کے انتقال کی خبر پڑھی، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔



طاقت و توانائی کا مکمل گودس

مستقل فائدہ، قابل اعتماد توانائی — فرسٹ کلاس سندسٹی

مانع اعظم: ذل، دماغ، معدہ، جگر کے لئے کبیرہ منشی ہوا سے مبرا، ادویات کا محفوظ طبی کا مشہد، ایف اے ایم ایس، ایک ماہ دس روپے
طلائے شباب خاص: بیرونی کمزوری کے لئے بے ضرر — ایک ماہ دس روپے

ببوب کبیرہ خاص الخاص: اعصاب، ریشہ، اعصابی قوتوں کو بحال کرنے والا کستوری، مخمر، مغز سرکشک، زمرہ، یا قوت،
فرزہ، کشتہ چاندی، کشتہ سداقت و خیرہ کا مرکب — ایک ماہ ۱۶ روپے

نوٹ: ہر ماہ ادویات کا مکمل گودس: ۱- ۳۶ روپے نفٹ گودس: ۱- ۱۹/۵۰ روپے
مکس گودس: ہنگامہ پر محصول گودس

فون نمبر ۳۰۲۱

ملہ کا پتہ: ۱- اشرف لیبارٹریز۔ لائل پور

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا — کورا اور دھلا لٹھا

ہر قسم کا دھاگا تیار ہوتا ہے

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے

پاکستان کی صنعت کی ترقی اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

ماہر لٹریچر

مَرْحَبًا! مَا لَا صِيَامَ

مرحبا! اے ماہِ تسبیح و صلوات مرحبا! اے دودِ غفران و نجات
 مرحبا! شہرِ تراویح و سحر دل کو حاصل ہے عرود آنکھوں کو نور
 اے کہ تو ہے رحمت پروردگار تیری آمد ، آمدِ فصل بہار
 رات دن سجدوں میں ہیں پیشانیاں ہر نفس اک محفلِ روحانیاں
 کیا بہارِ قرأت و تجوید ہے اہلِ دل ، اہلِ نظر کی عید ہے
 تابعِ فرمانِ حق ہیں روزہ دار احتسابِ نفس ہے جن کا شعار
 زہدِ اہلِ پاکیزگی کا دور ہے ان دنوں دنیا کا عالم ادھ ہے
 روزہ کیا ہے؟ نفسِ امارہ شکن امتِ مزاجِ صحتِ روح و بدن
 مسجدیں آباد ہیں ، معمور ہیں ہر قدم پر جملہ مائے طہ ہیں
 ہر مسلمان آج خوش اوقات ہے یادِ حق ، ذکرِ خدا دن رات ہے

یہ مبارک اور مقدس صبح و شام

أُنْزِلَ الْقُرْآنُ فِي شَهْرِ الصِّيَامِ

راستہ غوفائی

ہر گھبراہٹ کی ہے طرزِ خفا آرائی جدا
گستاخِ دالہل ہے میں آدابِ بھرائی جدا
نہرے تھکے کپڑے بھی ہیں دھن دھن سے
دوسرے ہے تیرا اندازِ شناسائی جدا
تیری نفرت میں ستا ہے مجھے شام و صبح
نغمہ جہاں جہاں ہے اندوہِ تنہائی جدا
تو ادھر میری ہوائی میں ملکِ ہر دم بخود
میں ادھر بیتابِ غم ہوں بشلِ مولائی جدا
میرے دل سے یاد تیری جو ہو سکتی نہیں
کون کہہ سکتا ہے گل سے سخنِ دہنائی جدا
راستہ اس غم کے لئے الفاظِ دل کے نہیں
کہہ دیا ہے موت نے مجھ سے مرا بھائی جدا

راشدات علیٰ حقیر

کسی نوائے سے بھی دیکھے زمانہ
میری بگڑنے لگتا ہے رہے گی
الٹ پھریں یہ تو دنیا کے لئے دل
حقیقتِ حقیقت، فسانہ فسانہ
بکھاتا ہے اس کانٹے زمانہ
نوشہِ متعلق ہے نہ غمِ جاودانہ

طینِ عمر شکی

اب لب پہ زندگی کا نڈھال نہیں رہا
وہ عشق و عاشقی کا زمانہ نہیں رہا
پہاں پر چکا ہے گلستاں نہیں رہا
سہا سہا ندر دیوں کا بیسہ نہیں رہا
اے غیبِ شوقِ آن کو کہاں کیجئے تلاش
اپنا ہی اس جہاں میں ٹھکانہ نہیں رہا

انتہا پر غمِ دھواں کی ایم ہے
گشتِ گرچہ زندہ ہے برق و شرار کی
اہلِ جن میں دھرم و جہنم بہار کی
ماہ و نجوم کا کشتی بھی ہے گر دریاہ
پردازِ سوسے غرض ہے شبتِ غبار کی
ہست شکن تھی نزل و شرارِ عاشقی
اہلِ ہوس نے ماہِ فرارِ اختیار کی
پھرتی ہے لیکے گرویشِ دہلاں مجھے کہاں
آخر یہ جہت ہے تجھے کس دیار کی
ایں ایم افکارِ حشرِ حشری

یہ شاہِ گد غریب کی شام ہے
نفسِ بہادران کی جوانی کا نام ہے
نظروں کا کتہ کتہ فوج سے دوستو
کیا میری سادگی میں نہیں بھی کلام ہے
میں الفتِ الٰہی زمانہ کو کیسے کر دے
بھوکہ تو ان کی چشمِ آہ سے کام ہے
بے موت مرنا ہوں کسی کے لئے فخر
شاید فریغِ غیب میں بھر دوام ہے

ہمارے نظریے

سفیرج غلام فرید بھٹی نظامی (نصائح و نصوات) ۸ صفحات (جلد ۱ رنگین گروپوش) قیمت تین روپے
ملنے کا پتہ ۱۔ سلطان حسین اینڈ سنسرز، جنس روڈ کراچی۔

جناب خاتم فرید قندھار کو ۱۹۶۲ء میں زیادہ تر زمین شریفین کی سوا دہ لکھ پ ہوئی تھی، اس بار ایک غر کے واقعات انہوں نے اچھیر و عورت خواجہ حسن نظام صاحب مرحوم کے بعد نامائے گھر نذر تلمبہ لکھے ہیں جو صاحب چاہا اور دولت آفرین ہیں کہ گھر سوار پر خود مصنف نے لکھا ہے :-

”فسخ برج کی مجلس داستان، جو ایک دیوانے کو مین آئی ادب جسکی نے کبھی اس انداز میں پیش نہیں کیا“

اس شعر نامیں ”جناب و دیوانگی“ اند و اہلناہ شیعہ غفلت“ ایک ایک سطر سے نمایاں ہے، لکھنے کا حسن ہے سوز و دل کو الفاظ میں مرید ہے جسے پڑھ کر دل متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

”ہندوستانی دھرم کی قدیم قیمت کیوں ہے؟“ اللہ پاکستانی کرنسی کو کمزور ٹھکرا دیا جاتا ہے۔۔۔۔۔ کوئی باہران اسباب کے وجہ مجھے بتا سکے تو مطمئن ہو جاؤں گا، ورنہ اپنے پاکستان کے وقار پر اس گہرے وجہ پر افسوس بہانے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ (ص ۲۶) اس عبارت کے آخری جملہ میں عبارت پر ”آئے اور“ لفظوں کے مدد سے غلط فہمی کی بجائے کچن پیدا کرو یا۔۔۔۔۔ لوگ کمزوروں کو کمزور کی طرح بائبل میں بھرتے ہیں“ (ص ۱۱) عینہ سندھ میں اریز اور خود دینہ کے پندرہ والوں کی کثرت و آواز نام کو۔ کمزور کمزوروں سے تشبیہ دینا، محبت کے منافی ہے۔“ حضرت عی الیہ السلام کی عمر کے گھر کے پاس ”حق“ یہ کتاب کی جلی معلوم ہوتی ہے کہ۔ الہ کی بجائے عی“ چھپ گیا سہی طرح ص ۲۱۱ پر۔ ”عالمہ کی جگہ“ عاتقہ“ پڑھنا چاہا۔۔۔۔۔ اور ص ۱۹ پر بھی ”اسطوانات الہیہ“ کو۔ اسطوانات الہیہ“ کتابت کیا گیا ہے۔

”ہوش کو، غلام فرید!“ ”ہوش میں آؤ“ ”یا“ ہوش سے کام لو، لکھنا تھا۔“ ایسے عالم میں نہ دنیا کی ہوش ”۱۲۷۸ء۔ ہوش“ قیلاذ
 ذکر ہے۔ ”جہاں حرم نرغز لاف کا فرش آگ“ اگلے رات تھا وہاں سرائہ دانا پر دھوپ پوری طرح سرائی تھی ”۱۲۱۶ء حرم کعبہ میں دواں کے مقدس فرش سے آؤ
 اگلے کی نسبت ہوش و تمازت کی کیفیت اظہار کے لئے مناسب نہیں، ”سراو داغ پر دھوپ کا سوار ہونا“ زبان کا دیکے اعتبار سے اچھی تشبیہ نہیں ہے۔
 جناب نا، واحد صاحب نے اس کتاب پر ”تاثرات“ کے عنوان سے جو پیش لفظ لکھا ہے اس کا ایک اقتباس:-

۴۰۔ بعضی صاحب مہذوب نہیں ہیں، اس لک میں اوس میں نے انہیں دیکھا ہے اور ملتے سناتے ہیں بڑی کھجور کی باتیں کرتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا جب غلبہ ہوتا ہے تو کبھی کبھی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑھایا ہوا مسکن بھول جاتے ہیں اور اسے عشق سے سرشار ہو کر جھوٹے دوست سے ہاتھ نکل جاتے ہیں۔

یہ غلام واحدی صاحب کے ان آثار کی تصدیق کرتا ہے کہ انہی ایضاً مقامات نگاہ سگندے جہاں غلام فرید صاحب غرہ عقیدت کے سبب
نوحہ اندیشی کے تغاضروں کو ملحوظ نہیں رکھ سکے۔ — شلاً —

حضرت اعلیٰ العالیین کی یہ مسجد پر اٹھایا۔ جس میں انہیں حکم اس کی پرستش کی جائے۔ (دعویٰ ۶) حالانکہ مسجد نبویؐ ہر یا حرم کہہ ان میں سے کسی عمارت

آدم جی کے پارچہ جاتا دیر پاڑتے ہیں



آدم جی کاٹن ملز لائنڈھی کراچی



دس برس سے نوآبادیوں میں قبل اندقت پر حلقہ کے آثار نظر کرنے
لگے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب انھیں اور ان کا فیضان ہوتی ہے۔
اس غیر طبعی حالت سے بچنے کے لئے ہمدرد کا مادہ الم و دوا آنتہ
استعمال کیجئے۔ یہ صحت و شباب قائم رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔
ہر طبی تحقیق کی مدد سے مادہ الم کے خواص اور خوبی کو کامل تک

پہنچا دیا گیا ہے اور اب ہر لحاظ سے ایک دینا مکمل اور موثر

دوا بن گیا ہے جو تھکے ہوئے اعصاب کو کھوت بخشتا ہے اور

پورے نظام جسمانی کو چاق و چوبند کر کے سال بھر کے لئے

سرورق توانائی پیدا کرتا ہے۔ بیشمار لوگ اس کی تاثیر کو آنا چکے ہیں

حاشا للحمد

جانوں میں ہی قدرت اور صحت حاصل کرنے کے لئے ایک مکمل اور موثر دوا



ہمدرد دوا خانہ (دقت) پاکستان
کراچی - ۱۱۰۰ - ڈھاکہ - پتہ لاہور

شماره ۱۱

جلد ۱۸

فاران

ماہنامہ

ماہ فروری ۱۹۶۷ء

ماہر القادری

ایڈیٹر

تذکرہ

۳	ماہر القادری	لغش اول
۱۸	حکیم گلپن کرناٹی	فاران کی تنقید پر تنقید
۲۷	سید معروف شاہ شیازی دایم راس	روشن مستقبل
۳۲	محمد صاحب اللہ شریانی	نظام تعلیم
۳۵	مولانا محمد مصطفیٰ رحیمی گڑھی	تفسیر
۳۸	ماہر القادری	باد و فتنہاں
۴۱	---	توک چند حرم کا غیر مطبوعہ کلام
۴۴	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی	روح انتخاب
۴۷	---	ہماری نظریں
۵۰	---	پیشتر

مسرحین

چند سالانہ
سات روپے

دفتر ماہنامہ فاران کیمیل اسٹریٹ کراچی

قیمت فی پرچہ
۶۲ پیسے

مسرحین پیشتر غنیمت پیشتر دیس لکچر ہے چھپا کر دفتر ماہنامہ فاران کیمیل اسٹریٹ کراچی پر اجلاس منع کیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نفسی اول

جماعت اسلامی اعلیٰ کلمۃ الحق کے جس مقصد کے لئے وجود میں آئی ہے اور اقامتِ دین کی جس دعوت کو لے کر اٹھی ہے اس پر بدستور قائم اور اسی راہ سعادت و عزیمت پر گامزن ہے، اس کے مسلک، مقصد اور عقیدہ میں نہ براہِ فرق انداز مقصد کے حصول کی راہ میں کوئی "فترت" واقع نہیں ہوئی، اس کے قول و عمل سے کسی ایسی بات کا صمد اور غمخوار نہیں ہوا، جس سے یہ سمجھا جائے کہ جماعت اسلامی کی دعوت، مقصد اور پیام میں تبدیلی، انتشار یا اضطراب و تذبذب پیدا ہو گیا ہے، نہ اربع صدی کی مدت گزرنے کے بعد بھی، جماعت اسلامی کا مقصد معنی نظر اور نصب العین وہی ہے جو اس کے قیام کے پہلے دن تھا!

جماعت اسلامی کے افراد دنیا کے جس خطہ میں بھی پائے جاتے ہیں، ان کی کوششوں کا محور - اقامتِ دین ہے! ان ہر طریق کار میں ماحول اور گرد و پیش کے لحاظ سے یکساںی نہیں پائی جاتی اور نہ پائی جانی چاہئے مثلاً جس خطہ زمین میں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے وہاں اسلامی حکومت کے قیام کا مطالبہ ان کی جد و جہد کا مرکز اور موضوع بنا ہوا ہے، لیکن جن ملکوں میں تعداد کے اعتبار سے غیر مسلموں کا غلبہ ہے، مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں - اقامتِ دین کی ان بنیادی شرائط کو پیش اور واضح کیا جاتا ہے کہ جن کے بغیر ایمان اور اسلام کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اور خاص طور سے غیر مسلموں میں اسلام کو دینِ حق اور دینِ فطرت ثابت کرنے کے لئے تبلیغ کی جاتی ہے، اور متعصب نادین نے اسلام کے بارے میں جو نفرت اور وحشت پھیلا دی ہے، اس کو اس واپسی سے بدلنے کے لئے یہ داعیانِ حق اپنی تمام توانائیاں اور صلاحیتیں صرف کر رہے ہیں، دعوت کے ساتھ عزیمت اس جماعت کی سب سے بڑی خصوصیت ہے اور وہاں کے نقصانات سے دوچار رہے ہیں اور طرح طرح کی مصیبتوں اور پریشانیوں کا انہیں سامنا کرنا پڑا ہے، مگر کوئی لالچ، ہمارا اور مصیبت ان کے عزم اور نصب العین میں لپک اور جھکاؤ پیدا نہیں کر سکی؟

جس جماعت کا اتنا بلند مقصد اور اس قدر مقدس نصب العین ہو، اور جس نے دعوت کے ہر مرحلہ میں اس وجہ عزیمت اور استقامت اور بے لپک کردار کا ثبوت دیا ہو، جس کے کارکنوں کی زندگیوں کو کھلی کتاب کی طرح دنیا کے سامنے ہوں۔ جس کا پیش کیا ہوا پروردگار صفوں کا لٹیر ہے جماعت کی ذہنی فکری شہادت دے رہا ہو — وہ جماعت دین پسند طبقوں کی طرف سے شایانِ تأیید و تعاون ہے یا ملامت و بیزاری کی مستحق ہے۔

ہو ناکا چاہئے تھا اور ہو کیا رہا ہے؟ دینی طبقوں کی عام طور پر روش جماعت اسلامی کے ساتھ غیر مسلمانوں ہی نہیں بلکہ عداوت

خلافت کی روش ہے، جیسے جماعت دنیا کے ہر پران کی سب سے بڑی حلیہ تنظیم ہے! اہل تقلید، اہل حدیث حضرات کے بارے میں جو رائے رکھتے ہیں، وہ سب کو معلوم ہے، یہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی حیاتِ اعلیٰ کوئی فتح کر کے انہوں نے فتحِ خائبہ کے ساتھ جماعتِ اہل حدیث کے بارے میں اس کا اعلان کیا کہ یہ بھی مسلکِ حق ہے، اور اس اعتراف اور اعلان کو انہوں نے کسی قسم کی "اگر مگر" سے آلودہ نہیں کیا، اور جماعتِ اسلامی جو تمام مسلمانوں کو دعوتِ اتحاد و حقیت ہے خود اس میں اہل حدیث کے بعض افراد نے شریک ہو کر کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہیں کی، مگر انہوں نے کہ اہل حدیث کے بعض رسائل اور اخباروں میں ایسی عبارتیں بھی ہماری نظر سے گزری ہیں جس میں جماعتِ اسلامی کو قادیانی جماعت کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ تشبیہ اور اس قسم کی مماثلت کتنی صریحی ناانصافی کتنا بظاہر ظلم اور حقیقت کو منہ کر کے کتنی سفاکانہ کوشش ہے!

سب سے زیادہ دکھ یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ علماء دیوبند جن کو جماعتِ اسلامی کا سب سے بڑا موملہ، ہمہ د اور غیر فلولہ ہونا چاہئے تھا انہی کی خاصی اکثریت جماعت کی خفیہ اور علانیہ مخالفت میں لگی ہوئی ہے، یہ حضرات جماعت کی تائید نہ فرماتے بلکہ خاموش اور طیسرہ جانب دار رہتے تو بھی غیبت تھا مگر ان کی روش تو یہ ہے جماعت کی مخالفت جیسے کوئی دینی فریضہ ہے، جسے یہ ہندوگان کلامِ انجیل دے رہے ہیں، ان میں سے کتنے ایسے سادہ مزاج ہندو ہیں جنہوں نے جماعتِ اسلامی کی کتابوں کا خود مطالعہ کرنے کی زحمت برداشت نہیں کی، بلکہ اپنے عقیدت مندوں کی شکی سنا کر باتوں پر اعتبار کر کے، جماعت اور مولانا مودودی کے بارے میں انتہائی بدظن ہو گئے! ایک بہت بڑے دیوبندی عالم جو ذاتِ پاک ہیں اور جہاں حضرات کے نزدیک شیخ الشیخ کا درجہ رکھتے ہیں، جماعتِ اسلامی ہند کے ذمہ دار افراد نے ان سے عاجزانہ درخواست اور مخلصانہ التجائیں کیں کہ وہ انہیں ملاقات کا وقت عنایت فرمادیں تاکہ جماعتِ اسلامی کے شرعیہ میں جن باتوں پر حضرت والا کو اعتراض ہے ان کی وضاحت کی جاسکے۔ لیکن ان ہندو شخصیت نے مسلمانوں کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ کسی فرد یا جماعت کی تفسیل و تفسیق کے بارے میں یہ سہل انگاری کیا اہل علم و تقویٰ کو کسی طرح زیب دیتی ہے۔

جب ہمیں اس کا پتہ لگا تو ہماری حیرت اور انہوں کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ دیوبند کے بعض ایسے صاحبانِ علم و افتاء جن کی عالمانہ عقیدگی اور احساسِ ذمہ داری کے بارے میں ہم بہت کچھ خوش گمان تھے، جب ان تک کے تلم نے جماعتِ اسلامی پر ایسا دلفغانہ اور نسا و عمل کا الزام لگا دیا تو اس بے اعتدال، علم و تقویٰ کی افراط اور غیر ذمہ داری بلکہ زیادتی کا دوسرا قدم بھی ہو سکتا ہے کہ جماعتِ اسلامی کی "تکفیر کا فتویٰ صادر کر دیا جائے، چنانچہ دیوبند کے ایک بہت بڑے عالم نے اپنے مدرسہ کے ایک استاد اور فاضل اہلِ تسلیم کو یہ خدمت سپرد کی تھی کہ غلام احمد پر پیر پر جس طرح کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے، اسی بجے اور انداز پر جماعتِ اسلامی کے لٹریچر سے اقتباسات لے کر، مولانا مودودی کو "کافر" قرار دیا جائے، مگر ان صاحب نے اپنی نیک نفسی، خدامتی اور اخوت کی باز پرس کے سبب اس خدمت کے انجام دینے سے صاف انکار کر دیا کہ میں یہ کھیل نہیں کھیل سکتا!

سہ اچھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

اس دورِ انحطاط میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسی سید مدحیں پائی جاتی ہیں، اور ایسے لوگ ملتے ہیں جو حق کے معاملہ میں گروہی عصبیت میں مبتلا نہیں ہیں اور وہ "من تال" کی بجائے "ما تال" کا اصول پیشِ نظر رکھتے ہیں، اور کسی بڑے آدمی کا دباؤ، مددِ رعایت اور روزگار اور حیثیت کے تنگ ہو جانے کا خطرہ جینے اپنے خمیر کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا!

بہت تو بہت چھٹی سی ہے مگر اس سے ان حضرات کی ذہنی سطح کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ ہندوگان کلامِ انجیل اپنے کم سار عزیزوں اور ہندو داروں کے نام کے ساتھ "مردی" اور "مغلنا" لکھتے اور لکھتے ہیں مگر مولانا مودودی کو "مودودی صاحب" کہتے ہیں اور مولانا

صاحب کو مولانا یا مولوی کہہ کر اُن کی علمی اور دینی حیثیت کو *recognise* کرنا نہیں چاہتے۔ انہوں نے علم و فضل اور دینی قابلیت کا جو معیار اپنے ذہنوں میں قائم کر رکھا ہے، اُس پر مولانا مودودی غالباً چودہ سہ نہیں آتے۔ یہ گروہی عصبیت ہیں تو ادا کیا ہے تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام، تاریخ، عمرانیات، سیاسیات اور دوسرے علوم پر مولانا مودودی کی اتنی بلند پایہ کتابیں موجود ہیں کہ جب ان کی بعض کتابیں ترجمہ ہو کر عرب ممالک میں پہنچی ہیں تو اکابر علماء و عرب نے مولانا مودودی کو انتہائی شاندار الفاظ میں خُصّیاً تحسین پیش کیا ہے۔ ہند و پاکستان کے علماء میں مولانا مودودی کی تعریف کو یہ امتیاز اور خصوصیت حاصل ہے کہ وہ دنیا کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو کر مقبول ہوتی ہیں، خواص نے بھی اُن سے استفادہ کیا ہے اور عوام نے بھی فائدہ اٹھا یا ہے۔ بغیر ممالک کے کتنے اکابر علماء و اداکارانِ نسک میں مولانا مودودی صاحب کی کتابیں پڑھنے کے بعد اُن سے ملنے کی تمنا رکھتے ہیں، انفرس ہے کہ یہی مدنی طبع مولانا موصوف کے لئے "بلا" ثابت ہوتا ہے اور گروہی عصبیت کے ساتھ رنگ و حد بھی اُن کی مخالفت کا سبب بن گیا ہے!

علماء اور ادبا پر نسک کی کتابوں اور تحریروں کو پڑھنے اور ان کی بلندی و وسعت کا موازنہ کرنے کے لئے آسمان سے فرشتے نہیں آیا کرتے، ہر فرد کے متوسط معلومات کے اسبابِ ظہور، اہل نسک اور صاحبانِ ادب و انشاء ہی اس کا فیصلہ کرتے ہیں کہ کس عالم اور فکر نے کیا لکھا ہے؟ اور کیا لکھا ہے؟ اس بنا پر کسی معنوی انگ کے بغیر عرض ہے۔

ہے ادب شرط مند نہ کھلو آئیں

ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے

تو

مولانا مودودی کی کتابوں کا جہاں تک تعلق ہے وہ اس دور کے کسی ٹیم سے بڑے عالم دین اور مصنف و مفکر سے دیتے ہوئے نظر نہیں آتے؛ بلکہ یہاں تک علم و فضل سے صحیح طور پر سلیقہ کے ساتھ کام لینے کا تعلق ہے، اس خصوصیت میں وہ سب متاثر ہیں، یہ مولانا صاحب کی شاعرانہ انداز میں تعبیہ و ثوابی یا مدح و سرائی نہیں بلکہ راقیت کا کسی مبالغہ کے بغیر اظہار ہے۔ جب مولانا مودودی شام تشرین نے لکھے تھے تو ایک علمی اجتماع میں وہاں کے سابق مدیرِ محارف اور مفکر اہلِ مسلم جناب مصلحہ لدی تھانے ان لفظوں میں مولانا مودودی کی خدمت میں خراجِ تحسین و وحدت پیش کیا تھا کہ الاساذ مودودی، غزالی اندازِ تمبیہ کی صف کا آدمی ہے، اور خود دیوبندی کے مستند عالم دین اور علمی خانوادے کے چشم و چراغ اور بلند پایہ اہلِ تسلیم مولانا عامر عثمانی نے اُن پر متعدد مضامین میں اس کا اعلان اور اعتراف کر چکے ہیں کہ مودودی اپنے وقت کا امام ہے؛ حالانکہ جہاں تک اہم اطراف کے علم و خبر اور معلومات و مطالعہ کا تعلق ہے، جماعتِ اسلامی کے کسی فرد کی زبانِ قلم سے اس قسم کے مدحیہ الفاظ مولانا مودودی کی شان میں سننے اور پڑھنے میں نہیں آتے؛ جمعیۃ العلماء و اطراف کے رئیس علامہ محمد بشیر الابراہیمی مرحوم نے مولانا مودودی کے علم و فکر اور مہمانہ عزیمت کا جن شاندار لفظوں میں اعتراف کیا ہے وہ عربی و فارسی کی اسناد و نقیشت کے مقابلہ میں مولانا موصوف کے علم و فضل کی ہدیہا بلند شہادت ہے۔ علامہ مرحوم لکھتے ہیں: "پاکستان اور ہندوستان کے جن فضلاء سے میں متاثر ہوا ان میں سب سے زیادہ توفیق فی الدین رکھنے والے اور اسلام کے تاریخی حقائق پر بصیرت رکھنے والے ہیں آپ معلومات کے سہارا ہیں؛ روشن خیال اور تدبیر کے بادشاہ اور روحانیت کے صاف و شفاف آئینے ہیں، سب علی غاغرہ کو اسلامی اصول پر تطبیق دینے میں ماہر ہیں اور اس معاملہ میں ایک جدید طرزِ استدلال کے موجد ہیں، شریعت کے مزاج شناس اور اُس سے اسے احاسی کمتری کہیں یا جذبہ ہندی، جس میں اسبابِ دیوبند اچھے ہوئے ہیں، دنیا اب اتنی چھوٹی نہیں رہی، جتنی وہ کبھی تھی اور نہ علم و فضل اور ذات و فراست کا دائرہ اتنا تنگ اور محدود ہے، ان کو شاید نہیں معلوم کہ مولانا مودودی کے

علم فضل کا انکار کر کے، اپنے بارے میں وہ لکھی پڑھی دنیا کو بڑا تاثر دیتے ہیں! پھر بڑے بڑے ستم ظریفی یہ ہے کہ جو شخص مشرکانہ رسوم و عقائد اور بدعات کا منکر و محسب اور زہید خالص کا سہل ہے اور تہجد و مغرب و روزی کے برعکاس نہیں نے غیر اسلامی نظریوں سے نبوؤ ادا کی ہے، اس اپنی کچھ مضحکہ اڑی کہ، اسباب دیوبند نے اپنا مخالف سمجھ رکھا ہے۔

جہاں تک قلم کی لغزش اور سہو کا تعلق ہے، اس سے کوئی اہل قلم محفوظ نہیں ہے، غزالی، ابن عربی، ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ، کتنے بڑے آدمی اور صحیح معنی میں "رجل کار" ہیں مگر ان کے قلم سے بھی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، مگر ان چند غلطیوں کے سبب ان بڑے آدمیوں کی بلند شخصیتوں کی نفی نہیں کی جاتی! اکابر دیوبند اپنی کتابوں اور تحریروں میں غلطیوں سے کب محفوظ رہے ہیں! بریلوی نے علماء دیوبند کو مسطوحوں کرنے کے لئے جو کتابیں مرتب کی ہیں، ان میں اول تو بے سبب سنی پائی جاتی ہے، پھر انہوں نے ان الفاظ پر گرفت کی ہے، جن کی تاویل ہر کسی سے اردن میں بعض کا تعلق الفاظ کی بے احتیاطی سے ہے۔ مگر خدا تعالیٰ اسٹن ان حضرات کی سطح پر آکر، دیوبند کے مکتبہ فکر کو بدنام کرنے اور ملت میں انہیں بوجھ اور عجز و غرور سے بے ہوش کر دے، تو ہم اکابر دیوبند کی کتابوں اور تحریروں سے ایسی غلطیاں جن کو لوگوں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں جن کی خلافت اور تائید میں مشکل ہی سے کی جاسکتی ہے، یہاں تک کہ بعض حضرات جنہوں کو حرام ٹھہرانے میں ان حضرات نے نا چھ لئے تامل ادا دہی تحقیق سے کام لیا ہے، اس قسم کی غلطیوں کے باوجود ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ دیوبند سے اسلام اور ملت کو بہت فائدہ پہنچا ہے، اس واسطے کہ اس حلقہ میں جمہوری طرز پر خیر کا غلبہ ہے، اس لئے دیوبندی حلقہ کے اکابر کی غلطیوں پر نقد و احتساب کی ضرورت آن پڑے، تو ہمارے مقصد کا خلاصہ یا داعیہ اور مقصد یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ حلقہ دین میں فتنہ پھیلا رہا ہے، یا یہ لوگ سادہ عقیدہ و عمل میں مبتلا ہیں یا ان کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی ہے، مگر ہم اس قسم کی تنقید اور عصبیت، غلط اندیشی اور سوء ظن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں! خدا جانتا ہے کہ ہمیں یہ سن کر خوشی ہوتی ہے کہ کسٹل مسجد، محلہ ادبستی میں علماء دیوبند کا آئروٹھوڈ بڑھنا ہے! کیونکہ دیوبندی مکتبہ فکر مشرکانہ رسوم و عقائد اور بدعات کی نفی کرتا ہے!

نقد و احتساب ہوا درج دستاؤں اس کی بھی حدود ہیں، ان حدود کو توڑ دینے ہی سے ناسد پیدا ہوتا ہے اور طرح طرح کی خواہیاں ان بے اعتدالیان ظہر میں آتی ہیں! جماعت اسلامی کا نظریہ بھی داہم نہیں ہے، اس کی غلطیوں اور کمزوریوں کی اہل علم کو نیک نشاندہی کرنی چاہئے، لیکن چند غلطیوں کی بنیاد پر مولانا مودودی کی جماعت کی تفہیم و تفسیق بہت بڑی نیا دتی ہے، ہم نے "فادان" میں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الکشف عن ہما التعمیر" پر پوری تفصیل کے ساتھ نقد و موازنہ کیا، اور جہاں جہاں کمزوریاں بدی طرز پر نظر آئیں ان کی نشاندہی کر دی، مگر ہم اس نیا دتی کے مزاج نہیں ہوئے کہ ان چند تسامحات اور کمزوریوں کو بنیاد بنا کر حضرت تھانوی یا ان کے سلسلہ ارشاد و تصوف کو "فتنہ" اور "ضلالت" ٹھہرا دیتے، قلم کی ذرا سی جھلس یہ کام کر سکتی تھی، مگر اس قسم کے ظہم دنیا داری پر اپنے کو ہم آواز نہ نہیں کر سکتے! ہم اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہیں کہ ہمارے پاس نیک اعمال کی اتنی بہت سی مقدار ہے، جو ہماری نیا دتوں اور الزامات بشیروں کا کفارہ بن سکتی! جن جماعتوں اور افراد سے دین کو فائدہ پہنچ رہا ہو، ان کو بدنام اور مٹھون کر کے اور انہیں فتنہ اور ضلالت ٹھہرا کر، ہم دین کے نام پر دین کی بدخواہی کا الزام ادا گناہ اپنے سر نہیں لے سکتے!

علماء دیوبند نے اگر یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ تو نولاد کے بنے ہوئے قلم میں محفوظ ہیں اور دوسرے آئینہ خانوں میں رہتے ہیں، جن کو آسانی سے چکنا چور کیا جاسکتا ہے۔ یہ ان کی خوش فہمی اور غلط اندیشی ہے، حلقہ دیوبند سے جو صاحب بھی تعلق رکھتے ہیں وہ اگر چاہیں اور پسند فرمائیں تو ہم نہ تو یہ خیال کر کے انہیں شاید مطمئن اور تباہ کر سکتے ہیں کہ بعض اکابر دیوبند سے دینی مسائل میں جس قسم کی بعض شدید غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، مولانا مودودی کے قلم سے اس قسم کی غلطیوں کا حصد نہیں ہوا مگر ان غلطیوں کے باوجود اکابر دیوبند قابل احترام ہیں، انسان کے تسامحات پر کسی خیر خواہ دین و ملت کو اس انداز میں تنقید نہیں کرنی چاہئے گویا کہ یہ بزرگ

کہنے یا نہ کہنے سے آئین کہنے یا نہ کہنے پر کسی قسم کی کوئی نزع نہیں ہے! اور نہ جماعت میں کلاسیک عقائد پر بحث اور مناظرے ہوتے ہیں! اس جماعت کے تمام کام مقصد ہی امت کی وحدت اور اصلیت کا تحفظ ہے! اس کو فرقہ پرستی اور کفر و بدعتی فرقوں میں بعض فقہی اختلافات کی بنا پر جو حصیتیں پیدا ہو گئی ہیں، جماعت اسلامی میں ان کا کوئی نام و نشان تک نہیں ملتا!

یہ بھی ایک حلقہ ہوتی نظر ہے کہ جماعت اسلامی دینی اکابر کا احترام نہیں کرتی یا ان سے بدگمانی میں مبتلا ہے! جماعت اسلامی دینی اکابر کا بیشک احترام کرتی ہے مگر وہ ان کی پرسنٹ نہیں کرتی! اس کے سامنے اصل حیدر کتاب و سنت ہے اور اسی پر ہر کسی کے قول و فعل کو جانچتی اور پرکھتی ہے! مسلمانوں کی ہمدردی تاریخ اس سے لبریز ہے کہ اخلاف نے اسلام کی ان باتوں پر جو میں غور نظر کرتی ہیں، تنقید کی ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قابل فخر شاگردوں کا اپنے استاد امام اعظم سے بعض فقہی مسائل میں اختلاف کیا اس کی دلیل یہ ملتا ہے کہ امام اعظم کے شاگرد نے استاد سے بدگمانی تھی! حضرت محمد ابراہیم ثانی رحمۃ اللہ علیہ جب یہ فرماتے ہیں کہ ————— ملائیس و ملائیس نہ کہ نص ————— تو کیا ان کی تنقید کو یہ معنی پہناتے جا سکتے ہیں کہ اس قول سے وحدت الوجود پر عقیدہ رکھنے والے تمام صوفیاء کی تنقید ہو رہی ہے ————— حضرت امام غزالی پر یہ تنقید کہ ان کی کتابوں میں احادیث کا معاملہ بہت کمزور ہے! اساس معاد میں وہ متسا ہیں تھے! اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے پرنسپل اور وجہ کی بولفسیر کی ہے اس میں تنزیہ کے ساتھ "تجسیم" کا بھی شبہ ہوتا ہے۔ اس قسم کی تنقیدوں کو جو کوئی اسلام کی بے تحاشی اور بدگمانی سمجھتا ہے تو وہ عنایت اور خوش گمانی کے اس غلو میں مبتلا ہے جو اکابر و اسلاف کو "معتصم" بنا دیتا ہے، جماعت اسلامی اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس غلو میں الجھی رہی نہیں ہے! اساس ————— اسی روش پر ————— اسلام سے بدگمانی ————— کی طرز کی جاتی ہے۔

جماعت اسلامی کا قاعدہ ایک "مذہب" ہے، اس کے یہاں وظائف میں رجسٹر اور فائیس ہیں، ایسی فون ایڈس آپ کی مشینیں ہیں، تنخواہ یا ب کاربن ہیں، کام کی ذمہ داریوں کے اعتبار سے عہدوں کی تقسیم اور تعین ہے! پریس کانفرنس اور استقبالات ہیں ————— دینداروں اور اسلام پسندوں کی ایک جماعت کو ان تمام باتوں میں دنیا داری اور تعلق بالشد کی کمی نظر آتی ہے وہ اس کو انسانی دعوت سمجھتے ہیں کہ دینی اور تبلیغی جماعتوں کا نہ تو اخباروں میں کوئی اعلان کیا جاتا ہے، نہ پوسٹر لگاتے جائیں وہ ان اجتماعات کے انتظام کے لئے نہ کوئی کمیٹی بنائی جائے، نہ کوئی شعبہ قائم کیا جائے! جماعت اسلامی اس کے برخلاف ان جائز و حلال سے کام لیتے ہیں دین کا کوئی حرج اور نقصان نہیں سمجھتی جیسا ہے غیر مسلموں پر کیا دیکھتے ہیں ہر ملگ ان سے حصول مقصد میں آسانی اور ہر ملتی پیدا ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کے پیغام کو اللہ کی زمین پر نشر و اشاعت کے زیادہ سے زیادہ موقعے میسر آسکیں بغیر وہ خفق میں اہل فاس کے طریقہ جنگ سے ناندہ اٹھتے ہوئے جو "خندق" کو دہری گئی تھی، یہ مقدس میں جماعت اسلامی کے لئے تمدن و تہذیب کے ان مذاہم معاملات میں دلیل راہ ہے۔

لعن و طعن اور ————— مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب "خلافت و لوگیت" پر جو ہنگامہ مچا ہے اسی سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بعض دیندار لوگ ان کو مطمئن کرنے اور ہدایت طاقت کے بہانے ڈھونڈتے رہتے ہیں، بعض چمے خامے لکھے پڑھے لوگ بلکہ اپنے دماغ کے علمائے اس کتاب پر اس انداز میں تنقید فرماتے ہیں کہ سر سے سید تطلب دشمنی کی تعینیت پاکستان سے مولانا مودودی صاحب کی کتاب کا اس موضوع پر منظم عام پرانا یہ سب کچھ ایک "سائنس" کے تحت ہوا ہے۔

سناٹا سرگرمیاں کیا سے کیا کہنے

مولانا مودودی نے حضرت سید عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے بارے میں جو باتیں کہی ہیں وہی باتیں دوسرے علماء و اہل سنت و جماعت نے بھی فرمائی ہیں! مگر ان علماء اور اہل باب و تلک کو جو ہرگز کیا دانستہ چشم پوشی کہے، مولانا مودودی پر طنز و تشویش کی بوجھاد ہو رہی ہے! حضرت مولانا عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ جو ۱۹۴۸ء میں اپنی سنّت کہے جاتے ہیں، اولیائیت کی مدد اور ناویں حکماء کے تحفظ میں غیر معمولی ہمت

لکھتے ہیں، وہ اپنی کتاب سیرت خلفاء راشدین میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تذکرہ کرتے لکھتے ہیں :-

اس بارہ سال میں چھ سال تو نظام حکومت ایب دینت سا کہ کسی کی شکایت نہ تھی سب رنگ آپ سے
دینی نفرت عثمان غنی سے بے حد بڑھ کر گئے تھے، مگر آخری چھ سال میں آپ نے اپنے اعزازات سب کو
عمدوں پر منتہی کیا، انہوں نے کام کو خراب کر دیا، صدر جم کی صفت کا آپ پر غلبہ تھا اس میں کچھ شک
نہیں کہ یہ صفت بڑی عمدہ صفت ہے، مگر کوئی چیز ایسی ہی عمدہ ہو، جب وہ خداوندی سے تجاوز
کر جائے تو خرابی پیدا ہوتی ہے، تاہم یہ نمایاں یا کم نمایاں بمقابلہ ان خوبیوں کے جو آپ کی ذات والا صفات
میں تھیں اور بعد ازاں غلطی انسان کی صفات اسلامیہ کے جو آپ نے انجام دیں مگر تہ بن اعتراض نہیں۔

یہ کہ چہ جمیع اسلام سرگودھا نے نشانہ کیا تھا اس کی بڑی منہجہ ہلاکت کو کسی صاحب نے امیر جمعیت عمرہ اسلام سرگودھا
سید محمد ہاشم دہلوی کے خدمت میں بھیج دیا، وہاں سے اس پر منہجہ ذیل فتویٰ صادر کیا گیا :-

اگر اس قسم کے الفاظ کہیں کے خلف کرام رضی اللہ عنہم نے سہرا یا عمامہ خلافت نہ لیتے، احکام دہی کہیں گئے ہیں
وہ خبیث الفطرۃ اور گمراہ ہے اس کے دل میں لٹاق ہے، یقیناً اس عقیدہ سے خلفاء عظام رضی اللہ عنہم کی
توبہ نہیں ہوتی ہے وہ اپنی سنت والجماعت کے گردہ، خارج ہے، اس قسم کے عقیدہ رکھنے والے سے تلقین
کسی قسم کا فائدہ نہ کرے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ تشہیر کہ آخری چھ سال میں آپ
نے اپنے اعزاز و اقامت کو ہمدوں پر منتہی کر دیا، انہوں نے کام خراب کیا۔ (اللی آخرہ) یہ منہجہ
عثمان رضی اللہ عنہ پر الزام ہے، بالکل غلط ہے یہ الزام و بہتان ہے۔ جو شخص یہ کہے کہ گمراہ ہے
وہ خبیث ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرے، اور اللہ اللہ ذلیل ہوگا، ایسا شخص اپنی سنت والجماعت
میں نہیں رہ سکتا، ایسی جماعت میں شریعت گمراہ، اس قسم کی جبروت کے کسی قسم کی تعاون نہ کرے :-
ایسے شخص پر دینی حضرت عثمان پر ہم الزام دیکھنا انتہائی ظلم ہے، اللہ رحمتی نہیں دیکھ سکتا جو خدا کے
رسول کا دشمن ہو، اور جو خدا کے رسول کا دشمن ہو وہ اللہ کا دشمن ہے۔ اللہ کا دشمن جہنمی ہوتا ہے۔

جمعیت علماء سرحد کے فاضل دیوبند مفتی کو یہ دھوکا ہوا کہ یہ عبارت مولانا مودودی کی لکھی ہوئی ہے، جو جمعیت اسلامی پاکستان کے امیر ہیں،
اسی لئے انہوں نے اپنے فتویٰ میں یہ لکھا ہے۔ اس قسم کی جماعت سے تعاون نہ کرے۔۔۔۔۔

جب مفتیان کرام اہل علم و عظام عجیبیت و خدا کی اس سچ پر آمادہ توبہ دیکھاں چہ رسد عجیب بات ہے کہ جمعیت علماء اسلام
سرگودھا نے یہ کتابچہ شائع کیا ہے، لیکن اس میں مولانا عبدالغفور مرحوم و مفید کی کتاب کا جو اقتباس نقل کیا گیا ہے، سرگودھا کی جمعیت علماء
اسلام کے اکابر کو اس میں کوئی خرابی محسوس نہیں ہوتی۔

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر چاروں طرف سے مخالفین کی بغاوت اور طعن و ملامت کی چاندنی جاری ہو رہی ہے اس پر غور کرنے
کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ جب اتنے بہت سے علم و جمعیت اسلامی کے مخاطب ہیں اور مسلمانوں کی قریب قریب جماعت، مولانا مودودی (دعا و دعا)
اسلامی پر مقرر ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ جماعت اسلامی میں یقیناً ایسی قربانیاں پائی جاتی ہیں، جو ان کو کھٹکتی ہیں اور مودودی صاحب کا

نہیں کہتے۔ بس یوں سمجھنا چاہیے کہ مسلمانوں کی کسی جماعت یا فرقہ کی مدد عایت کئے بغیر مولانا مرتضوی کی حق گوئی اور جماعت اسلامی کی جامعیت اللہ ہی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر دے کے ہر دے دین کو قائم کرنے کی دعوت ان کے لئے۔ بلانہ جان بن گئی ہے اور لوگوں کو ان کی مخالفت پر آمادہ کر دیا ہے۔

اس تصویر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بعض افراد کی جماعت اسلامی کی مخالفت کے سبب سرکار و ممالک باعزت اور اس تقرب کے نتیجہ میں گونا گوں مادی منافع سے مستفید ہونے کا موقع مل رہا ہے۔ بعض حضرات دیندار اور خیر پسند ہیں مگر صاحب عزیمت نہیں ہیں۔ حق کا ساتھ دے کر اور ناحق سے اظہارِ بیزار ہی کر کے وہ کسی مصیبت میں مبتلا نہ بنائیں چاہتے اس خراج و فکر کے لوگ جماعت اسلامی کی مرندہ عزیمت اور جرات حق گوئی کو دیکھ کر احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہ احساس ان کے اندر جماعت کے خلاف نعرہ سنا پیدا کر دیتا ہے۔

کوئی جھٹلانے یا بار بار نہ کہے جو کچھ مدت بعد، تجزیہ اور محسوس کیجئے، اسے ایک ذمہ داری کے احساس کے ساتھ کاغذ پر منتقل کر دیا جائے اور بعد از اظہارِ اس تجزیہ پر ہر طرف مطمئن ہے۔ اس تجزیہ کے بعد اس حقیقت کا اظہار بھی ہم فروری سمجھتے ہیں کہ جو لوگ جماعت اسلامی سے وابستہ نہیں ہیں، ان کے ایمان اور اسلام کے بارے میں ہم کسی قسم کا شبہ نہیں رکھتے، اور ہم محبت و عقیدت کے اس غویں بھی مبتلا نہیں ہیں کہ کسایت اور محبت فکر صرف جماعت اسلامی میں محدود ہو کر رہ گئی ہے اور اس کے باہر اند بیزار ہی اندیزہ ہے اور جماعت اسلامی نہ فرشتوں کی کوئی جماعت ہے جس پر نقد و احسان بگناہ کی بات ہے۔ ہماری گزارش کا مقصد یہ ہے کہ جو کوئی جماعت اسلامی یا مولانا مودودی پر اس انداز میں تنقید کرتا ہے کہ جماعت اور مولانا مودودی کی ذات دین کے لئے ”فائدہ“ بن گئے ہیں۔ جماعت اس دور کا سب سے بڑا ”مسکن“ ہے جس کی مخالفت دین کا اولین تقاضا ہے۔ ہم اس نکر و عین کو سو فیصدی غلط سمجھتے ہیں۔ اس قسم کی زیادتیوں پر اللہ تعالیٰ کے یہاں شدید قسم کی باز پرس ہوگی! اس بات پر ہمارا پورا یقین ہے کہ مجموعی طور پر جماعت اسلامی دین و ملت کے لئے سبب خیر ہے اور موجب سعادت و برکت ہے۔ اس کو کمزور، ذلیل، بدنام، اور محسوس کر کے کی کمیشن دین و ملت کے لئے مضر و مہلک ہیں اور اس دور کا تعلیم یافتہ طبقہ جماعت اسلامی کو دینی انگارہ کا سب سے زیادہ قابلِ اعتناء و ترجیح اور نمائندہ سمجھتا ہے۔ اس لئے جماعت اسلامی کو ”فائدہ“ ثابت کرنے کی کوشش سے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے یقین و اعتماد کو سخت جھٹکے گئے ہیں اور وہ اپنے اندر دین کے بارے میں شدید اضطراب اور تشویش محسوس کرتے ہیں!

الزام اور تہمتیں پاکستان میں تقریباً ہر دور حکومت میں جماعت اسلامی کو مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے اور اس جرم میں کہ وہ اس ملک میں اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو تعظیم اور نظام اسلامی کا قیام چاہتی ہے اس پر طرز طرح کی سخت

اور زیادتیوں کا سامنا کر رہی ہیں! اب سے دو تین سال قبل کہ شد و مد کے ساتھ طریق فہرست پانچ گناڑا کی گئی تھاکہ جماعت اسلامی کو امریکہ سے روپیہ ملتا ہے اور وہ امریکہ کی ایجنٹ ہے، کتنے عداوتیں تھیں جو کوئی بتاؤں اور انہیں کہ دوڑی بدلتی اس الزام و تہمت کی ہم میں دفع کر دیتیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اعداؤں میں بلکہ اسی سر زمین پر توڑی ہی مدت میں اس رجحوت کی قلعی کھول دی اور اس دروغ کو فروغ کے لئے ذرا بھی سہارا نہ دیا۔ اس کا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس الزام کو سب سے بڑی اور جرات منہ کے ساتھ دنگ کیا، الزام دگنے والے غالباً متعلقین ہونگے کہ ہمارا کون نے کہا دکھاؤ! جماعت اسلامی کے خلاف ایسا کوئی بڑا نشانہ اور لوگوں کے دل و دماغ میں جماعت کے بارے میں شک و شبہ اور بے اطمینانی پیدا کرنا، مقصود تھا۔ وہ وقت گزر گیا، بات آتی گئی ہوگی، مگر اللہ تعالیٰ کے ہر قول و فعل کے ہر حرف اور ایک ایک جملہ کا دیکھا ہوا ہونا ہے، آخر میں یہ دیکھا کہ خود بڑے گھمراہ اور اپنے کو دھڑاٹے گا! جو کوئی آئینہ کی باز پرس سے اس دنیا سے اب وگن اور عالم کون دھما دیں داخل دے خبر اور ہر سے اندیزہ سے اندھونے میں رہا۔

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کو جہانم کرنے کا نازہ ترین شاہکار یہ ہے کہ روایت ہمال کے مسند میں ”دعوتِ دین کی تمام تر ذمہ داری

جماعت احمدیوں نے ہڈانے کی ہم نوا شدہ سے جاری ہے: اگر یہ جوہم ہے تو اس جوہم میں بہت سے بڑے بڑے شہر والے تفسیریات تھا علما و ائمہ مغربی پاکستان کے علوم کی غالب اکثریت شریک ہے۔

دوسال قبل ہی صحت پتی آچکی ہے کہ ریڈیو برسرکاری اعلان ہوا کہ کل عید ہے مگر علما و کرام نے دین میں جماعت کے کامرشل نہیں تھے م دوسرے دن عید کا اعلان کیا اور خود کراچی کی پولو گزٹ پر دعوت عید کی نمازیں پڑھیں، جماعت اسلامی نے بھی مسلمانوں کی غالب اکثریت کے ساتھ علما و کرام کے نمونوں کی تعمیل میں دوسرے دن نماز عید ادا کی، اور اس میں بھی جماعت اسلامی احمدیوں نے علما و کرام کی اکثریت کی باتے اور فتوے پر عمل کیا۔ لیکن اس مسئلہ میں دوسرے علما و کرام کو چھڑ کر مولانا مودودی کو بچا لینے اور ہٹام کرنے اور انہیں آتش دہلیزدہ شہر خانے کی جہم کس نوا شدہ سے جاری ہے! ان علما و کرام کو دیکھ کر فتنہ فتنہ کہتے ہیں کہ پاکستان کے محرم صمد کی بارگاہ میں آسانی کے ساتھ بار بار باجی کا موقع مل گیا، اور دیت ہلال کے انتہائی بنیاد پر اس نے مولانا مودودی کی سرگرمیوں کو کچلنے کا معروضہ پیش کرنے کی عزت اور سعادت حاصل کی!

کنز شمس لیگ کے لیڈروں کے بیانات اس قسم کے آرہے ہیں جو جماعت اسلامی کے خلاف پبلک گویا کرنے اور اشتعال کرنے والے ہیں اور انہیں ایسی پیدا کی جا رہی ہے کہ حکومت کو کوئی رحمت نہ کرنی پڑے بلکہ پاکستان کے عوام جماعت اسلامی سے دست درگیاں ہو جائیں اور

جماعت اسلامی کو ایک طرف اس سنگین صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے دوسری طرف جماعت اسلامی کو خیر باد نہیں "مردہ باد" کہنے والے وہ چند افراد ہیں جو جماعت اسلامی سے لڑنے کے لیے جماعت اسلامی کی رسوائی بلکہ تباہی و بربادی کے درپے ہیں۔ کاش! یہ حضرات جماعت سے وابستہ نہ ہوتے، مگر تہذیب کے زلزلہ کو کوئی مٹا سکتا ہے ایسا ہونا معتد بہ چکا تھا، اور ہرگز نہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کچھ مصلحت ہے!

ماہنامہ "میشاق" لاہور کوئی سال سے جناب مولانا ابن احسن اصلاہی کی ادارت میں نکل رہا ہے اور غالباً دو بار بند ہو چکا ہے اب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اس کی ادارت کو سنبھالا ہے۔ "میشاق" کے دورِ جدید میں مولانا اصلاہی صاحب کا نام "سرپرست" کی حیثیت سے مروجہ ہے! مولانا اصلاہی صاحب نے "میشاق" میں جماعت اسلامی احمدیوں کے خلاف خاصہ زور دیا ہے، مگر اول تو کچھ دلوں سے "میشاق" بند تھا، دوسری وجہ شاید یہ کہ مولانا موصوف اپنے فرزند اکبر ابو سماح مرحوم کی وفات کے غم میں اس طرف توجہ نہ فرما سکے!

گ

مجلد "میشاق" اب دورِ جدید میں پہلے کے مقابلہ میں خاصی آن بان اور ظاہر و مخفی شہ کے ساتھ منظر عام پر آیا ہے اور اس کا آغاز مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی مخالفت سے ہوا ہے: ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور ان کے نفاذ کو پاکستان میں نہ کوئی "منکر" اپنی طرف متوجہ کر سکا نہ کوئی ہلائی نہیں! احتیاج اور استیصال کے قابل نظر آتی، یہ کسی باطن نظریہ اور غلط عقیدے کی تہ دید کی انہیں ضرورت محسوس ہوئی، اس ملک میں ان کے نزدیک سب سے بڑا منکر جماعت اسلامی ہے اور سب سے زیادہ مُعَف شخصیت ابوالاعلیٰ مودودی کی ہے! اسی لئے ان کی دینی فراست اور اسلامی شعور نے جماعت احمدیوں کو صاحب پر "بزن" ہلا دیا ہے، ڈاکٹر صاحب کی نگاہ میں پاکستان میں تجدید و احیاء دین کا اصلی کام اسی وقت شروع ہو سکتا ہے، جب تک جماعت اسلامی کے فتنہ کا قلع قمع نہ کر دیا جائے۔ پہلے وہ جماعت اسلامی سے نمٹ لیں اور اس سے بے بنیاد نشیں کو آگ لگا دیں، اس کا دھوکہ دینے کے بعد ان کی مخالفت کے لئے وہ اپنی اسکیموں کو بروئے کار لائیں گے۔

ڈاکٹر صاحب کی کتاب اور ان کے بعض مضامین پڑھ کر ان کی خبیث مخالفت کے باوجود دل اس طرف بھی ہاتا تھا کہ موصوف

جماعت کی اصلاح کا پسند نہ کیا۔ کہتے ہیں، جماعت سے انہیں بلاوجہ کی دشمنی نہیں ہے، وہ جماعت کی تباہی اور شکست و ریزہ نہیں آس کی اصلاح کے متعلق اندھا غش مند ہیں۔ مگر ڈاکٹر صاحب نیا دہ دن تک اپنے دل کی عزت اور بغض کو نہ چھپائے، وہ جو انگریزی کی مشہور عرب المثل ہے کہ بلی بھلی سے بہرا گئی، تو وہ جنسی کے میثاق میں انہیں نے اس بہر کو بلا خواہی ہی دیا، یہ وہ رسول سے اپنے اللہ چھپائے بیٹھے تھے۔ فرماتے ہیں۔

”آپ کا یہ سوال بڑا اہم ہے کہ کیا جماعت دے میں جماعت اسلامی فتنہ ہے، انداز ہے تو کیا دوسرے فتنوں کی سرکوبی ہو چکی ہے کہ جمہور اب کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ اس مسئلہ میں جماعت اسلامی اولین گزارش تو یہ ہے کہ جماعت نزدیک جماعت اسلامی بالقولہ (POTENTIALITY) نسبتاً ایک فتنہ کی شکل اختیار کر چکی ہے

انگریزی الفاظ (PRACTICALLY) کو بڑا اندرون فتنہ برپا کرنے کی صلاحیت اس میں نہیں ہے۔ (دور ۱۰)

ظاہر ہے کہ فتنہ مٹایا جاتا ہے، اس کی اصلاح نہیں ہر کرتی، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اس فتنہ کو مٹانے کے لئے آئے ہیں اور جماعت اسلامی کی تباہی و بربادی اور مولانا محمد علی کی بنیادی اور ہائیڈروجن کا نقشہ نصب العین اور مطلق نظر ہے۔

اس پاکستان میں ان لوگوں سے جو جس عوت سے کسی قسم کی وابستگی نہیں رکھتے مگر وہ تقی پسند اور انصاف دوست ہیں، ہم گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ جماعت اسلامی نے کون سا ایسا غلط کام اندگناہ کیوں کیا ہے جس کے سبب یہ فتنہ جن گئی ہے۔

کیا جماعت نے اسلام کے کسی بنیادی عقیدہ کو بدل دیا ہے۔ کیا جماعت کی طرف سے کسی دینی رکن کی تفسیر کا اعلا ہوا ہے۔ کیا جماعت کسی منکر میں مبتلا ہو گئی ہے۔ کیا جماعت امر بالمعروف کی بجائے امر بانکر کا فرض انجام دینے لگی ہے۔ کیا جماعت حکومت یا سرمایہ داروں کے کسی ادارے کے ماتحت ہو گئی ہے۔ کیا جماعت کے متاثرین متبعین ہیں بے دینی کارخانہ چیا ہو چکا ہے۔ کیا جماعت اسلامی کا وجود پاکستان میں بد اخلاقی اور دین سے نفرت کا سبب بنا جا رہا ہے، جماعت کو فتنہ قرار دینے کے لئے کوئی دلیل؟ کوئی ثبوت؟

ڈاکٹر صاحب معروف کی نگاہ میں جماعت اسلامی کے فتنہ کا سبب کیا ہے؟ وہ بھی سنیں بیٹے، امدان کی کیسیسپ کی داد دیجئے

فرماتے ہیں۔

”دین میں حکمت عملی کا جو نیا مقام اس نے تجویز کیا ہے، وہ اپنی فتنہ انگیزی میں دوسرے فتنہ انگیزیوں سے کم نہیں۔“

اس لفظ کے بڑے بڑے فتنہ یہ ہیں۔۔۔ تاریانیت، انکار سنت، اباحت و تنہد اللہ،۔۔۔ کیونرم۔۔۔ دین کے نام پر بڑبڑک و بدعت کی ترویج۔ جماعت اسلامی جیسے حکمت عملی کہتی ہے، اس کا ان فتنوں سے آخر کیا تھا۔ ہے؟ تشبیہ و تمثیل میں آخر کوئی وجہ مشابہ اور سبب مماثلت بھی تو ہونا چاہئے، اب جہاں تک زبان و رسم کی جنبش یا لغت ہے اسے ہر طرح اور ہر طرف مڑا جاسکتا ہے، دین میں حکمت عملی۔۔۔ اس خواہ عزان اور اس مضمرات میں کیا ایسی غلطی ہے جسے فتنہ قرار دیا جاسا ہے، تیس، اسحاق اور

اور صراحتاً مسئلہ اور اس قسم کی دوسری دینی اصطلاحات جو حکمت عملی سے مشابہ ہیں پہلے سے فتنہ میں موجود ہیں، جماعت اسلامی نے کس معروف کو حکمت عملی کے تحت بدل دیا ہے اور کس منکر کو جائز قرار دے دیا ہے؟ دین کا کون سا رکن جس کے بارے میں جماعت نے یہ کہا ہے کہ حکمت عملی کے تحت اس میں تغیر کیا جاسکتا ہو؟ دین کی کس قدر کو اٹھ دیا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جماعت اسلامی کے اس دورے و اصلاح میں کیا جماعت کے بعض ارکان نے علیحدگی اختیار نہیں فرمائی، ان کی علیحدگی

کو آخر تک سمجھا جائے ؟ یہ کہ جماعت میں کوئی واقعی خرابی پیدا ہوگئی تھی ، یا ان حضرات نے صورت حال کا صحیح جائزہ نہیں لیا تھا ! پھر اس رائے میں بھی جماعت ضمن وطن سے کب محفوظ رہی ہے ، جماعت کے نام پر اعتراض کہ کہا اس جماعت کے علاوہ مسلمانوں کی دوسری جماعتیں غیر اسلامی ہیں ۔۔۔ جماعت پر خارجیت کا الزام ، مولانا مودودی پر محمدیت کا دعویٰ کرنے کی تمہت ، جماعت پر صالحیت کی نظر ، کہ یہ لوگ اپنے علاوہ دوسروں کو غیر صالح سمجھتے ہیں ! طنز و تشبیہ اور جماعت پر الزام تراشی کا یہی سلسلہ پاکستان بننے کے بعد بھی دستور جاری رہا ، بلکہ ہر دور میں اس میں شدت پیدا ہوگئی ہے ، یہاں تک کہ ڈاکٹر اسرار احمد جیسے مزاج و فکر کے لوگوں نے جماعت اسلامی کے وجود کو " فتنہ ہی قرار دے دیا !

تقریب سے قبل جماعت سیاسی انتخابات میں حصہ نہیں لیتی تھی مگر پاکستان بننے کے بعد حالات کا یہی تقاضا تھا ، یا یوں کہئے یہی حکمت عملی تھی کہ انتخابات میں حصہ لیا جائے ، ایسا کہنے سے دین کی کون سی تہہ اٹک گئی ، جماعت اسلامی نے جس دیانت و راستبازی اور خدا خونی کے ساتھ انتخابات میں کام کیا ہے اس کی مثال پارلیمانی نظام کی تاریخ میں نہیں مل سکتی ، جماعت نے کسی ایسے ذریعہ اور طریقہ کا استعمال نہیں کیا جو دینی نقطہ نگاہ سے ناجائز اور نامناسب دیکھ ہو ، سیاسی انتخابات کی " تطبیق کا جو کارنامہ اس نے انجام دیا ہے وہ طنز و تشبیہ کا نہیں بلکہ تحسین و ستائش کا مستحق ہے !

پاکستان میں دینی انقلاب جمہوری طریقہ ہی سے آسکتا ہے اور آنا چاہیے ، جماعت اسلامی اس کے لئے ہمہ جہد کوشش کر رہی ہے متحدہ ہندوستان میں صورت حال بھی ایسی تھی کہ اس جہد و جد کے وہاں مواقع اور امکانات نہ تھے ، اس لئے متحدہ ہندوستان کے حالات کے لحاظ سے مولانا مودودی نے بعض ایسی باتیں کہی تھیں ، جن کا پاکستان کے حالات پر انطباق نہیں ہو سکتا ، جو لوگ حالات و امکانات اور ماحول کو دیکھ کر فرق کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں ، انہیں مولانا مودودی کے بعض اقوال میں تضاد نظر آتا ہے اور وہ جھٹ سے یہ فخری لگا دیتے ہیں کہ تقریب ہند کے بعد جماعت اسلامی اپنی بنیادی پالیسی سے ہٹ گئی ، یا وہ نہیں رہی ، جواب سے جس سال پہلے تھی !

جماعت اسلامی کا مقصد روز اول سے " اقامت دین " ہے اور پچیس سال کی مدت گزرنے کے بعد اس کے اس مقصد اور نصب العین میں نہ وہ جڑ بستیابی واقع نہیں ہوئی ، یاں ! متحدہ ہندوستان کے مقابل میں ، اس مقصد کو حاصل کرنے کے بعض ذرائع میں تبدیلی ہوگئی ہے اور تبدیلی ناگزیر تھی !

بالا تشبیہ کی زندگی کے مقابل میں حقیقی زندگی میں اقامت دین کے جزو ذرائع اختیار کئے گئے اس کے نشانات کی زندگی میں کہاں ملے ہیں ، حقیقی زندگی میں جہاد بالسیف غیر ممکن ہے ، خود کی بار بار یہی ہے ، بارش ہوں اور فرمانروائی کے نام ملت کے آئندہ اعلیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے قرون ہیں ، مالی نسبت کی تقسیم اور زکوٰۃ و خراج کی تفصیل ہے ، وہ شخصی گفتا جاہل ، یہ خبر اور کم نظر ہے ، جو اس طرح سوچتا ہے کہ مکی زندگی کا یہ ظکر ہے حقیقی زندگی میں دنیا داری کا نہ یہ رنگ پایا جاتا ہے ، دعوہ بالذہن ، چنانچہ دھاک چہن گسٹخ ، مسٹر مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت گواہی پر یہ الزام لگایا کہ مدینہ میں اگر محمد عربی بادشاہ ہو گئے ، حالانکہ مقصد کے لحاظ سے مکہ اور مدینہ کی زندگیوں میں نہ وہ جڑ بستیابی پایا جاتا ، مکی زندگی کی خصوصیت اور خاموش تبلیغ بھی اللہ ہی کے لئے تھی ، اور مدینہ کی فائزہ زندگی اور اس کے ساتھ اسلامی حکومت کا قیام بھی ، اللہ تعالیٰ کے دین کو برپا کرنے کے لئے تھا ۔۔۔ دونوں زمانوں اور زندگیوں میں رضائے الہی ہی پیش نظر اور مقصد بالذات تھی ۔

جماعت اسلامی کو پاکستان میں " اقامت دین " ہی کے بہت سے نظریات و ذرائع سے کام لینا پڑا ، ان ذرائع اور وسائل سے بینک تقسیم ہند سے جس کی باخفی زندگی حالی ہے ، ذرائع کی اس تبدیلی کو جماعت کی تبدیلی بلکہ گمراہی سے تعبیر کرنا ، کتنی نامناسب و تنقید ہے ! بے شک پاکستان

میں جماعت اسلامی کی زندگی میں پریس کانفرنسیں، استقبالات، جلسے، جلوس، دستبردی انتخابات کے لئے پروسیجرنگ، جمہوریت کی بحالی کے لئے دوسری پارٹیوں سے معاہدے، یہ تمام باتیں نظر آتی ہیں، مگر ان کے ساتھ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، سیرت کی تبلیغ، منکر کے خلاف صفائے احتجاج، حلال و حرام میں امتیاز، خدمت خلقی، بیت المال کے ایک ایک پیسے کا صحیح مصرف، انہی کے ذریعہ دل و دماغ اور فکر و نظر کی دینی تربیت، یہ تمام خوبیاں بھی تو پائی جاتی ہیں! انتخابات میں دن کے دو بجے سے لے کر شام تک کا وقت بڑا نازک اور فیصلہ کن ہوتا ہے جماعت اسلامی کے کارکنوں نے ان نازک اوقات میں بھی فریضہ صلوٰۃ سے غفلت نہیں برتی بلکہ بہت سوں نے تو جماعت کے ساتھ نظر انداز و غفلت کی نمایاں پڑھی ہیں۔

مولانا مودودی نے "حکومت عملی" کے تحت جو کچھ کہا تھا، اس کے ثبوت کے لئے مقدمہ ہندوستان کے حالات کو جاننا یا جاسکتا ہے انگریز حکومت کو بدلنے کے لئے مسلمان، ہندوؤں کے ساتھ ایک پلیٹ نام پر آگئے تھے اور یہاں تا گاندھی کی قیادت کو قبول کر لیا تھا، خاص طور سے ۱۹۲۲ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک ہندوستان کی تمام تر سیاست گاندھی جی کی شخصیت کے اندر گھومتی تھی، یہ "حکومت عملی" ہی تھی، جس کے سبب مسلمانوں نے ایک غیر مسلم کی قیادت کو قبول کر لیا! ایک زمانہ تھا کہ مقدمہ ہندوستان کے علماء نے "نارنگ مرالات" کا فتویٰ دیا اور انگریز حکومت سے سوالات کو ناجائز ٹھہرایا، مگر پھر "حکومت عملی" جی کے وقت انگریزوں سے تعاون کر گیا، مسلمانوں کو سسٹوں اور سسٹیوں میں گئے اور انگریزوں سے جس "مرالات" (۵۵۵۶۴۲۵۷/۵۷۷) کو ناجائز قرار دیا گیا تھا گئے حالات کے تحت "جواز" سے بدل دیا گیا۔

"حکومت عملی" کوئی گالی یا بے دینی کی بات یا لکڑ کھڑ نہیں ہے، جس کو لکڑ کھڑ جماعت کے لئے "فترت" یا سبب فترت دے رہے ہیں، "حکومت عملی" دین کے کسی رنگین یا عقیدہ کو نہیں بدلتی، اس کا تعلق حصول مقصد کے ذرائع سے ہے، اس میں حالات کے لحاظ سے تبدیلی کی جاسکتی ہے! ہو سکتا ہے کہ ایک ذریعہ یا تدبیر جس کو "ناجائز" قرار دیا گیا تھا حالات کی تبدیلی کی نوعیت کے اعتبار سے اس کے لئے دھیر جواز پیدا ہو جائے!

حالات ہی کا یہ تقاضا تھا کہ جماعت نے خاصی ناگوار اور شدید کراہت کے ساتھ صدارتی انتخاب میں ایک نون کی حیثیت کی، جماعت نے صاف طور پر کہہ دیا کہ ناگزیر حالات میں یہ صورت گوارا کی جا رہی ہے اور اسلئے کے لئے اسے "مثالی سرزنس" بنانا چاہئے، نوز و فساد، مروہی کے سربراہ حکومت ہونے میں ہے جس طرح مرض کی شدت میں جان جانے کے وقت کے باعث طبیب کے مسند سے "شراب" گوارا کی جاسکتی ہے، جماعت کے اس موقف کو بھی الپ ہی سمجھنا چاہئے!

کسی مبارک، جائز اور نیک مقصد کے لئے مسلمان تو جبر مسلمان ہیں، کسی غیر مسلم فرد یا جماعت سے بھی معاہدہ یا پادشہ کی اجازت ہے، جماعت اسلامی نے بھی جمہوریت کی بحالی کے لئے دوسری پارٹیوں کے ساتھ تعاون کیا ہے، اس معاملہ میں معاہدہ اور غیر معاہدہ کا سوال اٹھانا ہی سرے سے غلط ہے! اب دیکھو! افراد اور جماعتوں پر معاہدہ کا معاملہ تو کافروں پر بھی بعض حالات میں اٹھادیا جاتا ہے کافر یا مسلم اہل معاہدہ قول و قسم کھا کر اپنے عہد سے سچر جانی تو اس میں قصور معاہدہ کرنے والوں کا نہیں ہے کہ دونوں کا حال اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کے بھیجے ہوئے خطوط پر اعتبار کر کے ہی ذی قعدة کو شرف کیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ لوگ اپنے عہد سے پھر گئے!

یہ جو لکڑ کھڑ احمد صاحب ہاسپتال، جائزہ کمیٹی کا ذکر کرتے ہیں، اس بارے میں ہم پرسیس تنزل یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہیں کہ جائزہ کمیٹی کے ارکان کے ساتھ فرض کر لیجئے نہادتی ہوتی ہے مگر اس زیادتی کو ضلالت اور فترت تو نہیں کہا جاسکتا! یہ تو

کے کارکنوں کو کوئی لالچ نہ تو رام کر سکتا ہے اور نہ کوئی دباؤ جھکا سکتا ہے۔ جماعت کے افراد کا کردار، اسلام کا اچھا نمائندہ اور جماعت اسلامی کو حق گوئی کے تحریک میں بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اسلام نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے دین کو غالب کرنے کے لئے بڑی قربانیوں دی ہیں، علوم میں یہ بات مشہور ہے کہ جماعت اسلامی کے کسی فرد کو بھی کمی نیت پر غریب نہیں جانتا؛ جماعت اسلامی کا نام اور ذکر کرتے ہی زمین و آسمان میں اسلامی نظام، اسلامی دستور اور اسلامی طرزِ حیات کے تصورات ابھرتے ہیں جماعت اسلامی کو کمزور کرنے کے لیے یہی معنی ہیں کہ "اسلامی نظام حکومت کے محاذ کو کمزور کر دیا جائے۔"

جماعت اسلامی سے وابستگی آدمی کو دین سے قریب کرتی ہے، سیاسی مسائل میں جماعت کو حصہ دینے دیکھ کر، بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ بھی سیاسی پارٹیوں کی طرح کوئی پارٹی ہے، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے وہ نہ تو سیاست بے دین کی قائل ہے اور نہ دین بے سیاست کی! جماعت کے نزدیک "الدین" ایک جامع کلمہ ہے، جس میں سیاست بھی شامل ہے حکومت کو جماعت، اقامت دین کا مترادف ہے! حمد اللہ کی حفاظت اور ان کا اجر حکومت ہی کے ذریعہ ملتا ہے۔

جماعت اسلامی کے کارکنوں کی سیرت و کردار میں دینی اخلاق، اخلاص اور اسلام کو غالب کرنے کی آہنگ پائی جاتی ہے! اخلاق و اخلاص کے من و مکال کی کوئی انتہا نہیں ہے، مگر اس دورِ انحطاط میں جماعت کے کارکنوں کی زندگیاں دینی اعتبار سے بے غنیمت ہیں، جہنم دیکھ کر بہت کراؤ اور تجزیہ کر کے کوئی شخص اسلام کے بارے میں بدگمان نہیں ہو سکتا!

جماعت اسلامی فرشتوں کی نہیں انسانوں کی جماعت ہے انسانوں میں کمزوریاں اور کوتاہیاں بھی ہوتی ہیں مگر مجموعی طور پر جماعت اسلامی میں غریب کا غلبہ ہے اور اس جماعت کے ذریعہ خیر کی پھیلنا ہے اور دینی اعتبار سے کمزور ہو رہا ہے! جو کوئی اس جماعت کے درپے آنا ہے اسے قیامت کے دن اپنے اس فعل کا اللہ تعالیٰ کو جواب دینا ہوگا۔

جماعت اسلامی میں اہل ایمان اپنی شخصیتوں کی حفاظت اور نمود کے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کو غالب کرنے کے لئے شامل ہوتے ہیں، اس ماہ میں مٹ جانا قرآن کی سب سے بڑی کامیابی اور عین نرنا ہے، اس لئے وہ قصر و الجہان سے لے کر خانقاہوں تک کی یلغار اور حملوں سے ہراساں نہیں ہوتے، ڈاکٹر اسرار احمد صاحبِ امان کے احوان و انصار بھی ان حق پسند مظلوموں کے سینوں کو چھلنی کر کے اپنا کلمہ ٹھنڈا کر لیں! اس اپنے مزمزمہ "فتنہ کو مٹانے کے لئے بڑی جوشی کا نوسل لگالیں! کون کہہ سکتا ہے کہ مستقبل میں اس کی شکست کا انجام کیا ہوگا۔ مگر جماعت اسلامی کسی خوف و لالچ و دباؤ، دھمکی اور سختی سے متاثر ہو کر اقامت دین کے شرف سے دست بردار نہیں ہو سکتی، وہ اس شدید ابتلا میں اپنے اللہ تعالیٰ ہی کے حضور اپنا دکھ درد پیش کرتی — اور زبانِ حال کہتی ہے۔

بہ جرمِ عشقِ زدام می کشند خو غایت
تو نیز بپسیر بام آکہ خوش تماشا نیست

کبریا در

۲۶ فروری ۱۹۶۶ء

حکیم گلپیں کنالی

فاران کی تنقید پر تنقید

دوسرے فاران میں جناب حکیم گلپیں کنالی کی کتاب آداب اردو پر جو تبصرہ کیا گیا تھا، اس کے جواب میں حکیم صاحب موصوف نے جو تنقیدی مقالہ ارسال فرمایا ہے اسے ہم ان کے شکریہ کے ساتھ صرح ذیل کرتے ہیں !
حکیم صاحب کے ہر اعتراض کے بعد ہی ہم نے اپنا جواب بھی درج کر دیا ہے تاکہ افسانہ کے ناقد بات واضح ہوتی چلی جائے !
مگر کی تنقید کیا وزن ہے اس کا فیصلہ ہم ارباب ذوق پر چھوڑتے ہیں۔ (م۔ن)

”آداب اردو پر آپ کی تنقید کے بعض پس منظر کتمان حقیقت اس عدم غور و فکر کے حامل ہیں مثلاً :—

(۱) اس کتاب کے چند ابواب — تلفظ کا معیار — اردو جمع — تلفظ کی غلطیاں — غلط ترکیبیں — دوسرے مواد — کہاوتیں — تعلیمیں — مذکورہ عزت بعض غلطوں کی نئی تحقیق — اصطلاح سازی — حالانکہ یہ ابواب نہیں، ابواب کی ذیلی سہ خیاں ہیں۔ ابواب کے نو نمبر دستے گئے ہیں، ایک سے نو تک۔
”فاران“ — تعلیمیں صاحب نے اپنی کتاب میں ”ابواب“ پر صرف نمبر لگا دئے ہیں، ان کے نام نہیں لکھے، ان نمبروں کے تحت ذیلی ابواب یا ان کے نمبر لکھے دئے۔ مسوغیان، ندب کر دی ہیں، اگر ان ”سرخوں“ کو ہم نے ابواب کہہ دیا، تو خدا کے لئے بتائیے کتاب پر اور مصنف پر اس سے کیا حرف لگے گا؟ اعتراض ہیں؟
وزن تو ہونا چاہئے۔

(۲) ”مگران“ کے ذوق شعریں پر بشر گڑھی ہمیں نظر آتی کہ دبیر اداریت کے ان مصرعوں میں، —

سہ فرمایا میں حسین علیہ السلام ہوں و دبیر سے مولانا سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں (امین) دبیر کا مصوع بہتر معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ عداوت پسلی بلکہ تمام ارباب ذوق کا یہ متعلق فہم ہے کہ انیس کے مصوع یا پسے شعر کے مقابل میں دبیر کا مصوع یا شعر انتہائی پرست ہے۔ امین کا شعر، —

یہ تو نہیں کہا کہ شہر مشرقین ہوں مولانا سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں

شعری کی سوجھ ہے یہاں آپ نے ہمارے اعتراض کی تمام عبادت حنفی کر دی، شاید ایسا اعتراض کو صحیح ثابت کرنے کے لئے، جو ایک قسم کا کتمان ہے جس کی توقع آپ جیسے فاضل تدبیرین و متذہب جیسے اللہ نے ہر کی سعادت سے بھی لانا ہے ہرگز نہیں ہو سکتی ! ہم نے لکھا ہے، —

”ان میں دبیر کا مصوع بہتر ہے کیا یہ بات قابل غور ہے کہ علیہ السلام اپنے لئے حسین نے خود مستعمل نہیں کیا جبکہ مولانا نے سبھا ہے، بلکہ انہوں نے تو یہ ہے میں میں ہوں“ گستاخوں نے اعتراض کیا تو انہوں نے کہنے کے لئے علیہ السلام لکھ دیا، لیکن یہاں علیہ السلام کی نمونہ نفس قوی ہے مصوع بڑی لکھا جانے کا فرمایا۔
حسین علیہ السلام ہوں۔ انیس کے مصوع میں سر جھکا کے بھی دست نہیں یہ کہنے میں کہ ”حسین ہوں“ خروارے کی کیا بات تھی؟ اگر خود کہ علیہ السلام کہتے تو شرط

کشت مرنے پہلے مصرع میں حضرت عین کے مرتبہ کی لغت و عظمت کا اس خوبی سے اظہار کیا ہے کہ دودان و دھار کرنے لگتا ہے، شکر کہتا ہے کہ عین جوش مشرق ہیں وہ اپنا لغت ان دائمی غظروں میں کرنے کی بجائے بغیرت و انکسار کے انداز میں، اس میں عین ہوں، کہ کردہ لگے۔
 ”مرحبا کائنات پر حکیم صاحب نے جو اعتراض داند کیا ہے وہ بھی لغت نہیں ہے۔“ لفظ لغات جلد سوم، میرے سامنے ہے اس کے صفحہ ۳۳۰ پر مرحبا کائنات کے یہ معنی لکھے ہیں۔

”سرسبز گنا — سجدہ گنا — انکسار گنا — شرم یا غیرت سے گردن نیچی کرنا۔“
 اس مصرع میں ”شرم“ کی بجائے غیرت داند کے معنی لکھے جائیں گے۔

”رومانے سرسبز گنا کہا میں عین ہوں“

اس مصرع میں تاثرات کا ایک طرز ان شاعر نے بند کیا ہے، ”مرحبا کائنات“ اگر حذف کر دیا جائے تو شعر کا بہت کچھ لغت فاسد ہو جائے گا، اس شعر میں حضرت عین علیہ السلام کے مرتبہ کی لغت کسا تقدیر کی منظومیت اور بیکسی کا اس خوبی سے اظہار کیا گیا ہے کہ وہ حقیقت شاعری کی معراج ہے! اس واقعہ کا ایک مثال کے ذریعہ سمجھئے۔
 ایک بادشاہ جس کا نام ہے ”فیروز نامہ“ سے سوا اتفاق سے غلاموں کے چنگل میں پھنس جاتا ہے، ایک ضام، بادشاہ سے مل جاتا ہے کہ تم کون ہو! اس واقعہ کا ایک انشاد نگار ان غظروں میں لکھتا ہے۔

”غلام کے دیوانے کی طرح شہنشاہ کو دماغ میں کہن تو یوں چاہئے تھا کہ تم تو میرے گھر کے ٹکڑوں پر چلے ہو، ایک غلام اور شہنشاہ کی غلام ہو، میں تو تاج و تخت کا، کنگ شہنشاہ وقت اند تھا نا، قاتلوں — میں اس عالم کے کسی بیہوشناہ کی زبان سے یہ نہ نکلا۔“

”میں فیروز ہوں“

اور یہ کہتے ہوئے اس کا سر تھک گیا۔

میرا آئینے کے اس شعر کے بارے میں دلائل بھی نہیں سکتیں، ہر اہل نقد اس شعر کو ”عظیم“ ہی کہے گا، مگر تجسّس صاحب کی خوش فہمی رہے گا یہ عالم ہے کہ اتنا اچھا شعر انہیں ناپسند ہے۔

”نام لانا پڑھنے والے لغات کے کہتا ہے کہ تجسّس صاحب کی جس عبارت کو ہم نے حذف کر دیا تھا، جس پر انہوں نے ”کتابان حقیقت“ کی طنز فحاشی ہے، اس کو تجسّس صاحب نے نقل کر کے اپنے مرتبہ کی لغت کی ”یا اُسے اندکیزہ کر دیا۔“

(۳) ہم نے کہا ہے کہ ”میر کا مصرع“ واضح بھی ہے اور محبت بھی، انیس کا مصرع دماغی کھنڈن میں ہے اس لئے دماغی کم جادہ واضح بھی نہیں، پتہ نہیں چلتا کہ شعر کہی اس کے سدنا چاہتا ہے؟ — اس تمام عبارت کو حذف کر کے آپ نے لکھا ہے ”دیا میں لغت“ اسلوب ان ہی نہیں، اس طرح ”اند میں کون بولتا ہے کہ میں نے دیا دیکھا تھا“ یا ”میں کل رات دیا میں دقتا“ حالانکہ بول چال اور شعر کی زبان میں بڑا فرق ہوتا ہے اگر کوئی شعر بول چال کی زبان میں ہو جائے تو اسے ”سہل متغ“ کہتے اور فردی نہیں کہہ کر شعر سہل متغ ہو۔

”نام لانا“ — تجسّس صاحب کی جو ترجمہ ”راہ الخویات“ نے حذف کر دی تھی اس کو صاحب موصوف نے درج کر کے کیا نامہ حاصل کیا، بیشک بول چال کی زبان اور شعر کی زبان بالکل ایک ہی نہیں ہوتی، مگر شعر میں جب بھی لفظ ”اند“ مانوس الفاظ آتے ہیں ان پر بھی اعتراض داند کیا جاتا ہے کہ یہ روزمرہ اند عام بول چال کی ”زبان“ نہیں ہے، کوئی شامل کر لے کہے۔

سے نکلا۔ کوئی لفظ بھی میرا سنا ہے

”زبان“ بلا اعتراض کیا جائے گا کہ ”ان“ اند اند معروہ نہیں ہے، شکر کہ ان کی بجائے ”زبان“ لانا تھا، تب تک اسی طرح کا اعتراض نہ لایا جاتا

مصوح پر نہیں میں آسرتا ہے! آسود میں خواب بولا جاتا ہے، یہاں عام بول چال ہے، "دیا" کوئی نہیں بولتا، ہاں "تیسرہ دیا" کہتے ہیں، "دیر کے" یہی اعتراض تو ہے کہ اس میں "وہ ایسا لفظ دیا" لاتے ہیں جس میں بڑی غزوات اور تکلف پایا جاتا ہے، اسلئے خیال میں انہوں نے ایک ہی دے دو لگے "دیا" کا کہ جنہیں فعلی کی صفت پیدا کی ہے۔

دیر کے معنی ہیں "ہی نہایت ہے" اسکا کہا کافی تھا کہ "دیا" میں بھی حسین کو دیا کرتے ہیں۔ "ہی" سے واقفیت میں کس قدر مبالغہ کیا۔ آئیں گے معنی ہیں "عشرت" ہے کے لگڑے نے جو سودا دار پیدا کر دیا، اس سے دیر کا معنی دیکھ لیں۔ یہاں وہ تکلف اور بیجا بولہ اظہار کہ۔

دیا میں بھی حسین کو دیا ہی کرتے ہیں

اسکا کہاں یہ بتے نکلی اور اثر آفرین صرت کہ۔

صرت چمک خواب میں بھی دیا کیجئے

سہل متعہ کی یہ تعریف اس تعلیمت کیا تھ جو گھٹیں صاحب نے کی ہے ملن خود چمک۔

"اگر کوئی شعر بول چال کی زبان میں ہر جائے تو اسے سہل متعہ کہتے ہیں، اور خود نہیں ہر شعر سہل متعہ ہو"

سیکھ لائی ہر اسلئے اشنا نا ایسے ہی بول چال کی زبان میں ہیں، مگر وہ سہل متعہ نہیں ہیں، شفا، تہجد دہلی کی غزل کا معنی ہے۔

سہ جائے، جائے بس آپ سے کئی کر دی

یہ شعر بول چال کی زبان میں ہے تو کیا یہ سہل متعہ بھی ہے!

معرفت دہلی کا شعر ہے۔

آج تک اس کی ملاقات کا سر پاؤں نہیں

اب تک اپنی کسی بات کا سر پاؤں نہیں

یہ بول چال کا شعر ہے اور گھٹیں صاحب کی تعریف کے لحاظ سے "سہل متعہ" ہونا چاہئے حالانکہ بلی چال اسد زمر کے کہتے ہیں یہ بھی یہ ایک کہ شعر ہے۔

مجتہد الدین عیشی بالیونی فریدونہ شاعر ہیں ان کی غزل کا مطلع ہے۔

میری آن کی کوئی طرائی ہے اب چلا جاؤں اب مغلای ہے

یہ ہے سہل متعہ کی صحیح مثال! جس شعر کو "سہل متعہ" کہا جاتا ہے اس میں بول چال کے علاوہ بھی دوسری خوبیاں ہوتی ہیں۔

(۱) آنکھوں میں پھرے اسلئے مردم کو خبر ہو (دیر) آنکھوں میں بول پھرے کہ خزانہ کو خبر ہو (دائیں) گھٹیں کنائی کی ہر گنت تو صحیح ہے کہ مردم آنکھ کا جذبہ ہوتی ہے اور خزانہ بہت دور کی چیز ہے۔ مگر شبلی کے لئے مردم اسد میں کون بولتا ہے! پھر خود کی یہ تعریف کہ اس کے تیر مرد و راہی کئی عیب انہی قسم کا تعریف ہے؟

خواب۔ اگر تیری کو مردم کوئی نہیں بولتا تو چمک کو خزانہ کون بولتا ہے! پھر یہ خزانہ کا معنی نہیں مڑگان یعنی ٹکڑے کا ہے۔ یہ دوسرا سلفی شعر ہے اور شبلی علم کلام کے مدفن میں، نیز شعر کے تیرا گروا نہ نہیں تو کیا آپ کے خیال میں زمانہ ہونے چاہئے؟

"فنا راہی"۔ "مردم" کے مقابلہ میں "خزانہ" اور مڑگان "اسلئے اشار میں بکثرت استعمال کئے جاتے ہیں۔ "مردم" خال، خال، صریح اعتبار سے بھی "مردم" اسلئے لفظوں کے ساتھ اجنبی اور عجیب لگتا ہے اور "خزانہ" یہ اجنبیت نہیں پاتی جاتی، "مڑگان" "بیک" "خزانہ" کی جگہ ہے مگر اسلئے "مڑگان"

دساندہ نے واحد بھی نظم کیا ہے، اسراج الدین شاد ظفر کا شعر ہے۔

جرم اشک سے مزجھاں اگر اونچی نہیں ہوتی

تعب کیا کہ شاخ پر شمشاد اونچی نہیں ہوتی

یہ کب کہا تھا کہ شعر کے تیز زمانہ یا مردانہ ہونے چاہئیں، یہ تو گھٹیس صاحب نے شعر کی فوجی تباہی ہے کہ دیر کے صبح کے تیز بھی مردانہ ہیں !

۱۵ م علامہ شبلی پر گھٹیس صاحب کا یہ اعتراض کہ انیس و دس کے کام کا مقابلہ کرنے میں وقت نفع سے کام نہیں لیا، یا یہ نہیں جاسکا، اہل فنق اسلاب نظم کے نزدیک کوئی وزن نہیں رکھتا؛ شبلی کو شعر کی جیسی پرکھ سکتی ایسی پرکھ تو دنیا کے کشادہ چند ناقدین کو نصیب ہوتی ہوگی۔

جواب۔ یہ اہل فنق اور اہل نظم کی غلط ولادت ہے اندر ہے، یہ تو انتہائی خوش عقیدہ گی ہے کہ شبلی جیسی شعر کی پرکھ دنیا کے اندر بھی مشاہدہ۔ وہ بھی چند ہی کو نصیب ہوتی ہوگی۔ علامہ، جو عجیب آبادی کہتے ہیں کہ۔

علامہ شبلی کہ وہ اظہار میں اس تمام معائب میں تنقید کی حدود کا خیال نہیں رکھ سکتے تھے۔ کسی کے میں بیان کرتے ہوئے

اپنے تاثر۔ شمار معائب میں اپنی بیزاری کو چھپا نہیں سکتے۔ اور شبلی اور آزاد و سلال کی بجائے اکثر جذبات کی گینز سے کام لیتے ہیں حتیٰ اپنے ہنر کی کوئی نکتہ استعمال کے ساتھ ہنرنا بیاننا چلا جاتا ہے اندر آزاد و شبلی اس کے جذبات سے اس کی اسے ہمدانے بنانے کی سعی کرتے ہیں۔

فسانہ۔ علامہ، جو عجیب آبادی کہ اپنے ذوق اور فہم کے مطابق ہر ناقد اور مضمون نگار کے پاس سے نقد و جرح کا حق حاصل ہے، مگر علامہ شبلی کس فی کا ذوق شعری اور اس ذوق اور اہل نظم کی غالب اکثریت کے نزدیک مسلم ہے اشعار فہم کے معادل میں وہ تنہا اپنی ذات سے لڑی ایک امت کے بزرگ ہیں !

۱۶ م مولانا آزاد نے چاروں جگہ سنسکرت کا امیج کیا ہے۔ یہ چیز قواعد کے کپیڑہ کو ذوق و وجدان سے تعلق رکھتی ہے، وہ شخص بنے ذوق ہے جو سنسکرت کو جملہ کی کسی حالت میں بھی سنسکرت لکھا اور لڑتا ہے۔ مثلاً ہوں تو بولتے اور لکھتے ہیں کہ "پنکھا خواب ہو گیا" اس پنکھے کی قیمت سو روپے ہے، لیکن ہوں نہیں بولیں گے

کہ انکھ کی قیمت دو سو روپے ہے، انکھا جھلکے ہی ہر حالت میں انکھا ہی لکھا اور لڑا جائے گا۔ یا ڈپے کی رنگت سرخ ہے۔ اس کا تپاس سنسکرت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جواب۔ آپ نے سنسکرت، پنکھا، ڈپا، انکھا سب کیساں اور ان کے استعمال کو فنق و وجدان کی چیز سمجھا ہے، حالانکہ یہ استعمال کی چیز ہے جس میں

کے خلاف استعمال کرنا غلط ہوتا ہے۔ ڈپا، انکھا کا لفظ ہر حال میں قائم رہتا ہے جیسے ڈپا کو انکھا کو دیگر میں، یا سنسکرت کو پنکھا کو غلط، سنکھ کو پنکھ کو صحیح ہوگا۔ مگر یہ خیال رہے کہ سنسکرت ایک طبی نام ہے جسے طبیب ہی صحیح استعمال کر سکتے ہیں اساطیبا کا بھی استعمال ہے جو میں نے لکھا ہے۔ کسی دلی یا گھنٹہ

کے طبیب دیانت کریں یا کسی طبی کتابیں دیکھ لیں، سنکھ کا نیکل، سنکھ کی گولی ہے۔ یہی حال سناڑے کے تیز کا ہے، ایک طبی اصطلاح پر آپ کا ایک طبیب لکھتا ہے کہ سنسکرت نہیں کیا جاسکتا، آپ سے بہت پہلے حکیم حبیب اشرف دہلوی بھرہ کر چکے ہیں جو اعلیٰ اہل زبان ہیں چونکہ وہ سنکھ کے استعمال سے واقف

ہیں اس لئے انہوں نے بھی ایسا اعتراض نہیں کیا جیسا آپ نے دھر گھسیٹا، اور یہ بھی نہیں سوچا کہ موقوف بھی ایک اہل زبان اور طبیب ہے۔

فسانہ۔ یہ عجیب و غریب انکشاف ہو کہ اردو زبان میں "فن طب" کی گرامر، عام قواعد سے مختلف ہے۔ کیا وہ کی کوئی کتاب ہے، حکم صاحب اس میں طبیب لکھنے اور جھگڑنے کی کیا بات ہے، راقم الحروف نے تو آپ کی تحریر سے ہی سمجھا تھا کہ آپ اردو زبان و ادب پر ایک ادیب و

ناقد کی حیثیت سے گفتگو فرما رہے ہیں آپ کو مرزا و اعظم آبادی کی تحسیر پر گفت کرتے وقت اس کا اظہار کر دینا چاہئے تھا کہ اظہار ایسے موقوف پر سنکھ لکھتے ہیں ! اگر اظہار واقعی سنکھ لکھتے ہیں تو ہم اس فعلی میں ان کی تقلید نہیں کر سکتے، زبان و ادب کے مسائل میں طبیبوں کی خصوصیات زبان اور معلومات کے کم پابند نہیں

ہیں اظہار کی جو باتیں ماننے کے قابل ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اردو میں غلیظ۔ پہلے اندر جس کو کہتے ہیں مگر اظہار۔ غلیظ گارڈ کے معنی ہیں بولتے ہیں اور ان کے اصل معنی کو بھلا رکھتے ہیں ! سناڑے کی مثال گھٹیس صاحب بالکل غلطی ہے، جس طرح "کوڑا" سے "کوڑکے" اور "دب" بولتے ہیں اس طرح "سناڑے" سے "سناڑکے"

منیا گیا ہے۔ ادب مرد ہے، مگر سنسکرت سے لکھتے۔ اردو زبان نہیں ہے !

وہ ترجیح دیتے ہیں، مترادف میں نہ ہونے والی بات نہیں ہے، اگر کسی لفظ میں حرف سنی کے کہانے سے کسی صاحب کی نگاہ میں خلعت پیدا ہو جاتی ہے، تو گزشتہ، نوشہ، تراش، غرض اس قسم کے نامہ الفاظ تک کو دینا ہوں گے، اُردو میں بیشک "تلم کراشہ" بھی لڑتے ہیں مگر کنگ کا اُردو ترجمہ اہل زبان نے تراشہ ہی کیا ہے، کسی اخبار کے کاغذ پر ملاحظہ فرماتے ہیں کہ ان کو لڑنا اُردو کراہے تو اسے بیشک "کزن" کہہ سکتے ہیں اللہ بولے بھی میں مگر کسی مضمون کی عبارت کے کاغذ کو تا غلط کے بعد جو چیز نکلتی ہے اس کے مترادف ملاحظہ ہوتا ہے اور غلط کی ساخت میں وہاں تک مصلیٰ وادبی مزاج کا تعلق ہے مترادف ہی سہی اُردو میں ہے۔

۲۸۔ اُردو میں تجزیہ جو ترجمہ نا کوئی حصہ نہیں۔

جواب۔ تجزیہ، تاشن، استعمال،، نمبرنا، رجبنا، فارسیانا، عربیانا، سنگنا، بولنا، سینسنا وغینہ وغینہ سے معاد بن گئے ہیں۔ آخر آپ نے تنقید کرنے سے پہلے ادب اُردو پر ہی مبنی ہے یا نہیں۔؟ جہاں تک مصلیٰ اور فضل اسم کے اعتراضات کے ہیں جن سے معات معلوم ہوتا ہے کہ جہاں نے زبان پر کبھی تنبیہ کے غور کی ہے نہ کیا۔ تاہم اس بات پر راسد؟

"فامان"۔ تجزیہ سے تجزیہ، استعمال سے استعمال، رجب سے رجبنا، سینس سے سینسنا۔ آخر کس ادارے یا کس فروغی ان لفظوں کے معاد بن کر زبان کے ساتھ خلعت کیا ہے اور اپنی نیکو چیز سے غلطی کا ثبوت دہا ہے یہ اور ہندو کی درست و بری نہیں ہندو کی تباہی ہے اللہ اس کی تعظیم ہے!

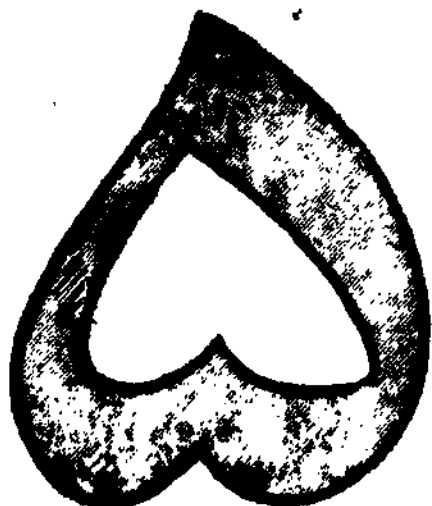
۲۹۔ تجزیہ سے جو غلطی اُردو سے غلطی کا استعمال کرتے ہیں ان کا جواب دینا سہا نہیں مجھے، اگرچہ قاعدہ یہ ہے کہ گندم از گندم۔ الخ۔ مگر ہمارے نزدیک غرض اس کی کہ جواب فرمائیں اس کی سے دینا بعد غلطی ہے۔

"فامان"۔ غور و ادب میں جو غلطی غلطی و وجہ ان کے خلاف کوئی بات کہتا ہے تو خطا جانتا ہے ہم سے کسی طرح غلط نہیں ہوتا اور تنقید میں ہے ذوق، معاذ اللہ، استغفر اللہ، خدا کی پناہ جیسے الفاظ کے ساتھ قلم سے نکل جاتے ہیں جو تنقید نگار درجہ تیر کے ہیں جس سے اللہ مصلیٰ خود کو میرا نہیں کہہ سکتا اور ہمارا شعور بے ہوش رہتا ہے، سیکھے ہوئے الفاظ اور ہر جوہر و تراشہ کے متاد ہیں۔ کزن کو بہتر سمجھتا ہوں اس کے ذوق کے بارے میں آخر کچھ تو کہہ جاتے گا۔ ۱۱۔ جوت ہے کہ آپ کو ادب کے معاد میں اب بھی اپنی رائے کی محنت و اصرار ہے، حالانکہ کتاب میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کہہ کر بتا گیا ہے کہ اُردو کے غلط الفاظ پر اُردو استعمال یا غلطی کے مطابق اعراب لگانے چاہئیں، اگر عربی کے مطابق لگائیں گے تو ان کا اُردو غلط بدل یا بگڑ کر عربی غلط بن جائے گا جو اُردو میں درست نہیں ہوگا۔ اعراب لگانے کا مقصد یہی تو ہے کہ غلط کا غلط معلوم ہو جائے! بلکہ اگر عربی میں عربی الفاظ پر اعراب لگائے ہوں تو وہ عربی غلط کے مطابق لگانے درست ہوں گے۔

"فامان"۔ اس بارے میں الجسہ دودھیں ہر کہتی ہیں کہ عربی اور فارسی کے ہر الفاظ اُردو میں بدلے جائیں ان پر اعراب کس زبان کے لگائے جائیں۔ اُردو میں جس طرح ان الفاظ کا غلط کیا جاتا ہے، اس کے لحاظ سے اعراب قائم کئے جائیں یا جس زبان کے الفاظ میں، ان زبانوں کے غلط کے مطابق!۔ شفا عربی سے متبادلی کی ہے نہ عربی میں عام طریقہ یہ کہ کوساں لہا جاتا ہے۔ تو بہتر یہ ہو گا یا نہ ہو، ہماری رائے یہ ہے، اور بعض اہل علم سے تامل خیال کیا ہے تو وہ بھی جہاں اس رائے سے متفق ہیں۔ کہ اعراب جہاں کا اصل غلط ہو اسی زبان کے غلط کے مطابق لگائے جائیں، یہاں سے مشورے کو گنجی صاحب نے جو گروہاں کہا ہے یہ ان کی رائے ہے۔

۱۲۔ آپ نے "ہاتھ کی بات" سے مراد یہی ہے جس کی بات!۔ غلط ہے۔ غلطی ہے۔ "ادھان"۔ یہ "بلی ٹولی" اور "بلی ٹولی" ماننا تو غلط ہونا کی بات ہے جو آپ کے قلم سے نہیں نکلتی چاہئے۔

"فامان"۔ یہ بات درست ہے کہ دیوانی غالب کے تیسرے نسخہ میں "ہاتھ کا" "ہاتھ کی" ہے مگر یہ غلطی غلط باقی نہیں رہا اور اُردو



آزمودہ دواؤں کا مرکب انساجین



سرور۔ مکر کا درد۔ دانت کا درد
ایام۔ انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Sporit

01/69

سید معروف شاہ شیرازی
(ایم۔ اے)

دوشن مستقبل

صرف اسلام ہی کا ہے

مستقبل میں مضمون مرحوم شہید اسلام بی قطب کی کتاب "دوشن مستقبل اسی دین کا ہے" کے پہلے باب کا ترجمہ ہے! یہ کتاب بھی سید قطب کی جدید ترین کتابوں میں سے ایک ہے اور متفرق مضامین کا مجموعہ ہے ان تمام مضامین کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ دین اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، سید قطب مرحوم ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۲ء تک پندرہ دس سال میں سب سے پہلی جہاں انہوں نے مولانا مودودی صاحب کی ترجمہ شدہ عربی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اس دوران انہوں نے جو مضامین لکھے ہیں ان میں وہ مولانا سے بہت تاثر و متاثر ہوئے ہیں جگہ جگہ مولانا کی کتابوں کے حوالے دیتے ہیں خصوصاً مبادی اسلام، اور المصطلحات الاولیاء فی القرآن، سو وہ بے حد متاثر ہیں اور مولانا اور حسن علی ندوی کی کتاب مآذی الخسران عالم! کے بھی جگہ جگہ حوالے نقل کر رہے ہیں۔

(ترجمہ)

اسلام ایک طریق زندگی ہے غرض زندگی ایک انسانی زندگی جس کے لئے اپنے عناصر ترکیبی میں ایک ایسا نظام ہے جو اس کا بقا کے وجود کے بارے میں ایک خاص انتظامی تصور پیش کرتا ہے اس کا انتہائی بنیادین اصول اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا نظام میں انسان کا منصوبہ و تدبیر بھی متعین کرتا ہے اس نظام میں ایک خاص نوعیت، ایک خاص اجتماعیت ہے جس کے سوا اس کو دوسری صورت حیات سے سمجھتے ہیں۔ اور ان کا منصوبہ آخری دینی اعتقاد ہے اس اجتماعیت کو بعض تجربی حوالے پر نہیں بلکہ ایک ذاتی، خدیش انسانی زندگی کی صورت میں تلاش اور تعبیر کر دیتا ہے مثلاً وہ ایک اخلاقی نظام پیش کرتا ہے اس کے سرچشمہ کا آئینہ دیتا ہے جس سے وہ چھوٹا بن، اس کی دو بنیادیں بیان کرتا ہے جن پر وہ قائم ہوتا ہے، اس وقت کی زندگی کو لے کر لے کر اس کے نظام طاقت دے رہا ہے! وہ ایک اجتماعی نظام اس کی بنیادیں اور اس کے عناصر ترکیبی فراہم کرتا ہے، وہ ایک انتظامی نظام اور اس کے ہر اسی نفاذ کے لئے عملی صورت فراہم کرتا ہے اس کا ایک بنیادی قانون ہے جو باقاعدہ طاقت و راہ کو منضبط کرتا ہے اور ہمارا خیال یہ ہے کہ اس دین کی مستقبل اپنی ہر صورت و حیثیت سے کہ وہ ایک نظام حیات ہے، اس پر ہر وقت سے کہ اس کی تمام کے تمام عناصر ترکیبی کو باہمی تبدیل اور مربوط رکھا جائے اور ان میں سے کسی کو ایک دوسرے سے جدا نہ کیا جائے وہ عناصر جو جمادات انسانی کے قوانین شہرہ میں سرگرمیوں پر حاوی ہیں۔

یہ دین، اپنی اس حیثیت کے ساتھ ایک ایسا دین نہیں ہے جو محض ایک تجریدی اور وجدانی عقیدہ بھی ہو اور اچھے حیات انسانی کے متنوع اور مختلف کارنگا بھول سے کوئی سروکار نہ ہو۔ اگر یہ بات مان لی جائے تو دین ایسا بھی ہو سکتا ہے جو محض ایک عقیدہ اور اعتقاد ہو اور جسے انسان کی عملی زندگی سے کوئی سروکار نہ ہو اور نہ وہ پوجا پاٹ کے چند رسوم پر مشتمل ہو جس میں مہمان انفرادی طریقہ یا اجتماعی طور پر ادا کرتے ہوں اور وہ صرف اسلام سے موصوفہ ہو جاتے ہوں۔ یہ دین ایسا کوئی طریقہ ہے کہ جو اصول الی الاصول کا دائرہ ہے اور عالم آخرت میں جنت الفردوس تک پہنچانے کا ہے جبکہ اس کے بالمقابل یہاں کوئی ایسا نظام حیات، نظام انسانی حیات ایسے بھی موجود ہیں جو کہ ارض پر حیات کو بندھے کا دائرہ میں یا زندگی کے کچھ خطے بھی جو جو ہیں جو اس دین اور اس کے اجتماعی نظم کے علاوہ ہیں؟

یہ دین اپنی اس خصوصیت اور اس غور میں اس قدر واضح ہے اور اس کی یہ حیثیت اس قدر عین و قوی ہے کہ کوئی ایسی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی جو اسے محض ایک وجدانی عقیدے کی شکل میں پیش کرے اور انسانی زندگی کے حقیقی مرقع سے اس کا کوئی تعلق نہ ہے۔ زندگی کے موجودہ نظم و ربط سے اس کا کوئی ربط نہ ہو اور نہ زندگی کی مربوط اور فعال مشینری سے اسے کوئی رابطہ ہو نہ ایسی کوئی کوشش کامیاب ہو سکتی ہے جو اسے محض ایک ایسے عقیدے کی شکل میں پیش کرے جس کے صدیق آخرت میں جنت نصیب ہو اور وہ صرف اس عقیدے کے مطابق چند عبادتیں اور مذہبی رسومات ادا کریں اور ایسی حقیقی اور عملی زندگی میں اس کے قوانین اس کے وضع کردہ طریقے اور زندگی کی اجتماعی تشکیل کا کوئی خیال نہ رکھیں۔ حالانکہ دین ایک مغزوت اور انہ ایک مخصوص نظام رکھتا ہے۔ دنیا میں بہت سے مذاہب ہیں جن کا خیال ہے کہ وہ دین ہیں۔ حالانکہ "الدین جو پروردگار کو محیط ہے وہ شمر" اسلام ہے ہمیں اس بات کا علم ہے کہ صدیقوں سے اسلام کو محض ایک وجدانی عقیدہ اور مذہبی رسوم و عبادت کے دائرے کے اندر بند کر کے رکھنے کی کوشش ہو رہی ہے تاکہ اسے اجتماعی زندگی کے حقیقی نظام انسانی حیات میں دخل دینے سے روک دیا جائے اور انسانی زندگی کی عملی تنظیم اور سرگرمیوں پر اسے جو وسیع کنٹرول حاصل ہے اسے ختم کر دیا جائے۔ جب کہ اس دین کا مزاج ہے اور یہی اس کی حقیقت ہے اور یہی اس کا وظیفہ مطلوب ہے۔

مذاہب دین اسلام نے اس کی کوشش کی کہ اسلام کو محض ظاہری رسوم تک محدود کر دیا جائے تاکہ اجتماعی معاملات میں وہ دخل اندازی نہ کر سکے۔ اور زندگی کی اجتماعی حکومت پر اسلام کا تسلط باقی نہ رہے۔ یہ کوششیں جب کامیاب ہو گئیں اور لادینیت کے عظیم لیڈر ہمارے کسے کا تصور اس منحصرہ کی تکمیل ہوئی۔ نظام خلافت کو ختم کر دیا گیا اور حکومت سے علیحدہ کر دیا گیا اور ترکی کو ایک خالص لادینی مملکت قرار دے دیا گیا اس کے بعد اسلامی دنیا کے ان ممالک میں جو استعمار اور جبریت کے قبضے میں آچکے تھے، مسلسل یہ کوشش کی گئی اسلامی شریعت واحد ماعتاقلین نہ رہے اور اس کے ساتھ ساتھ بدلی قوانین سے بدل چلے۔ ان مقامات کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت موجودہ محدود دائرے کے اندر بند ہو کر رہ گئی:

ترکی کے اس عظیم در؟ (۱) ماہ نما کی زبردست کامیابی کے بعد لادینیت نے دوسرا دستاویز قدم یہ اٹھایا کہ عالم اسلام میں — یا صحیح الفاظ میں اس سنگ زین سے جو کبھی عالم اسلام تھا — اس دین کی جوڑیں ہی اکٹھا کر کے پھینک دی جائیں اور عقائد و نظریات کے میدان سے بھی اسے نکال دیا جائے اور اس کی جگہ ایسے تعصبات اور ایسے عقائد پھیلا دیے جائیں جو لوگوں کو زندگی کا ایک نیا تصور ایک نیا مفہم دیا۔ اسے اقتدار و جبر پر آئیں اور اسلامی عقائد و نظریات کے خلاف کیا جائے۔ ... اندیشہ ہے کہ اسے جیسا کہ مسلمانوں کی صورت ایک عقیدہ کہلاتا ہے۔

ان مقامات کے ساتھ ساتھ یہی ہے کہ ان پرچم جو کہ اسلام پسندوں کو ختم کیا گیا۔ انہیں سخت مصائب میں مبتلا کیا گیا اور مشرق و مغرب پر تمام ستارے ہلاک ہوئے اور مشرق سے لے کر مغرب تک کی ایک بات پر بھی نہ ہو سکتے تھے۔ اس کا بغیر میں مشرک کہتے ہیں تمام ملک تاریخ اسلامی انقلاب سے برابر دفن زدہ رہے؟ اور زندگی اور کائنات کے حقائق اور حالات کے مزاج کا لازمی جوہر مسلم ہیں تاکہ انہیں انت کی جو صورت حال تھی اس کا لازمی تقاضا تھا۔ مختلف مقامات سے اسلامی رویے رونما ہوئے۔

لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں دین اسلام ایک بڑی حقیقت ہے: وہ ایک بڑی طاقت ہے: اس کی گہری بڑی ہیں: یہ تمام کوششیں بھی اسے جڑ سے

ہیں، انکھارے مسکرتے، اللہ نہ دیکھتا نہ سمجھتا اور یہ ممانہ کہ رسالتاں اس کو کھول دیا کرتی ہیں، انداس کے ساتھ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ نیت کو قویٰ و ناقص ہی
نہ اس دین کی جس قدر ضرورت ہے اس کے مقابلے میں ان معاندین کے حوصلہ و بغض کی کوئی حقیقت نہیں ہے، ان کی یہ بے دینی انسان کو خدا و پڑی ترسکا
ہے انہیں ہلاکت و ہمدادی کی تاریک مادھی کی طرف سے جانا ہے، ان میں سے کچھ ایسے لوگوں نے خطرے کی گھنٹی بجانا شروع کر دی ہے اللہ وہ نجات دہندہ کی خواہ
ہے، لاکھ شاہد اس حقیقت کو بھی کھجھکتے کہ اسلامی نظام حیات کے علاوہ اور کوئی ماہر نجات نہیں۔

جگہ جگہ سے آوازیں آرہی ہیں، اب حیران و پریشان دلوں کی آوازیں ہیں، یہ آوازیں ایسے ملکوں سے نکل رہی ہیں جو پاکستان کے متحک گئے ہیں۔ ان کو کئی نجات دہندہ کی تلاش ہے، وہ ان پر غصہ نہیں سمجھتے کسی نجات دہندہ کی آمد کے منتظر ہیں پھر انہوں نے اس نجات دہندہ کی علامات اور موصیات اپنے مذہب کے پاس سے یہ متعین کر لی ہیں، حالانکہ ان خصوصیات اور علامات کا حامل اسلام کو کوئی دین نہیں ہے۔

یہ دین جو نسیم کا نظام برسنے کا رانا بنا ہے، ابد چر جب ہم دیکھتے ہیں کہ انسانیت کو ایسا نظام حیات کی ضرورت کس قدر ہے، تو ہمیں یہ محکم نقیبن اصل ہو جاتا ہے کہ روشن مستقبل صرف اس دین کے لئے مقصد ہے، جسے شک اس دین کا دودھ آنے والا ہے، نہایت اس دین کو پکا سنا ہے کہ وہ آتہ اصا پانا دل ادا کرے۔

انسانیت جگہ جگہ بے شمار تجربے کر چکی ہے۔ آج بھی وہ مشرق و مغرب میں بے شمار نفع اٹانے کی حیات کو آواز داری ہے، لیکن ہمیں کئی اطمینان نہ کہ یہ تمام تجربات ناکامی پر منتج ہونے والے ہیں۔

یہ تمام خبرات بالکل ایک محدود دائرے کے اندر ہوسکتی ہیں اور یہ لوگ اس دائرے سے باہر نکلتے، یعنی ان فی تصور، ان کی تجسیر بہ ان فی عقل انسان کی ہیاست کے دائرے کے اندر وہ تصور جو جہالت، نقصان، ضعف اور غلو بات لغتائید سے رنگ آلود ہے۔ ان فیت کو ۔۔۔ اس محدود دائرے سے نکلنا ہے اور ایک نیا تجربہ کرنا ہے جو ایک حقیقی اور نئے اصول پر مبنی ہوگا، جو سچے اصول سے بالکلیہ مختلف ہوگا؛ وہ اصول اسلامی نظام حیات کا اصول ہے جو جہالت کی بجائے علم، نفق کی بجائے کمال، صنعت کی بجائے قدرت اور ہمارا نفس کی بجائے حکمت پر مبنی ہے اور جس نظام کی اساس یہ ہے "پھر ہی ان فیت کو ان لوگوں کی غلامی سے نکال کر صرف اور صرف اللہ وحدہ کی غلامی میں داخل کرنا"۔ اس دین اسلام کے تمام مانے حیات میں فرق کیا ہے، اب کہ اسلامی نظام حیات میں لنگ صرف ایک ہی خدا کی غلامی کرتے ہیں وہ الہیت، ربوبیت اور قومیت ہیں اُسے دینہ وشریک سمجھتے ہیں۔۔۔ قومیت کا وسیع تر مفہوم مراد ہے۔۔۔ چنانچہ زندگی کے تمام تقورات، اس کی تمام اعلا اقتدار، جسمانی زندگی کا نظم، قانون اور اخلاق رعادات تمام کے تمام صرف اُسی ایک خدا کے دین سے اخذ ہوتے ہیں۔۔۔ جبکہ دوسرے نظام مانے حیات میں لوگ بنیاد بہوں اور متفرق ادباب کی غلامی کرتے ہیں اور اللہ کے سوا ان ادباب متفرقوں کے لئے قومیت ثابت کرتے ہیں اور پھر ان سے زندگی کے ایسی تقورات یعنی اقتدار، زندگی کا نظم، تشریح و قانون، طرز نگاہ و اخلاق و ادبابت لیتی ہیں حالانکہ وہ دراصل ان ہی جیسے انسان ہوتے ہیں لیکن اپنے اس مدعیان سے الہیت، ربوبیت اور قومیت کے حقوق اللہ سے بے گمان ان لوگوں کے سپرد کر دیتے ہیں حالانکہ وہ بے چارے ان جیسے انسان ہی نہ کہ غلام اور محتاج ہوتے ہیں۔

ایسے نظام حیات کو ہم جاہلی نظام حیات کہتے ہیں جس میں انسان انسان کی زندگی کو نہ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ ایسے نظام کو جاہلیت بتا ہے، اس کی صورتیں متعدد ہیں، وہ مختلف و معاشروں کی شکل میں مختلف ادوار میں نمودار ہوا ہے لیکن یہ جاہلی نظام حیات وہی ہے اللہ نہ اس اس پر قائم ہے جس کا استیصال و انزال کونہ ہے، اسلام کا مقصد و مصلیٰ تفسیر و تفسیر ہے، تاکہ انسانیت کو اس جاہلی نظام کی غلامی سے نازک کیا جائے، اساساً زمین پر لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی واحد حاکمیت کو قائم کیا جائے، انہیں انسانوں کی غلامی سے بچڑا کر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت میں داخل کیا جائے، یا وہ جس کے اللہ کی عبادت و اللہ کی الوہیت، اس کی بدولت، اساس کے دین کا ہم کو جس طرح سے بے بہار ہے۔

تجزیہ کردہ نظام حیات کی طرف پلٹ رہے ہیں اور یہ کہ روشن مستقبل اب یقیناً اس دین کا ہے۔
 اور یہ یقین ہے کہ اس دین کو اپنے حقیقی مقام سے ہٹانے کی جو کوششیں کی گئی ہیں یا کی جانے والی ہیں وہ تمام کی تمام بری طرح
 ناکام ہوں گی! اس ناکامی اور ناکامی کے آثار ظاہر ہر جہہ ہیں، اس کا حقیقی مقام کہا ہے؟ یہ کہ وہ انسان کی واقعی زندگی آئے، اس
 تمام عملی اور شعری شعبوں میں، ایک نظام حیات ہے۔
 کیونکہ ایک طرف ہرگز گمشدہ نشانی اختیار کر لیتا اس دین کے مزاج کے خلاف ہے یہاں کہ کوئی نظام حیات جو واقعی زندگی سے کم
 بے لطف نہیں بنا کرتا۔!

سوان برانڈ صابن

آپ ضرور پسند فرمائیں گے یہ صاف
 ستھرتے اور آج بچے دھوئے



محمد مصباح الشریقی

نظام تعلیم — تاثرات

علم و عقل ہی انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا سبب اصلی ہے۔ لہذا ان کی ترقی و ترقی کے جذبہ ہمارے تمام اہل علم کی حوصلہ دہی ہے۔ علم کی تعلیم انسان کو اس کی تمام صلاحیتوں کا سبب قرآن حکیم نے: ”علم آدم الاسماء“ کے الفاظ مقدس میں بیان کیا ہے۔ اسی کی بنا پر وہ مسجد و مدرسہ کے قریب آئے۔ اسی اہل جناب خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر آئیں وحی الہی بھی: ”اقبل ہاسم ربک“۔ ”الذی علم بالقلم“۔ علم اللہ ان صاحب علم کے ہر ایک الفاظ میں نازل ہوتا ہے اور ہر ایک نے اپنی ساری زندگی تعلیم و تعلم ہی میں بسر کی اور زندگی کا کوئی گوشہ بھی ایسا نہ رہا جس کے متعلق آپ کی تعلیمات میں واضح ہدایات موجود نہ ہوں۔

خاصیت عالم میں صرف آپ کی تعلیمات ہی ہیں۔ وہ مکمل معنی میں ہر ایک کی زندگی کا احاطہ کر رہا ہے اور ہر ایک کی زندگی کا کوئی پہلو بھی تشویش نہیں آتا۔ اس میں دوسرے مذاہب کی تعلیمات کی طرح کچھ عبادات اور رسوم کے بیان ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا کہ الہی حقوق کے لئے تو اس میں ایک ضابطہ موجود ہو مگر ان کی حقوق نظر انداز کر دئے گئے ہوں۔ اس میں اگر حقوق الہی کی عدم آغوشی پر ملاحظہ کیا گیا ہے تو ان کی حقوق کی پامالی پر اس سے کہیں زیادہ غرنت موجود ہے۔ غرض تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہلے کامل اور مکمل ہیں اور انہی پریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے تعلق نہ کھنے والے افراد کو علم و دانش کی تکمیل پر براہیچند کرتی ہیں۔

گفت حکمت ما خیر کثیر

ہر کجا این خیر ما یعنی بخیر

پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اسلام میں رہا الفاظ دیگر تعلیمات نبوت میں تعلیم جیسے بنیادی سطح کو نظر انداز کر دیا جاتا اور اس سطح پر کسی قسم کی رہنمائی نہ کی جاتی۔ اسلام چونکہ ان کی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے اس لئے وہ تعلیم اور مذہب میں تعلیم کے تصور کی ہرگز ہرگز حمایت نہیں کرتا بلکہ اس کی نظر میں وہ تعلیم ہی معاشرہ کے لئے سودمند ہو سکتی ہے جس پر مذہب کا سایہ ہوا اور اگر یہ سایہ اٹھ جائے تو پھر وہی تعلیم معاشرہ کے لئے نہایت ترقی دہن دہی جاتی ہے اور اسے طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔ آج ہم اس معاشرہ میں ہر طرف خوف کی آفتا رہ رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اسلام کے نظریہ تعلیم سے بے رحمی اختیار کر کے ”سریسیسی“ کے نظریہ تعلیم کو اپنا لئے کی کوشش کی ہے جس کے مطابق مذہب اور تعلیم کا یکساں ہونا امر کمال ہے حالانکہ امر کمال کا معنی نام تعلیم (ALFRED NORTH WHITEHEAD اپنی منہ تعریف (AIMS OF EDUCATION) میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: ”تعلیم کی روح مذہبی ہونی چاہئے۔ مذہبی تعلیم جو وہ تعلیم ہے جو انسان میں احسان فرض اللہ تعالیٰ پیدا کرتی ہے (ص ۳۸) اور اگر تعلیم پر سے مذہب کی تنگائی ختم کر دی جائے تو مانتا تو فراموشی کی شمشاد و کمرنگ و بیانی کے لئے کے مطابق ہونا چاہئے“

ہیں ان میں صرف تربیت یہ ہیں۔ تعلیمات کی پرانہ دہی کے ساتھ رہندہستی (۱) بالور پر ایک اور مختلف تجویز پر تعلیم کا ہر وہ یہ ہے کہ اس میں اخلاقی

پاکیزگی کے متعلق لاپرواہی آگئی۔ مذہب کی جس بنیاد پر اس کے پناہ چین کا رد و دعاء تھا وہ اس دور میں ہوا ہو گیا ہے کہ اب اس کے پھر مدد کرنے کی امید نہیں ہے، وہ اپنے آباء و اجداد کے اعتقادات کو بھیتا ہے۔ رستمند ہند صفحہ ۴۶۹

تعلیم سے مذہب کی نگاہی اٹھ چانک حسد میں غسانیت کی تدبیریں بدلتی جاتی اور غفلت کے چہانے تبدیل ہو جاتے ہیں اور اسی بنا پر اکثر گستاخی بان ایسے تعلیم یافتہ اصحاب کو مصروفی قوم کا فروغ دینا کرتا ہے اور کہتا ہے "وہ تعلیم میں کو ہم سنا نہ حال میں تمام ریاجوں کا علاج کیسے ہوئے ہیں جب بلور حیاتیت متعلموں کے دماغ کو دی جاتے تو کیسے برسے نہ پائے اس سے ظہور میں آئے ہیں دکناب مذکورہ صحت مند اور اسی سلسلے میں مزید گفتگو کرنے ہوئے ڈاکٹر لی بان یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ - یورپی تعلیم سے جو اخلاقی ضعف بالوں میں منتقل ہوا ہے وہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اس کی میزان مختل بانکیہ ڈالوان ڈول ہو گئی ہے۔ رستمند ہند - صفحہ ۴۶۸

اسلام نے روزی اور بی او خلواری المسندہ کا فرقہ کے ذریعے اپنے متبعین کو حکم دیا کہ وہ اپنی زندگی کے شعبہ ہائے مختلفہ کو اسلام کے رنگ میں رنگے ہیں۔ ان کا قول و عمل اسلام کی ترجیح میں کرتا ہو تو کفر و نظر پر بھی اسلام کی چھاپ نمایاں ہو۔ ان کی تعلیم بھی اسی حقیقت کا اظہار کرتی ہو کہ وہ ملت مسلمہ کے قلب و نظم و کرم مسلم بنائے ہیں اپنا کردار کس حد تک ادا کر رہی ہے اور ان کے نظام تعلیم میں بھی یہی روح کاغذ ہو۔

انگریزی نظام تعلیم کا پہلے برصغیر میں مسلمانوں کو جو نظم تعلیم دیا تھا - سید سلیمان ندوی اسی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں "ہم نے اچھا نظم تعلیم کتنا ہی برا ہی لیکن پرستیم کرنا پڑے گا کہ اس کے سامنے ایک مقصد تھا اور وہ مذہب کی خدمت اور اس کے ذریعہ سادہ علوم و فنون کی تحصیل تھا۔

دعوت الی اللہ تعلیم - صفحہ ۹ صحت کی ڈیوٹر - ڈیوٹر - ہنریسیا مستحب انگریز بھی اسی مشہور زمانہ تصنیف *Our Indian Education* میں اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ - وہ نظم تعلیم اعلیٰ سے اعلیٰ دینی تعلیم و تربیت کا اہل تھا۔۔۔۔۔ مسلمان اس طریقہ تعلیم سے اعلیٰ قابلیت

اور دنیاوی برتری حاصل کرتے۔ (صفحہ ۲۵۹) - اور اپنے نظام تعلیم کا ذکر وہ ان الفاظ میں کرتا ہے "ہم اس طریقہ تعلیم مسلمانوں کی روایات کے بالکل خلاف انسان کی روایات کے بالکل غیر مطابق ہے۔ بلکہ ان کے مذہب کی تخریب کرتا ہے (صفحہ ۲۵۰) اور اسی سلسلے میں معروف برطانوی مفکر تعلیم

لارڈ میکالے اچھے دعوائے زمانہ بدلت میں یوں کہتا ہے کہ - ہم انہیں اس تعلیم سے محروم کرتے ہیں جسے حاصل کرنے کے وہ شدید طور پر آمادہ ہیں اور ان سے ہم کو خیر نظام تعلیم مسقط کرتے ہیں جس سے انہیں گھنی آتی ہے دیکھنے کا نظریہ تعلیم - صفحہ ۵۰ اور اس کا مقصد وہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے "اس نظام تعلیم

کے ذریعے ہم میں ایک ایسا طبقہ (جو وہیں لانا ہے) جو قوم اور ملک کے اعتبار سے خدمت الی ہو مگر ذوق، علم و فکر، اخلاق اور فہم و فراغت کے نقطہ نظر سے انگریز دیکھنے کے کا نظریہ تعلیم - صفحہ ۱۰۹ مغربی نظام تعلیم کو رائج کرتے وقت انگریزوں کی یہ توجہ و مقصد تھا اس میں ان کی کامیابی سے انکار کی جوت کیسے کی جاسکتی ہے؟

انہیں خود لیب سے شخصت ہونا پڑا مگر اپنے بعد وہ ایک ایسی قوم کو پناہ جانشین بنا گئے جو اس سرزمین پر رہتے ہوئے بھی ہر حالت میں ان کی طرح پانہیں سے وابستہ نہ ہاں نہ کرتی جدا ہو گئی تھے اگر ہر قوم کو کہنا پڑا تھا -

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا

انہوں کو فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اس سے بڑا نظم اور کی "ہو سکتا ہے کہ اس نظام تعلیم نے یہ کی قوم کی زندگی کو بے مقصد بنا دیا اور دنیا میں ایک ایسی قوم کی تخلیق کی جس کے سامنے زندگی کا کوئی مقصد نہیں ایسے اس قوم کے ساتھ ہر اور دنیا کی تاریخ میں سب سے اعلیٰ مقصد حیاتیت کسمی غنی اور سب سے زیادہ فعال زندگی بسر کرتی تھی اور اس کا نظام تعلیم بھی اسی مقصد کے گرد گھومتا تھا اور اب یہ حالت ہے کہ

سندوسانہ زندگی رفت از گمش

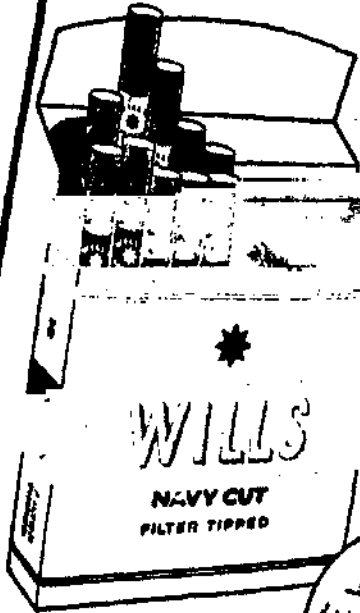
آن کہن آتشش فسر و اند دلش

فروری ۱۹۶۹ء

۳۳

نامان لکھ

ویپا وینز فیلٹر ٹیپڈ



آج کے نئی اہلست اور سب
 ویپا وینز آپ کے لیے
 یہاں ویپا وینز فیلٹر ٹیپڈ
 پتہ لگاتے ہیں۔ وہ اس کی بہت اچھی
 اور کوالٹی بہت سی شے لکھ اور دوسری
 تمام دکانوں میں فروغ کے ساتھ آپ کے
 سگریٹ اہلست کے لیے لکھتے اور
 سگریٹ کی فراہمی کی فراہمی

موجودہ ویپا وینز
 ۲۰ سگریٹ کو پیکٹ ۱۹۶۴ اور ۲۵
 آپ کی سہولت کے لیے لکھتے ہیں
 ۱۹۶۴ پیکٹ میں لکھتے ہیں

PARISIAN TOBACCO COMPANY LIMITED, SUCCESSORS TO W.D. & H.O. WILLS, BRISTOL & LONDON

مولانا محمد مصطفیٰ علی گڑھ

اللَّهُ نُورٌ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نُورِ

كَمْشكاة فيها مصباح المصباح في نجاة الزجاجة
كانها كوكبٌ نرى يوقد من شجرة مباركة زيتونة لا شرقية
ولا غربية يكاد زيتها يضيئ ولو لم تمسسه نارٌ نور على نور
يهدى الله لنوره من يشاء وليضرب الله الامثال للناس
والله بكل شئ عليم

ترجمہ: خدا آسمانوں اور زمین کے لئے باغیچہ ہے جس کے نور کی مثال اس طرح ہے کہ ایک شمع ہے جس میں چرلغ ہے، چرلغ ایک فانوس (جیسی) میں ہے جو گویا ایک بہت روشن شمع ہے، چرلغ ایک کثیر الشمارق وخت زیتون سے جو نہ مشرق میں ہے نہ مغرب میں، روشن کیا جاتا ہے اس کا روشن کیا معلوم ہوتا ہے کہ آگ بھی چھوٹے تو بزرگ آگ سے، نور علی نور ہے، اللہ ہر شے کو چاہتا ہے اور ہر مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے اللہ اللہ پر ہر شے سے بڑا ہے،

اس نورانی آیت میں بتایا گیا ہے کہ دلائل ایمان و معرفت و آیات بینات نہایت ظاہر و باہر میں۔ تاہم ہدایت مشیت الہی پر مبنی ہے۔ نور اپنی ذات پر ظہور اور اپنے غیر کا مظہر ہوتا ہے اور جو عدم سے وہی نہایت گہما ہے جو ظہر و خفا ہے چونکہ تمام عالم امکان پر حضرت واجب الوجود فیضانِ نور وجود ہے اس لئے فرمایا اللہ نور السموات والارض اور نہایت ہی معلوم ہوا کہ یہی سموات کو کواکب و سیارات سے، زمین کو نبات و صحرا و ممالک اور ہر شے دنیا میں سے اور قلوب و دین کو ایمان و طاعات و اخلاق و معادرت سے نور کرتے رہا ہے اللہ نور ہے جو سب ہدایت کرتا ہے اس لئے وہی مطلق بھی وہی ہے۔

سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جناب بائیکا میں جو دعا کی ہے کہ اس سے اللہ میرے سامعین، باہر میں میرے گوشت پرست ہیں۔ نور پیدا کیجئے اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ واجلعتی نوراً یعنی مجھے جسم نور مجسم ہدایت بنا دیجئے،

مولا افراتے ہیں کہ نور جاناں گر نہ دے راہبر پس چگونہ پیش و پس دارم خبر
نور اور دین و راہبر تحت و فوق بر سر و بر گردنم اسند طوق

رفع اشتہار۔ بعض کا جو یہ زعم و عقیدہ کہ اللہ کی حقیقت خود ہے وہ غلط باطل ہے کیونکہ عقل فاسق میں نہ کہ اس کی ذات پاک کی طرف مصافحہ کیا ہے۔
 ادا صاف نہ دین ہے تو ایمر کی اور فرما سہماک و لامر میں نہ کہ اس پر اسطابق اس طرح ہوا ہے جس طرح کہتے ہیں نیلہ عقل و خالک و خالک۔
 ہاں اس آیت کو وحدۃ الوجود سے کی تلقین نہیں کیونکہ لفظ الہی مادہ سموات و ارض نہیں بلکہ مجرد باری، مبادیہ متذہب ہے، پھر مادہ تسلیم کرنے میں کئی ٹکڑے لڑا
 آتے ہیں۔ ۱۔ اس کا تجزیہ ہوتا ہے اور پھر ترکیب کے وہ تقسیم، اھاد و حاجب الوجود نہیں رہتا۔ ۲۔ علت بالذات ہونے کی وجہ سے قائل بالاختیار بھی نہیں
 رہتا۔ ۳۔ تمام کائنات کی تخلیق لایم آتی ہے، حالانکہ اس کے حدوث کے دلائل بے شمار ہیں۔

پھر آیت میں خود وحدت الوجود کی نفی ہے، فرمایا مہدی اللہ المنون علی من یشاء یعنی جس کو چاہتا ہے ثابت بخشتہ ہے جس کا مفہوم مختلف
 یہ ہوا کہ وہ تو مذکور ہے اور اس کا بغیر کوئی پایت یافتہ ہے اور کوئی گمراہ، اللہ وحدت الوجود میں یہ بات کہاں !

اب اس لہجہ ہدایت کو آیات بیانات پر بھی صادق آتا ہے (فما جاء و کسر من اللہ فی فرس) اور حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی (یا ایہا
 اللہی سلا حاً منیلاً) اور قلب مرین کے لئے ایمان و ایمان و قرآن پر بھی (انہن شرح اللہ صدقہ لہ سلام فہو علی فرس من سرب) و تخیل
 کے پر لہجہ میں بیان فرمایا ہے تاکہ خود شک کرنے والوں کو شال سے عقل لہ کے خواص و اوصاف زیادہ زیادہ واضح اور زیادہ زہن نشین ہو جائیں اور شک کی
 صحیح تربیت اور علمی جانین سے ہمراہی تعلیم بھی حاصل ہو۔

خلاصہ تخیل یہ ہے :- کہ حیثیت ربانی کمالیہ میں ہرگز اس مشکاکہ کے ہے جو صرف باہر صفات ہونے کی غایت وجہ روشن ہے،
 آفتاب سے تعبیر کر لیں کہ گئی کہ وہ روشنی وسط خلقت میں مجبورہ نما ہوتی ہے، اور تخیل اس کی یہ ہے کہ یہ طاق و ایک طرف سے بزرگ ہے اب میں جو
 روشن ہوگا تو شعاعوں کے اجتماع کا دھبہ ہے بہت زیادہ پر نور ہو جائے گا خیر صاف کہ وہ چارہ بھی ایسی قدر قابل زحاجی میں نکلیا ہو جو کسی شے سے روشن سار کی طرف
 تابان و درخشاں ہے تو ظاہر ہے کہ شعاعوں کا انعکاس اس کی مدنی میں اور چارہ چاند لگا دے گا اس میں ہر طرف ترقیہ کہ وہ مدنی بھی جواس میں طرف کیا جاتا ہے۔
 زمین کا چہ ہوا شرفی و صفائی ایک خاص نشان رکھتا ہے اور وہ زمین بھی ایسا دل نہیں بلکہ آفتاب کے مقابل رہنے کی وجہ سے زیادہ چمک اور اس لئے
 زیادہ مصطفیٰ ہے، حق کہ دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بغیر آگ کے ہی وہ اب روشن ہوا جاتا ہے اگر شرف و شدت و قوای اقلہ کو تو علیاً اور فرما ہے۔
 بعض مشائخ کا قول ہے کہ وہ مشکاکہ قوسین ہے اس قدر قوس قلب ہے اور وہ حجاز معرفت الہی ہے، اور تخیل مہاکہ ایمان اور معرفت
 و اختصار اس اعتبار سے کہ وہ مدنی ہے اور ایک اور تخیل نفسی و ولوسم شکستہ نمائندہ ہے کہ اس قدر شعاعی و احکام پر شدت اطلاع کا امتداد
 و اھاد و قسم اطراف حوض پر مذہب کہ کھیرہ مہاکہ کو کلام طبع سے اگر تاویل کریں تو بھی ایک وجہ و وجہ ہے۔

دکلمتہ طیبہ کشمیرہ طیبہ اصلہا، ثابت و فرجانی المسماہ

اولیٰ بعض حکماء نے اس میں تخیل ہے تو ایسی کہ کہیں کہ وہ اللہ میں ہر جہات کے لئے، اور توحید اس کی ہے کہ وہ مشکاکہ قوت،

۱۰۔ سب سے، اور مدعیار قوت عقلیہ ہے جو حق تئ کہی کی مددک اور سکشن گر ہے، اور وہ تخیل نہ جاتی قوت نیلہ ہے کہ کھیرہ زحاجی جوی اصل جو
 کثیف ہے جب صاف شفاف ہو جاتا ہے تو چوڑا کی مدد کی گئے حجاب نہیں جتا بلکہ اس کے انشراح میں اور محمد مدان ہو جاتا ہے اک طرح خیالی اگر چہ
 عالم سفلی کی کو تو رکھتا ہے اس لئے کہ ہر شے متغیر شکل و تغیر رکھتی ہے لیکن باہر میں ہر جہات و لطیف و مہذب ہو جاتا ہے تو اس نکاح کے لکھائی
 عقلیہ کا ہم رنگ ہو جاتا ہے اور جیسے حقیقی اللہ ہونے کے حامل اور ہو جاتا ہے اور شکستہ کثیرہ المراتبی و کثیرہ الثمرات قوت سکیرہ ہے جو شدت کو
 ثابت و متعین ہے کہ اور مجبور کا استخراج و استعمال کرتی ہے کیونکہ جس طرح شخص نفی، شایخ و مدنی ہوتا ہے اور شایخ کے شایخ یعنی کلمات
 ہوتے ہیں، انہی طرح یہ قوت بھی بابت کے گونا گوں شعبے کرتی ہوتی آن کے شایخ کی ہر جہت ہے اور ہی اس کے ثمرات ہیں، اور لیکار دیتا بھی ہے و ولوسم
 شکستہ نمائندہ ہے شدت استعداد کا ہم لکھائی قوت ایمانیہ کہ حاصل ہے علوم ہر جہات کے کتاب کے لئے کہ جس طرح وہ مدنی زمین مصطفیٰ بغیر آگ کے

ہی گرا بوسن ہوا چاہتا ہے اور اس کے سے جس پر تو دوسری زندگی کا ہے اس طرح وہ ان کا دل جڑ جاتا ہے کہ جب اس سے جذبہ تفسیل احکام الہی کی آگ منظم ہو جاتی ہے تو عزم عمل کے لئے اس کے ساتھ ناکس مل کر اسے لطیف سے لطف بنا دیتی ہے یعنی تو دوسری زندگی کا وہ اسے ایک مقام پر فزادہ ہمیں آئے بھی قیہ نفس پایا ہے ؟

یہاں یہ نکتہ بھی پیش نظر ہے کہ جس طرح معیار کا ظرف خدیں اور تہذیب کا ظرف مشکاک ہے اسی طرح عقل کا مقدمہ خیال اور خیال کا مقدمہ وقت صاف ہے ۔

یہ صدی اللہم اللہ من لیس اب اسٹا دہتا ہے کہ دلائل و دلائل ہیں ، آفاقی بھی انسانی بھی ، لیکن ہاں ہم ہدایت ہماری مشیت ہی سے وابستہ ہے جسے چاہتے ہیں ، اپنے دل کی جانب راہ دیتے ہیں ، علم عقل کا ہی نہیں ، لہذا تمام دنیا کے علم اس وقت کا مسک واحد ہوتا ہے کہ نیکو فقیہ واحد ہے حالانکہ ان میں اختلافات کثیر ہیں ۔

ولیس ب اللہ الامثال لئلا یس بولکہ مضمون مذکورہ بالا پیش کیے جاز یہ بیان کیا تھا اس لئے اعلان ہے کہ یہ اندیز و گشت میں ہم لوگوں کے نام سے کہنے بیان کرتے ہیں کہ وہ غور و فکر کریں اور مضمون تک پہنچ کر حکمت عقلی و عقلی سے موزوں ہیں ، لئلا اس سے معلوم ہوا کہ قسم انہوں کو حق کی جانب دولت دی گئی ہے خواہ وہ مومن ہیں یا کافر ، حدیث ہوں یا زندیق اور کسی کو یہ ہم و گشت میں نہ ہونا چاہئے کہ ان قرآنی ضرب الامثال میں کچھ نہ پایا ہے ، کہیں کہ ان کا بیان کرنے والا تو تمام خدیی و دینی ، ظاہری و باطنی ، امر کے مخالف ، خواص ، صفات مشترکہ و غیرہ سے بخوبی واقف ہے ۔ اس لئے جو کچھ اسٹا دہتا ہے اس میں اولیٰ پیش و پیش کے ارکان میں پوری تطبیق کا لحاظ رکھا جاتا ہے دیکھا ہے ۔

لہذا در تمام امور کا انکشاف اس کے ساتھ ساتھ انکشاف کا نام لیا گیا ہے ۔ (درمطالعہ)

قدت کا مملہ نے موسم سرا کو

موسم سرا

انسانی جسم کی حفاظت : لائق شدہ قیمت کی بجائی دماغی طبی ، اور طبی طاقت کی استواری کیلئے ضروری ہے ۔

طب اشرف

آپ کی قسم کی کڑوی قسم کہتے ہیں تو اس موسم میں مہربان ، مہربان اور کبھی دواؤں سے نفاذ اٹھائی ۔ اگر آپ ہاتھ صاف کرنا چاہیں تو

جانب رجوع فرمائی جس کی نگرانی بلرہ دلاست پاکستان کے نام و طبیب مولانا حکیم عابدی اشرف خد کے سے بیرونجات کے بعض شخص مال کے گرفت مندہ مال کریں یا سولانا مد طلب فرمائیں ۔

مطب اشرف اشرف منزل نفاذ مع مسجد جناح ، لاہور لاہور

ماہر القلوری

یادِ رنگِ گلے

واحد بخش تادری مرحوم

بالیوں میں ایک خاندان ہے جس کے افراد "بخش" کہلاتے ہیں۔ "بخش" کوئی ذات قبیہ یا قوم نہیں ہے، بلکہ تین پشتوں سے اس خاندان میں "بخش" ہر شخص کے نام کا جز ہوتا ہے، مثلاً رحمان بخش، سید بخش، غفور بخش۔ اس گھرانے کے لوگ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ خوش حال بھی رہے ہیں !

بالیوں کے اس خاندان کے ایک رکن غفور بخش بلند خیر میں مختار تھے، یہاں سے ساتھ ترسان پہلے کی بات ہے، اس پیشہ میں انہوں نے بڑا کام پیدا کیا اور نام کے ساتھ دولت بھی ! انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی مذاق بخش کو ولایت بیرسٹری کی تعلیم کے لئے بھیجا، اُس زمانہ میں بیرسٹری کے لئے غالباً بڑی رقم کا بھی قید نہ تھی، انگریزوں کے ٹڈل پاس انگلستان جاتے اور وہاں ابتدائی امتحان (1746) میں کامیاب ہو کر بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرتے اور دو تین سال میں بیرسٹری کی سند لے کر ہندوستان چلے آتے۔

مذاق بخش مرحوم نے بھی اسی طرح بیرسٹری کی سند حاصل کی اور انگلستان سے واپس آ کر علی گڑھ میں دکن کالج، لاہور میں "نیشنل" نصیب اور ابتدائی سند تھے، دو تین سال ہی میں ان کی پریکٹس خوب چمک نکلی، اور ان کا شمار ضلع کے نامور وکلاء میں ہونے لگا، سر تقی علی احمد مرحوم، جو اللہ آباد آئی کٹ کے چیف جسٹس بھی تھے، مذاق بخش مرحوم کے جو نیر وکیل اور ان کے صحبت یافتہ تھے ! اس خاندان کے اکثر افراد بالیوں کے مشہور قاضی خانہ سے سے منسلک سمجھے جاتے تھے، اس لئے "قادی" کہلاتے تھے، مذاق بخش آر بی قادی (R. B. QADRI) کے نام سے مشہور تھے !

مذاق بخش قادی کا چھوٹا بھائی گڑھ ہی نہیں، یو پی کے چوٹی کے کیوں میں شمار ہونے لگا انہوں نے ہندو سپریم کورٹ کی جائداد خریدی، علی گڑھ لائبریری میں شاندار کوشاں بنائیں۔ متحدہ ہندوستان میں ترک عادات کا جن دنوں زور و شور تھا اُن زمانہ کی بات ہے کہ قوم پرستوں نے انگریز دشمنی کے جوش میں "چودا چودی پوس" سیشن کو آگ لگا کر کتنے بھائی سپاہیوں کو زندہ جلا دیا۔ چودا چوری کے اس شہر مقدس کی پروا سرکار کی طرف سے انہیں قادی بیرسٹر نے کی جن میں انہیں ایک لاکھ روپیہ کے ٹک بنگ مفتانہ ملا۔ اسی دوران میں ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ سلسلہ کی بات ہے میں ان دنوں

ملتان میں داخل ہو کر بالائی روایت کی مدین خاص مشہور سمجھتے تھے، انہیں نے قریب نصف کے راجوں کو بنام کرکے پس کی ان کے غور و نظر اور ان کا عقائد جانائی تھے، یہ صبر کے ساتھ اور ان کے عقائد اور ان کے عقائد بالائی سے اس گھرانے کا خاص شہرت ہوئی۔ سپریم کورٹ میں سادہ سادہ تین ہی ہندوستان کے مشہور عالم خطیب مولانا عبد اللہ، بالائی مرحوم کا بھائی تھا، اس سے متعلق قاضی صاحب بخش، راجہ، اسی خاندان کے ایک فرد تھے، عالم دین، بہ سلسلہ زید شاہ میں مشہور دنیاویات کے پیکر رہے، عربی ادب میں اتنا ہی حیرت کھتے تھے۔

لوہی کشتی میں پڑھا تھا سبھی اچھے طرح یاد ہے کہ ہمارے نواح میں قادی بیکسٹون کے انتقال کا خاصہ جوہر تھا۔ انہوں نے تین بیٹے چھوڑے، جو ایکشن وادیشن، وادیشن، ان سب کے ناموں کے ساتھ شروع ہی ہے۔ قادی بیکسٹون کا نام لکھا جاتا تھا۔

۱۹۲۵ء میں راجم اطراف جب سب سے پہلے مابل گیا، تو دوسرے قادی بیکسٹون کے سامنے قادی بیکسٹون میں ان بھائیوں کو دوسرے دیکھا۔ پھر بھائیوں میرا مانا جانا ہوتا اور وہ ان کئی مہینے تیار کیا۔ جو وادیشن قادی بیکسٹون سے ہم کرتے، ان سے خاصی بے تکلفی ہو گئی تھی، وادیشن کی عمر سب سے بہت گہرا سال کی ہو گئی، پھر بھائیوں، سمونل قامت، کھنڈا ہوا رنگ، اسیدہ، زریب، کوفتہ، اسیدہ قادی بیکسٹون کے من میں ہم کرکٹ کھیلا کرتے تھے۔ اور کوئل کا بجائے کھوٹے یا چوڑے کے چھوٹے کپس سے کام لیتے، وادیشن اس کم سن ہی خاصی تیز بولنگ کرتے اور کسی بیٹس میں کوئٹل ہی سے جتنے دیتے۔ حیدر آباد ونگ جانے کے بعد میرا وطن ہر سال آنا جانا رہتا، اس کو کھلے راستے ہی میں پڑتا تھا، کئی بار۔ اس کا قادی بیکسٹون کے یہاں غیر ملکی اتفاق ہوا خوش حال گھرانہ، بڑے بھنے گانا، لانا، میرا، کئی کئی لوگ اور ماٹھی، آئے دن پڑھتے، بڑی کلاسوں کے ممتاز طلباء۔ اسیا سرتے آئے ہوتے ہیں لوگ کی دھڑکیں ہوتی رہتی، جو وادیشن مرحوم نے مدینہ یار میرے گھر پر پائٹل کا اہتمام کیا، وہ شعر کا بڑا اچھا ذوق رکھتے تھے، یہ شعر میں نے ان کی زبان سے سب سے پہلے یاد کیا۔

مجھے نہر ہے حیدر ساقی میں پینا

رکھا ہے ساغر، یہ رکھا ہے مینا

جواکشن مین سے دوسرے مریض تھے، ایک بار ڈاکٹر رفیع الدین کے ساتھ اور دوسری بار مسٹر ایل کے بعد کی ہر ای میں، مسٹر ذائق بخشہ قادی بیکسٹون نے انہیں علاج کے لئے انگلستان بھیجا، مگر مریض کو بس تھوڑی آفاقہ ہو کر رہ گیا۔ شاید ایسی ہی کسی وجہ سے انہوں نے شادی نہیں کی، یہ مرحوم بالآخر جان لیوا ثابت ہوا، اسے ۱۹۵۰ء میں سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔

جواکشن مرحوم کے دو لڑکے تھے وادیشن اور وادیشن بک کے زمین لنگے اسیا بھائی زبانت اور غصہ و فطرت کی بدولت سلم پور کی ٹی ٹی کے حصہ منتخب ہوئے، پاکستان لینے سے غالباً چار سال پہلے ہم۔ اے کھٹے کے بعد وادیشن قادی بیکسٹون میں سروس میں بے بس گئے انسان کی قیادت میں صوبہ بنگال میں ہوئی، اور وہیں ڈھاکہ میں خواجہ غلام الدین کے خاندان میں ان کی شادی ہو گئی۔

جس عہد سے میری مرحوم چھ ایکٹائی، فرض شنائی، دیانت داری اور ساتھ ہی بڑی قابلیت اور سوجھ بوجھ کے ساتھ انہوں نے اپنے فرائض انجام دے، ڈیڑھ دو سال مسٹر محسنی پر گھر وزیر اعظم پاکستان کے سکریٹری کی حیثیت سے ان کا گزرا جی میں ہی رہنا ہوا، اس مدت میں کئی بار ان کے بنگلہ پر شعر وادیشن کی مجلسیں اور شاعری کے جلسے ہوتے، ایک بار حضرت جگر مراد آبادی کے اعزاز میں دعوت دی۔

۱۹۵۵ء میں جس سال ماقہ اطراف کو جوین شریفین کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی تھی، اسی سال وادیشن قادی بیکسٹون مرحوم کو پاکستان کے وزیر اعظم کی صحبت میں اس سعادت سے بہرہ ور ہونے کا موقع ملا۔ راج کے دلوں میں مٹاں میں سید حفیظ کے پاس ان سے اتفاق طے پورا ہوا ہو گئی۔ وہ شاہی میں تھے اور پلاس کا سپاہی راجس لے ہوئے باڈی گاڑی کی حیثیت سے ان کے ساتھ تھا میں نے کہا یہ وہ مستاد ہے جو ان صاحبزادوں کی تعلیم و سکھانے کا عہدہ ہوتا تھا، پشور کن کن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھری لگ گئی، احوال نے ان کی فہمی شخصیت اور بھائی صاحبزادوں کو اندھنا کر دیا تھا۔

اب سچ من۔ او پہلے گرمیوں کے زمانہ میں آصفیہ بان کے شہزادہ شاعر شفی ایل محمد مدینا فی رحمۃ اللہ علیہ کے لائق پوتے ایل احمد

تسلیم مبنیاتی نے راولپنڈی کے سفیر سے واپس آ کر کہا کہ سٹرا واٹھنیش قادری نے تم سے ملنے کا بے حد اشتیاق ظاہر کیا، انہوں نے تاکید کر دی ہے کہ وہیں تاریخ کو میں یوگ کے سرکاری وفد سے واپس کراچی پہنچ رہا ہوں، ایئرپورٹ پر باہر سے کہنا کہ وہ مجھ سے خود مل لیں، میں مقصد تاریخ پہنچا ہوا ہی آؤں گا، پہنچا تو نہ لگا کہ جب رخصت ہوئے آدھ گھنٹہ سے بھی زیادہ ہو گیا، ایک صاحب نے مبنیاتی کی کمر سٹریٹ کی طرف اشارہ کیا، وہاں پہنچا تو دیکھتے ہی بغل گیر ہو گئے انوشی کے مارے چہرہ کھل گیا، یہ دیکھ کر دل نے غلش عرس کی کوٹھنگنی اٹھنے پر ان کی صحت کے انحصار کو چھپا نہیں سکی! تھوڑی دیر میں کافی آگئی، کافی پیئے میں بے تکلفی کی گفتگو کرتی رہی انہوں نے کئی غزلیں مجھ سے سنیں، بڑی محبت کے انداز میں بولے ماہر صوفی! دل میں بھرا، آپ پسند ہی آئے، میرے یہاں قیام کیجئے، بس پھر میں چل دوں ہی بھر کے آپ کا کلام سنیں گے۔ اتنے میں کراچی پروردہ کی والدہ کا کٹر متشیق حسین قریشی ان سے ملنے کے لئے آگئے اور میں ڈاکٹر اے حسین صدیقی کے ساتھ ان کی کار میں شہر چلا آیا۔

یہ اتفاق نہیں مگر اتفاق تھا کہ جن دونوں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی عازمت کی وسیع کا مستند زیر عمل تھا، واٹھنیش قادری جیسا خریف النفس، قصہ شناس اور جوہر قابل محکمہ تعلیمات کا سربراہ تھا۔

واٹھنیش قادری نے پاکستان میں کتنی بہت سی حکومتیں دیکھی تھیں، ہر کاری و بند سے دار کی حیثیت سے وہ ہر حکومت کے مفاد دار رہے مگر ان کی کمزوریوں سے بھی واقف تھے اور ان کو تباہیوں پر ان کا دل کڑھتا تھا۔ پاکستان میں صحیح معنی میں اسلامی حکومت کا قیام، ان کی سب سے بڑی تمنا اور عشقِ صریح ان کی سب سے بڑی وہ گراں قدر متاعِ معنی، صوم و صلوة کے پابند، کلب گھوڑی کی زندگی سے نفرت اور اس قسم کی تمام لغزیتوں سے گریزاں، نیکی اور بھلائی کی طرف تلبیہ کا رجحان تھا، انھوں نے خیر پسند اور خریف النفس، صاحبِ کردار اور اس دل، اپنی عازمت اور عہدے کے کسی قسم کا کوئی آجائزہ نہ نہیں اٹھایا، پاکستان کے دن اُس دن سے چھریں گئے جب کہ سیدوں پر بہت سے واٹھنیش نظر آئیں گے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر اپنی رحمت کے پھول بھلائے! (آمین)

میاں محمد شفیع مرحوم

مجھے پاکستان آنے سے پہلے جن سارے جن پہنچے ہوئے تھے کہ شہداء کے دوسرے ہمینہ ملتان سے ایک دن عرس کا دعوت نامہ آیا ملتان جانے کا یہ پہلی مرتبہ تھا، مشاعرے کی مصداق سٹرا واٹھنیش قادری تھے۔ پی ایم نے فرمائی، جو ان دنوں کے کٹر تھے، سر محمد لطیف سابق وزیر اعظم کہیں متحدہ کے صاحبِ زادے میاں غلام حیات صاحب فرزندِ شہداء صاحبِ دانِ انصاف تھے، انہی کی کوٹھی میں ٹھہرنا ہوا، انہوں نے میاں محمد شفیع مرحوم سے پہلی بار سنا تھا، مگر وہ ان کی پہلی مسکراہٹ ہی نے دل موہ لیا، میاں صاحب ان دنوں ملتان میں، ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج تھے، انہی عہدے والوں کی توجہ اور محبت و قدرتی کام کی بدولت، انھوں نے ان کی طرف سے ایک نذرین کے سلسلے میں ملتان میں مقیم رہا، صاحبِ دہلی مرحوم کی رفاقت نے اس قیام اور عجیب شغلہ کو گوارا بنا دیا!

فروری ۱۹۷۷ء کے سلسلے میں پہلی بار عدالت میں پہنچا، تو لوگوں کا خاصہ حیران تھا، میاں محمد شفیع صاحب نے مجھے دیکھتے ہی عدالت کے دواں پہنچنے پر قریب کر کے رہنما لیا، میاں صاحب کی تواضع اور محبت اپنی جگہ مستحکم مگر تمام دوسرے لوگوں کو عدالت کے کمرے میں کھڑا دیکھ کر، میں دل ہی دل میں عجیب سی محنت محسوس کر رہا تھا، اسی حیران میں قریب کھڑا تھوڑی سی درخواست لے کر کمرے ہوئے تھے، میں تعذر ان سے نہ کیا، بچا ہوا!

میاں صاحب مرحوم سے ملتان میں ملاقاتیں ہوتی رہیں، ایک بار بار وہ ملنے کے لئے خود شریف ملے آئے اور زیادہ طویل کے پھاٹک کے سامنے بھی ہوتی کھڑی جا رہی تھی، اچھٹ کے بعد میں مجھے ماہر مگر کرگشتگر کا آغا فرمایا، میں چند ماہ کے بعد استحقاق طرہ کراچی چلا آیا

ہر قسم کے سوتی دھاگے کیلئے ہمیشہ
 اویسیا برائڈنگ کو پیاد رکھیں



فیز سلطان انڈسٹریز لمیٹڈ سرائے روڈ کراچی

تلوک چند محروم کا غیر مطبوعہ کلام

نئی دہلی میں
۱۹۲۳ء

بہادرم محترم - تسلیم

۱۔ فالن: بانا عدد و موصول ہوتا ہے، سب راہ پاس ہوں، مینا شمسہ بھی اگلے دن ملا، مولوی بیگمیں محروم کے بارے میں آپ کا مقالہ پڑھا، آپ نے بہت اچھا کیا کہ اس کے کچھ اصلاحات نظر کر کے، مولوی صاحب محروم کی شخصیت پر روشنی ڈالی، مقالہ بہت جلد شائع ہوا، آپ اپنی اس قسم کی محروموں کو یکا یک کے ایک کتاب مرتب کیجئے بڑی اہم کتاب ہوگی، ہر اعتبار سے!

مولوی بیگمیں کو دنیا دون ہی میں بھول گئی ہے، خدا آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے بقی رفاقت ادا کیا ہے۔

نام نیک زندگی کا ضائع ممکن، تاہم نام نیکیت یا دگر

نظیر کی کاشمیر توجیر لا جواب ہے ہی، آپ کا اس موقع پر یہ شعر نقل کرنا ہی ایک کاسہ سارہ سے کم نہیں!

باب: ہماری نظر میں ہمیشہ سے پہلے پڑھتا ہوں، داند ختم ہو ہی یہ باب بڑے شوق سے پڑھتا تھا، ہمارے سے ادیب اور شعرا ان پانچ دیوں سے بالآخر آنا دیں، نہ جانے یہ جہنم پسندی ہماری ہی نظم اور شعر کو کہاں لے جائے۔

اس خط کے ساتھ داند محروم کا غیر مطبوعہ کلام: فالن کے لئے بھیج رہا ہوں! آپ سب کتاب غیریت سے بھر گئے۔

نیا زمند سخن ناتھ آزاد

منظور نہ کر اپنے کئے کا الزام
ہے رحمت سراپے کئے کا الزام
انسان کو ابلیس سکھاتا ہے یہی
الشد پہ دھراپنے کئے کا الزام

ہے خوب وہ طبع جس میں ریگینی ہے
سامان ستائش خود آئینی ہے
سب سے ہشیار ہے مگر وہ ان
جس کو سودائے عاقبت مینی ہے

یہ کلام ہر لذت مندوم رہا
ہو کو نام ہر طبعیت کو ہوم رہا

بائیں تو مائیں تو بے تو نے محروم
یہ سب حسن عمل سے ہوم رہا

دسم و راہ کرم سے غافل نہ رہے
آہ دلی پرالم سے غافل نہ رہے
احساس غم اس لئے ملا ہے اس کو
انسان انسان کے غم سے غافل نہ رہے

گستاخ سے کس لئے بگڑتا ہے تو
کیا تیرا گناہ لے گا کوئی بد خو
بدتر ہے خوش دلی اسے منہ نہ لگا
ہے اپنے ضمیر کا بھی تیرا بھی حد

جس کے قریب بھی اس زبان کی کوئی کتاب اپنی ادبی استعداد و قیمت میں نہیں پہنچتی، یہاں نہیں بلکہ یہ کتاب صرف ہندو کی طرح کیڑے کریمہ کی ہے کہ ہا صدیاں گزر جائے پر بھی اس زبان کا یہاں نہایت ہی ہے جو اس کتاب نے قائم کر دیا تھا۔ حالانکہ اتنی مدت میں زبانیں بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہیں۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جو اتنی طویل مدت تک اسلام، انشا، کلام و فرائض زبان، اور استعمال الفاظ میں ایک ہی شان پر باقی رہ گئی ہو، لیکن یہ صرف قرآن کی حالت ہے جس نے عربی زبان کو اپنے مقام سے ہٹنے نہ دیا اس کا ایک لفظ بھی آج تک متروک نہیں ہوا ہے اس کا ہر محاورہ آج تک عربی ادب کی شخص ہے اس کا ادب آج بھی عربی کا ماحول کا ادب ہے اور فقہیہ و فلسفہ میں آج بھی فقہیہ زبان وہی مانی جاتی ہے جو ابھریں پہلے قرآن میں استعمال ہوتی تھی کیا دنیا کی کسی زبان میں کوئی ایسی تفصیل اس شان کی ہے؟

۲۔ یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جس نے نوع انسان کے انکسار اخلاقی، تہذیبی، نظری و زندگی پر اتنی وسعت، اتنی گہرائی، اتنی ہم گیری کے ساتھ نظر فرمایا ہے جس کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ پہلے اس کی تاثیر نے ایک قوم کو ہلاک کر دیا اور پھر اس قوم نے اٹھ کر دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو بدل ڈالا۔ مگر دیکھ کر کتاب ایسی نہیں ہے جو اس قدر انقلاب و ترقی برپا کرے، ہر یہ کہ بہت عرصہ کا غنہ کے غمات پر کھڑی نہیں رہی تھی، بلکہ عمل کی دنیا میں اس کے ایک ایک لفظ نے خیالات کی تشکیل اور ایک مستقل تہذیب کی تعمیر کی ہے، اب ابھریں جسے اس کے ان اثرات کا سلسلہ جاری ہے اور ہندو مذہب اس کے اثرات پر پھیلے چلے جا رہے ہیں۔

۳۔ جس موضوع سے یہ کتاب بحث کرتی ہے وہ ایک وسیع ترین موضوع ہے جس کا دائرہ انہل سے اب تک پوری کائنات پر حاوی ہے۔ وہ کائنات کی حقیقت اور اس کے آفاقی اور انجائی۔ اور اس کے نظم و آئین پر کلام کرتی ہے وہ باقی ہے کہ اس کائنات کا خالق اور اس کا نظم و تدبیر کیا ہے کیا اس کی صفات ہیں، کیا اس کے اختیارات ہیں اور وہ حقیقت نفسِ امارتی کیا ہے جس پر اس نے یہ اور نظام قائم کیا ہے۔ وہ اس جہان میں انسان کی حیثیت اور اس کا مقام ٹھیک ٹھیک کیسے بتاتی ہے کہ یہ اس کا فطری مقام اور اس کی پیداواری حیثیت ہے جسے بدل دینے پر وہ قادر نہیں ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس مقام اور اس حیثیت کے لحاظ سے انسان کے لئے فکر و عمل کا صحیح راستہ کیا ہے جو حقیقت سے ہر ایک مطابقت رکھتا ہے اور غلط راستے کیا ہیں جو حقیقت سے متصادم ہوتے ہیں صحیح راستے کے صحیح ہونے اور غلط راستوں کے غلط ہونے پر وہ زمین و آسمان کی ایک ایک چیز سے، نظام کائنات کے ایک ایک گوشے سے انسان کے اپنے نفس اور اس کے وجود سے انسان کی اپنی تاریخ سے یہ شہد ولائح پیش کرتی ہے اس کے ساتھ یہ بھی بتاتی ہے کہ انسان فطرتاً مستور پر کچھ اور کچھ اسباب سے پروردگار ہمارے ہمیشہ سے ایک ہی تھا اور ایک ہی رہا ہے، کس فلیج سے اس کو معلوم ہو سکتا ہے اور کس طرح ہر سانچہ میں اس کو تیار کیا جاتا ہے۔ وہ صحیح راستے کی طرف نشان دہی کر کے نہیں بلکہ اس راستے پر چلنے کے لئے ایک پورے نظام زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے جس میں عقائد، اخلاقی تہذیب، نفس، معاشرت، معاشرت، تہذیب، تمدن، معیشت، سیاست، عدالت، قانون، عرصہ حیات انسان کے ہر سلسلے سے متعلق ایک نہایت مربوط نظام بطور بیان کر دیا گیا ہے۔ مزید بتاتی ہے کہ اس صحیح راستے کی پیروی کرنے والے انسان فطرتاً مستور پر چلنے کے لئے کیا نتائج اس دنیا میں ہیں اور کیا نتائج دنیا کا مروجہ نظام ختم ہونے کے بعد ایک دوسرے عالم میں موعود ہونے والے ہیں۔ وہ اس دنیا کے ختم ہونے اور دوسرے عالم پر پانے کی نہایت مفصل کیفیت بیان کرتی ہے اس اختیار کے تمام مراحل ایک ایک کیسے بتاتی ہے دوسرے عالم کا پورا نقشہ لگا کر بتاتی ہے کہ اسے کچھ دینی ہے اور پھر بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ انسان اس کیسے ایک دوسرے زندگی پانے کا کس طرح اس کی ذمہ داری زندگی کے اعمال کا محاسبہ کرے گا اس اور اس کے سے باز نہیں ہوگی، کیسے نا نابل انکار و صدمت میں اس کا دلہا نامہ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گی۔ کیسی ذمہ داری ہے اس کے ثبوت میں یہی کیا پابندی ہے اور کتنا پانے والے نہیں ہوں اور کتنا پانے والے، جتنا پانے والے کو کیسے انعامات ملیں گے اور کتنا پانے والے کس کس شکل میں اپنے اعمال کے نتائج مجھ گئے اس وسیع مضمون پر جو کلام اس کتاب میں لکھا گیا ہے وہ اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس کا مصنف کچھ ضروری کبریٰ جو درجہ کیا سات کی ایک عمارت تعمیر کرنا ہے۔ بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کا مصنف حقیقت کا ہلہ مات علم رکھتا ہے اس کی نگاہ انہل سے اب تک سب کچھ دیکھ رہی ہے تمام حقائق اس پر عیاں ہیں۔

نہان اداس کا اسٹائل بالکل ہی کھرا رہا۔

۶۔ وہ رہنا اس تحریک کی قیادت کے دوران میں مختلف حالات سے دوچار رہتا رہا کبھی برصغیر وہ اپنے ہم وطنوں اور اپنے قبیلے والوں کی تشویک و تحریک اور سخت نظم و ضبط کا نشانہ رہتا رہا کبھی اس کے ساتھیوں پر اس کی عقلیت دیکھا گیا کہ وہ ملک چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور ہو گئے کبھی دشمنوں نے اس کے تعلق کی سازشیں کیں کبھی خدا سے اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑی کبھی اس کو انہی کی عسکریت اور فساد کی زندگی گزارنی پڑی کبھی ایسے ہیمنہ لڑا جو اس کے علاوہ پیش آیا جس میں شکست اور فتح دونوں ہی ہوتی رہیں کبھی وہ دشمنوں پر غالب آیا اور وہی دشمن جنہوں نے اس کو بھڑکے ہوئے تھا اس کے سامنے سرخوں نے غصہ آئے کبھی اسے وہ اقتدار نصیب ہوا جو کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ ان تمام حالات میں ایک انسان کے جذبات کا اثر نمایاں نظر آتا ہے جو ایسے مواقع پر انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں لیکن خدا کی طرف سے آتی ہوتی وہی طرح ہر ان مختلف حالات میں جو کلام اس کی زبان سے نکلتا ہے وہ انسانی جذبات سے بالکل خالی ہے کسی ایک مقام پر بھی کوئی بڑے سے بڑا لغو دانگل رکھ کر یہ نہیں بتا سکتا کہ یہاں انسانی جذبات کا اثر یا نظر آتے ہیں۔

۷۔ جو کسی اور جامع علم میں پایا جاتا ہے وہ اس زمانے کے اس عرب اصحابِ مدد دلیان و ایران تو دور گناہی میں ہر صدی کے کا برہنہ علم میں سے بھی کسی کے پاس نہیں ہے۔ آج کا سائنس کا علم غرضتوں کی کسی ایک شاخ کے مطالعہ میں اپنی عمر کھا دینے کے بعد اولی کو پہنچتا ہے کہ اس خیرہ علم کے آخری مسائل کیا ہیں اور جو عرب و عاتر نگاہ سے قرآن کو دیکھتا ہے اسے علم میں تہا ہے کہ اس کتاب میں ان مسائل کا ایک واضح جواب موجود ہے یہ مطالعہ ایک علم تک محدود نہیں ہے بلکہ ان تمام علوم کے باہر بھی ہے جو کائنات و انسان کے کوئی نقص نہ کہے جس کیسے ہوا کیا جاسکتا ہے کہ اس میں جو پس پسٹریکسٹین عرب میں ایک ایسی کو علم کے ہر شعبہ پر اتنی وسوسہ نظر حاصل تھی وہ اس نے ہر دنیا کی سب سے عمدہ خوش کے کہ اس کی کھانہ انسانی طبیعت کو جواب دہ کر دیا تھا ؟

تھامس سے جب جہازِ اربعہ واضح اور اللہ تعالیٰ تمک یہ واضح تر ہوتا چلا جائے گا۔

طاقت و توانائی کا مکمل پورس

مستقل فائده، قابل اہتمام و توانائی، فرحت بخش زندگی

مالع اعظم :- دل، دماغ، بعدہ، جگر، کھٹکیر، پے منی، انڈر اسٹیرا، وہیچا، لاسخطا، طبعی کاوت پیدائش والا اکھ، ہنسی۔ ایک اہ دش روپے

طلائے قباب خاص :- بیرونی کمروں کے لئے جے ضرر۔ ایک اہ دش روپے

لبوب کبیر خاص ————— ایک ماہ ۱۶ سو پے

نوٹ۔ ہر سہ ادبیات کا مکمل کورس ۱۔ ۳۶ روپے نصف کورس ۲۔ ۱۹ روپے

اشرف لیبارٹریز - لائل پور

جمہوری نظریہ

خلافت و ملکیت — سید ابوالاعلیٰ مودودی، ضخامت: ۱۵۳ صفحات، قیمت: اعلیٰ ایڈیشن پلاسٹک گورڈ، آٹھ روپے ۲۵ پیسے
سنٹا ایڈیشن، چار روپے ۵۰ پیسے، طے کا پتہ: اسلامک پبلیکیشنز شاہ عالم مارکیٹ لاہور — لاہور ۱۶ بیت الہی
دوسری منزل، ڈھاکہ۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی یہ وہ محرکہ آرا کتاب ہے جو ان دنوں بحث و مناظرہ کا موضوع بنی ہوئی ہے، اور جو لوگ مولانا موصوف کی ذات اور جماعت اسلامی سے عداوت اور گدگد رکھتے ہیں، انہوں نے الزام تراشی اور طعن و تشنیع کی باقاعدہ ہم شروع کر رکھی ہے۔ اصرار کی تنقید صرف انصاف کے حدود سے بہت کچھ تجاوز کر گئی ہے۔

یہ کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے — باب اول، قرآن کی سیاسی تعلیمات — باب دوم، اسلام کے اصول حکمرانی — باب سوم، خلافت، راشدہ اور اساس کی خصوصیات — باب چہارم، خلافت راشدہ سے ملکیت تک — باب پنجم، خلافت اور ملکیت کا فرق — باب ششم، مسلمانوں میں مذہبی اختلافات کی ابتدا اور اساس کے اسباب — باب ہفتم، امام ابوحنیفہ کا کارنامہ — باب ہشتم، خلافت اور اساس کے متعلق مسائل میں امام ابوحنیفہ کا مسلک — باب نہم، امام ابو یوسف اور اصحاب کا کام۔

ہر باب کے تحت متحمل مذہبی سرخیوں ہیں، ہر واقعہ اور مسئلہ کو اس قدر تفصیل اور عقلی و فطری دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا نشنگی، الجھن اور کسی محسوس نہیں کرتا، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی دینی مسائل اور سیاسی معاملات میں جو سچھی ہوتی فکر رکھتے ہیں، اور استدلال کا دلچسپ انداز اور خاص پیرایہ بیان، اللہ تعالیٰ نے انہیں دو لعلت فرمایا ہے، یہ کتاب ان خوبیوں کی منظر ہے، زبان، بیان، طرز نگارش اور اسلوب تحسید ہر چیز اپنی جگہ خوب سے خوب تر، بلکہ معیاری:

مغرب کے تصور کی جمہوریت اور اسلام کی جسوی خلافت کا فرق جن بغضوں میں گمراہی کے ساتھ بیان کیا ہے۔
"مغربی تصور کی جمہوریت عوامی حاکمیت کے اصول پر قائم ہوئی ہے اور اساس کے برعکس اسلام کی جمہوری خلافت میں عوام خدا کی حاکمیت تسلیم کر کے اپنے اختیارات ہضنا و عظمت قانون خداوندی کے حدود میں محدود کر لیتے ہیں۔"

(ص ۳۶)

صفحہ ۱۰ پر تہمت لگاہے مگر انہماک سے ذہن میں رکھنا چاہیے، تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ دلی میں تہمت بھی بولا جاتا تھا۔ اس لحاظ سے یہ افلاطون نہیں ہے، مگر اس میں اب بہت دلی سے تہمت کا چلن ہے، دلی دے بھی اب تہمت ہی بولتے اور لکھتے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی اور دوسرے اہل باطن کا دلائل قلم کی تحسین دلی میں تہمت ہی ملتا ہے!

اور

۔ وہ یعنی اسلام جمہوریت کے اس اصول میں ڈیکر کر لیں سے متعلق ہے کہ حکومت کا بننا اور سنبھالنا اور چلایا جانا، بالکل عوام کی دانتے سے ہونا چاہئے، لیکن اس میں عوام مطلق انسان نہیں ہوتے کہ سیاست کا قانون، اس کے اصول و سیاسیات اس کی داخلی و خارجی سیاست اور اس کے وسائل و ذرائع، سب ان کی خواہشات کے تابع ہوں اور ہر ہر حد و حدود مقرر ہوں، یہ ساری چیزیں بھی اُن کی طرف منحرف ہوتی ہیں، بلکہ اُس میں خدا اور رسول کا بالاتر قانون اپنے اصول و حدود اور اصولی احکام و ہدایت سے عوام کی خواہشات پر مضبوطی قائم رکھتا ہے اور سیاست ایک ایسے تین راستے پر چلتی ہے جس کے بدل دینے کے اختیارات نہ اُس کی مشروطیت کو حاصل ہوتے ہیں، نہ عدلیہ کو، نہ مقننہ کو، نہ خبری طبع پر لپکی قوم کو، اَلَا یہ لقمہ (ص ۵۳) خود اپنے عہد کو توڑ دینے کا فیصلہ کر کے دائرہ ایمان سے نکل جاتے۔ (ص ۵۳)

یہ ریاست محض پولیس کے فرائض انجام دینے کے لئے نہیں ہے کہ اس کا کام صرف نظم و ضبط قائم کرنا اور سرحدوں کی حفاظت کرنا ہو، بلکہ یہ ایک مقصد کی سیاست ہے جس کا بنیادی طور پر اجتماعی عدل اور جہانوں کے فرد و افراد برائیوں کے استیصال کے لئے کام کرنا ہے۔ (ص ۵۶)

اور

”فرد اور سیاست کے درمیان اس نظام میں ایسا توازن قائم کیا گیا ہے کہ نہ سیاست فتنہ و فساد مطلق اور ہمہ گیر انتشار کی مالک بن کر فساد کو بے بس مدمک بنا سکتی ہے اور نہ فرد بے قید و آوی پا کر خود سراسر اجتناب کی مغال کا دشمن بن سکتا ہے۔“ (ص ۵۷)

حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کی جہنگی تدبیر اور مسئلہ حکیم

ما دنیا ابن کثیر! حضرت عمرو بن العاص کے اس قص کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ انہوں نے اس حالت میں لوگوں کو بلا اہم چیز ڈانٹنا سب سے بڑھا، کیونکہ اس وقت لوگ ہیں جو اختلاف برپا تھا، اس کو دیکھتے ہی جھگڑتے، انہیں غلو تھا کہ ایسا کرنا طریق و عین فساد کا موجب ہوگا، اس لئے انہوں نے مصلحت کی بنا پر حضرت معاویہ کو برقرار رکھا، اور اجتہاد صحیح بھی ہوتا ہے اور غلط بھی۔ ————— لیکن جو انصاف پسند آدمی بھی نیروں پر قرآن اٹھانے کی تجویز سے کرے کہ اس وقت ملک کی مدد و پرہیز کا وہ مشکل ہی سے یہ مان سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اجتہاد تھا بلاشبہ ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ واجب الاحترام ہیں اور اگر غلط کرتا ہے وہ شخص جو ان کی کسی غلطی کی وجہ سے اُن کی ساری خدمات پر پانی پیر دیتا ہے اور ان کے مرتبہ کو بھول کر گالیوں دینے پر آمادہ ہوتا ہے، مگر یہ بھی کچھ کم زیادتی نہیں ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے کوئی غلط کام کیا ہو، تو ہم فرض صحابیت کی رعایت سے اس کو اجتہاد قرار دینے کی کوشش کریں، بڑے لوگوں کے غلط کام اگر ان کی بڑائی کے سبب اجتہاد بن جائیں تو بعد کے لوگوں کو ہم کیا کہہ کر ایسے اجتہادات سے مدد کر سکتے ہیں؟

۔ اجتہاد کے تو معنی یہ ہیں کہ امر حق معلوم کرنے کے لئے آدمی اپنی انتہائی حدود تک کوشش کرے اس کوشش میں نادانستہ غلطی بھی ہو جاتی تو حق معلوم کرنے کی کوشش بجائے خود اچکی رہتی ہے، لیکن جان بوجھ کر ایک سرچے کچھ منصوبہ کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد نہیں ہو سکتا، درحقیقت اس طرح کے معاملات میں غلط فہمی

دوہلی پہ یکساں اعتراض کے لائق ہیں، کوئی غلط کام محض شرعی و معاشی کی وجہ سے مشرف نہیں ہو جاتا، بلکہ
 صحابی کے مرتبہ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اندر لیا وہ نمایاں ہو جاتی ہے، لیکن اس پر مانتے نہی کرنے والے کو لانا
 یہ احتیاط ملحوظ رکھنی چاہئے کہ غلط کو صرف غلط سمجھنے اور کہنے پر اکتفا کرنے اس سے آگے بڑھ کر صحابی کی
 ذات کو بہ حیثیت مجرمی مٹھون نہ کرنے لگے، حضرت عمر بن العاص یقیناً بڑے مرتبہ کے بزرگ ہیں اور انہوں
 نے اسلام کی جلی بہا خدمات انجام دیا ہیں البتہ ان سے یہ دو کام ایسے سرزد ہو گئے ہیں، جنہیں غلط کہنے کے
 سوا کوئی چارہ نہیں۔ (ص ۱۳۳-۱۳۴)

حضرت معاویہ کی امارت اور پیغمبر کی ولی عہد کی کے واقعہ کے اثرات ۱۔

• خلفائے راشدین میں سے ہر ایک اسی قاعدے کے مطابق پیر سر اقتدار آیا تھا، ان میں نہ کسی نے بھی خود خلافت
 لینے کی برائے نام بھی کوشش نہیں کی بلکہ جب خلافت ان کو دی گئی تھی، تب انہوں نے اس کو بے ان
 کی خلافت دیکھتی خلافت مٹتی نہ کر لی ہوئی خلافت !

• ملکیت کا آغا نامی قاعدے کی تبدیلی سے ہوا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اس نوعیت کی خلافت نہ
 تھی کہ مسلمانوں کے خلیفہ بنانے سے وہ خلیفہ بنے ہوں، اور اگر مسلمان اب کہنے پر راضی نہ ہوتے تو وہ نہ ہتے، وہ پھر
 خلیفہ ہونا چاہتے تھے، انہوں نے تو کٹر خلافت کا حق کی، مسلمانوں کے راضی ہونے پر ان کی خلافت کا انحصار نہ تھا، لہذا
 نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا وہ خدا اپنے بند سے خلیفہ بنے اور جب وہ خلیفہ بن گئے تو لوگوں کے لئے بیعت کے سوا کوئی چارہ کا
 نہ تھا اس وقت اگر ان سے بیعت نہ کی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ نہ ہوتا کہ وہ اپنے حاکم کو نہ ٹھیک ہٹ جائے بلکہ اس کے
 معنی تو یہی ہے کہ خلیفہ کے تھے، جسے اس اور نظم پر ترجیح نہیں دی جاسکتی تھی، اس لئے امام حسن رضی اللہ عنہ کی
 دست برداری کے بعد تمام صحابہ و تابعین اور مسلمانے امت نے ان کی بیعت پر اتفاق کیا اس کو عام اجابت
 اس بنا پر قرار دیا کہ ان کو ان کا بھی خاندان ہو گیا تو ختم ہوئی۔ (ص ۱۵۸)

اور

• اس طرح جس تغیر کی ابتدائی ہوئی تھی، پیغمبر کی ولی عہد کی کے بعد وہ ایک مستحکم ہوا کہ موجودہ صدی میں مصطفیٰ علی
 کے الفاظے خلافت تک ایک دن کے لئے بھی اس میں تزلزل واقع نہ ہوا اس سے جبری بیعت اصحاب ناموں کی سرمدی
 ہوا ثابت کا ایک مستقل مسئلہ حل ہوا اس کے بعد سے آج تک مسلمانوں کو اتنی ہی خلافت کی طرف پلٹنے کا کوئی موقع
 نصیب نہ ہوا کہ لوگ مسلمانوں کے آواز اٹھانے اور کھینچنے سے نہیں، بلکہ طاقت سے ہیرا اقتدار سے ہے بیعت
 سے اقتدار حاصل ہونے کے بجائے اقتدار سے بیعت حاصل ہونے لگی۔ (ص ۱۵۹)

امارت بے مشاورت و انتخاب ۱۔

• یہاں یہ بحث خیر متعلق ہے کہ مسلمانوں کی آواز نہ مٹا دیتا دست کے بغیر جو خلافت یا امارت ہندوستان میں آج بھی طرح پر
 منعقد ہو جاتی ہے یا نہیں، اصل سوال منعقد ہونے یا نہ ہونے کا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ اسلام میں نصب خلافت کا صحیح
 طریقہ کیا ہے، جس سے خلیفہ راشدین خلیفہ ہوتے، یا وہ جس سے حضرت امیر معاویہ انسان کے بعد کے لوگ
 خلیفہ بنے، ایک طریقہ کام کرنے کا وہ ہے جس کے مطابق اگر وہ کام کرنا چاہتے تو اسلام سے ہدایت کر لینے کی طرف

ہیں اس لئے تحقیق کرتے ہیں کہ اس کے شانے اور ہڈی کی کشتی میں اس سے بھی زیادہ ہتکات پیدا نہ کر دے، پھر کہ گاہ شخص جو ان دونوں کو ایک دوسرے میں سمجھ دے اور دعویٰ کرے کہ اسلام میں یہ دونوں طریقہ یکساں جائز ہیں، حالانکہ ایک شخص جائز نہیں بلکہ عین مطلب ہے، دوسرا اگر جائز ہے تو قابلِ برداشت ہونے کی حیثیت سے ہے نہ کہ مطلب اور پسندیدہ ہونے کی حیثیت سے۔ (ص ۱۸۰)

سلی اور قوی مصیبتوں کا نظم۔

”بنی آبیہ کی حکومت ابتدا ہی سے ایک عرب حکومت کا رنگ لئے ہوئے تھی، جس میں عرب مسلّیوں کے ساتھ غیر عرب نو مسلموں کے مساوی حقوق کا تصور قریب قریب مفقود تھا، اُس میں اسلامی احکام کی کوئی بھی مخالفت دیکھی نہ گئی، ہوتے تو مسلموں پر حمزہ لگا گیا، وجہ کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں، اس سے نہ صرف اُمت اسلام میں شدید شکوت پیدا ہوئی بلکہ عیسائیوں میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ اسلامی فتوحات نے حاصص اُن کو عربوں کا غلام بنا دیا ہے، اور اسلام قبول کرنے کے بھی اُن کے برابر نہیں ہو سکتے۔“ (ص ۱۸۰)

اور

”دوسرے عیسائیوں میں باؤنٹی کی کارٹریج دیا جو بنی آبیہ نے اختیار کیا تھا فرق صرف یہ ہوا کہ بنی آبیہ کے لئے قسطنطنیہ کے غیر مسلم تھے، تو بنی عیسیٰ کے لئے ایران کے کسبی۔“ (ص ۱۷۵)

معتزلہ کے قول اور مذکورہ پر تنقید۔

”بعض معتزلہ اس سے آگے بڑھ کر یہ کہتے تھے کہ عیسیٰ کو امام بنانا زیادہ بہتر ہے، بلکہ اگر مولیٰ (آنانہ) کو مذکورہ ظلم کو بنایا جائے، تو یہ اور بھی اچھا ہے، کیونکہ امام کے حامی زیادہ نہیں تو ظلم و جور کی صورت میں اسے بنانا زیادہ آسان ہو گا۔ گویا حکومت کے استحکام کی یہ نسبت انہیں زیادہ فکرِ احاطات کی تھی کہ حکمران کو مغرور کرنے میں بہت ہو (ص ۲۱۸)

امام ابو یوسفؒ کا شاندار کا نامہ۔

”مجھے پہلے چار چوبیس کی کتاب (الخروج) کو بغور پڑھنے سے نمایاں طور پر آئی ہے وہ یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ خلیفہ کو بنی آبیہ اور بنی عباس کی قبیلہ کا کسری مدایات سے ہٹا کر ہر پہلو سے خلافتِ راشدہ کی مدایات کے استباح کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، انہوں نے اگرچہ کہیں یہ نہیں کہا ہے کہ وہ اپنے پیش روؤں کی مدایات چھوڑ دے، لیکن کسی جگہ انہوں نے صریحاً بنی آبیہ کو دکن رخصت اور اعلانِ الرشید کے باپ دادا کے طور پر اعلانِ فیصلوں کو بھی نظیر کی حیثیت سے پیش نہیں کیا ہے، ہر حال میں وہ یا تو قوٰنِ رسالت سے استدلال کرتے ہیں یا پھر نظر نہ لاتے ہیں تو انہیں دیکھ کر عمر بن الخطابؓ اور علیؓ کے دورِ حکومت سے امام ابو یوسفؒ کے خلفاء میں سے اگر کسی کے اعمال کو انہوں نے نظیر بنایا ہے تو وہ المنصورؒ، بالاکہدیؒ نہیں بلکہ بنی آبیہ کے خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ میں اس کے خلاف معنی یہ تھا کہ سلطنتِ عباسیہ کا یہ اپنی سلطنت مرتب کر تھے، انہوں نے (عمر بن عبد العزیزؒ کے ڈھائی سال ششماہ کے) حضرت علیؓ کی ذات سے مل کر اعلانِ الرشید کے زمانہ تک تقریباً ۱۳۲ سال کی حکومت کے لئے سے سراج اور قوٰن کو نظر انداز کر دیا، یہ کام اگر کسی عیسیٰ کو لیتے، جس نے غفلت و لیسوت کے طبع پر بالکل بغیر سرکاری حیثیت میں کیا ہوتا تو اس کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی، لیکن یہ دیکھتے ہوئے اس کی بڑی اہمیت ہو جاتی ہے کہ ایک عیسیٰ جسٹس اور مذہبی دان نے اپنی چوبیس سال کی

حیثیت میں خلیفہ وقت کی سپرد کردہ ایک خدمت انجام دیتے ہوئے کیا ہے۔ (ص ۲۸۷)

اور

”یہ خلاصہ ہے ان آئین تیار دینا جہاں البریص نے آپ سے مل کر سر پر پہلے ایک مطلق العنان فوجدار کے سامنے اس کے ذمہ سنا سن اور قاضی القضاۃ کی حیثیت سے پیش کی تھیں، اگر ان کو اسلامی ریاست کے قیادہ کی ضرورت اور خلافت راشدہ کے دستور اعلیٰ اور خدا کے استناد نام البرصیہ کی تعلیمات کے مقابلہ میں دیکھا جائے تو یہ ان سے بہت کم نظر آتی ہیں، ان میں اجتماعی خلافت کے تصور کا شائبہ ملتا ہے۔ ان میں خدائی کے ذمہ سے حکومت کرنے کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے، یہ آپس کے تصور سے بھی خالی ہیں کہ امام عالم کو حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور مطلق اس کی جگہ ہے کہ اس کی حکومت کی جگہ بہتر حکومت لانے کی کوشش کرے، اس طرح وہ بھی متعدد حیثیات سے ہمیشہ یہ قبایز اصل اسلامی تصور کے مقابلہ میں بہت ناقص ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امام البریص نے آپ کے تصور ریاست کی بحث پس آئی ہی ہے، جتنی کتاب اخراج کی ان تیار دینے پائی جاتی ہے اصلہ درحقیقت اس سے زیادہ کچھ نہ چاہتے تھے، جو انہوں نے اس کتاب میں بیان کر دیا ہے، بلکہ دراصل یہ وہ زیادہ سے زیادہ چیز تھی، جس کی ایک عملی شکل کی حیثیت سے وہ مسطرت مجاہدہ کے اس وعدہ میں تو قی کر سکتے تھے، ان کے پیش نظر فرض ایک ایسا خیالی نقشہ پیش کرنا نہ تھا جو تصور کی حد تک ممکن ہو، مگر واقعی حالات میں اس کو جامہ عمل پہنانے کے امکانات نہ ہوں، اس کے علاوہ وہ ایک ایسی ہیئتیں تسلیم مرتب کرنا چاہتے تھے جو اسلامی ریاست کے کم سے کم جو ہر مطلب کی حامل ہر اعداد کے ساتھ اسے ان حالات میں رہیں

بھی لیا جاسکتا ہے۔ (ص ۲۹۷)

”کتاب اخراج“ پر لکھی ہے ایک مکتوبہ نمونہ متعارف انداز کے ساتھ امام البریص رحمۃ اللہ علیہ کے مرقعہ حسین مافت انسان کی نفی خدمات اعتراف واقعی بھی حضرت امام البرصیہ علیہ الرحمۃ نے فقہ کی تدبیر کا جو عظیم کارنامہ انجام دیا ہے اس پر مولانا مرقس لا تہوا انداز کا تجزیہ فرمائی جگہ علمی شاہکار ہے :

مراد مکتوبہ اس کی کتاب کے بعض الجواب ان کے رسالہ ترجمان القرآن میں بالاسططحات پورے تھے، اس سلسلہ میں ہمارے اعتراضات اور سرالائیکہ پر پورے ان میں سے متعدد سرالائیکہ اور اعتراضات کے جوابات، فقیر کی صورت میں درج کر دئے گئے ہیں۔ مثلاً :

”بعض حضرات اس معاملہ میں یہ زلزلہ قاعدہ کلیہ پیش کرتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام وغ کے بارے میں صرف وہی روایات قبول کریں گے جو ان کی شان کے مطابق ہوں اور ہم اس بات کو مدکر دیں گے جس سے ان پر خوف آتا ہو، خواہ وہ کسی صحیح حدیث میں ہی وارد ہو، لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ مفسرین اور فقہاء میں سے کس نے یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے اور کون سا مکتب یا مفسر یا فقہ ہے جس نے کبھی اس کی پیروی کی کہنے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام اور تفسیر کا واقعہ حدیث و فقہ اور تفسیر کی کتابوں میں بیان نہیں کیا گیا ہے ؟ حالانکہ اس سے احادیث المؤمنین پر الزام آتا ہے کہ انہوں نے لفظ کے لئے حضرت کو تنگ کیا تھا، کیا واقعہ اہلک میں بعض صحابہ کے طرٹ ہونے اور ان پر حد تلف جاری ہونے کا قصہ ان میں بیان نہیں کیا گیا ہے ؟ حالانکہ اس قصہ کی مشاعت میں کچھ بے وفاء ہو جاتا ہے۔“
”پھر اگر واقعی یہ کہی کہ مسلم قاعدہ تھا تو حضرت عمرؓ نے حضرت عیسیٰ بن شہرہؓ کا لازم لگانے والوں سے شہادت طلب کر کے اس کی خلاف ورزی کی، کیونکہ اس قاعدہ کے گنہگاروں سے تو ایک صحابی کی طرف میں اس کی نسبت کیا ہو

قابلیتیں نہ تھیں، کہا کہ اس پر فہادت طلب کی جاتی، بلکہ خود حضرات جو اسے اسی قاعدہ کی پرورش فرما رہے ہیں، اس کی پورکی پابندی نہیں کرتے، اگر واقعی وہ اس کے قائل ہوتے تو انہیں کہا جانتے تھا، کہ جنگ جس اند جنگ متین سرے سے کبھی مینی ہی نہیں آتی ہی، کیونکہ صحابہ کرام کی شان اس سے بالآخر ہر لی جانتے کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں تلوار نہ کر کھینچ رہا ہیں انسان کے اہل اہل ایمان کی غورنی ہی ہو؟ (ص ۳۰۵-۳۰۶)

تائیں عثمان کا معاملہ ۱۔

۔ میں نے شرعی احکام پر جتنا ہی غور کیا ہے، اس کی بنا پر میرے نزدیک حق عثمان نہ کاہل نہ لینے کی شرعاً ایک ہی صورت تھی اور وہ یہ کہ خلیفہ وقت کی خلافت کو ان کا اپنی سے یہ مطالبہ کیا جاتا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کو گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلائیں اور اس میں جو کچھ بھی اس جویم کلیم میں تھا اس کو شہا دتوں کے ذریعہ سے متین کر کے قاتل کے مقابلے میں اس کو سزا دیں، دوسری طرف اس وقت کے حالات کا میں نے جو مقدمہ مطالعہ کیا ہے اس کی بنا پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ عثمان بیستادہ فی طریقہ کا دس کے بغیر اختیار نہیں کیا جاسکتا تھا کہ حضرت علیؓ نہ کے ساتھ بے شک تھا، وہ نہ کرتے، انسان کو پرمان حالات میں کام کرنے کا موقع دیا جاتا، جیسا کہ تاریخی واقعات سے ثابت ہے، جو لوگ سازش کے عینہ پر چڑھتے تھے ان کی تعداد بے شمار کے قریب تھی، خود عینہ میں بھی ایک تعداد ان کے حامیوں کی موجود تھی، اور مصر، بصرہ اور کوفہ میں بھی ان کی پشت پر ایک ایک جھٹکا ہوتا جاتا تھا، اگر تمام اہل حق حضرت علیؓ نہ کے گرد جمع ہوجاتے انسان سے تعداد کے لئے جو حق ہو گئیں تو ان کے لئے نہ ہونے کے برابر کے بعد ان پر باوجود اہل حق تھے، لیکن جب کہ ایک طرف با اثر صحابہ کے ایک گروہ نے غیر جانبداری کی روش اختیار کی اور اور دوسری طرف بصرہ اور کوفہ میں طاقت دوسری حضرت علیؓ نہ سے لڑنے کے لئے جمع ہو گئیں تو ان کے لئے نہ ہونے کے برابر کے لئے ہو گئے تھے، ان سے مددیں اند ایک سی لڑائی قاتلین عثمان نہ کے جتنے سے نہ بھیڑ دیں :-

”پیری اس رائے سے کسی کو اگر اختلاف ہے تو وہ مجھے بتائے کہ حضرت علیؓ نہ قاتلین عثمان نہ کے اس مغرور جھٹکے کس وقت پکڑتے؟ کیا خلافت سنبھالنے ہی فورا؟ یا جنگ جس کئے مانے میں؟ یا جنگ متین کے بعد اس زمانے میں جب کہ ایک طرف حضرت معاویہؓ ان کے مقابلے میں مملکت کے ایک ایک سرے کو توڑ لینے کی کوشش کر رہے تھے؟

اور دوسری طرف فراعہ ان کے خلاف صف آرا تھے؟ (ص ۳۰۳-۳۰۴)

حضرت سیدنا علیؓ کرم اللہ وجہہ کے موت کی مخالفت اور ان کے برسر حق ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا مروتی نے یہ بھی لکھا ہے :-

”مگر صرف ایک مالک، الکشترا اور عین ابی بلر کو گندری کا چہرہ دینے کا حق ایسا تھا جس کو کسی تادیب سے بھی

حق کا نائب قرار دینے کی گنجائش تھی نہ مل سکی، اس بنا پر میں نے اس کی مخالفت سے موندی فایز کر دی ہے (ص ۳۰۸)

مولانا مروتی نے چند جہوں میں محمود عباسی صاحب کی دلیلوں کے سرنگٹک قتلہ کو ڈھایا ہے، فرماتے ہیں :-

”اس بحث سے پوری شرعی پوزیشن کس کس سامنے آ جاتی ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت

اور ان کے خالین کے معاملہ میں اہل السنہ کا مسلک کیا ہے؟ اب یہ دعویٰ کرنے کے لئے سکاہ کی بہت

بڑی مقدار دکھانے کے لئے حضرت علیؓ کی خلافت مشکوک و مشتبہ تھی، اور ان کے مقابلے میں تو اسٹانٹانے کے لئے

شرعی جواز کی کوئی گنجائش موجود تھی، خصوصاً ان لوگوں پر جو مجھے سخت حیرت ہے، جنہیں ایک طرف، یزید کی

خلافت کے صحیح اہل حضرت حسینؑ نہ کو برسرِ غلط شیعہ نے پر توڑا اعلان ہے؛ مگر دوسری طرف وہ حضرت معاویہؓ کے حق میں معذرتیں پیش کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا نعل لگاتے ہیں، حالانکہ جن دلائل سے یہ پید کی خلافت صحیح ثابت کی جاتی ہے ان کی پر نسبت ہزار گھنے زیادہ قوی دلائل سے حضرت علیؓ کی خلافت قطعی صحت کے ساتھ قائم ہوئی تھی، اور جن حضرات نے بھی خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے ان کے خلاف قیام کیا تھا، ان کے اس فعل کے حق میں کوئی شرعی دلیل نہیں پیش کی جاسکتی، خدا کی عزت کے لئے یہ گناہ گشت نہیں ہے کہ کسی کے مرتبے کا لحاظ کر کے ہم غلط کو صحیح بنانے کی کوشش کریں (ص ۳۲-۳۳-۳۴) عربی سے اردو ترجمہ: اہلِ فاضل مصنف کی تحریر کا ایک نمونہ۔

● "وہی بھی عراق کے باشندے سا ہوا سال سے بنی امیہ کے ظلم کو تم جتنے جتنے تک آپکے تھے اور اُنھنے کے لئے ہمارا چاہتے تھے، علوی خاندان کی ایک صالح، عالم، فاضل شخصیت کا میسر آجانا، انہیں ضیعت محروس ہوا، ان لوگوں نے زندہ کر یقین دلایا کہ کوئی ان میں ایک لاکھ آدمی آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں، اور انہیں آزاد دیوں نے محبت کر کے باقاعدہ اپنے نام بھی ان کے عہد میں بدرجہ کرادیئے! اس نشانہ میں کہ خود ج کی یہ تیندلیاں اندی اندی مچھدی تھیں، اموی گدیز کو ان کی اطلاع پہنچ گئی، زندہ نہ یہ دیکھ کر کہ حکومت خراب ہو گئی ہے، صفر ۱۲۲ ہجری میں قبل از ولت خروج کر دیا، جب تصادم کا موقع آیا تو کوفہ کے شیعہ اہل علیؓ ان کا ساتھ چھوڑ گئے، جنگ کے وقت صرف ۲۱۸ آدمی ان کے ساتھ تھے، ولسانِ جنگ میں اچانک ایک تیر سے دو گھات ہوئے انسان کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا (الطبری)

● فرما لے! اے امیہ! اتنا تحمل ہونا چاہئے کہ وہ حق بات کہے، اُس کے سزاوارتہ بدداشت ہونے سے بڑھ کر فرد سال کوئی چیز نہیں (ص ۲۸۹)

یہ کتاب عراج کی ایک عبارت کا ترجمہ ہے اس میں ہے بدداشت "مولانا مودودی کی بنائی ہوئی گتھی عین اہلِ قبولِ قبولی ترکیب ہے۔ خلافت و طوگیت اس صمدی کی عظیم کتاب ہے اس کی مقبولیت کی انتہا یہ ہے کہ دوسرا دو مہینہ میں چار ہزار کی چار ہزار جلدیں فروخت ہو گئیں، اسباب دوسرے ایڈیشن کی سنا ہے کہ تیار کیا، ہو رہی ہیں۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ مولانا مودودی کے قلم سے جو کچھ بھی نکل جاتا ہے وہ سراسر حق ہی ہوتا ہے، ان کے قلم سے بولی ہوئی ہر جگہ بھی ہو سکتی ہے اور ہوئی ہے! مولانا موصوف کی اس کتاب پر بھی تنقید کا ہر شخص کو حق حاصل ہے کوئی چاہے تو حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ولید خلافت کے اضطرابات کی ملاحفت بھی کر سکتا ہے، مگر اس قسم کی الزام تراشی عدل و انصاف کے معروف اصول کے خلاف ہے کہ مودودی صاحب نے حضرت عثمانؓ کی شان میں دعائے فاسدہ گستاخی کی ہے، اور صحابہ کی تنقیص فرمادے ہیں جیسے ان کا شمار ہے اور وہ دفع بلکہ کفر و اعدا کے نمائندے ہیں اور شخصِ اخوت کے محاسبہ سے بالکل بے ہوا ہے، جو مولانا مودودی کو اس انداز میں مطعون کرتا ہے، مولانا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نیت کے بارے میں کسی اشتباہ تک کا اظہار نہیں کیا! انہوں نے اس کتاب میں جو باتیں کہی ہیں، تقریباً قریب وہی باتیں بعض دوسرے مسلم مفکرین، اسباب قلم اہلِ علم نے بھی کہی ہیں! (۱) دافع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ولید خلافت میں اضطرابات رونما ہوئے تھے۔

(ب) آپ کے ہمد میں نوابیہ کو خلیفہ حاصل ہو گیا تھا۔

(۲) آپ سے بددی نیک نیتی کے ساتھ ایک دعا جہاد میں غلطی ہو گئی تھی۔

دوم حضرات یقین کے دیو خلافت کے مقابلہ میں خلافت مجدد عثمان کے گل ہندوں میں تحصیل پیدا ہوئی تھی۔

۱۴م جنرل و مقیمین میں حق حضرت علی کریم اللہ علیہ کے ساتھ تھا۔

۱۵م حضرت معاویہ خلافت نالاشدہ کے باقی میر تھے۔

۱۶م حضرت معاویہ نے بڑی بڑی عہد بن کر خلافت کو ملکیت کی ماہ پر ڈال دیا۔

۱۷م خود اپنی اندیشہ کی ولی عہد کی بیعت کے بارے میں امیر معاویہ کا معاملہ خاصہ مگد نظر آتا ہے۔

۱۸م حضرت مغیر بن شعبہ نے امیر معاویہ کو بڑی بڑی ولی عہد کی جو مشورہ دیا تھا وہ صاحب نہ تھا۔

۱۹م جنگ میں قرآن کا نیروں پر اٹھانا اس واقعہ حکیم — ان میں حضرت عمرو بن العاص کی غلطیوں کی ممانعت نہیں کی جاسکتی۔

۲۰م مروان زلسنیدہ کو دار کا حال سے جس کے سبب امت میں فتنے پیدا ہوئے !

۲۱م حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت حق کی شہادت تھی، اُن کے قاتل بلاشبہ ظالم تھے، حضرت حسینؑ کو دل سے عجب بھٹنا محبت نبوی کا لقا تھا ہے !

۲۲م بڑی تاریخ اسلام کی مکملہ اور موقوف شخصیت ہے، حضرت عقیق سے محبت اور پیروی کی ذات سے لگاؤ اور خوش گمانی رحمت ناک لقا واہ ناقابلِ تمجید ہے، جس شخص کے بارے میں اگر حکومت کے دعوایان نزاع رہی ہو کہ اس پر ملت کی جائے یا نہ کی جائے، اور ایک دو آدمی نے جس سے کفر تک منسوب کیا ہو اس کی مدافعت فدا قلب اور ناصیت نہیں تو اور کیا ہے۔

جن حقائق کا ادراک کیا گیا ہے اُن سے دفع و خارجیت — یا تنقیص صحابہؓ کی نسبت درست نہیں ہے، ابن مسعودؓ اور ابو جہت کے اکابر علم کی تحسیر بدی ہی کا یہ علاج ہے، جو ہم نے سطح بالا میں پیش کیا ہے۔ نفس و خارجیت صحابہؓ کو کام کی رخاک بدین گستاخ مکتفیر تفسیق اور تعسین ہے، جن صحابہؓ سے غلطیاں ہوئی ہیں چاہے ان میں سے ایک اور صحابی کی ہوائے نفس بھی تیل ہو تو ان غلطیوں کے باوجود وہ صحابیت کے شرف سے ممتاز ہیں۔ اہل ایمان میں ان کے دوسرے اعمال صالحہ کو اللہ تعالیٰ ان کی غلطیوں کا گناہ بنا دے گا (رضی اللہ عنہم وضرعہم) ان غلطیوں کا اظہار ایمان پر نقصان نہ دینے سے اہل ایمان خارجیت اور منفعت و مصیبت ہے۔

اس حقیقت کو کون جھٹلایا کرتا ہے کہ اس کی مردہ پوٹری کی جاسکتی ہے کہ اسلامی تاریخ میں نظام خلافت، نظام ملکیت سے بدلا ہے، کس طرح بدلا ہے؟ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اس تبدیلی کے محرکات اور اسباب بحث کی ہے، اس موضوع پر اُن کی یہ کتاب بڑے محرک کی کتاب ہے اس قسم کے واقعات سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا عقیدہ بھر کر سامنے آتا ہے — یعنی یہ عقیدہ جو گھڑ لیا گیا ہے کہ اللہ عزوجل کو علم غیب ہے وہ دلوں کے حالات جانتے ہیں اور تمام کائنات اُن کے سامنے ہتھیلی کی طرح روشن ہے اور کائنات میں ہر قسم کے تصرف کا انہیں حق حاصل ہے، وہ شکل کش، دانا اور فرما دیتے ہیں اور لگاؤ سے بالکل محفوظ ہیں۔ صحابہؓ کو کام کے ساتھ جو یہ حالات پیش آتے ہیں وہ اس قسم کے غلط عقائد کی نفی اور تردید کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی کاشیت کے آگے سرکوتی مجبور ہے اور ہمتا و جی ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اللہ تعالیٰ ہی مسیح الدعا و حجابی شکلات، اور عالم الغیب ہے، مصیبت کے وقت اسی سفر یا زکریٰ چاہئے کہ کب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، انبار کرم تک کو کسی کیسی سلطنتیں پیش آتی ہیں اور انہوں نے اس عالم میں اللہ تعالیٰ کو پکارا ہے، اے اللہ! اے علیؑ کل شیء تدبیر، نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

سے — اسلام تو عہد جا بلند چیز ہے، تیرید میں اگر انسانی شرافت کی بھی کوئی رقیق نہ ہوتی، تو وہ سوتا کر فرخ نگہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے پردے خاندان پر کیا احسان کیا تھا اور اُس کی حکومت نے اُن کے لاس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ (ابوالاعلیٰ مودودی)

جس طرح پہاڑی بھانڈے ڈال گئے تھے، اسی طرح تعلیم کے دائرے میں بھی تشکیک اس طرح اسلحہ بنج پر ترقی ہوتی رہی جس پہاڑی بھانڈے خود یہاں ہوتے تو کرتے؟

● اس معاملہ سے جو بات سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ مخلوط تعلیم کا نظریہ معاشرہ کے سنجیدہ طبقہ کے لئے کبھی قابل قبول نہ تھا۔

● یہ بات بالکل واضح اور سمجھ میں آنے والی ہے کہ مخلوط تعلیم کے ساتھ خاندانی نظام کا برقرار رکھنا ناممکنات میں سے ہے، مخلوط تعلیم کے ساتھ خاندانی نظام کی تباہی لازم و ملزوم ہے۔

● یہاں سے طبقہ بالا میں، جہاں مخلوط تعلیم کے اثرات دکھائی دے رہے ہیں، اخلاقی سبکیاں گرا رہی ہیں، انہماک کو پرچہ لگی ہے، وہ کوئی دھکی بھی بات نہیں ہے۔

● ڈاکٹر بوہرٹ ہرسکونڈ کا اندازہ یہ ہے کہ بڑے مخلوط کالجوں میں یا اسکول کے کالج سے قریب واقع لڑکیوں کے علیحدہ کالج میں اتنی ہی عدد لڑکیاں کالج کی تعلیم ختم ہونے سے پہلے جنسی تجربات کر چکی ہوتی ہیں۔ جنس شناسی جنسی تعلقات ناقص کرنے والی طالبات میں سے ۲۰ سال کی عمر تک کے گروہ میں ۱۳ فیصدی حاملہ ہوتی ہیں، اس میں سے ۲۰ فیصدی شادی کر لیتی ہیں، ۲۰ فیصدی اس قدر کراتی ہیں اور ۱۹ فیصدی کے ناچار بچے ہوتے ہیں۔

● مخلوط تعلیم نہ صرف یہ کہ عائلی زندگی کو خوش گوار نہیں بناتی ہے بلکہ مثبت طور پر اسے ناخوش گوار بنا دیتا ہے کام انجام دیتی ہے۔

● جن سماج کے مخلوط تعلیم کو اختیار کیا ہے، مثلاً روس، امریکہ، انگلستان، اسکاٹ لینڈ، اور مغربی یورپ کے مختلف ممالک، وہاں طلاق اور جھگڑوں کی بھرا ہوا ہے، اگر مخلوط تعلیم عائلی زندگی میں خوش گواہی پیدا کرنے کا باعث ہے تو کیا وہ یہ کہ ان ممالک میں عائلی نظام کی بنیادیں ختم ہوئی جا رہی ہیں اور خود وہاں کے اپنی نسلی

بھی اس صورت حال سے پریشان ہیں۔

انہوں نے پاکستان میں جو اسلام کی بنیاد پر اور اسلام کے لئے وجود میں آیا ہے، یورپ کی اس اخلاقی تباہی سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی گئی! اور یہاں بھی مغرب کی طرح مخلوط تعلیم کی برائیاں، اوج پاتی جا رہی ہیں، انہ جانتے ہست، ان کے آفتی پروین و اخلاق کا سورج کب مخلوط ہوگا!

از: سید عثمان حفیظی، صفحات ۱۶۸، مصلحت اور مصلحت انتہائی دیدہ و زیب اور خوش خطی کا اعلیٰ نمونہ، قیمت ۳۰ روپے

ذوقِ جمال

لکھنے کا پتہ: ۱۔ مکتبہ جامعہ منگل، نئی دہلی۔

جذبِ عثمان چشتی، جغرافیہ اور آدمی کے رزم، اس میں جامعہ ملیہ اسلامیہ میں آدمی کے لیکچرار ہیں، تین سال کی عمر میں علم و ادب اور عروض و فن میں بہت کچھ دیکھ دیا، نہ کہ کچھ ہے، شعر و ادب سے فطری مابست ہے اور اس جوانی میں ان کے کلام میں جو شاعری اور شاعری پائی جاتی ہے وہ ان کے شاندار مستقبل کی آئینہ دار ہے۔

عثمان چشتی کی غزلوں میں شاعری کی گونا گوں خریاں ملتی ہیں، کیفیت و لفظ کے ساتھ سمندر و دریا بھی اور ساتھ ہی لطیف و بے باقی! ان کا اکتساب انہوں نے جناب آبرو احمدی گوری سے کیا ہے، گارنٹر کے ارد گرد کلام میں شاعری کا جو چٹخا ہ پایا جاتا ہے، وہ اس کے کلام میں بس واضح سا نظر آتا ہے، یہ وہ سعادت ہے جو ندر بانو سے حاصل نہیں ہوتی۔

سے تانہ بخشد خدا کے بخشندہ

اپنے اس مجروح کلام پر میری غزل کے عنوان سے شاعر نے خود مختصراً ویسا چہ لکھا ہے اور پرنسپل محمد مجیب صاحب سے اس کتاب کو منسوب کیا ہے — منتخب اشعار —

عشق پھر عشق ہے آشفتمہ سری مانگے ہے
موت کے دہ میں بھی جاں دہری مانگے ہے
ماتے آغازِ محبت میں وہ خوابوں کا ظلم
زندگی پھر وہی آئینہ گری مانگے ہے
میں وہ آسودہ جلد ہوں کہ تیری خاطر
ہر کوئی مجھ سے مری خوش نظری مانگے ہے

دیوانوں کا بچیں بنالیں یا صدف شہزادوں کی

دود سے پیانی جاتی ہے، شکل تر سے بربادوں کی

یوں مجھے ناز سے دیکھا اُس نے
ہر ادا و ادب ہو جیسے
ماہِ مد کے ہوتے اک صفت سے
کوئی دکھ شیرہ کھڑی ہو جیسے
اس طرح مل کے جھکی ان کی نظر
سجدہ سہر کیا ہو جیسے
اُف یہ تنہائی دل کا عالم
زندگی ایک خلا ہو جیسے
اپنی زلفیں مرے شانوں پہ بکھر جانے دو
دو گھڑی گھوٹ دیاں کو ٹھہر جانے دو
لاکھوں سلام شریعتی رفتار یا رکھ
چلنا سکھا دیا ہے نسیم بہار کو
تیری نسبت سے طاہر ہے یہ نعتی جمال
مسکاتی ہوتی ہر چیز غزل ہو جیسے
بجھا چکا ہوں ترے اشتہار کی تمغیں
کھلا ہوا ہے مگر تسمیٰ سے دردانہ
لکھنا بھی قربان، اب دگی بھی نثار
یہ تیرا بھولی سا پہرہ یہ نور سا خانہ
ابھی کم کم ہے ترے قرب کی خوشنوائے دست
ابھی نگاہ میں بھی سبک ہو رہا تھا میں
آدھی توجہ سے کام لے تو دنیا میں
کچھ اس ادا سے میں نے کیا اُس کا تذکرہ
ابھی سے بخش دے غم یہ کیا کیا تم نے
ابھی ابھی نری محض سے اُٹھ کے تیاہوں
ہر بار یہ وہ وہ کے ہوتا ہے کمال مجھ کو
یہ بات الگ تھی کہ اب ہم کو نہ پیانی
یہ مایہ محبت ہے سبجے کا زمانہ کیا
دیوانوں کے دال سے چھوڑ کے گریبان تک
ان کے جلو سے عام ہیں لیکن
مجھے یہ تو پرانی رنگ و نمک نہیں گوارا نہ بھول ساقی
خداں بھیدہ میں غنچہ دگل بہار پر ہیں جہلی ساقی

اپنا اپنا نعتی لفظ رہے

ان کے جلو سے عام ہیں لیکن

خداں بھیدہ میں غنچہ دگل بہار پر ہیں جہلی ساقی

نہیں خطِ عشق پہ بال یہ سب مدد بھی ہے ہانہاں کی
 کسی کے دامن میں صرف کانٹے کسی کے دامن میں بھول ساقی
 اے دلِ غم طلب! ضبطِ غم کا ہے مل
 آن کی پگھل پہ رنڈتے ہوتے تاند کو بھی دیکھ
 چنے نیکین غم اظہارِ غم ہم کر تو سکتے ہیں
 مگر آن کی لگا ہوں کو پشیمان کن دیکھے گا
 دکھا سکا ہوں دل کے داغ بھر یہ سوچ کر پتہ ہوں
 تیرا تاہیک دُشِ تصویرِ آں کن دیکھے گا
 یہ حادثہ بھی مقدّرِ خاکستروں کے لئے
 کھلے ہیں پھول، مگر رسمِ بہا نہیں
 آفا رخصت میں ہیں ضروری لکھنات
 کچھ اجنبی سے آپہن کچھ اجنبی سے ہم
 انہیں جس طرح جی چاہے پکارو
 محبت کی نہاں کوئی نہیں ہے

اور یہ شعر

میری تُو بانیِ عشق کی داد دے تیری خاطر تجھے بھول جانا پڑا

اپنی جگہ ایک ممکن نظم ہے، "قرباتِ عشق" کی ترکیب اس اچھا نا افسانہ بیان!

دستِ راز -

جب زلفِ شہریر ہو گئی ہے خود اپنی اسیر ہو گئی ہے (دس ۱۳)
 منہم پوری طرح واضح نہ ہو سکا کسی قدیم استاد نے کہا ہے -

الہیاء ہے پاؤں یاد کا زلفِ دمازیں
 لڑا آج اپنے دام میں صیاد آ گیا

اس شعر میں مفہوم واضح ہے -

آنسو جیسے بادہ رنگیں، دھڑکن جیسے قفسِ پری

لئے! یہ تیرے علم کی حلاوت رہتا ہوں خوش کام بہت (دس ۱۴)

شعر میں ضرورت سے زیادہ تکلف پایا جاتا ہے، سب سے زیادہ جو بات کہنا چاہتی ہے وہ دل کی دھڑکن کی رقصِ پری سے تشبیہ ہے -

اُن یہ انوارِ شکستِ امان شایعِ حق ٹوٹ پڑی ہو جیسے (دس ۱۵)
 "شکستِ امان" کی ترکیب میں غلطی ہے -

محض نازیں یوں بھول لئے آیا ہوں آج اظہارِ محبت کا محل ہو جیسے (دس ۱۶)

ناید شعریہ کہا جاتا ہے کہ آج میں جو بات کہہ کر بھول محبوب کی خدمت میں پیش کر دوں گا، اس طرح محبت کا اظہار ہو جائے گا -
 انوارِ شکستِ دہان!

اُس کی بے رخی میں بھی ایک ربطِ نہاں ہے خفِ جانتا ہوں میں اُس کے دل کی گہرائی (دس ۱۷)

پہلے اعتبار سے سب کو شعر "اُس کے دل کی گہرائی جانتا ہوں" اس نے شو کو اس نے یادہ سطحی بلکہ بہت بنا دیا -

آنکھوں میں آنکھ آجائے سب کو دل کو سکرل ہو جاتا ہے وہ سامنے آکر جب میرے گرمِ تلکم ہوتے ہیں (دس ۱۸)

معروضاتی میں کوئی لطف نہیں! پھر یہ بات بھی عجیب سی لگتی ہے کہ عاشق کی آنکھیں اسی وقت انکبار ہو لیں جب محبوب اُس کے رویہ و رنگمِ تلکم ہوتا ہے!

مے شام اظہارِ تراکیہا نہالی ہے یادوں کی چاندنی کو گفن کہ سناہوں میں (دوسرا ۱۱۳)
یادوں کی چاندنی — پھر اس کو "گفن" کہنا، آخر یہ بات کیا ہوتی؟ یہ جو نام نہاد "ترقی پسند شاعری" کی عام دبا پھیلی ہوتی ہے اس شاعر پر
اس کی بھینٹ شاعر کو لگ گئی!

سفیدی جمال اس قابل ہے کہ ہر حلقہ میں اس کی پذیرائی کی جائے، جناب عنوانِ حشری کے ہنگام میں انفرادیت پیدا ہو چکی ہے، اس کتاب
کی ادب سے ان کی شاعری کا شدید مستقبل جھک دکھلا رہا ہے!

انہ — مالکِ ظلمِ دایم — اے صفحات ۲۹ صفحات،
کتابچہ پر نہ تو قیمت درج ہے، ادب لٹے کا پتہ (خطبہ صدارت)

آل انڈیا اور نیشنل کانفرنس ماہ اکتوبر ۱۹۶۷ء میں مرتبہ علی گڑھ میں منعقد ہوئی تھی، جس کے شعبہ امداد کی صدارت کے فرائض جناب کا نام
نے انجام دئے، ان کا خطبہ نہایت ہی دیدہ زیب شکل میں شائع ہوا ہے،

اس خطبہ کا موضوع — امدادی قیمن — ہے اور کوئی شک نہیں اپنے موضوع پر یہ ایک محققانہ مقالہ ہے، خاص معنوں نگار نے امداد پر
بڑی دیدہ دلی کے ساتھ جائزہ دیا ہے، یہ مقالہ لکھنے والے کی وسعتِ مطالعہ کی شہادت دیتا ہے یہ ایک عالمانہ خطبہ ہے جس کے مطالعہ سے معلومات
میں اضافہ ہوتا ہے اور نیشنل کانفرنس کے نئے گوشے نگاہ کے سامنے آتے ہیں!

بعض اکابر اہلِ تعلیم پر مقالہ نگار کی تنقید کشکی، یہ اس خطبہ کا گمراہی پر ہے، مجموعی طور پر یہ خطبہ پڑھنے اور غور کرنے کی چیز ہے۔

انہ — سہیل اختر، صفحات ۳۳۰ صفحات، دھند، رنگین گروپیشن، قیمت چار روپے
صلیب درو لٹے کا پتہ — پیرا مائنٹ نرزد کارنر، ڈیرہ ٹانڈی خاں

جناب ہیں اختر جو اس شاعر میں فارسی اور امداد کے ایم۔ اے ہیں ان کی کتاب میں سبب کہ منظر عام پر آ چکی ہیں، نظم کے علاوہ مکتوبات
نثر بھی لکھتے ہیں، ان کا مجموعہ کلام — صلیب درو — ہمارے سامنے ہے، جس پر نثری، تقریبی، فاضل صاحب نے مقدمہ تحریر فرمایا ہے!
سہیل صاحب نے اپنے مجموعہ کا "انتساب" —

— سمنہ پر دے کر دی ہوئی ان امدادوں کے نام دیکھا ہے۔

جن ہیں

سوائے کھاری پانی کے اندر کچھ نہیں ہوتا

اس "انتساب" میں حدت تو ہے مگر اس کی "اشارت" سمجھ میں نہیں آتی! انتساب تو کسی ایسی شخصیت یا شے سے ہونا چاہیے جس میں عظمت و محبوبیت اور بڑے
ہنر کی کوئی جھلک پائی جاتی ہو! اگر یہی روحیں ہوتی تو ہجرت اور اصدا ب اپنی تخلیقات کو ایٹم بموں کی طرح گولس اور خار بیض سے منسوب کیا کریں گے۔
سہیل اختر کے کلام میں شدت احساس کے ساتھ "نیاپنی" پایا جاتا ہے ان کی محبت دھیمی آہ نہیں، شعلہ جواڑ کی مانند ہے، غم و دوا کی ساتھ
غم جانا کی امتزاج نے ان کی شاعری کو دو لاشہ بنایا ہے، یہیں اس کتاب کے سندی نگار کی اس رائے سے اتفاق ہے۔

— سہیل اختر کی غزلیں میں مجھے مستقبل کے اہم ناموں کے ابتدائی آثار نظر آتے ہیں۔

— صلیب درو کے منتخب اشعار —

ہر گئے گل تمے آپس کی ہوا سے وہ دیئے
جانتے تھے مالِ الفت کا
نروپہ جو باوجودِ لعلات کی جھلے ہوں برسیوں
پھر بھی اسے دوست، تجھ کو پیار کیا

مے پرستی نہ چھٹ سکی ہم سے
تیرے کوچے کی سمت آنکھ
کس قدر تھا فخر و عزت ط
کبھی اپنی جفا میں یاد کر کے
ہم فیروں نے کچھ نہ پا کر بھی
ہم نے اپنی یہ داستانِ آخر
تیرے بغیر دیدہ و دل کے ہیں چوٹ
آسمان پر یہ مہرِ رخشندہ
ہم اس دل کا رہے مگر سنا تھ جھوٹ گئی
پھر افسانہ بن گئے ہر اک شعلہ و کافور
ہل سینگے نگارینِ دُور ہیں نارنجِ دل

عزمِ قہر ہزار بار کیا
جب کبھی دل نے بھڑا کیا
مسکراتے ہی کلی مر جھا گئی
وہ دل ہی دل میں شہرِ آفتاب گئے
تیرے حق میں بہت دعا کی ہے
درو دیوار سے سنا کی ہے
جلتے کو جہنم ہے میں مگر مدنی کُمال
تیرے قدموں کا نشاں ہو جیسے
تری وفا کہ تھی عمر گریزِ پاکی طسوج
آتی ہے غنیمتِ دل کو شہرِ دل کی چھائی میں
جلتے ہوں جیسے دیپ چراؤں کی چھائی میں

دوسرا رخ

ہم رشتہ میں تنہا ہی چلے ہیں بڑوں
مگر بھی ہم سے درو دیوار چلے ہیں بڑوں
دہنہا سے شاعر نے شعرِ آخر کیا تھاپا ہے، اگر ہم روئے شرق میں دوسروں کے ساتھ چلتے، تو کیا درو دیوار کو پھر جہنم نہ ہوئی: اندھو
کوئی درو دیوار کے سایہ میں نہیں چلتا، اُس سے درو دیوار غور... کیوں جلتے میں! یاد اس میں یہ "انشاریت" ہمکد و نیامیں جن لوگوں کا ہم احسان
تک نہیں لیتے وہ بھی بلاوجہ ہم سے کد رکھتے ہیں!

دل کو پھر گھر ہے ہیں وہ اندھ گھر سے دوست
تیرے عارض کی فضا سے جڑے ہیں سے رُست

"جو ٹپے ہیں سے دوست" اس مصرع میں تائید دینے والے نے شعر کو وجدان کے لئے تکلیف دہ بنا دیا۔

سانہ دل شکستہ یہ لاکر خوشی کے گیت
میں حشرِ قتل کے دل کو بھاتا چھدا گیا (ص ۱۸)
اگر مصرع ثانی میں کتابت کی غلطی نہیں رہ گئی۔۔۔ تو یہ نہیں مصرع ہے۔

جب کبھی زلفِ حسین ہمارا گئی
آندہ دلوں پر جوانی آ گئی (ص ۲۰)

نوشقوں کا سا انداز!

تو اگر جذبِ وجہت کا میں یہاں نہ
میرے شیرازہ ہستی کو پریشان کر دو (ص ۲۲)
جذبِ محبت کا پیانا کیا ہوتا ہے؟

روانیت میں اپنی سست گامی
وہ اب محسوس فرماتے تو ہوں گے (ص ۲۵)

اب سے کیا مراد ہے! شہر و زمانہ جب طریق کے درمیان تعلقات نہیں رہے۔ اس مصرعہ ادبی خیالی کے اعتبار سے ہی درست ہے۔

زیستِ سائوں کی بھڑکی ہو جیسے
اور کتنی دلی سے کھڑکی ہو جیسے (ص ۳۰)

مگر "ہونا" ہاؤل اور گھٹا کے لئے آتا ہے، جیسے صبح سے گھٹا میں کھڑکی ہوئی ہیں۔ "بھڑکی" کے لئے "گھٹا" آتا ہے۔ دوپہر سے بھڑکی
نہ ہوئی ہے۔

ہم ترے لب کی حلاوت کھلے تلخی غم کی ڈگر سے غزریے (ص ۳۳)
جس شعر میں "لب حلاوت" تلخی غم اور غزریے، جیسے فارسی اور عربی کے شیریں، سبک اندازم الفاظ ہیں، ان کے معیان - ڈگر کتنا لفظ آگیا ہے۔

ہم تیرے سہرے آنچلوں میں جاٹے بھری ناگن سی گھڑیاں ہاتھ ملتی رہ گئیں (ص ۳۴)
یہ جہ "وہ ترقی پسندانہ انسان کے اداسلوب بیان" جس نے شعر و ادب کے مزاج کو بگاڑ دیا ہے۔

مری مزہ برداری زلیست کا ہو تو نہیں یہ شب چراغ کہیں داغ حقو تو نہیں (ص ۳۵)
مصرعہ نافی خوب نہیں بہت خوب ہے مگر مصرعہ اولیٰ میں - زلیست کا لہو ہمیں ہے - مرا خون آندہ - آسنا تھا -

وہ بھول بوجھنم کے تطف کے کھلے تھے آفات کی اس دھوپ میں کس دھیرے میں (ص ۳۶)
توبہ! ————— وجدان کو آبکاری آنے لگی!

تندلمات کے فسون کے لئے صورت سم دہی ہے تیرا یاد (ص ۳۷)
"تندلمات" اور پھر ان کا - فسون" اس پرستہ دار" دو کا صورت سم دہنا" کوئی کل بھی اس شعر کی سیدھی نہیں ہے۔

یہ تمنا بھی مٹی کوشش ناکام کے بعد کاش میں نام مرا لوگ تمہے نام کے بعد (ص ۳۸)
آخبات کیا ہوئی؟ عشق میں گمنام اس کی کوشش کرتا ہے کہ مجرب کے نام کے بعد عاشق کا نام لوگ لینے لگیں، پھر شاعر کو اس کا تجربہ کیسے ادا کب یہ شعر جس "مکملے" (یہ تمنا بھی مٹی) سے شروع ہوتا ہے، اور تو وہی کمزور ہے۔

ناگن سی ایک مات ہے ادہم ہیں دوٹو دل ہیں حادثات ہے ادہم ہیں دوٹو (ص ۳۹)
چکناٹہ انداز بیان!

دیدہ دلی میں مٹتی ہو تو غزل ہوتی ہے حسن نیزے کی انی ہو تو غزل ہوتی ہے (ص ۴۰)
"حسن" کو "نیزے کی انی" کہنا، حسن اور شاعر کے دونوں کے ساتھ مذاق ہے۔

پھر دل ہے سیرا رب دل کی چھاؤں میں اک پل کو آج جاؤ ستاروں کی چھاؤں میں (ص ۴۱)
"بہان کی جمع یہاں کھٹکتی ہے، شاعر شاید کہتا ہے چاہتا ہے کہ دل موسم بہار میں بھی بے قرار ہے، تم ذرا سی دیر کے لئے رات میں کسی ذلت آ جاؤ۔

رکھ دیا ہر بڑے لطاف سے جیسے عازانی اس قدر نرم و نعلک جیسے ہوا کا ہجر کا (ص ۴۲)
"الطاف" ————— لطف و کرم" کی بجائے استعمال ہوا ہے، محبوب کے رخصت کی ہوا کے نرم و نعلک جھونکے سے تشبیہ عجیب تشبیہ ہے۔

ہمارے خواب ویاں کی غزالہ اک توقف کر کسی دن تیرے خوابوں میں بسٹک کر ہم بھی رہیں گے (ص ۴۳)
"اک" شعر میں کتنا اکھڑا اکھڑا لگتا ہے! دوسرا مصرعہ سہم نہیں ہوسکتا ہے۔

سیر گمنام محبت کا لڑنا دامن تیرے انجیل سے جو چھ جائے کہاں بن جائے (ص ۴۴)
"گمنام محبت" لڑنا دامن کیا ہوتا ہے۔ پھر لڑنا دامن جو کچھ انجیل سے چھ جانے سے حقیقت کی بجائے آخوہ کہاں بن جائے گا!

جدید شعروں ترقی پسند شعروں کا پختہ ویک عظیم تر کچھ میں فرمان کیے یہاں نگرہ بیان اور زبان و محامہ کی فاضل غلطیاں ملی ہیں اس لئے ان کے متعین شروع غلط لگاؤ اور غلط اندیش ہو جائے ہیں! ————— ہیں افسر صاحب کی طرح - ترقی پسندی کے خارزار سے دامن چاکر شعروں کی دلی میں گمراہی ہے تو یہ سب موجود کچھ ترقی کریں گے، کاش! وہ نام نہاد ترقی پسندی کے گندہ بارے اپنے ذہن و فکر کو پاک و صاف کر سکیں۔

باواؤی وائین ٹیکسٹائل میٹ

منگھا پیر و ڈکراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا — کورا اور دھلا لٹھا
 (دوسرے قسم کا دھاگاتیار ہوتا ہے
 باواؤی وائین ٹیکسٹائل منگھا پیر و ڈکراچی

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے
 پاکستان کی صنعت کی قدر اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

آدم جی کے پارسیہ جاتا
دیر پاسو تھیں



آدم جی کاٹن ملز لائنڈھی - کراچی

فساد خون سے بچنے کے لئے صافی

اور قبض سے
نجات کے لئے اب اسٹریپ پکینگ میں

صافی قبض کشا قرص

صافی قبض کشا قرص - مشہور خون صاف کرنے کی قدرتی دوا

صافی سے تیار کئے جاتے ہیں۔

صافی کے یہ قرص نہایت احتیاط و نرمی سے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچاتے
قبض رفع کرتے ہیں۔ مزید یہاں ان میں تمام مصفی خون صفات بھی موجود ہیں۔

ہر کیسٹ، ڈرگسٹ اور جزیل اسٹور پر دستیاب ہیں۔

بھرد دوا خانہ (وقت) پاکستان
کراچی - لاہور - ڈھاکہ - چٹانگ

مارچ ۱۹۶۷ء

جلد ۱۸
شمارہ ۱۲

ماہنامہ فاران کراچی

ایڈیٹر: ماہر القادری

تقریریں

۳	ماہر القادری	نقش اول
۸	سیاح و شاہ ایم۔ اے	وحی الہی
۱۳	مولانا شمس تبریز خاں	قرآن اور ان فی نفسیات
۲۱	دفاعی احمدی	وحشت کی شاعری میں اسلامی رجحانات
۲۲	پروفیسر ضیاء احمد بدایونی	تکفیر اور اس کی حدود
۲۸	محمد نعیم صدیقی	مولانا مفتی محمد یوسف صاحب کے دو مکتوبات
۳۷	محمد کرمیا خان	معیاری حکومت - مثالی حکمران
۴۳	ماہر القادری	ایک حکیمانہ حدیث کا پس منظر
۴۶		یاد رفتگان
۵۶		ہمدردی نظر میں

چند سالہ اشاعت روپیہ پبلشر: سید حسین قیمت فی پرچہ ۶۲ پیسے

مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ فاران کیمبل اسٹریٹ کراچی ۱

سید حسین بدیشی نے انٹرنیشنل پریس کراچی میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ فاران کیمبل اسٹریٹ کراچی میں شائع کیا۔

(ماہنامہ فاران کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ اول

کیونکہ ہم کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے وجود کی نفی اور انکار پر ہے، اللہ تعالیٰ کے انکار کے بعد آخرت کے تصور کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک کمیونسٹ کے نزدیک تو یہی باتی دنیا سب کچھ ہے، کھاؤ، پیو، مرے کرو، عیش آراؤ اور مر جاؤ، موت زندگی کا طلب سین ہے، پھر نہ کوئی دوسری زندگی ہے نہ کوئی بدخ اور یوم الحساب ہے، اللہ انسانی افعال پر غماز اور سزا کا کوئی امکان ہے۔

سہ بائبر! یہ عیش کو شش کہ عالم دوبارہ نیست

جس طرح ایک کمیونسٹ کسی ملک میں انقلاب لانے کے لئے ہر قسم کا ظالمانہ حربہ اور سفاکانہ تدبیر اختیار کر سکتا ہے مثلاً یہ کہ صرف اشتہار پیدا کرنے اور عوام کو بدعنوان بنانے کے لئے کسی ٹرین کو ہم سے ارادے یا عوام کے اجتماع میں گولی چلا دے، اسی انداز پر کمیونسٹ حکومتیں بھی کسی اخلاقی ضابطہ کی پابندی نہیں ہیں، وہ اپنے بڑے سے بڑے لیڈر کو حکومت کی کسی پالیسی سے اختلاف کی پاداش میں گولی مار دیا سکتی ہیں، روسی حکومت میں سیریا کا جو مشر مجاہد ہمارے سامنے ہے! وہ ان ملزموں کو اپنی صفائی میں بولنے تک کی بھی آزادی نہیں ہے، حکومت جس کو مزہ نہ کچھتی ہے اس کو پولیس کے ذریعہ ایسے سخت عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے کہ وہ ناکردہ گناہ اقرار پر مجبور ہو جاتا ہے، کمیونسٹ ملکوں کی عدالتیں بھی انصاف کے تقاضوں کو برائے نام ہی بد کرتی ہیں۔

کمیونسٹ حکومتوں میں، حکومت کے کسی فعل پر کوئی تنقید نہیں ہو سکتی، کوئی مظلوم اور مصیبت زدہ کسی قسم کا کوئی احتجاج نہیں کر سکتا، انٹرا کی ریاستوں میں اخباروں پر حکومت کا یہی طرح قبضہ ہوتا ہے، وہ عوام کے کسی فرد کا ایک حرف احتجاج بھی شائع نہیں کر سکتے، حکومت کسی قسم کا نرم سے نرم مطالبہ یا احتجاج کرنے کے لئے کوئی جلسہ منعقد نہیں ہو سکتا، حکومت کی خارجہ حکومت عملی ہو یا داخلی پالیسی، اس پر پانے زنی اور نقد و احتساب کا کسی کو حق نہیں ہے۔ ریڈیو، پریس، ٹیلی ویژن اور نشر و اشاعت کے دوسرے ذرائع بالکل حکومت کے ماتھے میں ہوتے ہیں، عوام ان سے استفادہ ہی نہیں کر سکتے حکومت کی کسی بھی پالیسی پر عوام کا کوئی رد عمل پریس میں نہیں آ سکتا، یہی ملک تیجنا تہا ہوا، عوام بالکل بے اختیار اور بے دست دیا!

وہ جو تسلیم زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ —

بادشاہ غلطی نہیں کر سکتا

یہی شاہانہ اور جاگیر دارانہ عقیدہ کمیونسٹ ملکوں میں زندہ اور پائندہ ہے کہ حکومت غلطی نہیں کر سکتی، بادشاہ کی جگہ اب حکومت نے لی ہے۔ شہنشاہیت، مطلق العنانی اور آمریت جوں کی توں کمیونسٹ ملکوں میں موجود ہے بلکہ پہلے سے زیادہ طاقت اور وسعت کے ساتھ موجود ہے۔

کمیونسٹ حکومتیں دراصل کس جمہوری رویہ میں اپر بلازم اور ڈکٹیٹر شپ کی رویات کو ان کی تمام خصوصیات کے ساتھ قائم کئے ہوئے ہیں، کچھ کو

”لیبرزم“ سرمایہ داری اور جاگیر دارانہ نظام کے خلاف مزدوروں کی تنظیم چکر دار اصل کیونٹ حکومت نظامی چکر سرمایہ دار بھی ہے اور جاگیر دار بھی ہے اور وہ عوام اور خاص طور پر مزدوروں کی معاشی ضرورتوں کا اہتمام کرتے ہیں اور انہیں ہموار کرنے میں دیتی ہیں، مگر اس اہتمام صحت کی حیثیت سے تہہ نالی کی زندگی جیسی ہے جہاں قیدیوں کو حکومت کی جانب سے کھانا بھی ملتا ہے، طبی سہولتیں بھی مہیا کی جاتی ہیں اور ان کو دست کاری سے لکھائی جاتی ہے۔

کیونٹ حکومتوں کے یہاں اخلاق و پاکیزگی کا کوئی ضابطہ سرسہ سے موجود ہی نہیں ہے، شرب زنا کاری، مردودوں کا بیباکانہ اختلاط نفس و سوجھ بوجھ تمام فرائض کیونٹ کے نزدیک ”آرٹ“ انسان کی فطری ضرورت سمجھے جاتے ہیں۔

نفسی میلے اور نفس و سرور کے ماہرین اور ننگا بدل کے وفد کا غیر معمولی میلہ جانا یہ بدترین کیونٹ حکومتوں ہی کی ایجاد کی ہوئی ہے جس کے تمام فرائض کو رواج دینے اور انہیں مقبول بنانے کا مقصد یہ ہے کہ کسی طرح اس اخلاقی صحت کو نقصان نہ پہنچتا ہے جو خداوند تعالیٰ کے کسی نہ کسی میں کائنات اور ربط و تعلق رکھتی ہے۔

برجاء پسند لنگ لیک بار حکومت کی کڑی پریشر کر، پھوٹاں سٹا نہ ہی نہیں چلتے اور انہی سانس تک سخت اقتدار پر چمک رہے ہیں اور خواہش رکھتے ہیں ان کو فروں رانی کے گڑ کیونٹ حکومتوں سے لکھاتے ہیں چکوتیں اس مذہبیت کے فروغ کے لئے۔ مثالیں اور نمونے ہیں کہ اگر تم اپنے اقتدار کا دھماکا چھو، تو ہماری تقلید کرے، عوام کو اس طرح شکستیں کہہ کر کہ وہ چارہ سبب جنسی بھی نہ کر لیں، یہیں تک کہ انقلاب قیادت کا تصور بھی ان کے ذہن سے نکل جائے، عوام کو بے اختیار مکر اور بدلتی بنانے کے جوڑ جنس کیونٹ حکومتوں کے تھے، وہ ان ہنگام جاہل بادشاہوں کو کہاں آتے تھے، جن کا نام تن کبر کوئی تقریب سمجھتا ہے:

جمال ناہری زندہ مثال ہمارے سامنے ہے، مگر اس مطلق العنان فرداں سے کیونٹ حکومتوں کو نمونہ بنا کر انسان کی مثال سامنے رکھ کر مقرر ہو جاتیں ڈھائی ہی وہ سب پر ظاہر ہیں دین کی جمہوریت کی آزادی اور اخلاق و شرافت کی وہ کرن کا قند ہے جسے اس شخص نے جیسے سلامت پہنچے دیا ہے، یہ شخص ابھی طرح جانتا ہے کہ جب تک مسلمانوں کا اسلام اور اسلام کی تعلیمات سے تعلق اور وابستگی ہے گی، جمال ناہری کی شخصیت ”اللہ نہیں بن سکتی“ اسلام کی وحدت کو نقصان کرنے کے لئے۔ ”رب قومیت“ کی تحریک شروع کی گئی، جو بعد برادری کی ”قومیت“ کی طرح اسلامی وحدت اور دینی مرکزیت کے خلاف تاخت و تارش ہے، اس تحریک کو دل و دماغ پر غالب کرنے کے لئے قاہرہ کی سب سے زیادہ معروف شاہراہ پر ”فرعون کبر سائیس اول“ کا مجسمہ نصب کیا گیا ہے اور ”نخن ابناء الفرعون“ (ہم فرعون کی املا ہیں) کے نعروں کو کھائی توڑنے والی جھڑپ جاری ہے۔

اس اسلام دشمنی پر لڑنے والی واحد جماعت ”افغان المسلمون“ یعنی اُس کی سیاست اور قیادت کو جمال ناہری نے اپنے اقتدار کا حریف سمجھ کر سب سے پہلے اسی کو شکست دے دیا۔ ”افغان“ کو تعذیب و اذیت کی بنیاد ڈال کر اسے گزنا پڑا ہے، اس پر خون کشا کر رہا ہے کہ جس تعزیت اور ظلم کا تجربہ اس نے بھی ادا نہیں ہو سکا، عبدالقادر مودودی، سید قطب، ابو نعیمہ، یہ وہ شخصیتیں تھیں کہ اس ماریت نے وہ عظیم دینی علم و فضل کا بحر ان سے قائم تھا مگر یہ سب شخصیں مٹی کی دیو تھیں، باقی دھواں رہنے دیا۔

”افغان“ پر تباہیوں کا ٹھکانہ رہی تھیں اور دیندار طبقے مطمئن تھے کہ ظلم کو ختم کی یہ جہاد افغان ”کھٹو“ مشائیوں کو خاکستر بنا کر اودھار پر ہی گزر جائیں گی، ہم پر ہونے لگی آگ کی لگن کی خود مرضی، خوش فہمی اور غلط اندیشی تھی۔ ”افغان“ کی تباہی کے بعد مقررہ دینی حلقوں کا اثر و نفوذ بھی ختم کر دیا گیا، مقررہ مصلحتوں کے قسم جمال ناہری کی مصلحت ہی سے حکمتیں آگئے ہیں۔ جو عمل اس جاہلانہ ماحول میں بھی دینی مسائل میں اظہارِ حق کی عزت کو جانتے ہیں ان کی آواز پارس اور دینے لگے، دوسروں تک پہنچنے نہیں دے جاتی۔

جمال ناہری نے اپنے اقتدار کو دھماکا دیا اور اسے ختم کرنے کے لئے جیسا کہ وہ بھی چاہتا تھا اور بنا دیا گیا اور اسے نافذ بھی کر دیا گیا، جن فوجی

س مریحبا! مبرا بن علی مریحبا غم کے مائل کو اک آسما ہو گیا

حق وحدانت کی ماہ پھولوں کی پیر نہیں بلکہ ایسا بلاخیر راستہ ہے جہاں کانٹوں ہی پر نہیں، بعض اوقات تلواریں دھا پھینچا پڑ
جے ہر قدم امتحان، ہر چوڑ پنازک مرحلہ ہم سزاؤں کے بعد ادھار دیا وہ چکر نظر راستے باقی وحدانت کا راستہ جان و مال کی قربانی
منزل سے نکلے گا ہے!

س اک آگ کا دیہہ ہے اللہ و لہ کے جانا ہے

ذہری محبوب کے لئے ہیں مہار و ہر اس اپنا سب کچھ لٹا دیتے ہیں خدا سے محبت کرنے والے اگر بن آسان، نیکو اور مقدر شمس مریحبا تو
اخلاقی و عظیم کی ریتے بڑی شریکداری ہے!

سازگار کا حال میں تو ہر کوئی کچھ نہ کچھ کہہ سکتا ہے! اب حق کی آواز آتش نرنا ساز گدھیاں ہوتی ہے جہاں ہر طرف فنا لغتوں کی یلغار نظر آتی
ہے تدم تدم پر دل شکن حالات سے سابقہ پڑتا ہے ایسے نازک مواقع ظالموں کو غالب یا کمزور بعض لوگوں کے عقائد متین زلزلہ جڑ جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
ظلم کو پسند نہیں کرتا اس کی دین میں ظالموں کو ظلم و تدم نہ جانے کی چھٹی ملی ہوئی ہے اور ظالموں کی کوئی فریاد ادھار دین کا نہیں لوگ۔ دعا کا سبب نہیں ہے
انہما ہی سازگار اللہ میں اس قسم کے اندیشے کو زمین پر ملے ہیں اور طرح طرح کے ادا م بد مرتبے ہیں یہ دراصل نتیجہ ہیں اس کمزوری کا کہ بعض لوگوں
کے ذہن سے آجوت کا تصور اچھل ہو جاتا ہے اور اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہ دنیا دار لجزا رہیں ولا لاصل۔ مقام آواز آتش و ابلا اور امتحان گاہ ہے!
اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تو غلط کاموں اور جبر و زیادتی کرنے والوں کو اس دنیا میں بھی ان کی بد عملوں کی تھوڑی بہت سزا دے دیتا ہے مگر یہ نیکی اور نیکی کی
اصلی جڑ اللہ تعالیٰ بدلتے آخرت میں لے گا اور عالم کون دنیا میں جس کی جتنی ذمہ داریاں ہوں گی اتنی ہی سخت باز پرس اس سے ہوگی، اللہ نہ جانے کتنے جھٹکا جا
تخت و تاج جو دنیا میں اکابر و ائمہ ہوتے تھے اور جن کے ہاتھ کے خطبے پڑھے جاتے تھے اور جن کے درباروں کی مجال و دمندان اور ایسے
گفتگوئے تھا قیامت کے دن تبدیل ہو جائیں اور جرموں کی طرح کھینچے پھریں گے اور اس دن وہ جھٹکائیں گے کہ کہیں! ہم نے وہ کام کئے ہوتے جو
اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں مگر اس دن جھٹکائے گے کسی کو کوئی فائدہ نہ ہوگا، قیامت قائم ہونے کی توبہ کا وہ وارنہ نہ کر دیا جائے گا اور پھر توبہ و توبہ اللہ مستغفار
ان میں سے کوئی چیز کچھ بھی نفع نہ دے گی، حق وحدانت کی خاطر جن کو دنیا میں پامال کیا گیا ہے جو ستائے گئے اور ذلیل کئے گئے ہیں وہ قیامت
کے دن نور و مسلاہ! راہنما رست کے سختی ہوں گے، یوم حساب دراصل ظالموں کے لئے ذلت و خراب اور مفلحوں کے لئے عزت و اہلیت رست
کا دن ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت کے اسرار، انسانوں کی فہم و فہم و فہم اور عشق و بصیرت سے ماوا میں، یہاں ظالموں کی کڑی رہتی ہے
انہیں دھیمی بھی دی جاتی ہے، حق پسندوں کو غفلت کے دور سے بھی گزارا جاتا ہے، بعض اوقات خدا شناس دانہ فائدہ کو گزرتا ہے جاتے ہیں
اور منکران خدا ہلکے دشمنان خدا کے یہاں شہد ادھار دھوکہ کی نہیں ہتی ہیں! فاسقوں و فاجروں اور اللہ تعالیٰ کے دین سے جاہل کرنے
والوں کو اس دنیا میں سدا مال دی جاتی ہیں اللہ ان کی خدمت میں سچا سامنے پیش کئے جاتے ہیں مگر سیکر کا مول اللہ تعالیٰ کے
اطاعت گزار بندوں کو گناہیاں اللہ پتھر کھانے پڑتے ہیں!

حضرت امام العزیز، حضرت امام الک، حضرت امام احمد بن حنبل اسلامی تاریخ کا عظیم شخصیت ہیں، ان کا اس کے سوا کیا
تصور تھا کہ خدا کے یہ نیک بندے معروف کی تبلیغ کرتے تھے اور خیر و صلاح کی طرف امت کو بلاتے تھے۔ اور معصیت اللہ میں۔
حکمران کی اطاعت نہیں کرتے تھے مگر انہوں نے نہیں مسلمان فرواں دعاؤں نے ان کے ساتھ جو ظلم دوا رکھا ہے اسان انوس قدسیہ

نے جس عظیم الشان عزیمت و استقامت کا ثبوت دیا ہے اس میں مظلوموں اور حق پسندوں کے لئے بڑی تسلی اور عبرت ہے۔
اللہ تعالیٰ کی رضا پسندی نظر ہو تو پھر دنیا کی ہر سختی اور مصیبت کا خیر مقدم کیا جاسکتا ہے! لا! یہ غرور ہے کہ خواہ غنا،
پلیٹوں میں پڑنے اور مصیبت میں مبتلا ہونے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے؛ مگر جب کوئی مصیبت آن پڑے تو صبر و استقامت کے ساتھ
اُسے برداشت اور محوِ کار کرنا چاہئے!

ہر حال میں حق پر جھگڑنا، اُسی کے لئے کام کرنے جانا، یہ ہے غرورِ مومن کا کردار، یہاں تک کہ اُسی جدوجہد کے عالم میں
موت آجائے! اور خاتمہ اس طرح ہو کہ عالمِ غیبیہ میں اُدُلک ہم المفلحین کی صدا میں آ رہی ہوں!

کامبر رندادری

۲۲ فروری ۱۹۶۷ء

سید محمد رفیع شاہ ایم۔ لے
روحانی افادہ مطبوعہ اسلامی کراچی

روحی الہمی

انسان کی اہم ضرورت

یہ کرۂ ارض ایک مدت سے انسان کا مسکن ہے۔ یہاں انسان نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں اور صلاحیتوں سے شب و روز ایک کو چرخ اور کھلی کے تقصیر سے روشن کیا، مسائل سے ایوارڈ ڈھالے اور دشت خاردار کو گلزار بنایا۔ یہ کرۂ ارض جو ہمالا مسکن ہے، ہماری جستجو اور ذوق تلاش کا مرکز ہے۔ انسانی فکر اور فلسفہ باطنی حیات کے عظیم سبب اس زمین انسانیت سے تعلق رکھتے ہیں، انسان غم و درد میں اس ماضی پر غور کیا ہے کہ یہ جہان کیا ہے؟ یہ عالم کھسے وجود میں آیا؟ اس کا موجود خالق کون ہے؟ اس جہان کی وجہ تخلیق کیا ہے؟ خالق اور مخلوقات کا باہمی رشتہ کیا ہے؟ کیا یہ غریب و بے گھر ہے؟ یا اس کا کوئی انجام بھی ہوئے والا ہے؟ یہ لوگ کہاں سے آئے ہیں اور کدھر جا رہے ہیں؟ یہ اور اس قسم کے بے شمار سوالات ہیں جن پر انسان نے ہر بعد میں غور کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ وہ ان کے بارے میں کوئی تسلی بخش جواب پائے چنانچہ اپنی اپنی فہم کے مطابق ہمیشہ ہر انسان اس سچے کوئلے کی کوشش میں لگا رہتا ہے، دیکھتے مری علیہ السلام کی ملاقات اچانک ایک بالکل ان پڑھے چمچا ہے سے ہر جاتی ہے اس کے ذہن میں بھی اس سچے کا ایک حل تھا، خواہ اس کی تعبیر و توجیہ سے حضرت موسیٰ کو اتفاقی ہر پلچہم افلاطون اور ارسطو کے ذہنوں میں ایک حل تھا خواہ موسیٰ کا چمچا اس سے اتفاق کرے یا نہ کرے۔

۱۔ انسان کے حسی اور ذہنی وسائل۔

انسانی خودوش کی تاریخ اور اس کے نتیجے میں سامنے آنے والا تمام ذہنی اور فکری لڑی پر شاہد عادل ہے کہ کسی بعد میں بھی انسان محض اپنے ذہنی اور حسی وسائل سے معجزہ کائنات کو حل کر نہیں سکتا، اس بات کا بھی کوئی امکان نظر آتا ہے کہ مستقبل میں انسان ایسا کر سکے گا۔ انسان کے علم کا دائرہ انسان کی حواس پر ہے۔ اس کے تجسس و کائنات میں وہ حواس حسہ کے مہربان منت ہیں یعنی سامعہ و سننے کی قوت، بصرہ و دیکھنے کی قوت، ذائقہ و چکھنے کی قوت، شامہ و سونگھنے کی قوت، اور لامہ و چمکنے کی قوت۔ یہ ہیں انسان کے ظاہری حواس۔ ان کے علاوہ انسان کے پانچ باطنی حواس بھی ہیں مثلاً۔ حس مشترک۔ یہ حواس ظاہری کا ٹاک خانہ ہے، ہمارے پانچ ظاہری حواس جن میں جڑوں کا اداس کہتے ہیں وہ سب جزوی حس مشترک کے اندر نقش ہو جاتی ہیں۔ خیال یہ تمام معلومات کا اسٹور ہاؤس اور گودام ہے، جو معلومات حواس ظاہری سے ہرگز حس مشترک میں نقش ہوتی ہیں، یہاں آکر جمع ہو جاتی ہیں اور خیال میں جمع شدہ معلومات حافظہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں اور بہت ہر دست یاد آ جاتی ہیں۔ تاہم یہ وہ قوت ہے

جو مدد کات کا جائزہ لیتی رہتی ہے اور ان کے متعلق احکامات صادر کرتی ہے، مثلاً ہم نے دیکھا ہے کہ ایک لٹری جرنل کو جس جو حرکت کر رہی ہے، اس کا تہہ بند پیرس مشورہ کیا گیا اور وہاں سے حاکم پر پیر پناہ قوت ماہرہ اس "مدد کے بارے میں احکامات صادر کرتی ہے مثلاً یا تو لٹری جرنل ان سے جو مدد گرا رہا ہے یا یہ کسی بھی لٹری پر پیر پناہ ہے، میں جو اپنی جگہ پر حرکت کر رہی ہے،" متخیلہ "یہ بڑی اہم قوت ہے یہ ایک طرف یہ تمام مدد کات میں تعریف کرتی ہے اور دوسری یا سیاسی کاتعلق معافی دینا اور عالم بالا سے بھی جتنا ہے اور وہاں سے کشف والہام کے ذریعہ نئے معلومات حاصل کرتی ہے لیکن عالم مدد کاتی ہے اس کاتعلق اس وقت قائم ہوتا ہے جب ظاہری حواس اپنا کام بند کر دیں یعنی غنڈ کی حالت میں! پس یہ پساناں کی کل ذہنی کائنات جس کے بل بوتہ پر وہ طبیعیات اور مادہ الطبیعیات کے تمام راز افشاں کرنا چاہتا ہے۔ انسان کے ان ذہنی قوتی پر غواہ ظاہری حواس یا باطنی، ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارے تمام ظاہری مدد کات اور تمام علوم و تعلیمات کا واحد ذریعہ حواس خمسہ ہیں، یہ حواس جو مواد فراہم کر دیں انسان کا ذہن اور اس کی معافی قوتیں اس کی بنیاد پر آگے بڑھتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا خود فلسفیوں اور دانشوروں کے نقطہ نظر صحیح بات ممکن ہے کہ انسان محض اپنے فرائض ذہنی کے ہمارے کائنات کے متعلق تمام سوالات کا جواب دے سکے اور طبیعیات اور طبیعیات تمام حقائق کو جان سکے۔ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہو تو پھر ہمارے لئے سوائے وحی الہی اور تعلیمات خداوندی کے اور کوئی ذریعہ علم ہی نہیں اس کے بغیر ہم ہمیشہ جہالت و بے خبری میں مبتلا رہیں گے اور کبھی "حقیقت" معلوم اندر روشنی، ملک نہ پہنچ سکیں گے۔ اقبال نے نہایت لطیف انداز میں وحی اور تعلیمات الہی کر۔ دانش فرائض کہا ہے انسان کے حواس کی بنا پر حاصل شدہ علم کو دانش برائی ہے

۱۲۔ علم کے نتائج انسان کے حدود۔
اک دانش فرائض، اک دانش برائی ہے دانش برائی حیرت کی خرابانی

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ سب سے پائیدار ذریعہ علم "مشاہدہ" ہے۔ یعنی کسی چیز کو اپنی حواس کے ذریعہ سے جاننا۔ لیکن حواس کی جو حیثیت ہے اس کے متعلق محکمہ طبرانس نے اپنی کتاب "مستخرج من صلاحت" میں لکھا ہے:-

"خلق کا ایک اندازہ ماخذہ غلط یقین ہے کہ حواس جو حقیقت میں ہیں محض عملی اغراض کے لئے عطا ہوئے، ماہیت اشیا کو جو ہم پر منکشف کر سکتے ہیں:-"

یہی مصنف ایک دوسرے مصنف MONTAIGN کا قول نقل کرتے ہیں:-

"انسان کا علم بہت ہی ناقص ہے۔ اس کے حواس غیر یقینی اور غلط پذیر ہیں۔ ہم کبھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے حقیقت ہی کو ہمارے سامنے پیش کیا۔ حواس کی دنیا ایسی ہی معلوم ہوتی ہے جیسی انسان کی حالت اور فطرت ہے اور ان سے خارجہ اشیا نہیں بلکہ آلات حس کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ حواس پر یقین کرنے کے لئے ہمارے پاس ایک اندازہ ہونا چاہئے جو ان کی تعریف و تکذیب کر سکے۔ اور اس آئینہ کا بچہ کے لئے ایک اندازہ ہونا چاہئے اس طرح یہ سلسلہ غیر متناہی ہو گا۔"

جب یہ حواس ہی محدود ہو گئے تو ان کے ذریعہ حاصل شدہ علم کی کیا حقیقت ہوگی۔ لیکن یہ مسئلہ ہمارا اگر محکم نہیں ہو جاتا بلکہ ہماری بڑی مصیبت تریہ ہے کہ ان ناقابل اعتبار حواس کے ذریعہ بھی ہمارا ذہن و معلومات نہایت ہی قلیل ہے اور ہماری عقل کی حدود نہایت محدود ہیں، ہمارے علم کی جو حدود میں خود مصنف اول کے عقلا کے خیال کے مطابق یہ ہیں:-

۱۔ اہل مشرق لکھا ہے کہ اس آئینہ کو محدود ہے یعنی وحی الہی لیکن اہل مغرب شاید اسے ماننے کے لئے صدوں ملک یا۔۔۔ انا۔۔۔ ۱۔ ۱۔ ۱۔

نہیں مہربان۔ اس سے چھٹک کر بہترین تدبیر یہ ہے کہ ہم اپنے اعلیٰ اور بلند نام کی کوکم کریں اور اس لئے سے پہلے ہم خود اصل دشمنی کو معلوم کر کے اس کا احترام کریں۔ اعلیٰ کارہ احترام خود ایک فضیلت ہوگی۔

۱۳۔ عقل کی نارسائی۔

ہر زمانے کے مفردوں نے اگر وہ ضدادہ عناصر میں مبتلا نہیں ہیں تو ایک حد تک ہر کارائی عقل کی نارسائی اور علم ان کی حدود کا احترام کیا۔ لیکن جہالت کے اس احترام کے ساتھ ساتھ ہر قوم نے احترام جہالت کی تبلیغ بھی کی ہے، وہ فلاسفہ کو مشہور دیتا ہے کہ ان کے لئے بہترین ماستری یہ ہے کہ ایک حد تک ہر کارائی کو اس سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ علماء الطبیعات میں جانا تو زندگی کی بات ہے ہم خود اپنے ذہن پر ہی کو نہیں سمجھتے وہی انفس کے افسانہ تبصرہ۔

دوسرے فلاسفہ عقل کی گندھا ہوں گا

اپنے افکار کی دنیا میں سفر کرنا

یہ چھٹک چٹکیاں کہنے والے انسان کا المیہ۔ دوسرے الفاظ میں ہمہ گیر کا المیہ جو عالمی میں ماضی سے برائے گھر پر پڑے۔ یہی مصنف لکھتا ہے۔
"افعال ذہن کا یہ ایک عجیب خاصہ ہے کہ ایک طرف تو وہ ہمارے لئے نہایت بڑی اور بڑی واقعات کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن دوسری طرف جب خود ان پر غور کیا جائے تو ایک تاریکی چھا جاتی ہے اور اس حد تک بھی نظر نہیں جاتی کہ کد کے باہر فوجی رہا
امیدوار کے مدد سے آسانی سے گفت میں آجائے۔ بات یہ ہے کہ یہ افعال اس قدر لطیف اور نازک ہوتے ہیں کہ ایک حالت پر دیر تک قائم نہیں رہتے۔"

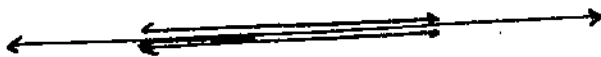
انسانی دماغ میں کس قدر قوتیں ہیں؟ وہ کس طرح کام کرتی ہیں۔ ان سے عقل کی سرزندگی ہوتی۔ کہ ہے وہ اس نازک شیرازی کو چھوڑنا چاہے۔
"ذہن کا یہ خاص فعل جس کی بنا پر ہم معلومات سے عقل اور عقل سے معلومات کا استنباط کرتے ہیں چونکہ تمام نئی فوج انسان بقا کے لئے اشتغالی رہے ہیں اس کو غافل اور عقلی قیادت کے سپرد نہیں کیا جاسکتا بلکہ عقل کا استعمال کا یہ حال ہے کہ عین کے ابتدائی ایام میں اس کا سر سے پتہ نہیں ہوتا اور اب کوئی نہ مانے بھی انسانی زندگی میں نہیں آتا کہ پختہ سے نہ ہر دست عقل کی طرف سے بھی انتہائی تعزیر اور غفلت کا خطو نہ لگا رہتا ہو۔ لہذا قدرت کی اس عالمگیر حکمت کا انتظام جو ہر جگہ نظر آتی ہے یہی تھا کہ وہ ذہن کے ایسے ایسے امور زندگی کے لئے نازک فوجوں کو کسی ایسی جبلت یا کائناتی میلان کی نگاہ میں دیکھ کر اس کے افعال میں غلطی کی گنجائش ہی نہ ہو جس کا سرگشتہ زندگی اور زندگی کے اولین سرگشتہ کے پاس ہر اور عقل و فہم کے تکلف پیدا کیے ہوئے تمام اساتذہ آج اور ہر طرح فطرت فہم کو اپنے افعال و احوال کا استعمال کرنے کا سکھایا ہے بغیر اس کے کہ ان کے احصاء و معلومات کی مشین کا پیچہ سے علم حاصل کریں، اسی طرح اسی "فطرت" نے ہمارے اندر ایک ایسا جلی میلان بھی دلایا کہ ہر جگہ غفلت کو اس ملہ ہر جگہ دیکھا ہے جس پر کہ کائنات خود ہی میں رہی ہے کہ ہم خود ان طاقتوں اور جبلتوں کے باوجود ہیں جن پر کہ خود ہی اشتیاق کی یہ مضبوط اور مسلسل مدد و توفیق ملے۔"

ہر قوم اور دوسرے فلسفہ کی کچھ باتیں ہیں کہ یہ کہانہ قدرت کچھ میں رہا ہے اس کی کچھ حقیقت ہے؟ تمام علوم و فنون کی بنیاد، عدلت و عدول کے باہر ملے ہوئے ہیں اور اس رابطہ و ملاقات کی جو حقیقت ہے اس کی وجہاں خود ہر قوم کے اندر ہی کچھ ہے۔ علامہ نے ہم کو یہ سکھایا کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں سمجھا جاتا اگر وہ ایک "فوجی فطرت" ہوتی۔ "اولیں سرگشتہ" اور "عدلت و عدول" کا سہارا لیتا ہے ہم اس میں کوئی "ضلع پاک" نہیں دیکھتے۔

اپنے بہترین متعلمین اسدائے خان اپنی تلاش اور جستجو کے بعد اس مرحلہ پر آکر کسی نہ کسی صورت میں اللہ کی ذات کا اعتراف کرتے ہیں۔
 صدقہ میں سائنس کا مزاج - لا ادریت - یا انکار الہی تھا - میسین صدقہ کے سائنس دان اثبات اللہ کی شہادت دیتے ہیں۔ مسیحیز جس جیسے :
 نے لکھا ہے کہ اس کائنات کے پیچھے ایک ایسا دیا جنی مان ہے کہ اگر اس کے حساب میں ایک لمحہ کے گزرنے میں صدقہ بھی غلطی ہو جائے تو یہ نظام کسی دہرہ پرہ
 "یہ فرق الفطرت ہی ہے" اورین سرچسٹر - یہ "عظیم ریاضی دان" - "الہ کے تصدیک ہی جامع اسدائے فطرت ہے" - "اللہ -
 جب الہی فاعلیت کی حقیقت یہ ہے تو اب پتا سے لے اس کے سوا چارہ کار بھی کیا ہے؟ زمین کی حقیقت کو جاننے کے لئے اس کا واسطہ
 پیچھے ہٹنے کی ضرورت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی طرف رجوع کریں - یہی حقیقت ہے جس کی بنا پر وحی کی طبعی ضرورت بن جاتی ہے
 انسان مہذب ہے جن ادنیٰ مہینوں - ہے گا اسدہ ان نظری سوالوں کا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے گا جو اس کے ذہن میں ہر وقت پیدا ہوں گے اور
 بے چینی اور بے یقینی کے وہ اثرات جو اس کی زندگی کے، اس کے تمدن، اس کے معاشرے، پھر تہذیبوں کے، وہاں قدیم ہلک ہونے کے من کا اندازہ آتا
 تمدن کے اندرونی تضاد و کشاکش سے ہو سکتا ہے۔ کسی نئے تجربے سے حرکت کی بات ہی ہے کہ میسین صدقہ کی گذشتہ صدیوں کی تمام اہم کتابوں کا موضوع
 کا تمدنی انتشار ہے۔

مغرب کی فانی زندگی پر ایک نظر ڈالئے۔ وہاں کی حیثیت اجتماعی کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاشرہ ایک تنہا نجوم اور نموش نما ہے
 - *Loveless* - ہے۔ بچوں میں جراثیم پسند کے رجحانات پھیل چکے ہیں، اولاد بچان ہو کر اپنے باپ کی طرف نہیں دیکھتی، ا
 محتاج خالوں ادا اپنے مرکزوں میں خالی آنکھوں اور ویلن دلوں کے ساتھ صورت کا اختیار کرتے ہیں۔ کثرت طلاق، ازدواجی دائرہ سے باہر کے جنسی
 ایسا لیجی ہی دوسرے مرض دباتے عام کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ زندگی میں سکون، اعتدال، حقیقی توازن اور فطری مسرت اس وقت قائم ہو سکتی
 جب زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کی وہی ہوتی ہدایت کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی کے معاملات طے ہوں ورنہ عالم ہی رہتا ہے کہ -
 جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
 زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

کائنات کی بات یہ ہے کہ ہمارے پیدا کرنے والے نے ہمارے تمام ضروریات کی تکمیل کا سامان بھی کیا ہے، ہمارے جسمانی اور مادی ضرورت کو پورا کر
 کے لئے اس نے سینہ گیتی اور فضا کے کائنات میں بیش بہا خزانے ودیعت کر دیے ہیں جو ان کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کافی ہیں اور ہمارے
 روحانی، اخلاقی اور تمدنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس نے اپنے اشیاء کے ذریعہ ہدایت نازل فرمائی تاکہ انسان کی زندگی کائنات کے حقائق
 کے مطابق ترتیب پائے اور جس خدا کا قانون زمین و آسمان میں جاری و ساری ہے اسی کے قانون کے مطابق انسان بھی اپنی زندگی کو بسر کرے -
 اور ہر طرف زندگی کا ایک ہی نظام کا سفر ہو جائے۔ یہ ہدایت وحی کے ذریعہ انسان کو دی گئی ہے اور یہی اس کی اخلاقی اور تمدنی زندگی کے لئے اتنا
 ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ، غروہی ہے جتنی اس کی جسمانی زندگی کے لئے ہمارا الہیاتی ضروری ہیں یہ نہ ہو تو جسمانی صحت ہے۔ اور وہ نہ ہو تو
 روحانی صحت !



قرآن اور انسانی نفس

فَلَمَّا أَتَتْهُمُ أُخْلَاقٌ وَهَلَاكٌ بَسُودٌ وَدَعَا نِيتَہُ، وہ اہل کتاب کی طرح انسان اہل انی علوم کے متفق فرما رہا ہے، بلکہ اس کا اسلوب کلی اصولی جتنا ہے اس کے ضمن میں دوسرے مفید علوم و فنون اور صالح افکار و فلسفہ کی طرف لطیف و مزایا نام لیتا ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے حج حدیث خلوتیاں جذبہ رمز و ایمانیست !
قرآن کی اس مہم گیر جامعیت کے پیش نظر کہا گیا ۔

وہ انجیل معارف جس کے اک اک حصہ میں پنہاں
لغات فلسفی، اسرار نفسی، سائر عمرانی !

علم نفسیات بھی دوسرے علوم کی طرح ایک وسیع علم و فن بن گیا ہے جس کے مندرجہ ذیل ہی تنگی کی تعمیر و ترقی بھی کی گئی ہے مگر فی الواقعہ
بڑی کئی صدیوں سے نفسیات ہی علم خاصا سمجھا جاتا ہے تاہم قرآن سے مستنبط چند نفسیاتی نکتے بھی انگریزوں کے خوش اعتقاد ہی نہیں واقعہ ہے
سدا ہی علوم کی تاریخ گماہ ہے کہ کتاب و سنت ان علوم کا ایک ٹھکانہ ہے جس میں اسلام نے دوسرے تمام علموں و فنون اور کتاب و فکر و
روش میں ہمیشہ ہی اسلامی رنگ و نقش لڑکی ہے، اس طرح جوارح سے جوارح جلتا رہا ہے

یک جوارح ست دیں خانہ کہ از پر تو آں ہر کا ہی نگری انجمنے ساختہ اللہ !

قرآن ایک بصیر و نمبر سہی کی کتاب ہے جو انسان اور ملک و سنہ و کالہاں ہر بھی جہاں و مکانی CREATOR بھی ! اس کھدیں دین اور ملک
سب سے مافوق اہاس کے تمام نفسیاتی بیج و خم سے آگاہ ہے اس لئے وہ دوسرے نفسیہ کی طرح انسان کو پراسرار MYSTERIOUS نہیں
اتا بلکہ اپنی کتاب میں اس کی کتاب زندگی کا ہر صوفی کھول کے رکھ دیتا ہے کہ افسانہ کتابت

وہ رحیم و کریم ہستی نفسیات کی سر جوئی نہیں کرتی بلکہ اپنی حکمت و ہدایت سے اس کی توجہ کرتی اللہ سے صحیح رخ بھی دکھا کرتی ہے ۔
قرآن قدسی کتاب کی طرح اپنے بنیادی طرز فکر اور موضوع (TOPIC AND ALTITUDE) (توحید، رسالت، اخوت) سے
صحیح و متعلق نہیں ہوتا وہ علوم و فلسفہ، مسائل و مباحث کی حقیقت کا ذکر بھی اس انسان کے ساتھ ہے کہ وہ ایک کلی اصول کی فروعات میں،
کتاب و سنت فلسفہ زندگی میں اس لئے ناگزیر طرہ پر انسانی زندگی ہی سے وہ خام مواد فراہم کرتے ہیں اور یہی نادر حیات کے ذوق و ذوق کو معرفت
اور حلا کا دفتر بنا کر دھت آگاہ دیتے ہیں۔ معشوق حقیقی کی کتنی مہربانی ہے کہ جادہ طلب کے نقش و نگار اور دیگر کے گرد و غبار کے بھی نشان
نزل بنا دیا، میرا ایک شعر ہے یہ

پہلے تو اپنے آپ کو نہیں بنا دیا پھر خرم و جہاں کو ہی نکلواں بنا دیا

افاق و افس میں جتنی نعمتیں ہیں وہ سب خرم ازل ہی کی غایت ہیں انسان کے تمام جذبات و خواہشات اس کائنات میں پھیلی ہوئی علیات سب اللہ کی

خودی و خود داری

حضرت سرمد گزشتہ کتاب ایشاد ہے کہ لکڑی کی نظر میں دنیا کی عزت پر کیا کہہ سکتے ہیں؟ وہی کہی کا فرق نہ ملتی، اس کے علاوہ کتاب وصفت پر دنیا کو فریب نظر آئے اور اس کا وہ سراسر ہی کہا گیا ہے، ہم مسلمان بھی اشراف ہی ہوتا ہے، سفار کی چمک رک ہے کہ لکڑی کی نگاہ میں پتھر کے ساتھ۔ حضرت مولیٰ بھی کفار کی ملکوت و ملکوت کو دیکھ کر سیدھا کہی بیٹھے کہ۔ دینا املت آیت فرعون کہ ملا لا زینۃ لا حولا فی الحیوۃ الدنیا ربنا یصلوا عن سبیلک۔ اس لئے حضرت سے بھی کہا گیا اور خلیفہ تین داری کا جذبہ ایشاد کیا کہ سہ

بر خود نظر کشا ز تہی دانی مرکا
و سینہ تو ماہ تملے نہادہ اند :

ایشاد یہ آپ ان کے مال و مالا سے قیہ نہ کریں اللہ دنیا میں انہی کے دلچسپ نہیں، عذاب دیکھا اندوہ کر پیا بچان دیں گے۔

محبت کا نمونہ۔ حضرت لکڑی نے بھی مگر کفران کے باب بھی تھے، بیشک ان کی طبیعت ان کے دل میں موجزن تھی مگر انہی نے جو بھی اخلاقی رفت میں بھی پدی محبت کے پیش سے محبت پر پیش کو سمجھائے ہیں اور محبت سے بھر پور ہیں (ابھی نہیں یا جنتی) کہ کر خستہ نجات میں ملتے ہیں اور غمناکی کے بعد بھی جب بیٹھے فی باقی ہے تو اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ آپ کا وعدہ تھا کہ میرے لوگوں کو نجات دیں گے میرا بیٹا بھی تو میرا لای تھا، اللہ آپ کا وعدہ تو حق ہی ہوتا ہے اللہ آپ حکم لائے ہیں ہر طرح اسے پالنے پر تہا دیں (۱۱۱: ۲۴) ان چند جملوں میں پند کی محبت کی غلبہ لکڑی نے بھی لکھا ہے، پھر اس عظیم جذبہ کی صحیح توجہ بھی کی گئی کہ محبت کو تجربہ یعنی سے پڑنا چاہئے، حضرت ابراہیم نے جب آذر کی سفارش کی تب بھی یہی ایشاد دہرا کہ اصل محبت کا حق تو اللہ ہے دنیا کی محبت کا حاصل ہونا تو اس ماہ کا تجربہ ہے!

ایشاد ہے پھر ابراہیم نے عذاب کے فرشتوں کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانوں کی طرف نہیں اٹھ رہے ہیں کہ فرشتوں کا طریقہ ہے اس لئے نہ اٹھاتا اصران سے خوف محسوس کیا فرشتوں نے اطمینان دلیا کہ وہ جیسے ہر قوم کو لوط پر بھیجے گئے ہیں۔ ان کی جیوی ہو کر مری پر نظر دیکھ رہی نہیں، ہنس مریں ۱۱۱: ۷۱ جملوں کی سادہ طبیعت کی گئی جسے ساختہ تصویر میں بے ساختہ ہنسی کے دکریں آتی۔

نفسیات کفر و لفاق : خدا کی ادب و حریم ان کی اندرونی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ حق کا وعدہ دیکھ کر سے انکار کرتا ہوتا ہے چنانکہ مثنوی آفتاب کی ناہی اصران سے دونوں کی معرفت ہی اس کے نزدیک تھا چہ شہوت ہو سکتی ہے کفار کا خراج بھی قریباً ایسا ہی ہوتا ہے قرآن کہتا ہے۔ جنہوں نے کفر کیا انہیں آپ کا ڈنکا نہ ڈنکا برابر ہے وہ ایمان نہ لائیں گے دگیا : اللہ تعالیٰ ایمان کے دلوں اور کافروں پر پھر لگا دی ہے ایمان کی آنکھوں پر پردہ ہے ۷۱: ۲۔ "مثنوی" اور وہ شہوتوں کو اس کی مفسدانہ کوششوں ہمارے لوگ دیا جائے تو اس کی تاویلیں کہنے لگتا ہے اور اس کا اصرار (REPORT) کے خوشنما الفاظ سے تعبیر کرتا ہے قرآن کی تلقین کھوت ہے : "جب ان سے کہا جاتا ہے زمین پر غولابی نہ پھیلاؤ تو کہتے ہیں ہم تو مصلح ہیں۔ اور جب ان سے ایمان لانے کو کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم بھی بے وقوفی و سیدھے سادے مسلمانوں کی طرح ایمان لائیں۔ یہ وقت وہی ہیں مگر انہیں خبر نہیں۔ جب ایمان والوں سے ملے تو ایمان ظاہر کرتے ہیں اور اپنے شیطانوں کی غولوں میں کہتے ہیں ہم تو بہادر سے ساتھ ہیں ہم تو مرنی سے خلاق کر رہے تھے، اللہ ان سے مذاق کرتا انسان کی کس قدری پر ڈھیل دیتا ہے ۱۵: ۱۲

کھانا دینا نفین کی اس طبیعت کی وجہ سے ہدایت ان کے حق میں مصلحت اور تریاق شفا ان کے لئے نہر طلال بن جاتا ہے بہار کا ابرخوش ہنگام سانپ کے سہیل نہر اصران صدف میں لوتے لاپا کر دیتا ہے۔ اور دھنوں کی کرنیں سب کے لئے اور سرور میں مگر پردہ کتان کے لئے پیام چکا لانی، پرتو ہر ایک عالم فیضیاب ہے اور رشتہ پر سخت گراں آئندہ ختم کے لئے تو تعلیم ناہی ہے۔ مگر شہنم خواب ہر کوئی اس سینہ چاک ماہ : تاہم چھٹے آفتاب کا اس میں کیا گناہ ہے؟ ہر لئے بہا بہا محبت کہ لکڑی فیض بخشیاں عام ہیں مگر حصہ بقدر جڑ نعمت بقدر محبت اور بقدر لیاقت و صلاحیت ہے۔

• سب معین و مددگار ہوتے ہیں۔ ایک نظر یہ رہا ہے، قرآن عظیم پر ایک مدنی نظر پڑتا ہے اور اس نے اسلام کا نظریہ ہے
کسی باقی خورشید کو قیامت تک عذاب و ثواب قرار دیا گیا۔ قابل کس مرتبہ کی ناقص کے خلیفہ کا ایک حصہ آتا ہے۔

قرآن کہتا ہے: "یونہی کسی کی جان لیتا ہے تو کیا اس نے تمام انسان کو قتل کیا اور جس نے کچھ بچا دیں ان کی جانیں بچا دیں
شیریں تک ان کی جان کا منت آستانہ نہیں دیتا وہ بے غرض رہتا ہے گناہ کا قتل چاہے کچھ اس کا حق نہیں دیتا۔ (اسے ہمیشہ کے لئے تو خود ہر
ہے۔ قرآن کا وہی مجرموں کا حال بھی ہو جاتا ہے کہ جو جھوٹا جھانڈا لے کر ہاں مڑا کے کہے۔ "ہم اس کی نفی بن جاتا ہے اور صاحب کنزول
قدہم گیری اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں بہت سے قاتل مجرموں کا شرقی تعلق جن کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس طرح ان کا ہر قسم اور ہر قسم میں غیر وہ
جانا جاتا ہے اس طرح "یونہی" اپنی ذات ہے کہ ایک جنم "بن جاتا ہے" بیکرانی کی تمام اشیاں ان کی نفیوں میں داخل ہے۔

آنسو و ترجمانِ دل: ان کے علم و صورت و صفات کی توجہ میں ہوتے ہیں اور صرف صورت میں بقول شاعر بھی یہ عالم ہوتا ہے کہ

الذات قسم سے آئے ہی وہ انکسوں کا جویم حسرت دید بھی مشکل سے نکل پاتی ہے

مجھے بتاؤ کہ وہ نانا ہی کبھی نہیں ہوں کہ میری کچھ سے بڑھ چکا ہے کیا ہوگا؟ تو میں نے ایک دوسرا بچہ کے سال پر میں نے اسے گود میں اٹھایا،
بھائی کی طلب پر میں نے اسے گلے سے لگایا اور اس کے استعارہ میں اس کے قدم چھو لے کر جب اللہ تعالیٰ نے مجھ سے بڑھ چکا تو سر نہایت سے جھک گیا اور جب
سب میرے پاس آئے تو ان کے ہاتھوں میں ان کے بند، نازک، اور گھر سے جنابت کے ترجمان آنسو میں ہو سکے ہیں اسی نشان کی طرح گئی اور
ناتو میری کا اسلام میں خاص مقام ہے، حضرت نے فرمایا ہے کہ اللہ کی یاد میں رہنے والی آنسو پر وہ درخ و عظم ہے۔ اسی تاریخ میں اس دل سمجھنے والوں
کے پاس میں کثرت سے آتا ہے کہ وہ عداوت قرآن کے وقت بے اختیار رہتے تھے۔ اللہ مول اللہ کا نام نہ کرے کہ یہ عالم تھا کہ نام آئے ہی آنسو جاری
اتھار کا تو قاتل ہوتا ہے۔ اپنے اساتذہ شیخ عبدالباقی طحاوی (رحمہ اللہ) نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن بھی قرآن میں
اس دل کی کیفیت بتاتا ہے کہ جب قرآن سنتے ہیں تو قرآن میں ان کی خوشی میں ان کے آنسو بہتے ہیں اور بے اختیار کہہ سکتے ہیں کہ اسے یہ ہم ایمان لائے
ہمارا نام بھی گواہی میں لکھ لیجئے۔ ۸۳: ۵

محببت میں یا خوف: قرآن نے متعدد جگہ انسان کی اس نفسیاتی کمزوری کا ذکر کیا ہے کہ عیش میں یا خوف کا گزند ہی ان کے دل نہیں ہوتا۔
محببت کے وقت عداوت میں خشوع و خضوع اور دعاؤں میں منہ و گمان، الحاح و نیاز کا اعانہ ہو جاتا ہے۔ جب پروا نہ رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ
کے سامنے ہر دستہ دی جاتی ہے اور جب دعا مقبول ہوتی تو وہی غفلت اور آبی آفت و محبت کے ان کی نظر انسان کی نفسیات کی تصویر دیکھنے لگی
بے ساختہ ہے، کہ دیکھتے ہوئے ہر کی مشکلات سے نہیں کون نکالت دیتا ہے جب گناہ گرا کر چھپکے چھپکے اللہ سے دعا کرتے ہوئے اگر آپ کی بار اس سے نکالت دیتی
تو ہر شک و گمان بند ہے ہر جا میں گئے۔ کہنے کے اندر نفس نکالت دیتا ہے اور ہر قسم شرک پر آئے ہو "۱۶"۔ دوسری تصویر جب اللہ تعالیٰ آفت نہیں پھیر لیتی ہے
تو اللہ کے سامنے ہر دوس کوئی نہیں ہوتا، پھر نکالت دیتے پھر عرض والہ کہہ کر اللہ تعالیٰ ان سے بھی بڑا ناکارہ "۱۱۵"۔ تیسری تصویر جب "رجب مسند کے
مسافر کو کہ باؤں کی طرح کی (اوپر اوپر) مریض گیری میں ہیں تو وہ اعصاب کامل کے ساتھ دعا میں لگ جاتے ہیں اور جب ہم انہیں نکالت دیتے ہیں تو
من والی شریعت ہو جاتی ہے ۱۳: ۳۳

ظہری شرم و حجاب: اشارہ ہے جب آدم و حوا نے شجر ممنوعہ سے کھائی تو اس کے نتیجے میں ان کی شرما میں بے پردہ ہو گئیں اور وہ دونوں محنت
نہ جنوں سے بچا ہوا لکڑی کا کام کوشش کر لے گا "۲۲: ۷"۔ یہی بات سیدہ طہ میں دہرائی گئی۔ اس صفات ان کے خلقی شرم و حجاب کی طرف اشارہ ملتا ہے
عاش کو داخل فطرت کبھی ہے بلکہ ہمیں تعاقب وہ اندکاست تاہم
یت میں آدم و حوا کی اچھڑائی نفسیات کی کتنی اچھی تصویر موجود ہے!

ایسا۔۔۔ وہ دوسرا سولہاے ہفتہ مارا اسی سہ ماہی کی مجلس میں یہاں ہے کئی مشتوق ہے اس ہفتہ زرد
اہل نظر جانتے، دیکھتے اور محسوس کرتے رہتے ہیں کہ کل آئینہ عالم میں ان کا ہی سراپا ہے۔

ذوق جمال : حضرت موسیٰ کے بارے میں استاد ہوا کہ "والعقبت عیلت مجبہ" معنی "میں نے اپنی طرف سے آپ کی شخصیت میں مجربیت اور
ادب موسیٰ رکھ دی تھی، غالباً یہی مجربیت تھی جس نے فرعون کو اسے کی بات مان لینے پر آمادہ کر دیا، انسان کی حسن پسندی اس کے تمام
پر غالب آگئی اور یہی ذوق داستان یوسف و زلیخا کی بنیاد بن گیا۔ قرآن نے انسان کے ذوق جمال (Aesthetic Instinct) کو بھی صحیح
دیا اور اسے حسن مطلق کی لامحدود فضا دی اور شاید زیبائے عمل کی جلوہ طرازیوں کا تماشا ہی بنادیا۔ یہاں تک نصف قرآن کے ایک سری مطالعہ
جستہ جستہ نمایاں پیش کی گئیں، جن میں نفسیات انسانی کے مختلف اوصاف و صفات دکھائے گئے، کہانہ تھا کہ اس نفسیاتی نقطہ نظر سے قرآن کا
مطالعہ کیا جائے تو انسانی نفسیات کے تمام گوشے بے نقاب نظر آئیں گے اور علمائے نفسیات و علم الانسان (Encephalography) کو یہ
کتاب ایک آخذ و مرجع Book ————— Reference کی حیثیت نظر آئے گی۔ ————— اور اس میں معلوم ہوگا کہ یہ کتاب،
عالمی کتب کی نگراں (دعیم علی الکتاب) بھی ہے۔

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خشک کا علمی دینی اصلاحی

الحق مہنامہ

زیر نگرانی حضرت شیخ الطہیت مولانا عبدالحق صاحب مظلوم ہاشمی دارالعلوم
حقانیہ اکوڑہ خشک۔

ایک جھلک

۱۔ قرآن و سنت کی روشنی میں عالم اسلام کی دینی و ملی کا حل۔۔۔ عرصہ حاضر کی
دینی اور علمی فتنوں کا انسداد و سرکشتہ تین اور اسلامی جلیب پر تحقیق کا نام ہے
اور اس کی تحقیقات و نظریات کا جامعہ وہ مغربی تہذیب تمدن کی تباہ کاریاں
اور عالم اسلام کی زبردستی وہ ہر مسلم کا شرعی و فرائض کا علاج دینا، مسلمانوں
کی ان کی ذمہ داریوں اور فرائض کی تعلیم دینا، مسلمانوں میں خیر و ایمان کی تحریک
خانہ کعبہ کی بیداری۔۔۔ سالانہ چندہ جو روپے۔۔۔ ہر مصلحتی صورت کے لئے ہے۔
انہما و تیسرا ہفتہ۔۔۔ دینیہ۔

شمارہ ۵۰ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خشک (ضلع پشاور)

چراغ راہ

ماہ فروری

مجلہ ادارہ معارف اسلامی

مجلہ ڈاکٹر سید یونس کی من الاقراری سازش کا دستوری ثبوت
— مصباح الاسلام —

۱۔ اسلام سرشرم۔ ایک ہم اور شوک فیض اصلاح۔ نصرت کی اشاعت
خصوصی کا جائزہ — سلیم احمد

۲۔ احکام شریعت میں غیر کمالی اصول۔ مولانا حسین الدین
دینور و دیگر

فی شمارہ ۵۰، پیسے سالانہ چندہ ۹ روپے

چراغ راہ۔ یوسف نزل ہرمز جی اسٹریٹ
کراچی ۱

دعا راضی ایم۔ لے

وحشت کی شاعری میں اسلامی رجحانات

مردانہ صافی وحشت گلہری ایک غزل گو کی حیثیت سے شہر میں لیکن ان کے کام پر اسلامی تعلیمات کا اثر دعویٰ کے انکار میں دینی عقائد کی جھلکوں میں جا بجا نظر آتی ہیں۔ وحشت نہ صرف شمس تھے نہ صرف شاعر لیکن قدرت کے انہیں مزاج قبولہ، طبیعت مدلیف نہ ابدی عاشقانہ خط کیا تھا ان کے سینے میں ایک ایسا دستور تھا جس نے محبت کی چوٹ میں کھائی غنی اور عشق کی لذت میں باقی غنی، اگرچہ عشق نہیں کھائی تھا تو کہہ رہے تھے۔ ان کے ازلہ و جہالت کے جس گوشے کا تعلق لذت باری اور وحدت الوجود سے ہے وہ عارفانہ ہے، ان کا عارفانہ کلام نازکی اور دودھول نبیوں میں موجود ہے یہی ایک نازی حس کا ایک شعر ہے۔

یادت کفیس راحت دآرام جان ما

ذکر تو صابن صبر بر جادانی ما

بیشعر ذکر و فکر کی عجیب کیفیت کا حامل ہے۔ اب اس رنگ کے اندو شاعر کا غلط فراموش ہے

بشدگی اور صافی اصل میں دونوں ایک ہیں

جس کا عدم ایاز ہے وہ ہے غلام ایاز کا

شوق ترا ہے مریخون ذوق تیرا ہسانہ جو

کھول نہ دین بھسرم کہیں پر دگیب ناز کا

ناک میں مل گئے ولے آنکھ اٹھی نہ شرم سے

ہم سے برا نہ حق ادا اس کی نگاہ ناز کا

ان اشعار سے ظاہر ہے کہ ان کی فکر میں میں تصرف کی جھلک بھی ملتی ہے۔ خجدا اور نمونے،

دیکھا ہے چشم شوق نے تجھ کو غلط غلط

ترجیبوہ گریہ میں تھا دہاں کس کو ہوش تھا

نزدے نڈے پر جلال یار ضرور امن ہوا

گر شے گر شے میں سپہ راہ آرزو روشن ہوا

کار فرمائے جہلی جب رنج مکش ہوا

برق سے دست دگریہاں شوق کا غم میں ہوا

عبد ہو دستندوں ہے ترا نفس قدم
بے لادوں کا وہی ملھا وہی سامن ہوا

ہمیں تو ایک سوا ہے اُس کا جسوہ ناز
کر آشکارا ہوا اور پھر بھی ماننا

اب تک نظر آجاتی ہے مشتاق دلوں کو
وہ برق تجلی جو سسر طور نہیں ہے

نعت اپنے موضوع کی ہم گیری اور بندہ کے لحاظ سے ایک اعلیٰ صنف ہے۔ وحشت نے اس صنف میں بھی بڑی جدت، تازگی اور نوازش کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے۔ ترائے وحشت، وہاں وحشت اور نقوش و آثار میں ان کی نعتیں کافی تعداد میں موجود ہیں، انہیں کسی کارِ دو عالم سرور کا نعت رسول کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے بچنا وہ حقیقت و محبت اصلا ہمارے عشق و ملاقات تھی، حضور پروردگار کا نام سن کر آبدیدہ ہو جانتا اور ان کی یکبیت لوگوں نے خاص طور پر سیرۃ النبی کی محفلوں میں دیکھی ہے بقرۃ سیرت

جب نام تلا لیئے تب چشم بھرا دے
اس زندگی کرنے کو کہوں سے بگڑا دے

خود وحشت کہتے ہیں س

مرا دھنا نئی کے عشق میں طرفِ اُٹھائے گا
محیطِ شوق ہے ایک ایک قطعہ دیدہ ترا

قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی بحبکم اللہ۔ یعنی اے رسولِ مسلمانوں سے کہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو پہلے
باتیار کرو۔ پھر اللہ بھی تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں مولانا کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی محبت و
نعت اصلاً رسولِ کریم سے عشق مولانا کی زندگی کا نصب العین تھا۔ اپنی اس سعادتِ مندی کا اظہار بار بار انہوں نے اپنی نعتوں میں بجا اظہار کیا ہے وہ عشق
لی کے کس دھڑکنے۔ تھے۔ اس کا اندازہ ان اشعار سے لگایا جاسکتا ہے۔

پیام حقِ نسا سننا ہے گوشِ دلِ ہمیشہ کا
مرا ہر نفس ایک نغمہ ہے اللہ اکبر کا
خوش قسمت شب و روز اپنا دل محوِ تعبد ہے
کبھی زلفِ منبر کا کبھی دوسے منور کا
موسمِ دم ہے دم جب تک یہی میری تنہا ہے
کہ دم بھرتا رہوں میں اپنے آقا اپنے سدا کا
یہ کنس کے ذکر سے کام وہن دے ہیں لذت میں
نگہ نہ ہوتا ہے اپنے ہر نفس پر مریجِ گوشت کا

یہ کیا کم ہے کہ وحشت باہمہ جو دم رسیدہ باری
 بہ را مدد بخشہ ہے شیعہ مدد بخشہ کہ
 مولانا خلیفہ کام کا ایک پیر ہے جو کہ انہوں نے انہوں میں صحت گرم کے احسانات، کمالات، تعلیمات اور فیضانِ بیکر میں پرستی
 ڈالی ہے سرکارِ دہ عالم ہے "غلاب کس اب ولعیت کیسا تھکیا ہے۔"

نورافسین عظیم اے رہنمائے حق مسلم ہے
 تری تعلیم کا مریون احسانا عالم ہے
 اخوت کا سبق قرآن دیا سارے زمانے کو
 بنا یا مرکزِ اخلاص اپنے آستانے کو
 تو ہے قربان اے ختمِ رسل کیا شان ہے تیری
 قبائے رحمتہ للعالمین پہمان ہے تیری
 تیز رفتاری و باطل دی تری تعلیم قرآن نے
 زمانے کو کیا مومن تیرے فیض و احسان نے
 سلام اے باقی دین میں ختم و رسل تو ہے
 گھستہ جہاں کا من جس سے ہے نہ گل تو ہے
 دیا درسِ مسافات اہل عالم کو تری کونے
 طریقہ سارے عالم کا بدل کر رکھ دیا کونے

تو جو اے ابو عرب، عالم کی تربیت ہو گی
 لہذا تیرا کس کے جہلوے کی شہادت ہو گی
 لہذا تیرا رافع آثارِ خلافت ہو گی
 ایک عالم کے لئے شیعہ ہدایت ہو گی
 کہیں نہ منہد انفس ہو تیرے کوچہ کا غبار
 مریض ابیہ سرسہ چشمِ بصیرت ہو گی

تکفیر اور اس کی حدود

دو مسلمان دوست ایک دوسرے سے ملے میں اذیت بات چیت ہوتی ہے۔

ایک ایک کو جواب آپ کی سبھیوں جگہ کی اذان ثانی کس جگہ ہوتی ہے۔

دوسرا۔ جہاں تمام ملک اور دوسرے ممالک اسلام میں ہوتی ہے یعنی طیب کے دوسرے۔

پہلا۔ گریہ تو بیعت ہے۔ یہ اذان تو دواؤں سے سب سے پہلی ہے۔ کیا آپ نے علی باب المسجد میں پڑھا۔

دوسرا۔ گریہ کی یاد کی الامام الامام کے سامنے کو کی کیجئے گا۔

پہلا۔ بنیدی میں تو بڑی گناہ نش ہے۔ وہ تو خدا نظر کو بھی شامل ہے۔

غرض دینک بحث و فکر رہتی ہے آخر پہلے بزم کی بارگاہ جلال سے دوسرے حق میں فرائض کلمہ دہا دہا ہے۔ جس کے ساتھ تہذیب و تمدن، تہذیب و بیعت اور تقدیر کا کج بھی تاکید ہے۔

یہ کوئی فرضی کہانی نہیں ہے بلکہ حقیقت کی دنیا میں ایسے واقعات ہر جگہ ہیں کہ دعا عیون نے نہیں، دوڑے عالم نے ایک جڑی سے کو وجہ نزع بنالیا۔ اذان سنت رسول اور شعار اسلام ہے۔ لیکن اگر اذان کے بغیر نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہر جاتی ہے گو ترک سنت کا گناہ ہو گا مگر یہاں اذان حمد کو جو ایک جڑی چیز ہے کفر و ایمان کا سوال بنایا گیا۔

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم لوگ تکفیر اور کفار کے معاملے میں کس قدر دلیر ہیں حالانکہ شرعاً بطور مسلمان کو کافر ٹھہرانے کے سلسلہ ب کافی حدود و تیر و گنگائی میں بقرآن حکیم میں ہے۔ ولا تقوا لامن الا حق ایکھ۔ السلام لست مومننا یعنی جو شخص لا خیار اسلام کے لئے (تہ ہے سلام ٹیک کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مومن (مسلمان) نہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ مرداس بن ہبیک اسلام لئے لگے لگان کی قوم شرف بہ اسلام نہیں ہوتی۔ جب ان کے خلاف میں حضرت اسامہ بن زید کی سرکردگی میں اسوی لشکر پہنچا تو اسے لوگ تو بھاگ گئے لیکن مرداس نہ گئے، لشکر کو دیکھ کر انہوں نے سلام پا اور کھڑے ہوئے۔ اس کے باوجود حضرت اسامہ نے ان کو دشمن سمجھ کر قتل کر دیا۔ جب حضور کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ اسے تہذیباً ماضی ہوئے (تفسیر رک التفسیر) بیان القرآن میں ہے کہ حضور نے حضور کے بھائی کو ان کی دین اور افراتی۔ بخاری، ترمذی اور مسند میں نقل کرتے دئے کا نام ہیں، بقرآن حضرت عقدا کو قتل کیا گیا ہے۔ البیہی ایک واقعہ حضرت عائشہ کو بھی پیش آیا کہ انہوں نے ایک شخص کو غلطی سے قتل کر دیا، اور رسول اللہ نے ان پر عتاب فرمایا کہ بنی شقیقت قلبہ۔ کہا تم نے اس کا دل پیر کر دیکھ لیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یہ دیکھ گار میں تیرے حضور میں قتال میں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوں۔

غرض تکفیر میں سخت رعایت ہے۔ بخاری میں حضرت ابو ذر سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جب کوئی شخص دوسرے کو یا کفر سے منسوب کرتا ہے اس سے دھماکا لیا نہیں جتنا تو وہ منکر یا کفر پہلے شخص ہی پر لوٹ آتا ہے۔ ایک جگہ اشتادہا ہے من قتذ مومننا

بکھیر فرموا کہ قتلہ یعنی مومن کو کھسکی بہت لگانا اس کو قتل کرنے کے برابر ہے۔ امام بخاری نے اسی سلسلے میں باب باندھنا ہے۔ باب من انکف
اخلا بغير ما دین فرموا کہ قال یحییٰ بن جعفر (رحمہ اللہ) اچھے بھائی کی تکفیر کسے تو وہ دینا ہی ہے جیسا کہ اس نے کیا۔ علیؑ ہذا باب من
لہ برکات من تادینا ولا جاحلا یعنی جو شخص تادیل کے ساتھ یا ناقافی سے کوئی بات کہہ دے اس کی تکفیر کو جائز نہ جانتا۔ اس ضمن میں یہ
حدیث نقل کی ہے کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کو کافر کہہ کر پکارتا تو ان میں سے ایک ضرر دہ کافر ہوگا۔ دوسرا کافر کہے گا یا میں نے غلطی سے کافر کہا۔
نیز حضرت جاحلؑ کا مائدہ لکھا ہے جنہوں نے کفار قریش کو حضرت پیر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنگی اسلحہ سے ملو کر دیا تھا۔ اسلحہ کو اس شخص
پر حضرت عمرؓ نے منافی کہا۔ لیکن حضرت نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ کرتے ہوئے ارشاد کیا کہ ایسا نہ کہو۔ جاحل ہند کی ہیں، تمہیں کیا خبر کہ حق تعالیٰ اہل ہند کی
تمام خطائیں معاف فرما چکا ہو۔ یا ایک بار حضرت معاویہ بن جہل نے ایک مسلمان کو منافق کے لقب سے یاد کیا جس میں حضرت نے فرمایا یا معاویہ! ان بات
معاذ کی تم لوگوں کو نقطہ میں ڈال دو گے۔

ان نفعی محسوس و صریح کی سہولت میں علما۔ اسلام اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں، بشرط عقائد نسبی میں جو حدیثوں سے
ہماری احادیث میں شامل ہے تشریح کی ہے کہ وہ من قواعد اہل السنۃ والجماعۃ ان لا یکلف احد من اهل القبۃ یعنی اہل سنت وجماعت
کے اصول میں یہ ہے کہ اہل قبلہ میں کسی کی تکفیر نہ کی جائے۔ اس کو اسلحہ کا مسلک بتایا ہے۔ حضرت امام اعظمؒ سے بھی یہ قول منقول ہے کہ لا تکف
احداً من اهل القبۃ۔ اہل سال یہ ہے کہ اہل قبلہ کن ہیں۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو ہندی کسی مسلمان پر ہے اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے
اچھا راہ زنجیر کھائے وہ اسلام کی پناہ میں آگیا۔ (بظاہر اس حدیث نے اس عقیدے کو غلطی طرح میں لکھا۔ مگر علما کی ایک بڑی جماعت دوسری شخصوں کے
پیش نظر اس طرف تھی کہ اہل قبلہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو ضروریات دین کے قائل ہیں اور جو ضروریات کے تکیہ پر شہادت عالم عشر اہل حق تعالیٰ
کے عام کلیات و جزئیات پر نہ پراختیا وہ نہیں رکھتے وہ اہل قبلہ میں شامل نہیں ہیں۔ خود اسلحہ بھی اسی تعبیر کے حق میں ہیں، حاشیہ خیال میں ہے کہ اس طرح
مسائل اچھا یہ میں کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔ البتہ ضروریات دین کے منکر وہ بھی کافر کہتے ہیں۔ تاہم فقہاء و متکلمین کے اکثر نے تکفیر کے کچھ حدود مقرر کیں
جن پر آگے بحث آتی ہے۔

پہلے ضروریات دین کی ترمیم کر دی جاتے ہیں سے زیر نظر مسئلہ کسی قدر صاف ہو جائے۔ وہ عقائد جن پر ایمان کی بنیاد ہے ضروریات دین
ابھاتی ہیں، جیسے خدا، رسول و قیامت وغیرہ پر یقین رکھنا، اگر کوئی شخص خدا کو نہیں مانتا، یا مانتا ہے مگر اس کی ذات و صفات میں دوسروں کو
شریک گردانتا ہے۔ یا اس کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتا ہے یا قرآن مجید کو جھٹلاتا ہے یا رسالت کا منکر ہے یا رسول مقبول کا یا آپ کی خلیفہت کا
حق نہیں یا قیامت پر اعتقاد نہیں رکھتا تو وہ بشر عامہ اسلام سے خارج ہے۔

لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا۔ حضرات علمائے نے تکفیر میں کافی احتیاط برتا ہے اور اس پر متعدد پابندیاں عائد کی ہیں منجانب شرع فقہاء میں ہے کہ اگر
کی کہے کہ میں نے دین میں آجی آنکھوں سے حق تعالیٰ کو دیکھا تو کافر ہو جائے گا۔ مگر محض روایت پر تکفیر کا اقدام نہایت خطرناک ہے۔ فان
نظروا فی افتاء الف کفار اہل من الخطا فی افتاء رسم۔ یعنی ایک ہزار کافروں کے متعلق فتویٰ میں غلطی کرنا ایک مسلمان کے بارے میں غلطی کرنے سے
بہا سنا ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی فرنگی علی سے مختلف فرق اسلام کی نسبت دریافت کیا گیا جس پر آپ نے جواب دیا کہ "حق اللہ اللہ کی کتابوں سے
ت کہ بہتر فرماتے جو اہل اہرام میں ہیں ان میں ایک بھی کافر نہیں ہے۔ بلکہ افتادان کے کفر کا بھی کفر ہے۔ جمید الشکر میں ہے کہ حدیث بدلتہ تفرقہ
ت میں اختلاف ہے نیز کہ امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ اہل سنت وجماعت کی کیا تعریف ہے امام نے فرمایا لا ینب ولا مریض ولا جاحل ولا
ر ولا تشییع ولا تھلیل۔ اسی کے ساتھ امام موصوف نے کہا کہ اہل اہرام کی گواہی مقبول ہے۔ اور جب ایسا ہے تو ثابت ہو گیا کہ وہ مسلمان ہیں امام محمد
فادہ فرمایا کہ بدعت کے پیچھے نہ جانا نہ جہاد اگرچہ ہر اکرامت، کیونکہ وہ بدعت کو حق سمجھ کر اس پر عمل ہے۔ دوسرے وہ تادیل سے کام لیتے ہیں اس کو

آدم برسر مطلب۔ تکفیر کے اقدام میں جو تیرہویں ان میں پہلی قید تادیب کی ہے یعنی اگر کوئی کفر سے عقیدہ نہ کرے تو اس کی تادیب کرنا ہر دوسرے تکفیر نہ کر جائے نہ جتنے فرق اسلام میں ہیں ان میں سے شاید ہی کوئی بچ سکے، مولا عبد علی نے بعض فقہاء کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص نفس قطعی کا جاتا ہو انکار کرے اور کہے کہ کوئی نفس قطعی فاسد ہوئی ہے تو اسے قتل نہیں کرتا وہ کافر ہے اور جو بتا دیں نفس کا انکار کرے اگرچہ وہ تادیب تادیب کہے جانے کے لائق نہ ہو انکار نہ ہوگا۔ اس ضمن میں ایک مثال ملاحظہ ہو۔ علمائے اماماء انہر جو مرقا متشدد کہتے تھے جسے معتزلہ کو مشرک قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ (معتزلہ) بندے کو خالق افعال مانتے ہیں بلکہ بعض نے تو یہاں تک کہا کہ معتزلہ سے تو بخوبی بہتر ہیں کہ وہ خدا کا صرف ایک شریک ٹھہراتے ہیں اور معتزلہ بے شمار شرکوں کے قاف ہیں۔ ان کے برخلاف مرقا شمس الدین خیالی کی رائے ہے کہ معتزلہ کو مشرک نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور بندے کی خالقیت یکساں نہیں ہے۔ اس احتیاط کا مبنی معتزلہ کا اپنے عقائد میں تادیب سے کام لینا ہے۔ احتیاط پر حضرت مولانا فضل الرحمن رحمہ اللہ فرمادے گا کہ ایک واقعہ یاد آیا جو دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ مولانا صرف ایک ہنسے کی خاطر غفلت بلکہ عالم شریعت اور عالم کتاب و سنت تھے، ان کے کسی مرید نے سوال کیا کہ حضرت یہ سید و سرسید کہتے ہیں، فرمایا یہاں وہ جانتے ہیں کہ کوئی مسلمان سنگ بھوکا نہ رہے، ماسی نے کہا میرا مطلب یہ نہیں ہے میں ان کے عقائد کی نسبت پوچھ رہا ہوں۔ مولانا نے جواب دیا یہ اولیٰ سے پوچھ کر کیا سب مجھ سے پوچھ رہے۔

دوسرا امر جو قابلِ توجہ ہے وہ مرقوم کفر اور التزام کفر کا فرق ہے۔ تمام کفر قریب ہے کہ نہ اس کفر کو اپنائے اور اپنا دارقہ اسلام سے خارج ہو کر قتل کرے۔ علماء کافرین یہ ہے کہ اگر کسی سے کفر یہ قول نفس میں پانچویں تو اس کی سرشت و تہات و صاف ظاہر کر دیں لیکن جس نے ارتکاب کیا ہے اس کو کافر کہتے ہیں مجتہد زکریا اور تمام مالک و احمدیہ کی تحقیق کے بعد کوئی حکم نکلیں۔

اس کے علاوہ خط و ملامت کے گھاسے کہ اگر کسی شخص میں سنا کرے وجہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ اسلام کی تو اس کے سنا کرے ہی کا فتویٰ دیا جائے گا۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ مجتہد ہے کہ سنا کرے کفریات کا ارتکاب کرے۔ تاہم کفر قریب پڑھنا یا اقتداء اسلام کرنا اس کے سنے کا نتیجہ ہے بلکہ جب کسی کی نزاعی مسئلے کے سنا کرے پہلو اس کی تکفیر کی دلی ہوں اور ایک پہلو اسلام کی طرف جھکتا ہو تو اس کو کافر کہتے ہیں اور احتیاج کن لازم ہے۔

یوں تو تمام فقہاء اسلام یکجہ رائے تھے کہ خلاف ہیں۔ لیکن امت کے یہاں اس امر میں زیادہ احتیاط ہے۔ اور آپ حضرت ابوحنیفہؒ کا قول پڑھائے ہیں کہ ہم اپنی قیادت میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے، یوں بھی شریعت شریف کا حکم ہے کہ مشرک کا فائدہ ظلم کو مٹا دینا ہے اور مرد و اطفال و دواب الشہات۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یہ پید پید جیسے ظالم اور بداعتمال کو بھی کافر نہیں کہتے۔

سنا کرے یا نہ کہ قصور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرنے والا آدمی کہتا ہے میں نے اس سے ان کے کفر میں کسی قائل اور نہ کہ مشرک کی گواہی نہیں ہے اور اس کفر کے بعد وہ اپنی تہوں میں تپ رہتا ہے کہ اپنی تہ سے امت محمدیہ مراد ہے نہ کہ کسی چھوٹے بی کی امت مثلاً یہ عجیب بات ہے کہ سنا کرے ملک میں اپنی سنت کے تین بڑے مذہب فکر ہیں۔ ۱۔ بدعتی اور بدعتی ۲۔ فرنگی علی اور فرنگی سنی المسلمین اس کے باوجود اس امر خاص میں یکدھ ہے فقط گتہ میں ایک مشرک کا ذکر کر دیا ضروری ہے۔ اب ہرگز نہیں ہے کہ علماء نے حنفیہ زید کو لائقِ امامت نہ جانتے ہوں یا سنا کرے اللہ سنا امام حنفی کی خدشات کی عظمت کے منکر ہوں۔ تاہم ہر جگہ جب متن رسم اللہ کیا کریں ہے تو سب مذہب اپنی اہمیت کا حق اس قدر موجب غمراں ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ ان میں سے بعض کے نزدیک یہ حکم نقل دینا ثابت نہیں اور بدعتیہ یہ ثابت وہ کبیرہ کہ سب سب تکفیر نہیں کہتے۔ البتہ حضرت امام غالی تمام کی عظمت اللہ تعالیٰ کی درجہ کی ہر عداوت کے سب قائل ہیں بلکہ یہاں امام کا قائل نہ ہو دوسرے سے قائل نہیں۔ تاہم یہاں سب جگہ کہ ہم حضرت مولانا عبدالحق فرنگی پورہ کی محنت نقل کی ہیں جس نے صرف صوفیہ کے پاس میں دبیانت کیا۔ جس پر فرمایا کہ یہ تو لوگ کہتے ہیں کہ اس نے حضرت امام کے نقل کا حکم دیا تھا اس قائل کے لئے ہر

عام طور پر مسلمان اور مالک اسلام میں شکات سے آج کل دوچار ہیں ان کا تعلق ہے کہ کثرت اسلامیہ امتراق کی جگہ اتفاق کو خدا بنائے اللہ کے لئے اپنے عطا کردہ قائم رہتے ہوئے کم از کم امر مشترک میں اختراک و تعاون کی راہ پر گام زن ہوں۔ مخالف جب اسلام پر اعتراض کرتا ہے یا مسلمانوں کو گزند پہنچاتا ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ فساد مستند میں اہل سنت کا مسلک کیا ہے اور دوسرے فرقہ اسلامیہ کا مسلک کیا ہے۔ یا مسلمان شخص یا گروہ کی ہے یا شیعہ۔ خلیفہ ہے یا اہل حدیث۔ ایک نکتہ ہوا جب ہمارے ملک میں مذمتہ العلماء کا قیام ہی نقطہ نظر کے تحت عمل میں آیا تھا۔ خود پاکستان نے اس سلسلے میں ایک اچھی مثال قائم کر دی جب کہ دستور سازی کی غرض سے مولانا سید سلیمان ندوی کی صدارت میں علماء کی ایک کمیٹی بنائی گئی اور اس میں دیوبندی۔ بریلوی۔ اہل حدیث ایشیائی علماء نے باہمی اشتراک و تعاون سے ملک کا دستور کی خاکہ مرتب کیا۔ کیا وقت نہیں آیا کہ ہم داعیہ ہوا میں ملوث جیسا کہ محمد صادق بن جابر کا کم از کم امر مشترک میں تظاہر و تعاون کو کام میں لائیں۔

نکتہ کا بقیہ۔۔۔ پر ماضی تھا غلط ہے اللہ بخش کہتے ہیں کہ میں گن و گریو ہے۔ کفر نہیں ہے۔ اللہ یہ نہیں چاہتے کہ کفر تو افسوس ظفر ہے۔ خدا یا تے رسول کی تسبیح و تحریف رکھتی ہے۔ ان اللہ دین یوسفون اللہ و دوسرے۔۔۔ عذابا ہمینا۔ جو کہ اللہ اللہ اللہ کے رسول کو انیت پر پہنچا ہے ان پر اللہ دنیا و آخرت میں لعنت کرنا ہے اللہ ان کے لئے لعنت کا خطاب قسم دیکر ہے و اس کا احتمال قویہ۔ احتمال ہی احتمال ہے۔ اسی بنا پر امام بخاری بن جنس و غیرہ نے اس پہ لعنت کی ہے و دیگر مفسرین نے اسے اعمال بدیع سے صحیح کے بارے میں بھی امت میں تین مسلک ہیں۔ خود چر صحبت کو کفر ٹھہراتے ہیں۔ اہل سنت و شیعہ اس کو مذکور کچھ ہی پہنچا ہے کتب کتاب اللہ ان کافر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ چاہے کتنا دے چاہے وہ مناف کر دے ان کے برخلاف متزلزل اس کے لئے شہرہ بین المنزلیں ثابت کرتے ہیں جو کہ کفر ہے نہ اسلام و عقائد محمدیین

سوان برانڈ
صابن



ذوالفنت رند سیریلیس

چھ انز مضبوط

مولانا مفتی محمد یوسف صاحب کے دو مکتوبات حق پسندی، تہق گوی اور دی تیر خواہی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی جیسا عظیم مفکر اور لیڈر ہیں پیدا ہوتا ہے، دنیا نے اسلام کی یہ واحد و منفرد شخصیت ہے، جس کے انکار
غریب و بزم کو متاثر کیا ہے اور جو ہر عرصہ پر جاندارین و جاندارتوں میں سے سب سے زیادہ آزار دہ ہے، مولانا مودودی کی تفسیروں نے غنہ کیوں
پر مسند دینی انقلاب برپا کیا ہے، ہر آدمی کو علم یافتہ و فاضل بنانے کا ارادہ ہے، جو مولانا مودودی کی گن میں چڑھ کر دین سے غریب ہوئے ہیں اور ان
کی سیرت و کردار میں اسلامی اخلاق و تشکیلات کی شکل اور جلوہ گر ہوا ہے جو عالمی حق سے زیادہ قدسیت رکھتا ہے، آج اسی کے سب سے زیادہ
مطرحین اسلام نام کے کئی گوشہ نشین کی جارہے ہیں، انہوں کی ذات چاروں طرف سے حملوں کا ہدف بنی ہوئی ہے:

کچھ لوگ وہ ہیں جو جمہوریت اسلامی سے نفرت رکھتے ہیں، انہیں اگر کچھ ہے اور وہ سب کا کام چھوڑ دیا جائے گا، انہیں ہر جگہ سے کڑی مخالفت ہو رہی ہے کہ کمال سے مولانا
مودودی کا نام میں بے وقار ہو جائیں اور سب کے بیان کے لئے کافی مقام محروم باقی نہ رہے، ان حضرات کے گرد پیش، مشکلات کا جال
بھی پہلے کوشاں اور اپنی توانائیاں ان مشکلات کے خلاف صرف کرنے لگیں، انہیں آج کے دور کی نگاہوں میں اس دور کے بڑے دانشور
مسموم مکتوب ہے:

بعض علماء نے تو خداوند کی حد تک کفری افشاں لائے کسی کی مخالفت میں جس حد تک جانے سے سلاہ ہے
یہ کہ وہ ان تمام حدود کو چلا گیا، اس شخص و مصلحت کی ابتدا یہ ہے کہ صرف جماعت اسلامی کی مخالفت کے لئے تمنا سے غریب کی مرتب
زیادہ غلط فہمی اور نفی جماعت، اعلان اسلام، گمان دہانی نے مضمون کیا اور ان کی مظلومیت ان مشیرت کی سنگین گزند ہمارے
مناظرہ کے لئے اس حد تک عاقل کے سب سے بڑے نام۔۔۔ جمال ناصر۔۔۔ کی حمایت دیا گیا، بلکہ مدح خالی سے خالی، قلمی غیر درست و
کردار اور فسق و فحش سے بھرپور ہے، اس حد تک پہنچ جائیں، تو کوئی کچھ بھی کر لیا کہے:

مولانا مودودی نے، خلافت و ولایت کے مکران سے جو مضامین لکھے ہیں اور جو کتابی صورت میں شائع ہوئے ہیں اس سلسلہ میں مولانا
یہ نفع اور توجہ سے ہماری تہنیت لگائی جا رہی ہیں:

کوئی صاحبِ خدائیتش فاضل و دارالعلوم دہلی نہیں، ان کے نام سے نشان سے ایک پوسٹر لگا ہے جس میں مولانا مودودی کو
تفصیل سے کہا کہ ان کے نام سے کوئی فرقہ منسوب کیا گیا ہے، یہ پوسٹر منظرِ قریبی جا بھی لے رہا ہے، مفتی صاحب نے

لے ہوا ہے اس حضرت مولانا صاحب کی اصل خط لکھ گئے ہیں، اردو پوسٹر بھی: پتہ میں

مفتی عزیز الرحمن قریشی گزشتہ روز کوئی معرفت صاحب اندرون دہلی گیت خانہ شہر لکھا ہے۔ اعلان دہلی کی پست پر عبارت ہے۔

شیخ محمد عروب صاحب سابق ناظم جمعیت اسلام خاندان، جو کہ جمعیت اسلام کے منتظمی ہو کر

ظاہر سے اس سلسلے میں شامل ہو گئے ہیں۔

دعا صلاہ، اگر وہ تنگ کی خدمت میں پہنچ دیا، مولانا موصوف نے اس کے جواب میں جو کتب لکھا ہے وہ سب ذیل کی جاڑ ہے
 حضرت مکتبہ اہل ان کے مولانا محمد یوسف صاحب کی پسند و علم میں اسلئے کتابت کی
 کے فضل سے کسی گری مصیبت میں آلودہ نہیں ہیں، انہوں نے پوری حیات کے ساتھ حق باتیں کہی ہیں، ادا اس کی پیدائش کی کہ خدا ان
 کے مسلک کے علم و ان کے فرائض پر چاہیں گے، مولانا موصوف کی تحسیر میں پڑا قرآن اللہ سبحانی ہوتا فکر پائی جاتی ہے، ملت کی غیر غری
 اور اسلام کی مدد میں سے ان کا دل بریں ہے جس کی جھلکیں ان کے دلی خطر میں نظر آتی ہیں، یہی وہ حق گوئی ہے جس نے تاریخ کے
 ہر دور میں حق کی خاطر مظلوم انسانیت کو بے رحمی سے اور حق پسندی کے پرچم بند کئے ہیں۔ (دم-ق)

۱۲ اکتوبر ۱۳۳۷ھ

محترم المقام اذید محمد !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! اُمید ہے مزاج گراہی خیر ہو گئے۔ آپ کا دلانا مرہرہ عشر رسولی ہما، پھر شکر منہجات کو دیکھ کر دیکھ بھی
 ہما، اور تعجب بھی، دیکھ کر اس لئے ہر اک اسلام کی عزت، بلکہ انہی مظلومیت کے دعویٰ کا یقین اسلام اور ہابانی خیریت پہ کیا مشغول اختیار کئے ہر مہم ہا اور
 ان کی دینی دہنگا ہوں میں فضلہ کو کی یکسی تربیت پوری ہے، کیا اب ان کے کرنے کے لئے دوسرا کوئی کام نہیں رہا ہے۔ بخیر اس کے کہ مولانا موصوف کی کوئی تکفیر و تفسیل
 کے لئے نہ بنیں؟ انورس اور دوسرے انورس۔

اور تعجب اس لئے ہر اک میں مومن کی بنیاد پر حضرات مولانا موصوف کی ذات کو ہدف ملامت بنا رہے ہیں اس میں مجھے کدوم سے خلق مولانا نے مہمات نفق کے
 ہیں وہ سب کے سب تاریخ کے معتبر مضامین سے باخبر انفق کئے ہیں اور خود مولانا کے یہ ناقدین اور مفسرین حضرات بھی مفسرین ہوں گے کہ یہ تمام کے تمام واقعات
 سب کے سب مسلم مومنین نے مرتب کر کے اپنی اپنی تھانویں میں رکھ لئے ہیں نہ کہ مولانا موصوف نے انہیں از خود لکھ لیا ہے۔ تاہم اگر لائق ہے حضرات حق شناس کے
 تہذیب سے سرشار ہیں اور واقعات بھی ان کے نزدیک قرین اعتبار میں اور یہ حقیقت بھی ان کے نزدیک مسلم ہے کہ ان کا نفق اور اپنے کسی مفسرین یا تعقیبات میں ان
 کا مجسمہ ذکر میں وہ ناقابل معافی جرم ہے جس کا مرتکب، لا محالہ توین صواب کا جرم تصور ہوگا اور اس بات کا مستحق ہوگا کہ اس تکفیر یا تفسیل کے خلاف
 فتاویٰ داغ و سہ جائیں تو یہ بات جاری کچھ سے بااثر ہے کہ سب پہلے لائق تکفیر یا مستحق تفسیل تو وہ مسلم مومنین ہیں جنہوں نے دنیا سے اسلام کے سنے
 واقعات کی حیثیت سے مثلاً جملات صوابیہ کہ یہ واقعات پیش کئے ہیں لیکن ان سے یہ ناقدین حضرات کس طرح غافل ہیں۔ نہ ان کی زبان ان کے حالات بن
 سکتی ہیں اور نہ ان کو معمولی سے عمرانی جنس دیتے ہیں۔ حالانکہ البادوا کا اہم کے مسلم قانون کا وہ ہے ان مفسرین حضرات کے نزدیک مسلم مومنین ہی سب کے زیادہ
 اور سب کے مقدم جرم ہونے چاہیں کیونکہ انہوں نے سب کے اول اس جرم کا ارتکاب کیا ہے اور انہوں نے والی اصولی کے لئے ان قرین اعتبارات کے نفق کرنے کا دھڑا
 کھولا ہے اب ان سے ان کی یہ ممکن غرضی اور مولانا موصوف کی ذات کی کوئی تفسیل یا مشین گزری کی گزیریں کے لئے لائق نہ بنا نا ہر شخص جانتا ہے کہ یہ سب
 کچھ حقائق صوابیہ کے جنبہ سے نہیں بلکہ ذاتی انقض اور حذر کے جنبہ سے کیا جاتا ہے اور اس صوابیہ کی حفاظت کا جو یسین اس پر چسپاں کیا جاتا ہے اس
 کی حیثیت پر حقیقت سیدہ اور نصف خراج آدی کے نزدیک کلہ زمرن ایدہا ہما اہل۔ سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کے متعلق مولانا نے جو کچھ اپنے مفسرین میں لکھا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں نہ مولانا نے اپنی طرف سے انہی کوئی بے بنیاد مزاح لکھا ہے بلکہ مولانا نے صدیق پہلے
 یہ واقعات بہت بڑے بڑے مورخین اور مفسرین نے ذکر کئے ہیں اور اسی طرح ذکر کئے ہیں جس طرح کہ مولانا موصوف نے نفق کئے ہیں مشہور فاضل و بلند
 صاحب نے اس سے جو مستنبط اور استنتاج کیا ہے اسے دیکھ کر مجھ کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ بے جا ہے اسی تک اہل کتب میں سے ہیں اور بعض سے انہی
 بیش زیادہ غالب آچکا ہے نیز انہوں نے اس بات میں بھی غرض نہیں فرمائی ہے کہ جس واقعات کی بنیاد پر وہ مولانا موصوف کو کلمہ زندیق اندکھ لکھتے ہیں وہ
 واقعات تو حاصلاً امت کے تہذیب و ادب اور مذہب و عقائد کے ذکر کئے ہیں تو کیا ان کے اس فتوے اور الزامات کی زندگیوں وہ تمام علماء اور محدثین و فقہاء

نہیں آئیں گے۔ جنہوں نے سب سے پہلے اس قسم کے واقعات ذکر کئے ہیں؟ یہی واقعات حضرت عادیہ کے متعلق بھی مسلم مرثیہ میں اور حضرت ابو جہشینؓ کی کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ تو ان کے متعلق ان فضلاء و دیوبند حضرات کا فتویٰ کیا ہو گا؟
والسلام

محمد یوسف

دوسری اہم کتاب

۲۰ مرتبہ برائے

جناب کا وہ نام موصول ہو کر باعث سرفرازی ہوا۔ یاد رکھیے کہ تفسیر مضمون ہوں۔ ابہد بعد ہی طرح آئندہ بھی یاد رکھیے کہ یہاں پر
جو حدیث کے لئے مضمون ہیں گا۔ جزا کھ اللہ۔

محترم! آپ نے اپنے حلیات نام میں جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ جی نہیں چاہتا کہ اپنی طرف سے ان کے جواب میں کچھ معروضات پیش خدمت کروں، کیونکہ ہر سکتا ہے کہ آپ بھی مولانا غلام غوث صاحب کی طرح غصہ ہو کر اپنے فیض و غضب کے لئے مجھ کو نہ جائیں، اس طرح ایک دوسری ناگوار بات کا آغاز ہو گا۔ جو چاہیں گے کہ بائیں پریشانی ہو گی۔ لیکن غلط کے بعض منہاجات کو سامنے رکھ کر محمدیہ پند گدشات پیش کرتا ہوں۔ خدا کہہ آپ کے لئے موجب غلط فہمی یا باطلت و تبذیر کی ثابت نہ ہوں۔

مذکورہ میرے محترم فریاد میں اپنے متعلق آپ کو یقین دلانا ہوں کہ میں کسی حد تک عزت و اہمیت حاصل کرنے کو چاہتا ہوں بلکہ تمام قطعی بھڑا ہوں، اسی طرح میں علماء و دین کے متعلق بھی وہ ملتے نہیں رکھتا جنہاں آپ کی رائے تو ان کے بارے میں یہ ہے کہ یہ لوگ غایت کوشش میں ہیں ابھار سکیں۔ اور بحث باطن کی بیماری میں بھی مبتلا ہیں اور دینی حادیں میں کہ کد کس قدر ہیں گواہ بننے کے ذریعہ نجات بھی بیٹھے ہیں۔ اس سے نیا وہ دین کی کوئی خدمت نہیں کرتے اور آپ کی نظر میں چندان قابل قدر کام نہیں ہے۔ اس کے برخلاف ہیں ان حضرات کے علمی کارناموں اور علمی خدمات دین کو بہت تسلی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ اس وقت جو کچھ اور جتنی کچھ پاک و ہند کی مسزین ہر اسلام کی روشنی نظر آتی ہے انہی حضرات علی دین کی انجیلی مسالی اور تبلیغی سرگرمیوں کا نتیجہ ہے جس سے تمام مسلمانوں کو اپنی کامنوں کا اہل بنانا چاہئے۔

علیہ مزید وہاں سے میری یہ تمنا ہے کہ اس وقت جتنی بھی اسلام پسند تنظیمیں اور دینی جماعتیں مسزین پاکستان میں اسلام کی حقیقی سرپرستی کے لئے غرض دل سے کام لے رہی ہیں وہ سب سب بہتر تھا کہ متفق ہو کر اعلامیہ لائحہ عمل کی مشورہ و جدوجہد کا آغاز کریں اور اپنے اپنے فرائض اور دینی مسالہ پختہ کر کے تمام قہر انجیر تنظیموں کے مقابل میں بنیاد مروج بن کر ہیں اور اپنے اتحاد و عمل سے ثابت کے دکھائیں کہ جو ہم اپنے فرائض تک کے اہتمام سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں مگر اپنے مشترک اندیشی سے متعارف دین کی حفاظت کے لئے آج سے چودہ سو سال قبل ہیں داعیہ و اجمل اللہ جہاں ولا نفسہ ۱۔ کا جو سبق پڑھایا گیا تھا اس کے اہرے نقوش آج بھی ہمارے دل و دماغ پر پوری طرح ثبت ہیں نہ کہ وہ مٹ چکے ہیں اور ہماری اس متاع دین پر جو یہی حمد آور ہوں ہم ابھی طرح ان کے حلقوں کا منہ تو جواب دے سکتے ہیں اور دماغ کا لٹیرہ بھی اٹا کر نہ چاہتے ہیں۔

علیہ اس وقت مسزین پاکستان میں اسلام کی حقیقی سرپرستی کے لئے جو لوگ اپنے غرضوں کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ خواہ آپ براہ کرم نہ ماضی مگر میں بلا خوف و تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ بہت ہی تنظیموں سے وابستہ حضرات ہیں۔ ان میں سے ایک تو اہل حدیث حضرات ہیں، جو اگرچہ اپنے مخصوص مسلک کے لحاظ سے عقیدین حضرات سے الگ اور قدس سے دور ہیں مگر حقیقتاً بہتر مسلم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ وہ دوسرے تمام اسلام پسند حضرات کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ اس ملک میں قرآن و سنت پر مبنی نظام اسلام کو دیکھنے کے نہ صرف خواہشمند ہیں بلکہ اس کے لئے مقدور بھر سہی اور جدوجہد بھی کرتے ہیں۔

اور دوسرے وہ علماء و کرام ہیں جو دینی زندگی و کتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ خواہ وہ حضرت قاضی محمد انصاریؒ کے مشرب سے متعلق ہیں یا حضرت سرفراز مفتی رحمت علیہ کے ناصر مسلک۔ ان کی لغت و تحید و سنت سے وابستہ ہیں۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جو جماعت اسلامی سے منسلک ہیں۔ پاکستانی عوام اور تعلیم یافتہ دونوں طبقوں پر موزوں الذکر دونوں جماعتوں کا جو اثر ہے وہ دوسری

کی ہر حرکت کو حاصل نہیں ہے اس لئے اسلام کے مذاہب کا طرز میں جیسے ان دونوں جماعتوں کے اتحاد اور اتفاق کا خیال رہا ہوں اور جب ان کے صحابہ اختلافات اور کشمکش کو دیکھ رہا ہوں تو خود ہی بہتر سامنا ہے کہ مجھے کس قدر دل رنج ہوتا ہے اور کتنی پریشانی مجھے اٹھانی پڑتی ہے۔

علامہ ابن ابی شیبہ کے صحابہ جو اختلافات سامنے آئے ہیں یہ حقیقت ہے کہ ان کی حیثیت فروعی اور فقہی اختلافات سے زیادہ نہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فقہی اور فروعی مسائل میں ہے حالانکہ انہیں کئی نہ اپنے فقہی مسلک میں ہی کو خیر مانتے ہیں بلکہ وحدت وحدت سے کام لیتے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ ان کے وہ دونوں جماعتوں کے مابین جو نزاعی مسائل ہیں انہیں اصولی مسائل قرار دیں گے یا ان میں سے باہمی اختلافات کو بدایت اختلافات کا اضافہ نہ کریں گے۔ اس لئے اسلام کے اصولی اور بنیادی مسائل میں دونوں جماعتوں کے صحابہ ہرگز اختلاف نہیں ہے بلکہ اپنی طبیعت سے جو بعض حضرات ہی ہیں۔ جو خواہ مخواہ ان مسائل کو کھولنے کے لئے کام کر رہے ہیں دوسرے کے خلاف صرف آواز نہیں ہے اور ایک دوسرے کی مخالفت کر رہے ہیں۔

علامہ ابن ابی شیبہ کے اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کیلئے مداخلت اختیار کر کے اسلام کے عظیم تر مقصد کے لئے تمام بین پسند جماعتیں مل کر کام کر سکتی ہیں اور دین کے مشترک مذاہب کی حفاظت کے لئے ایک دوسرے کے قریب بھی آ سکتی ہیں مگر ایک ایسا کیا جاتا ہے جو دیکھتے ہیں کہ دین کے بنیادی احکام ان کے سامنے یہ پائل کئے جا رہے ہیں اور اسلام کے قوانین کو نئے دین کے لئے نہ بنایا جا رہا ہے مگر ان حضرات کو ان کی کوئی فکر نہیں ہوتی ان کو اگر کسی کے دوسرے بت کی کہ ہم اپنے فقہی اور فروعی مسائل کو محفوظ رکھیں اور اسلام کے قوانین کو نئے دین کے لئے نہ بنایا جائے ان کے نزدیک دین کے اہم تر مقاصد ان کے تحفظ کے لئے زیادہ اہم نظر آتا ہے، حالانکہ یہ بہت بڑی فحش فحش غلطی مسلم ہوتی ہے۔ خود ان کو اسلام کے باہمی اختلافات سے متاثر نہ تھا جتنے ہوئے مگر ایک دفعہ مخالف اسلام طاقتوں نے اپنی تخریبی سرگرمیوں سے اسلام کو کھلی زندگی سے قانونی یا غیر قانونی طریقہ سے بے دخل کر کے رکھ دیا تو اس وقت آپ کیے جو کچھ چھوٹے گروہی مذاہب ہرگز محفوظ نہیں رہیں گے اس وقت نہ یہاں دین و طبیعت ہے گی نہ یہ بیعت و طاعت، ان تمام بخودی مذاہب ان کا تحفظ اس وقت ممکن ہے جب کہ اسلام محفوظ رہے اس کے بغیر اس کا نقص بھی نہیں کیا جاسکتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس قسم کے فروعی اختلافات کو جب بھی اصرار اختلافات کا درجہ دیا گیا ہے تو اس سے ناخوش اسلام نے فائدہ اٹھا کر اسلام، احکام اور تہذیب کے بہت سے سرگرموں پر قبضہ کر کے پھروہ وہ تباہ کاریاں کی ہیں جنہیں سن کر ان لرزہ برانداہم ہو جاتے ہیں پھر اس کے بعد نہ وہ گروہی اختلافات رہیں اور اختلافات۔

علامہ ابن ابی شیبہ کی حقیقت اگر آپ کی نظر سے آج بھی نہ ہو تو آپ کا انصاف یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان دونوں جماعتوں کے مابین جو اختلافات دین کے لئے جدوجہد نقصان دہ ہیں جو لوگ ان کے صحابہ یا حلیہ اختلافات کے بیچ سے کوئی نہ کہ نہیں سرگرمی دکھا رہے ہیں وہ دین کی خیر خواہی نہیں کرتے بلکہ ہمارے اس کو ناخوشی کا نقصان پہنچا رہے ہیں میرے نزدیک اس مسئلہ میں مولانا غلام غوث صاحب چونکہ سب سے زیادہ بینشی پیش ہیں اور ہم نے انہیں پانچنے کو ملایا اور کام و بجاہت اسلامی کے لوگ باہمی کر کام کریں یا دین کا ترغیب دینے سے روکا کریں اس لئے مجھ ان کے رویہ سے شکایت ہے اور جو لوگ اس معاملہ میں ان سے تعاون کرتے ہیں یا اس پر ان کی مصداق قرار کرتے ہیں، میں ان کے اس طرز عمل کا اسلام کے لئے جدوجہد نقصان دہ سمجھتا ہوں، میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ خدا کے دلائل ان حضرات کا یہ تعاون ان کے لئے قابل گرفت اور ناقص امر اخذ ثابت ہوگا۔

علامہ ابن ابی شیبہ کے کوئی ماس میں جو علماء کرام صرف مذہبی امور دیکھتے ہیں، لیکن آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ حضرات علوم دینیہ کی حفاظت کیلئے شبانہ روز کوشش کرتے ہیں اور اس جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے ذریعہ اسلام کی حفاظت کی جائے۔ یہ بات آپ ذہن نشین کر لیجئے کہ تاریخ کے مختلف تاریک دوروں کے فتنوں سے جو اپنی محفوظ شکل و صورت میں اسلام کو ہلکا کر دیا ہے۔ یہ مولانا غلام غوث صاحب جیسے بڑے علماء کرام جو اسلام کو بچانے کے لئے کوشش کرتے ہیں بلکہ فقہاء اسلام اور محدثین عظام کی اقتداء اور دوسرے دینی باکسیر ہیں یہی وجہ ہے کہ آج اگرچہ اسلام پر بظرف سے فتنوں کا خطرہ ہوتا ہے اور ایک حد تک عملی زندگی میں اسلام کی قربت اور گروہی محسوس ہونے لگی ہے مگر اسلام کے صحیح اور اصلی تصور کو اسلام کے دلی مدعا سے جو کہہ کر نہیں ہے بلکہ ان فتنوں کے ذریعہ اسلام کو بچانے کا یہی اصل مقصد ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ فتنوں کو روکا جائے۔

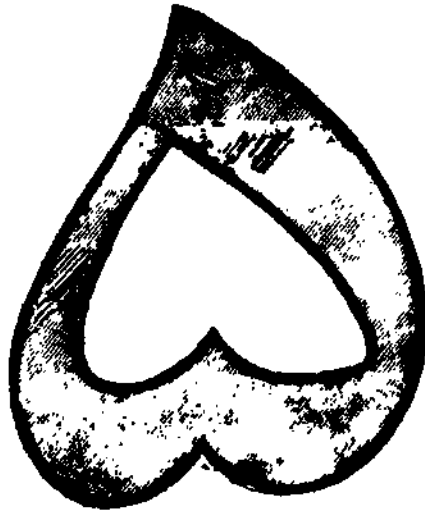
نئے اسلام کی صحیح تعلیمات اپنی تبلیغ و ترویج کے ذریعہ ہم تک پہنچانی ہیں اور انہی کی روشنی میں ہم نہایت آسانی سے اصل اور نقلی اسلام کی تمیز کر سکتے ہیں۔ ورنہ اگر واقعی میں وہ اپنی تعلیم اور درس و تدریس کے ذریعہ آنے والی اصولوں تک اسلام کی اصل تعلیمات پہنچانے کا انتظام نہ کر سکتے ہوتے یا تو مدارس و دینیہ میں غیب و وحشیانہ حضرات درس و تدریس کے ذریعہ اسلام کے اصل احکام کی نشر و ترویج نہ کرتے تو بہت سے نادان و اگلاز اسلام کے احکام پر عمل جو ای کر کے اس کا اصل جذبہ و نیکوئی کے رکھ دیتے، پھر لڑنے والے اور ایڈیٹروں سے کچھ نہ بن جاتا۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا ہے کہ: انما بعثت معلما۔

عزت آپؐ کو بھروسہ لازم نگارہے ہیں کہ آپؐ نے مولانا غلام غوث صاحب کے خلاف مواظبتا ہوا ہے لیکن یہ فعل تک نہیں فرماتے کہ پہلے کون محمدؐ آدھا ہے اور بے بنیاد الزامات کون لگا چکا ہے اور گالیوں سے جوٹ کا آواز کس نے کیا ہے۔ آپؐ کا انصاف یہ بھی فیصلہ نہیں کر سکتا کہ پہلے انہوں نے سسٹل جھٹے کئے ہیں اور میں صرف اپنا دفاع کرنا ہوں ایک جس میں مضمون ایسا نہیں جو دفاع کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ سارے کے سارے مضامین جوابی ہیں۔ میں مولانا غلام غوث صاحب کے محسوس کا دفاع کیا جا رہا ہے۔ سب سے تین چار سال سے مولانا غلام غوث صاحب سے یہ خلاف ورزی قائم رہی ہے۔ ان کا قسم ہے کہ ان کا جائز جیسے کہ ہے ہیں اور وہ صرف یہ کہہ کر میں مولانا مودودی کے بارے میں وہ سارے نہیں لکھتا جو وہ لکھتے ہیں حالانکہ میں ان کے جواب میں ہمیشہ خاموشی اختیار کر چکا ہوں لیکن ان کی یہ تمام حرکتیں آپؐ کے نزدیک ناقابل حجت ہیں اور جب میں ایسا دفاع کر رہا ہوں تو اسے آپؐ کا زکا نام و پتہ ہے۔ کم سے کم کہہ چکا ہوں کہ یہ لیکر اور اراکت تک کے نہیں ہیں اسلام کے پیچہ دیکھیں۔ بالخصوص اراکت کے پیچہ میں شیخ مسٹرین کے لکھ لکھان کے تحت جو کچھ میرے منتقین نے لکھا ہے اس کو ملاحظہ فرما کر خود فیصلہ کریں کہ مجرم کون ہے اور میں اپنا دفاع کرنے میں حق بجانب ہوں یا نہیں؟

عقلاً میں حیران ہوں کہ جب مولانا غلام غوث صاحب مجھے ملاحظہ فرمادیں وہ یہ ہے کہ آپؐ اس لئے یہ توجیہ کہتے ہیں کہ وہ معدوم ہیں کیونکہ ان کی طبیعت جسمانی واقع ہوئی ہے اور جب ان کی گالیوں کو لگایا گیا ہوتا ہے تو آپؐ اس کو نازی پسندوں کی باتوں سے تشبیہ دیتے ہیں یہ کیا اسلام حلال طبیعت رکھنے والے حضرات کو گالیاں دینے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں جسمانی گالیوں کو لگایا گیا کہنا کتب حرام کیا جا چکا ہے؟ یقین جانئے کہ دنیا کی کوئی بھی علالت انصاف آپؐ کی اس بات کے کسی منتقین نہیں ہو سکتی۔ آپؐ کو چاہئے کہ۔ گوئی قوانین اللہ متعہ آء بالاعتساف۔ یہ قائم ہیں نہ کہ لایا کچھ مشککہ نشان قوم علی ان لا خداؤ۔ کی خلاف ورزی کا ہر وقت مغاہر و کھتہ ہیں۔

ختم مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے بارے میں آپؐ حضرات کی حراست ہے یا ان سے آپؐ کو جو اختلافات ہیں کم سے کم مجھے تو ان کے متعلق یہ اطمینان حاصل نہیں کہ آپؐ کی یہ باتیں صاحب اور اختلافات ہر قسم کے تعصبات سے پاک اور ذاتیات سے بالاتر ہیں اس کو خواہ آپؐ مولانا مودودی کی جو کھٹ برسب کچھ نشانہ نہ کر سکتے تمہیں کیوں نہ کریں۔ مگر یہ حقیقت کہ میں جو وہ مواظبت سے آپؐ کے حلقے سے تعلق رکھنے والے اہل علم حضرات کی تحریروں اور اختلافی مسائل سے متعلق مضامین اور تصانیف و کتب کا مطالعہ کر رہا ہوں انہی حضرات سے نہایت گفتگو بھی کر چکا ہوں اور بہت سے حضرات کو قریب سے دیکھنے کا بھی موقع مل چکا ہے لیکن عدل و انصاف و صداقت و برحق کی تعصبات اور علماء حق کے فیصلوں کی روشنی میں جب ان اختلافات پر نظر ڈالتا ہوں، تو مجھے ہرگز یقین نہیں آتا کہ یہ تمام اختلافات نیک نیتی پر مبنی اور ہر قسم کے تعصبات سے پاک اور ذاتیات سے بالاتر ہیں اور حق کی خاطر ہی یہ تکتے ہیں۔ اگرچہ اختلافات کثرت میں ہیں۔ لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے اور اسی حد تک کہنا چاہئے کہ یہ اختلافات نہ ذاتیات اور تعصبات سے پاک ہیں اور نہ اپنی حدود میں رہتے ہیں۔ البتہ میں اکابرین و مصلحین و مجاہدین اللہ کی نیک نیتی پر مشرک نہیں کر سکتا لیکن ان کے ہر فیصلہ سے کسی طرح اتفاق ظاہر کرنا بھی اپنے لئے فرض اصدا جی نہیں جانتا ہوں۔ اگرچہ مسلک کے اعتبار سے انہی سے وابستہ ہوں۔ اور علمی استعداد کے لحاظ سے انہی سے شرف تکرار حاصل کر چکا ہوں۔ اس اختلافات حالیہ کے باوجود میں نے آپؐ کیسے جو کچھ اپنی رائے میں لکھی۔ بالمشافہ کیہ کسی کی ناجائز مخالفت یا حمایت پر مبنی نہیں۔ بلکہ اپنے علم کی حد تک میں اس کو حق اور منہی برائیات سمجھتا ہوں۔

غلام لیکن اگر آپؐ کو میری اس رائے پر کہ اختلافات تعصبات سے پاک نہیں ہیں؟ اختلافات ہر قسم میں آپؐ کو قابل اختلافات کا حامل دیتا ہوں۔ جو مولانا مودودی کے



انجلین

آزمودہ دواؤں کا مرکب



سردرد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Sporlit

۵۱/۵۹

ہر قسم کے سوتی دھاگے کیلئے ہمیشہ

الوفیا برائنڈ کو یاد رکھیے



فیروز سلطان انڈسٹریز لمیٹڈ سرائے روڈ کراچی

اپنے اہل و عیال کی معاش کے لئے کپڑوں کے ٹکڑے چاکر فروخت کرتے تھے۔ خلافت کی گونا گوں ذمہ داریوں کے باوجود فریضہ معاش بھی قائم رکھ کر ادبیت المال سے ایک جہ بھی لینا گوارا نہ کیا، آخر میں جب غلام نے بہت ذمہ داریاں لے کر اپنے ہاتھ میں لے لی تھیں تو وفات اس پر بھی انتہائی بے چینی اور اضطراب کی کیفیت طاری ہوئی، اور وصیت کر گئے کہ ان کے ذاتی مال کو فروخت کر کے بیت المال کو یہ رقم لے کر کوئی نیک وقت و شرکت کی یہ حالت تھی کہ پیدل عرب دیانتدار تھے۔ ان کی توجہ ایک طرف شام کے میدانوں میں معیوں کے مقابلہ میں اپنی بیسادی کے جوہر دکھا رہی تھیں اور دوسری طرف فارس کی سپاہ سے سرگرم پیکر تھیں، مگر اس طرح دانتال نے، انہیں خوف و غم میں مبتلا کرنے کی بجائے، ادب بھی منکر المہراجہ اور خاندان بنا دیا تھا، خوف خدا میں کسی اس میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

(۰)

فادوق اعظم

دنیا کا وہ عظیم طاقتور حکمران جس کی شوکت و دہش سے ہر کسی کے ایمان لرز جاتے تھے، جس کے عہد حکومت میں شام و مصر کی شہنشاہت کا چلایا جاتا تھا، اور فارس کی باجبروت حکومت کے دھڑکنے آتے تھے۔

لیکن ————— باہر ہر عروج اقبال خداوند خدا کا حال یہ تھا کہ لہو زندگی و نغمہ سادگی میں بسر کی حکومت کوئی لذت اور لطف حاصل نہیں کیا جاتا تھی کی جو حالت پہلے تھی، خلافت ملنے کے بعد بھی وہی حالت رہی !

ایک مرتبہ ایک صحابی رسولؐ بن لیا دے اس جانب توجہ دلائی کہ آپؐ کو لاشعری نے بلکہ مرتبہ پر پہنچا دیا ہے آپؐ راحت و آرام کی زندگی بسر کرنے کا سب سے زیادہ حق رکھتے ہیں ————— حضرت عمرؓ نے ان کی یہ گفتگو پسند نہ فرمائی اور فرمایا کہ امانت میں جانت جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے قوم کا امین بنایا ہے، مجھے ان کی امانت میں خیانت کا حق نہیں، کسی نے کہا: اگر آپؐ رسولؐ کے مال سے اچھا کھا اور پین سکیں تو اس میں کوئی خاص کمی واقع نہ ہوگی، منسوب یا نہ منسوب، اتم مجھے عیش و عشرت کی توفیق دیتے ہو۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۳۳۳)

بعض اوقات آپؐ سے ملاقات کے لئے بیرونی سفراء آ جاتے اور اپنے بادشاہوں کی شان و شوکت اور عسکرانہ کی بجائے ————— یہاں خلیفہ اسلام نہیں بچے پالنے کیڑوں میں ملبوس کسی جسٹس خاں پر بیٹھا نظر آتا تو انہیں اپنی لنگاہوں پر پلٹیں نہ آتا۔

سفر شام کے موقع پر تمام مسلمانوں کی خواہش تھی کہ آپؐ اپنی پوشاک نہ زیب تن فرما کر اندنگ گھوڑے پر سوار ہو کر بیت المقدس میں داخل ہوں تاکہ خلیفہ اسلام کا منصب قائم ہو سکے، مگر آپؐ نے کسی طرح یہ منظور نہ فرمایا اور اپنے دی پرانے کپڑے پہنے رہے اسی طرح معہدہ پر دستخط ثبت فرمائے، آپؐ کی سادگی کا عیب کسی سرواقل کے دل پر بہت ہی اچھا اتر پڑا۔

کھانے کی کیفیت کا یہ حال تھا کہ دوسروں کو حضرت عمرؓ کے برہنہ کا معمولی کھانا دیکھ کر آپؐ پر تنقید آتا تھا۔ ایک مرتبہ عمرو بن عاصؓ کھانے کے وقت تشریف رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بہت ہی اصرار سے انہیں کھانے میں شریک نہ کیا چنانچہ عمروؓ نے اصرار کے بعد کھانا کھا کر سب سے باقی لے لیا تو عمرو بن عاصؓ ہلے گئے۔

”ہمارے گھروں میں جو کھا نا پکتا ہے وہ اس سے بہت اچھا ہوتا ہے۔“

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

”میں اگر چاہوں تو خود کھا سے ایک عمدہ کھانا کھا سکتا ہوں، مگر قیامت کا خوف ایسا دامگیر رہتا ہے کہ عیش و

تذلل کی جست نہیں ہوتی۔“ (کنز العمال ج ۶ ص ۳۶۶)

ایک مرتبہ شام سے فاصدا کر آپ کا بہانہ ہوا، ضیافت میں جو کی موٹی موٹی دعائیں دیکھیں اور صاف غدا بہت چربہ نہا اور اس نے عرض کیا کہ شام رخصت میں کی گئی ہے پیدل ہوتا ہے، آپ اتنی سخت نیند کی گہول گذاستے ہیں، آپ ایک عظیم سلطنت کے فرمانروا ہیں فراغت کے بعد آپ کا اس طرح جو کہ دوئیاں کھانا کھنڈیا نہیں، اس کے جواب میں حضرت عمرؓ فرمے۔

”جتنے علاقوں میں تم نے گہول کی پیداوار کا دیکھا ہے کیا اس میں بڑی مملکت کے عوام صرف گہول کھا سکتے ہیں؟“

مغیر یہ باتیں سن کر سناٹے میں آگیا اور اس صاحب دانت کے دنگ کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

آج اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص اقتدار کی ہاک ڈونڈ سنبھالنے ہی سے پہلے اقربا و اقارب کی اسباب پرستی کی فکر کرتا ہے اور اپنے اہل و عاقلہ کو جہد سے اور منہ حصہ تقسیم کر دیتا ہے مگر حضرت عمرؓ نے حکمرانی کا جو عیار مقصد فرمایا تھا اس میں اس اقربا پرستی کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ وہ خود ہتھے تھے۔ ویسے ہی اپنے اہل و عیال کو بھی رکھنا چاہتے تھے وہ یہ گوارا نہ کر سکتے تھے کہ ان کے خاندان کو دوسروں پر کوئی نفوذ و امتیاز حاصل چنانچہ کسی سب سے بلند راوی الجہد ہمارے خاندان کے کسی فرد کو نامزد نہ کیا حتیٰ کہ لوگوں نے اس شخصیت میں اس بات کی بہت کوشش کی کہ آپ آئندہ خلافت لئے اپنے لائق بیٹے کو نامزد فرما دیں مگر انہوں نے کسی عذر اسے گوارا نہیں فرمایا۔ اگر کوئی غلطی ان کے خاندان کے کسی فرد سے سرزد ہو جاتی تو اس کو ہم لوگ سے زیادہ سزا دیتے۔

(۱۰)

عثمان غنیؓ

ان سے پہلے کہ دنیا کا فوج قسمت شخص اور کون ہو سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دھوا جبرائیلؑ آپ کے جہانہ عتد میں تھیں۔ فوج سے پہلے بھی خدمت حق کا شدید جذبہ ان کے نہاں خانہ دل میں موجزن رہتا تھا اور خلافت کے بعد قاسم میں مزید جدا پیدا ہو گئی۔ اپنی خلافت کے زمانہ میں جہد کے دن خطبے سے پہلے یہ اعلان کر دیتے تھے کہ اگر کسی کو کچھ کہنا ہو یا کسی عامل سے شکایت ہو تو پہلے اس کو اطلاع دے، اسی طرح ہر سال حج کے موقع پر تمام عمال کو جمع کرتے تھے اور ان سے بہت سخت محاسبہ کر لیتے تھے فرمایا کرتے تھے۔

”میں قریہ کے متاع میں ضعیف کے ساتھ ہوں۔“ (روای حدیث ۹۱)

عوام کے ساتھ ان جن کرہتے تھے، تاکہ وہ بے تکلف رہیں اور انہیں کچھ کہنے میں دشواری و جھجک کا سامنا نہ کرنا پڑے، وہ یہ ہیں مسجد نبویؐ قیام فرماتے سر کے نیچے چادر رکھ کر لیٹ رہتے کسی کو شکایت ہوئی تو یعنی کتا اور دوس اس کا فیصلہ اور انداز لگایا جاتا۔

(۱۱)

علی مرتضیٰؓ

اسلام کا وہ ایسا ناز و محفل جس نے بار بار رسولؐ سے خراج تحسین حاصل کیا اور علیؓ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب عظیم سے سرفراز ہوا۔ خلافت کی عمر بھر بیٹھے کے بعد زندگی میں پہلے سے بھی نیا وہ سا دل آویز غنی، فانی ہر فانی کے کربت آتی لیکن بیت المال کی جانب نظر بھی نہ اٹھاتی تھی!

بازار خرید و فروخت کے لئے جاتے تھے تو اپنے کو بہت چھپانے کی کوشش کرتے تاکہ کوئی بھانڈو، مال کی قیمت میں رعایت نہ کر دے۔ دیکھو کہ مال سے کتنے خوف تھے انہیں احتیاط بہتے ایک بار ہمد کے طور پر چند گستر تھی اور شہد کے آگے آپ نے ان کو اپنے گھر سے منگوا کر بیت المال میں داخل کیا تو بہت جھلا کر آپ کی عداوت لڑی ام کلثومؓ نے ہمد کا مال سمجھ کر ان میں سے کچھ مقدار لے لی ہے آپ نے ہمدین سے اس کی قیمت انکوائی اور وہ قیمت بیت المال میں داخل فرما دی۔

عدل کے معاملات میں کسی قسم کا امتیاز نہ کرنا نہیں تھا۔ حتیٰ کہ غیر مسلموں کے وہاں بھی مساویانہ سلوک دیا جکتے تھے، ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں برکاتی اتفاق سے وہ ایک یہودی کو ملی آپ نے انہی کے یہاں مقدمہ دائر کیا اور شہادت کے طور پر اپنے بیٹے حضرت حسن اور غلام قنبر کو پیش کیا، قاضی نے گواہی کر دے کہ تم ہوتے مقدمہ آپ کے خلاف یمن کر دیا کہ بیٹے کی خدمات معتبر نہیں، آپ نے بے چارے کو جو افسوس کو تسلیم کر لیا، یہودی آپ کے اس طرز عمل سے بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا کہ یہ طریقہ انبیا علیہم السلام کا ہے، قاضی خلیفہ کے خلاف فیصلہ دیتا ہے اور اسے تسلیم ہی کر لیتا ہے اور یہ کہ کردہ مسلمان ہو گیا۔ (رسالی حکمران ص ۹)

(۲۰)

یہ اور ایسی قسم کے سینیٹروں واقعات اس عہدِ نبوی کے اہلِ اہلِ تاریخ میں محفوظ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کے اہلِ عمل و عقد کا کیا کردار اور معیارِ زندگی ہونا چاہئے۔ عہدیدوں سے انہی سانچے رکھنے کے لئے آنکھیں ترس رہی ہیں۔ ————— کاش ————— اے کاش !!

ہر پیر پڑنے والے نام کے ساتھ معیاری اور اچھی تحریریں پیش کرتا ہے۔
 ذرا شمارہ شائع ہو گیا ہے قریب ایک اسٹال سے طلبہ فرمائیے۔
 ۳۹۔ گارڈن آفیسر مراد خاں روڈ، کراچی ۲۰۔
 سید احمد علی شاہ
 سید احمد علی شاہ

طاقت و توانائی کا مکمل کورس

مستقل نائے — قابل اعتماد توانائی — فرحت بخش زندگی

مانع اعظم — دل و دماغ، جسم اور جگر کے لئے کیریجے شش و کھیر، اور حیات کا محفوظ اور طبی کاوش پیرکیرلا لام بنی۔

ایک ماہ — دس روپے

طلائے شباب خاص — بیرونی کمزوریوں کے لئے ہے ضروری مرکب — ایک ماہ دس روپے
 لبوب کبیر خاص الخاص — غیر فوہ، کشتہ جاندی، کشتہ سدھارت وغیرہ کا مرکب — ایک ماہ ۲۶ روپے

دفتر، ہوس اور بات کا مکمل کورس — ۳۶ روپے

نصف کورس ۱۹۰۵ روپے — مکمل کورس منگوانے پر محدود ڈاک معاف

ذرا شمارہ ۲۰۳

پٹے کا پتہ — اشرف لیبارٹریز، لائل پور

والنیک سائل ملزم لیڈ

ہر قسم کا



سوقی اور

لاونی کپڑا

کورا اور دھلاٹھا اور

ہر قسم کا

دھواگا

پیارے پھولے

کپڑا

کایتا رشدا کپڑا

آپ کی فریضہ

منگھاپیر روڈ

کراچی



بازاری والنیک سائل ملزم لیڈ

براعباد قابل امتداد ہے پاکستان کی صنعت کی ترقی اور حوصلہ افزائی

آپ کی فریضہ

مردی ہے۔ الا علیہ۔ الا ذو عرشا۔ ملا حکیمہ آذرتجس بقی (صرف لغزش ملا شخص ہی ہمارا اساد صرف قبر کا شخص ہی حکیم ہوتا ہے) نہ بحث حدیث (وَلَا یُکَلِّمُ) کا آواز غمینی ہے تاکہ دل نہ دیا نہ افسانہ نہ مراد نہ غیر و غلطت میں قوی نہ ہو جائے۔ عالم محروس میں یہ صفت عادت پیش آتا کرتی ہے کہ جس شخص کو کسی بل سے ایک بار کوئی سانپ کاٹ کھاتا ہے ترہ اس بل کی طرف نہیں جاتا اس خیال سے اس کے قریب نہیں جتنا کہ کہیں وہاں سانپ نہ کاٹ کھاتے۔ ان وجہ سے ہمارا صحبت حاصل کرنا اس قسم کے تجربہ بل سے فائدہ اٹھانا مناسب اللہ عزت و جلال ہے۔

اس حدیث سے ایک صحیح واقعہ ثابت ہے جس سے حدیث کی غایت اللہ مقصد کی توضیح ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ابوہریرہ مروی عن عبد اللہ بن ابی ایک شخص تھا جو کہ بعد میں اسیر ہوا۔ اس نے مولیٰ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی تہی مانگی اور دعا اللہ کی شکایت کی اللہ کہا۔ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ میرے پاس مالی نہیں ہے میں حاجت مند اور ضعیف لداہوں مجھ پر احسان فرمائیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی امداد فرمائی اس کا ہا بنظر فرمایا کہ وہ حضور کے مقابلہ میں کسی ادنیٰ اعانت نہ کرے گا۔ اس قصہ کے بعد ابوہریرہ نے حضور کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ لکھا۔

اُس کے بعد کچھ مہینوں کو مرقع ظاہرہ ابوہریرہ کو ہوا کہ نے میں کامیاب ہو گئے اس نے حضور اکرم سے جو ہر کیا تھا لے لیا۔

ہمایہ کو غزوہ احد سے پہلے صفوان بن امیہ نے ابوہریرہ سے کہا۔

اے ابوہریرہ تم ایک شاعر ہو ہمارا ساتھ دو اور اپنی زبان سے ہمارے کام آؤ۔

ابوہریرہ نے جواب دیا۔

مرد صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ جلدی کی ہے۔ میں ان کی مخالفت نہیں کرنا چاہتا۔

اب صفوان نے کہا۔

اچھا تو پھر اپنی ذات سے مدد اگر چہ کرانگے تو تم تمہیں ملامت کر دیں گے، ارے گئے تو ہم تمہاری بیٹیوں کو اپنی بیٹیوں کے ساتھ رکھ لیں گے اور خوش حالی یا شغل جس حال میں رہیں گے تمہاری بیٹیاں بھی اس حال میں رہیں گی۔

ابوہریرہ نے یہ بات مان لی اور اس قبائل کو حضور سے لڑنے پر ابھارنے لگا۔ جب احسا حرکت کر مئی آیا تو ابوہریرہ ہجر کر غار ہکرا بھاگا۔

صلالت میں پیش ہوا۔

اس موقع پر ابوہریرہ نے وہاں حضور سے درخواست کی کہ اس مرتبہ ہجر احسان فرمائیے اور میری جان بخشی کر دیجئے۔

حضور نے اس درخواست پر یہ حکیمانہ جواب عطا فرمایا۔

اب میں اس کا موقع نہ دیکھتا کہ تیرے رضاکے کی خاک سے جس جہول اور قویہ کہتا پھرے کہ میں نے محمد کو خدا پرست دیا

اس کے بعد حضور نے حکم دیا کہ ابوہریرہ کی گردن مار دی جائے۔ پھر وہی موقع پر ارشاد فرمایا۔

لَا یُکَلِّمُ عَالِیْہِمْ سِوَ جِبْرِ وَاحِدٍ مِّنْ مَّوَدِّئِہِمْ اَوْ سِوَ اَیِّکُمْ بَلْ سَعَدَ اَنْہِیْہِمْ لَمَّا جَاءَہُمْ

لب مبارک سے لکھو کہ یہ الفاظ مدح عام پائے گئے اور ایک ایسی حکیمانہ ضرب المثل بن گئے جو ہر دینی دنیا کی گردن کو فروغ دے گی۔

مسلمانوں کی یہ اہم واقعہ نہیں کہ اس حکیمانہ ادب کو دنیا کے ہر گوشے کے دور اول کے فرزند ان اسلام نے حیدر جان بنایا اٹھ پنے

دینی و دنیوی میں سعادت میں اکثر و بیشتر تم کو کہ کھانے سے بچے رہتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ "نہ من غری میں نہ کوئی غری مجھے دھوکا دے سکتا ہے۔"

انہی اشیاء کے اگلے مسئلہ کی زندگی پر گہرا اثر تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے مددگاروں ان سے فائدہ نہ اٹھایا اسلئے ہی بل سے بددعا پختاب کو وسوسہ ہے۔ ہم بتاتے ہیں کہ ان اشیاء کے بدلے غافل ہوا کہ، اندھم ای طرح خواب و غور میں پڑے سوتے ہیں اسلئے ہی طرح کے دعوے بدلے کھاتے ہیں۔ اندھم پر جسم فرطے اندھ میں دشمنان خدا خدا خدا کہتے اسلام کے لائق ہیں کہ خدا بننے سے غافل رہے۔

(انتہاس و تلخیص انسداد المذاہر (عرفی))

جناب عروم آن اویروں میں سے میں جنہوں نے اپنی عمر بھر کی محنت سے یہ ثابت کیا ہے کہ معدہ منفقہ اندھوں کا ایک بیش قیمت سرا ہے۔ جس سے دونوں کو فائدہ اٹھانے کا حق ہے اور جس کی خدمت و فطرت کے ذمہ ہے۔

میں نے جب تک نہیں دیکھا تھا۔ اور خط و کتابت کے ذریعہ سے نہیں جانتا تھا کہ ان کے کام سے عروم جتنا فائدہ حاصل کیا ہے۔ یہ سب باتیں وہی قوت چاکر تھیں جو ان کے ہاتھ کے بندھن میں تھیں۔ ان کے ہاتھ کی قوت چاکر تھیں۔ ان کے ہاتھ کی قوت چاکر تھیں۔ ان کے ہاتھ کی قوت چاکر تھیں۔ (دوسرا ایڈیشن)

پلٹنے کا پتہ :- مکتبہ برہان، ندوۃ المصنفین، اردو بازار، دہلی

مکتبہ برہان
دہلی
اردو بازار
مکتبہ برہان
دہلی
اردو بازار

عروم سرما قدرت کاملہ نے موسم سرما کو۔ انسانی جسم کی حفاظت، زائل شدہ قوت کی بحالی، دماغی، قلبی اور جنسی طاقت کی استواری کیلئے مخصوص کیا ہے۔ اگر آپ کسی قسم کی کمزوری محسوس کرتے ہیں تو، اس موسم میں تعویات، مفرجات، اور اکیسیری دواؤں سے فائدہ اٹھائیں۔

اگر آپ باقاعدہ علاج کرانا چاہیں تو

مطب اشرف کی

جناب رجوع فرمائیں جس کی نگراںی براہ راست پاکستان کے نامور طبیب مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف خود کرتے ہیں۔ بیرون نجات کے مریض مفصل حال کہہ کر مفت مشورہ حاصل کریں یا سالانہ طلب فرمائیں۔

مطب اشرف، اشرف منزل، نزد جامع مسجد جناح کالونی لائل پور

یادِ رفیقِ گال

عطیہ فیضی

یہ نٹ طیبہ (کسی ڈی) تو رہے ہی ملگسی جتنا کہ المیرہ (ڈی جی) بھی ہے کہ علامہ شبلی نعمانی کے تذکرے کے ساتھ عطیہ فیضی کا نام آتا ہے، علامہ شبلی سے راقم الحروف کو بے انتہا محبت بھی ہے اور عقیدت بھی، اس نسبت اور تعلق کے سبب عطیہ فیضی کے نام سے میں بہت دُور سے واقف تھا، مگر نٹ لطیفہ حکیم کو جو خاص شغف تھا، اُس کے تذکرے بھی لوگوں کی زبان پر نہ تھے۔

رفیق (نٹ) کا ذکر کہ ہے جب یہی میں "یومِ اکبر" منایا گیا اور اس سلسلہ میں ایک مشاعرہ بھی منعقد ہوا، شہزادہ اہل قلم جناب ضیاء الدین احمد بریلوی اس مشاعرے کے دہلی تھے، انہی کی دعوت پر میں حیدرآباد دکن سے بھی پہنچا، کرائسٹ مارکیٹ سے متصل شاہجہان بریلوی محلہ وہاں مجھے پھیرا دیا گیا، صاحبِ صدیق ہال میں بڑے دھوم کا مشاعرہ ہوا، اُن دنوں مجھ پر بھی کبھار دل کا درد پڑ چلا کرتا تھا، مشاعرے میں پہلی غزل کے بعد سامعین نے دوسری غزل کی فرمائش کی، دوسری کے بعد تیسری کی، چوتھی غزل پر میں دل میں گھبراہٹ سی محسوس کرنے لگا، تکلیف پڑھنے لگی، میں نے جیسے جیسے غزل ختم کی، اسی عالم میں ہال سے باہر آکر سبزے پر لیٹ گیا، شدید تنہم کی تھ ہوئی بدن پسینہ میں شراب؟ میں سبزے پر پہلے تو لیم کر لوٹ رہا تھا، اندھا ایک عجیب میسرے اسٹوڈنٹ تھا، وہ جھکی نے کہا ہے کہ "ہزار مند ہزار باتیں" لوگوں میں چہ میگزیناں ہونے لگیں، کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ مگر نیا دہ لوگوں کا گمان یہ تھا کہ ماہر نے نیا دہ شراب پی لی تھی، اُس کے سبب یہ حادثہ پیش آیا۔

مشاعرے کے بعد دعوتیں امدادِ ادبی نشستیں رہیں، ہستی کے مشہور خاندان طیب جی کی خواجہ نے ایک ادبی انجمن قائم کی تھی۔ اُس کا نام "عقدِ ثریا" تھا، اس انجمن میں مجھے بلایا گیا، چائے نوشی کے بعد شعر خوانی ہوتی، آصف فیضی جو مقرر میں حکومت ہند کے سفیر رہے ہیں اُن دنوں لاہور بھی کے پرنسپل کے عہدے پر فائز تھے ان سے بھی اسی انجمن میں تعارف ہوا، نواب باشم یار جنگ بہادر حکومت حیدرآباد دکن میں ہائی کومت کے راج تھے پھر وہ شیر قانوی ہو گئے یہ وہ زمانہ تھا جب سرکارِ حیدرآباد میں طوطی بولتا تھا، انہی باشم یار جنگ کی صاحبزادی مسز ذینت فتح علی، اس علم دوست خاوند سے کہ ادبی سرگرمیوں کی روداد ملے تھیں، عطیہ فیضی سے تعارف کا ذریعہ

ملے اکبر! آبادی نہیں۔ عطیہ شہنشاہ جلال الدین اکبر!

شہر نائب کی یہی اجتماعات تھے۔

میں دوسال کے بعد پھر بمبئی آیا تو حلیہ قیمتی نے انجمن اسلامیہ کے ڈال میں تھپے بیٹھے پر شہری آڑیں سرکل کی جانب سے ہم شہر و طرب کا اہتمام کیا۔ میں خصوصی ہیمان تھا، پھر ان کے قیمتی میں بار ڈالنا ہوا اس زمانہ میں مروتھ نے اپنی شاندار کھیتی (ایلاٹن فٹ) ریخت کردی تھی، والکیس کے شہر باغ (NANANIS GARDEN) کے متصل ایک کلب کے جنگل میں بڑی تھیں اور ہر وقت بدھ کے ناشم میں ان کی یہاں احباب بھی جوتے تھے۔ اسی زمانہ میں ملی دنیا سے میرا اعلق ہو گیا، اس کے پہلے شہر ڈاکٹر محبوب مروتھ کی فلم تقدیر لکھ گئے تھے، اس سلسلہ میں ہفتوں بمبئی ٹھہرنے کا اتفاق ہوتا، حلیہ قیمتی اصرار کر کے اپنے یہاں کی جواہر سنگ کی نشست میں بلا تھیں، ماں ماں نہیں لے سکتی بلکہ یہاں کہنا چاہتے تھے ہندوستان کے سب سے شاندار شہر مول "راج" میں اس خاک لڑکھن کے لئے بہت بڑی عیت کا انتظام کیا، جن دنوں وہ اس پارٹ کے اہتمام میں مصروف تھیں، ان کی بڑی بہن نانڈی بیگم پر انھیں بیگم منجیرو نے مجھ سے ایسا کہ عظیم اس دولت کے انتظام میں اس طرح لگی ہوئی تھی کہ سر پر کا ہوش تک نہیں ہے میں نے اس مصروف انہیں بھی نہیں دیکھا۔ مشہور انگریز جرنلسٹ مسٹر ہارنٹن کے افسر "SENTINEL" کے پہلے صفحہ پر حلیہ قیمتی نے بیلاور شائع کیا۔ ہمان ڈھائی سو تربہ ہونگے ہر طبقہ کی بلند شخصیتیں جمع تھیں یہاں تک کہ لہڈی مانا بھی موجود تھیں۔ میں نے "معدن بان" کی اہمیت پر تقصیر کی اس بعد دوسری طرف میں اور نظائیں سامنے آئے اور بچے دھبہ کے سامعین ہر شاعر اور مقرر کو کہاں میسر آتے ہیں۔

ایک صاحب تھے انھیں انجمن غالب پٹنہ کے رہنے والے تھے اسی بڑی نام کا ایک بچہ نکالتے تھے، ان کے اندر قوم پرستی کی گہریم بند و آندہ عالی کا غلبہ تھے، میری تقصیر کے بعد ان انہوں نے ڈاک میں نے ان کے اعتراض کا جواب دیا انہوں نے اس پر مالد کوئی ملی بات کہ دی، جس نے میرے جذبات میں مشتاپ لگا دیا، میری آریسا پھر رنگ ہی ہلی گیا اس ضمن میں موقوفات اور علاوہ خواہ کی لگی کو سب نے محسوس کیا۔

جب قیمتی میں میرے پیام وصال کی محبتوں اور عیب جی کے خاندان سے کا ذکر چھڑا ہے تو ایک دلچسپ غفر کا ذکر کہنے کو غیر ضروری تسلیم نہیں کر سکتا؛ غلاب ڈاشم یا جنگ بہادر کے صاحبزادے (سنز زینت فتح علی کے چھوٹے بھائی) میرے پاس ایک حد آئے کہ قیمتی قریب چار سال میں دوسرے کیم آپ کو چلنا ہے، وصال ایک غلاب آپ کو دینا ہو گا؛ میں نے وصال چلنے کی ڈی بھری اقرارہ تاریخ اور وقت پر وہ بہت شریف لے آئے، گریت آف انڈیا۔ محفل سال پر میرے لئے کہنے والے کھڑی تھی فوٹو کلاس میں سٹون کا پہلے سے نظام ایک ایک تھا، مسٹر الما لطیفی جو ایک زمانہ بدھا باورکن میں فاطمہ تعلیمات دے چکے تھے، وہ بھی مصحف تھے، تقریباً دو گھنٹہ بھری سفر سے مسٹر اتفاق سے پہنچا تھا، یہ پھر نا بھرا بھرا سبیل کی طرح تیرا ہوا، ساحل مرادنگ پہنچا، پھر وصال کمر کے خلیو جنگل میں گھنٹہ ڈھکھنٹہ مسند کیا؟ اس کے بعد وصال پہنچ گئے، جہاں آئے تھے۔ سب لوگوں نے فاطمہ اطراف کا انتہائی مسرت اور خلوص و محبت کے ساتھ غیر مقدم کیا، پھر میری کون کی خوشی کا عالم دیکھنے کے قابل تھا۔ چاروں طرف ذلیل کے دعوت، مسٹر جہاں آباد ان دونوں کے بھر مٹ میں مسند کے مرتفع ساحل پر بیٹھوں اور نشستوں۔ (COTTAGES) کی نظامت سامنے چلتی ہوئی ریت اس اس کے بعد مزاج مسند؛ ملت کے وقت مسند کی بیت پر ننگے پاؤں بیٹھنے لگوں میں ہوا لطف کرا، پھر مسند میں مدھر و سادہ ہو گیا، مروجیں ساحل کی طرف بڑھ بڑھ کر چلنے لگیں اور انداز میں دھول ہی کچھ سے لیا۔

جمعہ میں برسات کا موسم زیادہ خوشگوار نہیں ہوتا، اسی نکلنے میں آباؤی سے دھڑا اس پہنچا، وصال میں دو تین ہفتے بھی خوشی گزارنے پر خوشحال لوگ یہاں آ جاتے ہیں۔

میرے شہر کے کھلے اہل نے اس میں ایک چھوٹی سی نصیب کرائی جس کا مظاہرہ مسند کی جانب تھا، اللہ تعالیٰ بے شک وہاں تک پہنچے گی تپائی، جس پر کاغذ، پینل اور ٹاپچر لگے ہوئے، شب میں پر تکلف کھانے کے بعد شہر کے کئی محل کا آغاز ہوا اسی خاندان کے ایک فرد جن کا پہلا نام یاد نہیں رہا جو اتنی سی لیں تھے۔ انہوں نے بڑے شاندار الفاظ میں میرا تعارف کیا۔ چہرے میرے سے لے کر میرے لباس و وضع تک اور شاعری کا مزے لے کر اپنی تعریف میں نقشہ کھینچا پھر میں نے جو کلام سنانا شروع کیا کہ تو بھول کر تجھے سیر کیا سب لوگ آفر وقت تک بیٹھے اس طرف لپٹے رہے! جیسے بد مزگی، اکاٹھٹ اور بے نیکی کو ان مشیت ان سے دس نکال دیا چکا ہے۔

دوسرے دن میں وہاں سے اسی راستے سے میری واپس ہوا، یعنی غشکی کے ساتھ بھری سفر بھی اچھے وقت بڑے احترام کے ساتھ "نندنا" بھی دیا گیا!

تقریباً تین نیم اقبال مسلمان پنجاب کی جانب سے آخری مشعرہ اپریل ۱۹۷۷ء میں ہوا، پھر چند ماہ کے بعد ملک کے طول و عرض میں برقیات برپا ہوئی اس کا ذکر کرنے کے لئے لپے کا کلیجہ اور پھر کا دل چاہئے، دوست اصحاب اور عزیز و دشمن اس طرح منشر اور شہر بھر ہوئے کہ کسی کو کسی کی خبر نہیں کہ کون مراد، کون جہا اور جی رہا ہے تو کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔

عطیہ فیضی، ان کے شہر سرسدر رحیم اور عطیہ کی بڑی بہن بیگم بخیرہ سے ۱۹۷۷ء میں ملاقات ہوئی یہ لوگ ان دنوں کراچی کینٹ اسٹیشن کے قریب کارکن ہوں میں پھر سے ہوئے تھے۔ اس کے بعد شہر غلام محمد مرحوم بن گوند جہاں پاکستان جوانوں واپس آئے تھے، ان کی کوٹھی کے قریب عطیہ فیضی نے ایک کنٹینر کھلیے پر لیا تھا، یہاں بھی بستی کی رعایت کو باقی رکھا گیا، ہر سہفتہ بدھ کے بدھ پل دنق کا اجتماع ہوتا، ایک بار بھجوانت کے ہائی کمانڈر سرسدری پر کاش اپنی صاحبزادی کے ساتھ تشریف لاتے، چائے نوشی کے بعد میں نے انہیں سنا کہ جب وہ چلے گئے تو عطیہ فیضی نے مجھ سے کہا کہ جب تم اپنا کلام سنا رہے تھے، تو میری پرکاش صاحب نے مجھ سے کہا کہ یہ صاحب (میری طرف اشارہ تھا) م۔ ق۔ ا۔ ب جب آئیں تو مجھے اطلاع کرنا میں اس نشست میں ضرور آؤں گا۔

بارنس گاندھ میں جہاں اب آرٹ کونسل کی شاندار عمارت ہے اس کے عقب میں عطیہ فیضی نے اپنے رہنے کے لئے خاص طور پر آرام دہ کتاہ مکان اور اس کے قریب چند قدم کے فاصلے پر ایک گلی کی تعمیر کرائی تھی، جس میں ان کے شہر فیضی رحیم کی مصوری کے اعلیٰ نمونے آویزاں تھے، خاص طور سے مولانا شریعت علی کی قدیم تصویروں قابل دید تھی، دیکھنے والے کو پسلی نظر میں دھوکا ہوتا تھا جیسے عین میں مولانا شریعت علی (رحم) چند بیٹے کھڑے ہیں۔ ان دنوں عمارتوں کی دیواروں کے بیرونی حصہ کا رنگ دلی کے لال قلعہ کی دیواروں کی طرح سرخ تھا!

یہ لوگ زیادہ سے زیادہ ڈھائی تین سال اس مکان میں رہے ہوں گے، پھر ان پر ایسی ہتھ پڑی کہ اس مکان سے انہیں اٹھ جانا پڑا، اس بار میں عطیہ فیضی ان کے شہر اور ہمیشہ نے حکومت سے اجازت لے کر یہ عمارت بنائی ہوئی، پھر وہ اس سے بے دخل کس طرح کر دیئے گئے؟ وہ دونوں عمارتیں اب انک کا خالی پڑی ہوئی ہیں۔ دفتری کارروائیوں کے بھی عجیب چکر اور پیچیدگیاں ہوتی ہیں اور حکومت کی تبدیلیاں بھی بعض معاملات، مسائل اور حالات پر خاصی افراط و تفریط ہوتی ہیں۔ بہر حال یہ بہت بڑا سا نفع تھا جو ان کے ساتھ پیش آیا۔

اس طرح گھر سے بچے گھر ہو جانے کے بعد یہ شخص سا خاندان جن کا ہر فرد مصطفیٰ کی فکر کو پہنچ چکا تھا اور کسی عزیز و شہر دار اور اولاد کا سہارا بھی انہیں میسر نہ تھا، جو محلوں میں رہنے لگا، جیسے کیا ہوا اللہ خستہ آویز کہاں تک ساتھ دیتا، کسی قسم کا کوئی مددگار نہیں، وہ جوش نہیں ہے، کہ نفسی میں آگیا، آئے دن کی بیماریوں نے مالی حالات کو اور زیادہ تقسیم کر دیا!

لہذا فائیدہ صاحب وہ تھے جو چند سال قبل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طالب چاند رہ چکے ہیں۔

صمدانند میں قابضوں کی ایک بہت بڑی دکان ہے جس نے اس میں سرفروشی، الماسی، اسیزیوں کا وہ عظیم طیب اور خوبصورت نقشین سیٹ دیکھا، جو عطیہ فیضی اپنے ساتھ بھی لے گئے تھے۔ ان کی نگاہیں بڑی سنگسار پر پڑی تھیں۔ ان کی انتہائی عمدہ عیب نسبت شہنائیوں، پیاز، خیر، قدیم یادگار کے طور پر حاصل کی میزیم کی زینت بننے کے قابل تھیں۔ مگر حالات سے مجبور ہو کر اس کے ساتھ دوسری اور عظیمہ کرنا پڑا، جس نے اسے خریدا، اس نے نہ جانے کتنا فایده کیا یا!

ابھی چند دن کی بات ہے ایک صاحب سے جو کراچی میں ایک فرم کے مالک ہیں اور تقسیم ہند سے قبل اپنے والد کے ساتھ بمبئی میں رہتے تھے۔ ان کے والدین گشتگر میں عطیہ فیضی کا ذکر کرتے تو عین لہجہ میں کہتے کہ وہ ایک دلی میرے دفتر میں تشریف لائیں اور مجھے سے یہ فرس کے طور پر مانگے، وہ کہنے لگے کہ بات کرتے ہیں عطیہ فیضی کو انھوں نے پٹ پٹ آسور گئے تھے میں بھی آبدیدہ ہو گیا اور چمکنے جگہ سر دھوپے ان کی خدمت میں ہدیہ کھیل پر پیش کر دئے!

ابھی پانچ سال گذری اندکیت و افلاس کے عالم میں ڈیڑھ دو سال پہلے آج کل کے مشہور۔ فیضی رحیم نے وفات پائی، پھر فیضی پرنا کے لامل ہوا پانچ دن ہسپتالی میں بیرونی ہیں اور جرنی کی مشقت گذری۔

سہ ایک عمر سے جو تکلیف میں تھا کل حالت وہ تیدک چھوڑ گیا

ذیل پائی ۱۹۷۷ء ۱۹۷۸ء کے مابین ۸ سال کا فاصلہ تھا اس عرصہ کو۔ اذیل العز کیا گیا ہے۔

کراچی کے اخبار میں ان کی موت پر شائع کیا گیا، شہادت، اللہ ہے، لیجئے پڑے صفحہ میں اور تصویریں شائع ہوئیں ان کی قبریت ست میں بہت کچھ دخل و غلطی ہوئی تھی ان کی ذات سے اس نسبت کہ جس پر یاد دہانی ہے۔ سائنس کا رنگ پڑ چاہیے، اور ان کی والدہ ماجدہ دیا داری۔۔۔۔۔ بدگمانوں کی کج فہمی کی حد تک متفق ہو گیا۔

عطیہ فیضی کے گھرانے کی امارت و عظمت کا اس سے اظہار مل گیا جاسکتا ہے کہ اب سے اسی ۲۰ سال پہلے ان کے والد مسلمان برخان کے مشیر تھے، عطیہ اسی زمانہ میں ترک میں پیدا ہوئے، اس وقت خوشحالی کا فضا میں پڑنا پائی یہ وہ دور تھا جب کہ پورے تان میں تعلیم نسوان کے لئے کراچی شاپ کوئی کافی اسکول سمجھا نہ جاتا تھا، عطیہ فیضی نے اس زمانہ میں جہاد سے نہاد تعلیم مسلمان بیسرا سکتی تھی، حاصل کی اور پھر شہر کے ایک بڑے ہسپتال میں لیسپ کا سفر کیا اور مغرب کٹاں سے سے ملا ہیں کہیں۔ انسانی آزادی کے جذبہ کو اندازہ انداز کرنا نہ بنا دیا۔ خانن طیب جی میں یہ وہ پہلی سیڑھی تھی۔ لیسپ کے سرفراز عطیہ فیضی نالی اور بھالی پر ہر تصدیق ثبت کردی اور سبب جہانگیر حسین خوشنودی کا ساتھ ملوث دے دیا۔

دیکھتے ہیں تھی ان کی تعلیم یافتہ اور ANAND گھرانے میں جب آج کل ہوا ہے تو عطیہ فیضی کی عمر میں باقیں ہوگی، ہشتی مرانا ہونے کے علاوہ شہر میں تھے اور شہر کو کتنا ہی ہارما اور صاحب قوی کی کہیں نہ ہونے لگیں مزاج بھی تھا کہ یہ تو۔ کی شوقی مزاج ہے کہ انہوں نے اس رابطہ و تعلق پر حاسمیت اختیار کی کہ بدگمانیوں کے دھماکے سے چھوٹ کھلی دیتے ہیں۔ مگر آٹا کو دیکھتے ہیں کہ شامی کو اس طرحی نے خاص شوق اور لگن تھی عطا کی اور ایک خوب رو تعلیم یافتہ جوان لڑکی کی تربیت، بعد اور نے لطف نے مودت و تعلق کے واسطے قوی کو تھوڑا بہت دیکھنا دیا۔

سہ یہ واقعہ بھی خوب بہم قسمت بھی خوب ہے

مشرعین ایک عرصہ سے اندھا نابا بھدی تھے، ان سے عطیہ فیضی کی شادی ہوئی، یہ شادی بھی بہر حال ایک عدالت ہی تھا، میں کل قن افراد تھے، ہر آئی نسو، مگر حشرہ، عطیہ فیضی انسان کے شرہ رحیم فیضی ان میں سے کسی کے علاوہ نہیں ہوئی اور اس میں

میں یہ گھڑا سنا ہے چلائے ہی رہا شہر پر عظیم جنگجو کے اخلاف کے بعد ان کی عمر کا نیا دھندلے یہ قوم ہی کے عالم میں گناہ، جوا کی طرح کی
 بیوی چھوڑ کر عظیم جنگجو جتنی خاص طبع اور عجیبہ نفس، علیٰ غیری اتنی ہی شہنشاہی اور تیز رو تھیں! اس کی نفس نے کسی میں دیکھ کر
 خوشیاں کوئی نہیں کرائی۔ "ابوہان نعمت" نام رکھا گیا بچہ اسے فروخت کر دیا ان کے پاس ضرور ادھر سے کے سید تھے، درویش میں لباس
 کی نسبت سے زیادہ پیشین، خاص ریشم کے کتے، اسدو پتے جن پر گھٹو کی کشیدہ کاری، ایک ایک کلاسینکلوں پہچان کی قیمت کا تھا!
 علیٰ غیری کا لباس ستر لٹری میں طکر و کٹیدہ کے لباس سے ملتا جلتا تھا پھر سے کے سراج کا ہر حصہ ڈھکا چھپا اس سے مراد کی
 طرح معال جس پر مقابل بندھا ہوا، نیچے کتے پر لٹری سی رہا، لگے میں سیاہ پوتھ کی ملا، پہلی نگاہ میں وہ چھپ چکی تھی (۱۶) (۱۷) جیسی
 نظر آتی تھیں، فریخ اخراجات کے سارے میں نے بھائی میں انہیں باس میں میں شہا ہوا دیکھا، بعض اوقات بس میں سارا ہونے
 کے لئے کافی دیر تک کہیں کھڑی رہیں۔

نون لطیفہ سے خاصہ شغف تھا۔ شاعری اور مصوری اور نقوش و کوشقی یہ سب ان کے شوق اور طبع کی چیزیں تھیں، رنگ و آغ
 سے واقف تھیں، پاکستان آنے کی بجائے بھارت ہی میں رہیں اور کوئی۔ کلاسنڈ "آئی کو سب" دیا جاتا تو وہاں ان کے نقوش اور طبیعت کے
 جوہر نکلتے! انگریزی کا مطالعہ خاصہ پسند تھا، انگریزی میں معال اور شگفتہ تقریر کرتے اور مزاح و طرائف کی کچھ بڑیاں چھوڑتی جاتی ایک
 ہاسک اپل میں یہ واقف کرتے ہوتے کہا۔

If he is Nadiv-ul-Khadri, then
 he is from Hyderabad—
 If he is Nadiv-ul-Qadri, then
 he is from U.P.

کوئی کتب ہی بنا آدی کہیں نہ ہمیں پہنچ کر کہنے اور کہنے بلکہ بعض اوقات ڈانٹے ڈیٹے سے نہ چڑکتیں۔ اس لحاظ سے کہ جاننے والے معقول
 اس شخص میں علیٰ غیری کے گریب آئے ہوتے تھے، توجہ دل میں ہوتی تھی کہ ایک بار بچے یا اس میں سوجنی نامی بھی تھیں نہ صرف
 سکوٹنے ہی اس شخص کی طرف تھے، مسلم پروردگار کی طرف سے کہیں نہیں مر اس نے انگریزی تفسیر میں علیٰ گڑھ کا چونکہ چھوڑا تو علیٰ غیری نے
 بھی غفلت میں آگئی تو گا کہ جھار یا اسدو ہے اسے خفیہ سے چھکے گئے۔ بعض اوقات اپنے غم پر کہیں ڈانٹ دیتیں سرسری میں
 بدلتے شہر کی طرح ان کے چہرے پر ہوتے تھے۔

یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس شخص کا گریب آئے تھیں اسدو مسلم کی! وہ اپنی ذات سے خود ایک انجمن مافی ہوتی تھیں، ایک دھندلے سے دنیا
 ہا کہ وقت ان کتاب میں۔ رنگ و کس کی طرف ان سے چھپا ہونے چاہیے ہا کہ۔ اکتب یعنی قرآن کی ایک طرف! ایسی نہیں بت نہیں نکلت
 وہ کی چیز کہ اس کے لئے صرف ہی بل جانا ہے، چھر کہ ایسی باتیں ہیں جس سے مجھے اظہار برا کہان کے متعلق تھیں: "طبیعت" کی
 یہ ہے، ان کے اکثر فریخ میں ہیں طبیعت نہ نصرت سے متاثر تھے۔ دین ہدان سے گفتگو کرتی تھیں کہ طبیعت میں عجیب
 باقرا یا سرسری میں نے ان کی یہ ایک دھندلے (Dough of sand) کہا تھا جو کہانی

۱۔ آپرانا سکا ہی تو سید آوا دھرمی۔ اسدو تھا وہی ہیں۔ تو بھر رہے ہیں۔
 ۲۔ سید ابوبکر بنی کو اسدو کو قاتل کہتے ہیں۔

شکل میں چھپایا گیا۔ حلیہ فیضی اور ان کے شہر کے اہل بیت میں نے اس میں اس کا ترجمہ تمام مکتبہ کے ناموں کی یاد معلوم اس ترجمہ کا پھر کیا عشرہ ۱

حلیہ فیضی کے پاس مشاہیر کے خطوط کا خاصہ ذخیرہ تھا انہوں نے مجھے ایک نوٹ بصریت کی بیاض دکھائی، جس کا پتہ میری حاشیہ تھا۔ اس پر غائب حامد علی خاں دانی صاحب کے ہاتھ لکھا ہوا ایک شعر تھا، یہ بیاض غائب صاحب نام لکھنے کے لیے تھی۔
 دانی صاحب نے سیکڑوں نہیں ہزاروں کا پر لکھا ہے اور ڈگنڈے دے ہیں لیکن حلیہ فیضی نے میں اور گراف یک پر جمع ہے
 لکھنؤ یادہ اپنی اوجیت کی نامہ اسد بقیہ قیمت بیاض اضافہ (۱۸۵۵ء) لکھنؤ (۱۸۵۵ء) (۱۸۵۵ء) (۱۸۵۵ء) (۱۸۵۵ء) (۱۸۵۵ء) (۱۸۵۵ء) (۱۸۵۵ء) (۱۸۵۵ء) (۱۸۵۵ء)
 انگلستان، ترکی اور بعض دوسرے ممالک کے مشاہیر کی تحریروں اور خطوط تھے، ہمارا نام لکھی جب پہلی رائونڈ میں کانفرنس کے بعد
 بحری جہاز سے ہندوستان واپس آئے تھے، تو حلیہ فیضی بھی اسی جہاز میں تھے، انہوں نے ہمارے گاندھی جی کی انگلی میں آپس میں چھوٹی
 اور گاندھی جی نے اپنی انگلی کے خون کا نشان حلیہ فیضی کی اور گراف یک پر ثبت کر کے اپنے دستخط کئے، آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی مجلس
 عاملہ کے جواسکان اس جہاز سے گاندھی جی کے ہم سفر تھے ان سے بھی اس صورت پر خط لکھنے اس قسم کی کاروبار کی باتیں حلیہ
 فیضی کو خوب مری جھتی تھیں۔

حلیہ فیضی کی زندگی صوفی رنگین بھی ہے اور دینی جہت بھی!

خان بہادر عالم علی خاں مرحوم

فقیر ہند سے قبل جب میں دلی میں مقیم تھا، تو خان بہادر عالم علی خاں کا نام سننا تھا کہ وہ چوڑی اسٹریٹ میں ذیہر عظیم میں ایک بڑے
 بار غالباً کنوینٹنسنس گریڈ کے ہیں جو ان دلی میں جسٹریٹ تھے، خان بہادر صاحب کو دیکھا بھی تھا مگر ان سے ملاقات بہار میں ہوئی!

بکستان بھٹے کے چار پانچ سال بعد بہار دلی میں اسد کانفرنس اور شاہد مسعود جہا، کرنل قمبر، صاحب بڑا کینڈا میں ریاست
 بہار دلی کے ذہیرہ میں آئی تھی کی شاندار کوشش میں سب مہمان ٹھہرائے گئے، بابائے آندھرولی عبدالحق صاحب اس قافلہ کے بھانجے تھے۔
 شاعر سے کے دوسرے دن بہار دلی کے سنٹرل جیل دیکھنے کا پروگرام تھا، تمام مہمان شہر اور اہل قلم بریلی عبدالحق صاحب کی
 قیادت میں جیل پہنچے، خان بہادر عالم علی خاں محکمہ جیل کے انسپکٹر جنرل تھے انہوں نے ایک ایک وارڈ سب کو لے جا کر دکھایا۔ وہاں کے حالات
 طریق کار، قیدیوں کی فواک، رہن سہن، اسیری اور سزا کی تفصیلات بتائیں، پھر ایک شاعر قیدی سے ملوایا جا چکے مقیب کے قتل کرنے کے
 الزام میں موقوف تھا، خان بہادر صاحب بہار دلی میں مقیم تھے اس احترام کے انداز میں فرمایا۔

”جب مجھے بتایا کہ یہ صاحب شاعر ہیں تو میں نے ان کے لئے جیل میں ہر قسم کی ممکنہ ہولیں بہا کر دیں، شاعر
 بہت بڑا آدمی ہوتا ہے کم حکم میرے وارڈ سے قیاس کا سامنا کرتا ہے۔“

پھر اس شاعر نے اپنے شعر سنائے اور شاعر کے لئے جیل خانہ شاعر گاہ بن گیا۔

اس کے بعد خان بہادر صاحب نے خط و کتابت کا سلسلہ جاری چھپایا۔ دوست پر ہیں انہی نے کی۔ فنانس کے غریبوں نے اپنا مجموعہ کلام
 ”میتھ عالم“ تبصرہ کے لئے بھیجا، تین چار پانچ خطوں میں انھیں ”فنانس“ میں اشاعت کے لئے ارسال کیے ان میں سے ان کی میں ایک
 عظیم فنانس میں چھپ چکی، جوشت بھی نہیں ہوتی، ان کا شکوہ کیا اور نہ اشاعت کے لئے اہلوار!

دو بار میں پیروند سال ایسی بیماری کے بارے میں خبر ملنے لگی تھی میں بھی تشریف لائے اور میری منزل پر پہنچے ہمیں پہلے ان کے خدا ایک دوسرے کے قتل سے پہلے تھے۔ آخر ایک خط میری اہلیہ کے انتقال پر تقریر کا خط تھا۔ جس سے ہمیں یہ خبر مل گئی کہ وہ قتل ہو گئے۔
 کے بعد میں خدا کا فرزند بن گیا۔ گریں ان سے ملنے گئے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد گریں نے ایک خط میں مدعا کرتے ہوئے کہ میں ان کے انتقال کی خبر پر سوچ رہا تھا۔
 حضرت اللہ تعالیٰ۔

اب سے تقریباً چھ سال قبل عالم علی خاں مرحوم کی ملازمت کا آغاز ہوا۔ انگریزوں کی ایک چھوٹی سی جماعت سے ہوا۔ گھر پر بھی فرزند ہی اس قابلیت کی بدولت ترقی کرتے چلے گئے۔ ریاست پٹواری میں دولت خانی کے طریق اس وقت وہ وقت کی انتہا بلایت کے ساتھ انجام دینے کی بدولت کو فوٹو کیل اہم طریق سے خوشحال بنا دیا۔ انگریز حکومت کی طرف سے خان بہادری کا خطاب ملا۔ ریاست بہاولپور میں جب وہ حکمرانوں کے انسپکٹر جنرل تھے تو بہاولپور سٹریٹس میں کی گئی تھی اس سبب وہ خوش انتظامی کا ثبوت دیا کہ مختلف مسخروں کی بدولت میں خان کو ہر سال ڈیڑھ دو لاکھ بجٹ ہونے لگی، غالباً آٹھ لاکھ بن گیا کہ ساری دنیا میں یہ ایک ایسا جمل خانہ ہے جہاں کا بجٹ فاضل ہوتا ہے، ہرانی میں طلب صاحب بہاولپور نے لاگتوں کی اس حد میں انہیں بہت کچھ فانا! خان بہادری صاحب مرحوم کے بیٹے ہیں جمل خانہ کی آمدنی میں کی ہونے لگی یہاں تک کہ

سہ جہاں سے چلے تھے وہیں آ گئے!

بہاولپور کی زمین اور مکان فروخت کر کے لڑائی کی ڈیفنس سرساجی میں اپنے صاحبزادے عظیم علی خاں کی کوٹھی سے متصل بڑی شاندار عمارت بننے کے لئے بنوائی! وہ سال ہوتے اس کو تعمیر کوٹھی میں سیٹ کا جملہ کیا کچھ اس میں بنایا موجودہ قلاب بہاولپور جو ان دنوں اپنے والد مرحوم کی وفات سے پہلے دلی عمارت مرکزی اہل کے رکن تھے اس جلسہ میں تشریف فرما تھے قلاب صاحب مرحوم خان بہادری صاحب کی فرزند عظیم علی خاں کے کم زلف ہوتے ہیں۔

اس جلسہ میں تقریر بھی تھا گریسٹ لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے میں نے بڑے سہولت میں سیرت مقدسہ تقریر کی اس کے بعد نصیحت کلام سنایا، خان بہادری صاحب کی خوشی کا عالم وہی تھا، جلسہ کے بعد چلے گئے کوٹھی پر آئے تھے ساتھ ساتھ ملازمت بھی تھے۔

خان بہادری عالم علی خاں کی زندگی اس اعتبار سے ایک انجیویر بلکہ سمجھو حکم نہیں تھی کہ وہ پچیس تین سال سے ایک منٹ کے لئے بھی نہیں سوئے۔ جو میں سمجھتے اور آتے پہر جا گئے گئی، ان کی اس سلسل جیادگی کا حال سنکر بعض اچھے بڑے آدمیوں نے کچھ کہنے کہنے آئے ہیں کہ اس بے خوابی کے باوجود ان کی صحت اچھی تھی، بڑھاپے میں بھی سرخ و سپید رنگ تھا، جوانی میں بہت خوبصورت ہونے لگے، مگر جب وقت آتا تو میرے کہنے کی قیامت کی نیند سو گئے۔

آرم لکھنوی مرحوم

نام تھا شہنشاہ حسین، آرم قلعہ، خاص لکھنؤ کے باشندے، شادی میں علامہ آرم لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل تھا زروانی لکھنؤ میں اور جوانی کا خاص حصہ لکھنؤ میں بسر کیا وہی ان علم الہا سبب فن کی محبت اور پریشانی انہیں میسر آئی، انگریزوں کے اہم اے مگر وضع قلعہ، لباس و نشست و جفا ست اور پھر سے آرم کے ادیب فاضل نظر آتے تھے، سلام کر لیں وہ ان کے اٹھ کی جنس اور لون کا نام، ان کے لکھنوی چمکنے کی شہادت دیتا تھا۔

پاکستان میں آئے کے بعد ان کی ملازمت کا آغاز ٹھیکہ سٹیٹس سے ہوا اور پھر سیرس کے ہو کر رہ گئے۔ آرم عظیم دھڑلے دینے کی وسیلہ

ہو کر شکیا کہ میں ان کے تلفظ کی صحت کی خدمت میں متعلق ہوں۔

اسی سال کی منت میں گھڑیچھو پشامب، رشید، پاکست، سستی، عزیز، اہنا تب سے بدلت ہے دوسرے دس سال
ذکر خرا، سراج، استغیہ، آرم صاحب اس کے بعد کے تیسرے دور میں قیوم گئے جاتے تھے۔

آرم گھڑیچھو مرحوم کی ساری زندگی سرسوتی ہی میں گزری ان کے حالات کی تسلی کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شاہی نہیں کی اور
شرکب زندگی کی صداقت تک محروم رہے، ایسے ہی دل کے مرض تھے، اس زمانہ کو جس سماجی طور پر مضمحل بنا دیا تھا اس کا فرق
کرنا دشوار تھا کہ سماج کی طرف سے ان کی آنکھوں کا سبب تھی یا انھیں ان کے سبب وہ ناک نظر آتے تھے۔

۱۹۰۷ء میں گھڑیچھو درگمال، گھڑیچھو میں پیدا ہوا تھا، آرم صاحب بھی اس شاعر سے مل گئے تھے۔ گمان کی شکل
وصورت اور شخص بھی بالکل یار نہیں رہا وہ فرمایا کرتے تھے کہ تم سے پہلی بار ملاقات گھڑیچھو کے شاعر سے ہی ہوئی تھی۔

گراچی میں ان سے تارک کے بدشعناں اس کے بعد کئی اور بڑے تکلفی بڑھتی چلی گئی، اس اہمیر سے صاحب درجن دہشت انہیں
چھیڑتے رہتے مگر وہ پرانا نہ تھے جیسے غلام ہوا، گڑبا، اسے گھڑا ان کو آتا ہی نہ آتا، ان کی جگہ کوئی دوسرا آگے فرط ہوتا، تو بعض وقت
ہمارے خلاف یہ طعناں کیا گائیاں دینے پر آمنا تھا :

اب سے چھ سال قبل شرفی پاکستان کے متعلق ہیں ان کا انداز، یہ سات دن کا طوفانی وعدہ بھی یاد ہے گا، مجھ کو چل کر دوپہر کے
قریب ہوائی جہاز سے ڈھاکہ پہنچے، وہاں شب میں مشاعرہ پڑھا، دوسرے دن چٹا لگ گیا، چار بجے، دال کے تار سے سے خفا ہو کر ڈھاکہ
آئے تھے تیسرے دن ہوائی جہاز سے ایئر فورس کے لئے روانہ ہوئے، پچیس منٹ کا سفر اس کے بعد چھ منٹ کا رہی، اجروہی میں جو شیخ ہیں تو شب
میں آئے تھے کہ بعد اسی جاگتے تھے، سب سے پہلے کا شاعر چھوٹے گرامات ہی میں شین کے قادیانہ کھانا کھاتے تھے چل پڑے اس وقت سندھ
گھنٹہ کے مسلسل غم کے بعد گناہ پہنچے، دال کے تار سے میں شریک کر کے دوسرے بعد چھوٹے گرامات میں، تیسرے کے قادیانہ کھانا کھاتے دال سے ہوائی
جہاز پر آئے تیسرے پہر کو ڈھاکہ پہنچا ہوا، میں شب میں مشاعروں کے حاضر میں شرفی پاکستان کے قلب جناب حبیب انصاری کے
دولت کے رہے پھر ان مشاعرہ سخن کی مجلس میں بہت دات گئے ایک جاگتے رہے۔ دوسرے دن ڈھاکہ سے راکھی کو واپسی ہو گئی وہ جو پہن
میں آئے ان کو ٹول کے تھے انہیں کا طعناں بھی کہتے جاتے اور اہلکارانہ کے طعناں کی کیا باتیں پڑھا کرتے تھے، اس غم میں ایسا حال پیش آیا،
جزیرہ عظیم خان، ان دنوں شرفی پاکستان کے گدھے تھے، گھنٹہ کی ڈھاکہ کا شہر سیمرا ہے اسی میں منہلو منعقد ہوا، جہاں صاحب
موصوف بھی شرکت فرما، کسی شاعر کو اس کے شعر پر نیا وہ مادہ تھے کہ غالباً ان کی گزشتہ کتب صاحب ابی بیک صاحب سے کچھ لڑتے تھے، آرم
گھڑیچھو نے اپنی غزل کا مطلع پڑھا۔

وہ یہ کہتے ہیں کہ جا اب گھنٹہ گامی ہو گئی

اسے جنرل: زنجیر یہ لڑ اور بھاری ہو گئی

ال دایقین کے شاعر کو غائب تھا اس پر جنرل صاحب نے ابی بیک صاحب سے سرگوشی کے انداز میں کچھ دریافت کیا جب منہلو گاہ سے ہم
گاہ پہنچے تو اس نے کہا کہ آرم صاحب آپ سے غصہ کیا، اسٹیل کا رکھ دے، ایسا ہی ہو چکا ہے، وہ چونک کر پوچھے، اس
نے گویا است سے کہا طعناں، اور بغیر انہیں نے تقسیم ہند سے قبل انگریز کے دور حکومت میں گھڑیچھو کی تھی وہاں میں انہیں ان کی غزل
صاحب کی شرفی ان غزلوں میں سے ایک ہے، آرم صاحب کی یاد کرنا کہ یہ شعرا ان کے شعروں میں مضمحل ہوئے بنا رہے۔

وہ سب گن نظر آتے، اب جیسا آرم، ہم جاتے ہیں کہ تمہارا سیاست سے مدد کا بھی واسطہ نہیں رہا، مگر۔

پیر زنجیر اور بھاری ہو گئی *

اس کی قریبہ تو ہماری سمجھ میں بھی نہیں آتی، اس شعر کو یہ معنی پہنائے جا رہے ہیں کہ پچھلے وعدوں کے مقابلہ میں موجودہ وعدہ سنا تو ہے! آدم بے جا رہے کے چہرے پر نڈر و تزلزل کی ہمایاں سی چھٹکتے لگیں، کئی دن مذاق کا یہ سلسلہ چلتا رہا اور عباس مذاق کا لٹا اُن پر کھن گئی، تو برا نہیں مانا۔

آدم سے آخری ملاقات اُن کے مرنے سے بعد پچھلے جناب امیں آخرتیم دینا کی زنجیر حضرت امیر مینی کی صاحبزادی کی شادی میں ہوئی، چند منٹ نہیں مذاق کی باتیں بھی رہیں، بس پھر وداع کی گندہائی تھیں کہ مہر کی وجہ سے ان کا انتقال کی خبر پڑھی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

آدم لکھنوی خوش گوشا تھے، غزل کے مزاج کو پہناتے تھے، اُن کے ترنم میں انفرادیت کے ساتھ سناگدشت بھی تھی بعض شاعروں میں وہ اس قدر کامیاب ہے کہ بعد کوئی شاعر حرم ہی نہیں سکا! اُن کے چند شعر۔

اے جنوں! زنجیر تو اور بھاری ہو گئی	وہ یہ کہتے ہیں کہ جا اب رستگاری ہو گئی
دلت پیش نظر محبت تمہاری ہو گئی	آئینہ میں اپنی صورت دیکھتا جاتا تھا میں
اُئی نہ بہارِ آخِر، شاید نہ بہارِ آئے	ہم باغِ تن میں دن اپنے گزار آئے
بے نام لئے تیرا ہم تجھ کو پکار آئے	ٹکڑا یا ترے درد سے اک لہرہ مٹا نہ
ابھی صورت نقش قدم دیکھتے ہیں	کبھی سہمی دکھ دیں گے دھڑل پہ اُن کے
مگر جن نگاہوں سے ہم دیکھتے ہیں	کوئی دیکھ کہ اُن کو سنبھلے تو حبابیں

مطلق کا معرکہ ثانی غالب کا معرکہ۔ خیابانِ خیاباں آدم دیکھتے ہیں۔ اُن کے کھلے (آدم) کی مناسبت سے لطف فرمے گیا۔

سہمہ جو علی احمد کے ایک کلام میں ہے اس کا لفظ اُن کی نگاہ پر ہے

فنا کیلئے
نیر صفتی کا رستہ نکلا

قرنط

ڈاکٹر سید عبداللہ

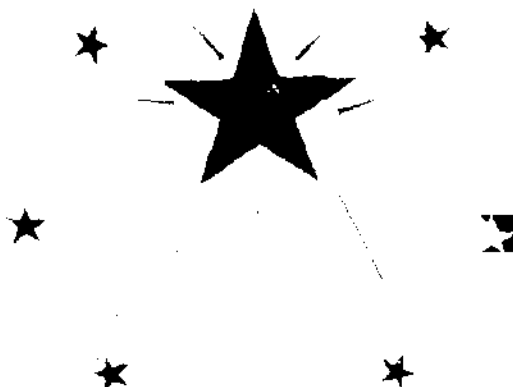
مقدمہ از مولف

شہادت احمدی لکھنؤ

پیشکش

سال نو کے ساتھ آ رہی ہے

پیشکش کاروان - لاہور



**SYMBOL OF
PERFECTION IN POPLINS**

Now

LANSOMIZED

THE ALL STAR FABRICS



TEXTILE MILLS LTD., KARACHI

Manufacturers of the Green poplins

نہانگی ملتوی کرتا ہے، اس صورت میں خلف کا الزام کیسے قائم ہو سکتا ہے یہی وہ شیعہ رائے رسول ہے جو علین آسارہ کو وفات رسالت کا پہلے بعد و بعد گٹھوں کی مخالفت اسفندۃ اللہ کے باعث مینہ ادھیل اسلام کی نازک حالت پر جاننے کے لشکر لڑ کر نصرت کرتا ہے ۔

اس کتاب میں بعض باتیں ایسی بھی آگئی ہیں جن سے صرف نظر ممکن اصحاب سب نہیں مثلاً - واقعہ السریٰ کو داخل مصنف "دعایا" کا درجہ دینے میں (دس ۱۳۳-۱۳۴) حالانکہ جہر علماء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ حدیث کو معراج جمہانی طور پر عالم بیداری میں ہوتی تھی -

قرآن شریف میں "جن" کا ذکر ایک مستقل نوح مخفون کی حیثیت سے ہوا ہے لیکن سیدنا اب علی مرحوم نے اس مسئلہ میں سرسید احمد خاں عفا ثلہ ہرگز حق سے بعدی یا دغی یعنی "جدا" اور گنہگار لوگ مراد لئے ہیں! ان کا یہ خیال اور تحقیق صحیح نہیں ہے۔ قرآن کریم میں اس انداز میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور انبی لوگ پیدا کئے یا مہذب و غیر مہذب بقول کو وجود بخشا ؟

"الہاس ہوں یا علی یا نوحا ج حفظہ، الشرحہ، اس لئے زندہ ہیں" (ص ۷۷۸)

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جمہور امت کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ مصلوب نہیں ہوئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو اٹھالیا، وہ آسمان میں اُڑے
 میں اسے بارہ دنیا میں تشریف لائے گئے۔ محض تپاس کی بنا پر متواتر احادیث کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

غلای کے پاس میں بھی داخل سیرت نگار کی رائے میں تہمت کی آمیزش نظر آتی ہے۔ درج ۳۴۸ اگر اسلام نے تہمت کی غلای کو درج میں جنگ کے جنگی حالات اور ضروریات دھماکے بھی شامل ہیں، ختم کر دیا جاتا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس آخری وصیت کی یہ صفہ ۳۴۸ پر خود اس کتاب میں درج کیا گیا ہے۔

نمائندگی پابندی کرے اور لٹریٹری حلقوں (کا خیال رکھو)

کیا توجہ کی جائے گی جو میں مولانا ابوالفضل علی کا واقعہ طرہ پر پڑ کر مر رہا ہے !
 پرفیسر سید غلام علی مرحوم نے حضرت ابوالطالب کے مرنے پر ایمان لانے کی تصدیق کی ہے۔ — مشہور حدیث میں گفت مولانا
 رضی صلاہ — کی شرح میں وہ لکھتے ہیں —

جواب علی مرتضیٰ کے انہیں اوصاف حمیدہ اور قربات قریبہ کی بنا پر رسول اللہ نے دوا کی تو اس کے وقت آپ کو حضرت یاروں سے تشبیہ کی تھی کہ میں طرح حضرت اعلان اور ان کی اولاد میں نسل بعد نسل ہمیشہ بنی اسرائیل میں دوا کی پیشوا اسلام مانے جانے میں دیکھو کہ یہ کتاب خروج (۱) کی طرح حضرت علی اور حضرت حسینؑ نسل بعد نسل اسی دھبہ خاں میں رہے، مجتہد انداز میں جب رسول اللہ کو اپنی عظمت کا انانہ قریب معلوم ہوتا تھا، اُمت مراد کو رخصت کرتے وقت آپ نے علی الاعلان جناب مرتضوی کو اس خاص دھبہ پر فائز فرمایا، یہ دھبہ روایت اس عمدہ خلافت سے ممتاز تھا۔۔۔۔۔ (صغیر، ص ۱۰۴، ص ۱۰۵)

امامت اور ولایت کو ایک خاندان کے ساتھ مخصوص کر دینا ایسا تو ہی ان کے بارے میں عصمت کا عقیدہ رکھنا یہ عصمت کا وہ غلو ہے جس سے اسلام میں بدکا گیا ہے۔

”سفیر کے نوہی ادا اصول انتخاب کے لحاظ سے بے قاعدہ کا مدعا تو تسلیم کر کے (حضرت علیؑ) کمال ایثار

ادھر نفسی کا اظہار فرماتے ہیں اہل اسلام میں فتنہ پیدا نہیں ہونے دیتے (ص ۴۳۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدتی بنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتخاب کو شے تا بعد کا مدعا تھا کہ ان اس

انتخاب کے تسلیم کرنے کو حضرت علیؑ کے کمال انبیا اور انکس نفس سے تعبیر کرنا — شیعیان و زکریا کی حکایت ہے اس قسم کی چند باتیں حضرت کے علم سے جو نکل گئی ہیں، ان کے پس منظر کو سمجھنے کے لئے پرفیسر سید نواب علی صاحب کے حالات زندگی کے اس اقتباس کو ضرور پڑھ لیا جائے۔

اب بعد کے شدید عقائد کے برعکس آپ نے اپنے چچا کی پیروی کی اور شیعیان کے عقائد سے نفرت کی، لیکن اس کے

باوجود اپنے شہر خاندان سادات کی دعایات کے خود تک امین تھے۔ (از صہبہ اکھنوی صفحہ ۱۴۵)

مسلمان کو سیدنا، وحید و وحیدہ، حکم کو علم اور کعب العقی کو کعب اطمینان — پڑھنا پڑایہ کتابت کی خطیاں ہیں، مگر تفسیر کے چھبہ جگہ تفسیر لکھا گیا ہے اسے کیا سمجھا جائے؟

کتاب کے آخر میں جناب سید اکھنوی دہلی ماہنامہ انکار نے داخل مصنف کے حالات زندگی دئے ہیں اور علمی دنیا کو خبر دے رہا ہے کہ پرفیسر سید نواب علی صاحب کی غیر مطبوعہ تصانیف جلد شامت نہیں مرنے والی ہیں۔

چنانچہ اس مقام سے قطع نظر کوئی شک نہیں کہ اپنے موضوع پر یہ کتاب بلند پایہ تاریخی، علمی اور دینی پیشکش ہے، مکتبہ انکلاساں کتاب کی اشاعت پر مبارکباد کا مستحق ہے۔

ماہنامہ الحق "ذیہر سیرت" — شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق — طابع ناشر۔ مولانا سید الحق، ندوۃ الائمہ چھپرہ ہے،

۵۰ پیسے، طبع لاہور، دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ کوئٹہ خاک

ماہنامہ الحق کی دوسری جلد کا پانچواں شمارہ ہمارے سامنے ہے جس میں دینی اور علمی مضامین کا بڑا مجموعہ پایا جاتا ہے۔ "تفسیر آغاز" سے لے کر مکتوب ابتداء تک تمام مضامین دین و شرعیات اور اخلاق و پاکیزگی کی ترجمانی اور حکایت کرتے ہیں، ان میں مولوی غلام محمد (دلی)، مولانا کاظمہ "حضرت حمزہ اقدس" "حق خود ہے" "خامخود سے یہ عزمان کہ" — "حضرت حمزہ اقدس صاحب" میں دلیس گفتگو پیدا کی ہے۔ اگر قصور صرف تزکیہ نفس، اعتدال بغیر احشیت الہی، اظہار نعمت اور شکرانہ، فضیلت کا نام ہے تو پھر اس کو "ابنا و کلام" سے نسبت دینی چاہئے اور قرآن کریم کو "حمیتہ قصور" کہنا چاہئے! — حالانکہ قصور ان خوبوں کے علاوہ کچھ اور "تکلفات" بھی اپنے اندر رکھتا ہے! مثلاً حدیث میں صرف ابدال کی اصطلاح آئی ہے اور یہ حدیث بھی جس میں ملک شام کے ابدالوں کا ذکر ہے اپنے اندر نقص رکھتی ہے، قطب غریب، قیوم، یہ عہد ہے اور ماضی بعد کے لوگوں کے تراشے مرتے ہیں، دین میں ان کی کوئی اصل نہیں باقی، ان ماضی کے خصوصیات و اہمیت کی نگاہ میں آنہوں نے توحید خالص کو ختم کر دینا چاہئے۔

کیا قصور نے مسلمانوں میں اس غلط تصور کو پیا نہیں کیا کہ کچھ لوگ جو بالکل غیر مکلف، لاعلم ہیں، ان کو "مذہب" اور قائل اعجاز سمجھا جائے اور ان کے ہدایات کو "مذہب" اور "مذہب" کا دھبہ دیا جائے۔

شیخ محمد الدین ابن کوی ہونو "قصور" کے سب سے نمائندہ ہیں کیا ان کے افکار و اقوال میں خلیان واضطراب نہیں پایا جاتا؟ صرفیا و کلام کے ملحوظات میں کیا بعض باتیں نہیں ملتیں، جن کو شریعت کے مطابق ثابت کرنے میں شاربین کو خاصی مشقت کرنی پڑی ہے مگر پھر بھی۔

سہ کیا ہے بات بھال بات بنائے نہ بنے

تبریز پر اعتدالات، سلسلہ قصور کے شعور کی تلاوت، پاس انفس، صلوة معلومہ اسلام قسم کے بعض دوسرے طریقہ، کیا ان کے لئے کتاب و سنت اور آثار صحابہ میں کوئی سند اور مثال ملتی ہے، کیا صرفیا و کلام کے تذکرہ میں ایسے لغات نہیں پائے جاتے کہ مشاغل ہندوگ نے کسی دوسرے صوفی ہندوگ کی ولایت کی ایک نگاہ میں سلب کر لیا اور وہ بے جا دباؤ لگ کر اس کی بات پر غور نہیں کیا، سلب کی ہرئی ولایت اسے واپس کر دے!

ماہنامہ الحق کوئی شک نہیں دین و شریعت کی قابل تہذیبیت انجام دے رہا ہے اور محمد بن عبدالمغرب رسول کے انکار باطل کی تمہید اس کی ضرورت رہی ہے خاص طور سے حضرت محمد علی علیہ السلام کی مہتمم دارالعلوم حقانہ کے مضامین پڑھنے کے لائق ہوتے ہیں اس مودت نہدہ میں یہاں سے بھی حق کی آواز بلند ہو رہی ہے وہ تہذیب و تعاون کی تسبیح ہے، اللہ تعالیٰ دینی اور مادی مسائل کی عمر ومانظر دے، انہیں کی بھی توفیق کہ اسلام پسند اہل علم اور اہل باطن اپنے فروعی اختلافات کے باوجود ایک کا ذریعہ جمع ہو جائیں۔

جلسہ امانت :- نور شیعاع، معراج الاسلام، احمدیہ، عثمان احمد سمیت فی پرچہ ۵۰ پیسے۔ سالانہ مجلہ چراغ راہ چندہ نور دیے، ملنے کا پتہ :- چراغ راہ، یوسف منزلی، ہر روزی روڈ، کراچی۔

ماہنامہ چراغ راہ : مشہور سالانہ ہے جو ہر سال دین و اخلاق اور علم و ادب کی خدمت انجام دے رہا ہے اس پر قصر و ایران کے عتاب و ہمہ کی سخت دقت بھی آئے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب تک زندہ ہے !

تین ہفتے سے سالانہ معارف اسلامی کی نگرانی اصیافت میں نکل رہا ہے اس تبدیلی اور نئے انتظامات نے ”چراغ راہ“ کو صورت و معنی کے لحاظ سے بہت کچھ عیدہ زیب و اسبلندہ تیار کیا ہے اب یہ ادب و شعر اور دین و اخلاق کے نئے جملے مضامین کی بجائے خالص دینی اور علمی مہلک بن گیا ہے۔ یہ تبدیلی بڑی مبارک تبدیلی ہے اللہ تعالیٰ اس تبدیلی کو اس لئے اللہ دین و اخلاق کی خدمت کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔

از مشائخ فرید الحق :- ایم۔ اے۔ ایل، اس کی (علیگ) صغیرہ اسلامیات اسلامیہ کالج، کراچی۔ ضخامت :- ۱۰۰ صفحات (مجلد رنگین گروپش) قیمت آٹھ سو روپے۔ ملنے کا پتہ :- سر سید بک کمپنی، بی۔ اے۔ روڈ، باندہ کراچی۔

جناب شاہ فرید الحق :- دستور و سیاسیات کے موضوع پر ایک صنف اور علم سیاسیات کی حیثیت سے خاصی شہرت رکھتے ہیں یہ صورت کی کتاب میں منظر عام پر آ کر مقبول ہو چکی ہیں یہ کتاب — نظری سیاسیات — (POLITICAL THEORY) جو ہمارے سامنے ہے اس کا پہلا ایڈیشن چھپنے کے بعد ہی چند ہفتوں میں ختم ہو گیا اب اس کا دوسرا ایڈیشن ضروری تریم اور مفید اضافوں کے ساتھ تیار کیا گیا ہے۔ یہ کتاب گیارہ اہلاب پر مشتمل ہے :-

۱) علم سیاسیات کی تعریف اور نوعیت ۲) سیاست ۳) سیاست کی ابتدا سے تعلق نظریہ ۴) سیاسی اور سماجی اطاعت کے اسباب ۵) قوم اور قومیت ۶) اقتدار اعلیٰ ۷) قانون اور انصاف ۸) کلیہ اور سیاست ۹) جدید سیاسی نظریے ۱۰) مختلف مکتبہ تیار اشتراکیت ۱۱) کلیاتی نظام۔

کتاب کے اہلاب چلے عرفی میں کچھ گئے ہیں اور اس کے ساتھ انگریزی کی معروف اصطلاحیں بھی درج کر دی گئی ہیں مثلاً :-
نظریہ پندسری یا اہلبی (PATRIARCHAL THEORY) قربت یا فانی رشتہ (KINSHIP OR BLOODREATION) مساوات یا اخوت (EQUALITY AND FRATERNITY) نظریہ افانیت (UTILITARIANISM) کلیاتی نظام (TOTALITARIANISM)

یہ کتاب ماحصل بی۔ اے اور ایل۔ اے کے طلباء کے لئے لکھی گئی ہے مگر جامعیت اور معلومات کے اعتبار سے یہ کتاب اہل علم کے مطالعہ بلکہ استفادہ کے لائق ہے، سیاست کے کچھ گئے اندر پہلو ہیں، جن کی دلنشیں تشریح اس میں ملتی ہے پھر یہاں سیاسیات میں فلسفہ کا رنگ پیدا ہو گیا ہے، وہاں بھی خالص صنف کعبیان میں شاسلہا و پایا جاتا ہے، انہوں نے ماہرین سیاسیات کی آراء اور اقوال نقل کرنے

کے ساتھ تھا۔ ان پر کہیں کہیں تنقید بھی کی ہے۔ امیہ دلیں ہے مصنف کی زناخت اور بصیرت و مہارت کی۔ مثلاً:۔۔۔ "مل کی کائنات
عمل کا نظم یہی نحو ہے، اس لئے کہ فرد معاشرہ کا ایک جز ہے یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ فرد بعض ذاتی کام معاشرے پر نظر انداز نہیں کرتے
... مل معاشرہ کی عضوی کا ان اور وحدت کو نظر انداز کر گیا ہے اس نکتے کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا۔ آنا دی ایک حق ہے اور حق کہنے یہ ضروری
ہے کہ معاشرہ اسے تسلیم کرے۔" اسپنسر کا بقائے اصل کا اصول بھی نحو ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ کرند اور مغرب کو معاشرے سے نکال
دیا جائے؟

معاشرہ و سیاست کیا ہے ؟ فاضل محنت نے چند فقرے میں اس کا شریح کی ہے ۔

● معاشرہ ایسا نلکا کا ایک ایسا گروہ ہے جس میں ہر فرد ایک دوسرے سے انفرادی اور اجتماعی طور پر ایسی طرح مربوط ہوتا ہے کہ اس کی معاشی، اقتصادی، مذہبی، اخلاقی اور سیاسی نشوونما معاشرے کے وابستہ ہوتی ہے، معاشرہ بے تنظیم کے نام نہیں لے سکتا، تنہا تعلیم کو ہم حیات کا نام دیتے ہیں اور اس سے متعلق علم کو علم سیاست کے نام سے موسوم کرتے ہیں :-

”اس طرح کے نوٹیک کو ان کی ہونے کے لئے سیاست میں رہنا ضروری ہے۔ مگر وہ یا تو جو قوم ہے یا پھر خدا“
 ”حکومت کا اخیر سیاست کا تقریر بحث ہے اس سیاست کے اخیر حکومت کے لئے کارنامہ سیاست ایک
 مجبور تصور ہے تو حکومت اس تصور کے عملی اظہار کا فیصلہ ہے بلکہ مقررہ کے الفاظ میں حکومت ایک زندہ
 افراد ہے اس سیاست کے مقاصد کے حکومت کی ہونے کے کاروائی ہے۔“

۱۔ حکومت کا بغیر ریاست کا تصور بحث ہے اس ریاست کے بغیر حکومت بے کار اور ریاست ایک مجرور تصور ہے تو حکومت اس تصور کے علمی اظہار کا اندازہ ہے بلکہ ماحول کے انفرادیوں حکومت ایک زندہ افراد ہے اس ریاست کے مقاصد کہ حکومت ہی مدد کے کار لاتی ہے۔

● حکومتِ پاکستان کے عزمِ مریدانہ ایک اہم عنصر ہے کہ یہ کہ خود ریاست ہے، ریاست مستقل اور پائیدار ہے جبکہ حکومت ناپائیدار اور غیر مستقل ہے۔

ملت اسلامیہ کے حاکموں کی خیراتوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے۔

۱۔ وہ جاہ و شہرت اور عہدہ حاصل کرنے کے لئے حلیص نہ ہو اور خود ہی اس کا طالب گانہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک تم میں سب سے بڑا خائن وہ ہے جو خود اس کا طالب ہو۔ (البدائع)

۲۔ مجاہد پر کسی ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی منصب پر مقرر نہیں کرتے، جس نے اس کی درخواست کی ہو یا جو اس کا حلیص ہو۔ (کنز الدقائق)

”بخدا قسم! ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی منصب پر مقرر نہیں کرتے، جس نے اس کی درخواست کی ہر باجی اس کا حلیہ ہو۔“ (امامی دس مسلم)

اسی - عجب جاہ تھے ہر ساری دین کو حکومت کے عرصے حاکموں کی حرص اور دھڑبھ مغفقت کے ہاتھوں طرح طرح کی پریٹ نیوں میں مبتلا کر دکھا کر لوگ حاکم بننے کے لئے ہر طرح کی کوشش بلکہ سازشیں کرتے ہیں اور کسی مل جاتی ہے تو اس سے کسی قیمت پر ہٹنا ہی چاہئے۔

تعلیم اہمیت کے پاسے میں کلمہ حکمت :-

آپ نے کیا ہے سیاست کو اپنا تاج کر کے کلیسا ہی کو ریاست بنا دیا اور باؤں والوں نے کلیسا کو تاج کر کے ریاست کو کلیسا بنا دیا۔

اسلام اور ذہنی ارتقاء —

۱۰۔ اسلام میں مذہبی استغوا پر کوئی ضرب نہیں پڑتی، مسلم فقہ کی بنیاد پر اجتماع و تباہی اس امر پر ہے کہ امت کو
کاملتِ مذہبی بنانا ہے، لیکن مذہبی آزادی کا یہ مطلب نہیں کہ انسانی ذہن خدا کی ذہن پر ذوقیت رکھے، بلکہ

خلافت و سنت کی خلاف ورزی کی صورت میں ممکن نہیں :-

اسلامی سیاست کے خطوط و حال کیا ہوتے ہیں ؟ اس کو اس کتاب میں خاصی تشریح کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور مصنف نے عین امتدادی کے ساتھ متعلقہ باب کے آخر میں لکھ بھی دیا ہے کہ پیغمبر اسلام اس احمد صاحب کے مضمرات سے یہ باب اخذ ہے !

حکومت امدادوں :-

”آزادی کو بالکلہ قوانین کے رحم و کرم پر چھوڑنا درست نہیں، اس لئے کہ بعض حکومتیں ایسی جاہلانہ اور غیر جمہوری ہوتی ہیں کہ وہ عوام کی آزادی سلب کرنے کے دھپے ہوتی ہیں اور امتداد کے بن بوجھ بظاہر ان قوانین نافذ کرتی ہیں۔۔۔۔۔“

اسٹیٹسٹلٹ نے بڑی اچھی بات کہی :-

”اے ان پر کو غیر مطمئن رہنا جائز ہے کہ مطمئن رہنے سے بہتر ہے ؟“

اشتراکیت کیا ہے ؟

”لفظ اشتراکیت، اجتماعیت کے علاوہ اسے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے کہ اس لفظ کی صحیح تعریف مشکل ہو گئی ہے، اس کے مضمرات لگا دوں گے اشتراکیت کی چھ سو گز تعریفیں چھپا دیں، و جتنا اشتراکیت میں اتنی ہی اشتراکیتیں ہیں، یا اشتراکیت کی تعریف نہیں چاہتے کہ اشتراکیت کیا ہے ؟“

کسی اشتراکیت پر مصنف نے تنقید کی ہے کہ اس کی بنیاد صرف توہم پر مبنی ادغام خیالی ہے جسے عملی طور پر عام کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔

دوسرا رخ :-

”اسنادادہ جمل کریں“ (صفحہ ۱۱) ”جمل“ زائد ہے۔ ”اور نہ ہی اسے بہتر جانے،“ (صفحہ ۱۱) ”انوس ہے کہ“ نہ ہی نے دہائے عام کی صرف اخفیا رکھی ہے۔۔۔۔۔ ”اس طرح کے تعلق بھی یہ شہد ہے اس نے سینکڑوں دساتیر کا مطالعہ کرنے کے بعد بعض نتائج اخذ کئے“ (صفحہ ۳۲) ”سینکڑوں دساتیر“ میں مبالغہ پایا جاتا ہے، متعدد دساتیر لکھا تھا۔۔۔۔۔ ”مصلحت اور میل ملاپ“ (صفحہ ۱۹) ”و“ زائد ہے۔ ”میل ملاپ“ لولتے اور لکھتے ہیں :-

”خدا کے بعد سب سے برتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ہے، جو خود خدا نہیں تھے، بلکہ انسان تھے، عیسائی بادشاہوں کی طرح بے لگام مطلق العنانیت حاصل نہ تھی“ (صفحہ ۳۰) ”اس پر ہی عبارت کو بدل دینے کی ضرورت ہے، بے لگام خاص طور سے نکال دینا چاہئے۔“ ”حکومت نے نظریہ انفرادیت میں جان ڈالا ہے،“ (صفحہ ۱۸) ”یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کہ“ ”جان ڈالی کی بجائے“ ”جان نکالا“ چھوڑ گیا۔ ”صفحہ ۱۸ پر یہ غلط“ ”کو“ ”حقین“ لکھا گیا ہے، اسی طرح ”تابع“ ”کوئی مقامات پر“ ”تابع“ (صفحہ ۲۶) ”کتابت کیا گیا ہے اور مطالعہ“ ”کو“ ”مطالع“ !!

مارکس کے ”نظریہ نقد ناپید“ پر فاضل مصنف نے تنقید کی ہے۔۔۔۔۔

”نقد ناپید کے تعین میں مارکس نے غلط تجزیہ کیا ہے اس لئے کہ سرمایہ دار مزدوری ادغام بال کے علاوہ دیگر افواہات بھی کرتے ہیں کہ شل کے طور پر نیکیں ادا کرتا ہے اور بہت سے ایسا افواہات جہاں کی حفاظت وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں کہ بڑے ہیں، نیز سماجی مذاہب کاموں میں بہت سی چیزیں دیکھ جاتی ہیں ؟“

اس کے علاوہ یہ بھی لکھا تھا کہ سرمایہ لگنے والا سرمایہ کے علاوہ اپنا وقت، توانائی اور عمارت جو اس کام میں صرف کرتا ہے اس کا مدد دہ بھی تو

یا ایہا الذین آمنوا لیسنی قوماً قویم

۱۔ ایمان والو! نہ عروہ مروہ سے پختہ ۱۔ (ص ۲۸۶)

۲۔ چھٹے کی جگہ۔ شمشاد کریں۔ یا۔ فلاق نہ آتھائیں۔ ترجمہ کرنا تھا۔

۳۔ نظری سیاست۔ کوئی شک نہیں اپنے موضوع پر کامیاب علمی اور سیاسی پیشکش ہے، فاضل مصنف کی یہ رجحانات

اداسلای انکار محنت مندانہ ہیں، جن کی جھلکیاں اس کتاب میں بھی نظر آتی ہیں!

ہمہ قسم کی سیٹری کاسٹامان

جی آئی پائپ۔ سی آئی پائپ۔ آر سی پائپ۔ بین

ڈبلیو سی۔ ملکی درغیر ملکی کی خریداری کیے

پتہ ذیل پر تشریف لائیں

سلمان برادرین سیٹری اسٹور ۳۳ اکبر روڈ (دوبڑ لنگل سینما)
صدر کراچی ۷۷

ماہنامہ کارکنان لڑائی

۱۱
انتخابات

آدم جی کا پارچہ بچا
میرے ہاتھ میں

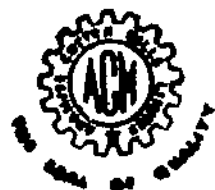
۱
۱

کس

صرف اخی
دسینکوں
پولٹے اور

بہ نگام مطلق
کے

کو مطالعہ



آدم جی کاٹن ملز لائنڈھی کراچی

اس کے خلاف

ہے کہ تم ننگہ شرم کر دے گے۔ اب ان سے بچنے و مدد پر اصرار کرتا ہوں۔ ان کا لہجہ یہ حال رہے اللہ تمہاری نفسیات سے واقف ہے لہذا اس سے ڈرنے پر اللہ غفور و رحیم بھی ہے۔ ۲۳۵: ۱۲

فقیر غنیو! شریف المصباح حاجت مندوں کی نفسیات انسان کی شناخت بتاتی تھی کہ:

"۱۔ انہیں ان کی خود مادی اولیٰ عزت کے سبب غنی سمجھنے میں گمراہی ملے گی۔ یہ ان کے لیے گمراہی کا علاج و ماحول کے ساتھ بہت کر نہیں مانگتے۔" ۲۴۳: ۲۔ عزت منداں کی احتیاج چھپاتے ہیں مگر کفایت چہرے سے کھنکھاتا ہے۔ نئے زوال و غریب پسیمانہ شہادتیں ان کا فقر و غریب اس انداز کا ہوتا ہے جس کی ترجمانی انبیا نے کی ہے۔

گمائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غمراہ تھے کہ نعمت کو گملا کے ڈر سے دینے کا نہ تھا بار بار

ایسے غریبوں کے ساتھ غریب ہی سلوک بھی کرتا ہے۔ حضرت عمر بن عثمان کا ملاقاتی شاعر عمرو بن کیس ایک بار اپنے پیچھے ہوئے پاس کو بائیں چھپائے ہوئے آیا، حضرت عمر نے آستین سے اٹھانہ کر لیا اور اس کی حاجت روائی کی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ واقعہ عمر بن سعد کا تب اور حضرت عمرو بن العاص کے درمیان ہوا جبکہ حضرت عمر نے ہنر و ہنرمندی کے اندر سرکپڑوں کی خلعت عطا کی اور احسان شناس شاعر نے شکریہ ادا کیا۔ سیف اللہ جیسے سخن بچہ بادشاہ نے تنبیہ سے ان اشعار پر تعین کر دی تھی، اشعار اتنے عمدہ ہیں کہ بے کہے دل نہیں مانتا:

ساشکر عمل ما تراخت منین	ایا دی سحر منین وان حلی جلت
میں عمر جو عمرو کا شکر گزار رہوں گا	ان اگر اقدار عطا کیے ہوں برا حیا نہیں جتا گیا
فتی غیر محبوب الغنی من صدیقہ	ولا مظهر انشکری اذا لعل رقت
ایہ جان کہ اپنے دوست سے کہہ دیجئے نہیں کھتا	اور احیاء کی کدورت کسی سے شکایت نہیں کرتا
رأی خلعتی من حیث یخفی مسکاتہا	فکانت قدی عینہ حتی تجللت
میرے غمراہوں کے لیے مخفی چھپنے سے جب غمراہی کر لیا	تو میرا فقر و محبت کا وہ نور اس کے نکالوں کی ٹھکان بن گیا

فالتب موعوم کا واقعہ مولانا جانی نے لکھا ہے کہ عند سگار سے ہرے ایک ٹیس کے بدل پر چھینٹ کا فرض دیکھ کر کہے تاب ہو گئے اور میں عطا کا انداز اختیار کر کے کہنے لگے آپ کا فرض مجھے بہت پسند ہے چنانچہ اس کے بدلے اپنا قیمتی فرض ان کیس کی نذر کر دیا،

جذبات غریب و غصیب! ارشاد ہوا۔ مسلمان غریبوں سے دیکھ کر نہ کہتا جو تمہارے نقصان کے درپے ہے ہیں۔ اور تمہاری مصیبت پر غور کرتے ہیں بغیر و غنا و ثرا ان کے من سے نکلا پڑتا ہے اور دلوں کا مخفی غبار تو بہت بڑا ہے۔ ۱۷: ۳

پھر باطن کا آئینہ ہوتا ہے۔ دل میں جو ہوتا ہے وہ اس آئینہ میں مھلک پڑتا ہے۔ تیرا دھرم و دسرت تمام جذبات اس میں عکس ڈالتے رہتے ہیں مگر غصہ اور بغض کے ضبط سے ناکان و دشمنوں کے برز بھی کاٹنے لگتے ہیں اور غیظ و غضب کا جھاگ منہ سے اُجاڑتا ہے۔

محبت فاتح عالم! قرآن نے اپنا پیغام بھی محبت ہی کے ضمیمہ دیا ہے اور وہ اس بات کا قائل ہے کہ "سینے بول میں جاوے دو ہاتھ ہے کہ حسن اخلاق سے دشمن بھی دوست ہو جاتے ہیں۔" فَاخْلُقْ دُونَكَ دِينًا عَمَلًا تَعْلَمُ اَنَّهُ رَاقِبٌ لِّمَا تَعْمَلُ (آخِذُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا سَائِرَ النَّاسِ هُمُ الْفَاسِقُونَ) اللہ کی دیکھوئی محبت ہی کی وجہ سے آپ نرم طبع میں آکر آپ کی بات کو ماننے والے ہوئے تو یہ ان کی بھی ہے آپ کے پاس سے جا چکے ہوئے۔ انہیں ان کی غلطیوں پر معاف اور ان کے لئے استغفار کر دیا کیجئے، شہدہ میں شریک رکھئے اللہ رحمت کے وقت اللہ پہلے کل کیجئے ۱۵۸: ۳

فردا اور جماعت کا تعلق! اچھے انفرادی سے اچھا معاشرہ وجود میں آتا ہے، جیسے ننگ ننگ کے پہلوؤں سے چن نادر پہاڑ بنے۔ دعوت و کثرت نقطہ و دنیا، ائمہ و صحرا، فردا اور اجتماع، بے تعلقات کی وجہ سے وقت ایک دوسرے پر ڈالتے ہی ہیں، ان سے متاثر بھی ہوتے ہیں فردا اپنے

اشیاء کی ہر گیری کے لحاظ سے جماعت بھی ہے اور جماعت ہر حیثیت ایک اکائی فرد بھی ہے۔